یعنی

اندلس کے حالات پر علامہ مقری کی مشہور کتاب

مترجمہ

مولوی محمد خلیل الرحمن صاحب سرادھوی

سپرنٹنڈنٹ دفتر ایجنٹ نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں ۱۹۲۱ء طبع ہوئی

فہرستِ مطبوعاتِ انجمنِ ترقی اردو

فلسفۂ تعلیم - ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلہ تعلیم کی آخری کتاب والدین و معلّم کے لئے چراغِ ہدایت قیمت سے؍

القول الاظہر - یہ کتاب علاّمہ ابن مسکویہ نے اپنے فلسفہ کے اصول پر لکھی ہے اور مذہب اسلام پر انھیں اصول کو منطبق کیا ہے قیمت عہ؍

نپولین اعظم - کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ نپولین کی زندگی بشری جدوجہد کا آخری باب ہے مکمل پانچ جلدیں قیمت عے؍

رہنمایانِ ہند - مشہور کتاب پرنسز آف انڈیا کا ترجمہ ہے قیمت عہ؍

اُمرائے ہنود - پانسو سے زیادہ ہندو اُمراء کے حالات قلمبند ہیں جو سلاطینِ مغلیہ کے زمانہ میں بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز تھے قیمت سے؍

القمر - قوانین حرکت وسکون اور نظام شمسی کی صراحت اور چاند کے متعلق جتنی جدید اکتشافات ہوئے ہیں اُن سب کو جمع کر دیا ہے قیمت ۸؍

تاریخ تمدّن - الف سے بے تک تمدّن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے - ہر بحث کے لئے ایک عجیب مگر پُر زور اصول اختیار کیا گیا ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے - قیمت حصّہ اوّل غیر مجلد عہ؍ حصّہ دوم مجلد عا؍

فلسفۂ جذبات - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے - قیمت مجلد عا؍

مقدمات الطبیعات - اس میں مظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مُرقع ہے - قیمت عہ؍

ترجمہ
نفح الطیب

نفح الطیب

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ از مترجم کتاب نفح الطّیب

الحمد لله الذی احسن تدبیر الکائنات فخلق الارض والسمٰوات له العزت والجبروت وبیده الملك والملکوت الحاکم علی الاعمار بالآجال والمتفرد بالعظمة والبقاء والاجلال انشانا من الارض نسما واستعمرنا فیها اجیالًا واممًا الذی یجب ان یبدء بذکره المرام ویختتم بشکره الکلام والصلوٰة والسّلام علی سیّدنا ومولانا محمّد النبی العربی الذی بین معالم العرفان المختص بجوامع الکلم فی غایة البیان وعلیٰ اٰله واصحابه الذین لهم فی محبّته واتباعه الاثر البعید وصیت والشمل الجمیع فی مظاهرته ولعدوهم الشمل الشتیت وسلم تسلیمًا کثیرًا ۔ امّا بعد:-

اوراق مابعد میں علامۂ مقری کی جلیل القدر تصنیف نفح الطیب کا ترجمہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ آج سے نہیں بلکہ ایک زمانہ دراز سے مجھے اندلس اور اہل اندلس سے ایک خاص اُنس ہے اُن کے حالات و کوائف اور اُن کے اخبار و سیر میرے لیے قریباً بیس برس سے نہایت دل کش و دل افروز رہے ہیں حق یہ ہے کہ اندلس اور اہل اندلس (سلام اللہ علیہا و علیہم اجمعین) نے میرے دل و دماغ کو ایک عجیب و غریب کیفیت وجدانی میں مبتلا کر رکھا ہے جس کے اظہار کی استطاعت میرے قلم میں نہیں ہے۔ وہ خیال وہ عزیز خیال، وہ جذبۂ الفت، جو میرے دل و دماغ میں مضطرب رہا ہے اور وہ جذبۂ الفت جو میرے سینہ میں برابر تڑپتا رہا ہے، خدائے لایزال کا شکر ہے کہ بفحوائے ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین آج اسی کارساز حقیقی کی توفیق مدد سے خیال سے الفاظ میں تبدیل ہوتا ہے۔ فالحمد للہ فی الاولیٰ والآخرہ۔

تاریخ اسلام جس قدر کہ جلیل القدر و مہتم بالشان ہے افسوس ہے کہ اسی قدر وہ کس مپرسی کے عالم میں ہے؎

من نہ از جورِ غیر نالہ کنم
کنم از دستِ خویشتن فریاد

شکایت ہمیں اُن لوگوں سے نہیں ہے جن کا علم و فضل، جن کی دانش و حکمت، آج تمام روئے زمین پر حاوی ہے، اگر ہے تو صرف اس قدر کہ ان کے بعض افراد نے محض بغض للّٰہی کی بنا پر اسلام کی پاک دامانِ ماشا، اللہ بے لوث تاریخ کو ہر ممکن الوجود طریق

سے ملوّث اور عیب ناک کرکے دکھانے کی کوشش کی ہے گو کہ اس میں کلام نہیں کہ
اُن میں سے چند منصف مزاج اور صادق النیّت مُصنّفین، مثل مسٹر ایس پی سکاٹ
امریکی کے، ایسے بھی ہیں جنھوں نے ایسے شرم ناک اور بے جا تصرّف و غلط بیانی اور
وقاحت سے بہ نفرتِ تمام اعراض کرتے ہوئے اسلام اور تاریخ اسلام کو اُس کی
حقیقی ضیا، اور اصلی نور کے ساتھ پیش کرکے نہ صرف اپنے مقدم الذکر بھائیوں کو شرمندہ کیا
ہے (خدا انھیں شرمائے) بلکہ اقوام عالم کو اُس سے منوّر کرکے اُس قوم پر احسانِ عظیم کیا
ہے جس کو مسلم کہلانے کا فخر حاصل ہے (کاش ہم آج اس فخر کے حقیقی معنوں میں مستحق
ہوتے!) اور جس سے ہم جس قدر گلہ کریں بجا ہے۔ میرا روئے سخن بالعموم مسلمانانِ عالم
اور بالخصوص مسلمانانِ ہند سے ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کی علوم متنوعہ کی طرف سے
قابلِ افسوس بے اعتنائی، اور اُن کی حسرت انگیز بدشوقی اور بدمذاقی کی داد دینے کو
جی چاہتا ہے کہ ہندوستان کے جن چند نفوسِ زکیہ نے اپنا عزیز وقت صرف اور اپنے خون
کو پسینہ کرکے نہایت محنت شاقہ اور دل و دماغ کے سوز و گداز اور بکمال جگر کاوی کے بعد
تاریخ اسلامی پر مجملاً اور مفصّلاً دفتر کے دفتر سیاہ کرکے مسلمانانِ ہند کی روشن دماغی
کا سامان، اور ترقی و اقبال کا ذریعہ بہم پہونچایا۔ مگر اُن کی (خصوصاً اُن لوگوں کی
جنھوں نے اندلس مرحوم سے کچھ بھی اعتنا کیا ہے۔ مثلاً نواب فوالقدر جنگ بہادر) وہ
کچھ بے قدری ہوئی اور ہو رہی ہے جس کے تصوّر سے ہی آنکھیں خون روتی ہیں۔ افسوس
صد افسوس وہ قوم جس کی کتاب پاک رَبِّ زِدْنِی عِلْماً کے ورد کی تعلیم[1] دے وہ قوم

[1] القرآن الحکیم

جس کا نصب العین اطلبوا العلم ولو کان بالصین[1] ہو وہ قوم جو حکمت[2] کو اپنا گم شدہ لال سمجھ کر اس کی تلاش میں سرگرداں ہو۔ وہ قوم جس کے طالب علم[3] کی دوات کی سیاہی خونِ شہداء کا درجہ رکھتی ہو۔ وہ قوم جس کے ہادی برحق نے یہ تعلیم دی ہو کہ کونوا[4] علماء صالحین، فان لم تکونوا علماء فجالسوا العلماء، واسمعوا علماً یدلکم علی الھدیٰ ویردکم عن الردیٰ۔ وہ قوم جس کے ہاں ایک علمی[5] مسئلے کا اخذ کرنا قیامِ لیل سے بہتر قرار دیا گیا ہو، وہ قوم جس کے کارنامہ جاتِ علمی کا صرف ایک ورق، فی المعنیٰ، دنیائے سلف کے تمام کتب خانوں سے افضل و اعلیٰ ہو۔ وہ قوم جو بڑی شد و مد سے

پئے علم[6] چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

کی قائل ہو۔ وہ قوم جس نے دنیا کو فنونِ تاریخ و اسماء الرجال سے آگاہ کیا ہو اور جس کا ایک[7] معمولی فرد آج اس عالم گیر روشنی کے زمانے میں ابوالتاریخ کے ممتاز لقب سے ملقب ہو۔ وہ قوم جس نے احمد ہمدانی[8]، نشوان[9] بن سعید حمیری، واقدی[10]، ابن اسحاق[11]، ابن ہشام[12]، ابن قتیبہ، بلاذری[13]، بکری[14]، طبری[15]، ابوالفدا، ابن اثیر، ابن بشکوال

---

[1] حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم [2] حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم [3] قول جناب ابوالدرداء رضی اللہ عنہ
[4] شیخ سعدی علیہ الرحمہ [5] یعنی ابن خلدون [6] صاحب اکلیل [7] صاحب شمس العلوم
[8] صاحب مغازی الرسول [9] و [10] صحاب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم [11] صاحب کتاب المعارف
[12] صاحب فتوح البلدان [13] صاحب تاریخ مشہور [14] و [15] صاحب تاریخ مشہور و معروف

مقری اور ابن خلدون جیسے مؤرخین (اور خدا جانے کتنی اور پاک روحیں ہونگی جن سے
آج ہم آشنا بھی نہیں رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) پیدا کیئے۔ وہی قوم آج تاریخِ عالم
تو ایک طرف، خود ہی اپنی تاریخ سے لاعلم، اور اپنے اسلافِ صلحاء کے کارناموں سے
محض نابلد ہو۔ اس پر جہاں تک تاسف کیجئے کم ہے، اور جس قدر روئیے بجا ہے۔ یہی کیفیت
دیکھ دیکھ کر میری ہمت پست ہو جاتی تھی۔ میں بار بار کمرِ ہمت باندھتا تھا
مگر ہر مرتبہ قوم کی یہ سرد مہری اور بے توجہی میرے جوش کو ٹھنڈا کر دیتی تھی۔
لیکن چونکہ خیال پختہ اور عزم راسخ تھا آخر ع

دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

کہہ کر میں نے اس کام کو شروع کر ہی دیا۔ اور شکر ہے اُس محمدِ حقیقی، اور موفقِ اصلی
کا کہ آج پوری چار سال کی کامل محنت، عرق ریزی اور دماغ سوزی کے بعد میں اس قابل
ہو گیا ہوں کہ ان اوراق کو (جنھیں اگر میں پارہائے جگر بھی کہوں تو بے جا نہ ہو گا)
قارئین کو نذر کروں۔ میں مجیب الدعوات سے دعا کرتا ہوں کہ اس کتابِ عزیز کے
شیرازے کو ہمیشہ مجتمع رکھے اور میری جو بے لوث بے غرض مرادیں اس سے
وابستہ ہیں اُن سے مجھے اور میری مسلمان قوم کو مالا مال کردے میری عاقبت کیلئے
یہ ترجمہ ذخیرہ بنایا جائے، اور مسلمین مرحومین اُندلس کی مغفرت فرمائی جائے۔

اس امر میں شاید ہی کسی کو کلام ہو گا کہ اُردو میں تاریخِ اسلام پر (خواہ وہ
کُل پر مبنی ہو یا جزو پر) اس وقت تک کوئی جامع و مانع کتاب موجود نہیں ہے مجھے بالخصوص

تاریخ اندلس کا رونا ہے۔ اوّل تو مکمل تاریخ اسلام پر صرف وہی چار کتابیں ہیں۔ مگر وہ کسی طرح قابل تشفی کہلانے کی مستحق نہیں ہیں۔ گو کہ اُن کے مؤلفین ہمارے نہایت درجہ شکریہ کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے اس غذائے روحانی کے چند لقمے فراہم کر دیئے۔ علیٰ ہذا القیاس اُن حضرات کی محنت بھی نہایت قابل قدر ہے جنھوں نے مختلف و متعدد مشاہیر اسلام کی سوانح عمریاں اور کارنامے قوم کے سامنے پیش کیئے ہیں۔ تاہم اس سے کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ بمنزلۂ ابتدائی غذا کے ہیں جو ایک نہایت ہی کم عمر بچے کو دی جاتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمیشہ اسی قسم و نوع کی غذا کو جاری رکھنا بھی حیات کے لیئے باعثِ انجماد اور خطرناک اور زیادہ قوی خوراک کا مہیا کرنا ضروریات سے ہے۔ مگر دقت یہ ہے کہ ادبیات اُردو میں مفصل تواریخ اسلام کی تعداد گویا صفر کے برابر ہے۔ علاوہ ازیں اُردو خواں اب کچھ تو احساسِ مذہبی کی بنا پر اور کچھ اپنی زبان کی محبت کی وجہ سے استکثارِ ادبیات پر نظر آنے لگے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مضمار ترقیِ تہذیب و تمدن میں دیگر السنہ کے مقابلے میں اُردو والوں کو اپنی عزیز زبان کو لائق سبقت بنانے کی آرزو نہ ہو اور وہ کوشش نہ کریں تو اس سے بڑھ کر اُردو کی موت کا سامان اور کیا ہو سکتا ہے مختصر یہ کہ تواریخ اسلام کا وجود اُردو میں تقریبًا کالعدم ہے۔ پھر تاریخ اندلس کے متعلق یہ دعویٰ اور بھی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو درست ہے کہ فی الحال ہمارے ہاں اندلس کی دو یا تین تاریخیں مترجمہ اور مؤلفہ صورتوں میں موجود ہیں لیکن جیسا کہ مجھے ہمیشہ

یقین تھا اب بھی ہے کہ اب اُن سے زیادہ تکمیل و تفصیل کی ضرورت ہے تاکہ ہماری اُس عظیم الشان سلطنت و حکومت کا پورا مرقع اور اُس کی تہذیب و تمدن کا مکمل نقشہ ہمارے اور ہمارے نونہالانِ قوم کے سامنے پیش ہو سکے اور ہماری آیندہ انفرادی اور عصبی حیات کے لیے مشعل ہدایت کا کام دے جس سے ہم پھر اُسی ترقی و اقبال اور اُسی جاہ و جلال کو دوبارہ پا سکیں جس پر ہم ایک زمانہ میں فائز رہ چکے ہیں، اور جس کے آج کل خواب دیکھ دیکھ کر رہ جاتے ہیں اور اُس کی تعبیر معکوس اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ عربی زبان میں اُندلس کی تاریخیں بہ کثرت لکھی گئی تھیں جن میں نہایت مفصّل و مبسوط سے لے کر نہایت مختصر و موجز تک شامل تھیں اور اُن میں سے اب بھی چند موجود ہیں۔ لیکن وجہ مذکور کی بنا پر مجھے ہمیشہ یہ خیال رہا کہ عربی زبان کی کسی مفصّل کتاب کا ترجمہ کیا جائے۔ چنانچہ میں نے اس جامع و مانع کتاب کے ترجمے کا ارادہ کیا میں جناب ڈاکٹر عظیم الدین احمد صاحب پی ایچ ڈی کا ممنون ہوں کہ اُن کے گرامی قدر مشورے اور رائے نے میری ناچیز رائے سے موافقت کی۔ چنانچہ ۱۹۱۴ء کے آغاز میں میں نے یہ کام شروع کیا اور جون ۱۹۱۸ء میں اسی اختتام کو پہونچایا۔ والحمد للہ۔ اس پر جس قدر محنت شاقہ مجھے اس طویل عرصے میں برداشت کرنی پڑی ہے اس کا اندازہ یا خود مجھے ہے یا اُن بزرگانِ قوم کو ہوگا جو نفح الطیب کی ضخامت اور اُس کے طرزِ بیان سے واقف ہیں۔

اِس مدت میں خدائے تعالیٰ کی توفیق یوں بھی رفیق ہوئی کہ اُس نے محض اپنے

فضل و کرم سے مجھ جیسے ناچیز کے ہاتھ سے مسٹر ایس پی سکاٹ کی ضخیم و بسیط (مشتمل بسہ جلد) تاریخ سلطنت اسلامی یورپ کا ترجمہ کرا دیا۔ (اسے خدا قربانِ احسانت شوم) جس سے قارئین عظام بہت جلد بہرہ اندوز ہونگے اور دیکھینگے کہ اندلس کے متعلق اُن کی مستند کتاب سے بہتر کوئی کتاب زبان انگریزی میں نہیں ہے۔ اور شاید آئندہ بھی نہو گی۔

اِس موقع پر اس کتاب اور اُس کے مصنّف کے متعلق چند کلمات عرض کر دینا مناسب ہو گا۔ کتاب کے مصنّف علّامۂ شہاب الدین ابو العباس التلمسانی المقری ہیں جو ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۲ء) میں تلمسان کے موضع مقرہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کی ابتدائی تعلیم اُن کے مولد و موطن ہی میں ہوئی جہاں اُن کے چچا سعید ساٹھ برس تک مفتی شہر کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے تھے۔ بعد ازاں وہ تکمیل تعلیم کی غرض سے فیض اور مراکش گئے ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۸ء) میں وہاں کے سیاسی حالات اور انقلابات سے تنگ آ کر حج بیت اللہ کے لیئے گئے۔ آئندہ سال قاہرہ میں مقیم ہوئے اور نکاح کیا۔ مگر صرف سال بھر کی اقامت کے بعد وہاں سے یروشلم چلے گئے۔ پانچ مرتبہ حج کیا۔ پھر کچھ عرصہ مدینہ منوّرہ میں حدیث کا درس دیتے رہے ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ء) میں اُنھوں نے پھر قاہرہ کا سفر کیا اور واپس آ کر جامع جقمقیہ میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے ۱۰۴۱ھ (۱۶۳۱ء) میں دمشق واپس آئے اور وہاں سے قاہرہ گئے جہاں سے اپنے وطن کو ہمیشہ کے لیئے واپس چلے جانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے

کہ قضا نے آلیا۔ اور جمادی الاولیٰ ۱۰۴۱ھ (جنوری ۱۶۳۲ء) میں داعی اجل کو لبیک
کہہ کر دارِ باقی کی طرف سفر کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون کتاب نفح الطیب (جس کا
پورا نام نفح الطیب من غصن اندلس الرطیب و ذکر وزیرہ لسان الدین ابن
خطیب ہے) اُن کی نہایت اہم تصنیف ہے۔ اُنھوں نے اس کتاب کو حصّوں میں
تقسیم کیا ہے پہلا حصّہ اندلس مرحوم کی ملکی اور سیاسی تاریخ پر مشتمل ہے جس میں ضمناً وہاں
کے علماء و فضلاء کا ذکر بھی آگیا ہے۔ دوسرے حصّے میں اُن کے ولی نعمت وزیر لسان الدین
ابن خطیب کی سوانح عمری درج ہے۔ اُن کے تبحرِ علمی اور اُن کی خداداد قابلیت و ہمت
کا اندازہ اِس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ یہ زبردست کتاب جو چار ضخیم و وسیع جلدوں
پر حاوی ہے، صرف ایک سال کی محنت کا نتیجہ ہے اور اُس زمانے میں لکھی گئی ہے جب وہ
پہلی مرتبہ دمشق سے واپس آکر قاہرہ میں اقامت پذیر ہوئے ہیں۔ اندلس مرحوم کی جس قدر
تاریخیں ہم تک پہنچی ہیں اور باوجود زمانہ کی دست درازی اور ابنائے زمانہ کے جور و
تعدّی کے، آج تک باقی رہ گئی ہیں، بلاشک و شبہ کتاب نفح الطیب ہر لحاظ سے اُن سب سے
فوقیت رکھتی ہے۔ شرح و بسط۔ جمع و منع اور استناد میں کوئی اور کتاب اس کے رُتبے کو
نہیں پہنچتی۔ اے کاش کہ آج ہماری آنکھیں اُن رفیع القدر و منیع الدرجہ کتب سے بھی منوّر ہو سکتیں
جن سے علّامۂ مقری جگہ جگہ اور بار بار اقتباس و التقاط و استناد کرتے ہیں۔ مگر افسوس
کہ سوائے اس کے کہ آنکھیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور دل اُن کے لئے مضطرب ہو ہو کر رہ جائے
اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ علّامۂ مقری اپنے طرزِ بیان اور سختیِ محاورہ و زبان کے لئے مشہور

تاہم ایک عجیب امر یہ ہی کہ باوصف اس کے کہ اُن کی وقت پسند طبیعت نے اُن کی تحریر میں سختی اور کسی قدر اغلاق پیدا کردیا ہی ان کی کتاب من حیث المجموع بجائے مسلّم و مُمل ہونے کے مفرح اور دلچسپ دل نواز ہی۔ وہ تمام واقعات کو نہایت شرح و بسط سے، حتی الامکان تمام یسیر الحصول تواریخ مستندہ سے اخذ کرکے لکھتے ہیں۔ اخذ مضمون اور استنباط نتائج میں اُن کو کمال حاصل ہی۔ اس میں مطلق شک نہیں کہ کتاب ہر طرح کی خوبیوں سے مالامال ہی۔ مگر آخر انسان کا کام ہی اُس کا عیوب سے بالکل مبرّا اور اسقام و نقائص سے قطعاً منزّہ ہونا ناممکن ہی۔ چنانچہ اس میں ایک بڑا نقص یہ ہی کہ اُس میں نہ صرف ترتیب مضامین اور تنظیم عناوین ہی عدم ترتیب و تنظیم کی مترادف ہی بلکہ جابجا غیر متعلق اور غیر ضروری اشعار، ابحاث و مذاکرات بھی سلسلۂ مضمون کی کسر و شکست اور دماغ قاری کی تشویش و ہیجان کا باعث ہوتے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ کتاب مضامین مختلفہ کا ایک بے ہنگم مجموعہ یا ذخیرہ ہی کیونکہ تمام کتاب باقاعدہ ابواب و فصول میں منقسم ہی۔ سقم صرف اس قدر ہی کہ وہ بار بار غیر ضروری اور غیر متعلق امور میں منہمک ہو کر اصل مطلب سے دور جا پڑتے ہیں۔ شعرا اور علما کے اشعار اتنے نقل کرتے ہیں کہ بعض وقت یہ خیال ہوتا ہی کہ اُن کی یہ تصنیف لطیف بجائے فنِ تاریخ کے فنِ ادب کی کتاب ہی۔ میں نے ان نظموں کو اپنے ترجمہ میں حذف کردیا ہی کیونکہ ان کا لطف ترجمہ میں برقرار رکھنا ناممکن محض ہی۔ مگر میں شایقینِ کرام کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ ان کا مطالعہ کرکے لطف اندوز ہوں تو اُن کو معلوم ہوگا کہ اُن کی

محنت ضائع نہیں ہوئی۔ خدائے تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ اب خواہ اسے محض حُسنِ ظن تصوّر کیا جائے یا حقیقتِ امر سے تعبیر کیا جائے مگر میری رائے میں یہ دونوں امور بھی علّامہ مقری کے کمال علم و فضل اور انتہائے براعت و تبحر کے شواہد میں سے ہیں حقیقت یہ ہے کہ علامہ موصوف کے دماغ میں مضامین متنوعہ کی ایسی دھکاپیل ہے، اُن پر تکمیل و استعلائے کتاب کے شوق کا اس قدر غلبہ ہے اور وہ اپنے قارئین کو تاریخی کوائف و اخبار اور اُن کے تمام جزئی متعلقات سے بہرہ ور کرنے کے ذوق میں ایسے سرشار رہیں کہ نادیدہ و ندانستہ کتاب کی وہ صورت ہو گئی ہے جو ہے۔ کتاب کا پہلا حصّہ دوزی (Dozy) دوگات (Dugat) کریل (Krehl) اور رائٹ (Wright) جیسے علمائے مشاہیر مغرب کی مساعی متحدہ سے "Analectes sur l'Histoire et la Litterature des Arabes d'Espagne" کے نام سے دو مجلدات میں لائڈن (Leyden) میں طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

عرصہ ہوا کہ نفح الطیب کے تاریخی اور معاشری حصّے کا پاسکوئل دَگیانگوس (Pascual de Gayangos) نے انتخاب کیا اور اسے The History of the Mohammadan Dynesties in Spain

کے نام سے انگریزی میں ترجمہ کرکے شایع کیا ہی۔ مجھے ترجمہ دوران میں بارہا اُس ترجمہ کا اصلی کتاب سے مقابلہ کرنے کا اتفاق ہوا ہی اور مجھے اپنی کم مائگی کے اعتراف کے باوجود افسوس سے اظہار کرنا پڑتا ہی کہ میں نے اُسے اکثر مواقع میں غلط یا تجرالی الغلط پایا۔ اِس کے علاوہ اُنھوں نے متعدد مقامات میں اس کا کچھ اس طرح خلاصہ کیا ہی کہ جس سے دیں کسی اور کی تو نہیں کہہ سکتا مگر) میری تسلّی نہیں ہوتی اِس میں کلام نہیں کہ اُنھوں نے اس کتاب کو از سرِ نو ترتیب دینے میں بہت کچھ محنت و مشقت سے کام لیا ہی اور کتاب کو ایک بالکل جدید اور دلچسپ شکل میں پیش کیا ہی۔ مگر باوجود اس کے اس خصوص میں اگر اُن کا شکریہ نہ ادا کیا جائے تو اِس سے بڑھ کر ناشکری نہیں ہوسکتی اور ناشکری سے بڑھ کر مسلمانوں کے جذبات کے موافق اور کوئی عیب نہیں۔

یہ اُردو ترجمہ اوراقِ مابعد میں قارئین و شائقین کی خدمت میں پیش کرنے کی جُرات کرتا ہوں۔ مجھے بخوبی احساس ہی کہ انواع و اقسام کے اسقام سے پُر ہی اور اِس میں بہت کچھ خامی باقی ہی اس میں بہت سی غلطیاں بھی ہونگی۔ مگر جہاں تک مجھے میرے محدود علم اور میری ناچیز طاقت وسعی نے مدد دی ہی میں نے اُس کو اُردو زبان میں باحسن الوجوہ ادا کرنے کی کوشش کی ہی۔ میری خواہش تھی کہ اِس کتابِ عزیز کے ہر ہر لفظ کا ترجمہ کردوں مگر آغاز دیباچہ میں جو وجوہ عرض کیئے گئے اُنھوں نے اختصار پر مجبور کیا۔ لہذا میں نے مختلف مقامات کو جن کو میں نے

غیر ضروری اور باعثِ تطویل لاطائل خیال کیا قلم انداز کر دیا ہے اکثر موقعوں پر میں نے ترجمہ کو سلاسل الفاظ سے مقید نہیں کیا ہے، جس کے وجوہ تجربہ کارانِ فن ترجمہ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ تاہم یہ ترجمہ گیانگوس کے ترجمے سے زیادہ بسیط و عریض ہے اور سوا اس کے کہ بعض بعض جگہ سے مضامین کو قلم انداز کیا گیا ہے اس ترجمے کی ترتیب تنظیم اصلی کتاب کے مطابق ہے۔ میرا ارادہ تھا، اور اب بھی ہے کہ گیانگوس کی طرح میں بھی کتاب کو مختلف جدا جدا عنوانوں پر تقسیم کر کے دوبارہ ترتیب دوں (گو کہ میں بار بار گیانگوس سے ترتیب اور تقدیم و تاخیر اور اجمال و تفصیل میں اختلاف کرونگا) اور اس کے ساتھ بھی اُن کے تمام حواشی اپنے یہاں منتقل کر لونگا۔ یہ تمام حواشی اُن کی محنت کی جان اور نہایت قابلِ قدر ہیں، خصوصاً اس لیئے کہ اُن میں اسکوریال کے کُتب خانہ کی روح بند ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ کچھ تو وقت کی کمی اور کچھ چند در چند دیگر وجوہ نے میرا یہ ارادہ اس وقت پورا نہ ہونے دیا چنانچہ یہ پہلا اڈیشن اسی صورت سے ناظرین و قارئین کے قدر افزا ہاتھوں میں پہنچتا ہے۔ اگر حیات باقی ہے تو انشاء اللہ آئندہ اڈیشن میں نہ صرف ترتیب کتاب نئی ہوگی بلکہ اس میں مختلف ضروری اور اہم اسماء الرجال اور اسماء الاماکن پر تعلیقاتِ واضحہ کے علاوہ بشرطِ توفیق حسب ضرورت گیانگوس کے تعلیقات پر جرح بھی شامل ہوگی۔

وباللہ التوفیق علیہ توکلت والیہ انیب

اس وقت مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے، والعذر عند کرام الناس مقبول کہ جہاں

کہیں ترجمہ وغیرہ میں قارئین عظام غلطی پائیں مجھے طعن وتشنیع وتشہیر سے محفوظ رکھ کر میری مدد فرمائیں تاکہ وہ غلطیاں اور اسقام دوسرے ایڈیشن میں باقی نہ رہیں۔ چونکہ مجھے اپنی ناقابلیت کا پہلے ہی اعتراف ہی، اس لیئے مجھے اُمیدہی کہ میری یہ درخواست شرفِ قبولیت پائے گی۔

آخر میں مجھے یہ گزارش کرنا ہی کہ اگر اس ناچیز ترجمہ کے قارئین کرام میں سے دس نفوس زکیہ بھی ایسے نکل آئیں جو مسلمانان اَندلس کے حق میں دعاء مغفرت اور میرے لیئے دعاء حسنِ عاقبت کریں تو میں سمجھونگا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔

لاہور
نومبر ۱۹۲۰ء

محمد خلیل الرحمٰن عفی عنہ
(ساکن قصبہ سراوہ ضلع میرٹھ)

سپرنٹنڈنٹ دفتر ایجنٹ نارتھ ویسٹرن ریلوے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وصفِ جزیرۂ اَندُلُس

ابن سعید کہتے ہیں کہ چونکہ اَندُلُس بن طُوبال بن یافث بن نوح علیہ السلام سب سے پہلے جزیرہ اندلس میں آکر آباد ہوئے؛ اس لیئے یہ ملک اُن ہی کے نام سے منسوب ہو گیا جس طرح کہ سبتہ اُن کے بھائی سبت بن یافث کی طرف منسوب ہی، جو اُس نواح میں آباد ہوئے۔ اہلِ اندلس نے اس لیئے زبانِ عربی کو اخذ کرلیا کہ وہ لوگ یا تو عرب ہیں، یا ملکِ عرب سے آئے ہوئے۔

آندُلُس اُسی اقلیم میں واقع ہی جس میں ملک شام۔ اوّل تو یہ اقلیم ہی بذاتِ خود اچھی ہی اُس پر اِس تمام اقلیم بھر میں اَندُلُس کی آب و ہوا نہایت معتدل ہی۔ یہاں کا پانی بہت ہی میٹھا ہوتا ہی اور ہوا، جانور اور نباتات نہایت اچھے ہیں۔ (کیوں نہ ہو) یہ اوسط الاقالیم ہی

---

[1] بقول ابن غالب اندلس یافث کے بیٹے تھے نہ کہ طوبال کے (واللہ اعلم)

خیر الامور اوسطہا مشہور ہی[1]۔ اندلس اپنی خوبی آب و ہوا کے لحاظ سے (گویا) شام ہے، اعتدال و استوا میں یمن ہی، ذہانت و خوشبو میں ہندوستان ہی، کثرتِ محاصل میں اہواز ہی، جواہرات و معدنیات میں چین ہی، منافعِ سواحل میں عدن ہی۔ حکما و فلاسفۂ یونان کے آثار اس ملک میں بہت ہیں۔ اندلس کے جن بادشاہوں نے اپنے اثرات چھوڑے اُن سب میں ہرقلس کے آثار بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ جزیرہ قادس اور جلیقیہ (گلیشیا) کے بت اور شہر طرکونہ کے کھنڈر بے نظیر چیزیں ہیں[2]۔

بقول مسعودی اندلس کی آبادی کا اندازہ یوں ہو سکتا ہی کہ اگر کوئی منزل بمنزل سفر کرے تو وہ دو ماہ کی راہ ہی۔ شہر و قصبات تعداد میں چالیس کے قریب ہیں۔ ایسا ہی قول ابن الیسع کا ہی کہ اربونہ سے لے کر اشبونہ تک اندلس کا طول ایک تیز رو سوار کے لیے ساٹھ[3] روز کی راہ ہی۔ لیکن اس قول میں دو امور قابلِ لحاظ ہیں۔ اوّل یہ کہ ابن الیسع کے نزدیک اربونہ اندلس میں داخل ہی۔ حالانکہ صحیح یہ ہی کہ وہ خارج ہی۔ دوسرے یہ کہ وہ تیز رو سوار کے لیے ساٹھ روز کی راہ قرار دیتے ہیں۔ مگر اس میں اُنھوں نے مبالغہ سے کام لیا ہی۔ بہت سے لوگوں نے صرف ڈیڑھ مہینہ کی راہ بتائی ہی۔ چنانچہ ابن سعید کہتے ہیں کہ تیز رو سوار کہنا مبالغہ ہی۔ صحیح قول شریف کا ہی جن کے نزدیک اندلس کا طول ایک ماہ کی راہ ہی۔ حجاری بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ میں نے بہت سے محقق مسافروں سے دریافت کیا تو اُنھوں نے جو منزلوں کا حال بیان کیا اُس سے کچھ کم ایک ماہ کی مسافت کا حساب لگتا ہی۔ حجاری نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہی کہ اندلس کا طول الجاجز سے لے کر اشبونہ تک ہزار میل سے کچھ زیادہ ہی۔ غرض ابن سعید کا قول زیادہ قرینِ قیاس ہی جنھوں نے اس خصوص میں ایک طویل بحث کر کے لکھا ہی کہ بحر زقاق سے بحرِ محیط تک مشرق کی طرف سے اندلس کا عرض چالیس میل ہی۔ اس ملک کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اس کو جزیرہ کہا جاتا ہی ورنہ فی الحقیقت یہ ملک جزیرہ نہیں ہی،

---

[1] دررالقلاید وغررالفوائد مصنفہ ابو عامر سلمی [2] ابو عبید البکری

کیونکہ بہت بڑے قطعۂ زمین سے ملا ہوا ہے۔ اگر شہر طلیطلہ سے جزیرہ اندلس کے عرض کی پیمائش
کی جائے تو سولہ روز کی مسافت ٹھیرتا ہے۔

تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جزیرہ اندلس کی شکل مثلث ہے۔ مگر اس میں سب کا اختلاف
ہے کہ مشرق و شمال میں اربونہ کے قریب کونسا مرکز اندلس کی پیمائش کے لیئے قرار دیا جائے۔
احمد بن محمد الرازی۔ اور ابن حیان اربونہ ہی وہ مقام بتلاتے ہیں جس کے عین مقابل
میں شہر برذیل واقع ہے۔ اسی کو مشرق و شمال کا مرکز سمجھنا چاہیئے۔ دیگر علماء اربونہ کی طرف
کوئی مقام قرار دیتے ہیں۔ مگر تحقیق اور وہ ہے جو شریف ادریسی نے لکھا ہے کیونکہ بوجہ اپنے سفر
تری و خشکی اور اس فن میں غور و خوض کرنے کے وہ اس نواح سے پوری واقفیت رکھتے ہیں
چنانچہ ابن سعید کہتے ہیں کہ میں نے اس فن کے اکثر علماء سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ صحیح
وہی ہے کہ جو شریف ادریسی نے بتلایا ہے کہ اربونہ اور برشلونہ اندلس میں شامل نہیں ہے
نیز یہ کہ وہ مرکز بحر زقاق کی طرف مشرق میں برشلونہ اور طرکونہ کے درمیان اس موقع پر
قرار دینا چاہیئے۔ کہ جو وادی زنلقطو کے نام سے موسوم ہے یہیں وہ کوہ حاجز کی سرحد سے
کہ جو اندلس کو اس سرزمین سے جدا کرتی ہے جہاں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اسی سرحد
پر جبل برت ہے جس کو لوہے آگ اور سرکے سے بادشاہ یونان نے توڑ کر دروازے کھولے
تھے۔ کیونکہ اس سرزمین کی طرف سے اندلس آنے کے لیے کوئی راستہ خشکی کا نہ تھا۔ بقول
شریف ادریسی اور نیز ان مسافروں کے جنھوں نے اس نواح میں سفر کیا ہے۔ یہ دروازے
بحر زقاق کی طرف اس دریا کے سامنے ہیں جو جزائر میورقہ و منورقہ کے درمیان میں حائل ہے۔
اس پہاڑ کی مسافت جو مرکز شمالی اور مرکز جنوبی کے درمیان میں واقع ہے چالیس یوم کی ہے
شمالی مرکز، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، شہر برذیل کے قریب ہے۔ یہ شہر بلاد افرنجہ کا ہے اور جو
دریا اندلس کے شمال میں محیط ہے اس کے کنارے پر واقع ہے۔ اسی مرکز سے لگا ہوا شمال کی
طرف ایک بہت بڑا قطع زمین چلا گیا ہے جو بلاد افرنج میں ہے۔ اہالی افرنجہ کے اور جزائر

بھی ہیں۔ دوسرا مرکز شنت یا قوہ کے قریب ساحل جلالقہ پر اندلس کے شمال میں واقع ہے یہیں سے
جزیرۂ برطانیہ کبیر شروع ہوتا ہے یہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریا دو قطع ارض کے اندر گھسا چلا
جاتا ہے۔ بعض لوگ اس کو ایک الگ دریا بتلاتے ہیں، جو اُس مرکز تک پھیلا ہوا ہے جس کا ہم ذکر
کر چکے ہیں، یعنی شہر برذیل کے قریب۔

شریف کہتے ہیں کہ شنت یا قوہ کے پاس، جہاں دو دریا ملتے ہیں، ایک قلۂ کوہ پر ایک
طلائی بت قادس کے مشابہ بنا ہوا ہے، اور تیسرا مرکز جبل لاغن کے پاس ہے۔ جیسے کہ قادس کا بت
یہ دریا گوشۂ مغرب وجنوب سے ہو کر بحر زقاق میں گرتا ہے جو اندلس کے ساحل جنوبی سے ہو کر
برت کے پہاڑ تک چلا گیا ہے۔ غرض اس قسم کی بہت سی طول طویل باتیں ہیں۔

شیخ احمد بن محمد بن موسیٰ الرازی کہتے ہیں کہ اندلس بسمت مغرب اقلیم چہارم کے آخر میں
واقع ہے۔ حکماء کے نزدیک یہ ملک نہایت اچھا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بہت خوب ہے۔ ملک بھر سرسبز
ہے۔ جہاں تہاں نہریں بہتی ہیں، اور آب شیریں کے چشمے ہیں، زہریلے کیڑے کم ہوتے ہیں،
ہوا معتدل رہتی ہے، آسمان صاف رہتا ہے، ربیع، خریف، جاڑے، گرمی کے موسم میں معتدل نسیم
چلتی رہتی ہے۔ کوئی موسمی ہوا ایسی نہیں ہوتی کہ اُس سے کوئی فصل خراب ہو۔ تمام موسموں میں
میوے دستیاب ہوتے رہتے ہیں، کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ جس میں کوئی نہ کوئی میوہ نہ ملتا
ہو۔ ساحل ہو، یا نواح ساحل، قطع زیریں ہو، یا اُس کے اطراف، ہر جگہ درختوں پر خوشے رہتے ہیں
پہاڑوں پر سردی رہتی ہے اس لیئے وہاں کے میوے دیر سے آتے ہیں۔ یہ پہاڑ شہروں کے
لیئے ہر موسم میں خزانے سمجھے جاتے ہیں۔ غرض یہی وجہ ہے کہ کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ اُس
ملک میں میوے نہ مل سکیں۔ خوشبودار جڑی بوٹیوں کی پیدائش میں اُس ملک کی زمین کو ایک
طرح کی خصوصیت حاصل ہے۔ اور اس خصوصیت میں اندلس ہندوستان سے مماثلت رکھتا ہے
جہاں ہر قسم کی عطریات، اور خوشبوئیں بالخصوص بکثرت ہیں۔ میٹھی، جو اشنان کی طرح ایک فائدہ مند چیز
ہے سوا اندلس اور ہندوستان کے اور کسی جگہ نہیں پیدا ہوتی۔ اس ملک میں بہت سے قلعہ بند شہر

مضبوط مقامات اور دشوار گذار قلعے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ تمام ملک بر و بحر، چٹیل میدان اور دشوار گذار مقامات پر مشتمل ہی۔ اس ملک کی شکل مثلث ہی جس کے تین مرکز قرار دئیے جا سکتے ہیں۔ پہلا اس موقع پر جہاں قادس کا مشہور بت نصب ہی۔ یہیں وہ بحر متوسط شام کا مخرج ہی جو اندلس کے سامنے واقع ہی۔ دوسرا مرکز مشرق کی طرف شہر بر بونہ و برذیل کے درمیان میں فرض کرنا چاہیئے۔ یہ دونوں شہر جزیرہا میورقہ و منورقہ کے مقابل بحر محیط اور بحر متوسط کے قریب، مملکت افرنجہ میں واقعہ ہیں۔ اِن ہی کے درمیان میں وہ خطۂ زمین ہی جس کے دو دروازے مشہور ہیں۔ جن سے کہ براہِ خشکی اندلس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ان دونوں دریاؤں میں دو دن کی مسافت کا بُعد ہی۔ شہر بر بونہ بحر محیط کے مقابل ہی۔ تیسرا مرکز مغرب کی طرف جلیقیہ کے سامنے اُس پہاڑ کو قرار دینا چاہیے جو دریا کے اوپر ہی اور راس پر ویسا ہی بُت قائم ہی جیسا کہ قادس کا اور بر طانیہ کے شہروں سے نظر آتا ہی۔

بلحاظ اختلاف آب و ہوا و بارش و روانی آب انہار اندلس کے دو حصے کیے جا سکتے ہیں غربی و شرقی۔ جس قطع ارض میں کہ بحر محیط غربی کی طرف دریا بہتے ہیں اور پُروا ہواؤں سے پانی برستا ہی اُس کو حصۂ غربی کہہ سکتے ہیں۔ یہ حصۂ ملک حد مشرقی سے شروع ہو کر شہر شنت مریۃ (سینٹ میریا) پر ختم ہوتا ہی۔ یہ شہر اغریطہ کے سامنے طُلَیطُلہ کے پاس مایل بغرب دریا کے قریب قرطاجنیہ کے مقابل، شہر تورقہ کے پیچھے واقع ہی۔ حصۂ مشرقی جو اندلس الاقصیٰ کے نام سے مشہور ہی، وہ قطع ملک ہی جس کے دریا شرق کی طرف بہتے ہیں اور جس میں پچھوا ہوا سے پانی برستا ہی۔ اس کی حد بسکنش کے پہاڑ سے شروع ہوتی ہی جو وادی ابرہ سے لیکر شہر شنت مریہ تک چلا گیا ہی۔ اور اِس دریا سے لے کر غرب تک محیط ہی۔ اس کے سامنے وہ بحر غربی ہی جس سے کہ ملک شام کا بحر متوسط نکلا ہی۔ اور بحر تیران کہلاتا ہی (تیران کے معنی ہیں وہ چیز جو دائرہ کو زمین شق کر دے) یہی دریا بحر کبیر کہلاتا ہی۔

ابو بکر عبد اللہ بن عبد الحکم، المعروف بہ ابن النّظام کہتے ہیں کہ ملک اندلس علماء اندلس کے

نزدیک دو حصوں میں منقسم ہی۔ شرقی وہ حصہ ہی کہ جس کے دریا بحر رومی متوسط میں گرتے ہیں اور یہ حصہ نشیبی زمین سے شرق تک چلا جاتا ہی۔ اس کی حدود شہر تدمیر سے سرقسطہ تک ہی۔ اندلس غربی وہ حصۂ ملک ہی جس کے دریا بحر کبیر (المعروف بہ محیط) میں گرتے ہیں یہ حصہ اس حد کے نشیب سے مغرب کے ساحل تک پھیلتا ہی۔ شرقی حصے میں پچھوا ہوا سے بارش ہوتی ہی اور غربی میں پروا ہوا سے۔ اِس ملک کے پہاڑ سلسلہ بسلسلہ مغرب تک اُترتے چلے جاتے ہیں۔ اُس کی تقسیم اوّل تو بلحاظ بارش کی جاسکتی ہی، یعنی اگر پروا ہوا زیادہ چلے تو اندلس غربی بارش سے سیراب ہوگا اور اندلس شرقی میں قحط ہو جائیگا۔ اور اگر پچھوا ہوا چلے تو اندلس شرقی میں بارش ہوگی اور غربی سوکھا رہ جائیگا۔ اس کے دریا شرق سے غرب کی طرف اُن پہاڑوں میں سے ہوکر بہتے ہیں۔ اندلس غربی کے پہاڑ کوہ بُوہ ہوکر شرق کی طرف پھیلتے ہیں، اور سامنے کی سرزمین کو قطع کرتے ہیں۔ اِن پہاڑوں سے جو دریا نکلتے ہیں وہ بعض تو سمت قبلہ کو، اور بعض سمت شرق کو قطع کرتے ہوئے اُس سمندر تک پہونچ جاتے ہیں جو اندلس کو گھیرے ہوئے ہی، اور شام تک چلا گیا ہی، اور بحر روم کہلاتا ہی۔ جوف اندلس بلاد جلیقیہ اور اُس کے قرب و نواح ہیں اُن کے دریا بحر کبیر میں گرتے ہیں۔

ملک اندلس کی شکل مثلث ہی۔ اس کا ایک مرکز جنوب و مغرب میں اُس مقام پر قایم کیا جاسکتا ہی کہ جہاں قادس کے بت کے پاس دو دریا ملتے ہیں۔ دوسرا مرکز علاقہ جلیقیہ میں اُس جگہ واقع ہی جہاں قادس کے مشابہ دوسرا بت نصب ہی۔ یہ جزیرۂ برطانیہ کے مقابل ہی۔ تیسرا مرکز شہر بربونہ و برذیل کے درمیان میں قرار پاسکتا ہی۔ یہ دونوں شہر عملداری افرنجہ میں، بحرِ محیط اور بحر شامی متوسط کے قریب واقع ہیں۔ یہ دونوں دریا اس مقام کے قریب آکر مل جاتے ہیں۔ اور اگر ان کے درمیان خشکی نہ ہو تو اندلس کو فی الحقیقت ایک جزیرہ بنا دیتے ہیں۔ اِس خشکی، یعنی میدان، صحرا، اور آبادی کا رقبہ اتنا بڑا ہی کہ اُس کو سوار ایک دن میں طے کرسکتا ہی۔ اسی خشکی میں سے اُس بڑے قطع ارض کی طرف راستہ نکلتا ہی جس میں بہت سی مختلف

زبانیں بولی جاتی ہیں۔

مؤرخینِ اندلس نے بیان کیا ہی کہ طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے جو قوم اس ملک میں آکر آباد ہوئی وہ اندلش (بہ شین معجمہ) کہلاتی تھی۔ اُن ہی کے نام پر اس ملک کا نام پڑ گیا۔ ان کے بعد جو لوگ یہاں آکر آباد ہوئے، شہر بسائے اور اولاد چھوڑی انھوں نے شین کو سین سے بدل ڈالا۔ یہ لوگ مجوسی تھے جو مدتوں اس ملک پر قابض رہے جب بداخلاقی و فساد ان میں پھیلا تو خدائے تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑا، بارش روک لی گئی اور قحط ڈال دیا، زمین و زماں پیاسے مرنے لگے، پانی زمین میں جذب ہوگیا، چشمے اور دریا خشک ہوگئے، درخت سوکھ گئے، اکثر آدمی مرگئے، جو لوگ بھاگ سکے بھاگ گئے۔ اندلس ایک بے آب و گیاہ میدان بن گیا۔ ملک بھر میں ہُو کا عالم ہوگیا۔ بعضوں کے نزدیک یہ حالت ایک سو دس برس سے زیادہ قایم رہی۔ قحط و خشکی کا اثر مملکت افرنجہ سے بحرِ غربی تک تھا۔ جن لوگوں پر کہ اس طرح عذاب نازل کیا گیا وہ اس ملک میں ایک سو دس برس سے کچھ زیادہ عرصہ تک آباد رہ سکے تھے۔ جب اتنی مدت کی خرابی کے بعد خدائے تعالیٰ کو پھر اس ملک کا آباد کرنا منظور ہوا تو اُس نے اہلِ افریقیہ کو یہاں بھیج دیا۔ چونکہ اس ملک میں پے درپے قحط پڑنے سے اِن کی ہلاکت و تباہی کا اندیشہ تھا اس لیئے افریقیہ کے بادشاہ نے اُنھیں جلا وطن کر دیا تھا۔ اُس نے اُن میں سے بہت سے لوگوں کو اپنے ایک سردار موسومہ ابطریقس کے ساتھ کشتیوں میں سوار کرکے اندلس غربی کی طرف روانہ کر دیا۔ وہ جزیرہ قادس پہونچ گئے۔ اُس وقت اندلس میں بارش ہوگئی تھی، دریا رواں ہوگئے تھے اور درختوں میں جان آگئی تھی۔ اندلس میں یہ لوگ بڑے شوق کے ساتھ اُترے۔ اور اس ملک کو آباد کرنے کے لیئے یہاں رہ پڑے۔ ان کی اولاد ہوئی اور خوب پھلی پھولی۔ اور اُس ساحل غربی سے لے کر جہاں وہ اُترے تھے، مشرق میں بلاد افرنجہ تک پھیل گئے۔ اپنوں ہی میں سے اپنے اوپر بادشاہ بناتے رہے۔ جنھوں نے انتظام درست اور اپنی سلطنت کو

قایم رکھا۔ باوجود اس کے اُنھوں نے اپنا وہی جاہلیت کا دین قایم رکھا جس کو وہ اپنے وطن سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ اُن کے بادشاہوں نے اپنا دارالسلطنت طالقہ میں بنایا جو اشبیلیہ میں اُس وقت ویران پڑا ہوا تھا۔ یہ لوگ اندلس میں ایک سو ستاون سال رہے اور اس مدت میں اُن کے گیارہ بادشاہوں نے یہاں سلطنت کی۔ خدائے تعالیٰ نے اُن کو بھی روم کے وحشیوں کے ہاتھوں ہلاک کرا دیا۔ وہی اس ملک کے بادشاہ ہو گئے۔ اُن کا بادشاہ اشبان بن طیطش تھا۔ اُسی کے نام پر اندلس کا نام اشبانیہ (ہسپانیہ) پڑ گیا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اس کا نام اصبہان تھا۔ زبانِ عجم (رومی) میں آ کر بدل گیا۔ بعض کا قول ہے کہ اُس کا مولد شہر اصبہان تھا۔ وہی اِس کا نام پڑ گیا۔ اِسی نے اشبیلیہ کی بنا ڈالی تھی؛ اور اشبانیہ صرف اشبیلیہ ہی کا نام تھا؛ جہاں یہ بادشاہ اشبان آ کر رہا تھا۔ شدہ شدہ تمام اندلس اِسی نام سے موسوم ہو گیا۔ چنانچہ بوجہ اس کے کہ اشبان کے آثار اب تک وہاں باقی ہیں اہلِ عجم اِس ملک کو اب تک اشبانیہ کہتے ہیں۔ اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ اشبان اُن بادشاہوں میں سے ایک ہے جنھوں نے دنیا کا بہت سا حصّہ فتح کر لیا تھا۔ جس جگہ آج کل اشبیلیہ آباد ہے وہیں شہر طالقہ تھا۔ جس کو اہلِ افریقیہ نے اپنا دارالسلطنت قرار دے کر قلعہ بند کر لیا تھا۔ شاہ اشبان نے ان پر یہیں فوج کشی کر کے اُن کا محاصرہ و مقابلہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے اُس شہر کو اُس کے ہاتھ پر فتح کر دیا۔ اور تمام اندلس پر وہ غالب و قابض ہو گیا۔ شہر طالقہ کو کھُدوا کر اُس کے پتھر اور مسالے سے شہر اشبیلیہ آباد کر کے اُسی کو اپنا دارالسلطنت بنا لیا۔ اُس کی سلطنت دنیا بھر میں پھیل گئی؛ افواج بہت بڑھ گئیں اور غرور بڑھ گیا۔ دو برس کے بعد وہ اشبیلیہ سے نکلا اور اپنی فوج کو کشتیوں میں بٹھا کر ایلیا (قدس شریف) میں لے گیا۔ اِس شہر کو خوب لوٹا اور تباہ کیا؛ ایک لاکھ یہودی قتل ہوئے اور اتنے ہی غلام بنائے گئے۔ ایلیا کے پتھر اُٹھا کر اندلس پہونچا دیئے گئے۔ دشمنوں پر غلبہ ہو گیا اور سلطنت کو استحکام ہوا انتہیٰ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جو عجیب و غریب چیزیں مسلمانوں کو وقت فتح اندلس ہاتھ آئی تھیں

مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کا مائدہ، جو طارق کو کنیسہ طلیطلہ سے ملا تھا، اور وہ موتیوں کا ہار جو موسیٰ بن نصیر کو کنیسہ ماردہ سے ہاتھ آیا تھا، نیز اور عجیب چیزیں اندلس کے بادشاہ کو بیت المقدس کی غنیمت میں ملی تھیں، جب کہ وہ بخت نصر کے ساتھ مل کر وہاں لڑنے گیا تھا۔ اس بادشاہ کا نام بریان تھا۔ اور اُس کے حصے میں یہ اور اسی قسم کی چیزیں آئی تھیں جو حضرت سلیمان (علیٰ نبینا وعلیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والسلام) کے لیے جن لایا کرتے تھے۔ انتہیٰ۔

کئی مورخین نے لکھا ہے کہ اہلِ مغرب اقصیٰ اپنے ہمسایہ اہلِ اندلس کو بہت نقصان پہونچایا کرتے تھے۔ ہر زمانہ میں اُن کو سخت تکلیف پہونچتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ سکندر وہاں پہونچا۔ لوگوں نے اُس سے اپنی شکایات بیان کیں۔ اُس نے مہندسین کو بُلا کر حکم دیا کہ بحرِ محیط و بحرِ شامی کی سطح سمندر کی پیمایش کریں۔ چنانچہ انھوں نے معلوم کیا کہ بہ نسبت بحرِ شامی کے بحرِ محیط کچھ اونچا ہے۔ سکندر نے حکم دیا کہ جو شہر ساحل بحرِ شامی پر ہیں وہ نشیب سے اُٹھا کر بالائی زمین میں بسا دیئے جائیں۔ پھر حکم دیا کہ طنجہ اور بلادِ اندلس کے درمیان میں زمین کھودی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہاں تک کہ زیرین سطح زمین کے پہاڑ نظر آنے لگے۔ اس پر پتھر اور چونہ سے بند بندھوایا جس کا طول ایک دریا سے دوسرے دریا تک بارہ میل تھا۔ دوسرا بند طنجہ کے مقابل بندھوایا۔ اِن دونوں بندوں کے درمیان میں چھ میل کا فاصلہ تھا۔ جب دونوں بند مکمل ہو چکے تو بحرِ اعظم کی طرف کھدائی کی گئی اور دریا کا مُنھ بندوں کی طرف پھیر دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ پانی بحرِ شامی میں جا ملا۔ اور اس قدر طغیانی ہوئی کہ بہت سے شہر غرق ہو گئے اور بہت سے آدمی جو کناروں پر رہتے تھے ہلاک ہو گئے۔ بندوں کے اوپر گیارہ قد آدم پانی چڑھ گیا۔ بعض اوقات جب دریا کا پانی اُتر جاتا ہے تو اب بھی وہ بند نظر آنے لگتا ہے جو بلادِ اندلس کے قریب ہے۔ یہ بند ایک خطِ مستقیم پر نہایت مستحکم بنا ہوا ہے۔ دونوں جزیروں کے باشندے اُس کو "پل" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جو بند افریقیہ کی طرف ہے

اُس کی پچھلی طرف کی زمین میں پانی نے بارہ میل تک گڑھا کر دیا ہی۔ اِس بند کے مغربی کنارے پر قصر الجواز، سبتہ اور طنجہ وغیرہ واقع ہیں۔ دوسری طرف جبل طارق بن زیاد۔ اور جزیرہ طریف وغیرہ اور جزیرۃ الخضرا ہی۔ سبتہ اور جزیرۃ الخضرا کے درمیان میں صرف پہنائی بحر ہی۔ انتہی ملخصاً۔

بعض لوگوں نے اس کو اور طرح بھی بیان کیا ہی مگر ہم نے سب لوگوں کے اقوال کو تطابق دے دیا ہی۔

ابن سعید نے لکھا ہی کہ شریف ادریسی بیان کرتے ہیں کہ سرزمین اندلس کو اقلیم ثالث سے کوئی تعلق نہیں ہی۔ اقلیم رابعہ کا خط جزیرہ اندلس میں قرطبہ، جنوبی ساحل سے اور اُن شہروں سے جو جنوبی ساحل سے قریب ہیں گزرتا ہی۔ اور پھر یہی خط آگے بڑھ کر جزیرہ صقلیہ اور دیگر جزائر سے جو اُسی سمت میں ہیں گزرتا ہی۔ اور آفتاب اُن پر حکمراں ہی۔ پانچویں اقلیم کا خط طلیطلہ، سرقسطہ اور اُسی سمت کے دیگر شہروں سے ارغون تک جس کے جنوب میں بارشلونہ ہی گزرتا ہی۔ یہی خط آگے بڑھ کر روم اور اُس کے شہروں اور بحر بنادقہ سے ہوتا ہوا قسطنطنیہ تک پہونچتا ہی۔ اور زہرہ اس اقلیم پر حکمراں ہی۔ چھٹی اقلیم کا خط اندلس کے شمالی ساحل سے، جو بحر محیط پر واقع ہی اور اُس کے قریب کے شہروں اور بعض اُن شہروں سے جو قشتالہ اور برتغال کے اندر واقع ہیں، اور اُسی سمت کے دوسرے شہروں سے گزرتا ہی۔ اور یہی خط آگے بڑھ کر بلاد برجان، صقالیہ اور روس سے گزرتا ہی۔ اس اقلیم کا حکمراں عطارد ستارہ ہی۔ ساتویں اقلیم کا خط بحر محیط کے اندر اندلس کے شمال کی طرف جزیرہ انقلطرہ اور اُس کے علاوہ دوسرے جزائر سے گزرتا ہی۔ اور یہی خط آگے بڑھ کر صقالیہ کے شہروں اور برجان سے عبور کرتا ہی۔ بیہقی کا قول ہی کہ اسی اقلیم میں جزائر توسے، اجبال، قنا۔ اور روس کے بعض شمالی شہر اور بلغار واقع ہیں۔ اِس اقلیم کا حکمراں چاند ہی۔

بعض علما نے لکھا ہی کہ نصاریٰ پر جنت عقبیٰ حرام ہی تو خدائے تعالےٰ نے اُن کو

دنیا میں جنت عطا فرمادی (یعنی بحرِ محیط اندلس سے لیکر خلیج قسطنطنیہ تک گویا ایک باغ ہی۔ اُن کے ملک میں شاہ بلوط، فندق، جوز، پستہ، وغیرہ، جو سرد ملکوں میں اکثر ہوا کرتے ہیں، پیدا ہوتے ہیں کھجور، کیلہ اور گنّا اُن کے ملک میں نہیں ہوتا۔ شاید ان میں سے کوئی چیز ساحل پر پیدا ہوتی ہو کیونکہ وہاں کے دریاؤں کی ہَوا گرم ہوتی ہی۔ انتہیٰ۔

ابن حیان نے مقتبس میں لکھا ہی کہ راویانِ عجم نے بیان کیا ہی کہ ایک روز موسم کاشت میں اشبان (بادشاہ اندلس) قلبہ رانی کر رہا تھا کہ حضرت خضر (علیٰ نبینا و علیہ السلام) نے اُس سے کہا کہ "اے اشبان! تو ذی شان ہونے والا ہی۔ زمانہ تیرے موافق ہوگا۔ اور تو بادشاہ ہو جائیگا۔ جب تو ایلیا پر غلبہ پائے تو اولاد انبیاء (علیہم السلام) سے بہ نرمی پیش آنا"۔ اشبان نے کہا کہ "تم مجھ سے مذاق کرتے ہو۔ میں ضعیف، حقیر، فقیر، سست اور کاہل آدمی ہوں، مجھ جیسا آدمی بھلا کیوں کر بادشاہ ہو سکتا ہی؟" خضر علیہ السلام نے کہا کہ "جس ذات نے کہ تیرے عصا کی سوکھی لکڑی کو یہ کچھ بنا دیا جو تو دیکھ رہا ہی، اُسی نے تیرے مقدر میں سلطنت لکھی ہی"۔ اشبان نے جو اپنے عصا کو دیکھا تو اُس میں پتے نکل آئے تھے، اور اُدھر حضرت خضر (علیہ السلام) غائب تھے۔ یہ دیکھ کر اشبان کو اعتبار آگیا اور اُس کا دل بڑھ گیا۔ اُس نے اُسی وقت سے سستی اور کاہلی چھوڑ دی، لوگوں کے پاس بیٹھنے اٹھنے لگا۔ اور رشدہ شدہ وہ بڑے آدمیوں کی صحبت میں پہنچ گیا، یہاں تک ترقی کی کہ بادشاہ ہو گیا اور اُس نے بڑے بڑے کام کیے، اور وہ کچھ کر دکھایا جو سب جانتے ہیں۔ آخر اُس کے ساتھ بھی زمانہ نے وہی سلوک کیا جو اوروں کے ساتھ کرتا آیا ہی۔ اُس نے بیس برس تک سلطنت کی اور اُس کے بعد اُس کی اولاد میں سلطنت رہی۔ چنانچہ اُس کی اندلس کی تخت نشینی تک پچپن بادشاہ اُس کی پشت سے ہوئے۔ اُس کے بعد اُن پر اہلِ روم کی قوم شبتولقات میں سے طلوشیں بن بطیہ نے بعثت عیسیٰ ابن مریم (علیٰ نبینا و علیہ السلام) کے وقت میں روم سے حملہ کیا۔ یہ لوگ افرنجہ کے بھی بادشاہ تھے اور اُن کے عمال وہاں حکومت کرتے تھے۔ اندلس میں اُنھوں نے اپنا

دار السلطنت شہر ماردہ کو بنایا۔ اور تمام مملکت اندلس پر قابض ہو گئے۔ اُس کی اولاد میں سے ستائیس بادشاہ ہوئے۔ پھر بشتو لقات پر قوم قوط نے حملہ کیا اور اندلس پر غلبہ پا کر اُن لوگوں کو نکال باہر کر دیا۔ اور شہر طلیطلہ کو اپنا دار السلطنت بنا لیا۔ مگر اشبیلیہ میں اشبانیوں ہی کی ریاست رہی۔

مسیح (علیٰ نبینا و علیہ السلام) نے اپنے حواریوں کو مختلف ممالک میں اپنے دین کی ترویج کے لئے بھیجا تھا۔ بہت سے لوگ بعض حواریوں سے جھگڑ پڑے اور اُن کو قتل کر ڈالا۔ مگر بیشتر آدمیوں نے اُن کا دین اختیار کر لیا۔ جس شخص نے حواریوں کی سب سے پہلی تصدیق کی وہ قوم قوط کا ایک بادشاہ خشندس نامی تھا۔ دین نصرانی کو قبول کرنے والا سب سے پہلا یہی بادشاہ ہے۔ اور اپنی قوم کو بھی اُسی دین کی طرف بلایا۔ یہ بادشاہ سختی کے ساتھ دین نصرانیت پر قایم رہا اس مذہب کے اچھے بادشاہوں میں سے تھا۔ نصرانیوں کا اِس امر پر اتفاق ہے کہ اُس سے زیادہ عادل، خردمند، ذہین اور نیک بادشاہ اور کوئی نہیں گزرا۔ نصرانیت کا بیج اُسی کے ملک میں بویا گیا۔ اور اس وقت تک اُس ملک کے لوگ اُسی دین پر باقی ہیں اور اُسی دین کے موافق اپنے معاملات فیصل کرتے ہیں۔ انجیل کے چار صحیفے ہیں جو بوجہ نسخ کے اپنی ترتیب وغیرہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ قوم قوط کے بادشاہ یکے بعد دیگرے اندلس پر قابض رہے۔ یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے اہلِ عرب کو اُن پر غالب کر دیا۔ اور خدائے تعالیٰ نے دین اسلام کو تمام دینوں پر فوقیت دیدی۔

تواریخ عجم القدیمہ میں ہے کہ آتانادیتوس نامی بادشاہ سے لے کر، جو سنہ جلوس فلبش القیصری یا ۵۱۰۰ تاریخ صفر میں تخت پر بیٹھا تھا۔ زمانہ لذریق تک جو ان کا آخری بادشاہ تھا، اور جو ۷۴۹ صفر میں تخت نشین ہوا، اور جس کے زمانہ میں اہلِ عرب نے دولت قوط کا قلع قمع کیا تھا۔ قوط کے چھتیس بادشاہ ہوئے، اور انھوں نے ۴۴۳ برس سلطنت کی انتہیٰ۔

بہت لوگوں کا قول ہے کہ قوط بشتو لقات میں سے نہیں تھے۔ آخر الذکر روم کے باشندے

ہیں۔ اُن لوگوں نے ماردہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔ اور ستائیس بادشاہوں نے حکومت کی تھی
اُس کے بعد اہل قوطہ نے ان کو مغلوب کیا اور طلیطلہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ پھر اُن کا بادشاہ
خشندش نصرانی ہوگیا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہی۔ قوطہ میں سے چھتیس بادشاہ ہوئے ہیں۔
رازی نے لکھا ہی کہ قوم قوطہ، یاجوج بن یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہی
بعض نے اس کے خلاف بھی بیان کیا ہی۔ انتہیٰ۔

رازی ہی نے ایک اور مقام پر لکھا ہی (جس کا بہت سا حصہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں)
کہ ہفت اقلیم میں سے اندلس آخر اقلیم چہارم میں واقع ہی۔ یہ اقلیم آباد دنیا کے چوتھائی حصہ پر مشتمل
ہی۔ اندلس تمام شہروں کے وسط میں واقع ہی۔ خدائے تعالےٰ نے اس کو بہت ہی اچھا ملک اور
بہت ہی خوب سرسبز مقام بنایا ہی۔ چشمے اُبلتے ہیں، نہریں چلتی ہیں، زہریلے کیڑے کم ہوتے
ہیں، بیشتر ہوا معتدل رہتی ہی۔ اور اُس میں ایسی بدبو یا زہر نہیں پیدا ہونے پاتا کہ انسان
کے لیئے مضر ہو۔ تمام فصلیں معتدل رہتی ہیں۔ میوے یکے بعد دیگرے برابر ملتے رہتے ہیں
کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی نہ کوئی میوہ نہ ملے۔ کیونکہ ساحل اور نواح ساحل، پہاڑ اور اُس کی
ترائی میں، جہاں کی ہوائیں سرد اور مطلع کثیف رہتا ہی، میوے ہمیشہ ملتے رہتے ہیں۔ مغرب
کی سمت میں سمندر سے عمدہ عنبر نکلتا ہی جو اُس ملک کی اجناس، از قسم خوشبویات میں بہترین
چیز ہی۔ یہاں محلب (میتھی) بھی بہت پیدا ہوتی ہی، جو از قسم اشنان ہی۔ کہتے ہیں کہ یہ چیز سوائے
ہندوستان اور اندلس کے اور کہیں نہیں ہوتی۔ اس کے بہت سے خواص ہیں۔ انتہیٰ۔

بعض لوگوں نے ان اجناس کی تفصیل لکھی ہی جو اس ملک میں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً
عود الالنجوج جو نواح ولایہ میں پیدا ہوتی ہی، اور از روئے لطافت و خوشبو عود ہندی سے
کہیں بہتر ہوتی ہی۔ یہ بوٹی پتھروں کے بیچ میں پیدا ہوتی ہی۔ ولایہ اور باکشونیہ میں، جہاں بہت
زیادہ ہی، پائی جاتی ہی۔ اس کو آگ پر رکھا جاتا ہی تو بہت اچھی خوشبو دیتی ہی۔ بحر شذونہ
میں عنبر ملتا ہی۔ منت لیون کے پہاڑوں پر میتھی پیدا ہوتی ہی، قسط الطیب، سنبل الطیب

(بالچھڑ)۔ حنبطیانہ (پکھان بید) اندلس سے دیگر ممالک میں فرستادہ جاتا ہے۔ تمر الطیب قلعہ ایوب میں پیدا ہوتی ہے۔ اس ملک کی کہربا بہترین ہوتی ہے۔ اس کا ایک درہم خاصیت میں اُس کہربا کے کئی درہم کی برابر ہوتا ہے جو غیر ممالک سے آتی ہے۔ یہاں کی قرمز بھی سب جگہ سے بہتر ہوتی ہے اور نواح اشبیلیہ، لبلہ، شدونہ، بلنسیہ میں پیدا ہوتی ہے۔ اور دور دور دراز ملکوں میں جاتی ہے علاقہ تدمیر، نواح لورقہ اور نیز دوسری جگہ سے بہت اچھا لاجورد نکلتا ہے۔ لورقہ کے پاس ہی علاقہ قرطبہ اور جبل شیحران میں بلور کی کان ہے۔ اُس پہاڑ پر جو شہر اشبونہ کے پاس ہی حجر البجادی ملتا ہے، اور رات کو چراغ کی طرح چمکتا ہے۔ علاقہ مالقہ میں قلعہ منت میور کے پاس یاقوت سرخ ملتا ہے، مگر وہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ استعمال کے قابل نہیں ہوتا۔ نواح بجانہ کی خندق مشہور بہ قرید ناشرہ، میں ایک پتھر مختلف شکلوں کا ملتا ہے، جو یاقوت کے مشابہ، اور مختلف اشکال کا ہوتا ہے۔ اُس کا رنگ ایسا خوبصورت ہوتا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا خوبصورت رنگوں سے رنگ دیا گیا ہے۔ یہ پتھر آگ پر ٹھہر سکتا ہے۔ تدمیر کے نواح میں مقناطیس ملتا ہے، جو لوہے کو کھینچ لیتا ہے۔ قرطبہ کے پہاڑوں پر حجر شادنہ بہت ملتا ہے، جو ملمع کے کام آتا ہے۔ حصن البونت کے نواح میں حجر الیہود ملتا ہے جو سنگ مثانہ کے توڑنے کے لیئے بطور دوا کے استعمال کیا جاتا ہے۔ ابدہ کے پہاڑوں پر سنہرا حجر المرقشیتا ملتا ہے، اور دنیا بھر میں اپنا نظیر نہیں رکھتا! اور اندلس ہی سے سب جگہ جاتا ہے۔ مگنیشیا اندلس میں بہت ملتا ہے۔ یہی حال ابرق کا ہے۔ شہر برشلونہ میں حجر اللؤلو، ملتا ہے، مگر شوخ رنگ نہیں ہوتا۔ مریہ کے علاقہ میں ساحل بیرہ پر مونگا بہت نکلتا ہے۔ دریا، لاردہ اور ساحل اشبونہ پر سونے کی کانیں ہیں۔ چاندی کی کانیں بھی اندلس میں بہت ہیں۔ چنانچہ علاقہ تدمیر کوہ حمہ، بجانہ۔ اقلیم کرتش، علاقہ قرطبہ میں چاندی کی بڑی بڑی کانیں ہیں۔ اشکونیہ میں قلعی کی بے نظیر کان ہے۔ یہ چیز چاندی جیسی ہوتی ہے۔ نواح افرنجہ اور میوان میں بھی اس کی کانیں ہیں۔ جبل البرانس پر پارے کی کان ہے اور یہیں سے تمام جگہ جاتا ہے۔ اندلس میں سرخ اور زرد گندھک کی کانیں بھی بہت ہیں۔ قصبہ لبطرنہ واقع

ساحل بیرہ میں نہایت اچھی توتیا کی کان ہی۔ یہ سب جگہ سے بہتر ہوتا ہی۔ اور تانبے پر رنگ خوب کرتا ہی۔ قرطبہ کے پہاڑ پر بھی توتیا ہوتا ہی۔ مگر بطریہ جیسا نہیں ہوتا۔ نواح طرطوشہ میں سُرمہ نکلتا ہی، جو اصفہانی جیسا ہوتا ہی۔ اور یہاں سے دور دور جاتا ہی۔ پھٹکری، لوہے اور تانبے کی بے گنتی کانیں اس ملک میں ہیں۔ ہم اُن سب کا یہاں مفصّل ذکر نہ کرینگے۔ نہ اُن کے علاوہ اور چیزوں کا۔ وَاللّٰہُ تَعَالیٰ اَعْلَمُ۔

(خواص طلیطلہ) یہاں کا گیہوں برسوں تک نہیں سڑتا، گلتا۔ کئی کئی پشت کے بعد ویسے کا ویسا ہی نکل آتا ہی۔ یہاں کا زعفران اور صبغ السماوی دنیا بھر میں جاتا ہی۔

مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہی کہ اندلس کے دریاؤں میں عنبر بہت ہوتا ہی اور یہیں سے مصر جاتا ہی۔ اور نیز شنترین اور شذونہ ہو کر قرطبہ بھی جاتا ہی۔ اندلس میں عنبر بقدر ایک اوقیہ بغدادی، تین مثقال سونے میں آتا ہی۔ اور مصر میں ایک اوقیہ بیس دینار میں ملتا ہی۔ اندلس کا عنبر بہت اچھا ہوتا ہی۔ اگرچہ بحر روم سے بھی عنبر نکلتا ہی۔ مگر ممکن ہی کہ دریائے اندلس سے موجوں کے تھپیڑے اُس کو وہاں پہونچا دیتے ہوں۔ کیونکہ دونوں کا پانی ایک دوسرے سے ملا ہوا ہی۔ اندلس میں چاندی کی بہت سی کانیں ہیں۔ پارے کی کان اچھی نہیں ہی۔ مگر تمام بلادِ اسلام و کفر میں یہیں سے جاتا ہی۔ زعفران، عود، زنجبیل اور پانچ قسم کی اور خوشبوئیں، یعنی مشک، کافور، عود، عنبر اور زعفران بلاد اندلس سے باہر جاتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں، زعفران و عنبر کے سوا، ہندوستان اور اُس کے بلاد ملحقہ سے بھی آتی ہیں۔ انتہےٰ۔

جو کچھ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اُس کے علاوہ مفصّلہُ بالا حالات خالی از فائدہ نہیں ہیں۔ وَاللّٰہُ تَعَالیٰ اَعْلَمُ۔

بعضوں نے ذکر کیا ہی کہ بلاد اندلس میں تمام معدنیات، جو ساتوں ستاروں سے منسوب ہیں موجود ہیں۔ چنانچہ سیسہ کہ منسوب ہی زحل سے، قلعی مشتری سے، لوہا مریخ سے، سونا آفتاب سے

تانبا زہرہ سے پارہ عطارد سے اور چاندی قمر سے۔

کاتب ابراہیم بن القاسم القروی، المعروف بہ رقیق، کہتے ہیں کہ اہالی اندلس ایسے جہاد کرنے والے لوگ ہیں کہ ہمیشہ اپنے ہمسایہ مشرکین سے مصروف پیکار رہتے ہیں۔ یہ مشرکین جلالقہ کہلاتے ہیں۔ غرب سے شرق تک اِن کا ملک ہے۔ درشت خو مگر خوبصورت ہوتے ہیں چنانچہ اس قوم کے غلام خوبصورتی سے موصوف ہیں۔ اِن کے اور مسلمانوں کے ملک کے درمیان میں کوئی حد فاصل نہیں ہے، اسی لیئے متواتر جنگ وجدل رہتی ہے، جب تک صلح نہو جائے۔ ان کے علاوہ ایک اور قوم مشرق کی طرف رہنے والی ہے، جو افرنج کہلاتی ہے۔ تمام اقوام سے زیادہ اہل اندلس سے جنگ کرنے والی اور اُن کی دشمن ہے، کیونکہ ان کی تعداد بہت ہے اور دور دور تک قرب وجوار میں پھیلی ہوئی ہے۔ جلیقین سے ان کا شمار زیادہ ہے۔ نہایت نڈر اور صاحب شوکت لوگ ہیں۔ اِن کے پاس فوجیں بہت ہیں۔ یہ لوگ اپنے ہمسایہ قوم صقالیہ سے بھی اکثر لڑتے بھڑتے رہتے ہیں، کیونکہ ان کے آپس میں مذہبی مخالفت ہے۔ اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے رہتے ہیں۔ اِس قوم کے غلام اندلس میں آکر اتنے بکتے ہیں کہ اس ملک میں ان کی کثرت ہوگئی ہے۔ جو یہودی اُن کے اور مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہیں اُن کو خصی کرڈالتے ہیں اور تمام ممالک میں پہونچا دیتے ہیں۔ مسلمانوں ہی سے یہودیوں نے یہ ترکیب سیکھی ہے۔ اور اس کو جائز کرلیا ہے۔

ابن سعید کہتے ہیں کہ بحر روم کا مخرج ساحل اندلس غربی پر اُس مقام پر ہے جس کو خضرا کہتے ہیں اور جو مابین طنجہ، واقع ملک مغرب اور اندلس ہے۔ اس موقع پر اُس کا عرض مابین جزیرہ طرف وقصر مصمودہ (جو سبتہ کے قریب ہے) ۱۸ میل کا ہے۔ یہیں وہ پل تھا جس کی نسبت لوگوں کا گمان ہے کہ سکندر نے سرزمین اندلس سے دوسری سرزمین میں عبور کرنے کے لیئے بنایا تھا۔ یہ جگہ زقاق کہلاتی ہے۔ یہ دشوار گزار جگہ ہے۔ کیونکہ یہاں دو سمندر ملتے ہیں۔ موجیں ہمیشہ بلندیوں پر رہتی ہیں اور پانی چکر کھاتا رہتا ہے۔ زقاق کا

طول ۹۳ میل، اور عرض سبتہ تک اٹھارہ میل ہی۔ یہیں سے سمندر چوڑا ہونا شروع ہوتا ہی۔ یہاں تک آٹھ سو میل بلکہ اس سے زیادہ بھی ہو جاتا ہی۔ اس سمندر کے آخر میں ملک شام کا شہر صور واقع ہی۔ اس میں بہت سے جزیرے ہیں، بعض لوگ اُن کی تعداد اٹھائیس تبلاتے ہیں جن میں جزائر صقلیہ و مالطہ شامل ہیں۔ اور بعض نے تعداد نہیں تبلائی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سبتہ کے قریب بحر زقاق کی گہرائی اس قدر ہی کہ اُس کی تھاہ ہی نہیں ملتی۔

بعض لوگوں نے لکھا ہی کہ شاہان بنو اُمیہ کے زمانہ میں اندلس کا سالانہ خراج تین لاکھ دینار اندلسی تھا۔ ہر ایک شہر کو ایک مقررہ خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس میں سے ایک تہائی یعنی ایک لاکھ دینار، فوج پر خرچ ہوتا تھا، اور ایک ثلث یعنی ایک لاکھ دینار، شاہی اخراجات و ضروریات میں، اور باقی ایک ثلث ضرورت کے وقت کام آنے کے لیئے جمع رہتا تھا۔ اور لوگوں نے لکھا ہی کہ عبد الرحمن اوسط کے زمانہ میں اندلس کا خراج دس لاکھ دینار سالانہ تھا، اس سے پہلے چھ لاکھ سے زیادہ کبھی نہیں بڑھا۔

ابن سعید نے بھی یہی کہا ہی۔

قاضی القضاۃ ابن خلدون حضرمی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہی کہ اندلس کی حد شمالی بحر روم سے لیکر غرب تک جو حصۂ ملک ہی اُس کو اہل عجم اندلوشش کہتے ہیں۔ اس میں افرنجۂ مغرب کے لوگ رہتے ہیں۔ ان میں سب سے بہادر اور تعداد میں سب سے زیادہ قوم جلالقہ ہی۔ جس پر کہ قوم قوط نے برسوں، قبل از اسلام لطینین سے بہت سی جنگوں کے بعد، غلبہ و قبضہ حاصل کیا تھا، انھوں نے اہل روم کا محاصرہ کیا تھا۔ آخر میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ قوم قوط اندلس چلی جائے۔ چنانچہ قوط اندلس گئے اور اُس پر متصرف ہو گئے۔ جب اہل یونان اور لطینین نے مذہب نصرانی کو قبول کر لیا تو اُنھوں نے مغرب کی طرف قوم افرنجہ اور قوط کو بھی اسی مذہب میں شامل کر لیا۔ ملوک قوط اپنے دار السلطنت طلیطلہ میں رہتے تھے اور اکثر قرطبہ، اشبیلیہ اور ماردہ وغیرہ میں بھی رہا کرتے تھے۔ چار سو برس تک ان لوگوں نے

سلطنت کی، یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے اسلام کو فتح کے ساتھ بھیج دیا۔ اس زمانہ میں اُن کا بادشاہ لذریق تھا۔ یہ ایک لقب ہے کہ جس سے اُن کے بادشاہ ملقب ہوتے تھے، جیسے کہ ملوکِ صقلیہ "جرجیر" کہلاتے ہیں۔ انتہیٰ۔

اندلس کے شہروں میں مشہور ترین شہر غرناطہ ہے۔ بعض کے نزدیک صحیح لفظ اغرناطہ (بازیادی الف) ہے۔ اہلِ اندلس کی زبان میں اس لفظ کے معنی انار کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ غرناطہ بلادِ اندلس کا دمشق ہے۔ یہ شہر آنکھوں کو تازگی بخشتا ہے، اور دل کو فرحت۔ کوئی وقت ایسا نہیں ہوا کہ یہ مقام علما و اشراف و شعرا سے خالی رہا ہو۔ اگر یہ خصوصیات بھی نہوں تو صرف اتنی ہی تعریف اِس شہر کی کافی ہے کہ یہاں ایک لمبا چوڑا رمنہ اور دریا دریائے شنیل ہے۔

غرناطہ میں ایک محلّہ دمشق کہلاتا ہے۔ کیونکہ بوقت فتح، دمشق کی فوج یہیں آکر مقیم ہوئی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بوجہ اس کے کہ یہاں نہریں چلتی ہیں اور درختوں کی کثرت ہے یہ شہر دمشق سے بہت ملتا ہے اس لیے دمشق کہلاتا ہے۔

صاحب مناہج الفکر نے لکھا ہے کہ جب اندلس کے بہت سے شہروں پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا تو اہلِ اندلس یہاں منتقل ہو گئے۔ اس لیے یہ مقام تمام لوگوں کا ملجا اور فوجوں کا ماوا بن گیا۔ اِس شہر کے درمیان میں ایک دریا بہتا ہے جس کے اوپر پل بندھے ہوئے ہیں۔ سامنے ہی کوہ شلیر ہے، جو جاڑے ہوں یا گرمی، برف سے ڈھکا رہتا ہے۔ اِس پر ہندوستان کی تمام نباتات پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن اُن کے وہ اثرات نہیں ہیں جو ہندوستان کی جڑی بوٹیوں کے ہوتے ہیں۔

اعمالِ غرناطہ میں سے ایک علاقہ لوشہ ہے کہ جہاں بہت عمدہ چاندی کی کان ہے۔ اور وزیر لسان الدین ابن خطیب کا وطن بھی یہی تھا۔ اس علاقہ میں آبادی بہت ہے۔ اور قلعے اور شہر بہت سے واقع ہیں۔ اِس کا صدر مقام لوشہ ہے جہاں سے غرناطہ ایک منزل ہے۔ یہ مقام

غرناطہ کے مشہور دریائے شنیل پر آباد ہے۔ اس شہر میں نہریں اور درخت بہت ہیں۔

غرناطہ کے اعمال میں سے بڑا علاقہ باغہ کا ہے جس کو عام لوگ بیغہ کہتے ہیں۔ جب اس علاقہ کی طرف کسی کو منسوب کرتے ہیں تو "بیغی" کہتے ہیں۔ اس علاقہ کا صدر مقام باغہ ہی ہے۔ یہاں زراعت اچھی ہوتی ہے۔ پھل بہت پیدا ہوتے ہیں۔ پانی کی بہتات ہے زعفران یہاں بہت پیدا ہوتی ہے۔

اعمال غرناطہ میں وادی آش یا وادی الاشات بھی ہے جو بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں باغ بہت سے لگائے گئے ہیں۔ اور نہریں بھی کھودی گئی ہیں۔ یہاں کے باشندوں میں خدا تعالیٰ نے علم ادب اور ذوقِ شعر عطا فرمایا ہے۔ وادی آش کے علاقہ میں بہت بڑا قلعہ جلیانہ واقع ہے۔ یہاں کا سیب بوجہ کلانی وخوشبو وشیرینی بہت مشہور ہے۔ قلعہ جلیانہ واقع ہے۔ یہاں کا سیب بوجہ کلانی وخوشبو وشیرینی بہت مشہور ہے۔ قلعہ جلیانہ اور وادی آش کا درمیانی فاصلہ ۱۲ میل ہے۔

اندلس کی عجیب وغریب چیزوں میں دو بہت ہی بڑے درخت شاہ بلوط کے ہیں۔ ایک وادی آش میں اور دوسرا البشرہ غرناطہ میں۔ ابوعبداللہ بن جبرئی کہتے ہیں کہ یہ مشہور بات ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے جوف میں بیٹھ کر ایک جولاہا کپڑا بن سکتا ہے۔ جس جگہ اب شہر غرناطہ آباد ہے وہاں ایک گاؤں تھا۔ جب صنہاجی نے یہ شہر آباد کیا اور اس کی فصیل بنائی تو لوگ یہاں منتقل ہو آئے۔ پھر اس کے بیٹے بادیش نے اس شہر کو اور بھی ترقی دی۔

کئی لوگوں نے بیان کیا ہے کہ سرقسطہ کے پاس نہایت صاف وخالص وسفید نمک اندرانی نکلتا ہے۔ اندلس میں اس سے بہتر کہیں کا نمک نہیں ہوتا۔

سرقسطہ کو اس بادشاہ روم نے آباد کیا تھا کہ جس کا زمانہ سنہ صفر میں قبل از میلاد مسیح علیہ السلام ہے۔ سرقسطہ کے معنی ہیں "قصر السید" (سردار کا محل) کیونکہ اس بادشاہ نے اندلس میں اس مقام کو اپنا قیامگاہ قرار دیا تھا۔

کہتے ہیں کہ جب موسیٰ بن نصیر نے سرقسطہ کی نہر جلق کا پانی پیا تو کہا کہ اس سے بہتر میٹھا پانی اندلس بھر میں کہیں کا نہیں ہے۔ نہر کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس کو "جلق" کہتے ہیں۔ پھر اس کے

باغوں کو دیکھ کر کہا کہ یہ شام کے غوطہ جلق سے بہت ملتا ہی۔ کہتے ہیں کہ اس کو سکندر نے آباد کیا تھا۔

علاقہ قریہ کے شہر برجہ میں سیسے کی کان ہی۔ یہ وادی قذرار کی ایک خوش منظر وادی میں واقع ہے۔ جہاں خودرو پھول اور پھل ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے برجہ کو بجہ کہتے ہیں۔

مالقہ میں ایک ایسا انجیر پیدا ہوتا ہی جو اپنی خوبیوں کی وجہ سے ضرب المثل ہی اور یہاں سے چین اور ہندوستان تک جاتا ہی۔

ابن بطوطہ نے لکھا ہی کہ مالقہ میں بہت عجیب مٹی کے برتن بنتے ہیں جن پر سنہرا کام ہوتا ہی اور دور دور جاتے ہیں۔ یہاں کی مسجد بہت بابرکت اور وسیع ہی۔ اس کا صحن بوجہ خوبصورتی کے اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اس میں بہت سے نہایت عمدہ نارنگی کے درخت ہیں۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اندلس کے حدود کا ایک مرکز ہے۔ اس کی شہر بہت خوبصورت ہیں۔ اور خشکی و دریا کو ملاتے ہیں۔ بہت سے میوے یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہی کہ یہاں کے بازاروں میں چار سیر انگور ایک درم میں بکتے ہیں۔ یہاں کا نار جو المرسی اور الیاقوتی کے نام سے معروف ہی دنیا بھر میں کہیں نظیر نہیں رکھتا۔ بادام اور انجیر مشرق و مغرب کے شہروں تک جاتے ہیں۔

شنترین کے پاس اشبونہ میں سونے کی کان ہی۔ یہاں ایسا شہد پیدا ہوتا ہی کہ کتان کی تھیلیوں میں شکر کی طرح اس کو بھر لیتے ہیں مگر کپڑے پر نمی نہیں آتی۔ اس علاقہ میں عنبر بھی ایسا ملتا ہی کہ اس کا نظیر سوائے شحر واقع ساحل عمان کے اور کہیں نہیں ہوتا۔

اندلس کے بڑے شہروں میں شہر قرطبہ (اعادھا اللہ للمسلمین) یہاں کی مسجد اور پل مشہور ہیں۔

ابن حیان نے لکھا ہی کہ پل (حضرت) عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہ) کے حکم سے بننا شروع ہوا تھا۔ اُن ہی کے حکم سے یہ مقام دارالسلطنت قرار پایا۔ ایسا پل دنیا بھر میں کہیں

نہیں ہے۔

بعض علماء نے قرطبہ کی تعریف میں کہا ہے کہ

بأربع فاقت الأمصار قرطبة	منهن قنطرة الوادي وجامعها
چار چیزوں میں قرطبہ تمام شہروں سے بڑھ گیا	ان میں سے ایک وادی کا پل ہے اور ایک جامع مسجد
هاتان ثنتان والزهراء ثالثة	والعلم أعظم شيء وهو رابعها
یہ دو چیزیں ہوئیں اور تیسری چیز قصر زہرا ہے	اور چوتھی چیز علم ہے جو سب سے بڑی چیز ہے

حجاری نے مسہب میں لکھا ہے کہ دولت مروانیہ میں قرطبہ مرکز اسلام اور دنیا بھر کے علماء کا مجمع تھا۔ یہیں خلافتِ مروانیہ کا پایۂ تخت تھا۔ یہیں قبائل معدیہ اور یمانیہ کے سر برآوردہ لوگ جو مثل جواہرات کے تھے، منتقل ہو آئے تھے۔ یہی جگہ تمام سیاحوں کا مرجع تھی۔ کیونکہ یہ مقام تمام کریم النفس لوگوں کا مرکز ہو گیا تھا۔ اور علماء کا معدن بنا ہوا تھا۔ اس شہر کو اندلس سے وہی مناسبت تھی کہ جو سر کو جسم کے ساتھ ہے۔ اس شہر کا دریا تمام دریاؤں سے بہتر ہے۔ پھولوں اور شگوفوں سے یہ مقام ایسا آراستہ تھا کہ گویا دیباج ہے۔ پرندوں کا گہوارہ تھا، بلبلوں اور طوطیوں کا شور یہیں سننے میں آتا تھا۔ اگر زمانہ نے اس کے ساتھ خیانت کی تو یہ اس کا دستور ہے۔ اور اس کے دست برد سے کہیں امان نہیں ہے۔

سلطان یعقوب المنصور بن سلطان یوسف بن سلطان عبدالمومن بن علی نے ایک افسر فوج سے پوچھا کہ قرطبہ کی بابت تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے وہی بات کہی کہ جو عامۂ اہل اندلس میں مشہور ہے کہ "اس شہر کا رقبہ تمام خوشبو (بوجہ کوہ گلاب کے ہے)۔ سمت مغرب بالکل خوشے (بوجہ باغات) ہیں۔ سمت مقابل نہر شراب (بوجہ دریا) ہے۔ مختصر یہ ہے کہ یہ شہر جنت ہے۔"

سلطان یوسف بن عبدالمومن نے ابو عمران موسیٰ بن سعید العنسی سے پوچھا کہ قرطبہ کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ ۔ تو انھوں نے کہا کہ "پہلے آپ کی رائے سن لوں تو کہوں۔"

سلطان نے کہا کہ "بادشاہانِ بنو اُمیہ نے جب اس شہر کو اپنا دار السلطنت بنایا ہی تو یہ دیکھ کر بنایا ہی کہ اس شہر پر تمام دنیا کی نظریں ہیں۔ اور اس کے بازار چوڑے، عمارتیں مضبوط اور بڑی دریا جاری، ہوا معتدل، خارج شہر نہایت سرسبز، بہت بڑے باغات اور شعرا کافی تعداد میں موجود ہیں۔ شرقی و غربی اندلس میں یہ شہر درمیان میں واقع ہی۔" ابو عمران نے یہ سنکر کہا کہ "اب مجھے کچھ اور کہنے کو باقی نہیں رہ گیا۔"

ابن سعید کہتے ہیں کہ اہلِ قرطبہ میں ریاست و وقار ہی۔ علم و ملک اُن میں پشت بر پشت چلا آتا ہی۔ لیکن عوام الناس زیادہ گو اور شور و شغب مچانے والے ہیں۔ اُن کی نسبت یہ مشہور ہی کہ بادشاہوں کے مخالف رہتے ہیں اور گورنروں کو بُرا بھلا کہتے رہتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہی کہ اُن سے خوش رہتے ہوں۔

سلطان یعقوب المنصور کے بھائی سید ابو یحییٰ اپنی گورنری سے واپس آئے تو لوگوں نے پوچھا کہ "قرطبہ کو کیسا پایا؟" اُنھوں نے جواب دیا کہ "اُن کی مثال اونٹ جیسی ہی کہ اگر اُس پر بوجھ لادا جائے تو چیختا ہی، اور اگر اُتارا جائے تو چیختا ہی۔ مجھے یہ معلوم ہو سکا کہ وہ لوگ کس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ اُن کو جاری رکھا جائے، اور کس بات سے ناخوش ہوتے ہیں کہ اُس سے پرہیز کیا جائے۔ خدائے تعالیٰ اگر اُن پر حجاج جیسے آدمی کو مسلط کرتا تو وہ عراق سے زیادہ اُن پر سختی کرتا۔ کیونکہ یہاں کے آدمی عراق والوں سے بھی زیادہ مفسد ہیں۔ وہاں کی حکومت سے معزول ہونے کو میں اپنے نزدیک حکومت سمجھتا ہوں۔ اگر مجھے پھر قرطبہ کی گورنری پر بھیجا جائے تو میں کہونگا کہ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں کاٹا جاتا۔"

ابو الفضل تیفاشی کہتے ہیں کہ مغرب کے بادشاہ منصور یعقوب کے سامنے فقیہ ابو الولید رشد اور رئیس ابو بکر بن زہر کا مناظرہ ہوا تو اول الذکر نے قرطبہ کی فضیلت میں کہا کہ "آپ سوا اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ جب کوئی اشبیلیہ کا عالم مرجاتا ہے تو اس کی

کتابیں قرطبہ میں بکنے کو آتی ہیں۔ اور اگر کوئی ارباب نشاط قرطبہ میں مرتا ہے تو اُس کے آلات طرب اشبیلیہ میں فروخت ہونے کو جاتے ہیں۔" پھر کہا کہ "دنیا بھر کے شہروں میں سب سے زیادہ کتابیں قرطبہ میں پائی جاتی ہیں۔"

امام بشکوال نے لکھا ہے کہ جب شیخ ابوبکر بن سعادہ اپنے بھائی کے ساتھ شہر طلیطلہ میں استاد ابوبکر مخزومی سے ملنے گئے تو انھوں نے "پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟" ہم نے کہا کہ "قرطبہ سے"۔ پوچھا کہ "یہاں آئے ہوئے کتنا عرصہ ہوا؟" ہم نے کہا کہ "پہلے ہی آئے ہیں۔" یہ سُن کر کہنے لگے "کہ ذرا میرے پاس آؤ کہ میں قرطبہ کی ہوا کی خوشبو سونگھ لوں"۔ چنانچہ ہم اُن کے قریب گئے تو اُنھوں نے ہمارے سر کو سونگھا۔ اور پیشانی کا بوسہ لیا۔

ہم قرطبہ، زہرا، زاہرہ جامع مسجد اور پُل کے ذکر میں ایک مستقل باب قائم کرینگے۔

(اشبیلیہ) کی تعریف میں شقندی کہتے ہیں کہ یہاں کی ہوا معتدل ہے اور عمارات خوبصورت ہیں۔ یہاں کا دریا بہت بڑا ہے جس میں بہتر میل تک مد رہتا ہے اور پھر جزر شروع ہوجاتا ہے۔ ایک شخص سے جس نے مصر و شام کو دیکھا تھا، کسی نے پوچھا کہ اشبیلیہ کیسی جگہ ہے؟ تو اُس نے اشبیلیہ کی فضیلتیں بیان کر کے کہا کہ "وہ ایک جنگل ہے بغیر شیر کے، اور گنگا دریا گویا دریا نیل ہے بغیر مگر مچھ کے۔"

کہتے ہیں کہ جس شخص نے اشبیلیہ آباد کیا ہے اُس کا نام یولیش تھا۔ سب سے پہلے اُسی کو قیصر خطاب دیا گیا تھا۔ جب وہ اندلس میں داخل ہوا تو اُس کو یہاں کا میدان، زمین اور پہاڑ جو دریا کے کنارے پر ہے دیکھ کر تعجب ہوا۔ اُس نے یہاں شہر کی بنا ڈالی اور پتھر کی فصیل بنائی درمیان شہر دو خوبصورت قصبے آباد کئے، جن کا نام اُس نے اخوین (دو بھائی) رکھا۔ غرض اس جگہ کو اندلس کا اصل شہر بنا دیا۔ اور اُس کا نام رومیۃ یولیش رکھا۔

ہم اس کا پہلے بھی کچھ ذکر کر چکے ہیں۔ بادشاہان عجم اپنے قیامگاہ کے لئے صرف اشبیلیہ قرطبہ، قرمونہ، اور طلیطلہ ہی کو پسند کرتے رہے۔ اشبیلیہ کو بوجہ لطیف مقام، عمدہ زمین اور

سرسبزی کی فضیلت حاصل ہی۔ تمام طول و عرض اشبیلیہ سبزے سے ڈھکا رہتا ہی۔ زیتون کے اس قدر درخت ہیں کہ کوسوں دھوپ نہیں ہوتی۔

اشبیلیہ کے علاقہ میں بڑے بڑے قصبے، شہر اور قلعے ہیں۔ یہ اُن چھاؤنیوں میں سے ہی جہاں کہ حمص کی فوجیں دمشق کی فتح کے بعد داخل ہوئی تھیں۔

حکم بن ہشام کے زمانہ میں اشبیلیہ کا خراج ۵۱۰۰۳ دینار تھا۔

طالقہ (علاقہ اشبیلیہ) میں ایک عورت کا بت سنگ مرمر کا تھا جو ایک بچہ کو گود میں لیے ہوئے تھی اور ایک سانپ اُس پر حملہ کر رہا تھا۔ اُس سے زیادہ خوبصورت بت کہیں دیکھا یا سنا نہیں گیا، حتیٰ کہ اکثر لوگ اُس پر عاشق ہو گئے تھے۔

ماردہ میں قلعہ شنت افرج اتنا بلند تھا کہ کوئی پرندہ، یہاں تک کہ عقاب بھی اُس کی بلندی تک نہیں اُڑ سکتا تھا۔

جامع مسجد اقلیش میں ایک پتھر لگا ہوا ہی کہ جو ایک سو گیارہ بالشت مربع ہی۔ یہ پتھر عجائبات اندلس میں سے ہی۔

اشبیلیہ دریا، قرطبہ پر آباد ہی۔ اس دریا پر کشتیوں کا پل بندھا ہوا ہی۔ مال تجارت سے بازار بھرے پڑے ہیں۔ یہاں کے باشندے متمول ہیں۔ زیتون کی تجارت زیادہ ہوتی ہی۔ کیونکہ اس کے درخت علاقہ شرف میں بہت زیادہ ہیں۔ اس تمام علاقہ کی زمین سرخ ہی اور بلندی پر واقع ہی۔ اس تمام رقبہ میں جو چالیس در چالیس میل ہی زیتون اور انجیر ہی کے درخت ہیں۔

اشبیلیہ میں بہت سے شہر ہیں۔ ہر ایک میں بازار اور حمام وغیرہ ہیں۔

صاحب منہاج الفکر کہتے ہیں کہ شہر اشبیلیہ دنیا کے خوبصورت شہروں میں سے ہی۔ یہاں کے لوگ اپنی فرصت کا وقت سیر و تفریح میں گذارنے میں مشہور ہیں۔ اس عادت میں اُن کی مدد اُس دریا نے بھی کی ہی جو اُن کے علاقہ میں واقع ہی اور نیز جبل شرف نے جو

جو سرخ مٹی کا پہاڑ اور جنوب سے شمال تک چالیس میل لمبا اور مشرق سے مغرب تک بارہ میل چوڑا ہی۔ اس میں دو سو تین قریہ آباد ہیں۔ اور زیتون کے درختوں سے پُر ہی۔

سمت غربی میں علاقہ باجہ زمانہ بنی عباد میں اشبیلیہ میں شامل تھا۔ اس علاقہ کو چمڑے کی دباغت اور کتان کے کپڑے بننے میں خصوصیت حاصل ہی۔ اس علاقہ میں چاندی کی کان ہی۔ معتمد بن عباد یہیں پیدا ہوئے تھے۔ یہ علاقہ ماردہ اور جبل طارق سے متصل ہی۔ یہ پہاڑ طارق، غلام موسیٰ ابن نصیر سے منسوب ہے۔ کیونکہ فتح اندلس کے بعد طارق سب سے پہلے اسی پہاڑ پر اُترے تھے، اسی واسطے اس کو جبل الفتح بھی کہتے ہیں۔ یہ پہاڑ جزیرۃ الخضراء کے مقابل ہی۔ اس مقام پر چونکہ دریا کچھ گول شکل رکھتا ہی اس لیے یہ معلوم ہوتا ہی کہ گویا جبل طارق جزیرہ الخضراء کو گھڑا دیکھ رہا ہی۔ مسافر جب سبتہ سے براہ دریا اس طرف آتے ہیں تو یہ پہاڑ ایک طرح کا زین معلوم ہوتا ہی۔

ابو الحسن علی ابن موسیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے والد کے ساتھ اس طرف آ رہا تھا تو مجھ کو جبل طارق بالکل زین جیسا نظر آیا تھا۔

(جزیرہ طریف) فی الحقیقت جزیرہ نہیں ہی۔ بلکہ جزیرہ وہ ہی کہ جو اس کے مقابل سمندر میں ہی۔ طریف منسوب ہی موسیٰ بن نصیر کے ایک بربری غلام کی طرف جس کو طارق سے پہلے چار سو آدمیوں کے ساتھ بھیجا گیا تھا اور رمضان ۹۱ھ ہجری میں وہ یہاں آکر اترا تھا۔

اندلس کے سب سے بڑے علاقوں میں علاقہ طلیطلہ ہی جو اندلس کے وسط میں واقع ہی۔ ملوک طوائف، بنو ذوالنون کا دارالسلطنت طلیطلہ رہا ہی۔ اس خاندان کی سلطنت کی ابتدا، پانچویں صدی میں ہوئی تھی۔

اِس شہر کا نام قیصر نے اپنی زبان میں ٹُلیطلہ رکھا تھا (جس کے معنی ہیں تو خوش رہنے والا ہی)، مگر اہلِ عرب نے اس کو معرّب کر کے طلیطلہ کر لیا۔ دولت بنو اُمیہ میں طلیطلہ اور اُس کا علاقہ ثغر الادنےٰ کہلاتا تھا اور سرقسطہ اور اُس کا علاقہ ثغر الاعلیٰ۔ شہر طلیطلہ

خاص مدینۃ الاملاک کہا جاتا تھا۔ کیونکہ یہاں اکثر بادشاہ گزرے ہیں۔ سلیمان بن داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور ذوالقرنین یہاں آچکے ہیں۔ یہیں طارق کو سلیمان علیہ السلام کا مائدہ ملا تھا۔ جس کو روم کا بادشاہ اشبان، بانی اشبیلیہ بیت المقدس سے لوٹ لایا تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ زمرد کا تھا اور ولید بن عبدالملک کے سامنے ایک لاکھ دینار اس کی قیمت لگائی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت یہ مائدہ روم میں ہے۔

طارق کو طلیطلہ میں بہت سا ذخیرہ ملا تھا۔ منجملہ اُس کے ایک سو ستر تاج، موتی، یاقوت اور دیگر قیمتی جواہرات سے جڑے تھے۔ اور سونے چاندی کے برتن، جو اتنے بڑے مکان میں رکھے ہوئے تھے کہ اگر کوئی سوار اس میں چوگان کھیلتا تو کھیل سکتا تھا۔ ان کے متعلق ایسی عجیب و غریب باتیں بیان کی جاتی ہیں کہ اگر ان کی تفصیل کی جائے تو کسی کو اعتبار نہ آئے۔

طلیطلہ میں باغ، نہریں، پھلواریاں، مختلف قسم کے عمدہ میوے، مرتفع عمارتیں اور مضبوط قلعے ہیں۔ اس کی خوبیاں اتنی ہیں کہ ہم ان کو اپنی کتاب میں کسی اور مقام پر ذکر کرینگے۔

طلیطلہ بادشاہانِ قوط کا دارالسلطنت ہے۔ یہ شہر دریائے تاجہ پر آباد ہے۔ یہیں وہ پل تھا جس کی صرف ایک محراب ہے۔ یہ پل ایسا اچھا تھا کہ کسی سے اس کی تعریف نہیں ہو سکتی اس کا طول تین سو باع اور عرض اسّی باع تھا۔ امیر محمد کے زمانہ میں جب طلیطلہ کے لوگوں نے ان سے بغاوت کی ہے تو یہ پل گرا دیا گیا۔

اندلس کے مشہور شہروں میں سے وتہ بھی ہے جو ساحل دریا پر واقع ہے۔ یہاں ایک مضبوط قلعہ ہے جو خیران کہلاتا ہے۔ اس کو عبدالرحمٰن الناصر نے بنایا تھا۔ منصور ابن ابی عامر کے زمانۂ دولت میں اس قلعہ کی عظمت بہت بڑھ گئی تھی۔ اُن کا غلام خیران اس قلعہ کا والی مقرر ہوا تھا، اُسی کے نام سے یہ قلعہ مشہور ہو گیا۔ دیبا یہاں ایسا اچھا بنتا ہے کہ کوئی شہر اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہاں بہت سے کارخانے ہیں۔ اس کے علاقہ میں لوہے کی کان ہے اور پتھر بھی نکلتا ہے۔ شہر کے ایک دروازے پر پتھر سے عقاب کی صورت بنی ہوئی ہے

جو عجیب ہی۔ یہ دروازہ باب العقاب کہلاتا ہی۔

بعض لوگوں نے بیان کیا ہی کہ مریہ میں ریشمی کپڑا بننے کے آٹھ سو کرگھے تھے۔ اور اعلیٰ درجہ کے دیبا بننے کے ایک ہزار کرگھے اور استقلاطون، جرجانی، اصفہانی، عتابی کپڑوں اور نفیس چادروں اور نادر پردوں کے بننے کے بھی اتنے ہی کرگھے تھے۔ اس شہر میں مختلف قسم کے ہتیار اور تانبے اور رانگے کی چیزیں بہت ہی اچھی بنتی ہیں۔ مریہ کے میوے ایسے اچھے ہوتے ہیں کہ جن کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اس کا ساحل بہترین ہی۔ بادشاہان قدیم کے محلات نہایت عجیب و غریب بنے ہوئے تھے۔ ابو جعفر بن خاتمہ نے اس شہر کی ایک ضخیم تاریخ موسوم بہ مزیۃ المریہ علیٰ غیرھا من البلاد الاندلسیہ۔ لکھی ہی۔ میں یہ کتاب اپنے اور اسباب کے ساتھ مغرب میں چھوڑ آیا ہوں۔ وادی مریہ کا طول چالیس میل ہی جس میں تمامتر باغات و انہار ہی ہیں۔

بعضوں نے لکھا ہی کہ بلاد اندلس میں سب سے زیادہ مالدار شہر مریہ ہی تھا۔ یہاں کی تجارت سب سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اور مال تجارت بھی سب سے زیادہ یہیں جمع رہتا تھا۔ ہزار کے قریب یہاں حمام اور ہوٹل تھے۔ یہ شہر دو پہاڑوں کے درمیان آباد ہی۔ ان کے بیچ میں ایک خندق پانی سے بھری رہتی ہی۔ ایک پہاڑ پر اس شہر کا ایک قصبہ آباد ہی، جس کا سلسلہ دوسرے پہاڑ تک چلا گیا ہی۔ اس قصبہ کو قصانہ کہتے ہیں پھر اس کے گرد فصیل شہر ہی۔ پھر ایک اور حصہ شہر ہی جو ربض الحوض سے موسوم ہی۔ اس میں بھی ہوٹل، حمام، کارخانے اور خندقیں ہیں۔ اس تمام شہر کے گرد بڑے بڑے قلعے ہیں اور تمام علاقہ میں قصبات، باغات، اور انہار پھیلی ہوئی ہیں۔

ابن الیسع شہر شنترہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس علاقہ کو یہ خصوصیت حاصل ہی کہ یہاں جَو اور گیہوں، بونے کے چالیس روز بعد کاٹ لیے جاتے ہیں۔ یہاں کے سیب اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ بعض کی گولائی تین بالشت بلکہ زیادہ ہی۔ ابو عبداللہ البکری

نے بچشم خود پانچ بالشت گول سیب دیکھے تھے۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ تمام سیب اتنے بڑے نہیں ہوتے۔ بلکہ جن سیبوں کو بڑا کرنا مقصود ہوتا ہے تو درخت کے اور سیب کاٹ پھینکتے ہیں۔ اور دس یا اس سے کم رہنے دیتے ہیں۔ اُن کے نیچے لکڑی کی ٹیکیاں لگا دیتے ہیں تو وہ سارے پھل اتنے بڑے ہو جاتے ہیں۔

قریہ سے ایک منزل قلعہ شنتش ہے۔ یہاں شہتوت بہت ہوتے ہیں۔ اور ریشم اور قرمز کے کارخانے ہیں۔ اس کی وادی طرنش کہلاتی ہے۔

مالقہ کے مغرب میں علاقہ سہیل ہے۔ یہ علاقہ بہت بڑا ہے اور اس میں زراعت خوب ہوتی ہے۔ یہیں جبلِ سہیل ہے۔ ملک اندلس میں سوائے اس پہاڑ کے کہیں اور سے یہ تارہ نہیں دکھلائی دیتا۔

شرقی اندلس میں علاقہ تدمیر ہے۔ چونکہ یہ علاقہ ملک مصر سے بہت مشابہ ہے اس لئے اس کو مصر کہتے ہیں۔ یہاں کی زراعت بھی ایک دریا کی طغیانی پر منحصر ہے، جو ایک وقت مخصوص پر چڑھتا اور اتر جاتا ہے۔ تدمیر کے بعد قریہ کا علاقہ ہے جو بستان کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہاں تمام باغات ہی ہیں۔ اور ایک نہر اُس کو سیراب کرتی ہے۔

جزیرہ اندلس (اعادہا اللہ للمسلمین) علاقہائے متوسط شرق اور غرب پر مشتمل ہے۔ علاقہ متوسط میں بڑے بڑے شہر ہیں۔ جن میں سے ہر ایک شہر بجائے خود ایک مستقل مملکت ہے اس کے بڑے بڑے علاقے اور وسیع قطعے ہیں، مثلاً قرطبہ، طلیطلہ، جیان، غرناطہ، قریہ اور مالقہ۔ اعمال قرطبہ میں استجہ، بلکونہ، قبرہ، اندہ، غافق، مدور، استبہ، بیانہ، لسانہ، اور قصیر وغیرہ ہیں۔ اعمال طلیطلہ میں وادی الحجارہ، قلعہ رباح، طلنکہ وغیرہ ہیں۔ اعمال جیان میں ابذہ، بیاسہ، قسطلہ وغیرہ ہیں۔ اعمال غرناطہ میں وادی آش، منکب، لوشہ وغیرہ ہیں۔ اعمال قریہ میں اندرش وغیرہ ہیں۔ اعمال مالقہ میں بلش عامہ وغیرہ ہیں۔ بلش میں وہی میوے پیدا ہوتے ہیں جو مالقہ میں ہوتے ہیں۔ حامہ میں گرم پانی کا چشمہ ہے۔

شرقی اندلس میں بڑے شہر یہ ہیں۔ مرسیہ، بلنسیہ، دانیہ، سہسلہ، ثغر اعلیٰ۔ اعمال مرسیہ میں اوریولہ، قنت، لورقہ، وغیرہ ہیں۔ اعمال بلنسیہ میں شاطبہ ہے۔ جو بلحاظ خوبصورتی، ضرب المثل ہے۔ وہاں بے نظیر کاغذ بنایا جاتا ہے۔ اور جزیرہ سقر وغیرہ۔ دانیہ ایک مشہور جگہ ہے۔ اور اس کے بھی بہت سے اعمال ہیں۔ سہسلہ واقع ہے مابین بلنسیہ اور سرقسطہ کے۔ اسی واسطے اس کو لوگوں نے ثغر اعلیٰ کے تحت میں شامل کیا ہے۔ اس میں بھی بہت سے شہر اور قلعے ہیں۔ ثغر اعلیٰ کے اعمال میں سرقسطہ ہے جو ثغر اعلیٰ کا سب سے بڑا شہر سمجھا جاتا ہے۔ نیز لاردہ، قلعہ رباح جو بیضا کہلاتا ہے، تطیلہ اور اس کا شہر طرسونہ، وشقہ اور اس کا شہر تطیلا، سالم، قلعہ ایوب اور اس کا شہر بلیانہ، برطانیہ اور باروشہ۔

غربی اندلس میں اشبیلیہ، ماردہ، اشبونہ اور شلب ہیں۔ اعمال اشبیلیہ میں شریش، خضرا، لبلہ وغیرہ ہیں۔ اعمال ماردہ میں بطلیوس، یابرہ وغیرہ ہیں۔ اعمال اشبونہ میں شنترین وغیرہ ہیں۔ اور اعمال شلب میں شنت ریہ وغیرہ ہیں۔

اندلس کے جزائر میں جزیرہ قادس ہے جو اعمال اشبیلیہ میں شامل ہے۔ مگر ابن سعید اس کو علاقہ شریش میں بتلاتے ہیں۔ اس قول میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ شریش بھی علاقہ اشبیلیہ ہی میں ہے۔

کہتے ہیں کہ قادس کے بت کے ہاتھ میں ایک کنجی تھی۔ جب قادس پر علی بن عیسیٰ ابوعبداللہ بن میمون امیر البحر نے حملہ کیا تو اس کو خیال پیدا ہوا کہ بت کے نیچے بہت سا مال ہے۔ مگر جب اس نے بت کو گرا کر کھدوایا تو کچھ نہ نکلا۔ قادس بحر محیط میں واقع ہے۔ محیط میں جزائر خالدات بھی ہیں جو شمار میں سات ہیں اور شہر سلا کے مغرب واقع ہیں۔ اگر آسمان صاف ہوتا ہے تو دور سے نظر آتے ہیں۔ ان میں سات بت آدمیوں کے بنے ہوئے ہیں۔ جو یہ اشارہ کرتے ہیں کہ کوئی آدمی اس سے آگے عبور نہیں کر سکتا۔ شمال میں جزائر السعادت ہیں، جن میں بہت سے شہر اور قصبے ہیں۔ ان ہی میں وہ قوم رہتی ہے جن کو مجوس کہتے ہیں اور دین نصرانی رکھتے

رکھتے ہیں۔ ان میں سے پہلا جزیرہ برطانیہ ہی جو وسط بحر محیط میں اندلس کے انتہائے شمالی میں واقع ہی۔ اِس میں نہ پہاڑ ہیں نہ چشمے۔ بارش کا پانی پیا جاتا ہی اور اُسی سے زراعت ہوتی ہی۔
ابن سعید کہتے ہیں کہ بحرِ محیط ہی میں جزیرۂ شلیطش ہی جس میں ایک شہر ہی۔ اس کے سمندر میں مچھلیاں بہت ہوتی ہیں اور نمک لگا کر اشبیلیہ تک جاتی ہیں یہ علاقہ لبلہ میں شامل ہی اور اونبہ کا مضافات سمجھا جاتا ہی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرطاجنہ بھی بلادِ اندلس میں شامل ہی۔ اس کے بعض علاقوں میں صرف ایک بارش سے زراعت ہو جاتی ہی۔ اس میں ریختہ کرن پتھر کی بہت سی محرابیں ہیں اور ایسی تصاویر تمثال۔ اور انسان کی شکلیں اور حیوانوں کی صورتیں ہیں کہ آدمی حیران ہو جاتا ہی۔ یہاں کی عجیب ترین عماراتوں میں چوبیس تہ خانے ہیں۔ جو ایک ہی صف میں پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ ہر تہ خانہ کا طول ایک سو تیس قدم، اور عرض ساٹھ قدم ہی۔ اور ہر ایک کا ارتفاع دو سو ذراع سے زیادہ ہی۔ ایک سے دوسرے تہ خانہ تک پانی کے لیے مضبوط سرنگ بنی ہوئی ہی تاکہ تمام تہ خانوں میں پانی متصل رہے۔ پانی کو اوپر چڑھانے میں صانع نے علم ہندسہ کا کمال دکھلایا ہی۔ لیکن میرے نزدیک یہ کیفیت جو قرطاجنۂ اندلس سے منسوب کی گئی ہی غلط ہی۔ بلکہ وہ قرطاجنہ افریقیہ کی حالت ہی۔

صاحب مناہج الفکر نے قرطاجنہ کے ذکر میں لکھا ہی کہ وہ بحر رومی پر ایک قدیم شہر ہی جس کے اب صرف کھنڈر باقی رہ گئے ہیں۔ اس کا طول چھ روز کی راہ ہی اور عرض دو دن کی راہ۔ یہ تمام رقبہ آبادی سے معمور تھا۔

ہم لقنت کے ذکر میں کہہ آئے ہیں کہ اُس کے نواح میں لاجورد ملتا ہی۔ بحر شام میں دو جزیرے میورقہ اور منورقہ ہیں جن کے درمیان میں پچاس میل کا فاصلہ ہی۔ میورقہ کا رقبہ ایک دن کی مسافت ہی۔ یہ ایک خوبصورت شہر ہی۔ اور اس میں ہمیشہ نہر جاری رہتی ہی۔ اِس جزیرہ کی تعریف و تفصیل کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہی۔

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ غرناطہ اندلس کا دارالسلطنت ہے اور اندلس کے شہروں کی دُلہن ہے۔ دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ اس کا رقبہ چالیس میل ہے۔ مشہور دریا شنیل اس کے درمیان میں واقع ہے۔ اس کے سوا اور بھی بہت سی نہریں ہیں۔ بڑے بڑے باغات اور پھلواریاں، محلات اور رخانہ باغ ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ اس شہر کا بہترین موضع عین الدمع ہے اور بوجہ پھلواریوں اور باغات کے اپنا آپ ہی نظیر ہے۔

شقندی کہتے ہیں کہ غرناطہ بلاد اندلس کا دمشق ہے۔ اُسی کی طرف نظریں اٹھتی ہیں۔ اُسی کی طرف دل کھنچے جاتے ہیں۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ یہ شہر شرفا، علما اور شعرا سے خالی رہا ہو۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس شہر کو یہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ اس میں بڑی قادر الکلام شاعرہ، عالمہ اور فاضلہ ہوتی رہی ہیں۔ اگر ان میں سے کسی اور کا ذکر نہ بھی کیا جائے تو نزہون القلعیہ اور رکونیہ کا نام لے دینا کافی ہے جو لطائف و ظرائف اور علم ادب میں کامل تھیں۔

بلاد اندلس میں شہر غرناطہ بہترین شہر ہے۔ اور اندلس کا دمشق کہلاتا ہے۔ کیونکہ یہ دمشق سے بہت مشابہ ہے۔ اس کی درمیان سے دریا حدرہ بہتا ہے۔ اور کوہ شلیر اس کے سامنے ہے جس پر جاڑہ ہو یا گرمی، برابر برف جمی رہتی ہے جو شدہ شدہ پتھر کی طرح سخت ہو جاتی ہے۔ اس پہاڑ پر طرح طرح کے پھول۔ اور مختلف قسم کی اجناس پیدا ہوتی ہیں۔ اہل دمشق جب سب سے پہلے اندلس آئے تو انھوں نے غرناطہ کو اپنے وطن کے مشابہ دیکھ کر یہیں اقامت اختیار کی تھی۔

بعض متاخرین نے لکھا ہے کہ غرناطہ کے متعلقات میں دو سو ستر قصبے تھے۔

ابن جزی، جنھوں نے ابن بطوطہ کا سفرنامہ مرتب کیا ہے، لکھتے ہیں کہ "اگر مجھے تعصب کا الزام نہ لگایا جاتا تو میں غرناطہ کی تعریف میں بہت کچھ طول دیتا۔ لیکن اس کی جتنی شہرت ہو چکی ہے وہ کافی ہے، زیادہ طول کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔"

ابن سعید نے شہر تارجہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہ بہت بڑا شہر ہے اس میں بہت سے باغات

لگے ہوئے ہیں اور ایک نظر فریب دریا جاری ہے۔ یہ شہر علاقہ مالقہ میں ہے۔ میں جب وہاں پہونچا تو اُن دنوں میں ریشم رنگا جاتا تھا۔ وہاں کے رہنے والے ایک میدان میں خیمے ڈالے ہوئے پڑے تھے۔ بعض خورد و نوش میں مصروف تھے، اور بعض گانے بجانے میں، ایک عجیب لطف آرہا تھا۔

ابن سعید کہتے ہیں کہ بلنسیہ اندلس کے شرق میں واقع ہے۔ اس کو مدینۃ التراب کہتے ہیں یہاں زعفران پیدا ہوتی ہے۔ یہاں ایک قسم کا امرود ہوتا ہے جس کو آرزہ کہتے ہیں۔ یہ انگور کی برابر نہایت شیریں اور خوشبودار ہوتا ہے۔ اگر کسی مکان میں ہوتا ہے تو اندر داخل ہوتے ہی اُس کی خوشبو آنے لگتی ہے۔ کہتے ہیں کہ تمام اندلس کے شہروں سے زیادہ یہاں روشنی رہتی ہے۔ یہاں بہت سے سیرگاہیں اور مینارے ہیں۔ سب سے زیادہ خوبصورت اور مشہور رصافہ اور منیتہ ابن ابی عامر ہیں۔ جس کے مناظر باغات اور نہریں نہایت خوش فضا ہیں۔ اندلس میں سوا رصافہ، بلنسیہ اور رصافہ، قرطبہ کے اور کوئی جگہ رصافہ سے موسوم نہیں کی گئی ہے۔ بلنسیہ کے علاقہ میں قصبہ منصف ہے جس کے رہنے والے مشہور زاہد فقیہ ابوعبداللہ المنصفی ہیں۔ ان کا مزار سبتہ میں ہے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ) بلنسیہ کے ہی علاقہ میں قریہ بطرنہ ہے جہاں کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان مشہور معرکہ ہوا تھا۔ اسی علاقہ میں متیطہ ہے۔ جس کی طرف بہت سے علماء اور ادیب منسوب ہیں۔ اسی علاقہ میں آندہ واقع ہے جہاں لوہے کی کان ہے۔ رندہ (بہ رائے مہملہ) متوسط اندلس میں ہے۔ وہاں کا قلعہ بھی آندہ سے موسوم ہے۔ اشبیلیہ (اعادہا اللہ للمسلمین) میں بھی بہت سی سیرگاہیں ہیں۔ اسی میں سے شہر طریانہ ہے اور جزیرۂ قبطیل بھی بہت اچھی سیرگاہ ہے۔

حجازی کہتے ہیں کہ شہر شریش، اشبیلیہ کی بیٹی ہے۔ اور اس کا میدان اشبیلیہ کے میدان کا بیٹا۔ یہ مصر سعید کے شہر سعیدیہ سے بہت مشابہ ہے۔ یہ بڑا شہر ہے۔ اس میں گنجان بازار ہیں یہاں کے رہنے والے صاحب ہمت اور خوش پوش ہوتے ہیں۔ یہاں مجنبات بہت

اچھی بنتی ہیں۔

اہلِ اندلس کہتے ہیں کہ جو شخص شریش میں گیا اور مجبنات نہیں کھائی وہ محروم القسمت ہی۔ مجبنات ایک قسم کی لوذات ہیں جس میں پنیر پڑتا ہی اور خوشبو دار روغن زیتون میں تلے جاتے ہیں۔

شلب کا علاقہ اشکونیہ کہلاتا ہی جو علاقہ اشبونیہ کے متصل ہی۔ اشکونیہ بڑا شہر اور صدر مقام ہی۔ اس کے متعلق بہت سے شہر اور قریہ ہیں۔ قرطبہ اور شلب کے درمیان سات دن کا راستہ ہی بنی عباد ملوک مراکش جب شلب پر قابض ہوئے تو انھوں نے اس کو اشبیلیہ سے ضم کر دیا۔ شلب کو یہ فخر حاصل ہی کہ اس میں ذوالوزارتین ابن عمار اور ابو مروان عبدالملک بن بدران مشہور سیاح اپنے زمانہ کے علامہ نحوی ابو محمد عبداللہ ابن سید بطلیوسی یہیں کے رہنے والے تھے۔

میں نے بعض کتب تواریخ اندلس میں سلطان بادیس ضہاجی صاحب غرناطہ کے بیان میں دیکھا ہی کہ اسی بادشاہ نے جو نہایت عقیل اور ذی مروت آدمی تھا، قصبہ مالقہ کو ترتیب دیا تھا غرناطہ میں اس کا ایک محل تھا۔ جس کی نظیر بلاد اسلام یا کفر میں نہیں ہی۔ اس محل کی تعریف وزیر لسان الدین نے اپنے ایک قصیدہ میں کی ہی۔

کئی مورخوں نے لکھا ہی کہ شہر سرقسطہ میں زخود سانپ نہیں آتا۔ اور اگر آجاتا ہی تو رہ نہیں سکتا۔ بعض حیوانات کی نسبت ایسی ہی باتیں اور شہروں کی بھی مشہور ہیں۔ ایک طلسم کا اثر بتلایا جاتا ہی۔ مگر بعض علماء دین نے جادو کے متعلق بحث کرتے ہوئے اس امر سے انکار بھی کیا ہی۔ بعض علماء مشرق اور مورخین مغرب نے لکھا ہی کہ سرقسطہ میں سانپ یا بچھو نہیں آسکتا۔ اور اگر آجائے تو فوراً مرجاتا ہی۔ اکثر لوگ زندہ سانپ اور بچھو پکڑ کر یہاں لاتے ہیں، مگر بیچ شہر میں پہونچتے ہی وہ مرجاتے ہیں یہاں نہ کھانا سڑتا ہی نہ اس میں کیڑے پڑتے ہیں۔ چنانچہ سو برس کے گیہوں چھ برس کے انگور، چار برس کے آڑو، انجیر، حب الملوک، سیب خشک آلو بخارا اور بیس برس سے باقلہ اور نخود رکھا ہوا دیکھا گیا ہی۔ ان ہی پر منحصر نہیں ہی لکڑی، اون یا ریشم یا کتان کے کپڑے

میں کیڑا نہیں لگتا۔ اندلس بھر میں یہاں سے زیادہ مزہ دار اور بڑے میوے کہیں نہیں ملتے۔ اِس شہر کے چاروں طرف آٹھ آٹھ میل تک باغات لگے ہوئے ہیں۔ اس علاقہ میں جو چالیس میل عریض و طویل ہے بہت سے شہر اور قطعے ہیں۔ بوجہ کثرت درخت و انہار کے یہ علاقہ عراق سے بہت مشابہ ہے۔

سرزمین اندلس ایسی سرسبز و شاداب ہے، اور یہاں ایسی عجیب و غریب قدرتی چیزیں ملتی ہیں کہ غالباً ایسا مجموعہ دنیا کی کسی اور سرزمین پر نہیں ملتا۔ چنانچہ حجاری نے مسہب میں ذکر کیا ہے کہ سمور جس سے اعلیٰ قسم کی پوستین بنتی ہیں، جزیرہ برطانیہ کے قریب اندلس کے بحر محیط میں ملتے ہیں، اور وہاں سے سرقسطہ میں آکر پوستین بنتے ہیں۔ ابن غالب نے لکھا ہے کہ جو سمور قرطبہ میں بنتا ہے اُس کی نسبت تحقیق نہیں ہوا کہ وہ اود بلاؤ کی کھال ہے یا نباتات کی قسم سے کوئی چیز جمی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر یہ اود بلاؤ ہی کا چمڑہ ہے تو وہ ایک قسم کا دریائی جانور ہے جو خشکی میں بھی نکل آتا ہے، اور اُس میں قوتِ ممیزہ ہوتی ہے۔ چنانچہ مشہور طبیب جامع الدین سمحون مصنف کتاب الادویۂ مفردہ نے لکھا ہے کہ "وہ کسی قدر بڑا جانور بحرِ روم میں ہوتا ہے۔ اُس کے صرف خصیئے کام میں آتے ہیں۔ جب وہ خشکی میں نکلتا ہے تو شکاری اُس کو پکڑ کر خصیئے کاٹ لیتے اور اُس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر وہ خصّی اود بلاؤ دوسری مرتبہ پکڑا جاتا ہے، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ شکاری اُس کو نہ چھوڑینگے، تو وہ چت لیٹ کر اپنی ٹانگیں چیر دیتا ہے تاکہ اُس کے خصیئے نظر آجائیں۔ شکاری اُس کو خصی دیکھ کر چھوڑ دیتے ہیں"۔ ابن غالب کہتے ہیں کہ اُس جانور کو جند بید ستر بھی کہتے ہیں۔ اور اُس کے خصیوں سے نہایت عمدہ دوا بنتی ہے۔ اس کے منافع بیشمار ہیں، سرد بیماریوں میں یہ نہایت مُفید پڑتا ہے۔ اس کی خاصیت گرم خشک درجہ چہارم میں ہے"۔

قنلیبہ ایک جانور ہے جو خرگوش سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کا گوشت بہت مزہ دار ہوتا ہے اس کی پشم بہت اچھی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا پوستین اندلس میں مسلمان اور عیسائی سب استعمال کرتے ہیں۔ یہ جانور اگر بربر کے میدانوں میں ملتا ہے تو اُس کو بھی سبتہ میں لے آتے ہیں۔

اور یہیں پاتے ہیں۔ ابن سعید نے لکھا ہے کہ تونس واقعہ افریقیہ کو بھی یہ جانور لے جاتے ہیں
اندلس میں ہرن، بارہ سنگھا، گورخر، گائیں وغیرہ اس کثرت سے ملتی ہیں کہ اور جگہ نہیں پائی جاتیں
شیر، ہاتھی، زرافہ وغیرہ جو گرم ملکوں میں ہوتے ہیں، یہاں نہیں ہوتے۔ یہاں ایک درندہ ہوتا
ہے جس کو لسب کہتے ہیں۔ یہ بھیڑیے سے کچھ بڑا ہوتا ہے۔ جب بھوکا ہوتا ہے تو انسان پر بھی حملہ
کرتا ہے اور پھاڑ ڈالتا ہے۔ یہاں کے خچر اور گھوڑے اچھے ہوتے ہیں اور گھوڑا ہوتا، لڑائی میں
خوب کام دیتا ہے، کیونکہ تیز رو اور بارکش ہوتا ہے۔ پرندے بھی اس ملک میں بہت ہوتے
ہیں جن کا ذکر خالی از طوالت نہیں ہے۔ یہی حالت دریائی جانوروں کی ہے جن سے بحر محیط
اندلس بھرا پڑا ہے۔ ابن سعید کہتے ہیں کہ ایک جانور تو اتنا بڑا ہے کہ جہازوں کو الٹ دیتا ہے
مسافر اس کے خوف سے بات نہیں کرتے کہ کہیں آواز سن کر وہ جہاز کو نہ آ گھیرے، وہ اپنے
نتھنوں سے سانس لیتے ہوئے بہت اونچا پانی اچھالتا ہے۔ مسعودی نے مروج الذہب میں
لکھا ہے کہ اندلس میں چھپیس قسم کے گرم مصالحہ اور خوشبوئیں وغیرہ ہوتی ہیں۔ مثلاً سنبل،
لونگ، صندل، قرفہ، چرایتہ وغیرہ۔ مسعودی ہی کا قول ہے کہ پانچ چیزیں خوشبو کی اصل سمجھی جاتی
ہیں یعنی مشک، کافور، عود، عنبر اور زعفران۔ ان میں سے سوا عنبر اور زعفران کے ہندوستان
سب چیزیں ملتی ہیں۔ اور اندلس میں صرف زعفران اور عنبر پائے جاتے ہیں۔ عنبر دریا عما
کے پاس سے ملتا ہے۔ ابن سعید کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ عنبر کیا چیز ہے۔ بعض کہتے
ہیں کہ کسی درخت کی جڑ ہے کہ جو سمندر کی تہ میں پیدا ہوتا ہے، جانور اس کو کھاتے ہیں اور
باہر آ کر گوبر کر دیتے ہیں۔ حجازی کہتے ہیں کہ وہ کوئی چیز از قسم نباتات ہے کہ سمندر کی تہ میں پیدا
ہوتی ہے۔ ہم اوپر میتھی کا ذکر کر آئے ہیں کہ سوا ہندوستان اور اندلس کے اور کہیں پیدا
نہیں ہوتی ہے یہ بھی نہایت عمدہ چیز ہے اور اشنان کی قسم سے ہے۔

ابن سعید کہتے ہیں کہ اندلس میں کئی موضع ایسے ہیں اگر وہاں آگ جلائی جاتی ہے تو عود کی
خوشبو نکلتی ہے۔ جبل شلیر پر ہندوستان کی خوشبودار بوٹیاں ملتی ہیں۔ پھل اور میوے اندلس

میں بڑی کثرت سے ملتے ہیں۔ اور سواحل پر گنا اور کیلہ بھی مل جاتا ہے جو سرد ملکوں میں نہیں ہوتے۔ یہاں کھجور نہیں ہوتی۔ اور ایسے میوے پائے جاتے ہیں جو دیگر ملکوں میں نہیں ہوتے یا کم ہوتے ہیں جیسے اشبیلیہ کے قوطی اور سفری، انجیر۔ ابن سعید کہتے ہیں کہ بلحاظ ذائقہ یہاں سے بہتر انجیر میں نے کسی جگہ کے نہیں دیکھے۔ یہی حالت مالقہ کے انجیر، منکبی، منقہ اور اصلی منقہ کشمش، سفری، انار، آڑو، بادام، اخروٹ وغیرہ کی ہے۔ اندلس سے باہر نکل کر ایسی خوش ذائقہ چیزیں نہیں ملتیں۔ ابن سعید کہتے ہیں کہ شمال و مغرب اندلس میں ساتوں دھاتوں کی کانیں ہیں شنتت یا قور کے پاس سونے کی بہت بڑی کان ہے قرطبہ کے پاس چاندی، پارے اور تانبے کی کانیں ہیں۔ ایک چشمہ ہے جس سے ایک خاص رات کو بھکری نکلتی ہے اور بہت بڑی مقدار میں دیگر ممالک کو جاتی ہے۔ طلیطلہ کے پہاڑ پر طفل نکلتا ہے جو تمام دنیا سے بہتر ہوتا ہے۔ پتھر بھی اس ملک میں بہت نکلتا ہے۔ چنانچہ رازی نے لکھا ہے کہ قرطبہ کے پہاڑ سے سنگ سفید اور سنگ سرخ نکلتا ہے۔ ناشرہ میں ستون بنانے کے قابل پتھر نکلتے ہیں۔ باغہ واقعہ صوبہ غرناطہ میں سنگ خام کی کئی کانیں ہیں۔ ان کا رنگ سرخ زردی مائل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی جگھوں سے بھی سنگ اسود اور سنگ سلیمانی نکلتا ہے۔ قریہ کی پتھریاں دور دور کے شہروں میں جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ موتی کی طرح چمکتی ہیں اور عجیب رنگ کی ہوتی ہیں۔ ان پتھروں کو خوبصورتی کے لیئے لوگ پانی کی ٹھلیوں میں ڈال دیا کرتے ہیں۔ اندلس میں من ہوتا ہے جو قرمزی رنگ کا بلوط کے درخت پر آسمان سے گرتا ہے۔ اس سے سرخ رنگ رنگتے ہیں جو نہایت سرخ ہوتا ہے۔ ابن سعید کہتے ہیں کہ اندلس میں صنعت انتہا درجہ پر پہونچی ہوئی ہے۔ لیکن بعض متعصبین کو اس میں کلام ہے۔ مریہ، مالقہ، مرسیہ میں کپڑے پر ایسے اچھے سنہرے پھول بناتے اور رنگ کرتے ہیں کہ اہل مشرق اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔

تنتالہ واقعہ علاقہ مرسیہ میں جو فرش بنتا ہے وہ مشرق میں بڑی قیمت پاتا ہے۔ غرناطہ اور بسطہ میں بہت سے کپڑے ڈوریئے کے قسم کے بنتے ہیں۔ اُن میں خاص کر ایک کپڑا

جو مبدا الحتم کہلاتا ہی عجیب خوش رنگ ہوتا ہی۔ قرسیہ میں مرصع پلنگ اور دل فریب چٹائیاں اور پیتل اور لوہے کی چھریاں اور سنہری قینچیاں وغیرہ دلہنوں اور سپاہیوں کے لیے ایسی بنتی ہیں کہ عقل کو حیران کر دیتی ہیں۔ یہ کپڑے بلادِ افریقیہ وغیرہ میں جاتے ہیں۔ غرناطہ، مرسیہ، اور مالقہ میں عجیب و غریب شیشے بنائے جاتے ہیں اور مٹی کے برتن، جن پر طلائی اور مینا کا کام ہوتا ہی، بنتے ہیں۔ اندلس میں نگینہ کا کام بھی بہت اچھا بنتا ہی جیسے مشرق میں۔ اندلس میں لسے فسیفسا کہتے ہیں۔ ایک اور چیز زلیجی کہلاتی ہی، جس کو لوگ بجائے رنگ دار پتھروں کے مکانوں کے صحن وغیرہ میں بچھاتے ہیں۔ اس میں بھی طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔ اہلِ مشرق اس کو اپنے مکانوں کی آرایش میں بہت صرف کرتے ہیں۔ آلاتِ حرب مثلاً ڈھالیں، نیزے، لگامیں، زرہیں اور خود بنانے میں اہلِ اندلس کے کاریگر مشہور ہیں۔ اکثر کاریگر اسی صنعت میں مصروف رہتے ہیں۔ بلادِ کفر میں یہ ہتھیار جاتے ہیں تو اُن کو دیکھ کر وہاں کے آدمیوں کی عقلیں حیران ہو جاتی ہیں۔ نرولی تلواریں اپنی تیزی اور کاٹ میں مشہور ہیں (برذیل شمال و مشرق اندلس کا سرحدی مقام ہی) اشبیلیہ کا فولاد بہترین قسم کا ہوتا ہی۔ یہاں کی اور صنعتیں اتنی ہیں کہ جن کا بیان کرنا خالی از طوالت نہیں ہی۔

ابن غالب نے اپنی کتاب میں لکھا ہی کہ قدیم اہلِ اندلس کی ایک عجیب صنعت یہ ہے کہ وہ سمندر سے پانی کاٹ کر طرکونہ میں لائے ہیں۔ چنانچہ اُسی پانی سے یہاں کی پن چکیاں چلتی ہیں۔ اس سے بھی زیادہ عجیب وہ ترکیب ہی کہ جن کے ذریعہ سے اُن لوگوں نے اقلیم ضام کے چشموں سے پانی لے کر سمندر میں سے جزیرہ قادس تک پہونچایا ہی۔ پہلے پانی کو پہاڑوں کی چٹانوں میں سے ہو کر نکالا ہی، اور جہاں میدان اور پست زمین آگئی ہی وہاں پل بنائے ہیں اور معتدل زمین میں پھر پانی چھوڑ دیا ہی۔ اور جب زمین شور کے پاس پہونچے ہیں تو چونے گچھ کا راستہ پانی کے لیے بنایا ہی۔ غرض اسی طرح دریا کے اندر سے نکالتے ہوئے جزیرۂ قادس تک پہونچا دیا ہی۔ ابن سعید کہتے ہیں کہ اس کے آثار اُن کے وقت تک موجود تھے۔

ایک اور دیوار سنگین اندلس میں مشہور ہے۔ اہلِ روم کی بعض کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ جب یولیش، المعروف بہ جاشر، تخت پر بیٹھا ہے، اور اُس نے زمین کو قابل تردد بنایا ہے، تو اُس نے شہر روم سے ہر چہار سمت یہ دیوار بنائی ...... اور پھر پتھر بچھانے شروع کیے اور وسط دائرۂ زمین تک پہونچا۔ اسی میں سرزمین اندلس بھی آگئی۔ شرق قرطبہ میں اس یہ دیوار زمین کے نیچے، دروازہ عبدالجبار کے پاس ہے، پھر اس کی ابتدا رباب القنطرہ سے ہوئی ہے، اور وہاں سے شقندہ، استیجہ، قرمونہ اور سمندر تک پہونچی ہے۔ ہر میل پر ایک پتھر لگایا گیا ہے جس پر اس کا نام منقوش تھا، کہتے ہیں کہ اُس کا یہ ارادہ تھا کہ اُس پر بعض جگہ چھت ڈالے تاکہ لوگ سردی اور گرمی سے اُس کے نیچے آرام پاسکیں۔ لیکن پھر اس ڈر سے کہ ان مقامات کو چور اپنا امن بنا کر مسافروں کو نہ لوٹیں، یہ ارادہ ترک کر دیا!

اندلس کے آثار میں لوگوں نے قادس کے بت کو بھی لکھا ہے۔ جس کا نظیر صرف وہ بت ہے جو جلیقیہ کے قریب ہے۔ اسی ضمن میں طلیطلہ اور سیفنا در ماردہ کے پلوں اور مرسیطر کے تفرجگاہ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

ابن سعید کہتے ہیں کہ اندلس میں بہت سے عجائبات ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک درخت زیتون ہے۔ جس کا ذکر اس قدر عام، اور اُس کے خبر اتنی شایع ہے، اور اُس کے دیکھنے والے اس قدر کثرت سے ہیں کہ اُس کا ذکر مفصّل کرنا فضول ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ایک خاص شمسی دن کو جو اُنھیں کو معلوم ہے اس درخت میں پتے پھول اور پھل آجاتے ہیں۔

اندلس کے عجائبات میں سے ایک ستون ہے کہ جب لوگ چاہتے ہیں کہ بارش ہو تو اُس کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ بارش بھیج دیتا ہے۔

ایک عجیب چیز قادس کا بُت تھا کہ سمندر میں ہوا کو چلنے سے روکتا تھا۔ جہاز اُس تک نہ آسکتے تھے۔ جب وہ گرا دیا گیا تو پھر کشتیاں چلنے لگیں۔

قبرہ کے علاقہ میں ایک غار ہے جس کی نسبت رازی نے لکھا ہے کہ یہ گویا ہوا کا ایک

دروازہ ہے۔ اس کی تہ نہیں ملتی۔

رازی نے لکھا ہے کہ قلعہ ورد کی طرف ایک پہاڑ ہے، اُس کی کھوہ میں ایک پتھر شق شدہ ہے، اِس میں ایک کدال لٹک رہی ہے، کہ نظر آتی ہے اور ہاتھ سے چھوئی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر کوئی اُس کو لینا چاہے تو جتنا ہاتھ اونچا کرتا ہے اُتنی ہی وہ اونچی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نظر سے غائب ہو جاتی ہے۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی جگہ آ جاتی ہے۔

ابن سعید نے اپنی کتاب مغرب میں اُن احادیث و آثار کا ذکر کیا ہے جو اندلس اور ملک مغرب کی فضیلت میں ابن بشکوال نے نقل کی ہیں۔ مگر میں نے اُن کو قلم انداز کر دیا ہے۔ حقیقتِ حال کو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ نیز میں اُس روایت کو چھوڑے دیتا ہوں جس کو ابن بشکوال نے نقل کیا ہے کہ قسطنطنیہ اندلس کی طرف سے فتح ہوگا۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ سیف نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ سے یہ روایت کی ہے۔ اس کی صحت کو خدا ہی جانتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے قسطنطنیہ رومیہ مراد ہو۔ سیف کی روایت یوں ہے کہ جب حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے قیروان سے اندلس کے لیے فوج بھیجی تو سپہ سالار کو لکھا تھا کہ قسطنطنیہ اندلس کی طرف سے فتح ہوگا۔ اگر تم نے اندلس کو فتح کر لیا تو تم فتح قسطنطنیہ کے ثواب میں شریک ہو گئے۔ والسلام۔ اس کا ثبوت میرے ذمہ نہیں ہے بلکہ خود راوی کے ذمہ ہے خواہ وہ ابن بشکوال یا صاحب کتاب المغرب ہی ہو۔ میرے نزدیک تو یہ بالکل بے اصل بات ہے۔

سب سے پہلے تو یہ سوال ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اندلس پر فوجیں کب بھیجیں۔ اندلس تو بالاتفاق ولید کے وقت میں فتح ہوا تھا۔ میں نے اس کو محض بر سبیل تذکرہ لکھ دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ابن سعید نے اندلس کی مختصر تعریف یہ کی ہے کہ اس جزیرہ میں دریا چلتے ہیں شادابی بہت زیادہ ہے ہر طرف آبادی ہے۔ اگر کوئی مسافر ایک جگہ سے دوسری جگہ جائے تو آبادی

ہی آبادی میں اُس کا گزر ہوگا یا چشموں اور کھیتوں پر۔ صحرا کا یہاں نام ونشان بھی نہیں ہے
ایک خصوصیت اس ملک کی یہ ہی کہ یہاں کے شہر بہت خوبصورت اور خوش وضع ہیں۔
عمارتیں ایسی سفید ہیں کہ آنکھوں کو اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ جب میں مصر پہونچا تھا تو وہاں کے
شہروں کی وضع اور سیاہی سے آنکھیں گھبراتی تھیں۔ اور تنگ گلیوں سے سانس بند ہوا
جاتا تھا۔ اندلس کی یہ حالت ہی کہ ایک شہر کے متصل ویسا ہی دوسرا شہر ہی۔ مثلاً جب اشبیلیہ
سے چلو تو ایک ہی دن کے بعد شہر شَرِیش ملتا ہی جو نہایت سرسبز و شاداب ہی۔ اُس کے
قریب ہی جزیرۂ خضرا ہے۔ پھر نزدیک ہی مالقہ واقع ہی۔ اندلس میں یہ حالت بیشتر
ملتی ہی۔ شہروں کی کثرت ہی۔ جن کے گرد ایسی فصیلیں بنی ہوئی ہیں کہ دشمن کو فتح کرنے میں
دقتیں پڑتی ہیں۔ بعض بعض شہروں نے بیس بیس برس دشمنوں کا مقابلہ کیا ہی خاص کر اسلئے
کہ شہروں کے اندر غلہ کے ذخیرے بکثرت رہتے ہیں، اور لوگ عام طور پر بہادر ہیں۔ اور
تلوار اور نیزے سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہی کہ خدا تعالےٰ نے ایام فتح
سے اب تک کہ سو برس گزر چکے ہیں، اس کو مسلمانوں کے قبضہ میں رکھا ہی۔ اگر دشمن ملک
کے ایک سمت یا درمیان شہر کو نقصان پہونچا دیتا ہی تو باقی حصۂ شہر مقابلہ کرسکتا ہی۔ چنانچہ
اشبیلیہ، غرناطہ، مالقہ، مریہ اور اُن کے مضافات اس کی مثالیں ہیں۔ خدا تعالےٰ
سے اُمید ہی کہ وہ ان مقامات کو مسلمانوں ہی کے قبضے میں رکھیگا۔ اور اُن میں دشمنوں
کے اندفاع کی طاقت عطا فرمائیگا۔ انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں کہ افسوس ہی کہ ابن سعید کی یہ اُمید پوری نہیں ہوئی۔ اور کافروں
کو قوت و شوکت حاصل ہوگئی۔ الٰہی تو ہی مصائب کو ٹالتا، اور تکالیف کو رفع کرتا ہی تو ہی
کلمۂ اسلام کو اس ملک میں پھر شایع فرما۔ اور مسلمانوں کی اُمیدوں کو پھر پورا کردے
آمین یا رب العالمین۔

اندلس کے عجائبات میں سے دو چھوٹی چھوٹی پن گھڑیاں ہیں جن کو عبد الرحمٰن نے

طُلَیطلہ میں ہندوستان کے شہر اُزین (اُجین) کے طلسم کا حال سُن کر بنوایا تھا۔ مسعودی کہتے ہیں کہ طلوعِ آفتاب سے لے کر غروب تک اُن کی سوئیاں گھومتی رہتی ہیں۔ یہ دونوں طُلَیطلہ کے باہر ایک مکان میں دریا کے درمیان اُس موقع پر جہاں باب الدباغین ہے بنی ہوئی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے ساتھ ہی یہ بھی پانی سے بھرتی اور خالی ہوتی رہتی ہیں۔ چاند رات کو تمام پانی اُن میں سے نکل جاتا ہے۔ اور صبح کو ساتواں حصہ پانی سے بھرنا شروع ہوتا ہے۔ اور شام تک ساتویں حصہ کا نصف بھر جاتا ہے۔ اسی طرح ہر روز دن اور رات ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ چودھویں رات کو وہ پوری بھر جاتی ہیں۔ اور پندرھویں رات کو جیسے جیسے چاند گھٹتا جاتا ہے پانی میں بھی کمی آتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انتیسویں تاریخ کو اُن میں پانی کا قطرہ نہیں رہتا۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ جس وقت اُن میں پانی گھٹ رہا ہو وہ اُنھیں بیرونی پانی سے بھر دے تو وہ پانی اُن سے نکل جاتا ہے اور صرف اُسی قدر باقی رہ جاتا ہے جتنا رہنا چاہیئے۔ یہی حالت بھرنے کے وقت ہوتی ہے۔ یہ طلسم ہندوستان کے طلسم سے عجیب تر ہے کیونکہ وہ مُلک نقطۂ اعتدال پر ہے کہ رات دن سے نہیں بڑھتی اور اندلس کی یہ حالت نہیں ہے۔ یہ دونوں پن گھڑیاں اسی حالت میں رہیں یہاں تک کہ عیسائیوں نے طُلَیطلہ پر قبضہ پایا۔ تو اُن کے بادشاہ نے اس صنعت کے راز کی تحقیقات کا ارادہ کیا اور اُن میں سے ایک کو اُکھڑوا ڈالا تاکہ معلوم ہو سکے کہ پانی کہاں سے آتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری بھی بیکار ہو گئی۔ یہ ذکر ۵۲۸ھ کا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس خرابی کی اصل وجہ حُنین یہودی تھا جس نے ایک ہی دن میں اندلس کے تمام حمام اُکھڑوا کر طُلَیطلہ بھیج دیئے۔ جب بادشاہ نے یہ تفتیش کرنے کا ارادہ کیا تھا اُس کا خیال تھا کہ اُس کا بیٹا قُرطُبہ میں داخل ہو کر اُس پر قابض ہو جائیگا۔ حُنین یہودی نے یہ کہا تھا کہ میں ان دونوں کو اُکھاڑ کر اور اُنکی صنعت دیکھ کر پھر اُسی طرح، بلکہ اُس سے بھی اچھی، کھڑا کر دونگا۔ مگر یہ نہو سکا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ ترکیب چرا لے، جو اُن میں

پوشیدہ تھی۔ مگر کچھ بھی نہ ہو سکا اور ایک اُکھاڑنے پر دوسری کی بھی حرکت باطل ہو گئی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

بعض لوگوں نے لکھا ہی کہ اشبیلیہ بلاد اندلس کے صدر مقامات میں سے ہی۔ اس شہر میں علم و لہو و طرب بہت زیادہ ہی۔ ایک بڑے دریا کے کنارے پر آباد ہی۔ ایک عظیم الشان صاف و شفاف مقام ہی۔ بڑے میدان اور ساکن دریا کو اپنی گود میں لیئے ہوئے ہی بحر محیط سے بہت قریب ہی۔ اگر اس شہر کو اور کوئی شرف حاصل نہوتا تو یہی کافی تھا کہ یہاں مقام شرف ہی جو اس موقع پر واقع ہی کہ جہاں سے کوسوں زیتون کے باغات چلے جاتے ہیں۔ یہاں کی جامع مسجد میں یعقوب بن منصور کا بنایا ہوا ایک مینار ہی کہ بلادِ اسلام میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ یہاں کا شہد بھی مشہور ہی کہ کبھی نہیں بگڑتا، اور جوں کا توں رہتا ہی۔ یہی حال یہاں کے زیتون اور انجیر کا ہی۔

ابن مقلح لکھتے ہیں کہ "اشبیلیہ بلاد اندلس کی دلہن ہی۔ اس کے سر پر شرف کا تاج ہی، اور دریاء اعظم اس کا گلوبند اس کے گلے میں ہی۔" دنیا بھر میں کوئی دریا اس سے زیادہ خوبصورت نہیں ہی۔ دجلہ و فرات و نیل اس کے مشابہ ہیں۔ لوگ سیر و شکار کے لیئے کشتیوں میں بیٹھ کر چوبیس میل تک اس طرح چلے جاتے ہیں کہ پھل دار درختوں کا سایہ سر پر ہوتا ہی اور طیور کے نغمے سنائی دیتے رہتے ہیں۔ دریا کے کنارے دس میل تک عمارات متصل اور مینارہا رفیع اور برجہار وسیع کا سلسلہ چلا جاتا ہی۔ اس دریا میں بے تعداد قسم کی مچھلیاں ہیں۔ غرض دریا اور میدان، کھیتیاں اور دودھیل جانور، ہر قسم کے میوے، گنّے، قرفہ ہندی لاکھ سے بہتر ہوتی ہی۔ یہاں موجود ہی۔ یہاں کے زیتون زمین کے نیچے دبا دئیے جاتے ہیں، اور تیس برس کے بعد نکال کر تیل نکالا جاتا ہی تو تازے سے زیادہ تیل نکل آتا ہی۔ انتہی ملخصاً

ابن الیسع نے اندلس کے ذکر میں لکھا ہی کہ یہاں مسافر راستہ کے لیئے پانی لیکر نہیں چلتے؛ کیونکہ نہروں اور چشموں کی یہاں کثرت ہی۔ اکثر ایسا ہوتا ہی کہ مسافر ایک دن میں

چار شہروں میں سے ہو کر گزرتا ہی۔ چھوٹے چھوٹے قصبوں اور رستوں کی تو کوئی حد ہی نہیں ہی۔ یہی کیفیت سرسبز و شاداب سنگلاخ علاقوں اور سفید سفید محلوں کی ہی۔ ابن سعید نے لکھا ہی کہ "میں مختصراً صرف اتنا کہتا ہوں کہ میں نے جزیرہ اندلس سے نکل کر ملک مغرب اقصےٰ کے بڑے بڑے شہر مثلاً مراکش، فاس، سلا، اور سبتہ وغیرہ کو دیکھا؛ اور افریقیہ اور مغرب اوسط کے شہر بجایہ اور تونس دیکھے؛ وہاں سے مصر جا کر اسکندریہ، قاہرہ اور فسطاط دیکھے؛ اور شام میں دمشق اور حلب اور اُن کے درمیان جتنے شہر ہیں دیکھے لیکن بوجہ دریاؤں اور درختوں کے جو رونق اندلس میں ہی وہ سوا فاس اور دمشق کے اور کہیں نظر نہیں آتی مراکش میں البتہ جو عمارات بنی عبدالمومن نے بنائی ہیں وہ خوبصورتی اور مضبوطی میں اندلس کے قریب قریب ہیں۔ تونس کی سنگیں عمارتیں اسکندریہ جیسی ہیں۔ لیکن اسکندریہ کے راستے بہت چوڑے اور خوبصورت ہیں۔ حلب کی عمارتیں بھی قابل تعریف ہیں۔ کیونکہ وہ بھی پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ اور اُن کی ترتیب اور وضع میں بھی کمال صنعت دکھلایا گیا ہی۔ انتہیٰ۔"

ابن حوقل نصیبی نے اپنی کتاب میں چوتھی صدی ہجری کا حال لکھا ہی جب کہ بنی مروان وہاں حکمراں تھے کہ جزیرۂ اندلس ایک بہت بڑا جزیرہ ہی۔ طول میں ایک ماہ سے زیادہ کی راہ ہی اور عرض میں بیس روز کے قریب کی۔ یہاں دریاؤں، نہروں، درختوں، میووں کی کثرت ہی۔ اسباب عیش یہاں ارزاں ہیں اور ارباب صنایع بہت زیادہ ہیں۔ سکہ اندلس کے دو لاکھ دینار، (۱، ادرم = ادینار) سالانہ کی بطریق خراج و اعشار و ضمانت اور محصول در آمد و بر آمد جہازات، آمدنی اس ملک کو ہی۔

ابن بشکوال کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن الناصر کے زمانہ میں اندلس کا خراج چون لاکھ اسی ہزار دینار تھا۔ اس کے علاوہ بازاروں اور خالصہ کی آمدنی جو خلاف شرع طریقوں سے حاصل ہوتی تھی وہ سات لاکھ پینسٹھ ہزار تھی۔

ابن حوقل کہتے ہیں کہ "تعجب یہ ہی کہ یہ جزیرہ اب تک اپنے اصلی مالکوں کے قبضے میں چلا آتا ہی؛ حالانکہ یہاں کے باشندے کم فہم، ناقص عقل، کمینے، بزدل، شجاعت سے عاری شہسواری سے دور ہیں۔ اور امیر المومنین نہ صرف ان صفات کو جانتے ہیں، بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہاں سے بڑا اخراج وصول ہو سکتا ہی۔ اور نہایت سیر حاصل اراضی وہاں واقع ہی۔" اس کے رد میں علی ابن سعید، جنھوں نے اس کتاب کی تکمیل کی ہی، کہتے ہیں کہ "ابن حوقل اپنے اس قول کو کسی طرح ثابت نہیں کر سکتے۔ میرے اہل وطن کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہی وہ محض ظلم و تعصب کی وجہ سے ہی۔ اگر اس جزیرہ کے لوگوں کی عقلیں یوں ہی سلب ہو گئی ہیں، اور ہمت اور شجاعت رخصت ہو گئی ہی، تو وہ کون ہی جو اپنے ملک کا انتظام کر رہا ہی، حالانکہ وہ پانچ سو سال سے اپنے دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں؟ وہ کون ہے کہ جو ان عیسائی قوموں سے ان کو بچا رہا ہی جو ان میں داخلی و خارجی طور پر موجود ہیں، اور جو تین ماہ تک برابر بنصرت صلیب ہیں مسلمانوں سے لڑتے رہے؟ مجھے یہ تعجب ہی کہ انھوں نے یہ باتیں کیونکر کہہ دیں، حالانکہ وہ زمانہ ان کے سامنے ہی کہ جب صلیب کے پوجنے والے شام اور جزیرہ میں مسلمانوں پر مصائب ڈال رہے تھے اور جمہور کو تباہ کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ حلب تک پہونچ گئے، اور وہاں جو کچھ انھوں نے کیا وہ سب جانتے ہیں؛ حالانکہ بلاد اسلام ہر طرف سے متصل تھے۔ قلعے پر قلعہ وہ لیئے جاتے تھے؛ مسلمانوں کو قتل غارت کرتے تھے، پھر بھی اس مرض کی دوا کے لیئے بادشاہانِ اسلام مجتمع نہیں ہوئے، حالانکہ عیسائیوں کے بادشاہ ایک دوسرے کی مدد کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں جزیرۂ اندلس کی حالت بالکل برعکس تھی جیسا کہ تاریخ ابن حیان وغیرہ میں موجود ہی۔ حقیقت یہ ہی کہ فتنہ و فساد بعد میں شروع ہوا ہی۔"

فتح اندلس کے بعد اس مملکت پر افریقیہ سے والی مقرر ہو کر آیا کرتے تھے۔ والیوں کی بار بار تبدیلی کا نتیجہ اضطراب و اختلال ہوا ہی کرتا ہی۔ جب اس ملک پر بنو امیہ کا

تسلط ہوگیا اور تمام سرکش اور شریر اُن کے تابع فرمان ہوگئے تو سلطنت کو عظمت شروع ہوئی، ہمتیں بڑھ گئیں۔ احوال میں ترتیب ہوگئی۔ قواعد و قوانین مرتب ہوگئے۔ ابتدا میں ان والیوں نے اپنے لیئے "فرزندانِ خلیفہ" کا خطاب تجویز کیا۔ (اسی پر اکتفا نہیں کی) بعد ازاں خود خلیفہ بن بیٹھے؛ کیونکہ اُن کی سلطنت وسیع ہوگئی تھی۔ اُن کا قاعدہ تھا کہ وہ اظہار ہیبت کرتے تھے؛ لوگوں کے دلوں میں سکون و اطمینان ڈالتے تھے؛ ہر امر میں شرع شریف کی مراعات مد نظر رکھتے تھے؛ اپنے قول و عمل سے علماء کی تعظیم کرتے تھے؛ مجلسوں میں اُن کو بلاتے اور اُن سے مشورے لیتے تھے۔ چنانچہ ابن حیان نے اپنی تاریخ میں اسکے متعلق بہت سے حکایتیں بیان کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہی کہ جب قاضی خلیفہ یا اُس کے بیٹے یا خلیفہ کے کسی مقرب کو عدالت میں حاضر ہونے کا حکم بھیجتا ہی تو سب اُس کی تعمیل کرتے تھے۔ اور جب فیصلہ صادر ہوتا، خواہ موافق یا مخالف، ہر صورت میں اس کی اطاعت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جزیرہ اُن کے تحت و تصرف میں رہا۔ جب یہ صفات اُن میں نہ رہیں تو اُن کا کام بگڑ گیا، سلطنت میں اضمحلال آگیا۔ ابتدا میں یہاں کے والیوں کا لقب امیر، یا ابن خلیفہ تھا۔ پھر خلیفہ، امیر المومنین بن بیٹھے۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کے حسد سے فتنہ و فساد شروع ہوگیا، اور جس بنا پر کہ بنیاد خلافت مستحکم تھی وہ متزلزل ہوگئی۔ اندلس کے دیگر بادشاہ اُن پر چڑھ دوڑے۔ یہ لوگ ملوک طوائف کہلاتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جنھوں نے باوجود بنو اُمیہ کی خلافت نہونے کے اُن کا خطبہ میں نام باقی رکھا۔ اور بعض وہ ہیں کہ جو خلفاء بنو عبّاس کی امامت کے قائل تھے۔

ملوک طوائف ایک دوسرے سے بڑھ جانا چاہتے تھے، یہاں تک کہ القاب میں بھی نوبت یہاں تک پہونچی کہ خلفاء کے وصفی نام سے خود کو ملقب کرلیا۔ اور سلطنتِ عظمیٰ کے درجہ تک پہونچ گئے۔ یہ سب اس واسطے تھا کہ جزیرہ اندلس میں اسباب عیش و عشرت

اور وسعت سلطنت بہت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ایک دوسرے سے بڑھ جاتے تھے اور عباسیو کے نام و القاب اختیار کر لیتے تھے۔

عبّاد بن محمد بن عباد نے اپنا لقب معتضد رکھا تھا اور معتضد عباسی کے قدم بقدم چلتا تھا۔ اُس کے بیٹے محمد بن عباد نے اپنا لقب معتمد قرار دیا تھا۔ بنو عباد اشبیلیہ کے بادشا تھے۔ بعد میں اور حصہ ملک کا بھی اُس میں اضافہ کر لیا تھا۔

خلفا بنو اُمیہ کا قاعدہ تھا کہ وہ کسی موقع مقررہ ہی پر باہر نکلتے تھے۔ اِس کے متعلق جو قانون اُنھوں نے وضع کیا تھا وہ مشہور رہے۔ مگر جب فتنہ و فساد برپا ہوا تو لوگوں نے اس کی خلاف ورزی کر کے اُن کی بے ادبی کی۔

بنو حمود اولاد تھے ادریس علوی کے، جو آثار دولت مروانیہ میں خلافت پر اندلس قابض ہو بیٹھے تھے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے تھے اور بنو عباس کی حرص کرتے تھے۔ جب کوئی شاعر قصیدہ مدحیہ پڑھنے کے لیئے حاضر ہوتا، یا کوئی اُس سے کلام کرنا چاہتا تھا تو پردے کے پاس کھڑے ہو کر سُنتے تھے؛ اور حاجب اُس کو خلیفہ کا جواب پہونچاتا تھا۔ لیکن جب طوائف الملوکی تک نوبت پہونچی تو یہ بادشاہ خاص لوگوں کے ساتھ تو بے تکلف رہتے ہی تھے، اکثر عوام الناس سے بھی بے تکلف رہنے لگے، سپاہیوں کی مدارات کرتے تھے۔ اور شہر کے عام لوگوں سے بھی ملتے تھے۔ ان میں سے اکثر علما اور ادبا کو اپنی صحبت میں رکھتے، اور اُن ہی کے طفیل میں مشہور ہونا چاہتے تھے۔

جب فتنہ پیدا ہو گیا، اور اہالی ممالک متفرقہ نے بادشاہ کی اطاعت کا جُوا اپنی گردن سے اُتار پھینکا، تو ہر جگہ ایک نئی مستقل سلطنت پیدا ہو گئی۔ اور اُس کے اعیان نسلاً بعد نسلٍ ریاست کے مالک ہونے لگے، جس طرح بادشاہوں کے ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ضبط امور مشکل اور انتظام واحد پر لوگوں کو قایم رکھنا دشوار ہو گیا۔ آخر طمع اور عداوت شدید آپس میں پیدا ہو گئی۔ انجام کار عبد المومن اور اُس کی اولاد کے تمام لوگ مطیع و منقاد

ہوگئے۔ لیکن اُن کے دماغوں میں خیالاتِ بغاوت پوشیدہ تھے، اور حسد و کینہ کی آگ اُن میں مشتعل تھی۔ ابن ہود نے المتوکل کا لقب اختیار کرکے بنو عبد المومن سے اپنا کینہ نکال لیا۔ لوگوں کے دل اہالی افریقیہ کی حکومت سے پہلے ہی منحرف اور بغاوت کے لیئے تیار تھے؛ اس لیئے ابن ہود نے، باوجود اس کے کہ وہ جاہل اور ضعیف العقل تھا، نہایت آسانی سے قبضہ حاصل کرلیا۔ یہ شخص عامۃ الناس سے اتنا ہلا ملا تھا کہ بازاروں میں مارا پڑا پھرتا تھا، لوگوں سے ہنستا تھا اور اُن سے کچھ مانگ بیٹھتا تھا۔ غرض اُس سے ایسی باتیں سرزد ہوتی تھیں کہ جن کی توقع وہ بادشاہ سے رکھنے کے عادی نہ تھے۔ عوام الناس کو یہ باتیں عجیب معلوم ہوتی تھیں؛ اور یہ حالت تھی کہ سفہاء اُن پر ہنستے تھے، اور عقلاء انجام کار پر خیال کرکے روتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قواعد و قوانین تلف ہوگئے؛ اور بڑے بڑے شہر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اہلِ اندلس کی نسبت یہ مثل بالکل صحیح ہی کہ جب وہ لوگ کسی سوار کو دیکھتے ہیں کہ وہ اوروں سے سبقت لیئے جا رہا ہی تو اُس کی مدد اور حمایت کے لیئے ٹوٹ پڑتے ہیں، اُس کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں؛ اور یہ نہیں کرتے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ اور بعد بادشاہ ہونے اور وراثت میں حکومت چلنے کے اگر اس حکومت کا کوئی سپہ سالار دشمنوں کے مقابلہ میں کارنمایاں انجام دیتا ہی، اور اہالی فوج سے رعایت کرتا ہی تو اُس کو بادشاہ بنا لیتے ہیں، اور اصل بادشاہ کے آل و اولاد کو چھوڑ دیتے ہیں، اور اُس کے ساتھ مل کر برابر لڑنے میں مشغول رہتے ہیں؛ یہاں تک کہ وہ شخص اپنی مراد حاصل کرلیتا ہی۔ اہلِ مشرق بہ نسبت اہلِ مغرب کے صاحب عقل لوگ ہیں اور انتظام و حفاظت ملک کا وہ بہت خیال رکھتے ہیں تاکہ اس میں خلل نہ آئے جس کا نتیجہ اختلال سیاست اور فساد نظام ہو۔ اس کا تماشا پچھلے فتنہ کے موقع پر اندلس میں دیکھا جا چکا ہی۔

ارجونہ میں ایک شخص ابن آحمر نامی نے علم بغاوت بلند کیا؛ اور ایسی شجاعت ظاہر کی کہ اُس کا نام تمام اندلس میں مشہور ہوگیا؛ یہاں تک کہ اُس کے قلعے والوں نے اُس کو

اپنا سردار بنا لیا۔ آخر وہ قرطبہ پر قابض ہو گیا۔ اور اشبیلیہ کے بادشاہ باجی کو قتل کر کے وہاں کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اور جیان پر مسلّط ہو گیا جو اندلس میں سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم شہر ہی۔ غرناطہ اور مالقہ پر بھی قابض ہوا اور لوگوں نے اُس کو امیر المسلمین کا خطاب دیدیا۔ اُس وقت یہ شخص اندلس میں مشار الیہ اور معتمد الیہ بنا ہوا ہی۔

اندلس کے بعض عہدوں کی تفصیل یہ ہی۔ وزیر کا عہدہ بنو اُمیہ کے زمانہ میں مشترک تھا ایک جماعت میں جس کو بادشاہ اعانت اور مشاورت کے لیئے مقرر کیا کرتے تھے۔ اور مجالست کے لیئے اُن کو مخصوص کیا جاتا تھا۔ اور بادشاہ اُن میں سے ایک شخص کو اپنا نائب مقرر کر لیتا تھا۔ عوام الناس اُس کو وزیر کہتے تھے مگر شاہی خطاب اُس کا "حاجب" ہوتا تھا یہ عہدہ ایک خاص خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ متوارث چلا آتا تھا۔ یہاں تک کہ طوائف الملوکی کا زمانہ آگیا۔ دولت مروانیہ کے زمانہ میں تو حاجب ہی کو "ملک" کہا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ نائب خلیفہ ہوتا تھا۔ شدہ شدہ وزرات کا اطلاق ایسا عام ہوا کہ جو شخص بادشاہ کے پاس مجالست رکھتا ہو وہی وزیر کہلانے لگتا تھا۔ اور جو وزیر کہ نائب خلیفہ ہوتا تھا وہ ذو الوزارتین کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اکثر علم ادب کے فاضل ہوا کرتے تھے۔ اگر یہ نہوتا تھا تو کم از کم امور سیاسی کے عالم یہ لوگ خاص طور پر ہوا کرتے تھے۔

عہدۂ کتابت۔ اس کی دو قسمیں تھیں۔ ایک تو وہ جو کاتب الرسائل کہلاتا تھا۔ اہل اندلس کی نگاہ میں اُس کی بڑی قدر ہوتی تھی۔ اس عہدہ کا معزز ترین نام کاتب ہی ہوتا تھا۔ اِسی نام سے وہ سرکاری کاغذات میں موسوم کیا جاتا تھا۔ اہالی اندلس اس عہدہ کے انتخاب میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ اور اُس کی زبان و قلم پر ہر وقت نگاہ رکھتے تھے اگر وہ درجاتِ کمال میں ناقص ہوتا تھا تو اُس کا عہدہ یا بادشاہ کا قرب اس کو کوئی نفع نہیں پہونچاتا تھا۔ کیونکہ محافل و مجالس میں نہ صرف کاتب پر بلکہ بادشاہ پر بھی طعن و تشنیع ہوتی تھی۔ دوسرا عہدہ دار کاتب الزام ہوتا تھا یہ وہی عہدہ دار تھا جو مشرق میں کاتب الجہبذہ

کے نام سے مشہور تھا۔ ملک اندلس اور افریقیہ میں کوئی یہودی یا عیسائی اس عہدہ پر مقرر نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ یہ عہدہ بہت جلیل الشان تھا؛ اور تمام اعیان ملک اور اراکین سلطنت اس کے محتاج رہتے تھے۔

صاحب اشغال خراجیہ اندلس میں وزیر سے بھی زیادہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ماتحت اور حاشیہ نشیں بہت ہوتے تھے اور اس عہدہ پر بہت سے فواید ہوتے تھے؛ اسی کی طرف نگاہیں اٹھتی تھیں اور اسی کی طرف ہاتھ پھیلتے تھے۔ یہ عہدہ دار اپنے محکمہ کی نگرانی ناظروں کے ذریعہ سے کرتا تھا۔ باوجود اس کے جب حالات بدل جاتے تھے اور اپنے عہدہ اور دولت کی وجہ سے یہ عہدہ دار مغرور ہو جاتا تھا تو اکثر اس سے باز پرس ہوتی تھی۔ مگر یہ بات اپنی اپنی گردش تقدیر اور بادشاہ کے مزاج پر موقوف تھی۔

عہدۂ قضا اندلس میں خاص و عام لوگوں کے نزدیک سب سے بڑا عہدہ ہے کیونکہ اس کا تعلق امور دین سے ہوتا ہے۔ اگر بادشاہ پر بھی نالش ہو جاتی تھی تو اس کو قاضی کے سامنے پیش ہونا پڑتا تھا اس عہدہ دار کی یہ حالت خلفاء بنو امیہ اور ان بادشاہوں کے وقت میں تھی کہ جو ان کے مسلک پر چلتے تھے۔ اس عہدہ پر صرف وہی لوگ ممتاز ہوتے تھے۔ جو موافق شرع حکم کرنے کے اہل ہوتے تھے۔ چھوٹے اور بڑے شہروں میں یہ لوگ مقرر کیئے جاتے تھے۔ لیکن چھوٹے شہروں میں اس عہدہ کا نام "مسدد" ہوتا تھا۔ قاضی القضاۃ کو قاضی الجماعۃ بھی کہتے تھے۔

عہدۂ شرطہ اندلس میں اب تک چلا آتا ہے۔ اور اسی نام سے موسوم ہے۔ عوام الناس اس کو "صاحب المدینہ" اور "صاحب اللیل" کہتے ہیں۔ بادشاہ کے نزدیک اس کی بڑی قدر ہوتی تھی جو لوگ واجب القتل ہوتے تھے ان کو یہ عہدہ دار بلا اجازت کے قتل کر سکتا تھا لیکن یہ بہت کم واقع ہوتا تھا۔ ورنہ بادشاہ کی اجازت لینی ضرور ہوتی تھی۔ یہی عہدہ دار زنا اور شراب اور نیز دیگر منہیات شرعیہ پر حد جاری کرتا تھا۔ مگر قاعدہ یہ رہا ہے کہ

حد جاری کرنے کے لیئے قاضی سے استصواب کرنا پڑتا تھا۔ قاضی کا وقار اہلِ اندلس کے نزدیک بہت زیادہ تھا۔

عہدۂ محتسب اہلِ علم و فطانت کے لیئے مخصوص تھا۔ قاضی کے درجہ کا آدمی اس عہدہ پر مقرر ہوتا تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ محتسب گھوڑے پر سوار بازاروں میں پھرتا تھا اُس کی ساتھ اُس کے ماتحت ہوتے تھے اور ترازو جس سے وہ روٹیاں تولا کرتا تھا۔ اُس کے ایک ماتحت کے ہاتھ میں ہوتی تھی، کیونکہ اہل اندلس کے یہاں روٹی کا ایک وزن مقرر ہوتا تھا؛ اور چوتھائی درم کی ایک مقررہ وزن کی روٹیاں ملتی تھیں۔ اور آٹھویں حصّہ درم میں ایک خاص وزن کی۔ چھوٹا بچّہ یا ذرا سی لڑکی بھی اگر جاکر روٹی خریدتی تھی تو اُسی وزن کی ملتی تھی۔ یہی حالت گوشت کی تھی کہ قصاب کی مجال نہ تھی کہ محتسب کے مقرر کردہ نرخ سے ذرا سا بھی کم یا زیادہ دے سکے۔ کسی دوکاندار کی خیانت محتسب پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی، کیونکہ وہ چھوٹے چھوٹے لڑکے اور لڑکیوں کو چیزیں خریدنے بھیجتا تھا، اور پھر اُن کو وزن کرتا تھا۔ اگر کم نکلتیں تو اُسی پر اور خریداروں کے ساتھ دوکاندار کے سلوک کو قیاس کر لیا کرتا تھا۔ اُس کی جو کچھ سزا دوکاندار کو ملتی اُس کو نہ پوچھو؛ اگر مار نے پیٹنے اور بازار میں تشہیر کرنے سے وہ باز نہ آتا تو شہر بدر کر دیا جاتا تھا۔ اہل اندلس کے یہاں احتساب کے متعلق قوانین و قواعد بنے ہوئے ہیں اور مدرسوں میں اُسی طرح پڑھائے جاتے ہیں جس طرح فقہ، کیونکہ وہ ایسے فقہی احکام ہیں جو تمام خرید و فروخت پر حاوی ہیں۔

عہدۂ "طوّاف باللیل" جس کو مغرب میں وہی حیثیت حاصل ہے جو "اصحاب ارباع" کو مشرق میں۔ اندلس میں یہ لوگ "درّاب" کہلاتے ہیں۔ رات کو لوگ اچھی طرح دروازے بند کر کے سوتے ہیں۔ اور ہر کوچہ میں ایک شخص مقرر رہتا ہے کہ جو ہمیشہ ایک چراغ جلائے رکھتا ہے اور ایک کتّا رات بھر اُس کے پاس بیٹھا رہتا ہے۔ اس شخص کے پاس متعدد ہتھیار

بھی ہوتے تھے۔ کیونکہ یہاں کے چور بڑے شاطر ہوتے تھے جو بڑے بڑے مضبوط مکانوں میں پہونچ جاتے تھے اور بڑے سے بڑے تالوں کو توڑ ڈالتے تھے۔ مالک مکان کو مار ڈالتے تھے تاکہ وہ اُن کو گرفتار نہ کرا سکے۔ اندلس میں آئے دن یہ سُننے میں آتا ہے کہ فلاں کے گھر میں چور گھس گئے اور فلاں شخص کو اُس کے بچھونے پر قتل کر ڈالا۔ ان وارداتوں کی کمی و بیشی منحصر ہے حاکم وقت کی نرمی و سختی پر باوجود حاکم کی سختی اور جلّادی کے یہ جرم معدوم نہیں ہوا؛ حالانکہ ایک خوشۂ انگور کی چوری کے جرم میں لوگ قتل ہوئے۔ مگر اس جرم میں کوئی کمی نہ آئی۔

اہلِ اندلس کی دینداری میں کمی وزیادتی زمانہ اور سلاطین پر موقوف رہی ہے لیکن زیادہ تر سلاطین وہ ہوئے ہیں جن کو حدود جاری کرنے اور لوگوں کو سستی پر سزائیں دینے کا اہتمام رہا تھا۔ اگر کسی نے اس کا چنداں خیال نہ کیا تو عوام الناس اُس کے علو، درجہ کا کوئی خیال نہ کرتے تھے۔ محلوں میں باوجود مخالفتِ فوج گھس جاتے اور اُس کو نکال باہر کرتے۔ ایسے واقعات بہت پیش آئے ہیں۔ قاضیوں و روالیوں کے حکم سے کسی جرم میں مجرم کا سنگسار کیا جانا تو ہر روز ہوتا رہتا تھا۔

فقرا، کا بھیک مانگنے کے لئے نکلنا اہلِ مغرب کے یہاں نہایت قبیح فعل تھا۔ اگر وہ کسی صحیح وسالم شخص کو جو کسی کام کرنے پر قادر ہے سوال کرتے دیکھتے، اور تو اُس کو کچھ دینا تو کجا، ملامت کرتے تھے۔ اس لئے اندلس میں کوئی ایسا سائل نہ ملتا تھا جو بلا عُذر کے بھیک مانگتا ہو۔

علوم وفنون۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ اہلِ اندلس اس معاملہ میں تمام دنیا کی آدمیوں سے زیادہ حریص تھے۔ جس شخص کو خدا تعالےٰ نے دولتِ علم نہ عطا فرمائی ہو، اور جاہل رہ گیا ہو، وہ بھی کوشش کرتا تھا کہ کوئی صنعت ہی سیکھ لے، اور اپنے آپ کو اسی کے ذریعہ سے پال لے اور دوسروں پر بار ڈالنے سے فارغ ہو، کیونکہ اپنا بار کسی اور پر

ڈالنا اُن کے نزدیک سب سے زیادہ قبیح امر تھا اُن کے یہاں خاص و عام لوگ عالم کی عظمت و عزت کرتے تھے۔ اُس کی طرف اُنگلیاں اُٹھتی تھیں اور لوگوں میں اُس کا چرچہ ہوتا تھا اور اُس کی قدر کی جاتی تھی اور ہر موقع پر اُس کی کرمت ہوتی تھی۔ باوجود اس کے کہ اندلس والے مدرسہ قایم نہیں کرتے تھے کہ جہاں طالب علم جاکر پڑھیں۔ بلکہ تمام علوم مسجدوں میں اُجرت دیکر پڑھائے جاتے تھے۔ لوگ اس واسطے پڑھتے تھے کہ علم حاصل کریں نہ اس لئے کہ اُس سے پیٹ پالیں۔ اسی لیئے اُن کی قدر ہوتی تھی کیونکہ وہ اپنے اور مفید کام کو چھوڑ کر علم حاصل کرتے تھے اور اُس کے حصول میں اپنے پاس سے کچھ خرچ کرتے تھے اُن کے یہاں ہر ایک علم کی قدر ہوتی تھی۔ مگر خاص لوگوں کو فلسفہ اور ہیئت کی طرف زیادہ توجہ تھی لیکن عوام اُن کے ڈر کے مارے اُس کو ظاہر نہیں کرتے تھے اگر ان لوگوں کو معلوم ہوجاتا تھا کہ فلاں شخص فلسفہ پڑھتا ہے، یا نجوم و ہیئت کا شغل رکھتا ہے، تو عام طور پر وہ زندیق مشہور ہوجاتا تھا اور لوگ اُس سے ملنا چھوڑ دیتے تھے اور محض شبہہ ہی میں سنگسار کرکے یا جلا کر اُس کو مار ڈالتے تھے۔ بعض وقت تو سلطان کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی تھی اور بعض وقت عوام الناس کے لحاظ و خیال سے سلطان ہی اُس کو قتل کرا دیتا تھا۔ یہ تو اکثر ہوا ہے کہ ان علوم کی کتابوں کو بادشاہوں نے اپنے آپ جلوا ڈالا ہے۔

چنانچہ منصور ابن ابی عامر نے اپنے ابتداء عروج میں عوام الناس کی خاطر ایسا ہی کیا تھا۔ اگرچہ اس میں شبہہ ہے کہ آیا منصور خود پوشیدہ طور پر ان علوم کا شایق تھا یا نہیں۔ جیسا کہ حجازی نے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ساتوں قراتوں کے ساتھ قرآن شریف کے پڑھنے اور روایت حدیث میں اہل اندلس کی منزلت رفیع تھی

فقہ کی اُن کے یہاں بڑی رونق و عزت تھی عام طور پر مذہب مالکی رکھتے تھے۔ مگر خاص لوگ تمام مذاہب پر عبور رکھتے تھے، اور اپنے بادشاہوں کے سامنے ہر ایک

مذہب سے بحث کر سکتے تھے۔ خطاب فقیہ اُن کے نزدیک بڑی وقعت رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ مسلمان کسی بڑے امیر کو جس کی وہ زیادہ قدر کرتے تھے، فقیہ ہی کہتے تھے۔ مغرب میں فقیہ کو وہی منزلت حاصل ہی جو قاضی کو مشرق میں۔ بعض اوقات کاتب، نحوی اور لغوی کو بھی فقیہ ہی کہتے تھے کیونکہ یہ خطاب اُن کے نزدیک سب سے بڑا ہی۔

علم اصول البتہ اُن کے یہاں متوسط الحال ہی۔ اور نحو کو اُن کے یہاں نہایت ترقی ہوئی۔ یہاں تک کہ اب تک اُن کے یہاں خلیل اور سیبویہ جیسے نحوی بہت سے پیدا ہو چکے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ زمانہ اتنا آگے بڑھ گیا ہی، لیکن اُن سے زیادہ کوئی نئی بات نہیں نکال سکا۔ حالانکہ نحوی بہت سے ہو چکے ہیں، اس علم میں اب بھی ویسی ہی دقیق بحثیں پیش آتی ہیں جیسی کہ فقہ میں۔ کسی علم کا کوئی بھی عالم ہو اُس کو نحو سے چارہ نہیں ہی؛ اُس کو اس فن کے تمام دقایق معلوم ہونے چاہئیں۔ اہلِ اندلس میں کوئی بھی ایسا نہیں ہی جو اس علم میں انگشت نما ہو سکے۔ باوجود اس کے کہ اہلِ اندلس کی زبان جو خاص و عام میں بولی جاتی ہی عربیت سے بہت بعید ہی، یہاں تک کہ اگر کوئی عرب شلوبینی کا کلام سنے تو وہ صاف کہہ دے کہ یہ شخص نحو سے بالکل واقف نہیں ہی۔ اگرچہ ہمارے زمانہ میں شلوبینی کی تصانیف شرق و غرب میں پھیل چکی ہیں، لیکن ایک عرب اگر اُس کو پڑھتے ہوئے سنے تو اُس کی تحریف زبان پر خوب جی کھول کر ہنسے۔ خاص لوگ جب اعراب کا لحاظ رکھ کر بولتے اور قوانینِ نحو کا خیال رکھتے ہیں تو اُن کو بولنا دشوار ہوتا ہی لیکن قرأت اور تصانیف، اور نثر علم ادب اور تاریخ نگاری وغیرہ میں وہ قواعد نحو کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ اسی تقریب سے وہ بادشاہوں اور امرا کی صحبت تک پہونچتے ہیں جس عالم میں کہ ادب نہو وہ بے وقعت سمجھا جاتا ہی۔

شعر کی اہلِ اندلس کے یہاں بڑی قدر ہی۔ شعرا کی بادشاہ بڑی عزت کرتے ہیں اور وظائف یا دیتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے شعرا بڑے بڑے بادشاہوں کی محلسوں میں

اپنی نظمیں پڑھتے ہیں، اور اپنی اپنی قابلیت کے موافق صلے حاصل کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی وقت اختلال ہوا یا جہلا مجلس میں زیادہ ہوں تو اور بات ہی۔ لیکن یہ بات زیادہ نہیں ہوتی۔ اندلس میں اگر کوئی نحوی ہوا یا شاعر تو وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہی، دوسروں کو خفیف سمجھنا، اور عُجب کا ظاہر کرنا اُن کا خاصہ ہو جاتا ہی۔

اہلِ اندلس کے ملبوسات میں سب سے غالب یہ ہی کہ وہ عمامہ نہیں باندھتے؛ بالخصوص شرق اندلس میں۔ غرب اندلس میں البتہ قاضی اور فقیہ عمامہ باندھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس معاملہ میں بے شک یہ لوگ اہلِ شرق سے بڑھے ہوئے ہیں۔ قرسیہ کے سب سے بڑے عالم عزیز بن خطاب کو میں نے دیکھا کہ وہ اُس زمانہ کے بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے تو ننگے سر تھے، اور اُن کے سر میں بہ نسبت سیاہ بالوں کے سفید بال زیادہ تھے۔ یہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ اُس نواح میں ایک دفعہ اُن کے نام کا خطبہ بھی پڑھا جا چکا تھا۔ ممالک شرقیہ یا غربیہ میں سپاہی اور عوام الناس کے سروں پر بہت ہی کم عمامہ نظر آتا ہی۔ ابن ہود، جو ہمارے زمانہ میں اندلس کے بادشاہ ہو گئے تھے، ہر حالت میں بغیر عمامہ کے دکھلائی دیتے تھے۔ یہی حالت ابن الاحمر کی ہی، جن کے تحتِ تصرّف میں اس وقت اندلس کا بڑا حصہ ہی۔ اکثر سلاطین اور سپاہ کی عادات و خصائل عیسائیوں جیسی ہیں۔ اُن کے ہتھیار، چار جامے، علم وغیرہ سب عیسائیوں ہی جیسے ہیں۔ اہلِ اندلس نیزے اور ڈھالیں رکھتے ہیں۔ اُن کے نیزے لمبے ہوتے ہیں۔ گُرز نہیں رکھتے، نہ عربی کمانیں، بلکہ عیسائیوں کی کمانیں محاصرات کی حالت میں استعمال کرتے ہیں، یا پیدل فوج لڑائی کے وقت استعمال کرتی تھی۔ یہ فوج سواروں کے سامنے کم ٹھہر سکتی ہی۔ خاص لوگ اور اکثر عوام بغیر طیلسان کے نہیں نکلتے اکثر عوام الناس طیلسان پہنتے نہیں بلکہ اُس کو اپنے سر پر ڈالے رکھتے ہیں۔ مگر شیوخ و اکابر پہنے رہتے ہیں۔ عموماً لگ سرخ یا سبز رنگ کی اونی ٹوپیاں استعمال کرتے ہیں اور زرد رنگ یہودیوں کے لیے مخصوص ہی۔ یہودی عمامہ کبھی نہیں باندھ سکتے۔ اور سوا

عالموں کے زلفیں کوئی نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ لوگ کندھے کے پیچھے بال نہیں رکھتے بلکہ بائیں کان کے پیچھے سے نکال کر لٹکاتے ہیں۔ عماموں کی وہ وضعیں جو مشرق میں رائج ہیں، اندلس میں نہیں پائی جاتیں۔ اگر کوئی مشرقی اُن کے شہروں میں آجائے تو اُس کو تعجب ہوتا ہی اور اپنے آپ اُن کی تقلید نہیں کرتے۔ اس لیئے کہ یہ اُن کی عادت کے خلاف ہی۔ اور وہ سوا اپنی وضع کے اور کسی وضع کو پسند نہیں کرتے۔

اہلِ اندلس لباس کی ستھرائی اور فرش و فروش وغیرہ کی صفائی میں تمام دنیا کے آدمیوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اگر کسی کے پاس صرف ایک ہی دن کے کھانے کو ہو تو وہ فاقہ کرلیتا ہی۔ مگر صابون خرید کر اپنے کپڑے دھولیتا ہی، اور کسی ساعت میں بھی وہ ایسی حالت میں نہیں رہتا کہ اُس کو دیکھ کر لوگوں کو کراہیت ہو۔

اہلِ اندلس معاملاتِ معاشرت میں محتاط اور صاحبِ تدبیر لوگ ہوتے ہیں۔ جو کچھ اُن کے پاس ہوتا ہی اُس کو سوال کی ذلت کے خوف سے بڑی احتیاط سے خرچ کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اُن کو بخل سے منسوب کیا جاتا ہی۔ حالانکہ مروّت اُس ملک کی عادت میں داخل ہی۔ اگر اُن کی یہ خوبی حاتم کو معلوم ہوتی تو وہ اپنے بڑے بڑے کارناموں پر اُن کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو فضیلت دیتا۔

ابن سعید کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے والد کے ساتھ اندلس کے ایک قصبہ میں گیا۔ سردی کا موسم تھا اور سخت بارش ہو رہی تھی۔ ہم سلطان سے جان بچا کر بھاگے جاتے تھے اور ہمارے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ ہم ایک شیخ کے یہاں مقیم ہوئے جس سے ہماری پہلی واقفیت نہ تھی۔ شیخ نے کہا کہ اگر تمھارے پاس کچھ ہو تو میں لکڑیاں منگا کر تمھارے سینکنے کا انتظام کردوں، اور میرے عیال تمھاری خدمت کرینگے۔ ہم نے لکڑی لینے کے واسطے کچھ دے دیا۔ آگ جلا دی گئی۔ اتنے میں اُس کا ایک چھوٹا سا بیٹا سینکنے کے لیئے آبیٹھا۔ شیخ نے اُس کو مارا۔ میرے والد نے مارنے کی وجہ دریافت کی تو شیخ نے کہا تاکہ

وہ یہ سیکھ لے کہ دوسروں کے مال سے فایدہ نہیں اُٹھانا چاہیئے۔ اور بچپن ہی سے اُس کو سردی کی تکلیف برداشت کرنے کی عادت پڑجائے۔ جب سونے کا وقت آیا تو شیخ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اپنا لحاف ابن حجّان کو دیدو کہ اپنے کپڑے کے ساتھ اس کو بھی لگالے۔ اُس نے مجھے اپنا لحاف دیدیا۔ جب ہم صبح کو اُٹھے تو ہم نے دیکھا کہ شیخ کا بیٹا جاگ رہا ہے اور اپنے ہاتھ لحاف میں دبائے ہوئے ہے۔ میں نے اپنے والد سے اس کا ذکر کیا تو اُنھوں نے کہا کہ "یہ اہل اندلس کی مروّتیں ہیں اور یہ اُن کی احتیاطیں کہ تجھ کو اپنا لحاف دیدیا، اور اپنے آپ پر تجھے فضیلت دی۔ پھر اس کو خیال کرو کہ تم اجنبی ہو۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ تم ثقہ ہو یا چور، اس لیئے اُنھیں جاگتے رہنا پڑا تا کہ ایسا نہو کہ اُن کے سوتے سوتے تم لحاف ہی لے کر نہ چل دو"۔ اِسی حکایت سے تم نتیجہ نکال سکتے ہو کہ جو لوگ ایسا حقیر احسان کر سکتے ہیں وہ کوئی بڑا کام کیوں نہ کرینگے۔

یہ اختصار تھا ابن سعید کی تحریر کا جو اُنھوں نے اپنی بے نظیر کتابوں وشی الطرس فی حلی جزیرۃ الاندلس اور کتاب الشفاۃ اللعس فی حلی موسطۃ الاندلس اور کتاب الانس فی حلی شرق الاندلس اور کتاب لحظات المریب فی ذکر ماحماہ من الاندلس عبادالصلیب اور قسم ثانی کتاب الالحان المسلیہ فی جزیرہ صقلیہ میں لکھا ہے۔ اس کتاب کے بھی اُنھوں نے کئی باب قایم کیئے ہیں۔ قسم ثالث میں کتاب الغایۃ الاخیرہ فی حلی الارض الکبیرہ ہے۔ اس کے بھی دو باب ہیں۔

ابن سعید (رحمۃ اللہ علیہ) اندلس کے حالات کتاب وشی الطرس میں لکھے ہیں اُسی میں تحریر ہے کہ اندلس شرقی یا غربی، وسطی مساحت میں ایک دوسرے سے مساوی ہیں۔ ہر ایک کی مسافت دس نو دن کی ہے۔ ان تمام حصص کے علاوہ وہ علاقے ہیں کہ جو ابھی تک عیسائیوں کے قبضے میں چلے آتے ہیں۔ کتاب حلی العرس میں مصنف مذکور (رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے لکھا ہے کہ قرطبہ قطب خلافت مروانیہ ہے۔ اشبیلیہ سے زیادہ اندلس میں

میں کوئی جگہ خوبصورت نہیں ہے۔ اس کتاب کے اُنھوں نے سات حصّے کیے ہیں۔ ہر حصہ ایک ایک مملکت کے حالات میں ہے۔ کتاب کی تقسیم یوں کی ہے کہ کتاب الاول۔ کتاب الحلتہ الذہبیہ فی حلی مملکت قرطبتہ۔ کتاب الثانی۔ کتاب الذہبتہ الاصلیتہ فی حلی المملکتہ الاشبیلیہ۔ کتاب الثالث۔ کتاب خدرع المالقہ فی حلی مملکت مالقہ۔ کتاب الرابع کتاب الفردوس فی حلی مملکت بطلیوس۔ الکتاب الخامس۔ کتاب الحلب فی حلی مملکت شلب۔ الکتاب السادس۔ کتاب الدیباجہ فی حلی مملکت باجہ۔ الکتاب السابع کتاب الریاض المصونہ فی حلی مملکت اشبونہ۔ ان میں سے ہر ایک کے ذیل میں اُس مملکت کا حال بیان کیا ہے۔ خدا تعالےٰ اُن کو جزائے خیر دے۔ اندلس کے متعلق کلام بہت طویل و عریض ہے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اندلس کا طول تیس دن کی مسافت ہے اور عرض نو دن کی۔ اُس میں چالیس بڑے بڑے دریا بہتے ہیں۔ اور چشمے اور حمام اور کانیں تو بےگنتی ہیں۔ اِس ملک میں بڑے بڑے اسّی شہر ہیں۔ اور متوسط درجہ کے تین سو سے زیادہ۔ قلعے، قصبے اور برج تو اتنے ہیں کہ اُن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ جو قصبات کہ دریا ِ اشبیلیہ پر واقع ہیں اُن کی تعداد بارہ ہزار ہے۔ دنیا بھر میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں مسافر اپنے سفر میں ایک ہی دن میں تین یا چار شہروں میں سے ہو کر گزرے، مگر اندلس کی یہی حالت ہے۔ یہاں کی برکت کا یہ عالم ہے کہ مسافر دو فرسخ بھی چلتا ہے تو اُس کو کوئی نہ کوئی دریا یا چشمہ ملتا ہے۔ صحرا ہو یا وادی، پہاڑ کی چوٹی ہو یا چٹیل میدان، ہر جگہ دوکانیں موجود ہیں کہ مسافر وہاں سے روٹی، میوے، گھی، گوشت، مچھلی وغیرہ خرید سکتا ہے۔

صاحب جغرافیہ نے لکھا ہے کہ اندلس کی مسافت طول میں چالیس دن کی اور عرض میں اٹھارہ روز کی ہے۔ یہ پیمائش اُس کے خلاف ہے جس کو ہم اوپر

بیان کر آئے ہیں۔

ابن سیدہ نے لکھا ہے کہ ہیں نے اندلس کو عرضاً جنوب میں بحر شامی سے لیکر شمال میں، بحر محیط تک اقلیم پنجم و ششم میں داخل کیا ہے۔ اس میں ۸۰ پہاڑ ہیں۔

بعضوں نے لکھا ہے کہ جامع مسجد اقلیش کے مربع چبوترہ میں جو پتھر لگے ہوئے ہیں اُس میں سے ہر پتھر کا عرض و طول ایک سو گیارہ بالشت کا ہے۔

وَبِهٰذَا اتممت تلخیصِ الباب الاوّلِ بعونِ اللهِ تعالےٰ

وَالحمدُ لِلّٰهِ علیٰ ذالك

باب دوم

مسلمانوں کے ہاتھ میں اندلس کا آنا - اور اس کا موسیٰ بن نصیر اور
اور اُن کے غلام طارق بن زیاد کے ہاتھوں فتح ہونا۔

واضح ہو کہ جب خدائے تعالیٰ کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق منظور ہوئی کہ "مجھے مشرق سے لے کر مغرب تک تمام زمین دکھلا دی گئی ہے اور قریب ہے کہ میری اُمت کا ملک وہاں تک پہونچ جائے کہ جہاں تک مجھے زمین دکھلائی گئی ہے" تو شاہ لذریق (ملک قوطم) اور ملکِ سبتہ کے درمیان میں اختلاف پیدا ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس طارق اور طریف غلامانِ موسیٰ ابن نصیر کے ہاتھ پر فتح ہو گیا۔ خدائے تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے۔

حجاری اور ابن حیان وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے جو مسلمان جہاد کے لئے اندلس میں داخل ہوا وہ طریف بربری غلام موسیٰ ابنِ نصیر تھا۔ اُسی کی طرف جزیرہ طریف منسوب ہے۔ اس نے بمعاونت یلیان نصرانی، صاحب سبتہ، وہاں غزا کی تھی۔ یلیان کو لذریق بادشاہ اندلس سے کچھ رنج تھا۔ طریف کے ساتھ سو سوار اور چار سو پیدل تھے۔ یہ فوج چار جہازوں میں، بماہ رمضان سنہ ۹۱ھ، اندلس میں پہونچی اور بہت بڑی غنیمت اپنے ساتھ لے کر واپس آئی۔ موسیٰ بن نصیر والی مغرب نے اپنے غلام طارق بن زیاد کو اندلس پر مقرر کیا؛ اور یلیان وصاحب سبتہ کو اُس کے ساتھ بھیجا۔ انتہیٰ

طریف وغیرہ کے متعلق ہم آگے چل کر وہ باتیں بیان کرینگے جو اس قول کے مخالف ہیں
ابنِ حیّان کہتے ہیں کہ فتح اُندلس کے اوّل اسباب یہ ہیں کہ جب ولید بن عبد الملک نے اپنے چچا عبدالعزیز کے غلام، موسیٰ ابنِ نُصیر کو ۸۸ھ ہجری میں افریقیہ کا والی مقرر کیا تو وہ چند جاں نثاروں کے ساتھ وہاں سے چل پڑے تھے۔ جب مصر پہونچے تو اپنی فوج کا ایک دستہ افریقیہ بھیج دیا اور اُس کا مقدمۃ الجیش اپنے غلام طارق کو بنا دیا۔ وہ بربریں برابر لڑتے اور شہروں کو فتح کرتے رہے، یہاں تک کہ شہر طنجہ پہونچ گئے۔ یہ اُن کی سلطنت کا صدر مقام تھا۔ اُس کا محاصرہ کر کے فتح کرلیا، اور وہاں کے باشندے مسلمان ہوگئے۔ اس سے پہلے یہ شہر فتح نہیں ہوا تھا بعض کہتے ہیں کہ فتح ہوگیا تھا۔ مگر پھر دشمنوں کے ہی ہاتھ میں آگیا تھا۔ ابنِ حیّان کہتے ہیں کہ:-
"موسیٰ ابنِ نُصیر کو سبتہ کا فتح ہونا دشوار ہوگیا اس لئے کہ یلیان نصرانی والیِ سبتہ بڑا بہادر اور زیرک تھا۔ اسی اثنا میں شاہ لذریق، فرمانروائے اندلس، اور یلیان کے درمیان رنجش واقع ہوگئی" پھر ابنِ حیّان نے اسی سلسلہ میں اُن واقعات کا ذکر کیا ہے جو آگے آنے والے ہیں۔

طارق بن زیاد افریقیہ کے رہنے والے تھے۔
ابنِ بشکوال کہتے ہیں کہ طارق کے والد کا نام عمر تھا۔ آپ ہی نے جزیرۂ اُندلس کو فتح کیا آپ ہی کی طرف جبلِ طارق منسوب ہے، جس کو عوام الناس جبل فتح کہتے ہیں (یہ پہاڑ جزیرۂ خضرا کے مقابل میں واقع ہے) بعد فتح اُندلس کے طارق اپنے آقا کے ساتھ شام چلے گئے۔ اور پھر ان کا پتا نہیں چلا۔ انتہیٰ۔
ابن بشکوال ہی کہتے ہیں کہ طارق ایک خوش تقریر آدمی تھا باقی رہی اُس کی قابلیتِ سلطنت اُس کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اُس نے اُندلس ورنیز اُن شہروں پر جن کو اُس نے فتح کیا تھا، اُس وقت تک حکمرانی کی کہ وہ اپنے آقا موسیٰ ابنِ نُصیر کے پاس واپس چلا گیا۔

ابنِ بشکوال نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ طارق اُس پہاڑ پر جو اُس سے منسوب ہے، دوشنبہ ۵ رجب سنہ ۹۲ ہجری کو بارہ کم بارہ ہزار بربریوں کو لے کر اترا تھا۔ اس فوج میں اہلِ عرب بہت کم تھے۔ جب وہ جہاز میں تھا تو اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع مہاجرین و انصار کے خواب میں دیکھا کہ سب لوگ تلواریں سونتے اور کمانیں کھینچے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اے طارق اپنے کام کی طرف بڑھ"۔ پھر اُس نے اور اُس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا تو وہ سب اُس سے پہلے اندلس پہونچے ہوئے تھے۔ طارق جاگا تو بہت خوش ہوا اور اُس نے اپنے تمام ساتھیوں کو بشارت دی۔ اور اپنے آپ کو بھی اس بشارت سے بڑی تقویت دی، اور اپنی فتح و ظفر میں کسی طرح اُس کو شک نہ رہا۔ غرض اُس نے پہاڑ پر سے شہر پر حملہ کیا۔ اُس کو ایک بوڑھی عورت جزیرہ میں ملی جس نے اُس نے بیان کیا کہ "میرا شوہر ہونے والی باتوں کا عالم تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ہمارے ملک میں ایک امیر داخل ہوگا جو سب پر غالب ہو جائے گا۔ اُس نے اُس امیر کی یہ صفت بیان کی تھی کہ وہ بڑے سر والا ہوگا تو بھی ایسا ہی ہے۔ اُس نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ اُس کے بائیں شانہ پر ایک مسّہ ہوگا جس پر کچھ بال ہونگے۔ اگر تجھ میں یہ علامت موجود ہو تو شک نہیں کہ تو وہی شخص ہے"۔ طارق نے اپنا شانہ کھول کر دکھلایا تو مسّہ اور بال موجود تھے۔ اس سے اُس کو اور اُس کے ساتھیوں کو اور بھی خوشی ہوئی۔

ابنِ حیان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ سبب یلیان نصرانی نے بوجہ اُس رنج کے جو اُس کو بادشاہ اندلس سے پہونچا تھا، موسیٰ بن نصیر کو غزوۂ اندلس پر آمادہ کیا تو اُس نے اپنے غلام طارق کو سات ہزار مسلمان ساتھ دے کر روانہ کیا۔ جن میں بربریوں کی تعداد زیادہ تھی۔ یہ فوج چار جہازوں میں روانہ ہوئی اور جبل طارق پر بروز شنبہ شعبان سنہ ۹۲ ہجری میں اُتری یہ پہاڑ اسی طارق کی طرف منسوب ہے۔ شدہ شدہ اور جہاز جو اُس کے ساتھ تھے، وہیں آ لگے اور اس کے تمام ساتھی اُسی پہاڑ پر اُس سے آملے۔ لذریق شاہ اندلس کو اس کی خبر

پھونچ گئی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا باعث ‌‌ِالیان ہے۔ لذریق اُن دنوں ‌‌ِشکنش میں مصروف جنگ تھا۔ یہ خبر سن کر وہ اپنی تمام فوج کو جو کم و بیش ایک لاکھ تھی لے کر ادھر متوجہ ہوا۔ طارق نے موسیٰ کو لکھا کہ مجھ پر لذریق نے اپنی فوج سے نرغہ کیا ہے کہ جس کے مقابلہ کی مجھے طاقت نہیں ہے یہ معلوم کر کے موسیٰ نے پانچ ہزار فوج اور روانہ کی جس سے طارق کے پاس بارہ ہزار فوج ہو گئی اور الیان صاحب سبتہ بھی مع اپنی جمعیت کے ساتھ ہو گیا، اور طارق کو ڈھکی چھپی باتیں اور خبریں بھی بتلاتا رہا۔ لذریق بھی آگے بڑھا۔ عجم کے بڑے بڑے آدمی، بادشاہ اور شاہی ہوا خواہ اس کے ساتھ تھے۔ مگر ان کے دل اُس سے پھرے ہوئے تھے۔ جب وہ ملے تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ خبیث ہمارے بادشاہ کا غاصب ہے اور خاندان شاہی سے بھی نہیں ہے، بلکہ ہمارے ماتحتوں میں رہ چکا ہے۔ ہم پہلے ہی اس سے بیزار تھے۔ یہ اجنبی لوگ ہری چگ ہیں۔ ہمارے وطن سے ان کو کچھ واسطہ نہیں ہے۔ ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہاں سے مال غنیمت لے کر چل دیں اور ہم کو ہمارے ملک میں چھوڑ جائیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم سب مل کر اس خبیثہ کے بچے کو پہلے ہزیمت دلوا دیں، اور جب اس سے فارغ ہو جائیں، اور یہ اجنبی لوگ چلے جائیں، تو ہم لوگ اپنے طور پر جس کو چاہیں بادشاہ بنا لیں چنانچہ اس پر سب نے اتفاق کیا (الیٰ آخرہ)

ابن خلدون نے یہ بیان کر کے کہ اندلس کے بادشاہ قوم قوط سے تھے۔ اور ایام فتح میں اُن کا بادشاہ لذریق نامی تھا، لکھا ہے کہ اُن لوگوں کی سلطنت جنوب میں ماوراء البحر بھی تھی اور طنجہ ان ہی کی سلطنت کا بندرگاہ تھا۔ اور زقاق بحر سے لے کر بربر تک ان کی بادشاہت بھی اور انھوں نے وہاں کے باشندوں کو غلام بنا لیا تھا اس نواح بربر میں اُن دنوں ملک قوط کی طرف سے الیان، اُن ہی کا ہم مذہب حاکم تھا۔ ولید بن عبدالملک کی طرف سے موسیٰ بن نصیر عاملِ افریقیہ تھے اور قیروان میں رہتے تھے، جو اُس وقت والیانِ افریقہ کا دارالسلطنت تھا۔ اسی زمانہ سے مسلمانوں کی فوجیں بلاد مغرب اقصیٰ پر غزوات کر کے اُس کے علاقوں پر قبضہ

حاصل کر چکی تھیں۔ اور طنجہ کے پہاڑوں پر قدم جما اور خلیج زقاق تک پھونچ چکی تھی۔ اور بلیان مسلمانوں کی اطاعت قبول کر چکا تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے اپنے غلام طارق بن زیاد لیثی، کو طنجہ میں والی مقرر کر دیا تھا۔ بلیان چاہتا تھا کہ لذریق شاہ قوط سے اُس حرکت کا انتقام لے جو اُس نے اُس کی بیٹی سے اُس زمانہ میں کی تھی کہ جب اُس کی بیٹی بموجب مراسم قدیمہ (کہ اعیان سلطنت کی بیٹیاں محل شاہی میں پرورش پائیں) محل شاہی میں مقیم تھی۔ بلیان کو اس حرکت پر بہت غصّہ آیا تھا اور بادشاہ کی اجازت سے وہ اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ چنانچہ وہ طارق سے ملا اور قوم قوط کی تمام چھپی ہوئی باتیں اُس پر ظاہر کر دیں۔ طارق نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور وقت کا انتظار کرنے لگا۔ ۹۲ھ ہجری میں اپنے آقا موسیٰ بن نصیر کی اجازت سے اُس نے تین سو عرب اور دس ہزار بربریوں کی فوج تیار کی اور اس فوج کے دو حصّے کر کے ایک حصّہ اپنے ساتھ لیا اور جبل فتح پر آ اُترا۔ جس وجہ سے اُس پہاڑ کا نام جبل طارق پڑ گیا۔ دوسرے حصّہٗ فوج پر اُس نے طریف بن مالک نخعی کو سپہ سالار کیا، اور وہ اُس مقام پر اُترا جہاں اب شہر طریف ہی۔ یہ شہر اُسی کے نام سے منسوب ہو گیا۔ انھوں نے خود قلعے کی دیواریں درست کر لیں۔ لذریق کو خبر پھونچی تو اُس نے چالیس ہزار فوج، جس میں اہل عجم اور عیسائی تھے، لے کر اُن کی طرف یلغار کی۔ شریش کے میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، اور خدا تعالیٰ نے قوط کو شکست دی، اہل کفر کا مال مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ طارق نے موسیٰ بن نصیر کو فتح اور غنیمت کی خبر دی۔ آقا کی رگِ غیرت جنبش میں آ گئی۔ اور طارق پر بغیر اذن کے کام کرنے کا الزام لگایا اور حکم دیا کہ جب تک میں تم سے آکر نہ ملوں اپنے مقام سے نہ ہلنا۔ قیروان پر اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنی جگہ حاکم بنایا اور ۹۳ھ میں نکل پڑا۔ اُن کے ساتھ حبیب ابن مندہ فہری تھا۔ اور ایک بہت بڑی فوج عرب کے سرداروں، غلاموں اور بربری امیروں کی قیروان سے لے کر موسیٰ نے خلیج زقاق میں طنجہ اور جزیرہ خضرا کے درمیان، لنگر ڈالا۔ طارق اُن سے آکر ملا اور ساتھ ہو لیا۔ اور موسیٰ نے فتح مکمل کی اور مشرق میں برشلونہ جوف ملک میں اریونہ اور

مغرب میں ضم قادس تک فتح کیا۔ اور اندلس کی سرزمین کو پامال کرکے مال غنیمت جمع کیا اور
ٹھان لی کہ مشرق کی طرف قسطنطنیہ سے ہوکر شام پھونچیں اور ہر مقام پر عیسائیوں سے
معرکہ آرا ہوں اور دارالخلافت میں پھونچیں۔ خلیفہ ولید کو تمام حالات معلوم ہوئے تو اُس کو
مسلمانوں کی اُن تکلیفوں سے جو اُن کو دار الحرب میں پھونچیں بڑا قلق ہوا، اور یہ دیکھکر کہ
موسیٰ مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالنا چاہتا ہے اُس کو عتاب کیا اور حکم دیا کہ فوراً واپس آجائے
اور پوشیدہ طور سے سفیر سے کہدیا کہ اگر موسیٰ واپس نہ آئے تو باقی مسلمانوں کو ضرور واپس
لے آئے۔ اس سے موسیٰ کے ارادے پورے نہ ہوسکے اور اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اپنا قائم مقام
اور دشمنوں کے جہاد پر متعین کرکے قرطبہ میں (جس کو اُس نے اپنا دارالامارت قرار دیا تھا)
چھوڑکر چلے آئے۔ سنہ ۹۵ ہجری میں موسیٰ قیروان پھونچے۔ اور سنہ ۹۶ ہجری میں تمام
مال غنیمت جس میں تیس ہزار قیدی شامل تھے، اور دیگر ذخائر و اموال جو گاڑیوں اور آدمیوں
کے پیٹھوں پر لدا ہوا تھا مشرق کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور افریقیہ پر اپنے بیٹے عبداللہ کو قائم مقام
رکھا۔ جب موسیٰ سلیمان بن عبدالملک کے سامنے حاضر ہوئے تو اُس نے اُن کو بہت دھمکایا
اور بہت ناراضگی ظاہر کی۔ اندلس کی فوج نے سلیمان کی شہ پر عبدالعزیز سے بدلہ لیا، اور اُس کو
قتل کرڈالا۔ اس کی امارت صرف دو سال رہی۔ یہ شخص نیک اور فاضل تھا، اور اس نے اپنے
زمانہ امارت میں بہت سے شہر فتح کئے تھے۔ ان کے بعد ایوب بن حبیب لخمی جو موسیٰ بن
نصیر کے بھانجے تھے، وہاں چھ مہینے تک امیر رہے۔ ان کے بعد عرب امرا وہاں حکومت
کرتے رہے۔ ان میں سے کوئی خلیفہ کا مقرر کیا ہوا تھا، اور کوئی قیروان کے عامل کا۔ کافروں
پر یہ زمانہ بہت سخت گزرا اور علاقہ برشلونہ مشرق میں اور قشتالہ کا علاقہ جوف ملک
میں فتح ہوگیا۔ قوط کا بالکل قلع قمع ہوگیا۔ اقوام جلالقہ اور وہاں کے باقی اصلی باشندوں
نے قشتالہ اور اربونہ کے پہاڑوں اور بعض درّوں میں پناہ لی۔ ان مقامات کو انہوں
نے خوب مضبوط کرلیا۔ مسلمانوں کی فوجیں برشلونہ سے ہوکر جزیرہ کے دروں میں داخل ہوکر تمام مقامات

پر قابض ہوگئیں۔ اور پھر بلاد افرنجہ کی طرف رخ کیا۔ کفار تک ہر طرف سے مسلمانوں کی فتح کے جھونکے پہونچنے لگے۔ اکثر ایسا ہوا کہ اہل عرب کی فوج میں اختلاف و تنازع پیدا ہوا جس سے کفار نے فائدہ اٹھایا اور افرنجہ نے اپنا علاقہ بر شلونہ، جس کو مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا، اسّی برس کے بعد واپس لے لیا۔

سلیمان بن عبدالملک کی طرف سے افریقہ پر محمد ابن یزید عامل تھا۔ عبدالعزیز بن موسیٰ بن نُصیر کے قتل کی خبر سنکر حر بن عبدالرحمن بن عثمان ثقفی کو اندلس بھیجا گیا۔ اس نے یہاں آکر ایوب بن حبیب کو معزول کیا، اور دو برس آٹھ ماہ وہاں حکومت کی۔ پھر حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے سمح بن مالک خولانی کو سنہ ۱۰۰ ہجری میں اندلس بھیجا اور اندلس کا خمس ادا کرنے کا حکم دیا؛ جس کی اُس نے تعمیل کی، اور قرطبہ کا پل بنایا۔ یہ امیر سرزمین افرنجہ پر سنہ ۱۰۲ھ میں ایک جنگ میں شہید ہوگیا۔ اہل اندلس نے اپنے اوپر عبدالرحمن بن عبداللہ الغافقی کو ماہ صفر سنہ ۱۰۳ھ میں عنبسہ بن سحیم الکلبی کے آنے تک، امیر بنا لیا۔ اس شخص کو یزید بن ابی مسلم، عامل افریقیہ نے بھیجا تھا۔ اس نے آکر اندلس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا، اور اہل افرنج سے جہاد کیا، اور وہیں سنہ ۱۰۷ ہجری میں شہید ہوگیا۔ اس کی امارت چار سال چار ماہ رہی اس کے بعد اندلس کے امرا یکے بعد دیگرے عاملان افریقہ کی طرف سے آتے رہے۔ ان میں سے پہلے بشیر بن صفوان کلبی، عامل افریقیہ نے یحییٰ بن سلمہ کلبی کو بھیجا۔ یہ شخص سنہ ۱۰۷ھ کے آخر میں عنبسہ کی شہادت کے بعد پہونچا تھا۔ ڈھائی سال امیر رہا۔ مگر اس نے کوئی جنگ نہیں کی۔ پھر عبیدہ بن عبدالرحمن سلمی عامل افریقیہ نے عثمان بن ابی نسعہ لخمی کو امیر بنا کر بھیجا اس کو، پانچ ماہ کے بعد، خذیفہ میں احوص قیسی نے آکر معزول کیا، اور سنہ ۱۱۰ ہجری تک حکمراں رہا۔ اس میں اختلاف ہے کہ آیا عثمان خذیفہ سے پہلے آیا یا پیچھے۔ پھر اسی عامل افریقیہ نے ہیثم بن عبید الکلابی کو محرم سنہ ۱۱۱ ہجری میں بھیجا۔ اس نے ارض مقوشہ کو فتح کر لیا۔ اور دو برس حکمرانی کر کے سنہ ۱۱۳ ہجری میں انتقال کیا۔ اس کے بعد محمد ابن عبداللہ

اشجعی آیا اور صرف دو مہینے رہا۔ پھر عبیداللہ بن حبحاب صاحب افریقیہ نے عبدالرحمن بن عبداللہ الغافقی کو امیر بنایا، جس نے ۱۱۲ھ میں پھونچکر افرنجہ سے جنگ چھیڑ دی۔ جس میں بہت سے وقائع پیش آئے۔ اور رمضان ۱۱۴ھ میں اُس مقام پر پھونچا جس کو بلاط الشہداء کہتے ہیں۔ یہ جنگ اسی کی طرف منسوب ہے۔ اس کی امارت ایک سال آٹھ مہینے رہی۔ پھر عبدالملک بن قطن الفہری یہاں کا امیر ہوا، اور رمضان ۱۱۴ھ میں یہاں پھونچا، اور دو برس حکومت کرتا رہا۔ واقدی نے اس کا زمانۂ حکومت چار سال لکھا ہے۔ یہ شخص ظالم تھا۔ اور حکومت کرنے میں لوگوں پر جبر کرتا تھا۔ ۱۱۵ھ میں اس نے بشکنش پر فوج کشی کی، اور وہاں سے مال غنیمت حاصل کیا۔ رمضان ۱۱۶ھ میں یہ بھی معزول ہوا، اور عبیداللہ بن حبحاب نے عقبہ بن حجاج سلولی کو ۱۱۷ھ میں یہاں کا امیر بنا کر بھیجا۔ یہ شخص پانچ برس تک امیر رہا، نہایت خوش سیرت، جہاد کرنے والا اور فتح پانے والا آدمی تھا۔ اسی کے وقت میں ربونہ تک مسلمان پھونچ گئے اور دریائے رودنہ پر اُن کی چھاؤنیاں پڑ گئیں۔ اس امیر پر عبدالملک بن قطن الفہری نے ۱۲۱ھ میں خروج کیا اور اُس سے خلع کرا کے قتل کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اُس کو اندلس سے نکال باہر کر دیا، اور خود امیر بن بیٹھا؛ یہاں تک کہ بلج بن بشر اہل شام کے ساتھ ۱۲۴ھ میں پھونچا اور اُس پر غلبہ حاصل کر کے کم و بیش ایک سال اندلس کا امیر رہا۔ رازی نے لکھا ہے کہ جب اہل اندلس نے اپنے امیر عقبہ سے صفر ۱۲۳ھ میں خلافت ہشام بن عبدالملک میں، غدر کیا اور عبدالملک بن قطن کو دوسری مرتبہ امیر کیا اور عبدالملک نے وہاں قبضہ کر لیا تو بلج بن بشر قشیری شام کی فوج کے ساتھ داخل ہوا۔ یہ شخص اُس واقعہ سے بچ کر آیا تھا جو کلثوم بن عیاض کو بربریوں کے ساتھ ملویہ میں پیش آیا تھا عبدالملک سے اُس نے بدلہ لیا اور اُس کو قتل کر دیا۔ اُس وقت اُس کی عمر ستّر برس کی تھی اس واقعہ کے بعد اُس کا اقتدار وہاں جم گیا۔ لیکن فہریوں نے فساد مچایا۔ اور اُن کے ساتھ وہ لوگ شامل ہو گئے جنہوں نے عبدالملک کے قتل کو بُرا سمجھا تھا قطن اور اُمیہ جو عبدالملک بن قطن

کے بیٹے تھے ان لوگوں کے سرکردہ بن گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بلج بن بشر اس لڑائی میں زخمی ہوا اور اسی صدمہ سے سنہ ۱۲۴ھ میں مرگیا اور ثعلبہ بن سلامۃ الجذامی، امارت اندلس پر قابض ہوگیا۔ فہریوں کو اُس نے بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔ یہ شخص دو برس امیر رہا، اور اس عرصہ میں عدل کا دور دورہ رہا۔ اور دس ماہ تک اندلس میں اس نے حکومت کی۔ اس کے بعد یمنی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے۔ اُس کا کام بھی بگڑ گیا اور فساد برپا ہوگیا۔ آخر سنہ ۱۲۵ھ میں حنظلہ بن صفوان عامل افریقیہ نے ابوالخطار حسام بن ضرار کلبی کو امیر بنا کر بھیجا جو تونس سے جہاز میں بیٹھکر آیا تھا۔ اہل اندلس نے اُس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ثعلبہ، ابن ابی نسعہ اور عبدالملک کے دونوں بیٹے اُس سے آکر ملے۔ اور اُس نے بھی اُن سب سے اچھا سلوک کیا، اور اپنا رعب جمالیا۔ یہ شخص شجاع، کریم، صاحب رائے و حزم تھا۔ اہل شام اُس کے پاس اتنے جمع ہوگئے کہ قرطبہ اُن کا متحمل نہ ہوسکا۔ آخر اُس نے اُن کو متفرق شہروں میں بھیجدیا چنانچہ اہل دمشق بیرہ گئے جو اُن کے وطن سے بہت مماثل تھا؛ اور اُنہوں نے اُس کا نام دمشق رکھ لیا۔ اہل حمص اشبیلیہ پہونچے؛ اور اُس کا نام حمص رکھا۔ اہل قنسرین نے جیان میں سکونت اختیار کی؛ اور اُس کو قنسرین کہنے لگے۔ اہل اردن نے ریہ اور مالقہ اپنا مسکن قرار دیا؛ اور ان کو اردن کہنے لگے اہل فلسطین نے شدونہ کو (جسے شریش بھی کہتے ہیں) اپنا وطن بنایا، اور فلسطین اُس کا نام رکھا۔ اہل مصر نے تدمیر کو پسند کیا، اور اُس کو مصر کہا۔ ثعلبہ مشرق کی طرف جاکر مروان بن محمد سے مل گیا اور اس کی جنگوں میں شریک ہوا۔ ابوالخطار اعرابی تھا۔ اپنی قوم یعنی یمانیہ کی بہت زیادہ حمایت کرتا تھا۔ بنی مضر سے اس کا سلوک اچھا نہ تھا۔ بنی قیس کو بھی ناراض کرلیا تھا جو ہر قبیلہ کا سردار تھا صمیل بن حاتم بن شمر بن ذی الجوشن، جو بلج کے حمایت کرنے والوں میں سے تھا۔ ایک مرتبہ وہ ابوالخطار کی مجلس میں تھا کہ اُس کا عمامہ اُتار پھینکا گیا۔ جب وہ قصر سے باہر جانے لگا ایک دربان نے کہا کہ اے ابوالجوشن ذرا اپنا عمامہ تو درست کرلو؛ اُس نے جواب دیا

کہ "اگر میری قوم میں سے کوئی باقی ہے تو وہ اس عمامہ کو ٹھیک کریگا"۔ اس کے بعد صمیل اپنی
قوم کا امیر بن گیا، اور اُس کی قوم اُس کے گرد آکر جمع ہوگئی، اور یمانیہ کے مقابلہ میں اُس کی
مدد کی۔ آخر چار سال نو ماہ کی امارت کے بعد ۱۲۸ھ میں ابو الخطار کو معزول کر دیا گیا۔ اُس کی
جگہ ثوابت بن سلامۃ الجذامی امیر ہو کر آیا۔ اسی زمانہ میں وہ مشہور لڑائی شروع ہوگئی
جس میں اہل اندلس نے عبد الرحمن بن حبیب صاحب افریقیہ سے خط و کتابت کی۔ اُس نے
رجب ۱۲۹ھ میں ثوابت کو اپنے عہدہ پر مستقل کر دیا۔ چنانچہ نئے امیر نے اندلس پر ضبط
حاصل کر لیا۔ صمیل بھی اُس کی حمایت پر کھڑا ہو گیا۔ اور دونوں فریق متفق ہوگئے؛ مگر اسی
سال میں اُس کا انتقال ہو گیا۔ اور افریقیہ میں فتنہ و فساد شروع ہو گیا۔ اُدھر بنو اُمیہ کو
بھی مشرق میں مشکلات پیدا ہوگئیں۔ اور خوارج کی زیادتیوں کی وجہ سے دُور دُور کی
سرحدوں پر فتنہ کھڑا ہو گیا، اور عباسیوں کا غلبہ شروع ہو گیا۔ اس عرصہ میں اندلس
مختلف ہاتھوں میں رہا۔ زیادہ تر عبد الرحمن ابن کثیر کے۔ پھر فوج نے اس پر اتفاق کر لیا
کہ امارت اندلس مضریہ اور یمانیہ میں تقسیم کر دی جائے۔ دونوں فرقوں میں سے ایک
ایک آدمی ایک سال امیر رہے۔ مضریہ نے اپنی طرف سے ۱۲۹ھ میں یوسف بن
عبد الرحمن فہری کو پیش کیا۔ اُس نے قرطبہ میں ایک سال حکومت کی۔ اور بتراضی فریقین
مضریہ کی طرف سے صمیل بن حاتم دوسرے سال کے واسطے امیر قرار دیا گیا۔ ابو الخطار
کو ناگوار ہوا اور اُس نے جنگ چھیڑ دی۔ صمیل نے اُس کو شکست دے کر قتل کر ڈالا۔ یوسف
افریقیہ میں جا کر خود مختار ہو گیا۔ اور اندلس پر بھی غلبہ حاصل کر لیا۔

یہی حالت ملک کی تھی کہ عبد الرحمن داخل وہاں پہونچا۔ یوسف نے صمیل کو سرقسطہ کا
والی بنا دیا تھا۔ جب عباسیوں کا مشرق میں ظہور ہوا تو حباب زہری اُن کا داعی اندلس
میں بن گیا اور صمیل کا سرقسطہ میں محاصرہ کر لیا۔ صمیل نے یوسف سے مدد مانگی۔ مگر چونکہ اس کو صمیل
سے ضد تھی۔ اس لئے اس اُمید پر مدد نہ دی کہ وہ تباہ ہو جائے۔ مگر قیسیوں نے اُسے

مدد پہونچائی۔ ضمیل سرقسطہ سے جدا ہو گیا اور حباب اُس کا مالک بن گیا۔ آخر یوسف نے ضمیل کو طلیطلہ کا حاکم کر کے بھیجدیا۔ اسی موقع پر عبدالرحمن اندلس میں داخل ہو گئے "
(انتہیٰ خلاصہ ابن خلدون)

بعض مورخین نے لکھا ہی کہ عبدالملک کا بھائی عبداللہ بن مروان، والی مصر و افریقیہ تھا اُس کے بھتیجے خلیفہ ولید نے اُس کو ۸۷ھ میں حکم بھیجا کہ موسیٰ بن نصیر کو افریقیہ میں بھیجا جائے۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

حمیدی نے مقتبس میں لکھا ہی کہ موسیٰ بن نصیر ۷۸ھ میں افریقیہ و مغرب کا حاکم ہوا اور اپنے ساتھ فوج لیتا گیا۔ اُس کو معلوم ہوا کہ اطراف بلاد میں لوگوں نے اطاعت کا جوا کندھے سے اُتار پھینکا ہی۔ یہ سُن کر اُس نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اُن کی طرف بھیجا؛ وہ ایک لاکھ آدمی پکڑ لایا۔ پھر دوسرے بیٹے مروان کو ایک اور طرف بھیجا؛ وہ بھی ایک لاکھ قیدی لایا لیث بن سعد کہتے ہیں کہ قیدیوں کی تعداد اتنی تھی کہ اُس کا پانچواں حصہ ساٹھ ہزار آدمی ہوئی صدفی کہتے ہیں کہ اسلام میں جتنے قیدی موسیٰ بن نصیر نے گرفتار کئے ہیں اتنے کسی نے نہیں کئے۔ افریقیہ کے اکثر شہر بربریوں کی دست درازی کی وجہ سے خالی ہو گئے تھے، اور سخت قحط پڑا ہوا تھا۔ اس پر موسیٰ نے حکم دیا کہ لوگ نمازیں پڑھیں، روزے رکھیں اور اپنے نفس کی اصلاح کریں۔ خود بھی تمام لوگوں کے ساتھ صحرا میں نکلا؛ بہت سے جانور بھی اپنے ساتھ صحرا میں لیتا گیا، اور اُن کے بچوں کو اُن سے علٰحدہ کر دیا۔ انسانوں نے تو گریہ و زاری کی ہی، جانوروں نے بھی بہت عجز دکھلایا۔ دوپہر تک وہیں رہا پھر نماز پڑھی اور ایک خطبہ پڑھا جس میں ولید بن عبدالملک کا نام نہیں لیا۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو موسیٰ نے کہا کہ یہ ایسا موقعہ ہے کہ اس میں سوائے خدائتعالیٰ کے اور کسی کا ذکر کرنا موزوں نہیں ہی۔ اُسی وقت اتنی بارش ہوئی کہ سب لوگ بھیگ گئے۔ پھر موسیٰ جنگ کے لئے نکلا اور بربریوں کا پیچھا کیا بہت سوں کو قتل کیا اور بہت سوں کو قید کرتا ہوا سوس

تک پہونچ گیا۔ چونکہ کسی شخص نے مقابلہ نہیں کیا۔ اس لئے اُن کو امان دی اور اُنھوں نے بھی اطاعت قبول کرلی۔ اُن پر والی مقرر کردیئے۔ چنانچہ طنجہ و اعمال طنجہ پر اپنے غلام طارق بن زیاد بربری کو والی مقرر کردیا۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص قبیلہ صدف کا تھا۔ اُس کے پاس اُنیس ہزار فوج مع اسلحہ اور پورے ساز و سامان کے چھوڑ دی۔ یہ لوگ مسلمان ہوچکے تھے۔ اور اچھے مسلمان تھے۔ موسیٰ نے ان لوگوں میں بہت سے عرب اس لئے چھوڑ دیئے تھے کہ وہ بربریوں کو قرآن شریف اور فرائض اسلام سکھلائیں۔ یہ سب کچھ کرکے وہ افریقیہ میں واپس آگیا۔ بربریوں اور رومیوں میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہا کہ جو اُس سے تنازع کرتا جب سب طرف سے اطمینان ہوگیا تو اس نے طارق کو طنجہ میں لکھا کہ بلاد اندلس میں جاکر جنگ کرے۔ چنانچہ وہ بارہ کم بارہ ہزار بربری لے کر دوشنبہ ۵ رجب ۹۲ھ کو اُس پہاڑ پر جا اترا جو اُس کی طرف منسوب ہے۔ کہتے ہیں کہ طارق اپنے جہاز میں سو رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اُس کو مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور وعدوں کے وفا کرنے کی تاکید فرمائی۔ ابن بشکوال نے بھی ذکر کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ موسیٰ اپنے پیچھے رہ جانے پر پچھتایا۔ اور اُس کو یہ خیال ہوا کہ اگر طارق نے کچھ حصۂ ملک فتح کرلیا تو فتح اُسی سے منسوب ہوگی نہ کہ موسیٰ سے۔ یہ خیال پیدا ہونا تھا کہ اُس نے فوج جمع کرنی شروع کردی اور قیروان پر اپنے بیٹے عبداللہ کو مقرر کیا اور خود طارق کے پیچھے چلا۔ مگر وہ فتح سے پہلے طارق سے نہ مل سکا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ موسیٰ بن نصیر عاقل، شجاع، کریم اور خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا آدمی تھا اُس کی فوج کو کبھی ہزیمت نہیں ہوئی۔ اُس کے والد نصیر امیر معاویہ کی فوج کے سردار تھے اور اُن کی امیر معاویہ کے نزدیک بڑی قدر و منزلت تھی جب معاویہ جنگ صفین کے لئے نکلے ہیں تو نصیر نے ساتھ نہیں دیا۔ امیر معاویہ نے وجہ دریافت کی تو اُنھوں نے جواب دیا کہ "مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنے کفر سے

آپ کا شکریہ ادا کروں، اور کفر بھی اُس کا جو میرے شکر کا آپ سے زیادہ مستحق ہے" امیر معاویہ نے پوچھا کہ "وہ کون ہے؟" تو نصیر نے کہا کہ "وہ خدائے عزوجل ہے" اس جواب سے امیر معاویہ خوش ہو گئے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ لذریق اندلس کا بادشاہ ہی تھا اور اس کا قائم مقام ایک شخص تدمیر نامی تھا، جس کی طرف تدمیر منسوب ہے جب طارق پہاڑ پر اترا تو تدمیر نے لذریق کو لکھا کہ "ہماری سرزمین پر ایک قوم نازل ہوئی ہے کہ نہ معلوم وہ لوگ آسمان کے ہیں یا زمین کے" لذریق کو جس وقت یہ خبر پہونچی تو وہ کسی بعید مقام پر جنگ کے لئے جارہا تھا مگر اس نے فوراً فسخ عزیمت کیا، اور ستر ہزار سوار اور بہت سامان و متاع ساتھ لیا، اور خود ایک تخت پر سوار ہوا جو دو گھوڑوں پر لدا ہوا تھا اور اس کے اوپر موتی اور یاقوت اور زبرجد سے مرصع چتر تھا۔

جب طارق کو اس کا علم ہوا تو اپنے ہمراہیوں کے سامنے تقریر کرنے کھڑا ہوا اور پہلے خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور مسلمانوں کو جہاد پر برانگیختہ کیا اور پھر کہا کہ:

"اے مسلمانو! یہ تو تبلاؤ کہ تمہارا مفر کدھر ہے۔ سمندر تمہارے پیچھے ہے۔ اور دشمن تمہارے آگے۔ قسم ہے خدا کی کہ اب تمہیں سوائے صدق اور صبر کے اور کچھ چارہ نہیں ہے خوب سمجھ لو کہ تمہاری مثال اس جزیرہ میں ویسی ہی ہے جیسی کہ کنجوسوں کے دسترخوان پر یتیموں کی ہوتی ہے۔ تمہارے دشمن اپنی فوج اور اسلحہ سے تمہارے مقابلہ کے لئے موجود ہیں۔ ان کا سامان رسد رسانی بہت زیادہ ہے۔ تمہارے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہیں مگر تمہاری تلواریں، اور کوئی رسد نہیں ہے، مگر وہی جو تم اپنے دشمنوں سے چھین لو۔ اگر یوں ہی پڑے پڑے تم نے کوتاہی میں وقت گزار دیا اور کچھ حاصل نہ کیا تو تمہاری ہوا اُکھڑ جائیگی۔ اور دشمنوں کے دلوں میں بجائے تمہارے رعب کے ہمت پیدا ہو جائیگی۔ پس تم اپنے نفوس کو یہاں تک نوبت پہونچنے کی خرابی سے دشمن کے ساتھ جنگ کر کے

بچاؤ۔ جو اس قلعہ بند شہر میں سے تمہارے مقابلہ کے لئے نکلا ہے۔ اور یہ سمجھ رکھو کہ اگر تم اپنی جانوں پر کھیل جاؤ گے تو اس وقت میں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ میں نے تم کو کسی ایسے امر سے نہیں ڈرایا جس سے میں خود بچنا چاہوں۔ اور نہ میں نے تم کو ایسے خطۂ زمین میں لڑنے کے لئے برانگیختہ کیا ہے کہ جس میں لوگوں کی جانیں معمولی اور سستی چیزیں ہیں۔ بلکہ میں خود جنگ شروع کرتا ہوں۔ اس کا یقین رکھو کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے سختی اور تکلیف برداشت کر لوگے تو اس کے بدلے میں عرصہ تک عیش و آرام میں رہو گے۔ تم اپنی جانوں کا زیادہ لالچ نہ کرو اور نہ مجھ سے اعراض کرو کیونکہ آخر تمہارا حصہ میرے حصہ سے کسی طرح زیادہ نہیں ہوگا۔ اس وقت جو کچھ اس جزیرہ نما میں ہے سب تمہارے ہاتھ میں ہے مثلاً اس کی خوبصورت حورو‌ش عورتیں، جو یونانی النسل، موتی اور مرجان سے مزین ہیں، سنہرا لباس پہنتی ہیں اور تاجدار بادشاہوں کے محلوں میں رہتی ہیں۔ امیر المومنین ولید بن عبدالملک نے تم جیسے بہادر عربوں کا انتخاب کیا ہے اور اس کی مرضی ہے کہ تم اس جزیرہ کے بادشاہوں اور امرا کے داماد بن جاؤ۔ یہاں کے بہادروں اور شہسواروں سے دو دو ہاتھ کر لو۔ تم کو اس جزیرہ میں اعلاء کلمۃ اللہ اور اظہار دین اللہ کا ثواب ملے اور یہاں کا مال غنیمت خالصاً تمہارے واسطے ہو۔ جس ارادے پر تم قائم ہو۔ خدائے تعالیٰ اس میں تمہارا مددگار رہے دارین میں تمہارا ذکر باقی رہے گا۔ یہ بھی سمجھ لو کہ جس چیز کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں اس کی طرف جانے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں۔ جس وقت دونوں فوجیں ملیں گی تو تم دیکھو گے کہ لذریق کی قوم کے لئے میں تنہا ہی کافی ہوں۔ لو اب تم میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ اگر میں لذریق تک پہونچنے کے بعد مارا جاؤں تو تم اس کا کام تمام کرنے کے لئے کافی ہو، کیونکہ تم بہادر اور ایسے عاقل ہو کہ اپنے کاموں کو خود سنبھال سکتے ہو۔ اور اگر میں پہلے ہی مارا گیا تو میرے اس ارادے کو پورا کر دینا۔ اور لذریق پر حملہ کر کے اس کے قتل سے اس جزیرہ کی فتح کو مکمل کر لینا کیونکہ اپنے بادشاہ کے قتل بعد وہ لوگ مخذول ہو جائیں گے۔"

طارق جب اپنے ساتھیوں کو جنگ پر برانگیختہ کرنے، اور اُس کے بدلے میں فوائد و جتلانے سے فارغ ہوا تو اُن کی رُہ گئے اور جو کچھ اُمیدیں اس جنگ سے وابستہ تھیں اُن کی تصویر سامنے آگئی نسیم فتح و نصرت نے اُن کے غنچۂ دل کو کھلا دیا اور کہنے لگے کہ " اگر ہمارے دل میں کوئی بات تمہارے ارادوں کے خلاف تھی تو اُسے ہم نے اپنے دلوں سے نکال پھینکا ہے - اب تم حصول مقصود کے لئے آگے بڑھو - ہم تمہارے ساتھ اور تمہارے فرماں بردار رہیں " غرض رات اُنھوں نے تیاریوں اور اپنی حفاظت میں کاٹی - صبح کو فریقین نے اپنی اپنی فوج کی صف بندی کی - لذریق اپنے تخت رواں پر تھا اور چتر شاہی اُس کے سر پر سایہ فگن تھا - بڑے بڑے عَلَم اُس کے ساتھ، اور جنگی سپاہی اُس کے سامنے تھے - دوسری طرف طارق اپنے ساتھیوں کی ہمراہی میں جو زرہیں پہنے سفید عمامے باندھے ہوئے، ہاتھوں میں عربی کمانیں، کمروں میں تلواریں اور بغلوں میں نیزے دبائے ہوئے تھے سامنے ہوا - جب لذریق نے ان کو اس ہیئت کذائی میں دیکھا تو قسم کھا کر کہا کہ یہ تو وہی صورتیں ہیں جن کو ہم نے اپنے شہر کے بیت الحکمت میں دیکھا تھا - لذریق پر اُن کا رعب بیٹھ گیا - طارق نے لذریق کو دیکھا تو کہنے لگا کہ یہی عیسائیوں کا بادشاہ ہے - طارق نے حملہ کیا اور اُس کے ہمراہیوں نے بھی اُس کا ساتھ دیا - لذریق کے سامنے جتنے سپاہی تھے اس حملہ کی تاب نہ لا سکے اور متفرق ہو گئے - طارق بادشاہ تک پھونچ گیا اور اُس کے سر پر تلوار لگا کر تخت رواں پر ہی قتل کر ڈالا - اس کے بعد گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی - اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا - یہ ہزیمت ایک ہی موقع پر محدود نہیں رہی - بلکہ مسلمان شہر بشہر اور قریہ بقریہ پھیل گئے - جب موسیٰ بن نصیر کو طارق کی فتح کا حال معلوم ہوا تو وہ اپنی فوج کے ساتھ جزیرہ میں پھونچا - اور اپنے غلام طارق سے آملا - اور اُس سے کہا کہ " امیرالمومنین ولید بن عبدالملک اُن تمام مصیبتوں کے معاوضہ میں جس میں تو مبتلا ہے، اس سے زیادہ

صلہ نہیں دے سکتا کہ سارے اندلس کو تیرے لئے فتح کر دے۔ پس دل سے اپنے لئے مباح کر تجھے مبارک ہو" طارق نے جواب دیا کہ واللہ میں اپنے ارادہ سے باز نہیں آؤنگا تاوقتیکہ میں بحرِ محیط، یعنی بحر شمالی تک جو کہ بنات النعش کے نیچے ہی، نہ پہونچ جاؤں، اور اُس میں اپنا گھوڑا نہ ڈال دوں" چنانچہ طارق برابر فتح کرتا رہا اور موسیٰ اُس کے ہمراہ رہا۔ یہانتک کہ بلقیہ فتح ہوگیا جو ساحل بحر محیط پر واقع ہی۔ انتہےٰ

حافظ حمیدی نے اپنی کتاب جذوۃ المقتبس میں لکھا ہی کہ موسیٰ بن نُصیر اپنے غلام طارق پر اس واسطے بہت ناراض ہوا اور اُس کے قتل پر آمادہ ہوگیا کہ اُس نے بغیر اجازت یہ جنگ چھیڑ دی۔ مگر اُس کے پاس خلیفہ ولید کا فرمان پہونچا کہ طارق کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ اُس نے طارق کو چھوڑ دیا اور اپنے ساتھ شام کو لے گیا۔ انتہی

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ لذریق نے اہل عرب کو دیکھکر یہ کہا تھا کہ یہ صورتیں وہی ہیں جن کو ہم نے بیت الحکمت میں دیکھا ہی۔ اس کی تفصیل یہ ہی کہ بعض علمائے تاریخ نے لکھا ہی کہ اہل یونان جن کی حکمت کی شہرت ہی عہدِ اسکندر سے پہلے ممالک مشرقیہ میں رہتے تھے۔ جب اہل فارس نے یونانیوں پر غلبہ پایا اور اُن کے پاس جو کچھ تھا اُس پر قابض ہوگئے تو وہ سب اندلس میں منتقل ہوگئے۔ اُن کے یہاں آنے کی یہ وجہ تھی کہ یہ جزیرہ اُس زمانہ میں آباد دنیا کے کنارے پر واقع تھا اور اُس کو کوئی نہیں جانتا تھا کہ کہاں ہی نہ یہاں کوئی بادشاہ تھا، نہ اس میں پوری طرح آبادی تھی۔ اوّل شخص جس نے اس کو آباد کیا اندلس بن یافث بن نوح علیہ السلام تھے، اور اُن ہی کے نام پر اس کا نام رکھا گیا۔ بعد از طوفان جب دنیا پھر آباد ہوئی تو اُس زمانہ کے لوگوں کے نزدیک آباد دنیا کی صورت ایک پرندہ کی سی تھی کہ جس کا سر مشرق تھا، اور پیر شمال اور جنوب تھے اور مغرب اُس کی دُم تھی۔ اس لئے وہ مغرب کو، بوجہ اس کے کہ وہ دُم سے منسوب تھا، نہایت ذلیل سمجھتے تھے۔ یونانی یہ سمجھتے تھے کہ بوجہ جنگوں کے قوم فنا

پہونچ جاتی ہے کیونکہ حالت بدامنی میں علوم میں مشغول نہیں رہ سکتے۔ اسی لئے وہ
ایران سے بھاگ کر اندلس میں آرہے۔ [illegible] آکر اس کو آباد کیا، نہریں کھودیں، باغ لگائے
شہروں کی بنا ڈالی، زراعت پھیلائی اور اس ملک کو ایسی ترقی دی کہ اُسے طاؤس کے مشابہ
کردیا جس کی تمامتر خوبصورتی [illegible] ہیں ہے۔

اس موقعہ پر ایک لطیفہ بیان کرنا مناسب ہوگا۔

ایک بار امیرالمومنین ہارون الرشید کے دربار میں ایک مغربی حاضر تھا
ہارون الرشید نے اپنے [illegible] کی فضیلت جتانے کے لئے اُس کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ
"دنیا ایک پرندے کے مشابہ ہے، جس کی دُم مغرب ہے۔" مغربی نے فوراً جواب دیا کہ "
امیرالمومنین سچ فرماتے ہیں مگر وہ پرندہ طاؤس ہے" ہارون الرشید ہنس پڑا۔ اور
مغربی کی حاضر جوابی اور وطن پرستی پر تعجب کیا۔

غرض تنگ حال اور مصیبت زدہ یونانی امن وعیش کی زندگی بسر کرنے لگے
طُلیطلہ چونکہ وسط ملک میں واقع تھا اس لئے اُنہوں نے اپنا دارالحکمت اور دارالحکومت
قرار دیا اور خوب قلعہ بند کیا۔ اور معلوم ہوا کہ بعض لوگ، جو اہل عرب اور بربر تھے اُن کے
عیش و آرام پر حسد کرتے ہیں۔ اس سے ان کو ڈر ہوا کہ وہ اُن کے آباد کردہ جزیرہ کو نقصان
نہ پہونچائیں۔ پس اُنہوں نے ارادہ کیا کہ ان دونوں قوموں کے لئے ایک طلسم بنا دیا جائے
بربر اُن سے قریب تھا، صرف دریا ہی درمیان میں حائل تھا، اور اس ملک کے آوارہ
لوگ جزیرہ میں آتے تھے۔ جن کو دیکھ کر اہل یونان کی نفرت اور بھی بڑھتی جاتی تھی۔
اور اُن سے بہت پرہیز کرتے تھے۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ ایک دوسرے کی طبیعت
میں نفرت و عداوت راسخ ہوگئی۔ لیکن دقت یہ تھی کہ بہت سی چیزوں میں اہل بربر
یونانیوں کے محتاج تھے۔ نواح غرب اندلس میں ایک جزیرہ قادِس نامی تھا، اس کے
بادشاہ کی ایک لڑکی بڑی خوبصورت تھی۔ اندلس میں کئی بادشاہ تھے اور ان میں سے

کئی نے اس لڑکی سے شادی کی خواستگاری۔ لڑکی کے باپ کو ڈر ہوا کہ اگر اس نے ایک سے شادی کردی تو باقی بادشاہ ناراض ہو جائیں گے۔ اس معاملہ میں وہ متحیر تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کو بلا کر اپنا یہ فکر ظاہر کیا۔ اس قوم کے مرد و عورتوں میں حکمت طبیعت ثانیہ بنی ہوئی تھی۔ اسی واسطے یہ کہا جاتا ہے کہ جب حکمت آسمان سے نازل ہوئی ہے تو تین ملکوں کے آدمیوں کے تین اعضا پر اتری، یونانیوں کے دماں پر چینیوں کے ہاتھوں پر اور عربوں کی زبان پر۔ غرض باپ نے بیٹی سے کہا کہ میں تیرے معاملہ میں متحیر ہوں کہ تیری خواستگاری کئی بادشاہ کرتے ہیں، اگر ایک کو میں قبول کرتا ہوں تو باقی ناراض ہوتے ہیں"۔ اس نے کہا کہ "اس معاملہ کو میرے ہاتھ میں چھوڑ دو میں خود اس سے مخلصی کی کوئی صورت پیدا کرلوں گی"۔ باپ نے پوچھا کہ "آخر تو کیا شرط قرار دیگی؟" اس نے کہا کہ "صرف یہ کہ میرا شوہر حکیم ہو"۔ باپ نے بھی یہ رائے پسند کی اور تمام بادشاہوں کو یہی جواب لکھ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ حکیم نہ تھے وہ چپ ہو رہے، لیکن ان میں سے دو بادشاہ حکیم بھی تھے دونوں نے اپنا اپنا دعوی پیش کیا۔ باپ نے بیٹی سے کہا کہ "اب بھی وقت باقی رہ گئی۔ ایک کو قبول کرنے میں دوسرے کی ناراضی کا اندیشہ ہے"۔ اس نے کہا کہ "میں دونوں سے ایک ایک چیز بنواؤں گی جو ان میں بڑھ جائے گا اسی کو قبول کرلوں گی"۔ باپ نے پوچھا کہ "آخر کیا کریگی؟" اس نے کہا کہ "ہم اس جزیرہ میں رہتے ہیں اور اس امر کے محتاج ہیں کہ اس کی حفاظت کی کوئی تدبیر پیدا ہو جائے۔ اس لئے ان میں سے ایک پر تو میں یہ شرط لگاؤں گی کہ میدان سے میٹھے پانی کی نہر لائے اور دوسرے پر یہ شرط کرونگی کہ وہ کوئی ایسا طلسم بنادے کہ ہم بربریوں کی دست برد سے محفوظ رہیں"۔ باپ نے دونوں باتوں کو پسند کیا اور دونوں بادشاہوں کو یہی لکھدیا۔ دونوں نے منظور کرلیا۔ اور اپنے اپنے کام میں لگ گئے چنانچہ جس شخص نے کہ پانی کا لانا منظور کیا تھا اس نے میدان میں سے پتھروں کی نالیاں بنانی شروع کیں اور دریائے شور کے درمیان سے بھی ان ہی نالیوں کو نکال لایا

شگاف کو اس نے کسی حکمت سے بند کر دیا کے آثار اب تک سبتہ اور جزیرۃ الخضرا کے درمیان باقی ہیں۔ مگر اکثر اہل اندلس کہتے ہیں کہ یہ آثار اس پل کے ہیں جو سکندر نے اہل سبتہ کے جزیرہ میں آنے جانے کے لئے بنایا تھا۔ واللہ اعلم کہ ان دونوں میں کونسا قول صحیح ہے۔ قول ثانی ہی لوگوں میں زیادہ مشہور ہے۔

جو شخص طلسم بنا رہا تھا اس نے اپنا کام چند روز کے لئے بانتظار وقت مناسب ملتوی رکھا تھا۔ البتہ اس نے یہ ضرور کیا تھا کہ ایک سنگ سفید کی مربع عمارت کا کنارۂ دریا ڈھنگ ڈال دیا تھا اس کی بنیاد اس نے رتیلی زمین پر رکھی تھی، اور زمین سے جتنی اونچی عمارت رکھنا چاہتا اتنا ہی اس بنیاد کو کھدوایا تھا۔ جب یہ مربع عمارت مقررہ بلندی پر پہونچ گئی تو سرخ تانبے اور صاف لوہے سے ملا کر ایک بربری کا بت بنایا جس کی داڑھی تھی اور سر پر بال تھے ایک چوٹی جیسی سر پر کھڑی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ چادر اوڑھے ہوئے ہے جس کے پلے سمیٹ کر دونوں ہاتھ میں کپڑے سنبھالے ہوئے ہے۔ پیر میں نعلین ہیں اور اس عمارت کے اوپر کھڑا ہے۔ اور ہوا کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اس کا طول ساٹھ یا ستر درع کا تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ پھیلا ہوا تھا اور اس میں ایک قفل کی کنجی تھی اور دریا کی طرف اس طرح اشارہ کر رہا تھا کہ گویا یہ کہتا ہے کہ اس طرف سے کوئی عبور نہیں کر سکتا۔ اس طلسم کی یہ تاثیر تھی کہ جس دریا میں یہ کھڑا ہوا تھا وہ کبھی ساکن نہیں دیکھا گیا۔ اور جب کسی بربری کی کشتی یہاں آتی تو وہ کنجی جس کو وہ اپنے داہنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھا اس کے ہاتھ سے گر جاتی۔

دونوں بادشاہ، جو اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے، ایک دوسرے سے پہلے اپنا کام ختم کرنا چاہتے تھے، کیونکہ جو شخص اپنا کام جلد ختم کر لیتا وہی اس لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کا زیادہ مستحق ہوتا۔ پانی لانے والے نے اپنا کام پہلے ختم کر لیا: مگر اس نے اس کو پوشیدہ رکھا تاکہ طلسم بنانے والا اپنے کام کو ادھورا چھوڑ کر الگ نہ ہو جائے۔ جس روز یہ معلوم ہوا کہ صاحب طلسم نے اپنا کام پورا کر لیا ہے اس نے پانی چھوڑ دیا اور سارے

جزیرہ کو سیراب کردیا جس وقت اس کی شہرت ہوئی تو صاحب طلسم اپنی عمارت کے اوپر بت کے چہرہ کو صیقل کر رہا تھا اس بت پر سوار چڑھا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ اس کا رقیب اس پر سبقت لے گیا ہی اس نے اونچی عمارت سے، آپ کو نیچے گرا کر خود کشی کرلی اور وہ لڑکی پانی پہونچانے والے کے نکاح میں آئی۔

غرض یہ طلسم اور پانی کا انتظام محض بربریوں کے خوف کی وجہ سے تھا جو شاہان یونان کو ہر وقت خوف زدہ رکھتا تھا۔ اوقات مختلف پر انہوں نے اور طلسم بنائے تھے اور ان کو ایک صندوق میں بند کرکے طلیطلہ میں رکھ دیا تھا۔ جس مکان میں یہ صندوق تھا اس میں ہر بادشاہ اپنے نام کا ایک قفل لگا دیتا تھا۔ چنانچہ جو وقت لذریق تخت پر بیٹھا ہی تو اس مکان میں ۲۶ قفل لگ چکے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہی کہ یونانیوں کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک ۲۶ بادشاہ حکمرانی کر چکے تھے، اور لذریق ستائیسواں تھا جب اس کے انقراض دولت اور دخول عرب و بربر کا وقت آیا تو یہ شخص تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے وزیروں، خاصان دولت اور اہل الرائے سے کہا کہ "مجھے اس مکان کے متعلق کچھ خیال پیدا ہوا ہی کہ جس میں ۲۶ قفل لگے ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے کھول کر دیکھوں کہ اس میں کیا ہی؟ کیونکہ بے فائدہ تو کوئی عمل کیا ہی نہیں جاتا" سب نے کہا کہ "آپ سچ فرماتے ہیں کہ کوئی کام بے فائدہ نہیں کیا جاتا، اسی لئے ہر بادشاہ کا ایک قفل لگا دینا بھی بے فائدہ نہیں ہی۔ مصلحت اسی میں ہی کہ آپ بھی اپنا قفل لگا دیجئے، جیسے کہ اور بادشاہ لگاتے رہے ہیں۔ آپکے آبا و اجداد نے اس امر میں سستی نہیں کی آپ بھی جلدی کرکے ان ہی کی تقلید کیجئے"۔ اس نے کہا کہ "میرا دل مجھے مجبور کر رہا ہی کہ میں اس کو کھول کر دیکھوں"۔ سب نے کہا کہ اگر آپ کا یہ خیال ہی کہ اس میں کچھ مال جمع ہی تو ہم تیار ہیں کہ مال کثیر جمع کر دیں۔ لیکن آپ ایسا کوئی کام نہ کریں جس سے ہمارے اوپر کوئی حادثہ پڑے"، مگر بادشاہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ چونکہ وہ

ایک مہیب آدمی تھا، اس لئے کسی کو زیادہ اصرار کی جرأت بھی نہیں ہوئی۔ آخر اُس نے قفلوں کے کھولنے کا حکم دیا۔ کیونکہ ہر قفل کے ساتھ اُس کی کنجی بھی لٹک رہی تھی۔ جب دروازہ کھلا تو مکان کے اندر سوائے ایک طلائی مرصع و مکلل بڑی میز کے اور کچھ نہ ملا جس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ مائدہ سلیمان علیہ السلام ہے۔ پھر ایک صندوق نظر آیا کہ جس میں قفل لگا ہوا تھا اور اُس کی کنجی اُسی میں لٹک رہی تھی۔ جب اُس کو کھولا تو اُس میں ہرن کی جھلّی رکھی ہوئی ملی اور صندوق کے پہلوؤں میں نہایت صنعت سے بنی ہوئی سواروں کی تصویریں تھیں جن کی شکلیں عربوں سے ملتی تھیں جو جانوروں کی کھالیں پہنے ہوئے، عمامے باندھے ہوئے، گیسو چھوڑے ہوئے، عربی گھوڑوں پر سوار، ننگی تلواریں ہوتے ہوئے برچھے تانے ہوئے تھے۔ بادشاہ کے حکم سے وہ جھلّی کھولی گئی تو اُس میں لکھا ہوا تھا کہ "جب یہ مقفل مکان اور صندوق کھولا جائے گا تو وہ قوم جس کی تصویریں اس صندوق میں بنی ہوئی ہیں جزیرہ اندلس میں داخل ہو جائیگی، جن لوگوں کے ہاتھ میں ملک ہوگا نکل جائیگا، اور اُن کی حکمت بھی جاتی رہیگی"۔ جب لذریق نے جھلّی کا نوشتہ سُنا تو اپنے کئے پر بہت پچھتایا۔ اور اُس کو یقین ہو گیا کہ اب میری سلطنت باقی نہ رہے گی۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ اُس نے یہ سُنا کہ مشرق سے بادشاہ عرب کی بھیجی ہوئی ایک فوج بلادِ اندلس کی فتح کے لئے آئی ہے۔ انتہیٰ

یہی وہ بیت الحکمت ہے جس کی طرف لذریق نے اشارہ کیا تھا۔ لیکن حقیقت امر کو خدا ہی جانتا ہے۔ اس معاملہ میں اختلاف ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر مائدہ سلیمان کے متعلق بعض ثقہ مورخین اندلس کے اقوال نقل کرینگے۔

اس قصہ میں پانی کا جزیرۂ اندلس میں پہونچایا جانا جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ میرے نزدیک اصلیت سے بہت دُور ہے کیونکہ اندلس وہ ملک ہے جس میں کہ بہت سی نہریں اور دریا جاری ہیں۔ دوسرے مقامات سے یہاں پانی لانے کی کیا ضرورت واقع ہو سکتی

تھی۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ اُس عورت کا منشا ہی یہ تھا کہ اُس مرد کو بالکل عاجز کر دے یا اُس کی حکمت سے یہ بھی فائدہ اُٹھائے تو الگ بات ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ کا علم سب پر حاوی ہے وفوق کل ذی علم علیم۔

ابن حیان نے مقتبس میں لکھا ہے کہ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ لذریق خاندانِ شاہی سے نہ تھا۔ نہ وہ قوم قوط میں صحیح النسب تھا۔ اُس سے پہلے جو بادشاہ، غیطشہ نامی، تھا اُس کے مرنے پر اُس نے یہ ملک غصب کر لیا تھا۔ پہلے بادشاہ کی اولاد کو ذلیل کر ڈالا، اور بہت سے آدمیوں کو اپنی طرف مائل کر کے غیطشہ کی اولاد کے ہاتھ سے ملک نکال لیا تھا، مگر اُن کو قتل نہیں کیا تھا۔ اُن ہی کی ریشہ دوانیوں کا یہ نتیجہ تھا کہ اہلِ عرب بحرِ زقاق پر بسر کر دگی طارق بن زیاد، غلام موسیٰ بن نصیر آ پہونچے تھے۔ اُن کو یہ طمع تھی کہ لذریق کے ہاتھ سے ملک نکل کر پھر اُن کے پاس آجائے گا۔ اہل عرب کی فوج کا دشمن سے جزیرہ خضرا کی سرزمین معروف بوادی لکہ پر مقابلہ ہوا، جو اسی ساحلِ اندلس پر واقع ہے کہ جہاں سے اُنھوں نے عبور کیا تھا۔ یہ جنگ ، ربیع الاول ۹۲ سنہ ہجری کو ہوئی تھی۔ قوط کو ہزیمت کامل ہوئی اور اُن کا بادشاہ لذریق مارا گیا اور اہل عرب اندلس پر غالب ہو گئے۔ اُن کی فتوحات ارضِ مغرب سے شروع ہوئی تھیں، جو مصداق وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھی؛ کیونکہ حضورِ اقدس و اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بذریعہ وحی فتح زمین مابین مشرق و مغرب معلوم ہو گئی تھی۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ اندلس کے فتح ہونے کے بعد وہاں وہ اُمرا حکومت کرتے رہے جو مشرق سے دولت بنو اُمیہ کے مقرر کردہ آیا کرتے تھے۔ جب اُن کو ضعف آگیا اور بنو العباس نے اُن پر غلبہ پالیا تو عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان نے اندلس میں آکر عمل دخل کر لیا، اور دولت امویہ یہاں قائم ہو گئی۔ اور اُس کے بعد ایک مدت تک سلطنت اُس کی اولاد میں چلی آئی۔ طارق بن زیاد سے لے کر یوسف بن

بن عبدالرحمن الفہری تک بیس اُمرانے یہاں حکومت کی۔ ان کی مدت حکومت شمسی حساب سے ۴۵ سال اور قمری سے ۴۷ سال چند ماہ کم تھی۔ انتہیٰ

ابن حیان ہی نے ایک اور موقع پر رازی سے نقل کیا ہے کہ اندلس خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں فتح ہوا۔ یہ اتنی بڑی فتح سمجھی گئی کہ مسلمانوں میں اس کا شہرہ ہوگیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس مہم کے مہتمم تھے۔ اُن ہی کی یہ خوش انتظامی تھی کہ افریقیہ کو علیحدہ کر کے اس پر ایک عامل مقرر کر دیا گیا۔

کتاب الخزائنی وغیرہ میں فتح اندلس کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امیر المومنین ولید بن عبدالملک نے موسیٰ بن نصیر، اپنے چچا عبدالعزیز بن مروان کے غلام کو عامل مقرر کیا۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ بنو بکر میں سے تھے اور اُن کے والد نصیر کی اصل لا مذہب عجمیوں میں سے ہے۔ جنگ عین التمر میں وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ آئے تھے۔ یہ کہا گیا تھا کہ وہ رہن ہیں اور بکر بن وائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ نصیر ؟ عبدالعزیز بن مروان کے خدمتگار رہے، مگر آخر میں اُن کو آزاد کر دیا گیا یہیں سے اُن کے متعلق اختلاف شروع ہو گیا۔ بعض ان کو لخمی کہتے ہیں۔ ۸۹ھ ہجری میں وہ افریقیہ پر مقرر کئے گئے۔ اور معدودے چند آدمیوں کو لے کر افریقیہ روانہ ہوئے۔ مصر پہونچے تو وہاں کی فوج اُن کے ساتھ ہوگئی۔ یہاں پہونچے تو افریقیہ کی فوج کے بہادر اُن سے آملے۔ طارق مقدمۃ الجیش بنائے گئے؛ اور بربریوں سے قتال و جدال جاری رہا اور مسلسل فتوحات نے بہت سے شہروں اور قصبوں کو اُن کے زیر نگین کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ طنجہ تک پہونچ گئے، جو بربر کا دارالسلطنت تھا؛ اس کو بھی محاصرہ کر کے فتح کر لیا۔ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے یہ شہر فتح نہ ہوا تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ فتح ہو چکا تھا، مگر بربریوں نے پھر چھین لیا تھا۔ غرض وہاں کے تمام باشندے مسلمان ہو گئے، اور وہ قیروان میں شامل کر دیا گیا۔ فوج مظفر نے اُن شہروں کا رُخ کیا جو ساحل بحر پر واقع

تھے اور شاہ اندلس کے عمال اُن پر حکمرانی کرتے تھے۔ ان شہروں کا دارالحکومت سبتہ تھا۔ یہیں یلیان نامی ایک حاکم رہتا تھا۔ موسیٰ نے اُس سے جنگ چھیڑ دی، اور اُس نے بھی ایسی قوت و شجاعت سے مقابلہ کیا کہ موسیٰ اُس کو زیر نہ کر سکے اور طنجہ واپس آ گئے اور یہاں سے گرد و نواح تاخت و تاراج کرتے اور فوج اندلس کو تنگ کرتے رہے اور میرہ پر برابر جہاز آتے جاتے رہے اندلس کا بادشاہ غیطشہ بھی اُن کو برابر کمک پر کمک بھیجتا رہا۔ چونکہ یہ بادشاہ نہایت ہر دل عزیز تھا اُس کی فوج اُس کی حمایت میں جی توڑ کر لڑتی رہی۔ یہاں تک کہ غیطشہ شاہ اندلس، مر گیا۔ اُس کی اولاد کو رعایا نے بادشاہ بنانا منظور نہ کیا۔ اور اندلس میں ایک طرح کا اضطراب پھیلا رہا۔ آخر لوگوں نے اپنے میں سے ایک بڑے آدمی لذریق نامی کو بادشاہ منتخب کر لیا۔ یہ شخص ایک تجربہ کار شجاع سپاہی تھا مگر وہ خاندانِ شاہی میں سے نہ تھا بلکہ اُن کا سپہ سالار یا جرنل تھا، لوگوں نے اپنا ملک اس ہی کے سپرد کر دیا۔ اُس زمانہ میں اندلس کا دارالسلطنت طلیطلہ تھا۔ یہاں ایک مکان مقفل تھا جس پر بہت سے قفل لگے ہوئے تھے، اور قوم قوط کے چند ثقہ لوگ بطور محافظ مقرر تھے کہ اُس مقفل مکان کو کھولنے نہ دیتے تھے، اور ایک دوسرے سے اس باب میں عہد لیتے تھے، اور جو بادشاہ تخت پر بیٹھتا اُس سے ایک قفل لے کر اُس مکان میں لگا دیا جاتا اور پہلے قفل نہ کھولے جاتے۔ جب لذریق جو بڑا بیدار مغز تھا، تخت پر بیٹھا تو اُس کے پاس بھی یہ پاسبان قفل لینے کے لئے آئے۔ لذریق نے اُن سے کہا کہ جب تک میں اس مکان کو کھول کر نہ دیکھ لوں قفل نہ لگاؤں گا۔ اُنھوں نے کہا کہ تم سے پہلے جتنے بادشاہ ہوئے ہیں کسی نے ایسا نہیں کیا اور وہ ہمیشہ اس مکان کے کھولنے سے باز رہے ہیں اُنھوں نے ہزار منع کیا۔ مگر بادشاہ نے ایک نہ سُنا اور اُس مکان کو کھولنے کے لئے گیا رعایا نے اس کو بہت بُرا سمجھا اور اکابرِ سلطنت نے بہت کچھ سمجھایا، مگر لذریق یہ سمجھا کہ اس مکان میں مال جمع ہے، باز نہ رہا۔ قفل کھولے گئے، بادشاہ اندر داخل ہوا، مگر سارے

مکان میں سوائے ایک صندوق کے اور کچھ نہ تھا۔ اس صندوق میں بھی قفل لگا ہوا تھا یہ سمجھکر کہ شاید اس میں سے کوئی ایسی چیز نکلے کہ جس سے مال کا پتہ مل سکے، اس کو کھولا گیا تو اس میں بھی سوائے ایک شقہ کے اور کچھ نہ تھا اس کاغذ پر اہل عرب کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اُن کے سروں پر عمامے تھے اور رانِ کے نیچے عربی گھوڑے۔ یہ لوگ تلواریں باندھے ہوئے کندھوں پر کمانیں رکھے، نیزے بلند کئے ہوئے تھے۔ اور صندوق کے اوپر عجمی زبان کی چند سطروں میں لکھا ہوا تھا کہ "جب اس مکان کے قفل توڑے جائیں گے اور یہ صندوق کھولا جائیگا تو وہ لوگ ظاہر ہونگے جن کی تصویریں اس کاغذ پر بنی ہوئی ہیں، اور یہ لوگ اندلس پر غالب ہوکر اس کے مالک ہو جائینگے"۔ لذریق غم و غصہ سے خاموش ہوگیا اور اپنے کئے پر پچھتایا۔ نہ صرف اُسی کو بلکہ تمام قوم کو اس فعل کا رنج ہوا۔ چلتے ہوئے اُس نے قفل پھر لگا دیئے اور اُن پاسبانوں کو پھر مقرر کردینے کا حکم دیا۔ اور امور سلطنت میں مشغول ہوکر اس تمام واقعہ کو بھول گیا۔

اندلس میں ایک یہ رسم چلی آتی تھی کہ اکابر سلطنت اپنی اولاد کو پرورش و تربیت کے لئے دارالسلطنت بھیجدیا کرتے تھے۔ تاکہ بادشاہ کی خدمت میں رہکر ادب سیکھیں، اور مراعات شاہی سے بھی سرفراز ہوں جب یہ لوگ بالغ ہو جاتے تھے تو آپس میں ان کی شادیاں کردی جاتی تھیں، تاکہ اُن کے آباء کے درمیان محبت و موافقت رہے۔ لڑکیوں کا جہیز اُن کے شوہروں کے پاس پہونچا دیا جاتا تھا۔ لذریق کی طرف سے سبتہ کا جو عامل یلیان نامی تھا، اُس کو بھی اس رسم کی پابندی میں اپنی بیٹی کو خاندان شاہی میں بھیجنا پڑا۔ یہ لڑکی بہت ہی حسین تھی۔ لذریق کی جب اُس پر نظر پڑی تو فریفتہ ہوگیا۔ اور ضبط نہ کرسکا۔ اور اُس پر دست درازی کرکے اُس کا ازالہ بکارت کردیا۔ لڑکی نے کسی حیلہ سے خفیہ طور پر اپنے باپ کو اس واقعہ کی خبر دیدی۔ اُس کو سخت غیرت آئی مگر وہ چھپائے رہا۔ اور اپنے دل میں کہا کہ قسم ہے دین مسیح کی کہ میں اس

شخص کا ملک و سلطنت خراب کرکے رہونگا، اور اُس کے پیروں کے نیچے ایسا گڑھا کھودونگا کہ وہ وہیں گڑ کر رہ جائے۔ یہی یلیان اپنی بیٹی کی بدسلوکی کی وجہ سے فتح اندلس کا باعث ہوا تھا۔ کیونکہ خداے تعالیٰ کی قضا و قدر میں یہ قرار پاچکا تھا۔

غرض یلیان سخت سردیوں میں سبتہ سے بحر زقاق کی راہ سے کشتی پر سوار ہوکر اندلس پہونچا۔ اور طلیطلہ جاکر بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ لذریق کو ایسی سردی میں اُس کے آنے سے تعجب ہوا۔ اُس سے اُس کے علاقے کے حالات دریافت کئے۔ اُس نے خیریت بیان کرکے کہا کہ "میری بیوی اپنی بیٹی سے ملنے کے لئے بہت بیچین ہی۔ اور چونکہ بیمار ہی اس لئے اُس نے بعجز و الحاح درخواست کی ہی کہ اس لڑکی کو اُس سے ملنے کی اجازت دیدی جائے"۔ بادشاہ نے یلیان کا اصرار دیکھکر لڑکی کو اجازت دیدی۔ اور اُس سے تاکید کردی کہ اُس راز کو کسی نہ کہے۔ یلیان پر بھی اُس نے بہت مراحم خسروانہ کئے۔ کہتے ہیں کہ جب اُس نے یلیان کو رخصت کیا تو اُس سے کہا کہ وہاں جاکر کچھ باز بھیج دینا۔ یلیان نے کہا کہ قسم ہی مسیح کی کہ "اگر میں زندہ رہا تو ایسی باز بھیجوں گا کہ آپ نے کبھی نہ دیکھے ہونگے"۔ اُس کا مقصود ان بے نظیر بازوں سے اہل عرب تھے۔ چونکہ بادشاہ کو اب تک یلیان پر کوئی شبہہ نہ تھا اس لئے وہ اس کا مطلب نہیں سمجھا۔

یلیان نے سبتہ پہونچتے ہی موسیٰ بن نصیر کے پاس جانے کی تیاری کردی، اور افریقیہ جاکر اُس سے اندلس پر حملہ کرنے کی بابت گفتگو کی۔ اُس نے اندلس کی خوبیاں اور فضیلتیں، طرح طرح کے منافع اور مفید چیزوں کی زراعت کی زیادتی، میووں کی بہتات، دریاؤں کی کثرت، پانی کی شیرینی کی تعریفیں کیں، اور وہاں کے باشندوں کا کچا چٹھا بیان کیا۔ اور یہ بتلایا کہ وہاں کی رعایا بزدل ہی اور اسباب معیشت کی تنگی ہی۔ غرض اُس نے موسیٰ کو اُس ملک کا مشتاق کردیا۔ لیکن وہ اس معاملہ میں احتیاط عمل میں لائے۔ اور پہلے اس کا اطمینان کیا کہ کہیں یلیان مسلمانوں کی طرف سے انحراف نہ کرجائے۔ یلیان نے

اپنے آدمیوں کی ایک جمعیت تیار کی، اور اُن کو دو جہازوں میں سوار کیا، جو جزیرۃ الخضراء پر جا اُترے، اور چند روز وہاں ٹھیر کر، جدال و قتال کے بعد، مال غنیمت اور قیدی اپنے ساتھ لے کر بسلامت واپس آ گئے۔ اس کی خبر مسلمانوں کو پہونچی تو اُن کو بلیان پر اطمینان ہو گیا۔ یہ واقعہ ۹۰ھ ہجری کے بعد کا ہے۔ موسیٰ بن نصیر نے امیر المومنین ولید بن عبدالملک کو یہ اطلاع دے کر کہ بلیان اُن کو فتح اندلس پر مائل کر رہا ہے؛ حملہ کی اجازت مانگی۔ امیر المومنین نے جواباً لکھا کہ لوگوں سے حالات دریافت کر کے بارگاہِ خلافت میں اطلاع دی جائے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ مسلمانوں کو ایک بحر ذخار کے خطرہ میں نہ ڈالا جائے۔ موسیٰ نے لکھا کہ یہ دریا بحر ذخار نہیں ہے بلکہ ایک چھوٹی سی آبنائے ہے کہ جس کا دوسرا کنارہ نظر آتا ہے۔ غرض امیر المومنین کی طرف سے اجازت آ گئی تو موسیٰ نے اپنے بربری غلاموں میں سے ایک شخص طریف نامی کو، جس کی کنیت ابو زرعہ تھی، چار سو آدمی، جن میں ایک سو سوار تھے، چار جہازوں میں بٹھا کر اندلس کی طرف روانہ کئے۔ یہ فوج جزیرۃ الخضرا میں اُتری، جو اُس زمانہ میں بندر تھا۔ بوجہ طریف کے اُترنے کے آج کل جزیرہ طریف کہلاتا ہے۔ طریف چند روز اپنے اور ساتھیوں کے انتظار میں وہاں ٹھیرا، اور جب سب لوگ آ گئے تو جزیرہ پر حملہ کر دیا گیا۔ اس حملہ میں ایسے مضبوط اور خوبصورت قیدی ہاتھ آئے کہ جن کا مثل موسیٰ یا اُن کے دوستوں نے پہلے نہ دیکھا تھا علیٰ ہذا القیاس مال کی بھی یہی کیفیت تھی۔ یہ واقعہ رمضان ۹۱ھ ہجری کا ہے۔ جب لوگوں نے وہاں کی کامیابی دیکھی تو پے درپے وہاں پہونچ گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طریف کے ساتھ ہزار جوان تھے اس نے بہت سا مال غنیمت اور قیدی وہاں سے حاصل کئے۔ اس کے بعد ابو زرعہ، جو بربر کا ایک شیخ تھا ہزار آدمی لے کر وہاں پہونچا (یہ ابو زرعہ طریف نہ تھا بلکہ ایک دوسرا شخص تھا) جزیرہ کے لوگ یہ دیکھکر اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ عام لوگوں کو اس شخص نے جلوا دیا اور ایک کنیسہ کو، جس کی یہ لوگ بہت تعظیم کرتے تھے، آگ لگوا دی۔ یہ لوگ

تھوڑے سے قیدی اپنے ساتھ لے کر واپس چلے آئے۔ رازی کہتے ہیں کہ یہ شخص ابو زرعہ طریف بن مالک المعافری تھا جس کی کنیت طریق تھی۔ غرض کہ ان واقعات کے بعد یلیان نے آکر موسیٰ بن نُصیر سے اہل اندلس پر حملہ کرنے کی تحریک کی، اور جو کچھ خود اُس کو، نیز طریف اور ابو زرعہ کو جو واقعات پیش آئے اور دیگر حالات بیان کئے۔ موسیٰ ابن نُصیر نے اس پر خدائے تعالیٰ کا شکر کیا اور از سر نو اندلس پر حملہ کا عزم کرکے اپنے غلام اور مقدمۃ الجیش طارق بن زیاد بن عبداللہ کو بلایا۔ اس شخص کی اصلیت میں اختلاف ہے۔ بعض اس کو فارسی الاصل ہمدان کا رہنے والا بتلاتے ہیں۔ بعض اس کو قبیلہ صدف کا کہتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ موسیٰ بن نُصیر کے غلام نہ تھے۔ اور بعض غلام ہی بتلاتے ہیں۔ مگر ان کی کچھ اولاد جو اندلس میں تھی وہ موسیٰ ولا رہنے سخت انکار کرتی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ قبیلہ نفزہ کے بربری تھے۔ غرض موسیٰ نے اُن کو سات ہزار مسلمانوں کی جمعیت پر سپہ سالار مقرر کیا جن میں زیادہ تر بربری اور غلام تھے۔ عرب بہت قلیل تھے۔ یلیان کو بھی اُس کے ساتھ کردیا۔ اُسی نے چار جہاز بہم پہونچائے۔ ان میں سوار ہو کر بروز شنبہ شعبان (مطابق ماہ اگست) ۹۲ سنہ ہجری یہ فوج جبل طارق پر جا اُتری۔ یہ پہاڑ اُن ہی کی طرف منسوب ہوگیا۔ یہ جہاز واپس جاکر بقیہ فوج کو لے آئے۔ یہاں تک کہ تمام فوج اُس پہاڑ پر پہونچ گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طارق اپنے پہاڑ پر بروز دوشنبہ ۵ رجب ۹۲ سنہ ہجری چھ کم بارہ ہزار فوج بربریوں کی لے کر اُترے تھے۔ ان میں عرب بہت ہی کم تھے۔ یہاں سے یلیان نے اس فوج کو تاجروں کے جہازوں میں سوار کرکے اندلس کے ساحل پر اس طرح پہونچا دیا کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ طارق سب سے آخری جہاز میں وہاں پہونچے۔

کہتے ہیں کہ اُن کو جزیرہ کی رہنے والی ایک عورت ملی۔ اُس نے باتوں ہی باتوں میں کہا کہ میرا شوہر آئندہ واقعات کا عالم تھا، وہ لوگوں سے ایک امیر کا ذکر کیا کرتا

تھا کہ جو اُن کے ملک میں داخل ہونے اور غلبہ پانے والا ہی۔ میرا شوہر اُس کا یہ حلیہ بتلایا کرتا تھا کہ وہ موٹے سر والا آدمی ہوگا، چنانچہ تم بھی ویسے ہی ہو۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اُس کے بائیں شانہ پر ایک مسّہ ہوگا، اور اُس پر بال ہونگے، اگر تمھارے بھی شانے پر مسّہ ہو تو تم وہی شخص ہو"۔ طارق نے اپنا کپڑا اُٹھا کر دکھلایا تو اُن کے شانہ پر بھی مسّہ نکلا۔ یہ معلوم کرکے اُنھوں نے خود اور ان کے ساتھیوں نے نیک فال لی۔

کہتے ہیں کہ طارق جہاز میں سو رہے تھے کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور چاروں خلفائے راشدین، رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خواب میں دیکھا۔ کہ پانی پر تشریف لئے آتے ہیں۔ جب اُن کے پاس سے گزرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کی بشارت دی اور فرمایا کہ مسلمانوں کے ساتھ نرمی کرنا، اور جو عہد کرو اُس کو وفا کرنا یہ بھی کہا گیا ہی کہ جب وہ جہاز پر سوار ہوئے تو اُن کی آنکھ لگ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مہاجر و انصار (رضی اللہ عنہم اجمعین) آپ کے گرد ہیں اور سب صاحب تلواریں حمائل کئے اور کمانیں کندھے پر لگائے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طارق سے فرمایا کہ اپنے کام کے لئے بڑھو۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طارق اور اپنے صحابہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کی طرف دیکھا تو سب لوگ اندلس پھونچے ہوئے تھے۔ طارق بہت ہی خوش خوش جاگے اور اپنے ساتھیوں کو اپنے خواب کی بشارت دی۔ سب کے دل اس سے بڑھ گئے، اور اُن کو اپنی فتح و ظفر میں کسی طرح کا شک نہیں رہا۔

غرض وہ شہر سے میدان میں حملہ کے لئے نکل آئے۔ کہتے ہیں کہ لذریق کو اہل عرب کے ساحل پر اژدحام کرنے، اور متواتر جزیرہ پر قتل و غارت کرنے کی خبر پھونچی، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یلیان ہی اس کا باعث ہوا ہی۔ لذریق اُن دنوں بنبلونہ پر ایک صعب وجہ

سے، فوج لے کر نبلونہ گیا ہوا تھا۔ لیکن اس نے مسلمانوں کے مقابلہ کو زیادہ اہم سمجھا، اور اپنی تمام جمعیت کو لے کر بلیغار شہر قرطبہ میں پہونچا۔ اور قصر لذریق میں آکر ٹھیرا۔ یہ قصر لذریق کی طرف منسوب تھا۔ وجہ نسبت یہ نہ تھی کہ اُس نے اُس کا نقشہ، یا اُس کی عمارت بنائی تھی۔ بلکہ یہ قصر اُس سے پہلے کسی بادشاہ نے بنایا تھا، جب کبھی وہ یا اُس کے جانشین یہاں آتے تھے تو اسی قصر میں ٹھیرتے تھے۔ مگر جب اہل عرب نے غلبہ پایا تو اُنھوں نے یہ دیکھکر کہ لذریق وہاں ٹھیرا کرتا تھا۔ اس قصر کو اُسی کی طرف منسوب کر دیا؛ کیونکہ اُس وقت تک اُن کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس کو کس نے بنایا ہے۔ اندلس کے باشندوں کا خیال ہے کہ جس بادشاہ نے اس کو بنایا تھا وہ ایک مُدوّر قلعے میں رہتا تھا، جو قرطبہ کے اسفل میں واقع تھا۔ ایک مرتبہ یہ بادشاہ شکار کے لئے نکلا تو اُس مقام پر پھونچا کہ جہاں قرطبہ آباد ہے اُس زمانہ میں وہاں آبادی نہ تھی۔ جس جگہ یہ قصر تھا وہاں ایک گھنا سرسبز جنگل تھا بادشاہ نے اُسے کٹوایا تو نیچے سے ایک بہت بڑے قصر کی بنیادیں نکلیں۔ چونکہ صاحب ہمت بادشاہ تھا، اس نے حکم دیا کہ ہر طرف سے کھودا جائے اور طول وعرض میں بنیادیں پوری نکالی جائیں۔ معلوم ہوا کہ بنیادیں اتنی گہری ہیں کہ پانی تک پھونچی ہوئی ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ عمارت کے آثار بہت ہی اچھے ہیں، اور میں اس پر از سر نو عمارت بنانے کے لئے اولیٰ ہوں۔ چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ تمام مکان اپنی اصلی حالت پر بنا دیا جائے۔ جب یہ بن گیا تو اپنی آمد و برآمد کے موقعہ پر وہ یہیں ٹھیرتا رہا۔ قرطبہ کے بنیاد کا یہی سبب ہو گیا اور لوگ یہاں آباد ہو گئے۔ اس بادشاہ کے مرنے کے بعد اور بادشاہوں کا بھی یہی دستور رہا۔ لذریق نے بھی جب عرب پر لشکر کشی کی تو یہیں آکر ٹھیرا تھا اور اُس کی جمعیت بھی یہیں جمع ہوئی تھی یہیں سے وہ عربوں کی جمعیت کثیر کے مقابلہ کے لئے شذونہ کو روانہ ہوا

کہتے ہیں کہ اہل عرب کے آنے سے پہلے اندلس کا آخری بادشاہ غیطشہ تھا وہ تین چھوٹے چھوٹے بیٹے چھوڑ کر مرا۔ ان کے باپ کی سلطنت کو ان کی ماں نے طلیطلہ میں

سنبھال لیا۔ لیکن لذریق جو ان کے باپ کی فوج کا افسر تھا بگڑ گیا۔ اور اپنے حمایتیوں کے ساتھ مل کر قرطبہ میں طرح سلطنت ڈال دی۔ جب طارق نے حملہ کیا ہے تو لذریق اندلس کی تمام فوج جمع کر کے اُس کے مقابلہ کے لئے بڑھا، اور غیطشہ کی اولاد سے بھی اس معاملہ میں خط و کتابت کی۔ تمام ملک میں ایک شور برپا ہوگیا، اور فوجیں نقل و حرکت کرنے لگیں۔ لوگوں نے رعایا کو اس پر آمادہ کیا کہ لذریق کے ساتھ ہو کر اہل عرب سے مقابلہ کریں اس موقعہ پر گھروں میں بیٹھ رہنے کے نتیجہ سے ڈرایا، اور یہ سمجھایا کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے سب کو یک دل ہو جانا چاہیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گروہا گروہ نے قرطبہ پہونچ کر، شہر شقندہ کے نواح میں، دریا کے کنارے قصر کے مقابل ڈیرے ڈال دیئے۔ لیکن چونکہ لذریق پر اطمینان نہ تھا اس واسطے تمام جمعیت اُس وقت تک اُس کے ساتھ نہوئی کہ جب تک وہ روانہ نہ ہوگیا پھر بھی ہر وقت خائف رہتے تھے کہ کہیں اُن کو کسی اندھے کنوے ہی میں نہ ڈھکیل دے خدا جانے کہاں تک صحیح ہے؛ مگر کہا جاتا ہے کہ قوط کا سارا ملک لذریق کے ساتھ ہوگیا۔ اس شخص کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ کوئی اس کو رذریق کہتا ہے اور کوئی لذریق مگر آخری نام ہی زیادہ مشہور رہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُس کی اصلیت اصفہان سے تھی اور اس کا نام بھی اشبان تھا۔ واللہ اعلم

کہتے ہیں کہ لذریق کے لشکر میں کم و بیش ایک لاکھ آدمی تھے۔ طارق نے موسیٰ سے کمک مانگتے ہوئے لکھا کہ " اندلس کی فتح کے لئے جزیرہ الخضرا، اور قرب جوار میں بحیرہ تک فتح کرنا فرض ہے۔ نیز یہ کہ لذریق نے اس قدر فوج اُس کے مقابلہ کے لئے تیار کی ہے کہ اس سے قبل کبھی تیار نہ ہوئی ہوگی "۔ جب سے کہ طارق اندلس کی طرف آئے تھے، موسیٰ افریقیہ میں بیٹھے ہوئے کشتیاں بنوا رہے تھے۔ طارق کے خط پہونچتے پہونچتے بہت سی کشتیاں تیار ہو چکی تھیں۔ ان میں بٹھا کر انھوں نے پانچ ہزار مسلمان اور بھیجے ان کو ملا کر طارق کی فوج کی تعداد بارہ ہزار پوری ہوگئی۔ یہ سب لوگ نہایت قوی

تھے اور مال غنیمت اور جنگ کے بہت حریص تھے۔ ان کے ساتھ یلیان بھی بطور مستامن کے ساتھ تھا، جو اُن کو جاسوسی کا کام دیتا تھا، اور راہل ملک کی ڈھکی چھپی باتوں کو بتلاتا جاتا تھا۔ لذریق اپنی تمام فوج، چھوٹے چھوٹے بادشاہوں اور سواروں کو لیکر بڑھا۔ جب اندلس کی تمام فوج یکجا جمع ہوگئی تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ "یہ خبیثہ کا بچہ ہمارے بادشاہ پر غالب ہوچکا ہے، خاندان شاہی سے بھی نہیں ہے، بلکہ ہمارا ہی دست نگر رہ چکا ہے۔ ہم اس کا ساتھ دے کر اپنی ہی تباہی کا باعث نہ بنیں گے۔ باقی رہی قوم عرب، یہ لوگ یوں ہی چلتے پھرتے یہاں آگئے ہیں، ان کو ہمارے ملک میں رہ پڑنے کی حاجت نہیں ہے۔ ان کی مراد صرف یہ ہے کہ یہاں کے مال غنیمت سے اپنے ہاتھ رنگ کر چل دیں جب اہل عرب سے مقابلہ ہو تو پہلے اس ابن خبیثہ کو شکست دلوادیں، اور جب یہ لوگ یہاں سے چلے جائیں تو کسی مستحق شخص کو بادشاہ بنالیں گے۔" اس پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ قضاء الٰہی تو مبرم ہوتی ہی ہے۔ لذریق نے غیطشہ کے ایک بیٹے کو میمنہ کی فوج پر مقرر کیا تھا اور دوسرے کو میسرہ پر۔ ان ہی دونوں حصوں نے شکست کھائی، کیونکہ سرکردگا کی خواہش ہی یہ تھی کہ وہ کسی طرح اپنے باپ کے ملک پر پھر قابض ہوجائیں۔

کہا جاتا ہے کہ جب دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو غیطشہ کی اولاد لذریق سے غدر کرنے پر تُل ہی چکی تھی، چنانچہ اُنہوں نے طارق سے کہلا بھیجا کہ لذریق اُن کے باپ کا تابع اور خادم تھا، اور اُس کے مرنے کے بعد ملک دبا بیٹھا ہے، مگر ہم اپنا حق اُس کے پاس چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ اس لئے جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوگا تو ہم تمھارے ساتھ آملیں گے۔ بشرطیکہ فتح کے بعد اُن کے باپ کی تمام جاگیریں، جو اندلس میں ہیں اُن کو واپس دے دی جائیں (یہ جاگیریں نہایت نفیس تھیں اور ان کی تعداد تین ہزار تھی۔ یہی جاگیریں بعد میں "صفایا الملوک" کہلائیں)

طارق نے اس کو منظور کرلیا۔ اور دونوں کا اس پر معاہدہ ہوگیا۔ دوسرے روز

وادی لکہ، واقع شذونہ میں، یہ جنگ ہوئی تو غیطشہ کی اولاد طارق سے آملی۔ یہی فتح کی قوی وجہ تھی۔ خدائے تعالیٰ نے غاصب لذریق اور اُس کی فوجوں کو ہزیمت دی، اور مسلمانوں کو نصرت۔ لذریق زخموں کی شدت سے، وہیں کہیں وادی لکہ میں، ایسا غائب ہوا کہ نہ اُس کی خبر ملی نہ وہ خود۔

کہتے ہیں کہ طارق مع اپنی فوج کے لذریق کی فوج کے پاس منسلخ میں رمضان ۹۲ھ کو اُترے تھے۔ لذریق نے اپنا ایک آدمی جس کی بہادری پر اس کو اطمینان تھا، طارق کی فوج کی خبر لانے کے لئے بھیجا تاکہ وہ دشمن کی فوج کا اندازہ لگائے اور بچشم خود لوگوں کی صورتوں اور گھوڑوں کو دیکھ آئے۔ جب وہ لشکر کے قریب پہونچا تو اُس نے مسلمانوں کو بغور دیکھا۔ مسلمان اُس پر پل پڑے اور اس شخص کو بھاگنا پڑا۔ اور اُس نے لذریق سے بیان کیا کہ "تیرے اوپر وہی لوگ حملہ آور ہوئے ہیں کہ جو تجھکو صندوق میں دکھلائے گئے ہیں بہتر یہ ہی کہ تم سب اپنی جان لے کر بھاگ جاؤ؛ کیونکہ یہ لوگ یا تو مرینگے یا جو زمین تیرے قدم کے نیچے ہی اُس پر بھی وہ قبضہ کرکے رہیں گے۔ اُنھوں نے اس خیال سے کہ وہ واپس جانے سے مایوس ہوجائیں، اپنے جہاز تک جلادیے ہیں؛ اور باستقلال وہ اس زمین میں صف آرا ہوگئے ہیں، کیونکہ اُن کے لئے ہماری سرزمین پر کوئی مقام ایسا نہیں ہی کہ جہاں بھاگ کر جاسکیں"؛ یہ سُن کر لذریق پر رعب پڑا، اور اُس کا فکر اور بھی بڑھ گیا۔ آخر دونوں لشکر بحیرہ میں ایک دوسرے سے مقابل ہوئے اور گھمسان کی لڑائی ہوئی یہاں تک کہ میمنہ اور میسرہ نے، جن پر کہ غیطشہ کے دونوں بیٹے متعین تھے، شکست کھائی۔ البتہ قلب اُن کے بعد تھوڑے دیر کے لئے قائم رہا کیونکہ اس حصہ فوج کا سپہ سالار خود لذریق تھا لیکن آخر اُس کی فوج نے بھی غدر کیا، اور اُس کو بھی ہزیمت ہوئی۔ لذریق سب سے آگے آگے بھاگا اور مسلمانوں نے اُس کا تعاقب کیا۔ لذریق ایسا غائب ہوا کہ اُس کا کہیں پتہ سوا اس کے نہ لگا کہ مسلمانوں نے اُس کا وہ سمند گھوڑا، جس پر وہ سوار تھا اور جس پر وہ طلائی

زین، مکمل بیاقوت و زبرجد کسا ہوا تھا، اور نیز اُس کا ایک جوتا، جو سونے کا تھا، اور جس پر موتی، یاقوت، اور زبرجد جڑے ہوئے تھے، دیکھا تھا معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑا کہیں دلدل میں پھونچ گیا۔ جوتہ تو باہر رہ گیا اور سوار غرق ہوگیا۔ غرض لذریق نہ زندہ ملا نہ اُس کی لاش۔ خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اُس کا کیا انجام ہوا۔

رازی نے لکھا ہے کہ رمضان شریف ختم ہونے میں دو راتیں باقی تھیں کہ بروز یکشنبہ جنگ شروع ہوئی اور یکشنبہ آیندہ ۵ شوال تک جاری رہی۔ آخر خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین پر فتح عطا فرمائی اور اُن میں سے ایک خلقت عظیم قتل ہوگئی۔ اُن کی ہڈیاں ایک زمانۂ طویل تک اُس میدان میں پڑی رہیں۔ ہزیمت اعدا کے بعد مسلمانوں نے میدان جنگ کو پرتالا۔ اُنھوں نے دشمنوں کے مقتول بڑے آدمیوں اور بادشاہوں کو اس طرح پہچانا کہ وہ لوگ سونے کی انگوٹھیاں پہنے ہوئے تھے، متوسط الحال چاندی کی اور غلام تانبے کی۔ طارق نے تمام مال غنیمت جمع کرایا، اور اُس کو علاوہ غلاموں اور عام خدمتیوں کے نو ہزار مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ لوگوں نے جب طارق کی فتح اور اندلس کے مال غنیمت کا حال سُنا تو ہر طرف کے لوگ دریائی منازل قطع کر کے طارق کے پاس آگئے۔ اس عرصہ میں اہل اندلس قلعوں میں پھونچ گئے۔ اور میدانوں سے بھاگ کر پہاڑوں پر چلے گئے تھے طارق آگے بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ شدونہ جا پھونچا۔ ان لوگوں نے مقابلہ کیا تو طارق نے اُن کا محاصرہ کر کے ٹھکا مارا، اور سخت نقصان پھونچایا اور آخر اس کو فتح کر کے چھوڑا اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ وہاں سے یہ فاتح فوج مدور گئی، پھر قرمونہ۔ اور وہاں سے اُس چشمہ سے گزری جو طارق ہی کی طرف منسوب ہے۔ پھر اشبیلیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں کے لوگوں نے جزیہ دینے کی شرط پر مصالحت کرلی۔ پھر اہل استجہ میدان میں اوترے، جو صاحب قوت لوگ تھے۔ لذریق کا لوٹا پھوٹا لشکر بھی ان ہی کے ساتھ تھا۔ یہ لوگ خوب جان توڑ کر لڑے۔ اس میں مسلمان بہت شہید اور زخمی ہوئے

آخر خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کی نصرت فرمائی، اور دشمنوں کو شکست و ہزیمت۔ اس جنگ کے بعد مسلمانوں کو ایسی سخت محاربے کہیں سابقہ نہیں پڑا۔ ہر جگہ خدائے تعالیٰ نے طارق ہی کو فتح و ظفر عطا فرمائی۔ ان لوگوں کا سرکردہ گو مغرور شخص تھا، مگر صاحب تدبیر نہ تھا وہ کسی ضرورت کے لئے تنہا دریا پر آیا اور اتفاق سے وہیں طارق سے دوچار ہو گیا گو طارق اُس کو نہ جانتے تھے مگر اُنہوں نے وہیں پانی میں اُس کو دبوچ لیا، اور پکڑ کر اپنی چھاونی میں لے آئے۔ یہاں پہونچکر اُس نے اعتراف کرلیا میں اس شہر کا امیر ہوں طارق نے اپنی مرضی کے موافق شرائط پر اُس سے صلح کرلی، اور جزیہ لے کر اُس کو چھوڑ دیا۔ اس شخص نے آخر وقت تک اپنے عہد کو نباہ دیا۔

خدائے تعالیٰ نے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا تھا۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ طارق ہر جگہ پہونچنے والا ہے۔ اور مال غنیمت حاصل کرنے پر راغب ہے آبادیوں میں ہر چیز کو اپنی حالت پر چھوڑ کر دُور دُور گھاٹیوں میں چلے گئے۔ جو لوگ کہ صاحب قوت تھے وہ اپنے دار المملکت طلیطلہ کو چلے گئے۔ کہتے ہیں کہ طارق نے نصارائے اندلس کے دلوں میں رعب ڈالنے کی ایک یہ ترکیب کی تھی کہ قیدیوں کے سامنے، اپنے آدمیوں سے، انسان کے گوشت کی تفصیل بیان کرایا کرتا اور مقتولین کے گوشت کو ہانڈی میں ڈلواکر اُن کے سامنے پکواتا! کہ قیدیوں کو معلوم ہو کہ یہ لوگ آدمیوں کا گوشت کھاجاتے ہیں جو قیدی کہ یہاں سے چھوٹ کر جاتے وہ اپنے ہم قوموں سے اس کا تذکرہ کرتے تو اُن کے دلوں پر بھی رعب طاری ہوجاتا۔ اور جدہر طارق کو آتا سُنتے وہاں سے سر پر پیر رکھ کر بھاگ جاتے۔

کہتے ہیں کہ الیان نے طارق سے کہا کہ تم نصاریٰ کی فوج کو بالکل ہزیمت دے اور اُن کے دلوں میں رعب ڈال چکے۔ اب بہتر ہو کہ تم اپنی فوج کو تمام بلاد میں پھیلاؤ اور خود طلیطلہ میں قیام کرو، اور وہیں سے فوج کی نقل و حرکت کی نگرانی کرو۔

لوگوں کو اپنے کاموں میں لگنے دو۔ چنانچہ طارق نے استجہ سے ہی اپنی فوج کو اِدھر اُدھر کر دیا۔ مغیث رومی کو، جو ولید بن عبدالملک کا غلام تھا، سات سو سوار دے کر قرطبہ بھیجا۔ یہ شہر ملک میں سب سے بڑا تھا۔ تمام مسلمانوں کے پاس نصاری ہی کے گھوڑے تھے، اور کوئی شخص پیادہ نہ تھا۔ دوسرا حصہ فوج مالقہ بھیجا، اور تیسرا غرناطہ کی طرف شہر بیرہ میں۔ اور خود طارق زیادہ تعداد میں فوج لے کر طلیطلہ کے ارادے سے جیان کی طرف گئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قرطبہ پر مغیث نہیں بھیجے گئے تھے۔ بلکہ خود طارق گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ نہر شقندہ کے قریب یہ سب فوج ایک کمین گاہ میں بیٹھ گئی اور کچھ لوگوں کو گرد آوری کے لئے بھیج دیا گیا۔ ان لوگوں نے ایک چرواہے کو پکڑ کر قرطبہ کے حالات دریافت کئے۔ اُس نے بیان کیا کہ وہاں کے بڑے بڑے آدمی طلیطلہ چلے گئے ہیں اور صرف امیر شہر چار سو سواروں کے ساتھ، غربا کی حفاظت کے لئے ٹھیرا ہوا ہے۔ شہر کی چہار دیواری کی نسبت پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ قلعہ بند شہر ہے اور اُس کی دیوار فصیل زمین سے بہت اونچی ہے، مگر ایک جگہ رخنہ بھی ہے۔ اس رخنہ کا حال اُس نے مفصل بیان کیا۔ جب رات کا اندھیرا ہو گیا تو یہ فوج شہر کی طرف بڑھی۔ خدائے تعالیٰ نے بھی اسباب فتح مہیا کر دیئے، کیونکہ خفیف سی بارش شروع ہو گئی جس نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز کو چھپا لیا اور مسلمان آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئے۔ اور رات ہی رات میں نہر قرطبہ کو عبور کر لیا۔ پاسبان بھی فصیل شہر کی حفاظت سے غافل ہو گئے۔ غرض مینھ یا سردی نے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا۔ اہل فوج گھوڑوں سے اُتر کر پیدل ہو گئے اور آسانی سے نہر کو عبور کر لیا۔ نہر اور فصیل شہر کے درمیان میں قریباً تیس درع کا، بلکہ اس سے بھی کم، فاصلہ تھا۔ پہلے انھوں نے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی مگر موقع نہ پایا۔ اس کے بعد انہوں نے اس چرواہے کی طرف رجوع کی، جس نے رخنہ کا پتہ دیا تھا، اُس نے تبلایا کہ یہ رخنہ ذرا بلندی پر واقع ہے اُس کے نیچے انجیر کا ایک درخت تھا، اور اُس کی شاخیں فصیل تک پہونچی ہوئی تھیں مسلمانوں میں

سے ایک بہادر آدمی اس درخت پر چڑھ گیا مغیث نے اپنا عمامہ اُس کو پکڑا دیا۔ اور ایک نے دوسرے کی مدد کر کے بہت سے آدمیوں کو فصیل پر کھینچ لیا مغیث سوار ہو کر دروازہ شہر پر، ایک حصہ فوج کو لے کر جا کھڑے ہوئے، اور اپنے ساتھیوں کو جو فصیل پر چڑھے ہوئے تھے حکم دیا کہ پاسبانوں پر اچانک جا پڑیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور بہت سے پاسبانوں کو مار کر اور دروازوں کے قفل توڑ کر دروازے کھول دیئے مغیث اور اُن کے ساتھی اندر داخل ہو گئے اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے جاسوسوں کے ساتھ محل شاہی کی طرف چلے۔ بادشاہ کو ان لوگوں کا شہر میں داخل ہونا معلوم ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ، جو چار سو تھے، بھاگنے کے ارادے سے ایک کنیسہ میں، جو شہر کے غربی حصہ میں واقع تھا، جا کر دروازے بند کر لئے۔ اس کنیسہ میں زمین کے نیچے نیچے پہاڑ سے پانی آتا تھا۔ اس لئے اُن کو مدافعت کا اچھا موقع مل گیا تھا۔ مگر مغیث شہر اور نواح شہر پر قابض رہے۔ جس شخص کا یہ قول ہے کہ طارق قرطبہ کی فتح کے وقت موجود نہ تھا، اور اس شہر کا فاتح مغیث ہے، کہتا ہے کہ مغیث نے طارق کو فتح کی خبر دی اور خود کنیسہ کا محاصرہ کر لیا، جو تین مہینے تک قائم رہا جس سے محاصرین تنگ آ گئے۔ آخر مغیث نے اپنا ایک حبشی غلام رباح نامی، جو جری شخص تھا، اُس باغ کی طرف بھیجا کہ جو کنیسہ کے اطراف میں تھا کہ شاید وہ کوئی خبر محصورین کی لا سکے۔ مگر اس غلام کی ضعف عقل نے کچھ تکلیف ہی پہونچائی۔ اُس زمانہ میں تمام باغ پھلا ہوا تھا۔ غلام درختوں پر چڑھ کر پھل کھانے لگا۔ اہل کنیسہ نے اُس کو دیکھ پایا اور اُس کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ لیکن چونکہ اس سے پہلے اُن لوگوں نے کسی حبشی کو نہ دیکھا تھا وہ اُس کے رنگ اور ہیئت کذائی کو دیکھ کر ڈرے، اور سب لوگ اُس کے گرد آ کر جمع ہو گئے، اور اُس کی شکل و صورت و رنگ سے تعجب کرنے لگے، اور یہ سمجھا کہ شاید اس شخص نے اپنے بدن پر کچھ رنگ لگا رکھا ہے۔ اُن لوگوں نے اُس کو ننگا کر کے اپنے گھیرے میں لے لیا

ور چشمے کی قنات کے پاس لے جاکر اس کو نہلانا اور اُس کا بدن دھونا شروع کیا
اکہ اس کو اس کی اصلی رنگت میں دیکھیں۔ اُس کو جھانویں سے ایسا ملا کہ خون نکل آیا
بارج نے بمشکل تمام اُن کو سمجھایا کہ میرا رنگ ہی یہ ہے۔ جب اُنھوں نے اُس کا اشارہ
سمجھ لیا تو اُس کو چھوڑا۔ پھر بھی سات روز تک وہ اُن کی قید میں رہا اور وہ برابر اُس کی
محافظت کرتے رہے۔ آخر خدائے تعالیٰ نے اُس کے لئے خلاصی کی تدبیر نکال دی اور
یک رات کو وہ بھاگ کر امیر مغیث کے پاس پہونچ گیا۔ اپنے تمام واقعات بیان کر کے
اُن کے بھی حالات بیان کئے اور چشمہ کا موقع بتلایا اور جہاں سے پانی پہونچتا تھا
وہ سب کچھ ظاہر کیا۔ اُس موقع کی جہاں سے پانی پہونچتا تھا، تلاش کی گئی۔ اور مجرا آب
قطع کر دیا گیا۔ جب کنیسہ میں پانی نہ پہونچا تو محصورین کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ اس
موقعہ پر مغیث نے اُن پر اسلام یا شرط جزیہ پیش کی۔ مگر اُنھوں نے انکار کر دیا۔ مغیث
نے اُن لوگوں کے گرد آگ جلوا دی اور سب کو وہیں بھون کر رکھ دیا (اُس روز سے
یہ کنیسہ "جلے ہوئے لوگوں کا کنیسہ" کہلانے لگا۔ اور نصاریٰ اپنے ہم مذہبوں کے صبر اور
مذہب پر قائم رہنے کی وجہ سے اس کنیسہ کی بہت تعظیم کرنے لگے) لیکن اُن کا امیر برداشت
نہ کر سکا، اور جب اُس کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو خود تن تنہا طلیطلہ کی طرف بھاگ گیا
مگر مغیث کو خبر لگی تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کے پیچھے بھاگے اور قریہ تطلیرہ میں
اُس کو جا لیا۔ وہ مغیث کو دیکھ کر سہم گیا اور اپنے گھوڑے کو تیز کیا مگر گھوڑے نے ٹھوکر
کھائی وہ گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ وہ گردن ٹوٹنے کے بعد اپنی ڈھال پر بیٹھ گیا
اتنے میں مغیث آ پہونچے اور اس کے ہتھیار چھین کر قید کر لیا تاکہ اس کو امیر المومنین
ولید کے پاس بھیجدیں۔ ملوک اندلس میں سے صرف یہی ایک شخص ہے جو گرفتار ہو کر
امیر المومنین کے حضور میں پیش ہوا؛ ورنہ بعض تو مستامن ہو گئے اور بعض جلیقیہ کی
طرف بھاگ گئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بادشاہ کو قید کرنے کے بعد مغیث اہل کنیسہ

کے پاس پہونچے اور سب کی گردنیں ماردیں۔ اسی وجہ سے یہ کنیسہ قیدیوں کا کنیسہ "
کہلانے لگا۔ مغیث نے قرطبہ کے یہودیوں کو جمع کر کے شہر میں آباد کر دیا۔ ان لوگوں کو
نصاریٰ کے ساتھ عداوت تھی۔ قصر اپنے رہنے کے لئے انتخاب کیا اور باقی حصہ شہر میں
اپنے ساتھیوں کو بسا دیا۔

جو لوگ کہ مالقہ کی فتح کے لئے گئے تھے انھوں نے اُس کو فتح کر لیا۔ اور وہاں کے
باشندوں نے دشوار گزار پہاڑوں میں پناہ لی۔ پھر یہ فوج اُس فوج کے ساتھ جا ملی جو
بیرہ کی فتح کے لئے بھیجی گئی تھی۔ اس فوج نے غرناطہ کا محاصرہ کیا اور اُس کو فتح کر لیا
مسلمانوں نے اپنا یہ دستور کر لیا تھا کہ جو شہر فتح کرتے اُس میں یہودیوں کو بلا لیتے اور
تھوڑے سے مسلمان حفاظت کے لئے وہاں چھوڑ دیتے، اور بڑے بڑے آدمی دوسرے
شہر کے حملہ کے لئے چلے جاتے۔ اگر یہودی نہ ملتے تو مسلمانوں کی تعداد وہاں بڑھا دیتے
تاکہ شہر مفتوحہ کی پوری حفاظت ہو سکے۔ علاقہ ریہ (جس میں مالقہ واقع ہے) کی فتح
میں بھی انھوں نے یہی کیا تھا، اور باقی تمام فوج کو تدمیر بھیج دیا تھا۔ یہ علاقہ وہاں کے
بادشاہ کے نام سے موسوم ہے اس کا صدر مقام اریولہ ہے جو نہایت مضبوط شہر ہے۔ شاہ تدمیر گو
ایک صاحب تدبیر بہادر آدمی تھا، مگر جنگ میں اُس کو سوائے شکست کے اور کچھ نصیب نہ ہوا
تلوار نے اُن کے بہت سے آدمیوں کی صفائی کر دی۔ آخر بادشاہ نے بہت تھوڑے سے
آدمیوں کے ساتھ اریولہ میں پناہ لی۔ اور عورتوں کو حکم دیا کہ اپنے بال کھول لیں، نیزے
سنبھال لیں، اور فصیل شہر پر ہتھیار لگا کر مردوں کی طرح کھڑی ہو جائیں۔ اُن کے سامنے
بقیۃ السیف مردوں کو کھڑا کر دیا جس سے مسلمان اُن کی قوت دیکھ کر دھوکے میں آگئے
اور انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ اُن سے صلح کر لی جائے۔ چنانچہ اُن کو پیغام صلح بھیجا گیا
وہ بھی اس پر مائل نظر آئے اور صلح ہو گئی۔ جب عہدنامہ ہو گیا تو اہل اریولہ نے اپنی
اصلی حالت ظاہر کر کے مسلمانوں سے معذرت کی، اور وفائے عہد کے لئے خوشامد

کر کے اُن کو شہر میں داخل کرلیا۔ فاتحین نے دیکھا کہ وہاں واقعی سوائے عیال و ذریت کے اور کوئی بھی نہ تھا۔ یہ دیکھکر وہ کفار کو امان دینے پر سخت نادم ہوئے، اور اُن کے حیلے کی بڑی تعریف کی، اور اپنے عہد کا ایفا کیا؛ کیونکہ مسلمانوں کی عادت تھی کہ جو عہد وہ کرلیتے تھے اُس پر قائم رہتے تھے۔ غرض علاقہ تدمیر وہاں کے بادشاہ کی خوش تدبیری سے بذریعہ صلح فتح ہوگیا۔ امیر طارق کو فتح کی خبر دی گئی۔ حسب دستور کچھ مسلمانوں کو شہر میں چھوڑ کر سپہ سالار طلیطلہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ جب طارق طلیطلہ دارالسلطنت شاہان قوط، پر پہونچے، تو اُس کو خالی پایا، کیونکہ وہاں کے باشندے ایک اور شہر کی طرف چلے گئے تھے، جو پہاڑ کے پیچھے واقع تھا۔ یہاں بھی یہودی چلے آئے۔ طارق اپنے تھوڑے سے سپاہیوں کو چھوڑ کر اُن لوگوں کے پیچھے روانہ ہوئے کہ جو طلیطلہ سے بھاگ نکلے تھے۔ پتھریلی وادی طے کرکے ایک درّے کے راستے سے پہاڑ پر پہونچ گئے۔ یہ درّہ بھی بعد میں اُن ہی کے نام سے موسوم ہوگیا۔ وہاں سے یہ شہر مائدہ میں گئے جو پہاڑ کے پیچھے واقع تھا۔ یہ جگہ سلیمان بن داؤد (علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) کی طرف منسوب تھی۔ (جن کا مایدہ وہاں تھا) یہ مائدہ زبرجد کا بنا ہوا تھا، اُسی کے پٹی ببیر دے تھے اور اُسی کے پائے۔ پایوں کی تعداد ۳۶۵ تھی۔ طارق نے اس مائدہ کو اپنے پاس باحتیاط رکھ لیا۔ اور پھر اُس شہر کی طرف روانہ ہوئے جس میں پہاڑ کے پیچھے یہ لوگ جاکر قلعہ بند ہوئے تھے۔ یہاں بھی فوج منصور کو بہت زیورات و مال ملا۔

سنہ ۹۳ ہجری میں طارق طلیطلہ کی طرف اس شہر سے آگے نہیں بڑھے۔ یہ بھی کہا جاتا کہ یہاں سے وہ واپس نہیں ہوئے، بلکہ جلیقیہ پر حملہ کیا، اور وہاں سے گزر کر شہر استرقہ تک پہونچ گئے۔ اور اُس نواح پر غلبہ حاصل کرکے طلیطلہ کی طرف واپس آگئے۔

واللہ اعلم۔

کہتے ہیں کہ طارق اپنے آقا موسیٰ ابن نصیر کے بلا اجازت اندلس میں داخل ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

بعضوں نے کہا ہے کہ طارق کو فتح و غلبہ حاصل کرنے، اور موسیٰ ابن نصیر کو اندلس میں آنے میں ایک سال لگا تھا۔

غیطشہ کی اولاد نے جو حقیقت میں باعث فتح تھی، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اور جس کو طارق امان دے چکے تھے، طارق سے پوچھا کہ آیا آپ خود امیر ہیں یا آپ کے اوپر بھی کوئی امیر ہے۔ انھوں نے کہا کہ میرے اوپر بھی ایک امیر ہیں۔ اور اُن کے اوپر ایک اور بڑے امیر ہیں۔ انہوں نے موسیٰ بن نصیر سے افریقیہ میں جاکر ملنے اور اپنی تعرفی کرانے کی اجازت چاہی، اور ایک خط، جس میں اُن کے حالات درج ہوں، اور اُس وعدہ کا ذکر ہو کہ جو اُن سے کیا گیا ہے، مانگا۔ اور یہ لے کر موسیٰ کی طرف روانہ ہوئے، اور جب وہ اندلس آنے کی تیاری کر رہے تھے، ملک بربر میں اُن سے ملے اور اپنے حالات بیان کئے اور اُن کو اُن وعدوں سے واقف کیا جو طارق نے اُن سے کئے تھے۔ موسیٰ نے اُن کو امیر المومنین ولید کے پاس دمشق بھیجدیا، اور بارگاہ خلافت میں طارق کے ساتھ اُن کے حسن سلوک کی اطلاع دیدی۔ جب وہ امیر المومنین کے پاس پہونچے تو اُن کی بڑی عزت ہوئی اور طارق کے عہد کے وفا کرنے کی منظوری عطا کی گئی۔ اور اُن کے باپ کی جاگیرات وغیرہ بحال رکھنے کے علاوہ اُن میں سے ہر ایک کو کچھ انعام و اکرام بھی مرحمت ہوا۔ اور اُن کو ایسا رتبہ دیا کہ اُن کو کسی کی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کے بعد وہ اندلس چلے آئے اور اپنے والد کی تمام جاگیرات کا جائزہ لیا اور پھر تراضی باہمی تقسیم کرلیا۔ بڑے بیٹے المند کے حصے میں ہزار جاگیرات علاقہ غرب اندلس میں آئیں۔ جن کی وجہ سے وہ اپنی جاگیر کے قریب اشبیلیہ میں جا بسا۔ دوسرے بھائی ارطباش کے حصے میں بھی ہزار جاگیرات آئیں۔ چونکہ اُس کا حصہ وسط

اندلس میں واقع تھا اُس لئے اُس نے قرطبہ کی سکونت اختیار کرلی۔ تیسرے بھائی وقلہ کو اتنا ہی حصہ ملا جو شرقی اندلس میں واقع تھا وہ شہر طلیطلہ میں جا رہا۔ صدر دولت عربیہ وہ اسی حال میں رہے۔ مگر جب خلافت امیرالمومنین ہشام بن عبدالملک میں المنذ سب سے بڑا بیٹا مرگیا اور اُس نے اپنے پیچھے اپنی بیٹی سارہ۔ المعروف بہ قوطیہ اور دو چھوٹے چھوٹے بیٹے چھوڑے تو ارطباشس نے اُن کی جاگیرات پر دست درازی کرکے اپنی جاگیرات سے ضم کرلیں۔ المنذ کی بیٹی سارہ نے ایک مضبوط جہاز کرایہ کیا، اور اپنے دونو چھوٹے بھائیوں کو ساتھ لے کر شام کے ارادے سے چل پڑی، اور عسقلان میں جہاز سے اُتر کر امیرالمومنین ہشام کی خدمت میں دمشق پہونچی، اور اپنے چچا کے ظلم و تعدی کی شکایت کرائی، اور ولید بن عبدالملک نے جو عہد اُس کے باپ اور بھائیوں سے کیا تھا اُس کو یاد دلوایا۔ ہشام نے اُس کو اپنی خدمت میں باریاب کیا، اور اُس کی صورت و حزم کو دیکھکر متعجب ہوا۔ اور اپنے عامل افریقیہ حنظلہ ابن صفوان کو اُس کا انصاف کرنے، اور اُس کا حق اُس کے چچا ارطباشس سے لے دینے، اور اُس کو، اور اُس کے بھائیوں کو اُس جاگیر پر، جو اُس کے باپ کی تھی، اور جو انھوں نے بتراضی خود آپس میں تقسیم کرلی تھی، بحال کردینے کے لئے لکھا۔ حنظلہ نے اپنے چچیرے بھائی ابوالخطار کو، جو عامل اندلس تھا لکھہ بھیجا جس نے امیرالمومنین کے احکام کی تعمیل کرادی۔ خلیفہ ہشام نے سارہ کا نکاح عیسیٰ بن فراحم سے کردیا۔ اور دونوں اندلس چلے آئے۔ عیسیٰ اپنی منکوحہ کی جاگیر کو اُس کے چچا ارطباشس کی دست بُرد سے بچاتے رہے۔ اور جاگیرات کا ایسا اچھا انتظام کیا کہ اُس سے بہت فائدہ حاصل ہوا۔ سارہ کے دو لڑکے، ابراہیم و اسحٰق پیدا ہوئے۔ ان دونوں نے اشبیلیہ میں بہت عزت و ریاست و شہرت پائی۔ ان کی نسل سارۃ القوطیہ کی طرف منسوب ہوئی۔ جن دنوں وہ دمشق خلیفہ ہشام کے پاس گئی تھی، تو اُس نے وہاں عبدالرحمن ابن معاویہ کو بھی دیکھا تھا، جو اندلس میں آکر عبدالرحمن داخل کہلایا جب

وہ اندلس کا بادشاہ ہوا تو سارہ اُس سے ملی اور اُس نے اُس کو پہچان لیا، اور اُس کا بہت اعزاز و اکرام کیا؛ اور یہ اجازت دی کہ جب کبھی وہ قرطبہ آئے تو قصر شاہی میں آیا جایا کرے جس سے اُس کے اکرام کی اور بھی تجدید ہو گئی۔ جس سال عبدالرحمن نے اندلس کی سلطنت حاصل کی ہی اُسی سال سارہ کے شوہر عیسیٰ کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ نے اُس کا نکاح ثانی عمیر بن سعید سے کر دیا۔ سارہ، اُس کے باپ المنذر اور اُس کے چچا ارطباش نے صدر دولت عربیہ میں شاہانہ اعزاز کے ساتھ اپنی زندگی بسر کی۔ چنانچہ فقیہ محمد بن عمر بن لبابۃ المالکی نے بیان کیا ہی کہ ایک وزدس شامی رؤساجن میں صمیل ابن الطفیل اور ابو عبدہ وغیرہ تھے آکر ارطباش کے مکان پر گئے۔ اُس نے ان سب کو کرسیوں پر بٹھلایا، اور اُن کی تکریم میں بڑا مبالغہ کیا۔ ان کے پیچھے پیچھے میمون عابد بھی پہنچ گئے یہ بنی حزم کے جد تھے، اور شامیوں میں شمار ہوتے تھے، مگر اپنے زہد و ورع کی وجہ سے اُن سے الگ الگ رہتے تھے۔ جب ارطباش نے اُن کو دیکھا تو تعظیماً کھڑا ہو گیا اور اپنی کرسی، جس پر وہ خود بیٹھتا تھا، اُن کے سامنے کر دی۔ اس کرسی پر چونکہ سونا چڑھا ہوا تھا اس لئے میمون نے اس پر بیٹھنے سے انکار کر دیا، اور زمین پر بیٹھ گئے۔ ارطباش بھی زمین ہی پر بیٹھ گیا۔ اور پوچھا کہ "آپ نے میرے جیسے آدمی کے پاس آنے کی کیوں تکلیف کی ہی؟" میمون نے کہا کہ "تم نے سُنا ہی کہ ہم اس شہر میں بطور فاتح داخل ہوئے ہیں اور اُمید ہی کہ ہم زیادہ عرصہ یہاں نہیں ٹھیر سکیں گے؛ تم کو خدائے تعالیٰ نے وسعت عطا فرمائی ہی، میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی جاگیروں میں سے ایک جاگیر مجھے دے دو، تاکہ میں اُسے اپنے ہاتھ سے آباد کروں اور اُس میں سے تمہارا حق تمھیں دیدوں اور اپنی زندگی کے دن اچھی طرح گزاروں۔" ارطباش نے کہا کہ "میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ کو حصہ دار بناؤں، لیکن آپ کے نام زمین ہبہ کر دوں گا۔" پھر اُس نے اپنے وکیل کو بلا کر حکم دیا کہ وادی شوش میں جو فلاں اراضی ہی، جس میں ہمارے غلام یا جانور وغیرہ

ہیں، اور حیان میں جو اراضی ہے وہ میمون کو دیدی جائے۔ چنانچہ اُسی وقت اُن کے حوالہ کردی گئی۔ قلعہ حزم ان ہی کی طرف منسوب ہے۔ میمون شکریہ ادا کرکے چلے گئے ان کے جانے کے بعد صمیل نے کہا کہ میں آپ کو ایک بھاری بھرکم آدمی سمجھکر آپکے پاس آتا تھا؛ کیونکہ اندلس میں میں اور میرے یہ دوست شرفاء عرب میں سے ہیں۔ ہم سب آپکے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ مگر آپنے اپنی کرامت میں ہم پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔ یہ درویش آتا ہے اور آپکے اکرام سے زیر بار ہوکر چل دیتا ہے"۔ ارطباس نے ان میں سے ہر ایک کو دس دس قطعات عنایت کرکے رخصت کردیا۔ انتہیٰ۔ ملخصاً۔

ابن حیان وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب موسیٰ بن نصیر کو طارق بن زیاد کے فتوحات کی خبر پہنچی تو اُن کو حسد ہوا اور اُنھوں نے اندلس کے ارادہ سے فوج جمع کی اور اپنے ساتھ ایک جماعت بڑے بڑے آدمیوں کی لی۔ کہتے ہیں کہ اُن کے ہمراہیوں کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی، اور بعض کا قول ہے کہ اس سے بھی زیادہ۔ غرض موسیٰ رمضان ۹۳ھ ہجری میں اندلس پہنچے اُنھوں نے اُس پہاڑ کو چھوڑ دیا جس پر طارق اُترے تھے، بلکہ وہ اُس موقعہ پر آکر ٹھیرے جو اس وقت اُن کی طرف منسوب ہو کر جبل موسیٰ کہلاتا ہے۔ جب وہ جزیرۃ الخضراء پہونچے تو کہا کہ میں اُس راستہ سے نہ جاؤں گا جس سے کہ طارق گیا ہے۔ یلیان کے آدمیوں نے جو اُن کے راہبر تھے اُن سے کہا کہ ہم آپ کو ایسے راستہ سے لے چلیں گے جو طارق کے راستہ سے بہتر ہے، اور آپ کو ایسے شہروں پر سے گزاریں گے جو بہت بڑے ہیں اور جن میں مال غنیمت زیادہ ملے گا۔ اور ان کو ان شاء اللہ خدائے تعالیٰ آپکے ہاتھوں فتح کرائے گا"۔ یہ سن کر موسیٰ بہت خوش ہوئے۔ گو اُن کو طارق کی کامیابیوں سے بہت رنج تھا۔ غرض یلیان کے آدمی اُن کو لے کر ساحل شذونہ پر پہونچے اور یہ شہر فتح ہوکر اُن کے قبضہ میں آگیا۔ پھر قرمونہ گئے۔ یہ شہر اندلس بھر میں سب سے زیادہ مضبوط تھا۔ اور محصورین کو جنگ کا اچھا موقع دیتا تھا۔ اس شہر پر اس حیلہ سے قبضہ کیا گیا

کہ پہلے یلیان کے آدمی اس صورت سے شہر میں داخل ہوئے کہ گویا وہ شکست خوردہ آئے ہیں۔ رات کے وقت موسیٰ دروازۂ شہر پر پہونچ گئے، اور ان لوگوں نے اندر سے دروازہ کھول دیا راتوں رات ہی موسیٰ نے اس پر قبضہ کرلیا۔ یہاں سے موسیٰ اشبیلیہ پہونچے اور اُس کا محاصرہ کرلیا۔ یہ شہر اندلس کے بڑے شہروں میں سے تھا۔ اس کی نبیادیں نہایت عجیب تھیں اور اس میں پُرانے آثار بہت زیادہ تھے، کیونکہ قوطیین سے پہلے یہ جگہ دارالملک رہ چکی تھی۔ مگر جب قوط اس ملک پر مسلط ہوئے تو شاہانِ مابعد طلیطلہ اُٹھ گئے اور روسائے ملک وہیں اشبیلیہ ہی میں رہ گئے۔ چند ماہ تک اس شہر نے موسیٰ کا مقابلہ کیا۔ لیکن آخر خدائے تعالیٰ نے اس کو فتح کردیا۔ اور یہاں کے بڑے آدمی شہر باجہ میں چلے گئے۔ موسیٰ نے یہودیوں کو بُلا کر رکھا اور اپنے کچھ آدمی وہاں چھوڑ کر اشبیلیہ سے ماروہ چلے گئے۔ یہ شہر بھی کسی زمانہ میں بعض بادشاہوں کا دارالسلطنت رہ چکا تھا، اس لئے وہاں معززین رہتے تھے، اور مضبوط جگہ تھی، اس میں بھی بہت سے آثار، قصر اور بڑے بڑے قابل تعریف کنیسہ تھے۔ اس کا بھی موسیٰ نے محاصرہ کیا اور محاصرین نے خوب مقابلہ کیا۔ مسلمانوں نے بدفعات حملے کئے، آخر مسلمانوں نے لکڑی کے دمس بنوائے، جن کے اندر بیٹھ کر مسلمان فصیل شہر کے برجوں تک پہونچے، اور نقب لگانے شروع کئے۔ مگر جیسے ہی ایک پتھر اُکھاڑا ویسے ہی دشمن کو خبر ہوگئی۔ اُنھوں نے غفلت میں حملہ کردیا جس میں بہت سے مسلمان کام آئے۔ اسی وجہ سے اس جگہ کو برج الشہداء کہنے لگے۔ آخر امان طلب کی گئی۔ اور شہر والوں نے اپنے بڑے بڑے آدمی گفتگو کرنے کے لئے بھیجے، لیکن کوئی بات طے نہیں ہوئی۔ موسیٰ بن نصیر کی داڑھی اُس روز بالکل سفید تھی۔ دوسرے روز، جو عید سے ایک دن پیشتر تھا، لوگ پھر آئے۔ اُس روز موسیٰ نے مہندی لگا کر اپنے بال سُرخ کئے تھے۔ اہل اندلس کو اُن کو سُرخ داڑھی دیکھ کر تعجب ہوا۔ آج بھی کوئی بات طے نہیں ہوئی۔ دوسرے دن عید تھی، اُس روز پھر

آئے تو موسیٰ کی داڑھی سیاہ دیکھ کر ان لوگوں نے بہت ہی تعجب کیا، کیونکہ اُس وقت تک یہ لوگ خضاب اور اس کے استعمال کو نہ جانتے تھے۔ اُنھوں نے اپنی قوم سے جاکر کہا کہ ہم لوگ ایسے آدمیوں سے لڑرہے ہیں کہ وہ جو چاہتے ہیں اپنی صورت بنا لیتے ہیں؛ ان کا بادشاہ بوڑھا آدمی تھا، دو روز میں جوان ہوگیا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان سے صلح کرلی جائے، اور جو کچھ یہ مانگیں وہ ان کو دیدیا جائے۔ ہم کو ایسے آدمیوں سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے چنانچہ اسی پر سب کا اتفاق ہوگیا، اور اس شرط پر صلح مکمل ہوگئی کہ جو لوگ پہلے روز مارے گئے ہیں اُن کا، جلیقیہ کی طرف بھاگنے والوں کا، اور کنیسوں کا مال اور زیورات سب مسلمانوں کو دیدیا جائے۔ اس کے بعد عید الفطر ۹۴ھ کو شہر کے دروازے کھول دیئے گئے۔

اہل اندلس نے نقض عہد کیا، اور شہر باجہ اور لبلہ کے لوگوں نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس جنگ میں قریب اسّی آدمیوں کے قتل ہوگئے۔ اُس وقت موسیٰ ماردہ میں تھے، اُن کو خبر دی گئی، اور جب وہ اس شہر کو فتح کرچکے، تو اُنھوں نے اپنے بیٹے عبد العزیز کو ایک فوج کے ساتھ اشبیلیہ بھیجا۔ یہاں آکر اُنھوں نے فتح پائی، اور باجہ کے بہت آدمی قتل ہوئے۔ اس کے بعد اُنھوں نے لبلہ کو فتح کیا۔ خود وہیں ٹھہر گئے اور ہر طرح کا امن وامان، اور مسلمانوں کا رعب و اقتدار پھر قائم کردیا۔

امیر موسیٰ ابن نصیر ماہ شوال کے بعد طلیطلہ کے ارادے سے چلے۔ طارق کو اسکی اطلاع پھونچی تو اُنھوں نے استقبال کیا اور طلبیرہ میں اپنے آقا سے ملے۔ ایک قول یہ ہے کہ موسیٰ ماردہ سے جلیقیہ میں اُس درے سے داخل ہوئے تھے جو اُن کی طرف منسوب ہے اور شہر استرقہ میں اپنے سپہ سالار طارق سے آملے۔ اور علانیہ اُن کو بُرا بھلا کہکر اپنی دشمنی کو ظاہر کیا۔ واللہ اعلم

یہ بھی کہتے ہیں کہ جب طارق کی نگاہ موسیٰ پر پڑی تو وہ تعظیماً اپنے گھوڑے سے

اوتر آئے۔ موسیٰ نے فوراً چابک سے اُن کی خبر لی اور اُن کی خود رائی اور مخالفت پر سخت زجر و توبیخ کی۔ پھر یہ دونوں طلیطلہ گئے۔ یہاں موسیٰ نے طارق کو حکم دیا کہ مالِ غنیمت، شاہی ذخیرے، نیز مائدہ سلیمانؑ اُن کے سامنے پیش کیا جائے۔ طارق نے اس حکم کی تعمیل کی، مگر مایدہ کا ایک پایہ الگ کر کے چھپا دیا۔ اور جب موسیٰ نے اُن سے دریافت کیا تو کہہ دیا کہ مجھے ایسا ہی ملا ہی۔ موسیٰ نے ایک اور پایہ سونے کا بنوا کر مایدہ کو مکمل کر لیا۔ مگر یہ پایہ ویسا نہ بن سکا جیسا کہ اصل تھا۔

ابن الفرضی کہتے ہیں کہ موسیٰ ابن نُصیر فاتح اندلس لخمی ہیں اور ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہی۔ اُنھوں نے تمیم داریؓ سے حدیث روایت کی ہی، اور موسیٰ سے یزید بن مسروق یحصبی نے۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ ابن نُصیر محرم ۹۳ھ ہجری میں غزا کرتے ہوئے طنجہ پہونچے، اور وہیں سے وہ اندلس اُتر آئے۔ یہاں جس شہر پر اُنھوں نے حملہ کیا اُسی کو فتح کیا اور تمام لوگوں کو اپنا محکوم بنا لیا۔ پھر قرطبہ گئے، اور ۹۴ھ میں افریقیہ واپس آگئے۔ ۹۵ھ میں اندلس کے مالِ غنیمت کا تمام احمال و اثقال جس میں تیس ہزار قیدی شامل تھے، خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حضور میں لے گئے۔ اُن ہی ایام میں خلیفہ ولید کا انتقال ہو گیا اور سلیمان تخت نشین ہوئے۔ موسیٰ مبغوض ہوئے اور بحالت رنج و الم وادی القریٰ میں ۹۷ھ میں انتقال کیا۔

ابن حیّان کہتے ہیں کہ یہ مائدہ جو حضرت سلیمان (علیٰ نبینا و علیہ السّلام) کی طرف منسوب ہی، اہلِ اندلس کے زعم کے موافق حضرت سلیمانؑ کا نہ تھا بلکہ اصلیت یہ ہی کہ جب اندلس کا کوئی بادشاہ یا بڑا آدمی مرتا تو وہ اپنے مال کے لئے وصیت کر مرتا تھا کہ وہ سب کسی کنیسہ کو دے دیا جائے۔ جب اس قسم کا بہت سا مال جمع ہو جاتا تو اُس سے بڑی چیزیں سونے اور چاندی کی مثل میزوں اور کرسیوں وغیرہ کے، بنائی جاتیں۔ اُن ہی پر خاص خاص بڑے تہواروں میں انجیلیں رکھکر پڑھی جاتی تھیں اور

عیدوں کے روز اُن کو قربان گاہ کے قریب سجاوٹ کے لئے رکھتے تھے۔ غرض یہ مائدہ بھی اسی طرح بنا تھا اور طُلَیطلہ میں رکھا ہوا تھا۔ ہر ایک بادشاہ کا دیا ہوا مال اُس میں ملتے ملتے یہ ایسی چیز بن گیا تھا کہ جس کا شہرہ دُور دُور تک پہونچا ہوا تھا۔ یہ خالص سونے کا بنا ہوا تھا اور ایسے عمدہ موتی یاقوت اور زمرد سے مرصع تھا کہ جو لوگوں کو دیکھنے کو بھی نہ ملے تھے۔ چونکہ یہ دارالسلطنت کے کنیسہ کے لئے تھا اس لئے اس کے تکلفات میں بھی بہت مبالغہ کیا گیا تھا تاکہ وہ ایک بے نظیر اور لائق فخر چیز ہو۔ یہ مائدہ طُلَیطلہ کے قربان گاہ پر رکھا جاتا تھا۔ یہیں سے وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تھا۔ طارق کو پہلے ہی موسیٰ کا مزاج معلوم تھا اور وہ جانتے تھے کہ وہ جو کچھ اُنھوں نے بوجہ غیرت کے اُن سے سلوک کیا، وہ ضرور کرینگے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ موسیٰ مایدہ کے پیش کرنے کا مطالبہ کرینگے چنانچہ وہ پیش کرنے کے لئے پہلے ہی تیار ہو گئے تھے، مگر اُنھوں نے پیش بینی کرکے اُس کا ایک پایہ الگ کرکے چھپا رکھا تھا۔ جب امیرالمومنین کے سامنے یہ بحث پیش ہوئی کہ اندلُس پر کس نے جہاد کیا، اور کس نے یہ مائدہ حاصل کیا، تو اُنھوں نے یہ پایہ بھی نکال کر پیش کردیا۔ چنانچہ یہ قصہ مشہور ہے۔ انتہیٰ۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ یہ مائدہ سونے اور چاندی کا بنا ہوا تھا۔ اور اُس کے گرد ایک موتیوں کا، دوسرا یاقوت کا، اور تیسرا زمرد کا حلقہ بنا ہوا تھا۔ اور تمام مائدہ مکلل بجواہر تھا۔ انتہیٰ

ابن حیان نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن نصیر سے جو خلیفہ کہ ناراض ہوا تھا وہ سلیمان بن عبدالملک تھا۔ ابن خلکان کا قول کہ وہ ولید تھا، غلط ہے۔ واللہ اعلم

ابن حیان کہتے ہیں کہ بعد میں موسیٰ نے طارق سے صلح کرلی تھی، اور آن سے خوش ہو گئے تھے۔ اور پھر آن کو حسب دستور اپنا مقدمۃ الجیش بنا لیا تھا۔ طارق اپنے ساتھیوں کو لے کر آگے آگے چلتے، اور موسیٰ اپنی فوج کے ساتھ آن کے پیچھے پیچھے ہوتے

یہاں تک کہ اُنھوں نے سرقسطہ اور عمال سرقسطہ کو فتح کرلیا اور اور شہروں پر بھی حملہ ہوا۔ ہر موقع پر طارق ہی آگے آگے رہتے تھے۔ یہ فوجیں جس مقام پر پہونچیں اُسی کو فتح کیا۔ خدائے تعالیٰ نے اُن کو مال غنیمت عطا کیا، تمام کفار کے دلوں میں اُن کا رعب ڈال دیا کسی نے بھی اُن سے تعارض نہ کیا، بلکہ جہاں جاتے وہیں کے لوگ اُن سے صلح کے طالب ہوتے۔ موسیٰ اُن کے پیچھے پیچھے پہونچتے، اور جو معاہدہ طارق کرتے اُس کی تکمیل و توثیق کر دیتے۔ جب یہاں تمام راستہ صاف، اور امن قائم ہو گیا تو مسلمانوں نے افرنجہ کا رُخ کیا۔ اور وہاں بھی فتوحات و غنیمت حاصل کرکے، اور اپنا رعب بٹھلا کر، بسلامت وادی رودونہ تک پہونچ گئے۔ یہ مقام سب سے آخری ہے جہاں تک کہ اہل عرب کا اثر پہونچا۔ طارق کی فوجوں کی تاخت و تاراج افرنجہ تک پہونچی تھی بر شلونہ اور اربونہ اُنھوں نے فتح کرلئے تھے۔ وادی رودونہ پر اُنھوں نے صخرہ اینیون اور قلعہ لودون تک فتح کرلیا تھا۔ اور شہر برشلونہ اور اربونہ اور صخرہ اینیون اور حصن لودون جو وادی رودونہ میں واقع ہیں، اُن کے قبضے میں آگئے تھے۔ جس ساحل سے کہ وہ یہاں آئے تھے وہ بہت دُور پیچھے رہ گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ قرطبہ اور اربونہ کے درمیان میں ۳۳۵ فرسنگ کا فاصلہ ہے اور بعض ۳۵۰ فرسنگ تبلاتے ہیں۔ جب مسلمان اربونہ پہونچے ہیں تو بادشاہ افرنجہ ارض کبیر نے اُن کے لئے فوج جمع کی جب حصن لودون پہونچے، اور مسلمانوں کو دشمن کی کثرتِ جمعیت کی خبر پہونچی تو وہ گھبرا گئے۔ مگر جب اینیون پہونچے تو وہاں کسی کو بھی نہ پایا۔ اور آگے بڑھے تو قارلہ بادشاہ افرنجہ نے اُن کو اپنے گھیرے میں لے لیا، اُن کی کمک کا راستہ روک دیا، نہایت سختی سے اُن پر حملہ آور ہوا۔ اس معرکہ میں گو بہت سے مسلمان شہید ہوئے، مگر وہ ایسے بے جگر ہو کر لڑے تھے کہ صفوں کی صفیں چیرتے چلے جاتے تھے۔ آخر شہر میں داخل ہو گئے، اور وہاں کے قلعے میں پناہ گیر ہوئے چند روز وہاں

مقیم رہے۔ مگر ایام قیام میں نقصان ہی ہوتا رہا۔ اُدھر عیسائی بھی چھپے، اور ہر وقت مسلمانوں کو کمک پہونچ جانے سے خائف رہے۔ آخر ایک آدمی مسلمانوں کی طرف سے قارلہ کے شہر میں گیا تو معلوم ہوا کہ بادشاہ افرنجہ نے مسلمانوں کے خوف سے وادی ردونہ میں قلعے بنائے تھے جو عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان میں سرحد قرار پاگئے یہ سرحد مابین ارض کبیر و اندلس تھی۔

حجاری نے مسہب میں لکھا ہے کہ موسیٰ ابن نُصیر کی خدائے تعالیٰ نے بہت ہی بڑی مدد فرمائی۔ نصاریٰ کے تمام بادشاہ اُن کے سامنے سے بھاگ جاتے تھے، یہاں تک کہ وہ اُس پہاڑ تک پہونچ گئے کہ جو اندلس اور ارض کبیر کے درمیان میں واقع ہے ملک افرنجہ کے سارے بادشاہ قارلہ کے پاس جمع ہوئے، جو اُس زمانہ میں سب سے بڑا آدمی تھا، اور اُس سے کہا کہ "دیکھئے ابھی اور کیا کیا مصیبت ہمارے اعقاب پر پڑنے والی ہے۔ ہم تو یہ سُنتے آرہے تھے کہ عرب کا خوف مشرق کی طرف سے ہے، مگر یہ لوگ مغرب کی طرف سے آپہونچے، اور تمام بلاد اندلس پر چھاگئے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اُن کی جمعیت بہت کم ہے اور آلات حرب بھی کچھ زیادہ اُن کے پاس نہیں ہیں۔"
قارلہ نے کہا کہ "میری رائے تو یہ ہے کہ اُن کی کچھ پروا ہی نہ کرنی چاہیئے۔ یہ لوگ سیل کی طرح ہیں، کہ جو کچھ اُس کے سامنے آتا ہے اُس کو بہالے جاتا ہے، اس وقت اُن کا اقبال مساعد ہے، اُن کے ارادوں اور نیتوں نے، کثرت جمعیت سے، اور بڑھے ہوئے دلوں نے، ہتھیاروں سے اُن کو مستغنی کر رکھا ہے۔ اُن کو چند روز کے لئے اُن کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ جب اُن کے ہاتھ مال غنیمت سے بھر جائیں گے، اور کہیں رہنا سہنا شروع کردیں گے، تو ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی ایک کی مدد کرے گا اور کوئی دوسرے کی۔ آپس میں پھوٹ پڑجائے گی اُس وقت ان کا کام بآسانی تمام کیا جاسکتا ہے۔" حجاری کہتے ہیں

کہ واللہ وہی ہوا جو اُس شخص نے کہا تھا۔ شامیوں اور بلدیوں، بربریوں اور عربوں، مصریوں اور یمانیوں میں جو فتنہ اٹھا اُس میں کوئی کسی کا مددگار رہا اور کوئی کسی کا جس نے اعدا کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ انتہیٰ

کہا جاتا ہے کہ موسیٰ ابن نصیر نے اپنے بیٹے عبدالاعلیٰ کو تدمیر، غرناطہ، مالقہ اور علاقہ ریہ کی طرف بھیجا۔ ان سب علاقوں کو اُنھوں نے فتح کر لیا۔ کہتے ہیں کہ جس وقت عبدالاعلیٰ مالقہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو وہاں کا بادشاہ؛ جو ضعیف الرائے شخص تھا، محاصرہ کی کلفت دور کرنے کے لئے ایک باغ میں سیر و تفریح کے لئے جایا کرتا تھا، جو شہر کے ایک گوشہ میں واقع تھا۔ عبدالاعلیٰ کو اس کی خبر پہونچی تو وہ کچھ سوارے کر اُس باغ کے قریب رات کو چھپ رہے اور بادشاہ کو گرفتار کر کے شہر پر قبضہ کر لیا، اس معرکہ میں بہت سامال غنیمت ہاتھ آیا۔

کہتے ہیں کہ موسیٰ بن نصیر کا دل دارالکفر جلیقیہ پر قبضہ کرنے کے لئے بہت ہی تڑپتا تھا وہ اس کی تدبیریں ہی کر رہے تھے کہ امیرالمومنین ولید بن عبدالملک کے قاصد، مغیث رومی، یہ حکم لے کر پہونچے کہ موسیٰ فوراً اندلس چھوڑ کر، اور جا بجا پھرنے کا ارادہ ملتوی کر کے، فوراً بارگاہ خلافت میں حاضر ہوں۔ یہ بے وقت حکم اُن کو سخت ناگوار ہوا، اور اُن کی اُمیدوں اور ارادوں پر پانی پھر گیا؛ کیونکہ اندلس بھر میں سوائے جلیقیہ کے اور کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہی تھی کہ جہاں مسلمانوں کا دور دورہ نہ ہو گیا ہو جلیقیہ پر قابض ہونے کی اُن کو بڑی تمنا تھی۔ اُنھوں نے مغیث رومی کی بڑی خوشامد کی اور اُن کو اس پر آمادہ کر لیا کہ جلیقیہ پر قبضہ کرنے، اُس کے علاقوں کو روندنے اور اجر و غنیمت حاصل کرنے میں شریک ہونے تک مہلت دیدیں۔ مغیث بھی مان گئے اور اُن کے ساتھ ہو لئے۔ چند ہی روز قلعہ بارو اور لک فتح ہو گئے۔ یہاں ٹھیر کر فوجیں اِدھر اُدھر پھیلا دی گئیں۔ یہاں تک کہ وہ بحر اخضر تک چھا گئے۔ کوئی کنیسہ ایسا نہ تھا کہ

گرا نہ دیا گیا ہو اور کوئی ناقوس ایسا نہ بچا کہ نہ توڑا گیا ہو۔ اہالی ملک نے اطاعت اختیار
کرلی، اور جزیہ دینا قبول کرلیا۔ اہل عرب اور بربر نے جو مقامات اپنے اپنے لیے پسند کیے
وہاں اُن کو آباد کردیا گیا۔ اس طرح سرزمین اندلس پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور مشرکین
تباہ و برباد ہوگئے۔ موسیٰ اپنی تمناؤں کے پورا کرنے اور اپنی قوت و شوکت کے اظہار
میں سرگرم تھے کہ امیر المومنین کا دوسرا قاصد ابو نصر پہونچا جس کے ساتھ مغیث کو
تحریری زجر و توبیخ کی گئی تھی کہ وہ اندلس آکر ہی بیٹھ رہا۔ ابو نصر کو حکم تھا کہ موسیٰ کو
اپنے سامنے روانہ کردے۔ موسیٰ با دل ناخواستہ شہر لک واقع جلیقیہ سے اُس راستہ
سے روانہ ہوئے جو فج موسیٰ کہلاتا ہے۔ راستہ میں اُن کو طارق ثغر اعلیٰ سے آتے ہوئے
ملے۔ اُن کو مع اُن لوگوں کے جو وطن واپس جانا چاہتے تھے اپنے ساتھ لے لیا، اور جو
لوگ نہیں جانا چاہتے تھے اُن کو اُن ہی مقامات پر چھوڑ دیا جہاں وہ بسائے گئے تھے
مغیث اور ابو نصر دونوں قاصد بھی اُن کے ساتھ ہی واپس ہوئے، یہاں تک کہ اشبیلیہ
پہونچ گئے۔ موسیٰ نے اپنے بیٹے، عبد العزیز کو امارت اندلس پر چھوڑا، اور اشبیلیہ کو،
بوجہ اس کے کہ وہ دریا سے ملا ہوا ہے، اُن کا دارالامارت مقرر کیا۔ موسیٰ ذوالحجہ ۹۵ھ
میں طارق کے ساتھ مشرق کی طرف روانہ ہوئے۔ موسیٰ کے آنے سے پہلے ایک سال
اور آنے کے بعد دو سال چار ماہ، طارق اندلس میں مقیم رہے۔ موسیٰ اپنے ساتھ بہت سا
مال غنیمت تیس ہزار قیدی، مائدہ سلیمانی اور بہت سے ذخائر، جواہرات و نفیس متاع
جس کی قیمت لگانی مشکل ہے، لے کر واپس گئے تھے۔ باوجود اس کے اُنھیں رنج تھا کہ
ہیں جہاد سے واپس بلا لیا گیا، اور یہ ملک چھوڑنا پڑا۔ اُن کی تمنا تھی کہ وہ باقی ملک
افرنجہ کے فتح کرلیں، اور ارض کبیرہ کو طے کرتے ہوئے ملک شام میں پہونچ جائیں
اور اپنے ملک مفتوحہ سے ایک ایسا راستہ کھول دیں کہ اہل اندلس کو مشرق سے
آنے جانے میں آسانی رہے، اور بحری سفر کی زحمت اٹھانے کی ضرورت نہ رہے۔

کہتے ہیں کہ جب وہ افرنجہ کے ارادہ سے جا رہے تھے تو ایک بڑے میدان میں پہونچے جہاں بہت سے آثار تھے۔ان ہی میں ایک بت تھا جو ستون کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ اور اُس پر عربی میں کچھ کھدا ہوا تھا۔ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ لکھا ہے کہ "اے اولاد اسمٰعیل! یہ تمہاری انتہا ہے یہاں سے واپس ہو جاؤ" اس تحریر نے موسیٰ کو وہم میں ڈال دیا۔ اُن سے یہ کہا گیا کہ اس ہدایت کے لکھنے کی کوئی بڑی وجہ ہے؛ اس لئے اُن کے ساتھیوں نے اُن کو واپس ہی جانے کی رائے دی۔ اس میں اختلاف ہوا، مگر چونکہ کثرتِ رائے واپسی کے لئے تھی اس لئے واپس چلے آئے۔ غرض وہ قطع بلاد کر چکے تھے اور اقصیٰ غایت تک پہونچ چکے تھے۔

رازی نے لکھا ہے کہ موسیٰ افریقیہ سے اندلس کی طرف دس ہزار آدمی لے کر رجب ۹۳ھ میں گئے، اور اپنے پیچھے افریقیہ میں اپنے سب سے بڑے بیٹے عبداللہ بن موسیٰ کو امیر بنا گئے۔ عبدالملک بن مروان نے موسیٰ کو ملک مغرب کی جنگ کے لئے بھیجا تھا۔ ان ہی نے ملک پر ملک فتح کر کے دیئے تھے۔ ان ہی جنگوں میں دو مرتبہ بیس بیس ہزار قیدی بطور خمس کے خلیفہ کا حصہ بھیجا تھا۔ یہاں تک کہ عبدالملک کو قیدیوں کی اس کثرت سے بڑا تعجب ہوا تھا۔

ابن حبیب کا خیال ہے کہ اندلس میں صرف ایک صحابیؓ منیذر نامی تشریف لائے تھے، اور تابعین میں سے تین۔ ایک تو یہی موسیٰ ابن نصیر، دوسرے علی بن رباح اللخمی، تیسرے حیواۃ بن رجاء التمیمی۔ مگر بعض یہ کہتے ہیں کہ تیسرے تابعی حنش بن عبداللہ الصنعانی، باشندۂ صنعاء شام ہیں اور یہ سب بزرگ موسیٰ کے ساتھ ہی واپس آ گئے۔ مگر اہل سرقسطہ کا گمان ہے کہ حنش نے وہیں (سرقسطہ) انتقال فرمایا تھا، واپس نہیں گئے تھے۔ چنانچہ اُن کی قبر زیارت گاہِ عام تھی اور اس میں کسی طرح کا اختلاف نہ تھا۔ واللہ اعلم

بعض کہتے ہیں کہ چار تابعی تشریف لائے تھے۔ جن میں سے چوتھے عبداللہ بن یزید ابو عبدالرحمٰن جبلی الانصاری ہیں واللہ اعلم۔

جو لوگ کہ پانچ تابعیوں کی تشریف آوری کے دعویدار ہیں وہ پانچویں حیان بن ابی جبلہ، بنی عبد الدار کے غلام، کو بتلاتے ہیں۔ یہ صاحب مصر کے دفتر میں تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو فقہا، کی ایک جماعت کے ساتھ افریقیہ بھیجا تھا تاکہ وہاں کے باشندوں کو دین کی باتیں تبلائیں۔ انہوں نے عمرو ابن العاص ابن عباس اور ابن عمر سے حدیث روایت کی ہے، اور ان سے عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم وغیرہ نے یہ موسیٰ ابن نصیر کے ساتھ فتح اندلس میں شامل تھے، اور حملہ قلعہ قرقشونہ تک ساتھ رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ افریقیہ واپس چلے گئے تھے اور وہیں ۱۲۰ھ ہجری کے بعد انتقال فرما گئے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ قرقشونہ اور بر شلونہ کے درمیان میں پچیس دن کی مسافت ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا کنیسہ تھا، جس کو اہل افرنجہ شنت مریہ کہتے تھے ابن حیان نے لکھا ہے کہ بقول سیاحوں کے اس کنیسہ میں ایسے سات ستون خالص سونے کے تھے کہ اُن جیسے کہیں اور نہیں ہیں اتنے موٹے تھے کہ کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی لمبا چوڑا آدمی کیوں نہو، ان کو ہاتھ پھیلا کر بھی اپنی کولی میں نہیں لے سکتا تھا

حنش صنعانی مذکور ایک جلیل القدر تابعی ہیں۔ کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ تھے۔ مگر آپ کی شہادت کے بعد مصر چلے آئے تھے۔ اسی لئے وہ مصریوں میں شامل کئے جاتے ہیں۔ ابن زبیر نے جب عبدالملک بن مروان کے خلاف بعیت لی ہے تو یہ اُن کے ساتھ تھے، مگر بعد میں عبدالملک نے ان کو معاف کر دیا تھا۔ اندلس کو یہی شرف کافی ہے کہ اُن جیسے بزرگ کے قدم اُس سرزمین میں آئے۔

علی بن رباح بصری تابعی کی کنیت ابو عبداللہ تھی، وہ لخمی ہیں ۱۵ھ ہجری واقعہ

یرموک کے سال میں، پیدا ہوئے تھے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ اُن کا نام اہل مصر بفتح عین بتلاتے ہیں، اور اہل عراق بضم عین۔ لیث نے اُن کے بیٹے موسیٰ بن علی سے روایت کی ہے۔ عبد العزیز بن رباح کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ ان ہی نے اُن کی بیٹی ام البنین کو اُن کے شوہر ولید کے پاس بھیجا تھا۔ لیکن بعد میں عبد العزیز اُن سے ناراض ہوگئے تھے، اور افریقیہ کی جنگ پر اُن کو بھیج دیا تھا۔

نیذر صحابی رضی اللہ عنہ کا ذکر ابن حبیب نے نہیں کیا۔ مگر عبد البر نے اُن کو صحابہ میں شامل کیا اور افریقی بتلایا ہے۔ اُن سے عبد الرحمٰن جیلی نے روایت کی ہے۔ چنانچہ "حدیث بیان کی ہم سے نیذر افریقی نے، جو افریقیہ میں رہتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی تھی، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سنا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے یہ کہا کہ میں اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنا نبی ماننے پر راضی ہوا، میں اس کا طرفدار ہوں، میں اُس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کرونگا۔" ان سے عبد البر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ ابن النیذر کا حال ہم انشاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر بیان کرینگے۔

جب موسیٰ بن نصیر مشرق کی طرف چلے تو انہوں نے مغیث سے کہا کہ بادشاہ قرطبہ، جو قیدی تھا، اُن کے سپرد کر دیا جائے۔ مگر انہوں نے کہا کہ میں سوائے خلیفہ کے اور کسی کے سپرد نہ کروں گا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ اس شخص کو ولید کی غلامی میں دیدیں موسیٰ نے اُن پر ہجوم کر کے اُس کو چھین لیا، اور یہ کہا کہ اگر میں اس کو زندہ لے گیا تو مغیث یہ کہدیں گے کہ میں نے اس کو گرفتار کیا ہے، اور یہ قیدی اس سے انکار نہ کریگا، اس لئے میں اس کی گردن مار دوں گا۔ چنانچہ وہیں اُس کی گردن مار دی۔ یہ بات مغیث کو بہت ناگوار ہوئی اور وہ طارق کے حامی و مددگار بن گئے۔

غرض موسیٰ نے طنجہ اور اُس کے علاقہ پر اپنے دوسرے بیٹے عبد الملک کو امیر

مقرر کردیا۔

ہم یہ کہہ آئے ہیں کہ افریقیہ پر اُنھوں نے اپنے بڑے بیٹے کو مقرر کیا تھا؛ جس سے اندلس و مغرب دونوں موسیٰ کی اولاد کے ہاتھ میں آگئے۔ عبداللہ جو افریقیہ پر حاکم تھے جزیرہ میورقہ کے فاتح ہیں۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ موسیٰ ولید کے انتقال کے بعد یا پہلے شام میں پہونچے تھے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ بعد میں آئے تھے اُن کا یہ قول ہے کہ یہ وہ موقع تھا کہ سلیمان خلیفہ ہو چکے تھے۔ طارق او مغیث نے پہلے ہی پہونچکر موسیٰ کی شکایت کی، اور اُن پر دونوں نے خیانت کا الزام لگایا، مائدہ سلیمانؑ اور بادشاہ قرطبہ کا تمام قصہ سُنایا اور کہا کہ اُنھوں نے ایک بڑا قیمتی جوہر کہ فتح فارس کے بعد ویسا نہ ملا تھا، لے کر خود خورد برد کرلیا ہے۔ جب موسیٰ وہاں پہونچے تو سلیمان کے تو کان بھرے ہوئے تھے ہی وہ اُن کو دیکھتے ہی بہت ناراض ہوا، اور اُن کو سخت زجر و توبیخ کی۔ موسیٰ نے بہت سے عذرات پیش کئے۔ سلیمان نے مایدہ کا حال پوچھا تو اُنھوں نے پیش کیا سلیمان نے کہا کہ "طارق کا یہ خیال ہے کہ یہ مائدہ تیرے علاوہ کسی اور شخص کو ملا تھا" موسیٰ نے کہا کہ "نہیں، بلکہ سوائے میرے یہ کسی نے دیکھا تک نہیں" طارق نے کہا کہ امیرالمومنین! ان سے یہ پوچھیں کہ اس مائدہ میں یہ نقص ایک پایہ نہونے کا کس نے ڈالا ہے" موسیٰ نے کہا کہ "مجھے یہ ایسا ہی ملا تھا میں نے ایک شخص سے دوسرا پایہ بنوالیا ہے" یہ سُن کر طارق نے اپنی قبا میں ہاتھ ڈال کر اصلی پایہ نکالا اور پیش کردیا۔ سلیمان نے اب جانا کہ طارق سچے ہیں، اور موسیٰ کو جھوٹا بنایا، نیز تمام لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ جو کچھ اُن کی نسبت شکایتیں کی گئی ہیں وہ صحیح ہیں۔ سلیمان نے اُن کو معزول کرکے قید کردیا، اور تمام حساب طلب کیا۔ جس سے بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ اس سے اضطراب پھیل گیا یہاں تک کہ اہل عرب نے اُن کی معاونت کرنی چاہیئے۔

کہتے ہیں کہ قبیلہ لخم کو نوے ہزار دینار ملے تھے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ سلیمان نے دو لاکھ دینار اُن پر جرمانہ کیا تھا، مگر اُنھوں نے صرف ایک لاکھ دینار ادا کئے، اور باقی کی ادائیگی سے وہ عاجز رہے۔ آخر یزید بن مہلب نے موسیٰ کی سفارش کر کے اُن کو چھُڑوایا۔ مگر اُن کے بیٹے عبدالعزیز کو افریقیہ سے معزول کر دیا گیا۔

رازی کہتے ہیں کہ جس شخص نے کہ موسیٰ کو اندلس سے روانہ کیا تھا وہ ابونصر قاصد خلیفہ ولید تھے۔ اُن ہی نے اُن کے ہاتھ سے تمام کام لے لیا تھا، اور اُن کے ساتھ اُن لوگوں کو بھی جو واپس جانا چاہتے تھے، روانہ کر دیا تھا۔ جن لوگوں کو کہ اندلس پسند آگیا تھا وہ وہیں رہ پڑے تھے۔

اکثر مورخ یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ ولید ہی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اُس وقت سلیمان ولی عہد تھے۔ جب موسیٰ بن نصیر دمشق کے قریب پہونچے تو ولید بیمار ہو گئے تھے۔ سلیمان نے اُن کو لکھ دیا کہ تا حکم ثانی وہ انتظار کریں۔ مقصود یہ تھا کہ موسیٰ ولید کے انتقال کے بعد پہونچیں اور اوائل خلافت سلیمان میں اتنی بڑی غنیمت موسیٰ لے کر آئیں کہ اُس سے پہلے ویسی کبھی دیکھی سُنی نہیں گئی تھی۔ تاکہ اس سے سلیمان کی قدر و منزلت رعایا کے دل میں بڑھ جائے۔ مگر موسیٰ نے سلیمان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا، اور جلدی کی۔ یہاں تک کہ ولید کی زندگی ہی میں دارالخلافہ پہونچ گئے، اور اُن ہی کو خمس اور مال غنیمت و تحائف و ذخائر سپرد کر دیئے۔ ولید موسیٰ کے آنے کے چند روز بعد انتقال کر گئے، اور سلیمان تخت خلافت پر متمکن ہوئے وہ موسیٰ سے ناراض تو تھے ہی اُنھوں نے موسیٰ کی اہانت کی، اور ان کو اتنی دیر تک دھوپ میں کھڑا رکھا کہ قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جائیں، نیز اہل اندلس کو اشارہ کر دیا کہ موسیٰ کے بیٹے عبدالعزیز کو قتل کر دیا جائے۔

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ موسیٰ اپنی واپسی کے وقت اپنے بیٹے عبدالعزیز کو وہاں کا حاکم کر آئے تھے۔ اُنھوں نے اپنے زمانہ میں اپنا دبدبہ بٹھالیا تھا، اور وہاں کے

فتنہ و فساد کا سدباب کر دیا تھا۔ اور بہت سے شہر جو اُن کے والد غیر مفتوحہ چھوڑ گئے تھے فتح کر لئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بہت ہی اچھے والی تھے۔ لیکن اُن کی مدت امارت زیادہ نہیں رہی، کیونکہ ایک فوج اُن کے خلاف آگئی۔ اور اُن کو قتل کر ڈالا گیا۔ یہ واقعہ سنہ ۹۵ھ، ایام خلافت سلیمان کا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جہاں موسیٰ پر الزامات تھے وہاں عبدالعزیز پر بھی بہت سے الزام قائم کئے گئے۔ من جملہ اُن کے ایک یہ تھا کہ اُنھوں نے لذریق کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا (ان کی کنیت ام عاصم تھی) اس خاتون نے فتح کے وقت اپنے نفس اور اموال کے ساتھ صلح کر لی تھی اور جزیہ دینے کے وعدہ پر اپنے دین پر قائم رہی تھی اور آخر اُس نے امیر عبدالعزیز سے نکاح کر لیا، اور اُن ہی کے پاس رہیں۔ کہتے ہیں کہ امیر عبدالعزیز ام عاصم کے ساتھ اشبیلیہ کے کنیسہ میں رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ام عاصم نے امیر عبدالعزیز سے کہا کہ تمھاری رعایا تم کو سجدہ کیوں نہیں کرتی، جس طرح لوگ لذریق کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ امیر نے کہا کہ ہمارے دین میں کسی انسان کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ مگر ام عاصم کو اس جواب سے تسلی نہیں ہوئی۔ چونکہ امیر کو اس خاتون سے بہت شغف تھا، اس لئے یہ سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ میری قدر اُس کی نگاہ میں کم ہو جائے اُنھوں نے اپنے دیوان خانہ کا دروازہ ایسا چھوٹا رکھوایا کہ ہر شخص کو جھک کر آنا پڑتا تھا، اور ام عاصم کو یہ سمجھا دیا کہ ہمارے یہاں اظہار ادب کا یہ طریقہ ہے۔ چنانچہ وہ اس پر راضی ہو گئی۔ اس کی خبر اُس فوج کو بھی پہونچ گئی جو اُن کے خلاف تعینات ہوئی تھی۔ یہ امر اُن کے گناہوں کی فہرست میں ایک اور اضافہ ہو گیا۔ آخر وہ قتل کر دیئے گئے۔ خدائے تعالیٰ اُن کے گناہوں کو معاف کرے اور جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جس پتھر کے کتبہ کا ہم ذکر کر چکے ہیں اُس میں اس فقرہ کے بعد کہ "اے بنو اسمٰعیل واپس چلے جاؤ الخ" ایسی بھی عبارت تھی کہ جس کے یہ معنی ہیں کہ اگر "تم یہ سوال کرو کہ کیوں واپس جائیں؟ تو اس کا یہ جواب ہے کہ جا کر ایک

دوسرے کی گردن مارو" انتہیٰ

ابن حیان کہتے ہیں کہ یحییٰ ابن حکم نے جو غزال کے مشہور شاعر ہیں، فتح اندلس کے متعلق ایک بڑی طویل نظم لکھی ہے جس میں اس جنگ کی وجہ، اور تمام وقائع جو مسلمانوں کو اندلس میں پیش آئے، اور اس ملک پر امراء کی تعداد اور اُن کے نام نظم کئے ہیں یہ نظم اب بھی لوگوں کے ہاتھوں میں نظر آتی ہے۔ انتہیٰ

جو کچھ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اُس سے ابن خلدون نے جو کچھ مجملاً لکھا ہے اُس کی تفصیل تمھیں معلوم ہوگئی۔ اور فتح اندلس کے متعلق مختلف روایات بھی واضح ہوگئیں۔ ہم نے اقتضاء وقت کے موافق جو کچھ کفایت کرتا تھا وہ ظاہر کردیا۔ اور بعض اختلافات کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ اگر ہم شرح و بسط کو اختیار کرتے تو ایک جلد کی بلکہ اس سے بھی زیادہ کی اس موضوع پر ضرورت ہوتی۔ اندلس کے امیروں کا، جو فتح کے وقت سے بنی مروان نے اپنی انقراض دولت تک مقرر کئے، ان کا جو کچھ ذکر ابن خلدون نے کیا ہے وہ بھی تم کو معلوم ہوچکا۔ بنو عباس کے قبضہ میں اندلس نہیں آیا۔ بلکہ مروانیوں میں سے ایک صاحب عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان نے یہاں غلبہ حاصل کیا اور خود اپنی ذات سے اُس نے سلطنت قائم کرلی، جو اُس کے اعقاب میں چلی آئی۔ اسی عبدالرحمن نے بنو میہ کی عزت قائم رکھ لی۔ اور اُن کی اولاد نے مصائب زمانہ دیکھ کر یہاں اپنی سلطنت قائم اور رہائش اختیار کرلی۔ اہل اندلس بھی بنو عباس کے مقابلہ میں اُن ہی سے راضی ہوگئے۔ بنو عباس نے بھی دولت بنو امیہ کے خلاف بذریعہ دوسائے عرب کے، یہاں سازش کرائی تھی، مگر اس میں اُن کو کامیابی نہیں ہوئی؛ اور جنگ ہوئی تو اُس میں عبدالرحمن کو فتح ہوئی۔ اس جنگ میں ہزاروں آدمی قتل ہوئے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ، عبدالرحمن داخل کے ذکر میں دوسری جگہ بیان کرینگے اور ابھی آگے چل کر فتح اندلس سے لے کر عبدالرحمن داخل تک جو امراء ہوئے ہیں

اُن کا حال لکھیں گے۔ اگرچہ ابن خلدون کے کلام سے ہم مختصراً اوپر بیان کر آئے ہیں۔

بعض مورخین نے لکھا ہی کہ موسیٰ بن نصیر ایام خلافت حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ یعنی سنہ ۱۹ ہجری (علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ و اجل السلام وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین) میں پیدا ہوتے تھے۔ انتہیٰ

حجازی نے لکھا ہی کہ یزید بن مہلب کی جو توقیر امیر المومنین سلیمان بن عبد الملک کے دربار میں تھی، اُس لحاظ سے موسیٰ بن نصیر نے اُن سے اپنے بارہ میں سفارش کرانی چاہی تاکہ اُن کے ساتھ جو سختی کی گئی ہی اُس میں کچھ تخفیف کی جائے۔

یزید نے کہا کہ "میں ہمیشہ سے یہ سنتا چلا آتا ہوں کہ تم سب سے عقلمند ہو اور مکاید حرب اور مدارات دنیا خوب جانتے ہو۔ یہ تو تبلاؤ کہ اندلس پر بادشاہ ہو کر پھر تم اس شخص کے ہاتھ کیسے پڑ گئے، اور تمھارے اور اس قوم کے درمیان یہ بحر زخار کیسے حائل ہو گیا؟ تم اپنے مقصود تک پہونچ گئے، ایسے لوگوں کے تم مالک ہو گئے جن کو تمھارے خیر و شر کے سوائے اور کسی کو خبر نہ تھی۔ تمھارے ہاتھ میں بہت سے اموال و ذخائر و علاقے اور آدمی آ گئے۔ یہ سب کچھ ہوا۔ اس پر بھی تم نے اپنی گردن ایسے آدمی کے ہاتھ میں دیدی جو تمھارے اوپر رحم نہیں کرتا۔ تم کو یہ معلوم تھا کہ سلیمان ولی عہد ہی، اور اپنے بھائی کے بعد بادشاہ ہونے والا ہی، اور تمھیں معلوم تھا کہ اُس کو کسی کو ہلاک کر ڈالنے کے اختیارات حاصل ہونے والے ہیں۔ باوجود اس کے تم نے اُس کی مخالفت کی، اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑ گئے۔ تم نے اپنے آقا اور اپنے غلام (یعنی سلیمان و طارق) دونوں کو اپنا دشمن بنا لیا۔ اس شخص کا راضی ہونا بہت مشکل کام ہی۔ لیکن باوجود اس کے میں کوشش کروں گا۔" موسیٰ نے کہا کہ "اے ابن الکرام! یہ وقت تہدید کا نہیں ہی۔ کیا تمھیں معلوم نہیں ہی کہ جب برا وقت آتا ہی تو ساری عقل جاتی رہتی ہی؟" یزید نے کہا کہ "جو کچھ یزید نے تم سے کہا ہی اُس سے میرا مقصود تہدید

نہ تھا، بلکہ ایک امر واقع کا معلوم کرنا اور تمھیں تنبیہ کرنا مطلوب تھا۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ہُدہُد دُور سے زمین کے نیچے پانی دیکھ لیتا ہے مگر باوجود اس کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ حالانکہ وہ اس کے سامنے ہوتا ہے"

غرض یزید نے سلیمان سے موسیٰ کی سفارش کی جس کے جواب میں خلیفہ نے کہا کہ اُس کا قصور تو ایسا ہی کہ تلوار ہی اُس کا فیصلہ کرتی۔ مگر میں تمھاری خاطر سے اُس کی جاں بخشی کرتا ہوں۔ لیکن تا وقتیکہ وہ اُس مال کو، جس کا اُس نے تغلب کیا ہے، واپس نہ کردے میں جو سزا دے چکا ہوں وہ معاف نہ کروں گا۔

موسیٰ کی یہاں نوبت پہونچ گئی تھی کہ وہ رؤسائے عرب سے بھیک مانگتے پھرتے تھے تاکہ وہ اپنی جان بچا سکیں اور اسی حال میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ بوقت موت وہ وادیِ قریٰ میں ذلیل ترین اور مفلس ترین آدمی تھے۔ جو شخص اُن کے پاس آتا تھا اُسی کے سامنے وہ دست سوال دراز کرتے تھے۔

ایک غلام جس نے اُن کے ساتھ اس حالت فقر و فاقہ میں بھی وفاداری کی کہتا تھا کہ "لوگ دیکھتے تھے کہ میں امیر موسیٰ کے ساتھ رؤسائے عرب کے پاس جاتا تھا کوئی ہم سے مل لیتا تھا، اور کوئی چھپ بیٹھتا تھا، کوئی ہم پر رحم کرکے ایک یا دو درم دیدیتا تھا جس سے کہ امیر خوش ہو جاتے تھے کہ موکلانِ شاہی کو دے کر کچھ تو سزا میں تخفیف ہو جائے گی۔ جس زمانہ میں کہ وہ اندلس میں فتوحات کر رہے تھے اُن دنوں یہ کیفیت تھی کہ نصاریٰ کے محلوں سے جو زینت کی چیزیں وہ اُتارتے تھے اُس میں جتنا سونا ہوتا تھا وہ اُٹھا کر پھینک دیتے تھے، اور سوائے جواہرات کے اپنے پاس کچھ نہ رکھتے تھے"۔ اللہ اکبر! پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں عزت اور ذلت، فقر اور غنا ہے۔

موسیٰ کا ایک غلام تھا کہ جو ایک مدت تک فقر میں بھی اُن کے ساتھ رہا۔ مگر جب اُن کی حالت زیادہ بگڑی تو وہ بھی اُن سے الگ ہوگیا۔ چند مدت کے بعد موسیٰ اُس کے

پاس گئے، اور اُس سے کہا کہ "میری حالت زیادہ زدہ ہے ایسی حالت میں کچھ میری مدد کر" اس غلام کے مزاج میں بہت شدت تھی، اُس نے جواب دیا کہ "تیرے خالق اور مالک نے، جو ارحم الراحمین ہے، تجھے کچھ نہ دیا تو میں کیا دوں" یہ جواب سن کر موسیٰ کے آنسو نکل پڑے اور وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ اسی رات کو اُن کی جان نکل گئی۔ خدا تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے اُن پر رحم کرے۔

اصل یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے پیچھے اتنے آثار چھوڑے کہ اُن پر رحم آنا ہی چاہیئے۔ اگر سلیمان اُن پر، اور اُن کے بیٹے پر، رحم کرتے تو کچھ بیجا نہ تھا۔ کم از کم اگر اُن کے بیٹے عبدالعزیز کو اندلس میں امارت پر باقی رکھتے تو کچھ تو اشک شوئی ہو جاتی۔ مگر خدا تعالیٰ ہی کو یہ منظور تھا کہ وہ اپنی عمر اور ملک سے فائدہ نہ اُٹھائے۔ خدائے تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ آمین۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ موسیٰ فصیح عرب تھے۔ یزید بن مہلب سے جو اُن کی گفتگو وہ اُن کی بلاغت کی کافی مثال ہے۔

ایک مثال اور ابن حیان نے یہ بیان کی ہے کہ اُنہوں نے ولید کو اپنی فتوحات اور غنائم کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا تھا کہ "یہ فتوحات نہیں ہیں بلکہ حشر ہے" حجازی نے لکھا ہے کہ جو منازعت اُن کی عبداللہ بن یزید بن اسید عبدالملک بن مروان کے سامنے ہوئی تھی وہ اُن کی فصاحت و بلاغت کا ایک نمونہ تھا۔

ہم کئی مرتبہ ذکر کر چکے ہیں کہ موسیٰ، عبدالعزیز بن مروان کے غلام تھے۔ ابن حیان اور حجاری دونوں نے یہی لکھا ہے۔ یہ ام البنین بنت عبدالعزیز کے ساتھ ولید بن عبدالملک کے پاس پہونچے۔ اور ولید کے نزدیک اُن کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ وہ اُس حالت تک پہنچ گئے جو سب کو معلوم ہے

موسیٰ بن نصیر کی صحبت میں جو غلام زیادہ رہے اُن میں ایک طارق ہیں جو

صاحب فتوحاتِ عظیمہ ہیں۔ اور دوسرے طریف، اُن کا ذکر ہم نے اپنی اس کتاب میں مختصراً کیا ہے۔

ابن سعید نے اس اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد، کہ آیا موسیٰ اپنی ذات سے لخمی ہیں یا بر بناء ولاء لخمی ہیں، اور فی الحقیقت بربری، اور عبدالعزیز بن مروان کے غلام ہیں۔ لکھا ہے کہ اُن کی اولاد میں سلطنت کی بڑی قابلیت تھی۔ اُنہوں نے اپنے ایک بیٹے عبدالعزیز کو اندلس پر، دوسرے بیٹے عبدالملک کو مغرب اقصی پر، اور تیسرے بیٹے عبداللہ کو افریقیہ پر حاکم کر دیا تھا۔

حجاری نے لکھا ہے کہ موسیٰ فی الحقیقت حجاز کے وادی القریٰ کے رہنے والے تھے وہ دمشق میں مروان کے خادم رہے تھے یہیں سے اُن کی ترقیات شروع ہوگئیں۔ یہاں تک کہ اُن کو ممالک مقبوضہ پر افسر بنا کر بھیجا گیا۔ شدہ شدہ وہ افریقیہ اور ماوراء افریقیہ (یعنی ملک مغرب) کے زمانۂ ولید بن عبدالملک میں حاکم ہوگئے۔ اقصاء مغرب میں اُنہوں نے تاخت وتاراج کی، اور جبل موسیٰ کی طرف سے اندلس میں داخل ہوئے۔ یہ پہاڑ خود اُن ہی کی طرف منسوب ہے۔ اور سبتہ کے قرب وجوار میں واقع ہے۔ بلاد اندلس کی بھی اُنہوں نے تاخت وتاراج کی پھر ولید نے اپنے ایام مرض میں اُن کو شام بُلا بھیجا۔ ولید کے انتقال کے بعد سلیمان خلیفہ ہوا۔ اُس نے اُنھیں سزا دی۔ اور اُن کا تمام مال چھین لیا جس سے اُن کی نوبت یہاں تک پہونچی کہ وہ اس اُمید پر اپنی قوم کی طرف وادیِ قریٰ میں چلے گئے کہ شاید وہ لوگ اُن پر رحم کریں، اور اُن کا جرمانہ ادا کردیں۔ ابن بشکوال کا قول ہے کہ اُنھوں نے وادیِ قریٰ میں انتقال کیا۔

موسیٰ کی قابلیت سلطنت کے ثبوت میں اُن کی حکومتِ مصر کی حدود کا بحر محیط، ملک بربر، و اندلس تک بڑھا دینے کا ذکر کرنا کافی ہوگا۔

علم ادب میں اُن کے نظم ونثر و بلاغت کے بہت اچھے نمونے موجود ہیں۔

ابن بشکوال کہتے ہیں کہ وہ اُن تابعین میں سے ہیں کہ جن سے حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ انہوں نے تمیم داری سے روایت کی ہے۔ ان کے ایک بیٹے نے اُن کو ایۂ مصنفین میں سے بتلایا ہے اور لکھا ہے کہ ان ائمہ میں سے یہ ایک ہیں۔ موسیٰ آسمانِ تاریخ اندلس کے چمکتے ہوئے ستارے ہیں، اور ان کا ذکر اس وقت تک حلاوت بخش کام و زبان خاص و عام ہے۔

ابن بشکوال نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن نصیر نے وادی قریٰ میں، ۹۷ھ ہجری میں، انتقال کیا۔ اندلس پر اُنہوں نے ۹۱ھ میں مہم بھیجی اور خود ۹۳ھ میں وہاں پہنچی اور ۹۴ھ میں غنایم لے کر ولید بن عبدالملک کے پاس واپس آگئے۔ اُن کی حکومت اندلس پر اُن کے داخل ہونے سے واپس آنے تک، ایک سال رہی۔ اُن کے غلام طارق بھی وہاں ایک ہی سال رہے۔ انتہیٰ۔

اس کا کچھ تھوڑا سا ذکر اوپر آچکا ہے۔

ابن بشکوال نے لکھا ہے کہ ابن حبیب نے بروایت ربیعہ بیان کیا ہے کہ فتح اندلس کے دن تمام لوگ مل جل کر برابر ہوگئے تھے؛ مگر چار شخص، جو تابعین میں تھے، یعنی حنش صنعانی ابو عبدالرحمٰن حبیلی، ابن شماسہ۔ عیاض بن عقبہ۔ انتہیٰ

ابن سعید نے لکھا ہے کہ متذکرۂ بالا تابعین کے علاوہ جو اور تابعی اندلس میں آئے وہ یہ ہیں۔ علی بن ریاح لخمی۔ موسیٰ بن نصیر فاتح اندلس۔ حیان ابن ابی جبلۃ القرشی اُن کے غلام۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ الغافقی۔ امیر اندلس جن کا ذکر سلاطین ملک میں آئے گا محمد بن اوس بن ثابت انصاری۔ زید بن قاصد سکسکی۔ مغیرہ بن ابی بردہ کنانی۔ عبداللہ بن مغیرہ کنانی۔ حیواۃ بن رجاء التیمی۔ عبدالجبار بن ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف منصور بن خزامہ۔ اور علی بن عثمان بن خطاب۔

ابن حبیب نے لکھا ہے کہ اندلس میں جتنے تابعین داخل ہوئے اُن کی تعداد

اٹھارہ تبلائی ہے، اور کہا ہے کہ ان ہی حضرات نے جامع قرطبہ کی قبلہ رخ دیوار کی بنیاد رکھی تھی۔ حجاری نے مسہب میں ان حضرات کو متقدمین میں لکھا ہے۔

ابن سعید نے لکھا ہے کہ یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ اندلس کے کس کس شہر کو ان تابعین کے رہنے کا شرف حاصل ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ حضرات ضرور اندلس میں تشریف لائے اور یہاں رہے ہیں۔ ہم تابعین داخلین اندلس کا مفصل ذکر آگے چل کر لکھیں گے۔ بعض کا ذکر تو ہم اوپر کر ہی آئے ہیں۔

لیث بن سعد نے لکھا ہے کہ طارق کو اندلس میں سونا اور چاندی کا بہت سا مال غنیمت ملا اگر کوئی فرش ایسا ملتا جو سونے چاندی کے تاروں کا بنا ہوا، اور اس میں موتی، یاقوت اور زبرجد ٹکے ہوئے ہوتے، اور اہل بربر اس کو اٹھا نہ سکتے، تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں تقسیم کر لیتے۔ دوسرے لوگ اس کی بھی پروا نہ کرتے کیونکہ وہ اور چیزوں کے جمع کرنے میں مشغول رہتے۔

یحیٰی بن معین نے لکھا ہے کہ جب اندلس فتح ہوا، اور مال غنیمت جمع کیا گیا، تو اس میں لوگوں نے بہت دغل فصل کیا۔ اور اس کو جب جہازوں میں چڑھا کر لے جانے لگے تو لوگوں نے کسی منادی کی آواز سنی کہ الٰہی! ان کو غرق کر دے۔ لوگوں نے قرآن شریف بلند کئے لیکن کچھ نہ ہوا۔ سخت آندھی چلنے لگی، جس نے ایک جہاز کو دوسرے سے ٹکرا کر توڑ ڈالا، اور ان کو غرق کر دیا۔ مگر اہل مصر اس واقعہ سے انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں جو لوگ کہ غرق ہوئے وہ اہل اندلس نہ تھے، بلکہ اہل سردینیہ تھے۔ حقیقت حال کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔

میں نے بعض کتب تواریخ میں دیکھا ہے کہ فتح کے وقت طلیطلہ میں، جہاں اور بہت سے ذخائر و اموال ملے، ان میں ستر تاج طلائی، مرصع بدر و جواہرات ملے، اور ان کے علاوہ ایک ہزار شمشیر ہائے شاہانہ بھی ہاتھ آئیں۔ موتی اور یاقوت بہت سے ملے۔ اور سونے

اور چاندی کے برتن تو اتنے پائے گئے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ان سب کے علاوہ مائدہ سلیمانؑ تھا جو زمرد کا تھا۔ بعض اہل عجم کہتے ہیں کہ یہ مائدہ سلیمانؑ کا نہ تھا، بلکہ اس کی اصلیت یہ ہے کہ باشندگان اندلس اپنے بادشاہوں کے زمانہ میں اپنے دین کے بڑے پکے تھے۔ جب اُن میں سے کوئی شخص مرتا تو وہ اپنے مال کو کسی کنیسہ کے واسطے وصیت کر جاتا، جب بہت سا مال جمع ہو جاتا تو اُس سے کوئی نہ کوئی چیز مثل میز یا چوکی کے سونے یا چاندی کا بنا لیتے تھے۔ بڑے بڑے تہواروں کے موقعوں پر اُن پر انجیلیں رکھی جاتی تھیں، اور عیدوں کے دن سجاوٹ کے طریق پر نکالی جاتی تھیں۔ طلیطلہ میں جو مائدہ ملا تھا وہ بھی اسی قبیل سے تھا۔ ہر ایک بادشاہ اُس کی خوبصورتی میں اپنے پیشرو سے زیادہ اضافہ کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ تمام چیزوں سے بڑھ گیا تھا اور اس کا شہرہ دُور دُور تک پہنچا ہوا تھا یہ مائدہ زرِ خالص کا بنا ہوا تھا، اور اعلیٰ درجے کے دُر و یاقوت و زبرجد اس میں لگے ہوئے تھے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے پائے، پٹی اور سیرورے زبرجد ہی کے تھے اس کے پایوں کی تعداد ۳۶۵ تھی، طلیطلہ کے کنیسہ میں رکھا رہتا تھا، اور وہیں سے طارق کو ملا تھا۔ انتہیٰ

مائدہ وغیرہ کے متعلق جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اُس میں اختلاف ہے مگر ہم نے مورخین کے کلام کو، خواہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں، یا نہیں، اس لئے ذکر کر دیا ہے کہ اُن سے زیادہ فائدہ حاصل ہو۔ بالجملہ یہ معلوم ہو گیا کہ مائدہ ایک جلیل القدر چیز تھا؛ خواہ اُس کی صفت اور جنس اور پایوں کی تعداد میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔ جو مختلف قسم کا مالِ غنیمت کہ اندلس میں حاصل ہوا اُس میں سب سے بہتر اور بیش قیمت چیز یہی مائدہ تھا اس کا ذکر اب تک لوگوں کے زبان زد ہے۔

واضح ہو کہ جب مسلمانوں کے قدم اندلس میں جم گئے اور فتح مکمل ہو گئی، تو اہل شام وغیرہ کے عربوں نے اس ملک کی طرف توجہ کی اور اُن میں سے بڑے خاندانی لوگ

یہاں منتقل ہو آئے، اُن کی اولاد بھی یہیں رہ پڑی ان لوگوں پر جو کچھ گزری سو گزری جو لوگ کہ یہاں آ گئے وہ عدنانی، خندف، قریش، اور بنو ہاشم تھے۔ ابن غالب نے فرحت الانفس بالاندلس میں لکھا ہے کہ "بنو ہاشم میں جتنے لوگ ہیں، سب ادریس بن عبد اللہ بن حسین بن علی بن ابی طالب کی اولاد ہیں۔ ان ہی میں سے بنو حمود ہیں، جو سلطنت بنو اُمیہ کی تباہی کے بعد اندلس میں بادشاہ ہوئے۔ بنو امیہ میں سے خلفائے اندلس تھے۔ ابن سعید کہتے ہیں کہ اب تک قریشی یہاں موجود ہیں۔ لیکن بنو امیہ از روئے نسب بہت بدنام ہیں، لوگ اُن سے منحرف ہو گئے، اور اُنہوں نے جو کچھ حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ کیا اُس کو یاد کرنے لگے۔

بنو زہرہ اشبیلیہ میں نام و نمود کے لوگ ہیں۔

مخزومیوں میں ابو بکر مخزومی، نابینا، مشہور شاعر ہیں، جو حصن مدور کے رہنے والے تھے۔ ان ہی میں سے وزیر الفاضل فی النظم و نثر ابو بکر بن زیدون اور اُن کے والد، ابو الولید بن زیدون، وزیر معتضد بنو عباد، تھے جو اپنے بیٹے سے بھی زیادہ لائق تھے۔

ابن غالب کہتے ہیں کہ اندلس میں وہ لوگ بھی ہیں کہ جو جمح (بنو عبد الدار کے والی) کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ بہت سے قریش اپنے آپ کو محارب بن فہر کی اولاد سے منسوب کر کے، فہری کہتے ہیں۔ یہ لوگ قریش الظواہر سے ہیں۔ ان ہی میں عبد الملک بن قطن، سلطان اندلس ہیں۔ ان ہی کی اولاد میں سے بنو القاسم ہیں جو امرا و فضلا تھے۔ بنو الجد میں نمود کے علما تھے۔ بنو محارب ابن فہر میں عبد الرحمن الفہری، امیر اندلس تھے، جن پر عبد الرحمن اموی الداخل نے غلبہ حاصل کیا تھا۔ یوسف، عقبہ بن نافع الفہری کے دادا نے افریقیہ میں بہت سی فتوحات حاصل کی تھیں۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی تعداد اندلس میں بہت ہے۔ اور یہ صاحب

ثروت لوگ ہیں۔

جو لوگ کہ عام قبیلۂ کنانہ سے منسوب ہیں اُن کی تعداد بہت ہے۔ یہ زیادہ تر طلیطلہ اور اُس کے علاقے میں رہتے ہیں۔ ان میں وقشی کنانی بڑے آدمی ہیں۔ قاضی ابوالولید، وزیر ابوجعفر اور ابوالحسین بن جُبیر، مشہور سیاح اور عالم، اسی قبیلہ کے لوگ ہیں۔ ہم نے آخرالذکر کے حالات اپنے موقعہ پر درج کئے ہیں۔

ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کی نسبت ابن غالب نے لکھا ہے کہ اس قبیلہ کے لوگ بھی اندلس میں بہت ہیں، اور اریولہ، علاقہ تدمیر، میں بہت رہتے ہیں۔

ابن غالب نے تیم بن مرہ بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر کی اولاد کو بھی لکھا ہے کہ اندلس میں بہت ہیں۔ ان ہی میں ابوالطاہر، صاحب مقامات اللزومیہ، ہیں ضبہ بن اد بن طابخہ کی اولاد اندلس میں کم تبلائی جاتی ہے۔ یہ سب خندف عدنانیہ ہیں۔

قیس عیلان بن الیاس بن مضر عدنانی ہیں۔ یہ بھی اندلس میں بہت ہیں۔ ان ہی میں سے بہت سے لوگ عام لوگوں سے منسوب ہیں اور بعض سلیم بن منصور بن عکرمہ بن حصفہ بن قیس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ عبدالملک بن حبیب سلمی فقیہ، امام مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد، اور قاضی ابوحفص بن عمر، قاضی قرطبہ، اسی خاندان سے ہیں۔

جو لوگ کہ قبیلۂ قیس میں سے ہوازن بن منصور بن عکرمہ کی طرف منسوب ہیں اُن کی تعداد ابن غالب اشبیلیہ میں بہت تبلاتے ہیں اور جو لوگ بکر بن ہوازن سے منسوب ہیں اُن کو بھی، ابن غالب کہتے ہیں کہ اچھی تعداد میں ہیں اور بلنسیہ سے تین میل پر اور نیز اشبیلیہ میں بہت رہتے ہیں۔

ابومحمد بن حزم الحافظ الظاہری کے علاوہ بنو حزم صرف ایک خاندان اور ہے۔ ابومحمد ہی الاصل ہیں۔

ابن غالب نے لکھا ہے کہ سعد بن بکر بن ہوازن کے خاندان کے لوگ غرناطہ میں

زیادہ ہیں۔ بنی جودی اسی قبیلہ کے لوگ ہیں۔ ایک خاندان ہے کہ جو ایک عورت سلول نامی کی طرف منسوب ہے۔ اس کے شوہر کا نام مرہ بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن ہے۔

ایک خاندان نمیر بن عامر بن صعصعہ کی طرف منسوب ہے۔ ابن غالب کہتے ہیں کہ یہ لوگ غرناطہ میں زیادہ رہتے ہیں۔

ایک خاندان قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ کی طرف منسوب ہے۔

ایک قبیلہ بلج بن بشر صاحب اندلس اور اُن کی اولاد کی طرف منسوب ہے۔

بنو شقیق بھی اندلس میں آباد ہیں، اور ان کے کچھ آدمی خزارہ بن ذبیان بن نعیض بن ریث بن غطفان بن سعد بن قیس بن عیلان کے خاندان سے منسوب ہیں۔ اشجع بن ریث بن غطفان میں سے محمد بن عبداللہ اشجعی سلطان اندلس ہیں۔

ثقیف کے متعلق اختلاف ہے۔ قبیلہ اپنے آپ کو ان ہی میں سے بتلاتے ہیں۔ ثقیف اور قیس ابن ملنبہ بن بکر بن ہوازن ایک ہی شخص ہے۔ اس خاندان کے لوگ اندلس میں بہت ہیں۔ ان ہی کی طرف حُر بن عبدالرحمٰن الثقفی صاحب اندلس ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ثمود کے بقایا میں سے ہیں۔

ربیعہ بن نزار کی طرف اسد بن ربیعہ بن نزار منسوب ہیں۔ فرحت الانفس میں لکھا ہے کہ ایک اقلیم ان ہی کی طرف منسوب ہے جو وادی آش میں واقع ہے۔ جو لوگ کہ اسد کی طرف منسوب ہیں اُن میں ابن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر زیادہ مشہور ہیں۔

محارب بن عمرو بن ودیعہ بن تکبیر بن اقصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ کی اولاد بھی اپنے آپ کو اسی قبیلہ سے منسوب کرتی ہے۔

بنو عطیہ غرناطہ کے اعیان میں شامل کئے جاتے ہیں۔

عنز بن قاسط بن ہنب بن اقصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد۔ میں سے عبدالبر ہیں

جن کے بیٹے حافظ ابو عمر بن عبدالبر ہیں۔

ثعلب بن وائل بن قاسط بن ہنب کی اولاد بنو جدلیس کی طرح قرطبہ کے بڑے آدمی ہیں بکر بن وائل ادتنة اور سلیطش، بکر بن وائل کی طرف نسوب ہیں۔ ابو عبید بکری صاحب تصانیف کثیرہ بھی ان ہی کی طرف منسوب ہیں۔

ایاد بن نزار کو ابن معد بتلایا جاتا ہے۔ مگر یہ غلط ہے صحیح نام نزار ہی ہے۔ اشبیلیہ میں جو خاندان بنو زہرہ کے نام سے مشہور ہیں وہ اسی قبیلہ سے منسوب ہیں۔ یہ بھی اصل میں عدنانی ہی ہیں اور صریح طور پر اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

قحطانیوں کی نسبت اختلاف ہے کہ آیا وہ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، یا جیسا کہ مشہور ہے ہود علیہ السلام کی۔ قحطانیہ کو یمانیہ بھی کہتے ہیں۔ ان کے اور مضریہ اور تمام عدنانیہ کے درمیان اندلس میں ویسی ہی لڑائیاں رہتی تھیں جیسی کہ مشرق میں رہا کرتی تھیں۔ ان لوگوں کے قبضے میں ملک زیادہ رہا ہے سوا خلفائے بنو امیہ کے۔ قریشیہ ان سے مقدم ہیں لیکن خلافت کا نام مشرق میں اُن ہی سے مخصوص رہا۔

اندلس کے عرب اپنے ماند و بود، قبائل اور حسب و نسب سے پہچانے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ منصور ابن ابی عامر نے جو، سلطنت اندلس پر کلّی قابض تھے اس کیفیت کو زائل کرا دیا جس سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ ایک دوسرے سے مل جائیں، اور قبیلہ کی آپس کی عزیز داری و رشتہ داری قطع ہو جائے اور اُن کو اپنی عزت کا جو تعصب ہے وہ دُور ہو جائے۔ تمام فوج پر ایک ہی آدمی کو افسر رکھا وہ پرانا قاعدہ منسوخ کر دیا کہ ہر ایک قبیلہ کی فوج الگ الگ ہو اور اُس پر اُسی قبیلہ کا آدمی افسر ہو۔ اس سے مادۂ فتنہ و فساد میں کچھ کمی آ گئی، اور حسب و نسب کی جھوٹی شیخی بھی کم ہو گئی۔ کسی اور طریق سے یہ عیب اگر اُن میں باقی رہا ہو تو ممکن ہے۔

ابن حزم نے کہا ہے کہ انساب میں جمع ہیں ما بین جرم بن کہلان و حمیر بن یشجب بن

یعرب بن قحطان بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہی کہ قحطان ابن
الہمیسع بن تیمان بن نابت بن اسمٰعیل ہیں۔ یہ بھی قول ہی کہ قحطان ابن ہود بن عبد اللہ
بن رباح بن جارث ابن عاد بن عوص بن ارم بن سام ہیں۔ ان ہی میں سے کہلان بن سبا
بن یشجب بن یعرب بن قحطان ہیں۔ ان ہی میں ازد بن الغوث بن بنت بن مالک بن زید
بن کہلان ہیں اور ان ہی کی طرف محمدؐ ابن ہانی مشہور شاعر منسوب ہیں۔ مگر لبیری بنو مہلب
ازد سے ہی جو غسان کی طرف منسوب ہی۔ بنو مازن ابن الازد ہیں۔ ابن غالب نے لکھا ہی
کہ بنو القبیبی غرناطہ کے اعیان میں سے تھے۔ ان کا زیادہ حصّہ صالحہ میں تھا جو مالقہ کے راستے
پر واقع ہی۔ ازد کا ایک حصہ ایسا ہی جو انصار کی طرف منسوب ہی۔ ان کا ایک جم غفیر اندلس
میں تھا۔ ابن سعید کہتے ہیں کہ تعجب یہ ہی کہ یہ خاندان مدینہ سے معدوم ہوگیا، مگر اندلس کے
اکثر شہروں میں یہ لوگ پائے جاتے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے اس کے متعلق سوال کیا
تو اُس نے کہا کہ مدینہ میں اس خاندان کا کوئی شخص، سوا ایک بوڑھے آدمی کے جو خزرج
میں سے تھا، اور ایک بڑھیا کے جو اُسی قبیلہ میں سے تھی، کوئی باقی نہیں رہا۔ ابن غالب کہتے
ہیں کہ انصار کا ایک حصہ نواح طلیطلہ میں رہتا ہی۔ اور شرق و غرب اندلس میں ان کے اکثر
قبائل ہیں۔ انتہیٰ

خاندان خزرج میں سے اندلس میں۔ ابوبکر بن عبادہ بن عبداللہ بن ماء السماء اولاد
سعد بن عبادہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ خاندان قیس بن سعد
بن عبادہ سے بنو الاحمر سلاطین غرناطہ تھے، جن میں سے ایک کے وزیر لسان الدین بن
الخطیب تھے۔ اسی خاندان کے زمانہ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت اندلس نکل گئی
اور تمام جزیروں پر دشمنوں کا قبضہ ہوگیا۔ اہل اندلس میں سے جو لوگ کہ اوس (برادر
خزرج) کی طرف منسوب ہیں وہ جو غافق بن عک بن عدنان بن ازان بن ازد ہیں۔
کہا جاتا ہی کہ عک بن عدنان معد بن عدنان کے بھائی ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں ہی۔

ابن غالب کہتے ہیں کہ غافق کی اولاد سے ابو عبداللہ بن ابی الخصال کاتب ہیں شقورہ کے اکثر اطراف غافق کی طرف منسوب ہیں۔ اور کہلان سے وہ لوگ کہ جو بہران کی طرف منسوب ہیں جن میں اوسلہ بن مالک بن زید بن اوسلہ بن الخیار بن مالک ابن زید کہلان ہیں۔ بہران غرناطہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ غرناطہ کے بنو اضحیٰ اسی خاندان کے ہیں۔ اولاد کہلان میں وہ لوگ ہیں جو مذحج کی طرف منسوب ہیں۔

کہتے ہیں کہ مذحج یمن کے تھے۔ یہ بھی تبلایا جاتا ہے کہ مالک کی والدہ کا یہی نام تھا۔ اور طیٔی بن ادد بن زید بن کہلان ہیں۔

ابن غالب کہتے ہیں کہ بنو سراج جو قرطبہ کے اعیان میں سے تھے مذحج سے منسوب ہیں۔ طیٔی لوگ مرسیہ کی طرف رہتے تھے۔

ایک خاندان مراد کی طرف منسوب ہے (مراد بن مالک بن ادد) قلعہ مراد، اشبیلیہ اور قرطبہ کے درمیان میں ایک مشہور جگہ ہے۔ خاندان مراد سے بہت سے لوگ منسوب ہیں

ایک خاندان عنس بن مالک بن ادد کی طرف منسوب ہے۔ ان ہی میں بنو سعید ہیں جو کتاب المغرب کے مصنف ہیں۔ قلعہ بنو سعید مملکت غرناطہ میں مشہور رہی۔

مذحج سے وہ لوگ بھی ہیں جو زبید کی طرف منسوب ہیں۔ ابن غالب کہتے ہیں کہ وہ منبہ بن سعد العشیرہ بن مالک بن ادد ہیں۔ اور کہلان سے وہ لوگ ہیں جو منتسب ہیں مرہ بن ادد بن زید بن کہلان سے۔ ابن غالب کہتے ہیں کہ ان ہی میں بنو المنتصر ہیں جو غرناطہ میں علما کا خاندان ہے۔

عاملہ، جو خاندان قضاعہ کی ایک خاتون تھیں، اور حرث بن عدی بن الحرث مرہ بن ادد کے نکاح میں تھیں، ان ہی کی طرف اُن کی اولاد منسوب ہیں۔ غرناطہ کے قاضیوں کا خاندان بھی ان ہی کی طرف منسوب ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عاملہ اور ابن سبا ابن یشجب بن یعرب بن قحطان ایک ہی شخص تھے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ قضاعہ کے

خاندان سے ہیں۔ کہلان سے خولان بن عمرو بن الحرث بن مرہ ہیں۔ قلعہ خولان جزیرۃ الخضراء اور اشبیلیہ کے درمیان میں ایک مشہور جگہ ہے۔ ان ہی میں بنو عبد السلام غرناطہ کے معززین ہیں۔

ایک خاندان منسوب ہے معافر بن یعفر بن مالک بن حرث بن مرۃ سے۔ اسی خاندان سے منصور بن ابی عامر ہیں۔

ایک خاندان لخم بن عدی بن الحرث بن مرہ کی طرف منسوب ہے جن میں سے بنو عباد اصحاب اشبیلیہ وغیرہ ہیں۔ یہ لوگ نعمان بن منذر بادشاہ حیرہ کی اولاد ہیں۔ ان ہی میں سے بنو ابا جی اعیان اشبیلیہ اور بنو وافد اور دیگر معززین ہیں۔

ایک خاندان جذام بن ثوابت بن سلامہ صاحب اندلس اور بنی ہود بادشاہان شرق اندلس ہیں۔ ان ہی میں متوکل بن ہود ہیں جو موحدین کے بعد اندلس کے بادشاہ ہوئے۔ ان ہی میں سے بنو مردنیش شرق اندلس کے بادشاہ ہیں۔ ابن غالب کہتے ہیں کہ قلعہ رباح کا ایک حصہ جذام کا تھا۔ اس شخص کا نام عامر تھا۔ اور لخم کا نام مالک۔ یہ دونوں عدی کے بیٹے تھے

خاندان کہلان سے وہ لوگ بھی ہیں کہ جو کندہ سے منسوب ہیں۔ کندہ اور ثور بن عفیر بن عدی بن مرہ بن ادد۔ ایک ہی شخص ہے۔ ان ہی میں سے یوسف بن ہارون الرمادی شاعر تھے ان ہی میں سے وہ لوگ ہیں جو تجیب کی طرف منسوب ہیں۔ جو اشرس بن سکون بن اشرس بن کندہ کی منکوحہ تھیں۔

کہلان کی اولاد میں سے کچھ لوگ خثعم بن انمار بن اراش بن عمرو بن الغوث بن نبت بن مالک بن زید کہلان کی طرف منسوب ہیں۔ ان ہی میں عثمان بن ابی تسعہ سلطان اندلس ہیں بعض کہتے ہیں کہ انمار ابن نزار ابن معد بن عدنان تا کہلان ہیں۔

حمیر بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان میں سے وہ لوگ ہیں جو ذی رعین کی طرف منسوب ہیں۔ ابن غالب کہتے ہیں کہ بعض اقوال کے موافق ذورعین عمرو بن حمیر کی اولاد ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ سہل بن عمرو بن قیس بن معاویہ بن جشم بن عبد الشمس بن وایل بن الغوث بن قطن بن عریب بن زہیر بن ایمن بن ہمیسع بن حمیر کی اولاد ہیں۔ ان ہی میں ابو عبد اللہ

انحیاط نابینا شاعر ہیں۔

حازمی نے کتاب النسب میں لکھا ہے کہ ذی رعین کا نام عریم ابن زید بن سہل ہے

ایک خاندان ذو اصبح کی طرف منسوب ہے ابن حزم کہتے ہیں کہ وہ ذو اصبح بن مالک بن زید ہیں، جو سبا الاصغر ابن زید بن سہل بن عمرو بن قیس ہیں۔ حازمی کہتے ہیں کہ ذو اصبح بھی کہلان ہی میں سے ہیں۔ ان ہی میں امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ وہ حمیر میں سے تھے اصبحی قرطبہ کے معززین میں سے تھے۔

ایک خاندان یحصب کی طرف منسوب ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ ذو اصبح کے بھائی ہیں۔ قلعہ بنو سعید میں اس خاندان کے لوگ بہت رہتے ہیں۔ ان میں سے بڑے بڑے آدمیوں کا ذکر تاریخ اندلس میں قلعہ یحصب کے متعلق آئے گا۔

ایک خاندان منسوب ہے ہوازن بن عوف بن عبد شمس بن وائل بن غوث کی طرف۔ ابن غالب کہتے ہیں کہ یہ لوگ اشبیلیہ کے شرق میں رہتے ہیں، اور اشبیلیہ کے اعیان میں سے ہیں

ایک خاندان قضاعہ بن مالک بن حمیر کی طرف منسوب ہے۔ کہتے ہیں کہ قضاعہ بن معد بن عدنان ہیں۔ قضاعہ ہی میں سے نہرہ بھی ہیں ان ہی میں سے وزیر ابوبکر بن عمار ہیں جو ملک مرسیہ پر قابض ہو بیٹھے تھے۔ نہرہ بن حیدان بن عمرو ابن الحاف ابن قضاعہ ہیں۔

ایک خاندان خشین بن تنوخ کا ہے۔ ابن غالب کہتے ہیں کہ وہ ابن مالک بن نمیر بن وبرہ بن تغلب ہیں۔ حازمی نے سلسلۂ نسب یوں لکھا ہے کہ تنوخ یا مالک بن فہر بن فہم بن تیم اللہ بن اسد بن وبرہ۔

ایک خاندان بلی بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ کی طرف منسوب ہے بلو یون اشبیلیہ کہلاتے ہیں

ایک خاندان جہینہ بن اسود بن اسلم بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ کی طرف منسوب ہے ابن غالب کہتے ہیں کہ قرطبہ میں ان کی ایک جماعت کی جماعت ہے۔

ایک خاندان کلب بن وبرہ بن تغلب بن حلوان کی طرف منسوب ہے۔ بنو جہور ملوک قرطبہ اور وزراء قرطبہ اسی خاندان سے تھے۔

ایک خاندان عذرہ بن سعد ندیم بن زید بن اسود بن مسلم بن الحاف بن قضاعہ کی طرف منسوب ہے۔ معز زین جزیرۃ الخضراء ان ہی بنو عذرہ میں سے ہیں۔

اندلس میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حضرموت کی طرف منسوب ہیں۔ مرسیہ، غرناطہ، اشبیلیہ بطلیوس اور قرطبہ میں یہ لوگ بہت ہیں۔ ابن غالب تو کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی اندلس میں بہت تعداد ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حضرموت کا خاندان کونسا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ حضرموت قحطان کا بیٹا تھا۔ کوئی حضرموت بن قیس بن معاویہ بن جشم بن عبد شمس بن وائل بن غوث بن جیدان بن قطن بن العریب بن غرز بن بنت بن الیمن بن یسع بن حمیر بتلاتا ہے۔ موخرالذکر نسب حازمی کا بیان کردہ ہے۔

اندلس میں ایک خاندان سلامان کی طرف منسوب ہے۔ ان ہی میں سے وزیر لسان الدین بن الخطیب ہیں۔ جن کا ذکر اپنے موقع پر آئیگا۔

اب ہم فتح سے لیکر آخر ملوک بنو امیہ تک کے تمام ملوک اندلس کا مختصر ذکر کرتے ہیں

(۱) طارق ابن زیاد غلام ابن نصیر (۲) امیر موسیٰ ابن نصیر۔ ان دونوں نے کہیں دارالسلطنت نہیں بنایا (۳) عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر، جن کا دارالسلطنت اشبیلیہ میں تھا (۴) ایوب بن حبیب لخمی، جن کا دارالسلطنت قرطبہ تھا۔ ان کے بعد جتنے ملوک ہوئے سب کا دارالسلطنت قرطبہ رہا یا زہرا یا زاہرہ جو قرطبہ کے پاس ہی تھے۔ یہاں تک کہ دولت بنو مروان کا خاتمہ ہوگیا (۵) حر بن عبدالرحمن ثقفی (۶) سمح بن مالک الخولانی (۷) عبدالرحمن بن عبداللہ الغافقی (۸) عنبسہ بن سحیم الکلبی (۹) عذرہ بن عبداللہ الفہری (۱۰) یحییٰ بن سلمۃ الکلبی (۱۱) عثمان بن ابونسعۃ الخثعمی (۱۲) حذیفہ بن الاحوص القیسی (۱۳) ہیثم بن عبید الکلابی (۱۴) محمد بن عبداللہ الاشجعی (۱۵) عبدالملک بن قطن الفہری (۱۶) بلج (۱۷) بشر بن عیاض القشیری (۱۸) ثعلبہ بن سلامۃ العاملی (۱۹) ابوالخطار بن ضرار الکلبی (۲۰) ثوابت سلامۃ الجذامی (۲۱) یوسف بن عبدالرحمن الفہری۔ ان پر ان والیوں کا خاتمہ ہوگیا جو اندلس کے حاکم رہے۔ ان کی حکومت ان کی اولاد میں نہیں چلی۔ فی الحقیقت ان کی تعداد بیس تھی

(طارق بن زیاد کے علاوہ) ان سب لوگوں کے نام کے ساتھ لفظ "امیر" نہیں لگایا گیا
ابن حیان کہتے ہیں کہ اندلس یوم یکشنبہ ۵ رشوال ۹۲ سنہ ہجری کو لذریق عیسائی بادشاہ
سے فتح کیا گیا۔ اور یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری کو عبدالرحمٰن بن معاویہ قروانی نے شکست
دے کر سریر سلطنت قرطبہ پر عید الضحیٰ ۱۰ رذوالحجہ ۱۳۸ سنہ ہجری کو جلوس فرمایا۔ اس حساب سے ان
امیروں کی حکومت چھیالیس سال اور پانچ روز رہی۔ پھر دولت بنوامیہ شروع ہوگئی۔
(۲۲/۱) عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک (۲۳/۲) ہشام الرضی بن عبدالرحمٰن اول
(۲۴/۳) حکم بن ہشام (۲۵/۴) عبدالرحمٰن [الاوسط] بن حکم (۲۶/۵) محمد بن عبدالرحمٰن (۲۷/۶)
منذر بن محمد (۲۸/۷) عبداللہ بن محمد (منذر کا بھائی) (۲۹/۸) عبدالرحمٰن الناصر بن محمد بن عبداللہ
(۳۰/۹) الحکم المستنصر۔ ان سب کا دارالخلافہ زہراء تھا (۳۱/۱۰) ہشام بن الحکم۔ ان کے وقت
میں ان کے حاجب منصور بن ابی عامر نے زاہرہ بنایا (۳۲/۱۱) مہدی محمد بن ہشام بن
عبدالجبار بن الناصر۔ یہ سب سے پہلے خلیفہ زمانہ فتنہ کے ہیں۔ ان ہی کے زمانہ میں زہراء
اور زاہرہ دونوں تباہ ہوئے اور دارالخلافہ پھر قرطبہ میں منتقل ہوگیا (۳۳/۱۲) المستعین
سلیمان بن الحکم بن سلیمان بن الناصر۔ ان کے بعد امویوں کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور
بنوحمود العلومیین کی سلطنت شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے (۳۴/۱) الناصر علی بن حمود العلوی
الادریسی بادشاہ ہوئے۔ پھر (۳۵/۲) المامون القاسم بن حمود (علی بن حمود کا بھائی) ان کے
بعد پھر بنوامیہ کی سلطنت بارثانی شروع ہوئی۔ ان میں سے سب سے پہلے (۳۶/۱۳) المستظہر
عبدالرحمٰن بن ہشام بن عبدالجبار بن الناصر (۳۷/۱۴) المستکفی محمد بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ
(۳۸/۱۵) المعتمد ہشام بن محمد بن عبدالملک بن الناصر۔ یہ تمام اندلس کے آخری بادشاہ ہیں
ان کے خلع کرنے کے بعد خلافت مروانیہ کا دعویدار کوئی نہ رہا۔ اور طوائف الملوکی پھیل گئی
یعنی ابن جہور قرطبہ میں اور ابن عباد اشبیلیہ میں بادشاہ بن بیٹھے۔ غرض اس کے بعد
یوسف بن تاشفین الملثم کے زمانہ تک اندلس شخص واحد کے قبضہ میں نہیں رہا

(۳۹/۱) یوسف بن تاشفین نے آکر ملوک طوائف کا خاتمہ کیا۔ لیکن وہ یا اُن کا بیٹا (۴۰/۲) علی بن یوسف چین سے نہ بیٹھ سکے۔ کیوں کہ شرق میں ابن ہود دعویدار سلطنت پیدا ہوگئے۔ یہاں تک کہ دولت (۴۱) عبدالمومن و اولاد عبدالمومن معرکہ آرا ہوئی لیکن (۴۲) محمد بن مردنیش نے شرق اندلس میں ان لوگوں سے جھگڑا چھیڑ دیا۔ ابن مردنیش کے مرنے کے بعد (۴۳) یوسف بن عبدالرحمن اور اُن کی اولاد سریر آرائے سلطنت ہوئی ان سے (۴۴) اہل مراکش کلخپ کرنے لگے۔ ان کے امرا اندلس اور اُس کے ممالک میں تاخت و تاراج کرتے تھے۔ مگر کوئی ایک شخص بھی تمامی اندلس یا اُس کے بڑے حصے پر قابض نہیں ہوا یہاں تک کہ ان کی سلطنت پر (۴۵) المتوکل محمد بن ہود نے (جو سرقسطہ کے بنی ہود بادشاہوں میں سے تھے) ہاتھ صاف کیا اور اندلس کے ایک بڑے حصے پر قابض ہوگئے۔ مگر ان پر لفظ "سلطان" ہی کا اطلاق ہوا۔ آخر ان سے بھی (۴۶) زیان بن مردنیش نے بلنسیہ شرق اندلس میں اور ابن ہلالہ نے لبیرہ غرب اندلس میں علم تنازع بلند کیا، اور اُن کی موت کے قریب بہت سے لوگوں نے خروج کیا۔ جب اُن کا وزیر ابن الرمیمی میں قتل ہوگیا تو یہاں تک نوبت پہونچی کہ (۴۷) بنوالاحمر بادشاہ بن بیٹھے۔ ساتویں صدی میں غرب الاندلس میں صاحب افریقیہ سلطان ابو زکریا یحییٰ بن ابو محمد عبدالواحد بن ابی حفص کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اس کے بعد تو تمام جزیرہ بھر میں خلل آگیا اور فتنہ و فساد برپا ہوگیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ گمراہوں کا گروہ اُس پر قابض ہوگیا۔ اصل تو یہ ہی کہ خدا اپنی زمین۔ اور جو کچھ اُس پر ہی سب کا مالک ہی۔

ہم نے اس کتاب میں اُن تمام بادشاہان اندلس کا ذکر کیا ہی جو قابل الذکر معلوم ہوتے تھے ان لوگوں کی طرف بھی توجہ کی ہی کہ جو بادشاہ نہ تھے۔ مثلاً ابن جہور کہ امویین کے وزیر تھے۔ لیکن جب سلک خلافت ٹوٹی تو وزیر ابوالحزم بن جہور قرطبہ پر قابض ہو بیٹھا۔ مگر اُس نے وزارت کا نام نہیں چھوڑا تھا۔ مطمح میں لکھا ہی کہ وزیر الاجل جہور بن محمد ابن جہور

خاندان وزارت میں ویسا ہی مشہور آدمی تھا جیسا کہ ابن ہبیرہ فزارہ میں۔ ابوالحزم ان سب میں از روئے نیکی و علوم و فنون بہترین شخص تھا۔ تکلیف و محنت کے دریاؤں میں وہ غوطہ لگا کر خوش و خرم سلامت نکل آتا تھا۔ زمانۂ دولت عامریہ میں یہ وزیر ہوا تھا اپنے استقلال اور جلالت قدر سے سب کو اپنا مداح بنا لیا۔ جب دولت بنو امیہ کی حالت ردی ہوئی اور ہر طرف فتنہ و فساد برپا ہو گیا، عبائے خلافت اس کھینچا تانی میں پھٹ گئی، اور بہت سے وزراء کے بنائے بھی کچھ نہ بنا، فتنہ اپنی حد کو پہنچ گیا، اور چادر سلطنت ایسی چھوٹی ہو گئی کہ اُس میں کسی طرح پیر ہی نہ پھیل سکے ہر شخص دیوار ریاست پر پہنچنے کی کوشش کرتا تھا اور گر جاتا تھا، فتنہ کے شعلہ پہ پانی ڈالتا تھا، مگر وہ اور بھڑکتا تھا، اقبال تھا کہ اُلٹے پاؤں بھاگا جاتا تھا، اور وبال تھا کہ دن دوگنا اور رات چوگنا ہوتا تھا۔ اہل تقویٰ ایک دوسرے سے مدد لے کر تدبیریں ڈھونڈھتے تھے اور حیلے کرتے تھے مگر کچھ نہ بنتا تھا۔ آخر معتمد ہشام کو بادشاہ بنایا گیا جس سے فی الجملہ قرطبہ میں کچھ روک تھام ہو گئی، اور رعایا نے بھی کچھ اپنے آپ کو سنبھالا، اور اُس کو اپنا امام تسلیم کیا۔ لیکن پھر وہی لیل و نہار تھا، اور وہی فتنہ و فساد نتیجہ یہ ہوا کہ المعتمد نے خلع کر لیا، اور ملک و سلطنت سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اموئین کا خاتمہ ہو گیا اور علومیئں کا ستارۂ اقبال طلوع ہوا۔ اس موقع پر ابوالحزم بروے کار آیا اور قرطبہ پر قابض ہو کر حزم و استقلال کے ساتھ وہاں کا انتظام کیا، اور ضبط امور پر قادر ہوا، بانیان فتنہ سے ملک کو پاک کر کے قرطبہ کو بہترین حالت میں لے آیا، جس سے اُس کے نور جلالت کو چار چاند لگ گئے۔ آخر قضاء الٰہی نے اُس کو ۴۳۵ھ ہجری میں اپنا ہدف بنا لیا۔ اس کے بعد اُس کا بیٹا ولید منصرم کار رہا۔ ابوالحزم کا ادب و وقار و تحکم ضرب المثل ہو گیا، اُس نے کوئی اپنا مثل نہ چھوڑا۔ اُس کی فصاحت و بلاغت پر اُس کی نظمیں گواہ ہیں جو اب تک زبان زد چلی آتی ہیں۔

واضح ہو کہ زمانۂ فتح کے بعد اہل اندلس کو کفار کے ساتھ ایسے ایسے وقائع پیش آئے

کہ جنہوں نے دلوں کی گرہیں کھول دیں، اور اُن کے نتائج سے لوگوں کے دلوں کو تسلی ہوگئی
کافروں کے جزوی و کلی تمام چیزوں پر اہل دین کا قبضہ ہوگیا۔ لیکن اختلاف شروع ہوا،
جس کا نتیجہ ہمیشہ اختلاف ہوا کرتا ہے۔ دشمنی و جنگ و جدل کی وہ وبا پھیلی کہ جس کا علاج بڑے
بڑے طبیبوں سے نہ ہو سکا۔ اُس وقت لوگ موسیٰ بن نصیر، طارق اور شاہانِ مابعد کو،
جنہوں نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈال کر اُن کا راستہ بند کر دیا تھا، یاد کرتے تھے اور
کف افسوس ملتے تھے۔ امام کاتب قاضی ابو المطرف بن عمیرہ اپنے ایک خط میں جو شیخ
ابو جعفر بن امیہ کے نام بلنسیہ کے فساد کے موقعہ پر بھیجا تھا۔ اس حالت کا نقشہ کھینچ کر
خوب ہی خون روئے ہیں۔ اُن کا دوسرا خط سلطان افریقیہ کے نام تھا جس پر کہ اہل اندلس
کو اُمید تھی کہ وہ اُن کا بدلہ نصاریٰ سے لیں گے۔ اس خط میں بھی اُنہوں نے اپنا جگر بہا دیا
ہے۔ میں نے ایسی نظم و نثر عالی کہیں نہیں سُنی جس میں نصاریٰ (دمرہم اللہ) کے استیلاء
و غلبہ کو ایسی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہو کہ عقل حیران ہو جائے۔ لیکن ہر خیر کا آخر ایک
انجام اور ہر شروع کا ایک اختتام ہوا کرتا ہے۔ جب کوئی تیر کمانِ تقدیر سے نکلتا ہے تو وہ
نشانہ پر بیٹھ کر رہتا ہے۔

ابو المطرف ابن عمیر کو بعض علماء مغرب نے قدوۃ البلغاء عمدۃ العلماء و صدر الجلۃ الفضلاء
لکھا ہے۔ ان کا نام احمد بن عبد اللہ بن عمیرۃ المخزومی تھا، جزیرہ شقر کے رہنے والے تھے
بلنسیہ میں پیدا ہوئے، ابو الخطاب بن واجب اور ابو الربیع بن سالم اور ابن نوح۔ اور
شلوبین نحوی۔ اور ابن عادت اور ابن حوط اللہ وغیرہ، حفاظ حدیث سے انہوں نے
حدیث روایت کی ہے۔ علماء مشرق میں سے ایک جماعت نے ان کو اجازت دی تھی۔ روایت
کے معاملہ میں یہ سخت محتاط تھے۔ حدیثیں بہت سُنی تھیں۔ اور اپنے خاندان کے اُستادوں
سے بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ پھر اور علوم کی طرف متوجہ ہوئے معقولات اور اصول فقہ میں
بہت بڑا پایہ رکھتے تھے۔ ادب کی طرف مائل ہوئے تو اس میدان میں بڑے بڑے

شہسواروں سے گوئے سبقت لے گئے۔ کتابت کی طرف عنان توجہ مبذول کی تو گیہ تار میدان بن کر رہے وعظ کا طریقہ ابن جوزی کا اختیار کیا تھا۔ اُن کے بہت سے خطوط ہیں جو موحدین اور حفصیئن کو لکھے ہیں اُن کی تالیفات میں سے ایک میں میورقہ کے حالات اور اُس پر رومیوں کے غالب آنے کا حال لکھا ہے۔ دوسری میں امام اصبہانی کا جواب دیا ہے۔ تیسری میں امام فخر رازی کی کتاب المعالم پر ریویو کیا ہے۔ ایک کتاب "تنبہات علی فی البیان من التموہیات" نامی میں کمال الدین انصاری کی کتاب " التبیان فی علم البیان المطلع علی اعجاز القرآن" کا رد لکھا ہے۔ ایک اور کتاب خلاصہ ہے تاریخ صاحب الصلاۃ کا۔ ان کے علاوہ ان کی اور بھی بہت سی تصنیفات ہیں۔ امیر المومنین رشید جب شہر سلاسی واپس جا رہے تھے تو یہ اُن کی خدمت میں فائز ہوئے۔ چند مدت امیر المومنین نے اُن کو عہدۂ کتابت پر ممتاز فرمایا؛ پھر ہیلانہ کا قاضی کیا؛ پھر اُسی عہدہ پر شہر سلا کو بدلا پھر سعید نے اُن کو اُسی عہدہ پر مکناسہ الزیتون بھیجا۔ اس کے بعد یہ سبتہ چلے آئے یہاں سے بلاد افریقیہ گئے، اور اپنے حالات سے سلطان ابوزکریا حفصی کو بذریعہ ایک خط کے اطلاع دی۔ جب سے یہ اندلس سے نکلے اور افریقیہ میں قیام کیا، ہر شخص کے محبوب رہے۔ تونس پہونچے تو صالحین وزہاد کی صحبت اختیار کی۔ پھر آرکس چلے آئے وہاں سے فاس جا کر ایک مدت طویل قیام رکھا یہاں سے امیر المومنین المستنصر باللہ الحفصی نے بلا بھیجا۔ یہاں مجلس شاہی میں ایسے داخل ہوئے کہ اکثر امور سلطنت پر غالب ہو گئے جزائر شقر میں رمضان ۵۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور بروز جمعہ ۲۵ ذوالحجہ ۶۵۸ھ میں انتقال کیا۔ خدائے تعالیٰ اُن سے راضی ہو اور مغفرت فرمائے۔

دین حقہ کی اندلس میں تقویت ۔ دشمنوں کا مقہور ہونا ۔ وغیرہ وغیرہ

ہم نے باب دوم میں نصرت مسلمین، اُن کا اندلس کو فتح کرنا، وہاں کے غلبہ کامل حاصل
اور عبدالرحمن داخل کے آنے تک کا حال بیان کیا ہے۔ اس کے بعد قواعد سلطانیہ مقرر ہو گئے
اور کلمۂ ایمانیہ بلند ہو گیا۔ اس کا مفصل ذکر ہم انشاء اللہ تعالیٰ آگے بیان کرتے ہیں۔

ابن حزم کے علاوہ اور بہت سے مورخین نے لکھا ہے کہ اندلس میں دولت بنو امیہ
بہترین دول اسلام تھی۔ اور دشمنوں کو مقہور کرنے والی اُس سے بڑھ کر کوئی سلطنت
نہ تھی۔ عزت و نصرت میں وہ اُس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ اُس سے آگے پہونچنا ناممکن ہے جیسا
کہ آگے چل کر معلوم ہو جائے گا۔

اس سلطنت کی بنیاد، بقول ابن خلدون وغیرہ کے، یوں پڑی کہ مشرق میں بنو امیہ
پر وہ مصیبت آئی کہ جو سب کو معلوم ہے، بنو عباس اُن پر غالب آئے اور تخت خلافت سے
اُن کو گرا دیا۔ عبداللہ بن علی بن مروان بن محمد بن مروان بن الحکم، اُن کے آخری خلیفہ کو

سنہ ۱۳۲ ہجری میں قتل کرکے بنو مروان کے قتل کے درپے ہوئے۔ یہ کیفیت ہوئی کہ ان
غریبوں کو زمین کے اندر بھی چھپنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ جو لوگ کہ بنو عباس کی تلوار سے بچ گئے
اُن میں سے ایک عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان تھا۔ اُن کی
قوم یہ چاہتی تھی کہ اُن کو مغرب کا بادشاہ بناوے۔ کیوں کہ اُن میں قابلیت شاہی کی علامات
نظر آتی تھیں جن کی وجہ سے وہ ان کو مسلمہ ابن عبدالملک پر فوقیت دیتے تھے۔ عبدالرحمٰن بھی
اس کا منتظر تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے ملک مغرب کا رُخ کیا اور اپنی ننہال میں جا ٹھہرے
ان کی والدہ قبائل کے بربریوں میں سے تھیں۔ یہاں عبدالرحمٰن بن حبیب کو جس نے
ولید بن یزید کے دو بیٹوں کو، جو افریقیہ میں جا پہونچے تھے، قتل کر ڈالا تھا خبر پہنچ گئی
ناچار یہاں سے بھی نکل کر مقیلہ، بقول بعض مکناسہ، اور بقول دیگر قوم زناتہ نامی میں
چلے گئے۔ ان لوگوں نے اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا جس سے گونہ طمانیت حاصل ہوئی۔ یہاں
سے ملیلہ پہونچے اور اپنے غلام بدر کو اندلس میں مروانیوں کے ہواخواہوں کے پاس بھیجا۔
ان لوگوں نے اُن کی دعوت کو لبیک کہا اور اُس ملک میں اُس کی لئے کوشش کی۔ اُن کا
ہر جگہ چرچا کیا اور اُن کے قدوم کا مشتاق بنایا۔ یمنیہ اور مضریہ کے درمیان میں ہمیشہ
کلخنپ رہا ہی کرتی تھی، یمنیہ اُن کی طرف مائل ہوگئے۔ کیونکہ یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری
اور اُس کے ساتھی صمیل کا، جو فریق ثانی سے تھے، اُس وقت دور دورہ تھا۔ بدر یہ
خبریں لے کر واپس آگیا۔ غرض سنہ ۱۳۸ھ خلافت ابوجعفر المنصور میں، عبدالرحمٰن جہاز
پر سوار ہوکر ساحل المنکب پر جا اُترے۔ اشبیلیہ کے بہت سے لوگوں نے آکر اُن کی
بیعت کرلی۔ یہاں سے وہ علاقہ ریہ میں گئے وہاں کے عامل عیسیٰ بن مساور نے
بھی اطاعت قبول کرلی۔ وہاں سے شدونہ پہنچے تو عتاب بن علقمۃ اللخمی نے بیعت کی
پھر مورور گئے تو ابن صباح نے بیعت کی۔ قرطبہ پہنچے تو تمام یمنیہ اُن پر مجتمع ہوگئے
والی اندلس یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری طلیطلیہ میں ایک جنگ پر تھا۔ اُس کو جب خبر

پہونچی تو وہ اپنی فوج کو لے کر قرطبہ واپس آیا اُس کے وزیر صمیل بن حاتم نے اُس کو یہ رائے دی تھی کہ وہ عبدالرحمن سے تلطف اور حیلہ جوئی سے پیش آئے۔ کیوں کہ وہ ابھی تک کم عمر تھے اور چند ہی روز پیشتر ناز و نعمت سے جُدا ہوئے تھے۔ لیکن یہ رائے یوسف نے نہ مانی۔ عبدالرحمن مالقہ پہونچے۔ وہاں کی فوج نے اُن سے بیعت کرلی۔ یہاں سے وہ برندہ و شریش ہوتے ہوئے اشبیلیہ پہونچے۔ تمام شہروں کی فوج اُن کی طرف اُمنڈ آئی؛ یہاں تک کہ مضریہ بھی اُن سے آملے، اور یہ نوبت پہونچی کہ یوسف بن عبدالرحمن کے پاس سوائے بنو فہر کے اور کوئی نہ رہ گیا۔ یا بوجہ صمیل کے قیسیہ اُس کے ساتھ رہ گئے۔ عبدالرحمن داخل نے اس موقع پر لشکرکشی کی اور قرطبہ کے باہر صف آرا ہوئے۔ یوسف تاب مقابلہ نہ پاکر غرناطہ کی طرف بھاگا اور وہاں قلعہ بند ہوگیا۔ امیر عبدالرحمن نے اُس کا تعاقب کیا۔ آخر یوسف نے اُن سے اس شرط پر صلح کرلی وہ قرطبہ میں رہیں۔ اس صلح کے منعقد کرنے کے بعد وہ امیر عبدالرحمن کو اپنے ساتھ لے آیا۔ لیکن ۱۴۱ھ ہجری میں یوسف نقض عہد کر کے طلیطلہ جا پہونچا تقریباً بیس ہزار بربری اُس کے ساتھ ہوگئے۔ امیر عبدالرحمن نے عبدالملک بن عمر مروانی کو جو مشرق سے اُن کے ساتھ آگئے تھے اُس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اس کے والد عمر بن مروان بن حکم، عبدالرحمن داخل کے بھائی عبدالعزیز بن مروان کی کفالت میں مصر میں رہے تھے۔ جب مصر کے لوگ اُس کی تلاش میں پہنچے تو عبدالملک اندلس کے ارادہ سے اپنے قوم کے دس بہادر آدمیوں کو جو مشہور نڈر تھے، لے کر روانہ ہوئے، اور ۱۴۰ھ میں عبدالرحمن سے آملے۔ اُنھوں نے اُس کو اشبیلیہ پر، اور اس کے بیٹے عمر بن عبدالملک کو مورور پر تعینات کردیا۔ یوسف ان دونوں باپ بیٹوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اور یہ دونوں بھی اُس کی طرف چلے۔ فریقین میں جنگ ہوئی تو تقدیر کا پانسہ یوسف کے خلاف پڑا۔ اُسی کے ساتھیوں نے نواح طلیطلہ میں اُس کا سر کاٹ کر امیر عبدالرحمن کے پاس بھیجدیا اقبال مند بادشاہ قرطبہ پر قابض ہوگیا اور اُن کا قدم ملک بھر میں جم گیا اس کے بعد

امیر نے قرطبہ میں جامع مسجد اور قصر بنایا، جس پر اسّی ہزار دینار خرچ آئے۔ لیکن داعی اجل نے اُن کو اس قدر مہلت نہ دی کہ وہ اُن کی تکمیل دیکھ لیتے اور بہت سی مسجدیں بھی بنائیں اُن کے اہل بیت مشرق سے آ گئے تھے۔ پہلے تو امیر عبدالرحمٰن بھی منصور عباسی کے نام سے حکومت کرتے رہے، لیکن بعد میں عباسیوں کا نام اُڑا کر خود مختار ہو گئے اور خاندان بنو امیّہ کی ایک بڑی سلطنت قائم کر لی، جو مصائب اُن پر مشرق میں پڑے تھے اُن کا بدلہ اُنہوں نے یہاں پا لیا۔ آل عباس کا خطبہ اندلس کے منبروں پر سے موقوف کر دیا گیا، اور تمام فتنہ و فساد کا سدباب ہو گیا۔ آخر ۱۷۲ھ ہجری میں واصل برحمت حق ہو گئے۔ یہ عبدالرحمٰن "الداخل" کہلاتے ہیں، کیونکہ خاندان بنو مروان میں سب سے پہلے بادشاہ یہی تھے جو اندلس میں داخل ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر کہ اُنہوں نے کس طرح خطرات کا مقابلہ کیا، اور بغیر کسی حامی و مددگار کے اپنی بساط سلطنت اندلس میں بچھا دی، ملک بھر پر چھا گئے اور قوت و شوکت کے ساتھ عباسیوں کے ہاتھ سے وہ ملک نکال کر اس طرح غلبہ حاصل کیا کہ اپنی اولاد کے لئے سلطنت چھوڑ گئے۔ ابو جعفر منصور عباسی اُن کو "صقر قریش" کہا کرتے تھے۔ (صقر = شہر) یہ اور ان کی اولاد "امیر" ہی کہلاتے رہے، اور خلافت بغداد کے ادب اور اہل عرب کے لحاظ سے ان لوگوں نے اپنے آپ کو امیر المومنین نہیں کہلوایا۔ لیکن جب عبدالرحمٰن الناصر، جو داخل کی آٹھویں پشت میں تھے، تخت پر بیٹھے اور دیکھا کہ خلفائے بنو عباس میں، تین سو سال کے بعد، ضعف آ گیا، عجمی لوگوں کا سلطنت پر قبضہ ہو گیا ہے اور خلافت کا نام ہی نام باقی ہے تو اُنہوں نے "امیر المومنین" کا لقب اختیار کر لیا (جیسا کہ ہم آگے بیان کرینگے) اُس کے بعد یہ لقب الناصر کی اولاد میں یکے بعد دیگرے متوارث چلا آیا۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن داخل کی اولاد کی مملکت بہت بڑی اور دولت وسیع تھی۔ یہ شوکت چوتھی صدی کے بعد تک برابر قائم رہی۔

مسلمان تو عبدالرحمٰن الداخل کے معاملہ میں مصروف رہے اودھر جلالقہ قوت پکڑتے گئے اور اُن کے بادشاہ کا دل بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کے بادشاہ فرویلہ بن ادفونش نے بعض شہروں پر چھاپہ مارا۔ اور مسلمانوں کو ان شہروں سے نکال باہر کیا۔ شہر لک، برتقال، سمورہ قشتالہ، شقوبیہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ جلالقہ کی یہ قوت بدستور رہی۔ آخر منصور بن ابی عامر نے آخر دولت بنو امیہ میں ان پر غلبہ حاصل کرلیا۔ لیکن بعد میں جہاں اندلس کے اور ملک مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلے وہاں یہ بھی نکل گیا۔ اور کفار تمام ملک پر قابض ہوگئے جیسا کہ ذکر کیا جائے گا۔ واللہ سبحانہ الامر۔

عبدالرحمٰن تا رلہ شاہ افرنج کی طرف متوجہ ہوئے، جو ایک طاقتور بادشاہ تھا۔ اس کو پہلے ہی اُنہوں نے دست پاچہ کر رکھا تھا۔ یہ بھی اُن سے مردانہ وار پیش آیا، لیکن آخر خوشامد پر اُتر آیا۔ اور اپنی بیٹی دینے اور صلح کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ صلح تو ہوگئی لیکن معاملۂ مصاہرت یوں ہی رہ گیا۔

ابنِ حیان کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمٰن داخل نے اندلس کو دُور افتادہ اور بغیر بادشاہ کے پایا تو وہاں کے لوگوں کو بادشاہی اطاعت اور آدابِ سلطانی کا خوگر بنایا، مروت کرنے کا طریقہ بتلا کر اُن کو ایک ڈھنگ پر ڈال دیا، دفتر قائم کئے، محل کھڑے کئے، انعامات مقرر کئے، فوج کو ترتیب دیا، افسر مقرر کئے، مختلف انتظامات کئے، ملک کی حفاظت کا اہتمام کیا۔ اور لگان مقرر کیا۔ اُن کا اعتراف بڑے بڑے بادشاہوں نے کرلیا یہاں تک کہ اُن کے قریب آنے سے بھی ڈرنے لگے۔ اور شدہ شدہ تمام بلاد اندلس اُن کا مطیع ہوگیا اور اُن کی سلطنت مستحکم و مستقل ہوگئی۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کا دشمن ابوجعفر منصور بھی اُن کی تعریف کرتا، اور اُن سے ڈرتا رہتا، اور اُن کو سب پر ترجیح دے کر اپنے برابر بتلاتا تھا۔ اُس کی زبان پر اکثر عبدالرحمٰن کا ذکر رہتا تھا۔ اور کہا کرتا تھا کہ ”اگر ہماری سلطنت باوجود اُس کی سختی اور اُس کے اسباب کی قوت کے قائم رہ جائے تو تم تعجب مت کرو اصل تعریف کی بات

تو وہ ہے کہ جو اس یگانہ و فرزانہ جوان قریشی نے کی ہے۔ جو اپنے اہل سے جدا ہوا، اپنی ہمت سے مصائب کی پروا نہ کی، اپنی دُھن کا پورا رہا، یہاں تک کہ اپنی عزت کی بنا، قائم کرنے کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ ایک دور و دراز جزیرہ میں جا پہنچا، جہاں فوجیں اُس کے مقابلہ کے لئے موجود تھیں، مگر اُن فوجوں کو اپنی ہمت سے شکست دی، اور اپنے حیلوں سے ایک دوسرے کو لڑا کر مار ڈالا، اہل ملک کا دل سیاست کے عمل سے اپنی مٹھی میں لے لیا حتیٰ کہ بڑے بڑے آدمی اُس کے مطیع ہو گئے، اور وہ تمام ملک پر قابض ہو گیا۔ یہ شخص اپنے اعداء کے لئے مجسم قہر ہے، اور اپنے عہد کا پورا۔ اپنی سرحد کے پاس کسی کو پھٹکنے نہیں دیتا لوگ اُس سے محبت بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔ یہی جوان وہ شخص ہے کہ جس پر جوانی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی اُس کی تعریف کرے تو اُس کو جھوٹا نہ سمجھو۔"

ابن حیان نے نوادر عجیبہ میں کہا ہے کہ جہاں عبدالرحمٰن اور ابو جعفر میں ایک ہی طرح کا مردانہ پن، دوسروں پر غالب آ جانا، قدم پیچھے نہ ہٹانا، درشت فراج ہونا وغیرہ تھا وہاں ان دونوں کی مائیں بھی بربری تھیں۔"

عبدالرحمٰن داخل عام لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تھے، اُن کی شکایات کو سنتے تھے، خود بذات خاص جا کر اُن کے جھگڑوں کو دیکھتے اور سنتے تھے۔ جو شخص چاہتا اُن کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ ایک غریب اور ضعیف آدمی بھی بغیر کسی مشقت کے خواہان انصاف ہو سکتا تھا۔ اُن کی یہ عادت تھی کہ کھانے کے وقت جتنے آدمی موجود ہوتے سب کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتے حتیٰ کہ جو لوگ کوئی فریاد لے کر اُن کے پاس آئے ہوتے تھے وہ بھی اُن ہی کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔

عبدالرحمٰن الداخل کے سنہرے بال تھے، گال پچکے ہوئے، چہرہ پر ایک تل، لانبا قد، نحیف الجسم، دو طرف گندھے ہوئے بال، یک چشم، ناک ایسی حِسّی کہ اُن کو بد بو یا خوشبو نہ آتی تھی۔ وہ "صقر قریش" اس لئے کہلاتے تھے کہ بحر دبر قطع کر کے ملک مغرب میں

چلے آئے تھے۔ خود بادشاہ ہوئے اور تن تنہا تمام سلطنت کا انتظام کیا۔
جہاں حجاری نے اُن کے یک چشم ہونے کا عیب بیان کیا ہی وہاں امرء القیس کا یہ شعر بھی لکھا ہی۔

لكن عوير وفى بذمته   لا عور شانه ولا قصر

[لیکن اس کانے نے اپنا عہد پورا کیا   کانا یا بونا ہونا اُس کا کوئی عیب نہیں]

ابن خلدون کہتے ہیں کہ سنہ ۱۴۶ ہجری میں علاء بن مغیث الیحصبی افریقیہ سے باجۂ اندلس میں اس غرض سے آئے کہ لوگوں سے ابوجعفر المنصور کی بیعت لیں۔ بہت سے لوگ اُن کے ساتھی ہوگئے۔ عبدالرحمن اُن کے مقابلہ کے لئے گئے اور نواح اشبیلیہ میں اُن سے صف آرا ہوئے۔ چند روز جدال و قتال رہا۔ آخر ابوالعلاء کو شکست ہوئی، اور سات ہزار آدمیوں کے ساتھ قتل ہوگئے۔ عبدالرحمن نے ان میں سے بہت سے مقتولین کے سر قیروان اور مکہ شریف میں بھیجدیئے۔ وہاں کے بازاروں میں یہ سب سر مع عباسیوں کے سیاہ جھنڈے اور منصور کے خط کے، جو علاء کو دیا تھا، خفیہ طور پر لٹکا دیئے گئے۔ منصور یہ سُن کر کانپ گیا اور کہنے لگا کہ "یہ شخص تو شیطان ہی۔ خدا کا شکر ہی کہ ہمارے اور اُس کے درمیان میں سمندر حائل ہی" (اس قول کے الفاظ خواہ کچھ اور ہوں مگر معنی یہی ہیں)

رؤسائے عرب جوق درجوق عبدالرحمن کے پاس آنے لگے، اور تمام ملک میں پھیل گئے ان سے عبدالرحمن نے تکلیفیں بھی اُٹھائیں، لیکن آخر سب پر حاوی ہوگئے۔ قبائل کو ترتیب دے کر بلاد افرنج اور شکلنس وغیرہ پر چڑھائی کی، اور وہاں سے بہ فتح و ظفر واپس آئے۔

عبدالرحمن کی نیت یہ تھی کہ مشرق میں بھی بنی مروان کی سلطنت کو تازہ کردیں لیکن یہ اُمید وہ دل ہی میں لے گئے۔ اُنھوں نے ۳۳ برس چار مہینے سلطنت کی وہ سنہ ۱۳۸ھ میں اندلس داخل ہوئے تھے۔ اور سنہ ۱۷۲ھ (بقول بعض سنہ ۱۷۱ ہجری) میں انتقال کیا بغداد میں اُس وقت ہارون الرشید سریر آرائے سلطنت تھے۔ عبدالرحمن کی والدہ بربری

راح نامی، ام ولد، تھیں۔ وہ ۱۱۳ھ ہجری میں نواح دمشق کے دیر حنا میں پیدا ہوئے تھے ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ علیا واقع علاقہ تدمیر میں پیدا ہوئے تھے اُن کے والد، اُن کے دادا ہشام کے سامنے ہی انتقال کر گئے تھے۔ اُن ہی نے ان کو اور ان کے بھائیوں کو پرورش کیا۔ اندلس میں جتنا مال غنیمت کا خمس خلفاء کے لئے جمع ہوتا تھا وہ سب ان ہی عبدالرحمن کو دیا جاتا تھا اندلس میں اُن کی جاگیر بھی تھی۔

سعید بن ابو لیلیٰ اُن کے پاس شام سے آ گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب امیر عبدالرحمن نے فلسطین سے مغرب کا قصد کیا تو اُن کے ساتھ چار آدمی تھے۔ بدر جو اُن کے باپ کا غلام تھا۔ ابو شجاع۔ زیاد۔ عمرو بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ بدر اُن کے ساتھ نہیں نکلا تھا۔ بلکہ بعد میں آکر اُن سے مل گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

عبدالرحمن نے بیس اولادیں چھوڑیں گیارہ بیٹے اور نو بیٹیاں۔

کئی مورخین نے بیان کیا ہے کہ جب وہ شام سے بھاگ کر اندلس کے ارادے سے افریقیہ میں آکر مغیلہ سے اُترے تو رؤساء بربر کے ایک شیخ وانسوس نامی کے پاس چھپے تھے۔ (وانسوس کی کنیت ابو قرہ تھی) یہیں اُن کے والد کا غلام بدر اُن سے آملا تھا جب اندلس میں وہ سریر آرائے سلطنت ہوئے ابو قرہ وانسوس بربری اُن کے پاس گیا۔ عبدالرحمن اس شخص سے بہت اچھی طرح پیش آئے، اپنے ہی پاس ٹھہرایا، اور اُس کی بیوی تکفات البربریہ کی بھی بہت عزت کی۔ ابن حبیب کے آدمیوں نے جب اُن کی تلاش میں اُس کے گھر کی تلاشی لی تھی تو اسی تکفات نے اُن کو اپنے کپڑوں کے نیچے چھپایا تھا۔ جب تکفات اندلس میں آکر عبدالرحمن کے پاس پناہ گزیں ہوئی تو عبدالرحمن نے اس سے مزاحاً کہا کہ "اے تکفات جب میں خوف و خطر میں تھا تو تیری نعل گند اور سخت بدبودار کپڑوں کا مزہ اٹھا چکا ہوں"۔ تکفات نے فوراً جواب دیا کہ "اے امیر! واللہ وہ تیری بدبو تھی، مگر چونکہ تو سخت متفکر اور متردد تھا اس لئے تجھے اس کی خبر نہیں ہوئی"۔ عبدالرحمن

کو یہ جواب اگرچہ بہت ہی پسند آیا۔ مگر پھر اُس کو سامنے نہیں آنے دیا۔ یہ ہیں آفات مزاج۔
عبدالرحمٰن نے شہر قرطبہ کی فصیل شہر بنائی تھی۔

ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل

عبدالرحمٰن الداخل کے بعد اُن کا بیٹا ہشام تخت پر بیٹھا۔ ان کی والدہ حلل نامی ام ولد تھیں اُن کو ماردہ کا حاکم مقرر کر دیا گیا تھا۔ اپنے والد داخل کی موت کے وقت وہ وہیں تھے۔ اُن کے والد نے بچپن ہی میں اُن کو ولی عہد قرار دے دیا اور اُن کو امور سلطنت کے لئے تیار کر دیا تھا۔

داخل اکثر اپنے دونوں بیٹوں، ہشام اور سلیمان، کو یاد کرتے رہتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ "جب ہشام کسی مجلس میں آجاتے ہیں تو وہ اپنے علم ادب، تاریخ، تذکرات حرب بہادروں کی تعریفوں اور اسی قسم کی باتوں سے مجلس بھر کو بھر دیتے ہیں۔ اور جب سلیمان آتے ہیں تو حماقت و ہذیان سے مجلس کو پراگندہ کر دیتے ہیں" غرض باپ کی نگاہ میں ہشام کی جتنی قدر تھی اُسی قدر سلیمان کی بے قدری تھی۔

ایک روز الداخل نے ہشام سے کہا کہ یہ شعر کس کے ہیں۔

وتعرف فیہ من ابیہ شمائلا	ومن خالہ او من یزید ومن حجر
(اور تو اُس میں اُس کے باپ کی خصلتیں پہچانتا ہے	اور اُس کے ماموں یا یزید کی یا حجر کی)
سماحتہ ذا مع برذا وفاء ذا	ونائل ذا اذا صحا واذا سکر
(یہ سخاوت پر دلیری ہے مع اُس کی نیکی اور اُس کی وفا کے	اور یہ بخشش ہے جب کہ وہ ہوش میں یا جب نشے میں ہو)

ہشام نے کہا کہ "یہ اشعار امرؤالقیس بادشاہ کندہ کے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے یہ شعر امیر ہی کے شان میں کہے ہیں (خدا امیر کی عزت اور رتبہ بڑھائے)" عبدالرحمٰن نے اُن کو سینہ سے لگالیا، بہت سا انعام دیا اور اُن کی قدر اور بھی بڑھا دی۔ پھر یہی شعر تنہائی میں

سلیمان کے سامنے پڑھے اور وہی سوال کیا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ " یہ شعر کسی تنک مایہ عرب کے معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے اور شغل ایسے ہیں کہ عرب کے شعر یاد نہیں کر سکتا " عبدالرحمن نے یہ سن کر اپنا سر جھکا لیا۔ اور دونوں بیٹوں میں فرق معلوم کر لیا۔

ہشام نے تخت پر بیٹھنے کے بعد ایک منجم ضبی نامی کو اُس کے وطن، جزیرۃ الخضرا سے قرطبہ بلا بھیجا (یہ شخص علم نجوم و سیارگان میں اپنے زمانہ کا بطلیموس تھا) اور اُس سے تخلیہ میں کہا کہ " اے ضبی! مجھے اس میں شک نہیں ہے کہ تم ہمارے معاملات سے بالکل غافل رہے ہو۔ اور جو کچھ تمھاری تحقیق سے تمھیں معلوم ہوا ہے اُس کو تم نے ظاہر نہیں کیا۔ اب میں تمھیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جو کچھ تمھیں معلوم ہوا ہو وہ مجھ پر ظاہر کر دو " ضبی پہلے تو کچھ گھبرا گیا۔ لیکن پھر اُس نے معافی مانگ کر کہا کہ " میں نے آپ کے معاملہ میں بوجہ آپ کے جلالت قدر کے کبھی غور نہیں کیا " ہشام نے اُس کو کچھ مہلت دی اور اُس کے بعد بلا کر پوچھا تو اُس نے کہا کہ " آپ نہایت سعادت کے ساتھ اپنے ملک پر حکومت کرینگے۔ اور جو شخص آپ سے عداوت کرے گا وہ مقہور ہوگا۔ لیکن جہاں تک میری نظر کام کرتی ہے آپ کی مدت حکومت صرف آٹھ سال یا اس کے قریب ہے " ہشام تھوڑی دیر تک تو کچھ سوچتا رہا اور پھر کہا کہ " یہ نہ سمجھنا کہ تم نے مجھے ڈرا دیا ہے۔ اگر میں اتنی مدت سجدہ ہی میں پڑا رہوں تو بھی میں خدائے تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتا " اس کے بعد اُس نے ضبی کو خلعت و انعام دے کر رخصت کر دیا۔ اور خود زہد اور نیکی اختیار کر لی۔

ہشام کے جود و سخا کے متعلق یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ وہ اپنے والد کی حیات میں اپنی سیرگاہ میں جو دریا کے کنارے واقع تھی بیٹھے ہوئے تھے کہ اُنھوں نے ایک شخص کو، جو اُن ہی کا پروردہ، جیان کا باشندہ تھا، دیکھا اور اُس کے بشرہ سے معلوم کیا کہ اُس کو اُن کے بھائی سلیمان کی طرف سے جو جیان کے حاکم تھے کوئی تکلیف پہنچی ہے اُس کو اپنے پاس بلا بھیجا اور کہا کہ " اے کنانی! معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی بڑے کام کے لئے

آئے ہو۔ بتلاؤ تو سہی کہ کیا ہی؟" اُس نے کہا کہ "میری قوم میں سے ایک شخص نے ایک آدمی کو خطاءً مار ڈالا ہی۔ جس کی دیت تمام علاقہ اور عام طور پر تمام کنانیوں پر پڑی میرا گھرانا خاص طور پر پکڑا گیا۔ آپ کے بھائی کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ میرے اوپر مہربانی فرماتے ہیں تو میرے اوپر خاص طور سے سختی کی گئی"۔ ہشام نے اپنا ہاتھ ایک باندی کی طرف بڑھایا جو پردے کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی اور اُس کے گلے کا ایک زیور کھینچ کر کنانی کو دیا اور کہا کہ "جاؤ اس کو بیچ لو۔ اس کی قیمت تین ہزار دینار ملیگی۔ اس سے کم پر راضی نہ ہونا۔ اور اُس سے اپنا اور اپنی قوم کا جرمانہ ادا کردینا تم کو کسی کے ہاتھ سے نقصان نہ اُٹھانا پڑے گا"۔ اُس نے کہا کہ "میں آپ کے پاس روپیہ لینے یا تنگی معاش کی شکایت کرنے نہیں آیا تھا۔ بلکہ میں اس ظلم صریح کی شکایت کرنے اور اس معاملہ میں آپ سے مدد لینے کے لئے آیا تھا۔ تاکہ آئندہ آپ کی عنایات کی وجہ سے میرے اوپر کوئی حسد نہ کرنے پائے"۔ ہشام نے پوچھا کہ "اس کی کیا تدبیر ہوسکتی ہی؟" اُس نے کہا کہ "آپ اپنے بھائی کو لکھ دیجئے کہ مجھ سے ہاتھ اُٹھالے اور مجھے آپ کا پروردہ سمجھے"۔ ہشام اُسی وقت سوار ہوکر اپنے والد کے پاس گئے۔ اور باریابی کی اجازت مانگی۔ چونکہ یہ ناوقت تھا عبدالرحمن نے کہا کہ ہشام کا اس وقت آنا بے وجہ نہیں ہی۔ یقیناً کوئی سخت بات پیش آئی ہی ہشام کو فوراً بلایا۔ وہ سلام کرکے کھڑے رہ گئے۔ باپ نے بیٹھنے کو کہا تو بیٹے نے جواب دیا کہ "اصلح اللہ الامیر! میں کس طرح بیٹھ سکتا ہوں دراں حالے کہ میرا قلب مطمئن نہ ہو۔ اگر آپ میری حاجت پوری کردیں تو بیٹھوں ورنہ اُلٹے پاؤں لوٹ جاؤں"۔ عبدالرحمن نے کہا کہ "خدائے تعالیٰ تمھیں ہر انقلاب سے محفوظ رکھے، اطمینان سے بیٹھ جاؤ، تمھاری جو حاجت ہوگی رفع کی جائیگی"۔ ہشام نے بیٹھ کر تمام قصہ بیان کیا۔ باپ نے فوراً بیت المال سے کنانیوں کی دیت ادا کرنے کا حکم دے دیا۔ ہشام بہت خوش ہوئے اور شکریہ ادا کیا۔ عبدالرحمن نے سلیمان کو لکھ دیا کہ آئندہ اُس کنانی سے

تعرض نہ کرے۔ جب کنانی رخصت ہونے کے لئے ہشام کے پاس حاضر ہوا تو اُن سے کہا کہ "آپ نے میرے ساتھ وہ نیکی کی ہے کہ جو حد امنیت سے تجاوز کر گئی ہے اور نصرت اپنی غایت کو پہنچ گئی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے مجھے اب اس زیور کی ضرورت سے غنی کر دیا ہے۔ آپ اس کو اس کی مالکہ کو واپس دے دیں۔" ہشام نے اس سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ "یہ چیز اب ہم واپس نہیں لے سکتے۔"

ہشام اپنی عادات میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے قدم بقدم چلتے تھے چنانچہ اپنے خاص معتبر آدمیوں کو علاقوں میں بھیجتے تھے تاکہ وہ رعایا سے عمّال کا حال دریافت کر کے سچّا سچّا حال اُن سے آکر بیان کریں۔ اگر کسی عامل کی کوئی بے اعتدالی معلوم ہوتی تھی تو اس کو موقوف کر دیتے، مظلوم کا انصاف کرتے۔ اور اُس عامل کو کبھی پھر کسی کام پر مقرر نہ کرتے۔

جب ہشام کی تعریف حضرت مالک ابن انس رضؓ سے کی گئی تو انہوں نے کہا کہ خدا کرے ایسے لوگوں سے ہمیں زینت ہو۔

ہشام کے زمانہ میں اریونہ فتح ہوا۔ اور جلیقیہ کے لوگوں سے جہاں اور سخت شرطیں کی گئیں وہاں ایک یہ شرط بھی تھی کہ اریونہ کے فصیل شہر کا ملبہ اُن کے قصر واقع قرطبہ تک پہنچا دیا جائے۔ اس ملبہ سے وہ مسجد بنائی گئی کہ جو باب الجنان کے سامنے ہے۔ اُس پر بھی اُس ملبہ میں سے کچھ بچ گیا۔

ہشام کو اپنے ہی خاندان وغیرہ سے کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں لیکن ان کا نتیجہ ان ہی کے حق میں رہا۔ موقعہ جنگ پر خود گئے البہ اور دیگر قلعوں کی لڑائی میں بذات خاص موجود رہے اور بفتح و ظفر واپس آئے۔

۱۷۵ھ ہجری میں جلیقیہ پر بسرکردگی یوسف بن نجیہ فوجیں بھیجیں، وہاں کے بادشاہ ابن منده کو شکست دی اور دشمنوں کو تاخت و تاراج کیا۔

سنہ ۱۷۶ہجری میں اپنے وزیر عبدالملک بن عبدالواحد بن مغیث کو دشمنوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ آلبہ و دیگر قلعوں کے نواح میں اُس نے خوب داد مردانگی دی اور دشمنوں کو بہت تنگ کیا۔ پھر سنہ ۱۷۸ہجری میں عبدالملک کو آریونہ اور جریدہ بھیجا وہاں بھی اس نے فتوحات حاصل کیں اور ارض سرطانیہ سے آگے بڑھ گیا۔ عبدالملک نے بلاد کفار میں بڑی خوبی سے کامیابی حاصل کی اور کفار کو ہزیمتیں دیں۔

سنہ ۱۷۹ہجری میں عبدالکریم بن عبدالواحد اور اُس کے بھائی عبدالملک بن عبدالواحد کے ساتھ آلبہ اور قلاع اور جلیقیہ کی طرف فوجیں بھیجیں۔ یہ استرقہ تک پہنچ گئے۔ جلالقہ کے بادشاہ اُن سے مقابلہ کے لئے جمع ہوئے اور بشکنس کے بادشاہ سے مدد مانگی مگر یہ مقابلہ پر نہیں آیا اپنی فوج کو لے کر واپس چلا گیا۔ اور عبدالملک نے اس کا تعاقب کیا ہشام نے ایک اور طرف سے بھی فوج بھیجی جو عبدالملک سے آکر مل گئی اور شہروں کو تاخت و تاراج کیا۔ افرنجیہ کی فوج نے مقابلہ کیا ان کو وہاں سے بھی مال غنیمت ہاتھ آیا اور بفتح ظفر واپس آئے۔

ہشام کے محاسن میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے اُس پل کی تجدید کی جس سے کہ قرطبہ ضرب المثل ہو گیا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، اس پل کو سمح الخولانی عامل عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنایا تھا ہشام نے اس کو نہایت مضبوط کر دیا۔

ایک روز انہوں نے اپنے ایک وزیر سے پوچھا کہ اس پل کی بابت اہل قرطبہ کیا کہتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ یہ کہا جاتا ہے کہ امیر نے یہ پل اپنے آرام کے لئے بنایا ہے تاکہ سیر و شکار میں جانے کے لئے آرام ہو، ہشام نے اپنے دل میں اسی وقت یہ عہد کر لیا کہ کبھی اس پل پر سے نہ گزروں گا۔ چنانچہ پھر کبھی اُس پر سے نہ گزرے اور اپنے حلف پر قائم رہے۔

آخر سات سال نو ماہ سلطنت کر کے سنہ ۱۸۰ہجری میں انتقال کر گئے۔

بعض کہتے ہیں کہ اُن کی مدت سلطنت آٹھ سال تھی۔ بہر حال وہ ایک صاحب خیر

صلاح بادشاہ تھے۔ اُنھوں نے بہت سے غزوات و جہاد کئے۔ جامع مسجد قرطبہ کی بناء عبدالرحمٰن نے ڈالی تھی، اُنھوں نے اس کو تکمیل کیا۔ خراج و زکوٰۃ میں کتاب اللہ و کتاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا۔ ان کی پیدائش شوال ۱۳۸ھ ہجری کی تھی۔ چالیس سال چار ماہ عمر پائی۔ خدائے تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اُن کو بخشے۔ آمین۔

حکم بن ہشام

ان کے زمانہ میں غلاموں و فوج نے بڑی ترقی کی، ملک سلطنت اور زیادہ وسیع ہوا، امور بادشاہ نے ہاتھ میں رکھے۔ جس زمانہ میں کہ وہ اپنے دونوں چچا سے لڑائی میں مصروف تھے، کافر دشمنوں نے فرصت کو غنیمت سمجھا اور بلاد مسلمین میں فساد مچایا۔ ۱۸۵ھ ہجری میں برشلونہ پر حملہ کرکے اُس کو اپنے قبضے میں لے آئے۔ اس عرصہ میں مسلمانوں کی افواج دوسری جگہ مصروف تھیں۔ حکم نے اپنے حاجب عبدالکریم بن مغیث کی سرکردگی میں ایک فوج بلاد جلالقہ کی طرف بھیجی اُنھوں نے وہاں دشمنوں کو سخت تنگ کیا، اور فتح کرکے واپس ہوئے۔ قرطبہ کے اہل ربض کے ساتھ حکم بن ہشام کا ایک واقعہ مشہور ہے یہ امور اُن کے تخت نشینی کے قریب پیش آئے تھے۔ حکم اپنی لذات میں مشغول ہو گئے تھے۔ اہل علم و ورع، مثل یحییٰ بن یحییٰ اللیثی، امام مالکؒ کے شاگرد اور موطا کے راوی، اور طالوت فقیہ وغیرہ قرطبہ میں جمع ہوئے اور حکم کی بیعت سے خلع کرکے اُن کے ایک عزیز سے بیعت کرلی جو ربض غربی قرطبہ میں رہتے تھے اُن کا محل قصر شاہی سے متصل تھا۔ حکم نے اُن سے جنگ کی اور اُن پر غالب آگئے۔ اُن کو تتر بتر کر دیا، اور اُن کے مکان اور مسجدیں گرا دیں۔ یہ لوگ فاس اور اسکندریہ چلے گئے، اور وہاں اپنی جمعیت بنالی۔ مصر پر اُن دنوں مامون بن ہارون رشید کی طرف سے عبداللہ بن طاہر حاکم تھے اُنھوں نے اس جمعیت پر حملہ کرکے جزیرہ اقریطش کی طرف نکال دیا۔ ایک مدت کے بعد

اہل افرنجہ نے اس جزیرہ کو اُن کے ہاتھ سے نکال لیا۔

حکم کے زمانہ میں اہل طلیطلہ سے جو مخالفین میں سے تھے، بہت سے فتنہ و فساد رہے۔

سنہ ۱۹۲ ہجری میں لذریق بن قارلہ شاہ افرنج نے ایک فوج لے کر قلعہ طرسونہ پر حملہ کیا۔ حکم نے اپنے بیٹے عبدالرحمن کو ایک فوج دے کر بھیجا اُنہوں نے شاہ افرنجہ کی فوج کو شکست دی، اور خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ حکم تو اُن لوگوں کے مقابلہ میں مصروف رہے کہ جنہوں نے اُن پر خروج کیا تھا۔ ادھر اہل افرنجہ کی زیادتیاں بڑھ گئیں آخر حکم بنفس نفیس سنہ ۱۹۶ ہجری میں اہل فرنج سے جنگ کے لئے گئے تو بہت سے مقامات اور قلعے فتح ہو گئے، وہ علاقہ تباہ کر دیا گیا، قتل و غارت و قید میں بہت سختی کی گئی اور آخر وہ فتح و ظفر حاصل کر کے قرطبہ میں واپس آ گئے۔

اُنہوں نے سنہ ۲۰۰ ہجری میں ابن مغیث کی سرکردگی میں بلاد افرنجہ میں فوج بھیجی اس نے جا کر بہت سے قلعے گرا دیئے، اور اُس نواح کو تباہ کر دیا۔ ایلط شاہ جلالقہ بہت بڑی جمعیت کو ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے آیا اور ایک دریا کے کنارے ٹھیرا۔ جنگ ہوئی تو اس میں مسلمانوں نے سخت نقصان اُٹھایا۔ تیرہ دن تک جنگ جاری رہی آخر بارش شروع ہو گئی اور دریا چڑھ آیا۔ اور مسلمان بفتح و ظفر واپس آئے۔

حکم پہلے بادشاہ تھے جنہوں نے فوج کے دستے بنائے، اور مردم شماری کی۔ یہ بنو اُمیہ میں سب سے بڑے بادشاہ تھے۔ نہایت سخت گیر واقع ہوئے تھے، اور بہت بڑے بہادر۔ بوجہ شدۃ، وسعت ملک، استقرار دولت، قلع و قمع دشمن کے خلفائے بنو عباس میں ابو جعفر المنصور سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

حکم فقیہ زیاد بن عبدالرحمن کے زیادہ معتقد تھے۔ ایک روز فقیہ زیاد ان کے پاس آئے تو حکم ایک غلام پر اس لئے ناراض ہو رہے تھے کہ اُس نے کوئی الیباخط اُن تک

پہنچا دیا تھا جو اُن کو ناگوار ہوا۔ اسی غصہ میں اُنہوں نے غلام کے ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم دے دیا۔ زیاد نے کہا کہ "اصلح اللہ الامیر! مالک ابنِ انس نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ جو شخص اپنے مقدور بھر غصہ کو فرو کرے خدائے تعالیٰ اُس کو قیامت میں امن و ایمان کے ساتھ اُٹھائے گا۔" یہ سُن کر حکم نے اُس غلام کا قصور معاف کر دیا، اور اُن کا غصہ جاتا رہا۔

۱۹۷ھ ہجری میں قحط سخت پڑا۔ اس موقعہ پر حکم نے اہل حاجات سے بہت سلوک کئے۔

حکم کی مُہر تھی "باللہ یثق الحکم ولعیتصم"

حکم کے بیس بیٹے اور بیس ہی بیٹیاں تھیں۔

حکم کی والدہ ایک جاریہ تھیں جن کا نام زخرف تھا۔

حکم گندمی رنگ لابنے اور نحیف جسم کے تھے۔ ان کی مدتِ حکومت چھبیس ۲۶ سال تھی خدائے تعالیٰ اُن کے گناہوں سے چشم پوشی کرے۔ آمین

کئی مورخین نے بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے وہی بادشاہ ہیں کہ جنہوں نے سلطنت اندلس میں رعب و داب قائم کیا۔ اُنہوں نے غلاموں کی فوج بنائی جس کی تعداد پانچ ہزار پر پہنچ گئی۔ ان میں سے تین ہزار سوار تھے اور دو ہزار پیادے۔

۲۰۶ھ ہجری میں اُنہوں نے انتقال کیا۔ ان کی پیدائش ۱۵۴ھ ہجری تھی۔

ابن خلدون وغیرہ نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے بادشاہ یہی ہیں جنہوں نے اندلس میں فوج کے دستے بنائے، ہتھیار جمع کئے، ہر طرح کے اعداد و شمار جمع کئے، خدم و حواشی و حشم بڑھائے اپنے دروازے پر گھوڑے بندھوائے اور غلاموں کو فوج میں رکھا۔ چوں کہ اُن کی زبان میں عجمیت زیادہ تھی اس لئے اُن کو الخرس (= گونگا) کہا جاتا تھا۔ سلطنت کا کام خود کرتے تھے اور فقہاء و علماء و صالحین کی صحبت میں اکثر بیٹھتے تھے۔ وہی ہیں

جنھوں نے ملک کو اچھی حالت میں اپنی اولاد کے سپرد کیا۔ دریا کے کنارے اُن کے قصر کے سامنے دو ہزار سوار کھڑے رہتے تھے۔ خود شاعر تھے اور خوب شعر کہتے تھے۔

ابن حزم نے اُن کی نسبت لکھا ہے کہ وہ امور معاصی چھپا کر نہیں بلکہ ظاہر کر کے کرتے تھے۔ خونخوار آدمی تھے، اسی واسطے فقہاء وصلحاء اُن کے خلاف ہو گئے تھے۔ بہت سے مورخین نے لکھا ہے کہ آخر میں وہ گناہوں سے بیزار ہو گئے تھے، اور توبہ کر لی تھی، خدا تعالیٰ اُن کے گناہوں کو معاف کرے۔

کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کے لڑکوں کو لے کر خصی کر ڈالتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی باتیں اُن کی نسبت بیان کی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ انھوں نے توبہ کر لی ہو جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ حقیقتِ حال کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔

حکم کے متعلق ایک یہ عجیب حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ عباس شاعر کہیں جاتے ہوئے وادی حجارہ میں ٹھیرا تو ایک عورت کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "حکم! تیری دہائی ہے تو نے ہمیں ایسا بھلا دیا کہ ہم بیوہ اور یتیم ہو گئے"۔ عباس کو دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جنگل سے آ رہی تھی کہ دشمنوں کے ایک گروہ نے اُن پر حملہ کیا۔ اُس کے ساتھی قتل ہو گئے یا گرفتار کر لئے گئے یہ تنہا رہ گئی۔ عباس شاعر نے اس مضمون کا ایک قصیدہ لکھ کر حکم کے سامنے پڑھا۔ حکم نے فوراً جہاد کی تیاری کا حکم دیا، اور اُس نواح میں جا کر ایک آفت مچا دی، وہاں کے قلعوں کو فتح کر لیا، علاقے بھر کو تباہ اور بہت سے آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ پھر وادی حجارہ گیا اور اُس عورت کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ آگئی تو اُن قیدیوں کو بلوایا، جو اس جنگ میں گرفتار ہوئے تھے، اور اُس عورت کے سامنے اُن سب کی گردنیں ماردیں۔ پھر عباس شاعر سے کہا کہ "لو اب اس عورت سے پوچھو کہ حکم نے تیری فریاد سنی یا نہیں"۔ عورت نے کہا کہ "واللہ! دلوں کو تسلی ہو گئی دشمن مارے گئے، اور مظلوموں کی فریاد سنی گئی۔ خدائے تعالیٰ حکم کی فریاد سنے اور اُس کو

اپنی نصرت سے عزت عطا فرمائے"۔ حکم یہ سن کر مطمئن ہوا اور اُس کے بشرہ سے خوشی ظاہر ہونے لگی۔ عباس نے بھی کہا کہ خدائے تعالیٰ آپ کو مسلمانوں کی طرف سے اس کی جزا دے" اور اُن کا ہاتھ چوم لیا۔

حکم کے معائب میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے فقیہ ابو یحییٰ زکریا بن مطر الغسانی کو قتل کرا ڈالا، حالانکہ وہ دین کے ایک ستون تھے اور ورع میں مشہور۔ سفیان اور مالک ابن انس سے انھوں نے حدیث سُنی تھی۔ چناں چہ مالک نے اُن سے یہ حدیث بیان کی تھی۔ حدیث بیان کی ہم سے یحییٰ بن مطرف نے، انھوں نے سفیان سے بیان کیا کہ للطلح المنضود موز کو کہتے ہیں۔ ابو یحییٰ زکریا کے ساتھ اور علماء وغیرہ بھی قتل کئے گئے تھے۔

عبدالرحمٰن بن حکم

ابتدائے سلطنت ہی میں عبدالرحمٰن نے جلیقیہ پر حملہ کیا دارالسلطنت سے ایک مدت غائب رہے اور جلیقیہ کے نصرانیوں کو تاخت و تاراج کرکے واپس آ گئے۔

سنہ ۲۰۶ ہجری میں زریاب مغنی (گویّا) عراق سے آئے۔ یہ مہدی کے غلام تھے اور ابراہیم موصلی کے شاگرد۔ ان کا نام علی بن نافع تھا۔ ابن خلدون کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بنفس نفیس اُن کو لینے کے لئے گئے، اور اُن کا بڑا اکرام کیا۔ یہ شخص عبدالرحمٰن کے پاس بہت اچھی حالت میں رہے۔ اندلس میں فن موسیقی اُن ہی سے پھیلا۔ انھوں نے اپنی اولاد چھوڑی۔ عبدالرحمٰن نامی اُن کا بڑا بیٹا اس فن میں استاد تھا اور باپ کے قدم بقدم چلتا تھا۔

سنہ ۲۰۸ ہجری میں عبدالرحمٰن کے حاجب، عبدالکریم بن عبدالواحد نے البہ اور اُس کے قلعوں پر حملہ کرکے بہت سے شہروں کو تباہ کر دیا اور بہت سے قلعوں کو فتح کر لیا یعقوب

نے جزیہ دینے اور مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دینے کی شرط پر صلح کر لی۔ اس کے بعد وہ واپس آگئے
۲۲۴ھ ہجری میں عبیداللہ بن بلنسی کو فوج دے کر پھر البہ کی طرف بھیجا۔ وہاں دشمنوں سے مقابلہ ہوا اور بہت سے قتل و گرفتار ہوئے۔ پھر لذریق بادشاہ جلیقیہ مقابلہ کے لئے نکلا اور شہر سالم پر حملہ آور ہوا۔ اس کے مقابلہ کے لئے فرتون بن موسیٰ بھیجا گیا، دشمنوں نے ہزیمت اٹھائی۔ اس جنگ میں بھی بہت سے آدمی قتل و گرفتار ہوئے۔ پھر فرتون اُس قلعہ کی طرف بڑھا جس کو اہل البہ نے مسلمانوں کو ذلیل کرکے بنایا تھا۔ یہ قلعہ بھی فتح ہوا اور گرا دیا گیا۔ پھر عبدالرحمٰن خود فوج لے کر بلاد جلیقیہ پہنچے۔ اور بہت سے قلعے فتح کر لئے۔ اور کچھ دیر ٹھیر کر بہت سے قیدی اور مال غنیمت ساتھ لے کر واپس آگئے

۲۲۶ھ ہجری میں عبدالرحمٰن نے فوجیں ارض افرنجہ کی طرف بھیجیں۔ یہ فوجیں ارض بیرطانیہ تک پہنچ گئیں۔ اس فوج کا مقدمۃ الجیش موسیٰ بن موسیٰ عامل تطیلہ تھا۔ اس فوج نے دشمنوں کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ دشمن کو ہزیمت ہوگئی۔ اس جنگ میں موسیٰ نے بڑے کارنمایاں کئے۔

۲۲۹ھ ہجری میں عبدالرحمٰن نے اپنے بیٹے محمد کو سنبلونہ پر فوج دے کر بھیجا۔ یہ دشمنوں سے جا بھڑے۔ اور وہاں کے بادشاہ غرسیہ کو قتل کر ڈالا۔ یہ بادشاہ اپنے زمانہ کے عیسائی بادشاہوں میں سب سے بڑا تھا۔

عبدالرحمٰن ہی کے زمانہ میں مجوس ظاہر ہوئے اور اشبیلیہ کو انہوں نے اپنا آماجگاہ بنا لیا۔ ایک فوج سپہ سالار قرطبہ کی سرکردگی میں بھیجی گئی۔ مجوس بھی اپنے جہازوں سے اتر آئے۔ مسلمانوں نے مقابلہ کرکے ان کو ہزیمت دیدی۔ اس مہم میں مسلمانوں نے بہت تکلیفیں برداشت کیں۔ قرطبہ سے جو فوج کمکی آئی تھی اس سے بھی مجوس نے مقابلہ کیا، لیکن مسلمانوں سے انہوں نے پھر شکست کھائی اور ان کے بعض جہاز فاتحین کے ہاتھ آئے۔ جن کو جلا ڈالا گیا۔ مجوس شذونہ کی طرف چلے گئے اور دو روز وہاں ٹھیر کر

کچھ مال غنیمت حاصل کیا۔ لیکن عبدالرحمٰن کے جہاز اشبیلیہ میں پہنچ گئے اور مجوسیوں کا قدم اکھاڑ دیا
یہاں سے یہ لوگ لبلہ پہنچے اور وہاں بھی بازار قتل و غارت گرم کیا۔ یہاں سے اشبونہ کی طرف
گئے۔ پھر ان کا پتہ نہ لگا کہ کدھر گئے۔ جن شہروں کو کہ ان لوگوں نے خراب و تباہ کیا تھا اُن کی
عبدالرحمٰن نے مرمت و اصلاح کرادی۔

۲۳۱ھ ہجری میں جلیقیہ فوج بھیجی۔ شہر لیون کا محاصرہ کیا اور منجنیق سے شہر پر
گولے برسائے۔ شہر والے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے اُس کو خوب لوٹا اور
آگ لگادی۔ فصیل شہر کو گرا دینے کا ارادہ کیا۔ مگر چوں کہ اُن کی چوڑائی ۱۷ ذراع کی
تھی، گرا نہ سکے، لیکن جا بجا رخنے ڈال دیئے اور واپس چلے آئے۔

پھر عبدالرحمٰن نے حاجب عبدالکریم کو بلاد برشلونہ پر فوج دے کر بھیجا۔ اس نے
اس نواح میں دشمنوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ عبدالکریم افرنجہ کے اُن دروں تک پہنچے
جو برت کہلاتے ہیں۔ اس معرکہ میں بہت سے آدمی قتل و گرفتار ہوئے اور بہت سامال غنیمت
ہاتھ لگا۔ وہاں سے بڑے شہر جرندہ کا محاصرہ کیا اور اُس کے نواح میں بھی بہت کچھ قتل و
غارت کرکے یہ فوج واپس آگئی۔

بادشاہ قسطنطنیہ مسمیٰ بہ نوفلس نے ۲۲۵ھ ہجری میں ایک سفارت بہت سے
تحائف دے کر عبدالرحمٰن کی طرف بھیجی اور اپنی مدد کا یقین دلا کر امیر کو اپنے آبائی وطن
کی طرف لوٹ آنے کی ترغیب دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مامون اور معتصم نے اُس کو
بہت تنگ کیا ہوا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن نے اس کے جواب میں یحییٰ الغزال کو بہت سے
تحائف دے کر قسطنطنیہ بھیجا۔ یحییٰ اہل دولت میں بڑے آدمی تھے۔ شعر و حکمت میں
مشہور تھے۔ جس کی وجہ سے اُن کی قدر کی جاتی تھی۔ جب یہ بنو عباس سے ناخوش ہوئے
اور امیر عبدالرحمٰن کو اُن کا حال معلوم ہوا تو وہ یہاں بلالئے گئے اور مقربین شاہی
میں سے ہو گئے۔

یہ امیر عبد الرحمٰن الاوسط کہلاتے ہیں۔ کیونکہ عبد الرحمٰن اول تو "الداخل" کہلاتے ہیں اور عبد الرحمٰن ثالث "الناصر"۔

عبد الرحمٰن اوسط ربیع الآخر ۲۳۸ھ ہجری میں اکتیس سال سلطنت کر کے واصل بحق ہوئے۔ وہ بمقام طلیطلہ ماہ شعبان ۱۷۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے عالم علوم شرعیہ وفلسفہ تھے۔ ان کا زمانہ دورسکون تھا، جس میں مال ودولت کی بہتات ہوئی۔ بہت سے قصور وسیرگاہیں انہوں نے بنائیں، اور پہاڑوں سے پانی پہنچایا۔ اُن کے زمانہ میں لوگوں نے دینداری اپنا شعار رکھا بہت سے پل بنے اور ملک اندلس میں جامع مسجدیں تیار ہوئیں۔ جامع مسجد قرطبہ میں دو رواق ایزاد کئے گئے، مگر قبل از اتمام اُن کا انتقال ہوگیا اُن کے بیٹے محمد نے اُن کو مکمل کیا۔ قوانین وقواعد سلطنت بنائے گئے۔ عوام الناس سے پوشیدہ رہے۔

عبد الرحمٰن اوسط نے ایک سو پچاس بیٹے اور پچاس بیٹیاں اپنے پیچھے چھوڑیں۔ ان کا نقش خاتم "عبد الرحمٰن بقضاء الله راض" تھا یہ نقش سب سے پہلے ان ہی کی مُہر پر تھا۔

ان کے زمانہ میں اندلس کا خراج دس لاکھ دینار سالانہ پر پہنچ گیا تھا۔ ان سے پہلے چھ لاکھ سے زیادہ وصول نہ ہوتا تھا۔ ہم نے کسی اور مقام پر وہ رقوم لکھی ہیں جو اس کے خلاف ہیں۔

اس بادشاہ کا میلان طبع عورتوں کی طرف بہت زیادہ تھا۔ خاص کر اپنی ایک جاریہ طروب پر تو وہ بے طرح شیدا تھے، اور اُس کی محبت میں بہت تکلیف اُٹھاتے تھے۔ اسی طروب نے ایک مرتبہ ناراض ہوکر اپنا دروازہ اُن کی طرف سے درہموں کی تھیلیاں رکھ کر بند کرلیا تھا۔ ایک مرتبہ امیر نے اُس کو ایک لاکھ دینار کا زیور عطا فرما دیا اس پر اُن سے یہ کہا گیا کہ ایسی قیمتی چیز شاہی خزانہ سے نہیں نکلنی چاہیئے۔ عبد الرحمٰن

نے جواب دیا کہ جو اس کو پہنے گی وہ اس سے بھی زیادہ بیش قیمت، بیش قدر، اکرم و اشرف ہے۔" امیر عبدالرحمٰن کی اس کی محبت میں یہ حالت تھی کہ جب جلیقیہ کی لڑائی پر وہ گئے اور وہاں ایک مدت اُن کو ٹھیرنا پڑا تو اُس کے شوق میں وہ نظمیں لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔

طروب کے دروازہ بند کر لینے کا قصہ بعض مورخین نے یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امیر عبدالرحمٰن سے طروب کسی وجہ سے ناراض ہو گئی، اور اُن کے پاس سے اپنے خاص محل میں جا بیٹھی۔ عبدالرحمٰن کا قلق اُس کے ہجر میں بہت بڑھ گیا، اور اُس کے شوق میں بُرا حال ہو گیا۔ بادشاہ نے یہ کوشش کی کہ جس طرح سے ہو سکے طروب خوش ہو جائے ایک خصی غلام کو مع کچھ اور لوگوں کے یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بادشاہ کو آنے کی اجازت دے۔ لیکن طروب نے اپنا دروازہ بند کر لیا، اور یہ کہلا بھیجا کہ میں اپنی خوشی سے نہ نکلوں گی' خواہ کشت و خوں ہی تک نوبت کیوں نہ پہنچ جائے۔ ان لوگوں نے آ کر اُس کا قول عبدالرحمٰن سے بیان کر دیا، اور اجازت مانگی کہ گھر کا دروازہ توڑ ڈالا جائے مگر بادشاہ نے یہ بات منظور نہ کی، بلکہ یہ حکم دیا کہ دروازہ کے باہر درموں کی تھیلیاں چُن کر دروازہ بند کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر بادشاہ خود پہونچے اور خوشامد درآمد کر کے اُس کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اس شرط سے واپس آ جائے کہ جتنے مال سے دروازہ بند کیا گیا ہے وہ سب اُسی کا ہو۔ چنانچہ اُس نے دروازہ کھول دیا۔ بادشاہ اندر گیا تو طروب اُس کے قدموں میں گر گئی۔ اور تمام مال جمع کر کے رکھ لیا۔

طروب کے علاوہ اُن کو ایک اور لونڈی سے بھی محبت تھی جس کا نام مدثرہ تھا اس کو آزاد کر کے عبدالرحمٰن نے نکاح کر لیا تھا۔ ایک اور عورت شفاء نامی پر بھی وہ بہت مائل تھے۔ ایک جاریہ قلم نامی ادیبہ اور خوش خط تھی۔ شعر بہت یاد تھے اور تواریخ خوب جانتی تھی۔ علم ادب کی مختلف صنوف کی عالمہ تھی۔ عبدالرحمٰن اس کا گانا سننے

کے بہت مشتاق تھے، اور تمام لذات ہیں وہ اُس سے متاثر ہو جاتے تھے
اُن کے حالات اور بہت زیادہ ہیں جن کو ہم بخوف طوالت قلم انداز کرتے ہیں۔

محمد بن عبدالرحمن الاوسط

انہوں نے تخت پر بیٹھنے کے بعد موسیٰ بن موسی صاحب طلیطلہ کی سرکردگی میں البہ اور قلاع کی طرف فوج بھیج کر چند قلعے فتح کرائے۔ پھر دوسری فوج برشلونہ اور اُس کے آگے بھیجی۔ وہاں بھی بہت سے قلعے فتح کئے گئے۔

جب طلیطلہ کے مخالفین کی زیادتیاں، جلیقیہ اور بشکنس کے بادشاہوں کی وجہ سے بہت بڑھ گئیں تو امیر محمد وادی سلیطہ پر فوج لے کر پہنچے اور کمین گاہ میں بیٹھ رہے یہاں ایسا سخت معرکہ ہوا کہ اہل طلیطلہ اور مشرکین کے مقتولوں کی تعداد دس ہزار پر پہنچ گئی۔

۲۴۵ھ ہجری میں مجوسیوں کے جہاز پھر ظاہر ہوئے، اور اُنہوں نے خوب قتل و غارت کیا۔ اگرچہ امیر محمد کے جہازوں نے اُن کا مقابلہ کر کے اُن کے دو جہازوں کو لوٹ لیا مگر اس معرکہ میں مسلمان بہت شہید ہوئے۔

۲۴۷ھ ہجری میں امیر محمد نے نواح بنبلونہ میں وہاں کے بادشاہ، غرسیہ بن ونقہ سے جنگ چھیڑ دی۔ دشمنوں پر تباہی لے آئے، اور واپسی پر بہت سے قلعوں کو فتح کر کے غرسیہ کے بیٹے فرتون کو گرفتار کرلائے۔ یہ شہزادہ بیس سال تک قرطبہ میں قید رہا۔

۲۵۱ھ ہجری میں اپنے بھائی منذر کو فوج دے کر نواح البہ اور قلاع کی طرف بھیجا۔ لذریق فوج جمع کر کے پہنچا مگر شکست کھائی مسلمانوں نے مشرکوں کو بے طرح پکڑا اور قتل و گرفتاریاں کر کے واپس آ گئے۔

اسی سال (۲۵۱ھ ہجری) امیر محمد نے بنفس نفیس جلالقہ پر فوج کشی کر کے اُس کو

تباہ کر ڈالا۔

۲۶۳ھ ہجری میں محمدؒ نے اپنے بیٹے منذر کو دارالحرب بھیجا۔ اور دوسرے سال نبلونہ کی طرف روانہ کیا وہ وہاں غلبہ حاصل کر کے واپس چلے آئے۔ ۲۶۵ھ ہجری میں پھر شاہزادہ دارالحرب بھیجے گئے وہاں انھوں نے بہت سے قلعے فتح کئے۔

ایام سلطنت امیر محمدؒ میں ماردہ ایسا تباہ ہوا کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا

محمدؒ نے صفر ۲۷۳ھ ہجری میں ترپین۵۳ سال سلطنت کر کے انتقال کیا۔ ان کی پیدائش ۲۰۷ھ ہجری کی تھی۔

المنذر

امیر محمدؒ کے انتقال کے بعد اُن کا بیٹا تخت پر بیٹھا۔ لیکن ان کی مدت سلطنت زیادہ نہیں ہوئی۔ پندرہ روز کم دو سال سلطنت کر کے نصف صفر ۲۷۵ھ ہجری میں راہی ملک بقا ہوئے۔ اُن کے متعلق کہا گیا ہے کہ

بالمنذر ابن محمدؐ صلحت بلاد الاندلس

منذر بن محمدؒ سے بلا د اندلس میں اصلاح ہو گئی

عبداللہ

امیر المنذر کے بعد اُن کے بھائی عبداللہ سریر آرائے سلطنت ہوئے۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اس بادشاہ سے پہلے ملک اندلس کا خراج تین لاکھ دینار تھا۔ اس میں ایک لاکھ دینار فوج پر خرچ ہوتا تھا، ایک لاکھ ضرورت کے وقت کام آنے کے لئے جمع رہتا تھا اور ایک لاکھ نفقہ وغیرہ میں خرچ ہوتا تھا۔ جو رقم کہ جمع رہتی

وہ کسی دشمن کے مدافعت کے لئے کام آتی تھی اس بادشاہ کے زمانہ میں خراج کم ہوگیا تھا۔
اس بادشاہ کی نظمیں اُس کے علم وفضل کی شاہد ہیں ۔
امیر عبداللہ قریب پچیس سال کے سلطنت کرکے سنہ ۳۰۰ ہجری میں واصل بحق ہوئے۔

عبدالرحمٰن الناصر

امیر عبداللہ کے بعد اُن کے پوتے عبدالرحمٰن الناصر تختِ خلافت پر متمکن ہوئے۔
ان کا دورِ سلطنت عجیب وغریب تھا۔ خود جوان عمر تھے، اور ان کے چچا اور باپ کے چچا موجود تھے مگر سب نے متصدی امور ان ہی کو مقرر کرکے سلطنت ان ہی کے سپرد کردی۔ عبدالرحمٰن نے تخت پر بیٹھ کر اندلس کو حالت اضطراب میں پایا۔ مخالفین نے ہر طرف آگ لگائی ہوئی تھی۔ ان ہی نے اس آگ کو فرو کیا، اور قریب بیس سال کے بعد تمام اندلس کو حالت امن و سکون میں لے آئے۔ ان کی مدت سلطنت بھی قریب پچاس سال کے ہوئی۔ ان ہی کے زمانہ میں بنوامیہ کی سلطنت کو اس طرف پورا عروج حاصل ہوا۔ سب سے پہلے یہی شخص ہیں کہ جب اُنہوں نے دیکھا کہ خلافت مشرق میں ضعف آگیا ہے اور ترک بنوعباس پر مستولی ہوگئے ہیں تو امیرالمومنین کا خطاب اپنے لئے تجویز کرلیا۔
امیرالمومنین عبدالرحمٰن الناصر نے بنفس نفیس دارالحرب میں بہت جہاد و غزوات کئے مگر عام الخندق یعنی سنہ ۳۲۳ ہجری، میں خود اُن کو شکست ہوگئی۔ خدائے تعالیٰ نے اس موقع پر مسلمانوں کو آزمایا تھا۔ اس کے بعد وہ غزوات میں خود شامل نہیں ہوئے۔ ہر سال اپنی فوج کو ادھر اُدھر بھیجتے رہے۔ چنانچہ بلاد افرنجہ میں اُنہوں نے وہ افراتفری ڈالی کہ اُس سے پہلے کبھی نہ پڑی تھی نصرانیوں نے دردوں کے اُس طرف سے اُن کی طرف ہاتھ پھیلایا اور رومتہ اور قسطنطنیہ سے اُن کے پاس بڑے بڑے تحائف دے کر اس لئے سفارتیں آئیں کہ اُن سے صلح رکھی جائے، امن دیا جائے اور اُن کی مدد کی جائے۔

اُدھر بادشاہان جزیرۂ اندلس، جو مسلمانوں کے شہروں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے، قشتالہ نبلونہ، وغیرہ سے آکر اُن کے ہاتھ چومتے تھے۔ اور اُن کے رضاجو اور انعامات کے خواستگار رہتے تھے۔

۳۱۷ھ ہجری میں وہ سبتہ پہنچے اور وہاں کے لوگوں کی جاگیرات ضبط کرلیں۔

بنوادریس نے جو عدوہ، زناتہ اور بربر کے اُمرا تھے اُن کی اطاعت قبول کی۔ اور بہت سے لوگ اُن کے پاس آئے۔ جیساکہ اُن کے حالات سے معلوم ہوگا۔

اُنھوں نے تخت پر بیٹھتے ہی رعایا کی بہت سی سختیاں دُور کردیں۔ (انتہے کلام ابن خلدون)

ابن خلدون نے جو اشارہ غزوۂ خندق کا کیا ہے اُس کی تفصیل مسعودی نے لکھی ہے۔ اُمیہ ابن اسحٰق کی الناصر سے مخالفت، اُس کے نصاریٰ کے ملک میں چلاجانا اور وہاں مسلمانوں کی پوشیدہ باتوں سے دشمن کو آگاہ کردینا وغیرہ پر لحاظ کرکے جو کچھ وہ لکھتے ہیں اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ: عبدالرحمٰن نے مسمورہ دارالسلطنت جلالقہ پر حملہ کیا۔ اُن کے ساتھ اُس وقت ایک لاکھ یا کچھ زیادہ فوج تھی۔ ردمیر اور الناصر کے درمیان سوم شوال ۳۲۷ھ ہجری کو سورج گرہن کے بعد معرکہ پیش آیا۔ مسلمانوں کو اُن پر غلبہ ہوا لیکن ایک مقام پر محاصرہ میں گھر جانے کے بعد جب مسلمانوں نے خندق کو عبور کرلیا تو وہ لوگ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور پچاس ہزار مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس شخص نے کہ ردمیر کو اس بات پر آمادہ کئے رکھا کہ مسلمانوں کو باوجود طلب امان نہ دے، وہ اُمیہ ابن اسحٰق تھا۔ اس شخص نے ردمیر کو مسلمانوں کے کمین گاہ میں ہونے کا خوف دلایا، اور یہ کہا کہ مسلمانوں کے لشکر میں بہت سامال اور متعدد خزانے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو مسلمانوں پر جو کچھ مصیبت پڑی وہ ہرگز نہ پڑتی۔ چند روز بعد اُمیہ نے عبدالرحمٰن سے امان مانگی اور ردمیر سے الگ ہوگیا۔ عبدالرحمٰن نے اُس کو پھر بکشادہ پیشانی امان دے دی۔ اس واقعہ کے

بعد عبدالرحمن نے متعدد موقعوں پر اپنے سپہ سالاروں کے ساتھ جلالقہ کی طرف فوج بھیجی اور ان مختلف لڑائیوں میں مسلمانوں سے کئی گنے زیادہ جلالقی مارے گئے۔ مسلمانوں کو اس حد تک اُن پر غلبہ رہا۔ ردمیر ۳۲۶ھ تک اُس ملک کا بادشاہ رہا۔ انتہیٰ

ایک اور موقعہ پر جو کچھ اُنھوں نے لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالرحمن ایک لاکھ سے زیادہ فوج لے کر جلالقہ پر گئے تھے۔ سمورہ دارالسلطنت جلیقیہ پر وہ پہنچے تو اُنہوں نے دیکھا کہ اُس شہر کی سات فصیلیں نہایت عجیب بنیادوں کی ہیں، جن کو بادشاہانِ پیشین نے نہایت مضبوط بنایا تھا۔ ہر ایک فصیل کے درمیان میں فاصلہ ہے اور ہر ایک فاصلہ میں وسیع خندق ہے، اور اُن میں پانی بھرا ہوا ہے۔ عبدالرحمن نے جب دو فصیلوں کو فتح کرلیا تو وہاں کے لوگ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور جو اُن کے سامنے آیا اُس کو قتل کر ڈالا۔ ...
(البیاض فی الاصل) اس معرکہ میں چالیس ہزار آدمی غرق ہوگئے۔ میدان جلالقہ اور بنبلونس کے ہاتھ رہا۔ انتہیٰ کلام المسعودی۔

الناصر (رحمہ اللہ) نے موسیٰ بن محمد بن حدیر کو اپنا حاجب، اور عبدالملک بن جہور اور احمد بن عبدالملک بن شہید کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔ ابن شہید نے وہ متعدد قسم کے ہدیہ الناصر کی خدمت میں پیش کئے تھے جو مشہور ہیں۔ ان کا ذکر ابن حیان اور ابن خلدون وغیرہ مورخین نے کیا ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں یہ امر دلالت کرتا ہے کہ دولت امویہ عظیم الشان تھی اور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ واقعہ ۸ جمادی الاول ۳۲۷ھ ہجری کا ہے۔ یہ ہدیہ اتنا بڑا تھا کہ جس کا ذکر اب تک لوگوں کی زبان پر ہے۔ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ اتنا بڑا ہدیہ اندلس کے کسی بادشاہ کو نہیں دیا گیا۔ الناصر اور تمام اہل مملکت متعجب ہوگئے اور سب نے اقرار کیا کہ کوئی شخص اتنے تحفے دفعتاً اپنے ہاتھ سے نہیں دے سکتا۔ ابن شہید نے ان تحفوں کے ساتھ ایک عریضہ لکھا جس میں الناصر کی نعمتوں کا اعتراف اور منعم کا شکر ادا کیا تھا۔ تمام لوگوں نے اُس کی تعریف کی اور اس بارہ میں اُس کو خط لکھے۔ الناصر نے بھی اپنے

وزیر کی عزت افزائی کی اور اُس کی منزلت تمام وزرا سے زیادہ کر دی، یہاں تک کہ اُس کی تنخواہ میں ترقی کرتے کرتے اسّی ہزار دینار اندلسیہ تک تنخواہ پہنچا دی اور ہزار دینار اور مرحمت فرمائے۔ ایزادی تنخواہ کے ساتھ عہدہ میں بھی اضافہ ہوا۔ چنانچہ اسی واسطے وہ ذوالوزارتین کہلاتے تھے۔ سب سے پہلے یہی شخص ہیں جو اندلس میں صاعد بن مخلد وزیر بنو عباس کی مثال پر اندلس میں اس عہدہ پر پہنچے۔ ان کو حکم تھا کہ صدر میں بیٹھیں اور تنخواہوں کے دفتر میں ان کا نام صدر میں لکھا جائے۔ یہاں تک کہ یہ سب سے زیادہ دولت مند ہو گئے۔

کتاب ابن خلدون کے موافق اس ہدیہ کی تفصیل یہ ہے۔ پانچ لاکھ مثقال زر مضروب چار سو رطل زر غیر مضروب، بینتالیس ہزار دینار گلی ہوئی چاندی کے، جو دو سو بمیانیوں میں تھے۔ ابن فرضی نے صرف پانچ لاکھ دینار، بارہ رطل عود ہندی جو شمع کی طرح ہوتی ہے، ایک سو اسّی رطل عود متخیر اور ایک سو رطل عود شبہ کا ہونا بیان کیا ہے یہی ابن خلدون کا بھی قول ہے۔ ابن فرضی اس خط کی سند پر جو ابن شہید نے ہدیہ کے ساتھ بھیجا تھا لکھتا ہے کہ چار سو رطل عود عالی میں سے صرف ایک ٹکڑا ایک سو اسّی رطل کا تھا۔ ابن خلدون نے بیان کیا ہے کہ اس کے علاوہ نہایت اعلیٰ درجہ کی ایک سو اوقیہ مُشک بھی تھی۔ انتہیٰ

ابن فرضی نے اُسی کے خط سے جو ہدیہ کے ساتھ تھا استنباط کر کے لکھا ہے کہ مُشک دو سو بارہ اوقیہ تھا۔ اور پانچ سو اوقیہ عنبر اشہب کہ اپنی اصلی حالت میں تھا، اُس میں سے کوئی چیز اُس وقت تک نہیں بنائی گئی تھی۔ اس کا ایک ٹکڑا عجیب تھا کہ ہاتھی کی سونڈ کی شکل کا تھا اور ایک سو اوقیہ اُس کا وزن تھا۔ ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ میں یوں ہی لکھا ہے۔ ابن فرضی لکھا ہے کہ کل عنبر ایک سو اوقیہ تھا اور یہ خاص ٹکڑا چالیس اوقیہ تھا۔ اور خالص اصلی کافور تین سو اوقیہ تھا۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ تیس پارچے پھول دار زرکار ریشم کے تھے جو خلفاء کے لباس کے مشابہ تھے اور رنگ اور بناوٹ میں سب ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ اور خراسانی سمور کی کھال دس ادریہ تھی۔ مگر ابن فرضی نے اس کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ کپڑے کے ٹکڑے تیس قسم کے تھے اور خاص (شہر) خنج کا سفید اور رنگین کپڑا خاص الناصر کے لباس کے لئے تھا۔ اور موضع شعیب کے، پانچ مضبوط اونٹ خاص اُن کے لئے اور رفتگ کے دس گورخر، جن میں سے سات تو سفید تھے اور تین رنگین۔ چھ عدد عراقی چادریں اور زہرہ کی اڑتالیس چادریں خلیفہ کی پوشاک کے لئے اور سو سونے کے وقت کے لئے ابن خلدون نے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ لیکن ابنِ فرضی نے اس کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور تھدی کے خط کو سند قرار دیا ہے۔

ابن خلدون کا قول ہے کہ اس کے علاوہ دس گٹھے تھے کہ جن میں سو سمور کی کھالیں بندھی ہوئی تھیں۔ ابن فرضی بھی یہی کہتے ہیں۔ اور ابن خلدون نے یہ اور لکھا ہے کہ اُن کے علاوہ چھ عدد عراقی پردے بغداد کے بنے ہوئے اور اڑتالیس ریشمی اور سنہری جھولیں گھوڑوں کی زینت کے لئے تھیں۔ دونوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چار ہزار رطل کاتا ہوا ریشم تھا اور ایک ہزار رطل خالص ریشم بے کتا تھا۔ ابن خلدون نے اس پر یہ اور زیادہ کیا ہے کہ گھوڑوں کے زینوں کے لئے فرنوں کے تیس ٹکڑے بھی تھے۔ ابن فریون ریشم کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ داروغہ توشہ خانہ نے تھدی سے لے لیا تھا، ہدیہ کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ یہ ضرور ہوا ہے کہ داروغہ توشہ خانہ کو دیا گیا اور دفتر میں لکھا گیا تھا۔ دونوں مصنفین نے لکھا ہے کہ تیس فرش اونی تھے کہ ہر ایک کا طول بیس ذراع تھا۔ (ابن خلدون مختلف رنگوں کے رومال بھی بتلاتے ہیں) ایک سو جائے نمازیں فرش پر بچھانے کی، پندرہ قالین خز کے بنے ہوئے جس کے کنارے کڑھے ہوئے تھے۔ ابن فرضی کہتے ہیں کہ یہ سب چیزیں از قسم فرش ہیں۔ ابن خلدون

کہتے ہیں کہ آٹھ سو ہتھیار تھے کہ موقع تزک پر پہننے کے قابل تھے۔ سو نہایت عجیب و غریب بنی ہوئی زرہوں کے نیچے پہننے کی صدریاں۔ ہزار ڈھالیں شاہانہ اور ایک لاکھ تیر (بقول ابن خلدون) جو نہایت صنعت کے ساتھ بنائے گئے تھے۔ ابن خلدون کہتے ہیں کہ سواریوں میں پندرہ گھوڑے منتخب عربی نسل کے خاص بادشاہ کی سواری کے لئے ایسے تھے کہ جن کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ ابن فرضی گھوڑوں کی تعداد ایک سو بتلاتے ہیں۔ جن میں پندرہ عربی گھوڑے خلیفہ کی سواری کے لئے تھے ان میں سے پانچ پر زین کسے ہوئے تھے۔ جو خز عراقی کی تھیں، اسی گھوڑے ایسے کہ حشم کے موقعہ پر نکالے جائیں۔ ابن خلدون کہتے ہیں کہ سو گھوڑے ایسے تھے کہ جنگوں کے موقعہ پر کام آئیں۔ ابن فرضی کہتے ہیں کہ پانچ خچر سواری کے لائق (ابن خلدون بیس بتاتے ہیں کہ سب پر زین شاہانہ کسے ہوئے تھے۔ جن کی بٹھکیں خز جعفری عراقی کی تھیں لونڈی غلاموں میں چالیس منتخب غلام اور بیس منتخب لونڈیاں مع پوشاک اور دیگر آلات کے۔ ابن خلدون کہتے ہیں کہ لونڈیاں عمدہ پوشاک پہنے ہوئے اسباب زینت کے ساتھ تھیں۔ ایک گاؤں زراعت شدہ، جس میں عمارتی پتھر بھی تھا اور جس کا محصل ہزار دینار اور لکڑی کا محصل بیس ہزار دینار اور عمدہ قسم کی لکڑی کا پچاس ہزار تھا۔ انتہی ابن فرضی نے ابن شہید کے اُس خط کے بعض مقامات بھی لکھے ہیں جو ان تحائف کے ساتھ تھا۔

الناصر کے حالات بہت ہی طویل ہیں۔ فتح و ظفر ہمیشہ اُن کی رکاب چومتی تھی۔ دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے میں اُن کو کمال حاصل تھا۔ ۳۰۸؁ھ ہجری میں وہ جلیقیہ کو غزا کے لئے گئے۔ اُس زمانہ میں وہاں کا بادشاہ اردون بن ادفونش تھا۔ اُس نے بادشاہان بشکنش اور افرنجہ سے مدد مانگی۔ اور شانجہ بن فردیلہ شاہ بنبلونہ نے بھی اُس کی مدد کی الناصر نے ان سب کو شکست دی، اُن کے بلاد کو روند ڈالا، علاقول

کو فتح کرلیا اور قلعوں کو تباہ کر ڈالا۔ پھر ۳۱۲ھ ہجری میں نبلونہ پر فوج کشی کی اور دارالحرب میں جا پہونچے۔ تمام علاقہ پر قبضہ کرلیا۔ قلعے گرا دیئے اور آبادیوں میں تہلکہ ڈال دیا۔ دشمن نے پہاڑوں پر سے اُن کا مقابلہ کیا۔ چند مدت تک تو وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے، لیکن بعد میں اُن پر حاوی ہوگئے۔ حالانکہ نصارٰے ان کی مدد پر تھے۔ الناصر نے ان کی بھی خوب خبر لی۔ اور اہل البہ کے تیس قلعے فتح کرلئے۔ پھر معلوم ہوا کہ طوطہ ملکہ نشکنس نے نقض عہد کیا ہے اُس پر نبلونہ میں فوج کشی کی۔ اور اس کی سرزمین پر غلبہ حاصل کرکے قرطبہ واپس چلے آئے۔

۳۱۷ھ ہجری میں جلیقیہ میں غزوۂ خندق میں خود شریک ہوئے۔ مگر یہاں شکست کھانی پڑی، اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہونچا۔ اس کے بعد پھر وہ کسی غزوہ میں خود شریک ہوئے۔ البتہ اِدھر اُدھر جہاد کے لئے فوجیں بھیجتے رہتے تھے۔

ملک مغرب میں بھی اپنی فوجیں بھیجیں، اور سبتہ اور فاس وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔ اس سے اُن کا شہرہ اور غلغلہ بہت بڑھ گیا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

جب شانجہ بن فرویلہ بادشاہ نشکنس مرگیا تو اُس کی جگہ اُس کی ماں طوطہ نے مہمات امور کو سنبھالا۔ اور اُس کے بیٹے کو پرورش کیا۔ ۳۲۵ھ ہجری میں اُس نے نقض عہد کیا تو الناصر نے اُس پر فوج بھیجدی اور نواح نبلونہ کو بالکل تباہ کر ڈالا۔ اور بار بار فوجیں بھیجیں۔ اس سے پہلے ۳۲۲ھ ہجری میں خشتمہ پر اُنہوں نے فوج کشی کی۔ یہ فوج پھر نبلونہ چلی آئی۔ یہاں طوطہ نے آکر اُن کی اطاعت قبول کرلی۔ اور اپنے بیٹے غرسیہ کی طرف سے نبلونہ لے کر عہد نامہ کرلیا۔ الناصر پھر البہ اور اُس کے علاقہ میں آگئے اور یہاں غلبہ حاصل کرکے اُس کے قلعوں کو خراب کیا۔ پھر جلیقیہ پر حملہ کردیا۔ اُس زمانہ میں یہاں ردمیر بن اردون حکمران تھا، اس نے الناصر سے ملنے میں پس و پیش کیا پھر خشتمہ میں داخل ہوئے۔ برغش اور بہت سے مقامات کو منہدم کیا۔ اور دو مرتبہ

دشمن کو شکست دے کر واپس چلے آئے۔ اس کے بعد غزوۂ خندق ہوا جہاں نصرانیوں نے اُن کو نقصان پہنچایا۔

۳۳۶ہجری میں قسطنطنیہ کے بادشاہ قسطنطین کی طرف سے ایلچی تحائف لے کر آئے جن کا الناصر نے ایک روز مقررہ پر بہت شان کے ساتھ استقبال کرایا۔ ابن خلدون کہتے ہیں کہ اُس روز تمام فوج ہتھیار لگا کر نکلی۔ قصرِ خلافت طرح طرح کی زینت کی چیزوں سے سجایا گیا اور قسم قسم کے پردے لٹکائے گئے۔ تختِ خلافت تخت گاہ پر بچھایا گیا۔ شہزادے اور امیر المومنین کے بھائی، چچا اور دیگر عزیز و قریب ایک ترتیب سے اور وزرا اور خدمتگار اپنے اپنے مناصب پر کھڑے کئے گئے۔ جب ایلچی حاضر ہوئے تو وہ یہ حالت دیکھ کر مرعوب ہو گئے۔ آخر جو پیغام وے کر آئے تھے اُس کو بارگاہِ خلافت میں پیش کر دیا۔ اُس روز علما کو حکم دیا گیا تھا کہ اس محفل میں تقریریں کریں اور شوکت اسلام و خلافت کو بڑھا کر بیان کریں۔ اور خدائے تعالیٰ کا شکر کریں کہ اُس نے اپنے دین کی مدد کی، اُس کو عزت دی اور اُس کے دشمن کو ذلیل کیا۔ علما نے اس حکم کی پوری تعمیل کی۔ ایلچیوں پر محفل شاہی کا رعب بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک تو وہ چپ رہے۔ اور جب اُنہوں نے کچھ کہنا شروع کیا تو بات منہ سے نہ نکلی۔ ان لوگوں میں ابو علی القالی عراقی بھی تھے۔ اُنہوں نے ولی عہد کی تعریف کرنی شروع کی مگر کچھ ایسا رعب پڑا کہ وہ بھی عاجز رہ گئے۔ اور جب کسی کو بھی لب کشائی کی ہمت نہ ہوئی تو منذر بن سعید البلوطی کھڑے ہوئے اور بلا اس کے کہ وہ پہلے سے تیار ہوں، یا اُن سے کسی نے فرمائش کی ہو، اُنہوں نے تقریر کی اور ایک طویل قصیدہ پڑھا جس سے لوگ حیران رہ گئے۔ خود الناصر کو بہت تعجب ہوا۔ اس کے بعد یہ شخص قاضی کر دیئے گئے۔ اور بڑے بڑے آدمیوں میں شمار ہونے لگے۔ ان کی باتیں مشہور ہیں۔ اُن کی اُس روز کی تقریر ابن حیان وغیرہ کی تاریخوں میں قلمبند ہے۔ پھر یہ سفارت واپس چلی گئی۔ الناصر نے ان کے ساتھ ہشام بن ہذیل کو بہت سے

تحائف لے کر بھیجا تاکہ دوستی میں اور بھی اضافہ ہو۔ دو برس کے بعد یہ وہاں سے واپس آگئے۔ اور اپنی مرضی کے موافق عہدنامہ کرآئے۔ اور قسطنطین کا خط بھی لائے۔

پھر صقالیہ کے بادشاہ ددفوۃ کا ایلچی آیا۔ دوسرا ایلچی آلمان کے بادشاہ کا۔ تیسرا افرنجہ کے بادشاہ کا، جو برت کے اُس طرف حکمران تھا۔ اُس بادشاہ کا نام ادفہ تھا۔ پھر مشرقی افرنجہ کے بادشاہ کا سفیر پہنچا۔ اس بادشاہ کا نام کلدۃ تھا۔ الناصر نے ان سب کو بھی اُسی شان وشکوہ کے ساتھ حضوری میں بلایا۔ صقالیہ کے سفیر کے ساتھ ربیع الاسقف شاہ ددفوہ کے پاس بھیجے گئے تھے جو وہاں سے دو برس کے بعد واپس آئے۔

۳۴۴ھ ہجری میں اردون کا سفیر صلح وامن کی عرضداشت لے کر حاضر ہوا جو منظور ہوئی۔ پھر ۳۴۵ھ ہجری میں فرولند قومس کے قشتیلہ میں داخل ہونے کی اجازت مانگی گئی۔ یہ بھی مل گئی، اور اُس سے عہدنامہ کرلیا گیا۔

شانجہ بن فردیلہ کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا، غرسیہ بن شانجہ، جلیقیہ کا بادشاہ ہوا تھا۔ لیکن اہل جلیقیہ نے اُس سے نقض عہد کیا؛ اور قومس قشتیلہ فرولند مذکور وہاں مستولی ہوگیا۔ اور اردون بن ردمیر کی طرف مایل ہوا۔

غرسیہ بن شانجہ، طوطہ ملکہ بشکنس، کا پوتا تھا۔ یہ بات ملکہ ناگوار ہوئی۔ اور ۳۴۷ھ میں وہ خود اپنے پوتے کی معاونت کی درخواست کرنے کے لئے حاضر ہوئی، تاکہ وہ اپنے ملک پر قائم رہے، اور دشمنوں کے مقابلہ میں اُس کی مدد کی جائے۔ اُس کے ساتھ ہی مذکورہ بالا دونوں بادشاہ بھی پہنچ گئے۔ الناصر ان سے بھی شان وشوکت سے ملے، اور شانجہ اور اُس کی ماں کے حق میں صلح کا انعقاد ہوگیا۔ غرسیہ بادشاہ جلیقیہ کے ساتھ فوج بھیجدی گئی۔ اور اُس کا ملک اُسی کو دلوادیا گیا۔ اردون کو وہاں سے الگ کردیا گیا۔ الناصر کا اِس پر شکریہ ادا کیا گیا۔ اور تمام لوگوں کو اِس کی اور نیز فرولند قومس قشتیلہ کے حاوی ہوجانے اور اُس کے نکالے جانے کی اطلاع دیدی گئی۔ الناصر اپنی وفات تک

اس کے حامی ومددگار رہے۔ جب کلدہ بادشاہ شرقی افرنجہ کا سفیر آیا، جیساکہ ہم اوپر بیان کرآئے ہیں، تو اس کے ساتھ ہی برشلونہ و طرکونہ کا ایلچی صلح کی درخواست لے کر پہنچے جو الناصر نے منظور کرلی۔ اُن کے بادشاہ رومہ کا ایلچی بھی درخواست لے کر آیا، اور شرف منظوری حاصل کرکے چلا گیا۔ انتہی کلام ابن خلدون مختصراً

اب ہم بعض اُن باتوں کی تفصیل کرتے ہیں جن کو ابن خلدون نے مجمل چھوڑ دیا ہے ابن حیان وغیرہ مورخین نے لکھا ہے کہ الناصر لدین اللہ نہایت رفیع الشان بادشاہ ہوئے ہیں۔ اُن کو شاہان روم نے قیمتی تحائف بھیجے اور اُن کی خوشامدیں کیں۔ کسی قوم کا کوئی بادشاہ جو اُس وقت موجود تھا۔ یعنی روم، افرنجہ، مجوس، غرض ہر ملک کے بادشاہوں نے اُن کے پاس وفد بھیجے، بہت عجز کے ساتھ اُن کو اپنی طرف مائل کیا، اور اُن سے خوش ہوکر آئے۔ من جملہ ان کے بادشاہ قسطنطنیہ عظمیٰ کی سفارت تھی جو ۳۳۸ھ ہجری میں پہونچی تھی (ابن خلدون نے ۳۳۶ھ لکھا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ ان میں سے کون سا سال صحیح ہے) الناصر نے اس سفارت کو شرفِ حضوری بخشنے میں بڑا اہتمام کیا اور حکم دیا کہ ان کی خاطر داشت بڑے پیمانہ پر کی جائے۔ چنانچہ سفارت کے استقبال کے لئے یحییٰ بن محمد بن اللیث وغیرہ کو بھیجا گیا۔ اور جب سفارت قرطبہ کے قریب پہونچی تو سپہ سالارانِ فوج اپنی فوج لے کر استقبال کے لئے نکلے، اور یکے بعد دیگرے سفیروں سے ملے۔ پھر اعیان سلطنت اور خواجہ سرا اُن لوگوں سے ملے۔ موخر الذکر اس لئے بھیجے گئے تھے کہ اُن دنوں میں یہ لوگ اُمرا میں شریک تھے، اور قصرِ سلطانی ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ قرطبہ کے پاس ربض میں ولی عہد کے مکان نصیر نامی میں تمام سفیر ٹھیرائے گئے۔ خاص وعام لوگوں سے اُنہوں نے ملنے سے انکار کردیا۔ اُن کی حجابت کے واسطے بڑے بڑے آدمی مقرر کئے گئے۔ ان ہی میں سے سولہ آدمی اُن کے دروازے پر تعینات ہوئے۔ الناصر الدین اللہ قصر زہرا سے قرطبہ کے قصر میں آگئے تاکہ اس میں سفارت

باریابی دی جائے۔ بروز شنبہ ۱۱ ربیع الاول سنہ مذکور کو مجلس قصر زاہرہ میں دربار منعقد ہوا۔ امیر المومنین کے داہنے ہاتھ پر اُن کے بیٹے اس ترتیب سے بیٹھے تھے کہ سب سے پہلے حکم، ولی عہد، پھر عبد اللہ، پھر عبد العزیز، پھر اصبغ، پھر مروان۔ اور بائیں طرف پہلے المنذر، پھر عبد الجبار، پھر سلمان۔ عبد الملک موجود نہ تھے کیوں کہ وہ اُن دنوں علیل تھے اور دربار میں آنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ وزرا اپنے مراتب پر دائیں بائیں حاضر تھے، حجاب اور اہل خدمت، جو وزراء اور وکلاء وغیرہ کے بیٹے تھے، اور اُن کے علاوہ اسی قبیل کے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ دربار کے تمام صحن میں عمدہ ترین فرش بچھا ہوا تھا۔ دروازوں اور دیواروں پر دیباج کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ سفرائے بادشاہ روم اس ہیبت ملک اور فخامت سلطان کو دیکھ کر حیران ہوتے ہوئے پہونچے، اور اپنے بادشاہ قسطنطین بن لیون، والی قسطنطنیہ عظمیٰ، کا خط پیش کیا جو آسمانی رنگ کے کاغذ پر سنہری روشنائی سے خط یونانی میں لکھا ہوا تھا۔ اس خط کے ساتھ ایک اور کاغذ روپہلی روشنائی سے بزبان یونانی لکھا ہوا ملفوف تھا جو تمام ہدایا و تحایف کی فہرست تھی۔ خط کے اوپر چار مثقال سونے سے ایک طرف حضرت مسیح (علیہ السلام) کی تصویر تھی اور دوسری طرف شاہ قسطنطین اور اس کے بیٹے کی۔ یہ خط ایک چاندی کے بکس میں رکھا ہوا تھا جس پر سونے کا پترہ چڑھا ہوا تھا، اور اُس پر بادشاہ قسطنطین کی تصویر، نہایت خوبصورت رنگین شیشے میں بڑی صنعت کے ساتھ بنی ہوئی رکھی تھی پھر یہ بکس ایک ترکش میں رکھا ہوا اور دیباج میں لپٹا ہوا تھا۔ عنوان خط کی ایک سطر میں لکھا ہوا تھا۔ "قسطنطین و رومانین، دونوں مسیح (علیہ السلام) پر ایمان لانے والے دونوں روم کے بڑے بادشاہ"۔ دوسری سطر میں تھا۔ "عظیم الاستحقاق، فخر الشریف النسب، عبد الرحمن الخلیفہ اندلس کے حاکم عرب، اطال اللہ بقائہ"۔

جب الناصر الدین اللہ نے یہ دربار منعقد کیا تو اُن کی یہ خواہش ہوئی کہ خطبائ

اور شعراء اُن کے سامنے کھڑے ہو کر اُن کے جلالت قدر، عظمت سلطنت اور تدابیر بقاء دولت کی تعریفیں کریں۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے بیٹے امیر الحکم ولی عہد سلطنت کو اشارہ کیا کہ کسی خطیب یا شاعر کو کھڑا کریں۔ الحکم نے اپنے متوسل فقیہہ محمد بن عبد البر الکسیابی کو خلیفہ کے سامنے ایک خطبہ بلیغہ شروع کرنے کو کہا۔ اس فقیہہ کو یہ دعویٰ تھا کہ تالیف کلام میں جتنی قدرت اُن کو حاصل ہے دوسرے کو نہیں ہے۔ لیکن جب دربار سلطانی میں آکر کھڑے ہوئے اور وہاں کی شوکت و عظمت کو دیکھا تو مارے رعب خلافت کے ایک لفظ زبان سے نہ نکلا اور غش کھا کر زمین پر گر گئے۔ اتفاق سے ابو علی بغدادی اسمٰعیل بن القاسم القالی، جو امالی اور دیگر کتب کے مصنف ہیں، اُن دنوں عراق کے وفد کے ساتھ قرطبہ میں آئے ہوئے خلیفہ کے مہمان تھے، اور امیر الکلام و بحر اللغت کہلاتے تھے، ان کو کھڑا کیا گیا۔ مگر وہ خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نعت و درود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کر سکے تھے کہ اُن کی زبان بھی بند ہو گئی، اور وہ متفکر ہو کر کھڑے کے کھڑے رہ گئے یہ ابن حیان وغیرہ کا بیان ہے۔ ابن خلدون نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قالی کو پہلے ہی سے اس کام کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ مطمح میں بھی یہی لکھا ہے۔

غرض جب یہ حالت منذر بن سعید نے دیکھی، جو اُس وقت زمرۂ فقہا میں موجود تھے تو وہ اپنی ہی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ اور اُنھوں نے سلسلۂ کلام کو وہیں سے شروع کیا جہاں سے کہ ابو علی نے چھوڑا تھا۔ اور اپنے خطبہ کو اس خوبصورتی سے ادا کیا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہلے سے وہ تیار ہو کر اور حفظ کر کے آئے ہیں۔ اس وقت ان کا کلام فصاحت و بلاغت کا ایک نمونہ تھا کہ سننے والے نقش حیرت بنے ہوئے تھے۔ یہ تقریر اب تک محفوظ ہے۔

ابن سعید نے لکھا ہے کہ منذر بن سعید البلوطی قرطبہ میں قاضی جماعت تھے اور بہت بڑے فصیح و بلیغ خطیب تھے اور قرآن شریف و حدیث قدسی نیز تصوف اور رد بدعت

میں وہ بہت سی کتابوں کے مصنّف ہیں۔ شاعر بلیغ تھے۔ ۲۶۵ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے
جب عبدالرحمٰن الناصر نے رومی بادشاہ قسطنطنیہ کے سفراء کی باریابی کے وقت قرطبہ کے
قصر میں وہ دربار منعقد کیا، جو اب تک مشہور چلا آتا ہے، تو اس موقعہ پر خلیفہ نے چاہا کہ خطبا
اور شعرا کھڑے ہوکر اُن کے جلالت قدر اور عظمت سلطنت، اور دیگر سلاطین کے مقہوری
مرعوبی کا ذکر کریں۔ ولی عہد دولت، امیر الحکم نے کئی فقہا کو اس کے لئے منتخب کیا تھا، مگر
سب سے پہلے اُنہوں نے ابوعلی البغدادی کو، کہ خلیفہ کے مہمان، امیر الکلام و بحر اللغت تھے
کھڑا کیا۔ اُنہوں نے خدا کی ثناء و نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھی کہ رعب کے
مارے چپ ہو گئے؛ نہ اُسی حصے کو ختم کیا، نہ آگے اُس کو کسی سے وصل کیا۔ بلکہ خاموش
اور متفکر رہ گئے۔ جب منذر بن سعید نے یہ دیکھا تو اُنہوں نے اپنے ہی منصب پر کھڑے ہو کر
ابوعلی کے کلام سے متصل اپنی تقریر شروع کر دی، جس نے عقلوں کو حیران کر دیا۔ خلیفہ
پر بھی اس کا بڑا اثر پڑا، اور کہا کہ یہ شخص واقعی اپنے قوم میں بڑا آدمی ہے۔ لوگوں میں
اُن کی قابلیت اور بدیہہ گوئی کا بڑا چرچہ ہوا۔ الناصر لدین اللہ نے سخت تعجب سے
پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ تو ولی عہد نے اُن کا نام بتلایا۔ خلیفہ نے کہا کہ اگر مجھے موقع ملا تو
میں ان کو اس قابل کر دوں گا کہ ان کا ذکر مدتوں باقی رہے۔ اس کے بعد اُن کو زہراء
کی جامع مسجد کا امام اور خطیب مقرر کیا۔ پھر جب قاضی محمد بن عیسی کا انتقال ہو گیا تو اُن کو
قرطبہ کا قاضی جماعت مقرر کیا اور زہرا کا امام۔ انتہٰی کلام ابن سعید، جو ابن خلدون
کی تائید کرتے ہیں کہ جو شخص تقریر کرنے پر مقرر ہوئے تھے وہ قالی تھے۔

الناصر نے اپنے بیٹے الحکم سے کہا کہ اس شخص نے کمال کیا۔ اگر بعد غور و فکر کے بھی
یہ تقریر کرتا تو کچھ کم قابل تعریف نہ تھی، چہ جائے کہ فی البدیہہ ایسی تقریر کرنی جو بجائے خود
نہایت عجیب و غریب بات ہے۔

مطمح میں منذر کی واقعی تعریفیں بیان کر کے لکھا ہے کہ زمانۂ عبدالرحمٰن میں قاضی

جماعتہ تھے۔ اُن کے عدل و انصاف کا شہرہ اُن کی کافی شہادت ہی۔ ظالم کو اُنہوں نے گرفتار کرایا، حقدار کو اُس کا حق دلوایا، باطل کا قلع و قمع کیا۔ نہایت باہیبت آدمی تھے انصاف کرنے میں ہرگز بزدلی نہیں دکھلاتے تھے۔ الناصر لدین اللہ کے انتقال تک اپنے عہدہ پر قائم رہے۔ اور اُن کے بعد الحکم نے بھی اُن کو بحال رکھا۔ اُنھوں نے کئی مرتبہ استعفا بھی دیا مگر منظور نہ ہوا۔ اُن کے انتقال کے بعد بھی کسی نے اُن کا کوئی ظلم یاد نہیں کیا۔ نہ کبھی یہ سُنا گیا کہ اُنھوں نے کوئی غلطی کی ہی۔ بڑے عالم تھے، حق کلام کرتے تھے اور صدق ظاہر کرتے تھے۔ سنت و ورع اور رد اہل بدعت میں اُنہوں نے بہت سی کتابیں چھوڑی ہیں۔ وہ خطیب، بلیغ، شاعر تھے۔ زمانہ المنذر بن محمد کی خلافت میں پیدا ہوئے اور ۳۵۵ھ ہجری میں انتقال کیا۔

ممکن ہی کہ ہم منذر کے حالات کسی اور موقع پر بھی بیان کریں۔

کہتے ہیں کہ جب خلیفہ الناصر لدین نے اپنے بیٹے، ابو مروان عبید اللہ، کے بیٹوں کی ختنہ کیں تو اس موقع پر ایک محفل قصر زہرا میں قرار دی خلیفہ کا حکم تھا کہ اہل مملکت میں سے کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے کہ اُس مجلس میں حاضر نہو۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ تمام فقہا، علما، عدول اور با وجاہت لوگ اس مجلس میں حاضر ہوں مگر طبقۂ اخری میں سے ابو ابراہیم نہ پہونچے۔ چوں کہ وہ ایک رفیع المنزلت، اکابر علما اور مدار مذہب مالکیہ میں سے تھے امیر المومنین پر اُن کا نہ آنا چھپ نہ سکا۔ اور اُنہوں نے ولی عہد الحکم کو حکم دیا کہ رقعہ لکھ کر اُن سے نہ آنے کی وجہ دریافت کریں۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اُن کا نہ آنا کسی ناراضی کے باعث نہ تھا بلکہ اتفاقی، تو امیر المومنین کو اطمینان ہوا۔

الناصر لدین اللہ اور ولی عہد دولت، حکم، کے نزدیک فقیہ ابو ابراہیم کی بڑی قدر و منزلت تھی حقیقت یہ ہی کہ فقیہ مذکور تھے بھی اسی قابل کہ یہ دونوں اُن کی ایسی عزت کرتے۔ فقیہ ابو القاسم بن مفرج کہتے ہیں کہ جو لوگ کہ فقیہ ابو ابراہیم کے پاس تفقہ و

روایت کے حصول کے لئے جایا کرتے تھے اُن میں سے ایک میں بھی تھا۔ ایک روز کا ذکر ہی کہ وہ اپنی مسجد میں جماعت طلبہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے (یہ مسجد ابوعثمان کی طرف منسوب ہی، کیوں کہ وہی اس مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ یہ مسجد اُن کے مکان کے پاس واقع تھی جو قصر قرطبہ کے پاس تھا) ظہر و عصر کا درمیان تھا کہ ایک خواجہ سرا امیر المومنین خلیفہ الحکم کا پیغام لے کر حاضر ہوا اور سلام کرکے کہا کہ "اے فقیہ! امیر المومنین، ابقاء اللہ تعالے، کی خدمت میں حاضر ہو۔ کیوں کہ تمھارے نام حکم صادر ہوا ہے، امیر المومنین تمھارے منتظر بیٹھے ہیں اور انھوں نے حکم دیا ہی کہ تم بہت جلدی وہاں پہونچو" فقیہ ابو ابراہیم نے جواب دیا کہ "میں بسر و چشم امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہونگا مگر جلدی نہیں کر سکتا۔ تم واپس جاکر امیر المومنین، وفقہ اللہ تعالیٰ، کی خدمت میں میری طرف سے عرض کردو کہ تم نے مجھے خدائے تعالیٰ کے گھروں میں سے ایک گھر میں، طالب علموں کے حلقہ میں، ایسی حالت میں پایا ہی کہ میں انھیں حدیث شریف سُنا رہا ہوں اور وہ لکھتے جاتے ہیں۔ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنے اس شغل کو چھوڑ دوں۔ نہ اس مجلس کو وقت مقررہ سے پہلے چھوڑ سکتا ہوں، کیوں کہ یہ مجلس محض رضا و طاعت الٰہی کے لئے منعقد ہوتی ہی۔ اس لئے دربار شاہی میں حاضر ہونے کی بہ نسبت میرا یہاں ٹھیرا رہنا زیادہ ضروری ہی جب ان طلبہ کا، جو رضاء الٰہی کے لئے ساعی ہیں، وقت پورا ہوجائے گا تو میں ان شاء اللہ حاضر حضور ہونگا" یہ کہہ کر وہ اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔ خواجہ سرا کو یہ جواب سخت ناگوار ہوا۔ اور اُس نے امیر المومنین کی خدمت میں حرف بحرف وہ جواب سُنا دیا۔ اور پھر بہت جلد ایسی حالت میں واپس آیا کہ اُس کے بشرہ پر آثار غصہ نہ تھے اور کہا کہ "میں نے تمھارا پیغام من وعن امیر المومنین کی خدمت میں پہونچا دیا۔ انھوں نے جواب دیا ہی کہ خدائے تعالیٰ تم کو دین، امیر المومنین اور جماعت مسلمین کی طرف سے جزائے خیر دے، اور اُن کو تمھاری ذات سے فائدہ پہنچائے، چوں کہ تم نے یہ امر اپنے

ذمہ لیا ہے اس نے اس کو پورا کرو" مجھے یہ حکم ہے کہ جب تک آپ اپنا شغل پورا نہ کرلیں اور میرے ساتھ چلنے پر تیار نہوں میں یہیں حاضر رہوں" فقیہ ابو ابراہیم نے کہا کہ "بہت اچھا لیکن بوجہ پیری و ضعف اعضا کے نہ میں چل سکتا ہوں نہ کسی جانور پر سوار ہو سکتا ہوں۔ قصر شاہی کا باب الضاعہ میرے قریب پڑتا ہے اگر امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ میرے لئے اس دروازہ کو کھول دینے کا حکم دیں تو میں بآسانی جا سکوں گا۔ تم واپس جاکر امیر المومنین سے اس کا تذکرہ کرو، اور دیکھو کہ اُن کی کیا رائے ہے۔ پھر مجھ سے آکر بیان کرو۔ تم جوان آدمی ہو۔ نیکی کے کام میں مددگار بنو" یہ شخص گیا اور بہت جلد واپس آکر کہنے لگا کہ:

"اے فقیہ! امیر المومنین نے تمھاری درخواست کو منظور کرلیا ہے اور باب الضاعہ کے کھول دینے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ میں اُسی دروازہ سے نکل کر آیا ہوں۔ امیر المومنین تمھارے انتظار میں ہیں اور مجھے یہیں حاضر رہنے، اور تمھارے شغل کے ختم ہونے کے بعد ساتھ جانے کا حکم ہے" یہ کہہ کر خواجہ سرا ایک طرف بیٹھ گیا۔ ابو ابراہیم نے اپنا درس، اپنے روزانہ معمول کے مطابق، بغیر کسی گھبراہٹ یا فکر کے پورا کیا، اور جب ہم لوگ بھی اُٹھ گئے تو وہ اپنے مکان پر گئے، اور وہاں سے کپڑے بدل کر خلیفہ کے پاس اُسی دروازہ سے گئے، اُن کا کام کیا، اور اُسی دروازہ سے واپس ہوگئے، جو اُن کے نکلتے ہی فوراً بند کروا دیا گیا۔ مفرج کہتے ہیں کہ "ہم نے ارادہ کیا کہ شیخ ابو ابراہیم کے اُس دروازہ سے گزرنے کی کیفیت دیکھیں تو ہم نے دیکھا کہ وہ دروازہ جس کو خلیفہ نے بتکلف کھلوایا تھا، کھلا پڑا ہے، اور خدمت گار وغیرہ شیخ کے انتظار میں گھبرائے ہوئے پھر رہے ہیں۔ جس سے ہم کو سخت تعجب ہوا۔ اور ہم اس واقعہ کا اکثر تذکرہ کرتے رہے۔ انتہیٰ

یہ سلوک تھا علما کا بادشاہوں کے ساتھ اور بادشاہوں کا علما کے ساتھ۔ خدا تعالے اُن تمام ارواح پر اپنا رحم کرے۔

الناصر لدین اللہ نے ۲ یا ۳ رمضان ۳۵۰ھ ہجری میں انتقال کیا۔ اُن کی

سلطنت بہت بڑی تھی اور اُن کے زمانہ میں شوکت اسلام بہت بڑھ گئی تھی۔

ابن خلدون کہتے ہیں کہ الناصرلدین اللہ نے مختلف بیت المال میں پانچ ارب درہم؟ (دینار؟) چھوڑے تھے۔ انتہٰی

مورخین نے لکھا ہے کہ الناصرلدین اللہ خراج ملک کے تین حصے کیا کرتے تھے۔ ایک حصہ فوج پر خرچ ہوتا تھا، دوسرا عمارات پر اور تیسرا جمع رہتا تھا۔ اس زمانہ میں شہروں اور زمینوں سے ملک کی آمدنی پچاس لاکھ، اور چار لاکھ اور اسی ہزار دینار تھی۔ بازار وغیرہ کا محاصل سات لاکھ بہتّر ہزار دینار تھا۔ مال غنیمت کا خمس بے تعداد ہوتا تھا، اور دفاتر میں اس کا کوئی حساب نہ رکھا جاتا تھا۔

لکھا ہے کہ الناصرلدین اللہ کے بعد اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک کاغذ ملا جس میں اُنھوں نے اُن دنوں کو قلم بند کیا تھا جس میں اُن کو کوئی فکر نہ رہا تھا۔ اس کی تفصیل اُنھوں نے بقید روز و تاریخ و سنہ لکھی تھی حساب لگانے سے معلوم ہوا کہ ان تمام دنوں کا مجموعہ کل چودہ دن ہوتے ہیں! عاقل کو چاہئے کہ اس دنیا کی بے مروتی اور بخل سے، جو وہ اپنے دوستوں کے لئے روا رکھتی ہے سخت تعجب کرے۔ غور کرو کہ خلیفہ الناصرلدین اللہ وہ شخص ہے کہ سعادت نے اُن کی قسم کھائی تھی، ترقیات دنیاوی اور وسعت ملک میں وہ ضرب المثل تھا اُنھوں نے پچاس برس چھ (یا سات مہینہ) اور تین روز سلطنت کی، مگر اُن کو صرف چودہ دن بے فکری کے ملے! خدائے تعالیٰ ہی کی ذات عزت کے ساتھ قائم رہنے والی ہے، اُسی کا ملک ہمیشہ باقی رہے گا۔ کوئی شبہ نہیں ہے کہ اُس کے سوائے کوئی خدا نہیں ہے۔

الناصرلدین اللہ سے بعض اشعار بھی منسوب ہیں۔

الناصرلدین اللہ کی سلطنت کو خدائے تعالےٰ نے اُس کے وزرا سے بھی زینت دی تھی من جملہ ان کے ایک ابن شہید تھے۔ ان کے متعلق دو صیغے تھے اس لئے "ذو الوزارتین" کہلاتے تھے۔ ان کے اور وزیر عبد الملک بن جہور کے درمیان میں ہمیشہ بے لطفی رہتی

تھی۔ اور ایک دوسرے کی سُبکی کرتے رہتے تھے۔ اس معاملہ میں ان دونوں کے بعض اشعار مشہور رہیں۔

ابن شہید کے بعض حالات ہم بیان کر آئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان پر رحم فرمائے

الحکم المستنصر باللہ

الناصر لدین اللہ کے انتقال کے بعد اُن کے ولی عہد حکم ملقب المستنصر باللہ تخت خلافت پر متمکن ہوئے، اور اپنے باپ کے قدم بقدم چلتے رہے۔ انھوں نے عہدۂ حجابت پر جعفر صقلبی کو مقرر کیا۔ جس روز یہ حکم تقرر صادر ہوا اُسی روز بہت سے تحائف اُن کو بھیجے، جن کا ذکر ابن حیان نے مقتبس میں لکھا ہے۔ من جملہ ان تحائف کے سو غلام افرنجی مع گھوڑوں، تلواروں، نیزوں، ڈھالوں اور ہندوستانی ٹوپیوں کے تھے؛ اور تین سو بیس مختلف قسم کی زرہیں، تین سو خود، سو تلوار ہندی، تین سو افرنجی حربے، سو سلطانیہ ڈھالیں، چاندی کے دس جوشن، جن پر سونا کیا ہوا تھا، بھینسوں کے پچیس سینگ جن پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ انتہیٰ

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ الناصر لدین اللہ کی وفات کے بعد جلالقہ نے سرحد کو دبانے کی کوشش کی۔ الحکم نفس نفیس مقابلہ کے لئے گئے اور فردلند بن غندشاب کے شہر پر حملہ کیا اور شنت اشتبین کو بجبر فتح کر کے اور وہاں کی لوٹ معاف کر کے واپس چلے آئے۔ مخالفین نے آخر اُن سے صلح کر لی اور اپنی شرارت سے باز آئے۔ پھر اُن کے غلام غالب نے بلاد جلیقیہ پر حملہ کیا اور شہر سالم تک دار الحرب میں داخل ہونے کے لئے پہنچ گیا۔ تمام جلالقہ نے متفق ہو کر غالب کا مقابلہ کیا، مگر سب نے شکست کھائی اور ملک مغلوب کی لوٹ معاف کر دی گئی۔ فردلند کا شہر بھی تباہ ہو گیا۔ اُس زمانہ میں شانجہ بن ردمیر بشکنس کا بادشاہ تھا۔ چوں کہ اس نے بھی نقض عہد کیا تھا، اس لئے اس پر الحکم نے

تجیبی صاحب سرقسطہ کو فوج دے کر بھیجا۔ بادشاہ جلالقہ شاہ لشکنش کی مدد کے لئے آیا لیکن دونوں نے شکست کھائی اور قوریہ میں نظر بند رہے۔ پھر تجیبی اُس نواح کو خراب کر کے واپس چلے آئے۔

اس کے بعد الحکم نے احمد بن یعلی اور یحییٰ بن محمد التجیبی کو برشلونہ کی طرف فوج دے کر بھیجا۔ انھوں نے اُس نواح کو بھی تباہ کر دیا۔

ہذیل بن ہاشم اور الحکم کے غلام، غالب، تومس کی طرف بھیجے گئے۔ یہ بھی وہاں لوٹ مار کر کے واپس چلے آئے۔

الحکم اور اُن کے سپہ سالاروں کی فتوحات ہر طرف بہت بڑھ گئی تھیں جن میں سے سب سے بڑی فتح قلمریہ کی تھی، جو لشکنش میں واقع ہے یہ جگہ غالب نے فتح کی تھی۔ الحکم نے اُس کو از سر نو آباد کیا اور اُس پر خاص توجہ رکھی۔ پھر ایک سپہ سالار کے ہاتھ سے قطوبہ فتح ہوا۔ یہاں سے غنیمت میں بہت سا مال، ہتھیار، کھانے پینے کی چیزیں، اثاث البیت بھیڑ بکریاں، گائیں اور قیدی بے انتہا حاصل ہوئے۔

۳۵۴ھ ہجری میں غالب، یحییٰ بن محمد التجیبی اور قاسم بن مطرف بن ذوالنون شہر البہ کی طرف گئے۔ قلعہ غرماج کو بنایا اور اُس طرف کے شہروں پر قبضہ کر کے واپس چلے آئے۔

اسی سال میں مجوس کے جہاز پھر بحر کبیر میں ظاہر ہوئے۔ اشبونہ کے نواح میں اُنھوں نے بہت فساد برپا کیا۔ لوگ اُن سے لڑتے بھڑتے رہے پھر یہ مجوسی اپنے جہازوں کی طرف لوٹ گئے۔ الحکم نے سواحل کی حفاظت کا حکم دیا۔ اور عبدالرحمٰن امیر البحر، کو حکم دیا کہ بہت جلد جہازوں کو اُن کی طرف روانہ کرے۔ پھر یہ خبر آئی کہ سواحل پر ہر طرف فوجیں اُن سے بھر گئیں۔

اسی سال اردون بن اوفونس، بادشاہ جلالقہ، دربار خلافت میں حاضر ہوا جس کی تقریب یہ تھی کہ الناصر لدین اللہ نے شانجہ بن ردمیر کی جو اُس کا چچیرا بھائی تھا اور

اردون کی طرف سے حکومت کرتا تھا امداد کی اور نصرانیوں کو اُس کی اطاعت کی طرف مائل کیا تو اردون نے اپنے خسر فرولند تومیس بادشاہ قشتیلیہ سے مدد مانگی تو ساتھ ہی یہ خطرہ پیدا ہوا کہ جس طرح الناصر لدین اللہ نے شانجہ کی مدد کی تھی اسی طرح الحکم بھی مدد کرے گا۔ اسی بنا پر الحکم کی حمایت حاصل کرنے کے لئے وہ خود حاضر ہوا۔ خلیفہ نے اس کو باریاب کرنے کے لئے ایک محفل منعقد کی اور فوج کو آراستہ کیا۔ یہ دن بھی یادگار تھا۔ اور اُس کا ذکر ابن حیان نے اُسی طرح کیا ہے جیسے کہ اور سفارتوں کے آنے کا۔ غرض الحکم نے سفارت کو باریاب کیا اور مدد کرنے کا وعدہ کیا، خلعت عطا فرمایا اور اردون کو بلانے کے لئے لکھا، مسلمانوں کی حمایت اور فردلند القومس سے قطع تعلق کا یقین دلایا اور اس پر قسم کھائی اور اپنے بیٹے غرسیہ کو بطور یرغمال کے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اُس کو اور اُس کے ساتھیوں کو تحائف دے کر رخصت کر دیا اور ذمی عیسائیوں میں سے بڑے بڑے آدمی اُس کے ساتھ کر دیئے تاکہ اُن کی رعایا کی اطاعت کے استحکام میں مددگار ہوں اسی موقعہ پر اردون کے چچیرے بھائی شانجہ بن ردمیر نے ایک سفارت بھیجی، جس کے ہمراہ جلیقیہ اور سمورہ کے بڑے بڑے آدمی اور پادری تھے۔ اس سفارت نے یہ درخواست کی کہ شانجہ کی بیعت و اطاعت تسلیم کی جائے، اور الناصر لدین اللہ جو وعدہ اُن کے ساتھ کیا تھا وہ مستحکم کر دیا جائے۔ شانجہ کی بیعت بعض شرائط کے ساتھ منظور کر لی گئی۔ من جملہ ان شرائط کے یہ شرط بھی تھی کہ جو قلعے اور برج مسلمانوں کے علاقوں کے پاس ہیں وہ سب گرا دیئے جائیں۔

پھر بادشاہان برشلونہ اور طرکونہ وغیرہ نے تجدید صلح کی اور اقرار اطاعت کے اظہار کے لئے سفارتیں بھیجیں۔ یہ سفارتیں جو تحائف لے کر آئی تھیں اُن میں بیس خصی لڑکے صقالبہ کے، بیس قنطار سیاہ صوف سمور، پانچ قنطار بھورا سمور، دس صقلبیہ زرہیں، اور دوسو افرنجی تلواریں تھیں۔ یہ تمام ہدیئے قبول کر لئے گئے، اور اس شرط

عہدنامہ ہوگیا کہ جن قلعوں کی زد مسلمانوں کے علاقہ پر پڑتی ہی وہ سب گرا دیئے جائیں اور اُن کے ہم مذہب مسلمانوں کے خلاف اُن کے مددگار نہوں، اور نصاریٰ کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں۔

پھر غرسیہ بن شانجہ، بادشاہ لشکنش نے ایک جماعت پادریوں اور معززین کی درخواست صلح کے لئے بھیجی۔ باوجود اس کے کہ ان بادشاہوں نے دیر کی اور مکروفریب ظاہر کیا مگر اس سفارت کو بھی شرف قبولیت عطا ہوا۔

پھر لذریق بن بلاشنک کی ماں الحکم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ یہ القومس کی ملکہ تھی، جو جلیقیہ کے پاس واقع ہی اور "قومس اکبر" کہلاتا ہی۔ الحکم نے اُس کے استقبال کے لئے اپنے اہل دولت کو بھیجا۔ اور اُس سے ملنے کے لئے ایک محفل مقرر کی۔ یہ دن بھی یادگار ہی اس نے بھی کامیابی حاصل کی، اور اُس کی درخواست کے موافق، اُس کے بیٹے سے عہدنامہ صلح منعقد ہوگیا۔ اُس کو بہت سا مال عطا ہوا کہ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کردے اور خود اُس کو بھی بہت سا مال دیا گیا۔ اس کی سواری کے لئے ایک بیش قیمت خچر زرّیں زین ولگام کا، جس پر دیباج کا زین پوش پڑا ہوا تھا۔ دیا گیا۔ چلتے وقت وہ دربار الحکم میں رخصت ہونے آئی، اس پر خلیفہ نے اُس کے زاد راہ کے لئے بہت کچھ سامان دے کر اُس کو رخصت کردیا۔

پھر مغرب اقصےٰ واوسط میں فوجیں بھیجی گئیں اور شاہانِ زناتہ مغراوہ اور مکناسہ نے اُن کی اطاعت قبول کی، اپنی سلطنتوں میں خلیفہ کی دعوت کو عام کیا اور اُن کے نام کا خطبہ ممبروں پر پڑھا گیا۔

پھر بنوالخزر اور بنوابی العافیہ کی سفارت آئی۔ اُن کو بہت کچھ صلہ عطا کیا گیا، اُن کی بہت کچھ عزت ہوئی، اور بعزت وحرمت واپس کئے گئے۔

بنوادریس اپنے ملک سے آکر نواح ریف میں اُترے، اور قرطبہ میں بھی آئے

لیکن پھر اُن کو اسکندریہ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

خلیفہ الحکم بڑے علم دوست اور عالموں کا اکرام کرنے والے تھے جتنی کتابیں مختلف فنون کی انھوں نے جمع کی تھیں، اُتنی اُن سے پہلے کسی بادشاہ نے جمع نہیں کیں۔ ابو محمد بن حزم بیان کرتے ہیں کہ تلید خصی نے، جو کتب خانہ کے مہتمم تھے، مجھ سے کہا کہ شاہی کتب خانہ کی چوالیس فہرستیں تھیں۔ ہر فہرست کے بیس ورق تھے۔ ان میں سے ایک میں صرف دیوانوں کے نام تھے۔ الحکم کے حکم سے علم و علما کے لئے ایک بازار مختص کر دیا گیا تھا۔ جہاں ہر طرف سے کتابیں آ کر جمع ہوتی تھیں۔

ابو محمد خلدون نے لکھا ہے کہ جب حکم کے والد الناصر لدین اللہ کے پاس ابو علی القالی صاحب کتاب الامالی بغداد سے لے کر آئے تو اُن کی بڑی تعظیم کی گئی۔ الناصر نے اُن کی بہت مدد کی۔ اہل اندلس نے اُن کے علم سے بہت نفع اُٹھایا۔ الحکم المستنصر کی خدمت میں اُن کو خصوصیت حاصل ہو گئی۔ اور اُن کے علم سے انھوں نے بھی فائدہ اُٹھایا۔ کتابیں خریدنے کے لئے اقطار عالم میں تاجر بھیجے جاتے تھے اور اُن کے پاس بہت سا مال کتابیں خریدنے کے لئے بھیجا جاتا، اور اندلس میں کتابیں منگوائی جاتی تھیں۔ کتاب الاغانی کے مصنف ابوالفرج اصفہانی (جو بنو امیہ میں سے تھے) کے پاس ایک ہزار دینار اُن کی کتاب کے ایک نسخہ کے لئے بھیجے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قبل اس کے کہ وہ کتاب عراق میں شائع ہو اندلس میں پہنچ گئی۔ یہی کیفیت قاضی ابو بکر الابہری المالکی کی کتاب شرح مختصر مصنفہ ابن عبدالحکم کے ساتھ گزری۔ ایسی مثالیں بہت سی ہیں۔ الحکم نے اپنے محل میں بڑے خوشنویس لوگ، کتابیں نقل کرنے کے واسطے، اور بڑے بڑے کاری گر اُن کو مزین کرنے اور جلدیں باندھنے کے لئے جمع کر رکھے تھے۔ اندلس میں کتابوں کے ایسے خزانے جمع تھے کہ اُس سے قبل یا بعد کبھی نہ ہوئے۔ البتہ ناصر العباسی بن مستضئ اس معاملہ میں مستثنیٰ تھے۔ یہ کتابیں قصر قرطبہ میں بربریوں کے فتنہ تک موجود

رہیں۔ یہاں تک کہ حاجب واضح نے جو منصور بن ابی عامر کا غلام تھا اُن کو فروخت کر دینے کا حکم دیا۔ اور جو کچھ باقی رہیں وہ بربریوں کے قرطبہ میں آنے، اور غلبہ پانے کے وقت غارت گئیں۔ انتہیٰ کلام ابن خلدون مختصراً

(اب ہم الحکم کے متعلق ذرا تفصیل سے کام لیتے ہیں) الحکم المستنصر اپنے والد کے انتقال کے دوسرے دن بروز پنجشنبہ سریرآرائے سلطنت ہوئے اور نہایت مستعدی سے نظام دولت اپنے ہاتھ میں لیا۔ ہر طرف اپنی تخت نشینی کی اطلاع دی اور لوگوں کو اپنی بیعت کا حکم بھیجا۔ اُسی دن سے اپنی سلطنت کے بڑھانے، مملکت کو مضبوط کرنے، قصر سلطانی کے ضبط اور ترتیب افواج کی طرف توجہ کی۔ سب سے پہلے جس نے بیعت کی وہ صقالبہ تھے، جو قصر شاہی پر متعین تھے، اور بڑے بڑے خلفا کے ساتھ اُن سے تعلقات مشہور تھے۔ مثلاً جعفر داروغہ اصطبل و توشہ خانہ، اور ایسے ہی اور بڑے آدمی، اور اُن کے ماتحت لوگ۔ ان کے بعد قصر کے اہل قلم اور مقدم وغیرہ نے بیعت کی۔ جب اہل قصر کی بیعت مکمل ہو چکی تو جعفر بن عثمان کو اپنے بھائی ابو مروان عبید اللہ کی طرف بھیجا، جو حاضر نہ ہوئے تھے۔ اور حکم دیا کہ اُن کا کوئی عذر نہ سُنا جائے، اور بیعت کے لئے حاضر لایا جائے۔ یہی حکم موسیٰ بن احمد بن حدیر کو دے کر اپنے دوسرے بھائی ابو الاصبغ عبدالعزیز کی طرف بھیجا۔ یہ دونوں کچھ فوج لے کر پہونچے، اور دونوں شاہزادوں کو قصر مدینۃ الزہرا میں لے آئے۔ دیگر اعیان سلطنت کو مع فوج کے اپنے اور چھ بھائیوں کی طرف بھیجا۔ سب راتوں رات قصر زہرا میں پہنچ گئے اور اپنے اپنے مرتبہ کے موافق الگ الگ ٹھیرا دیئے گئے اور دربار میں اُن کو شرقی و غربی حصے میں جگہ دی گئی۔ المستنصر باللہ تخت پر آکر بیٹھے جو سونے کا بنا ہوا تھا اور کمرہ کے درمیان میں بچھا ہوا تھا۔ اس تخت کے قبلہ کی طرف سنگ مرمر کی غلام گردش تھی۔ سب سے پہلے الحکم کے بھائیوں نے آگے بڑھ کر بیعت کی، اور وہ قسمیں جو اس موقع کے لئے خاص ہیں کھائیں۔ ان کے بعد وزرا اور اُن کی اولاد

اور بھائیوں نے بیعت کی، ان کے بعد اصحاب شرطہ اور اہل خدمت لوگوں کی باری آئی پھر بھائی، وزیر اور عیان سلطنت چپ و راست بیٹھ گئے۔ لیکن عیسیٰ بن فطیش نہ بیٹھے۔ کیوں کہ وہ کھڑے ہوئے لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ غرض دربار کی ترتیب وہی قائم ہوگئی جو ایسے موقعوں پر ہمیشہ ہوا کرتی ہے۔ اور اکابر سلطنت چپ و راست صفیں باندھ کر اپنے اپنے مرتبہ کے موافق بیٹھ گئے۔ سب لوگ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، جو ماتمی لباس تھا، اور اُس پر تلواریں لگائے ہوئے تھے۔ ان کے بعد غلام تھے جو زرہیں پہنے ہوئے، چمکدار تلواریں لئے ہوئے دو صفوں میں ساتھ کے کمروں میں کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے بعد خصی غلام صقالبہ سفید لباس پہنے اور تلواریں ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے۔ ان کے بعد پھر ایک طبقہ خصی صقالبہ غلاموں کا تھا جو تیر اور کمان لئے ہوئے تھے ان خصی غلاموں کی صفوں سے متصل اور غلاموں کی صفیں تھیں، جو مختلف قسم کے قیمتی ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ اہالی فوج کے رہنے کے کمروں میں غلام ایک ترتیب کے ساتھ ایک صف میں موجود تھے؛ یہ غلام جوشن لگائے اور سفید صقلبی خود پہنے ہوئے تھے، اور اُن کے ہاتھوں میں رنگین کمانیں اور دیگر فرین ہتھیار تھے۔ آخر میں باب السدہ پر اندر کی طرف دربانوں کا افسر اور اُس کے ماتحت تھے۔ اور باہر باب الاقبا تک غلام گھوڑوں پر سوار تھے، اور اُن کے متصل اور سوار اور فوجی لوگ۔ غلام اور تیر انداز کی بعد دیگرے شہر کے دروازے تک کھڑے ہوئے تھے۔ جب رسوم بیعت ختم ہوگئیں تو لوگوں کو چلے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ مگر خلیفہ کے بھائی، وزرا اور اہل خدمت قصر زہرا میں اُس وقت تک روک لئے گئے کہ جب تک الناصر لدین اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا جسد قصر قرطبہ کے تربت خلفا میں دفن کرنے کے لئے نہ پہنچا دیا گیا۔

ماہ ذوالحجہ ۳۵۰ھ ہجری میں بارگاہ خلافت میں اندلس کے مختلف شہروں، یعنی طلیطلہ وغیرہ سے بیعت، اور التماس مطالب کے لئے بہت سے وفود پہونچے۔

جن کو مجلس خلیفہ میں وزرا، اور قاضی منذر بن سعید کے موجودگی میں شرف باریابی عطا فرمایا گیا اور بیعت لی گئی۔

آخر صفر ۳۵۱ھ میں خلیفہ الحکم المستنصر باللہ نے اپنے غلام محمد اور زیاد کو جو افلح الناصری کے بیٹے تھے، کچھ فوج دے کر غالب الناصری کی مدد کے لئے بھیجا۔ کیوں کہ اس پر صاحب مدینہ سالم نے اردون بن، ردونس، باغی خبیث، کی طرف سے جلالقہ کی ایک جمعیت کو لے کر خروج کیا تھا اور اپنے چچیرے بھائی شانجہ بن ردمیر کی اولاد سے بر سر منازعت تھا۔ اس اردون لعین نے خود ہی، بغیر اس کے کہ پہلے اجازت حاصل کرے، یا کوئی عہد نامہ کرے، بارگاہ خلافت المستنصر باللہ کا رخ کیا۔ اس حاضری کی تقریب یہ تھی کہ اس کو اطلاع پہونچی تھی کہ الحکم المستنصر باللہ کا اسی سال میں اس پر فوج کشی کرنے کا قصد ہے اس لئے اس نے اس کے رفع دخل کی یہ تدبیر سوچی کہ المستنصر باللہ کو اپنی طرف مایل کرے۔ چنانچہ وہ قبل اس کے کہ امان طلب کرے، یا اپنے آپ کو ذمی بنانے کا عہد کرے، بیس آدمیوں کو لے کر چل پڑا۔ غالب الناصری بھی اُن کے ساتھ ہولیا۔ راستہ میں افلح کے دونوں بیٹے اپنی فوج، جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، لے کر اُن سے آملے۔ دوسرے روز قرطبہ پہونچے المستنصر باللہ نے ہشام المصحفی کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر قرطبہ کے دروازہ پر بھیجا۔ جو اردون کو قصر شاہی کے دروازے تک لے آئے۔ جب اردون باب السدرہ اور باب الجنان کے درمیان میں پہونچا تو اُس نے الناصر لدین اللہ کا مدفن دریافت کیا اور اُس کا پتہ پاکر قبر پر حاضر ہوا اور ٹوپی اُتار کر کچھ دعا پڑھی اور پھر ٹوپی اپنے سر پر رکھ لی المستنصر باللہ نے اُس کو دار النعورہ میں اُتارا۔ اس مکان کو پہلے ہی فرش و فروش سے آراستہ کر دیا گیا تھا۔ اردون اور اُس کے ساتھیوں کا بہت اعزاز و اکرام کیا گیا۔ پنجشنبہ اور جمعہ کو یہ لوگ وہاں ٹھیرے رہے شنبہ کے روز المستنصر باللہ نے ان لوگوں کو باریابی عطا فرمائی۔ اس موقع پر دربار مرتب و منعقد کیا گیا۔ فوجیں ہتھیار باندھے ہوئے صف بستہ

کھڑی کی گئیں معمولی زینت کی گئی۔ المستنصر باللہ سریر سلطنت پر مجلس شرقی میں متمکن ہوئے
اور اُن کے بھائی اور وزرا داعرا سلطنت اپنے اپنے مرتبہ پر صف بصف بیٹھے۔ ان ہی
میں قاضی منذر بن سعید اور دیگر حکام و فقہا بھی تھے۔ محمد بن القاسم بن طملس، بادشاہ
اُردون اور اُس کے ساتھیوں کو لے کر آئے۔ یہ لوگ قیمتی لباس سفید دیباج رومی کا پہنے
ہوئے تھے۔ بلبوان اسی رنگ اور کپڑے کا تھا۔ سر پر رومی ٹوپی تھی جس میں جواہرات
ٹکے ہوئے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے اندلس کے ذمی نصاریٰ کا ایک گروہ تھا۔ ان
ذمیوں میں ولید بن خیزون، قرطبہ کے نصاریٰ کے قاضی، اور عبید اللہ بن قاسم مطران
(لاٹ پادری) طلیطلہ وغیرہ تھے۔ اردون فوج کی دو صفوں کے درمیان میں داخل ہوا
جو اس طرح کھڑی کی گئیں تھیں کہ بظاہر اصل تعداد سے زیادہ معلوم ہوتی تھیں اور اُن کے
ہتھیار اور وردیوں سے ان لوگوں کی آنکھیں چوندھیائی جاتی تھیں۔ یہ کیفیت دیکھ
دیکھ کر اُن کی آنکھیں بند ہوتی جاتی تھیں وہ سر جھکائے ہوئے نیم وا آنکھوں سے یہ تماشا
دیکھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ باب الاقباء پر پہونچے جو قصر زہرا کا پہلا دروازہ تھا
یہاں جو لوگ، اردون کو لینے آئے تھے، پیدل ہو گئے۔ اردون اور اُس کے خاص
آدمی اپنے گھوڑوں پر سوار آگے بڑھے۔ اور باب السدہ تک پہنچ گئے۔ یہاں سب کو
سوائے اردون کے پیدل ہو جانے کا حکم دیا گیا، جو محمد بن طملس کے ساتھ تنہا سوار تھا۔
آخر درمیانی ڈیوڑھی پر، جو دار الجند (فوج کے رہنے کی جگہ) کے پاس تھا، یہ بھی اُتر پڑا
ٹھیک اسی مقام پر اُس سے پہلے اُس کا دشمن، اور رقیب، شانجہ بن ردمیر، جب وہ
الناصر لدین اللہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، گھوڑے سے اُترا تھا۔ اردون
کو ایک اونچی سی کرسی پر، جس کے اوپر چاندی کا کام کیا ہوا تھا، بٹھایا گیا، اور اس کے
ساتھی اُس کے سامنے کھڑے کئے گئے۔ آخر المستنصر باللہ نے اُس کو حاضری کا اذن
دیا۔ اردون پیدل آگے بڑھا، اور اس کے ہمراہی بھی اُس کے ساتھ ہی بڑھے جب وہ

مجلس شرقی تک پہنچا، جہاں المستنصر باللہ بیٹھے ہوئے تھے، تو اردون نے کھڑے ہو کر ٹوپی اتاری اور سر ننگا کر لیا۔ اور اسی طرح دو صفوں کے درمیان میں سے، جو وہاں مرتب تھیں، آگے بڑھا اور جب تخت کے مقابل پہنچا تو سجدہ میں گر پڑا۔ اور پھر سیدھا کھڑا ہو کر چند قدم اور بڑھا اور پھر سجدے میں گر گیا۔ اسی طرح سجدے کرتا ہوا خلیفہ کے سامنے پہنچا اور ان کا ہاتھ چوم کر الٹے پیروں (خلیفہ کو پشت نہ دے کر) واپس آیا اور دیباج کی مسند جس پر سنہرا کام کیا ہوا تھا اور جو تخت سے کوئی دس گز کے فاصلہ پر اسی غرض کے لئے بچھی ہوئی تھی بیٹھ گیا۔ اس کی صورت سے نگونساری معلوم ہوتی تھی۔ اس کے پیچھے اس کے ساتھی اور خواص کھڑے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے بھی اپنے بادشاہ کے اتباع میں سجدے کئے۔ خلیفہ نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا اور وہ چوم کر الٹے پیروں واپس آکر اپنے بادشاہ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد ولید بن خیزون قرطبہ کا قاضی نصاری آیا، اور اس نے اردون اور خلیفہ کے درمیان میں ترجمان کا کام دیا۔ خلیفہ الحکم تھوڑی دیر تک خاموش رہے تاکہ اردون پر جو اثر ان کے سامنے بیٹھنے سے ہوا تھا، وہ زائل ہو جائے اور اس پر سے رعب اتر جائے۔ جب خلیفہ نے یہ دیکھ لیا کہ اس کو ایک قسم کی تسکین ہو گئی ہے تو انہوں نے کلام کا افتتاح کیا اور کہا کہ "تمہارا ہمارے حضور میں آنا باعث کامیابی ہو اور تمہاری امیدیں برآئیں۔ تم دیکھو گے کہ ہم تمہارے اچھے مشیر ہیں۔ اور جتنا تم مانگو گے اس سے بھی زیادہ پاؤ گے۔"

جب خلیفہ کے ان الفاظ کا ترجمہ اردون کو سنایا گیا تو اس کو کچھ اور تسکین ہوئی اپنی مسند سے اٹھا۔ اور خلیفہ کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ:-

"میں امیر المومنین کا غلام ہوں اور ان کو اپنا مالک اور آقا سمجھتا ہوں۔ میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ امیر المومنین کی مرحمات شاہی حاصل کروں، اور ان کے احسان سے اپنی حاضری کا عوض پا لوں۔ میں صاف نیت سے آیا ہوں اور خالص نصیحت کا

اُمیدوار ہوں۔"

خلیفہ نے کہا کہ "تم ہمارے نزدیک ایسے شخص ہو کہ تم ہم سے اچھا مشورہ حاصل کرو ہم اس بات پر تیار ہیں کہ تم کو تمھارے ہم مذہبوں پر فضیلت دیں اور تم کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیں۔"

اردون نے جب خلیفہ کے الفاظ کو سمجھا تو اُس نے سجدہ کیا۔ اور بہت عجز سے کہا کہ "دوست نانجہ میرا چچیرا بھائی، خلیفۂ مرحوم کے پاس مجھ سے امان مانگنے کے لئے حاضر ہوا تھا، اُس وقت اُس کا ایسا ہی اعزاز کیا گیا تھا جیسا کہ اتنے بڑے بادشاہ، اور ایسے عظیم الشان خلیفہ، کی طرف سے اُس کا اور ایسے لوگوں کا ہونا چاہیئے تھا جو بادشاہ اور خلیفہ کی خدمت میں اپنی اُمیدیں لے کر حاضر ہوں۔ حالانکہ اُس کا قصد اضطراری تھا، اُس کی رعایا اُس کو بُرا سمجھتی تھی اور اُس کی عادات کو مکروہ جانتی تھی۔ خدا جانتا ہے کہ اُس کی رعیت نے بغیر میری خواہش کے اُس کی جگہ مجھے اپنا بادشاہ بنایا ہے اُن ہی نے اُس کو تخت سے اُتار دیا، اور بجبر ملک بدر کردیا۔ آخروہ آپ کے والد رحمہ اللہ، کی خدمت یہ اُمید لے کر حاضر ہوا کہ اُس کو پھر اُس کے ملک پر متصرف کردیا جائے اور اُس کی سلطنت کو مستحکم بنا دیا جائے اور اُس کی مدد کی جائے۔ باوجود اس کے کہ اس نے اُن احسانات کا بدلہ نہیں دیا جو ہیں نے اُس پر کئے تھے، اور نہ امیرالمومنین کا حق ادا کیا۔ میں امیرالمومنین کے دروازے پر بغیر کسی ضرورت کے حاضر ہوا ہوں۔ نہ مجھے اپنی سلطنت کی طرف سے اندیشہ ہے، نہ اس کا ڈر ہے کہ میرے احکام کی تعمیل میرے آدمی یا میرے علاقہ میں نہ ہوگی، نہ مجھے اپنی رعیت کے بگڑ جانے کا خیال ہے۔ غرض کہ ہم دونوں کے درمیان میں بڑا فرق ہے۔"

خلیفہ نے جواب دیا کہ "ہم نے تمھارے درخواست سُنی، اور اُس کا مطلب سمجھا۔ تم کو چندروز میں ہماری عنایات شاہانہ اپنی خصوصیت کے ساتھ معلوم ہوجائیگی اور ہمارا

احسان تم کو اُس سے زیادہ معلوم ہوگا جتنا کہ ہمارے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تمہارے مخالف پر تھا۔ اگرچہ اُس کو تم پر پہلے حاضر ہونے کی فضیلت حاصل ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم ہمارے احسانات میں پیچھے رہ جاؤ، یا جو مراعات ہماری طرف سے تم کو پہنچنے والی ہیں اُن میں کمی آجائے۔ ہم تم کو تمہارے شہر کی طرف کامیابی کے ساتھ واپس کرینگے اور تمہارا املاک جس پر تم پہلے حکمراں تھے تم کو واپس دینگے۔ اور اس معاملہ میں تم کو ایک تحریر عطا کرینگے جو تمہارے پاس رہیگی اور اس کی رو سے تمہارے اور تمہارے چچیرے بھائی کے درمیان میں حد فاصل قرار دینگے۔ اور جتنا تمہارا املاک اُس کے تصرف میں ہے وہ تمھیں دلوا دینگے۔ اور ان کے علاوہ ہمارے احسانات تم پر اور ظاہر ہونگے۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں اُس پر خدائے تعالیٰ کو گواہ کرتے ہیں۔"

اردون نے پھر سجدہ کیا اور شکریہ ادا کرکے کھڑا ہو گیا، اور اپنی پشت خلیفہ کی طرف نہ کرکے واپس لوٹا۔ غلاموں نے اُس کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور مجلس غربی میں پہنچا دیا خلیفہ کی عظمت وجلالت دیکھ کر خوف کی وجہ سے اردون کے ہوش وحواس زائل ہو رہے تھے، اور سخت مرعوب تھا۔ جب اُس کمرہ میں پہونچا جہاں خلیفہ بیٹھتے تھے تو امیر المومنین کی جگہ خالی دیکھ کر تعظیماً سجدے میں گر گیا۔ آخر غلاموں نے اُس کو ایک سنہری مسند پر بٹھا دیا، اور جعفر حاجب آگئے۔ اُن کو دیکھ کر اردون نہایت ادب سے کھڑا ہو گیا اور اُن کا ہاتھ چومنا چاہا۔ حاجب اُس کا ہاتھ پکڑ کر ذرا جھک گئے اور اس سے بغل گیر ہو کر اُس کے پاس بیٹھ گئے، باخلاق پیش آئے اور اُس سے وعدہ کیا کہ خلیفہ نے جو کچھ اپنی تقریر میں ارشاد فرمایا ہے اُس کی تعمیل ہوگی۔ جس سے اردون کی خوشی اور بھی بڑھ گئی۔ پھر حاجب کے حکم سے وہ خلعت لایا گیا، جس کے عطا کرنے کا خلیفہ نے حکم دیا تھا۔ اس خلعت میں ایک زرہ سونے سے بنی ہوئی تھی، اور ویسی ہی ایک ٹوپی مرصع بجواہر، تھی جس کے یاقوتوں سے آنکھیں چوندھیائی جاتی تھیں۔ اردون اس خلعت کو دیکھ کر

پھر سجدے میں گر گیا، اور بہت دعائیں دیں۔ اس کے بعد حاجب نے اردون کے ساتھیوں کو نام بنام بلایا، اور ہر ایک کو حسب حیثیت خلعت دیا۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا تو سب نے سجدہ کیا، اور بہت شکریے ادا کئے۔ پھر بادشاہ اردون اور اس کے ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ شرع صحن اوسط میں بادشاہ کی سواری کے لئے گھوڑا پیش کیا گیا، جس کا زین اور لگام قیمتی تھا۔ اس کے بعد ابن طلیس کے ساتھ قصر رصافہ میں جہاں یہ لوگ ٹھہرائے گئے تھے واپس آگئے۔ اس مکان میں ان کی آسائش کے لئے تمام آلات، فرش، برتن وغیرہ مہیا تھے۔ یہاں یہ لوگ اپنے جانے کے وقت تک نہایت عزت و آبرو و آسائش و آرام کے ساتھ ٹھہرے رہے۔

اس روز کی خوشی اور عزت اسلام کی وجہ سے لوگوں کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو ہو جاتے تھے۔ اور بہت دنوں تک اس کا چرچا رہا۔

اس روز مجلس امیر المومنین میں خطباء اور شعرا نے اپنے اپنے جوہر دکھائے۔ اگر ہم ان تمام تقریروں اور نظموں کو ضبط تحریر میں لائیں تو بہت طول ہو جاتا ہے۔ اس لئے قلم انداز کیا جاتا ہے۔

بعض مورخین نے الحکم کی نسبت لکھا ہے کہ وہ حسن سیرت رکھتے تھے۔ ان کے پاس جو کوئی آتا تھا اس سے بعزت پیش آتے تھے۔ انھوں نے کتابیں بے حد جمع کیں جن کی کثرت اور نفاست کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی جمع کردہ کتابوں کی تعداد چار لاکھ جلدیں تھیں۔ ایک ایک کتاب کی نقل میں چھ چھ ماہ لگ گئے۔ خود عالم کامل تھے۔ قاسم بن اصبغ، احمد بن رحیم، اور محمد بن عبدالسلام الخشنی اور زکریا بن خطاب اور بہت سے لوگوں سے ان سے حدیث سنی۔ خلیفہ کو ثابت بن قاسم نے اجازت روایت حدیث دی تھی اور ان کے علاوہ ایک خلقت کثیر نے ان سے حدیث لکھی مصنفات دور دراز ملکوں سے ان کے لئے آتی تھیں اور یہ بے جگری کے ساتھ ان کی قیمتیں ادا کرتے

تھے۔ یہاں تک کہ خزانہ شاہی اس کے لئے تنگ ہوگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کتابوں کے معاملہ میں اُن کو ایک شیفتگی تھی۔ اسی وجہ سے اُن کا علم بہت وسیع تھا اور ہر فن میں اُن کو دقت نظر حاصل تھی۔ خاص کر فن رجال، اخبار و انساب میں تو وہ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے یوں تو ہر ایک فن میں وہ ثقہ سمجھے جاتے تھے۔ ابن الابار نے لکھا ہے کہ "ابن الفرضی اور ابن بشکوال سے تعجب ہے کہ اُن دونوں نے الحکم کو (علماء میں) نہیں لکھا حالانکہ اُن کے کتب خانہ میں کوئی کتاب کسی فن کی بھی ایسی نہ تھی جس کو انہوں نے نہ پڑھا ہو اُن کی عادت تھی کہ جس کتاب کو پڑھتے تھے اُس میں مولف کا نسب اور مولد اور اُس کی وفات لکھ دیا کرتے تھے۔ ہم آگے چل کر وہ عجیب باتیں لکھیں گے جو سوائے اُن کے اور کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ اُن کی طرف اکثر نظمیں بھی منسوب ہیں۔

آخر قصر قرطبہ میں ۲ صفر ۳۶۶ ہجری میں، سولہ سال سلطنت کر کے اس خلیفہ نے جان آفرین کو جان سپرد کی۔ اُن پر فالج گرا تھا اور انتقال کے وقت تک صاحب فراش رہے۔ خدائے تعالیٰ اُن پر رحمت فرمائے۔

اپنی سلطنت میں اُنہوں نے شراب کے خلاف سخت شدت کی تھی۔

ہشام

امیر المومنین الحکم کے بعد اُن کے بیٹے ہشام تخت خلافت پر بیٹھے۔ اس وقت اُن کی عمر کل نو برس کی تھی۔ الحکم نے محمد بن ابی عامر کو عہدۂ قضا سے الگ کر کے ہشام کا وزیر مقرر کر دیا تھا۔ اور اُس کے تمام امور محمد کو سپرد کر دیئے تھے اور اسی پر مستقل کر دیا تھا۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ابن ابی عامر الحکم کے سامنے سے برابر ترقی کرتے رہے جب اُن کا انتقال ہوگیا، اور ہشام کی لوگوں نے بیعت کر لی تو الحکم کے بھائی

المغیرہ کے قتل کے بعد اُن کا لقب المؤید مقرر ہوا۔ اس قتل میں ابن ابی عامر، بن عثمان المصحفی، صاحب، اور غالب غلام الحکم صاحب۔ مدینہ سالم، قصر کے خصی غلام اور اُن کے افسر شامل تھے۔ اور ابن ابی عامر نے خود اس کو قتل کیا تھا اس کے بعد ہشام کی بیعت مکمل ہوئی تھی۔ پھر ابن ابی عامر نے ہشام پر، بوجہ اُس کی کم سنی کے غلبہ حاصل کرنا چاہا۔ اور اہل دولت کو بذریعہ مکر و فریب ایک دوسرے سے لڑوا کر قتل کرا ڈالا۔

ابن ابی عامر یمن کے قبیلہ معافر میں سے تھے۔ ان کے دادا عبدالملک جو اپنی قوم میں بڑے آدمی تھے، طارق کے ساتھ آئے تھے اور فتح اندلس میں انہوں نے کارنمایاں کیا تھا۔ ابن ابی عامر کی حیثیت و عزت بڑھتی گئی، اور اُن کو المؤید پر غلبہ حاصل ہوگیا، اُنہوں نے یہاں تک انتظام کیا کہ وزرا کو ہشام کے پاس تک نہ پہنچنے دیتے تھے، مگر شاذونادر، اور وہ بھی صرف اتنی دیر کے لئے کہ سلام کرکے واپس چلے جائیں۔ انہوں نے فوج کو داد و دہش سے اپنی طرف کرلیا۔ علما کے مراتب بڑھائے اور اہل بدعت کا قلع و قمع کیا۔ خود نہایت صاحب عقل و رائے و شجاعت تھے انہوں نے دین مبین کو حروب سے بہت مدد دی۔ اُن روسائے دولت کی خبر لی جنہوں نے اُن کی مخالفت کی تھی۔ اُن کو اُن کے مراتب سے گرا دیا، اور ایک کو دوسرے سے لڑا کر مروا ڈالا۔ اور یہ جو کچھ کیا ہشام کے حکم و فرمان سے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن سب کا استیصال ہوگیا، اور اُن کی جماعت متفرق ہوگئی۔ اس معاملہ میں اُنہوں نے پہلے قصر کے صقلبی خصی غلاموں سے مدد لینی شروع کی تھی۔ حاجب المصحفی کو اُن کی تباہی کی طرف مائل کیا۔ چنانچہ ابن ابی عامر نے اُن کو قصر سے ہی خارج کر دیا۔ ان کی تعداد اُس زمانہ میں آٹھ سو یا اس سے بھی زیادہ تھی۔ اس کے بعد الحکم کے غلام غالب کی لڑکی سے شادی کرلی اور اُس کی خدمت اور خیر خواہی میں بہت مبالغہ کیا۔ مصحفی کی خواری میں

غالب سے مدد لی اور اُس کا نشان تک مٹا دیا۔ پھر جعفر ابن احمد بن علی بن حمدون (صاحب مسیلہ اور قاید شیعہ (جس کی تعریف ابن ہانی نے اپنے قصیدہ میں کی ہے، اور جس نے الحکم کی تخت نشینی میں زناتہ اور بربر کے ساتھ مل کر مخالفت کی تھی) کے ہاتھوں سے غالب کے خلاف مدد لی، اور جعفر کو ابن عبدالودود، ابن جہور، ابن ذوالنون وغیرہ، اہل عرب اور اولیائے دولت سے قتل کرا دیا جب خیرخواہانِ خلافت، اور اُمیدوارانِ ریاست سے مطلع صاف ہوگیا تو فوج کی طرف توجہ کی اور زناتہ و بربر کے آدمیوں سے ایک فوج مرتب کی، اور اُس پر اپنے آدمی قبائل صنہاجہ، مغرادہ، بنی یعزز، بنی برزال، مکناسہ وغیرہ سے منتخب کر کے افسر مقرر کئے۔ خلیفہ ہشام پر پورا غلبہ حاصل کر لیا، اُس کو معطل کر کے بٹھا دیا اور دولت و سلطنت پر خود قابض ہو بیٹھے۔ اُپنے گھر میں بیٹھے بیٹھے اُنھوں نے دنیا میں خلافت اندلس کی عظمت و عزت بڑھا دی، اور ہر بات کا مرجع اُسی کو بنا دیا۔ جہاد و غزوات پر کمر باندھ لی۔ بربر اور زناتہ کے لوگوں کو اہل عرب پر ترجیح دی، اور موخرالذکر کو اُنکے مراتب سے گرا دیا۔ اُن کا جو ارادہ تھا، کہ تمام امور سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیں، اور ملک پر بالاستقلال مسلط ہو جائیں، وہ پورا ہو گیا اپنے لئے ایک شہر بسا کر اُس کا نام "زاہرہ" رکھا، وہیں تمام مال و منال و اسلحہ کے خزانے منتقل کر دئے، اور تخت سلطنت پر بیٹھ گئے۔ یہ حکم عام دیا کہ اُن کو اُسی طرح مخاطب کیا جائے جس طرح بادشاہوں کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ اپنا لقب حاجب المنصور مقرر کیا۔ تمام احکام و فرامین و خطوط اُن ہی کے نام سے جاری ہوتے تھے، اُن ہی کے حکم سے تمام منبروں پر خطبوں میں خلیفہ کی دعا کے بعد اُن کے لئے دعا پڑھی جاتی تھی۔

غرض تمام رسم خلافت مٹا دی۔ ہشام کے لئے اگر کچھ باقی رہ گیا تھا تو صرف یہ کہ منبر پر اُس کے لئے دعا کی جاتی تھی، یا اُس کا نام سکہ و طراز پر لکھا جاتا تھا، اور بس۔ بربریوں اور غلاموں کی فوج مرتب کی اور اس درجہ کے حاصل کرنے کے لئے غلاموں

وغیرہ کی تعداد بڑھالی۔ جس کسی نے ذرا بھی سر اُٹھایا اُس کا وہیں خاتمہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ چاہا وہ حاصل کرلیا۔ غزوات پر دار الحرب میں خود جاتے تھے۔ چنانچہ اپنے ایام حکومت میں چھپن لڑائیاں لڑی ہیں کہ جن میں سے کسی ایک میں بھی اُن کے رایت اقبال کو ضعف نہیں پھونچا، نہ اُن کے کسی لشکر کو ہزیمت ہوئی، نہ اُن کی فوج کو کوئی بڑا واقعہ پیش آیا، حتی کہ اُن کا کوئی دستہ بھی ہلاک نہیں ہوا اُنھوں نے اپنی فوج کو دشمنوں کے لوٹ کی اجازت دے رکھی تھی۔ ملک بربر کے بادشاہوں کو جا مارا، ایک کو دوسرے سے لڑوا دیا اور ملک مغرب پر اپنا رعب جمالیا۔ زناتہ کے بادشاہوں نے ذرا کان ہلائے تھے لیکن بعد میں اُن کے فرمان بردار اور مطیع ہوگئے۔

اپنے بیٹے عبد الملک کو علاقہ فاس کے ملوک مغراوہ کی طرف بھیجا، جو آل خزر میں سے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ زیری ابن عطیہ، اُن کے بادشاہ کے متعلق نیل پر بدعنوانیاں کرنے کی کچھ اطلاعیں اُن کو پھونچی تھیں، نیز اُس نے خلیفہ ہشام کو معطل ٹھہرا دینے پر افسوس ظاہر کیا تھا۔ عبد الملک سنہ ۳۸۶ ہجری میں اُس پر جا پڑا۔ فاس پھونچ کر اُس پر قابض ہوگیا اور ملوک زناتہ کو ممالک مغرب، اور اُس کے علاقے یعنی سجلماسہ وغیرہ دلوا دیئے زیری بن عطیہ تاہرت کی طرف بھاگ گیا، مگر وہاں بھی نہ ٹھیر سکا، اور یوں ہی جلا وطنی میں مرگیا۔ عبد الملک خود قرطبہ واپس چلا آیا، اور واضح کو ملک مغرب پر بادشاہ کر دیا

منصور نے نہایت عزت وحرمت اور راشد ہتیلا میں، سنہ ۳۹۴ ہجری میں، شہر سالم میں ایک جنگ سے واپس آتے ہوئے انتقال کیا، اور وہیں دفن ہوئے۔ اُنھوں نے ستائیس سال حکومت کی۔ انتہی۔ کلام ابن خلدون۔

ہم اس پر کچھ اور اضافہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ منصور رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر پر یہ لکھا ہوا تھا

آثاره تنبيك عن اخباره — حتى كانك بالعيان تراه

اُس کی نشانیاں تمھیں بتلائیں گی اُس کی خبریں — گویا کہ تم اُسے اپنے سامنے دیکھ رہے ہو

تاللہ لا یاتی الزمان بمثلہ ابداً ولا یحمی الثغور سواہ

قسم ہے خدا کی کہ نہ دے گا زمانہ اُس جیسا کبھی اور نہ بچا سکینگے سرحدیں سوائے اُس کے

المستعین بن ہود کا غلام شجاع کہتا ہے کہ جب میں اذفونش کے پاس شہر سالم میں گیا تو میں نے دیکھا کہ اُس نے اپنا تخت منصور ابن ابی عامر کی قبر پر بچھا رکھا ہے اور اُس کی بیوی تکیہ لگائے ہوئے اُس کے پاس بیٹھی ہے۔ اذفونش نے مجھ سے کہا کہ "اے شجاع! تو دیکھتا ہے کہ میں نے مسلمانوں کے ملک پر قبضہ کر لیا ہے، اور میں اُن کے ایک بادشاہ کی قبر پر بیٹھا ہوا ہوں۔" یہ سُن کر مجھے غیرت آئی اور میں نے کہا کہ "اگر کہیں یہ شخص سانس لے تو تیری زبان سے کبھی ایسی بات نہ نکلے جو اُس کو ناگوار ہو، اور تجھے بیٹھنا مشکل ہو جائے۔" یہ سُن کر اُس نے مجھے مارنے کا ارادہ کیا، مگر اُس کی بیوی میرے اور اُس کے درمیان میں حائل ہو گئی، اور مجھ سے کہنے لگی کہ "تو سچ کہتا ہے" اور اُس سے کہا کہ "کیا تو ایسی ہی حرکات سے منصور جیسے آدمی پر فخر کر سکتا ہے؟"

ذیل میں ہم ابن سعید کی کتاب سے منصور کے حالات کا خلاصہ درج کرتے ہیں:-

ملک الاعظم۔ المنصور ابن ابی عامر محمد بن عبداللہ بن عامر ابن ابی عامر بن ولید بن زید بن عبدالملک المعافری قریہ ترکش کے رہنے والے تھے اُن کے دادا عبدالملک طارق کے ساتھ آنے والے عربوں کے ساتھ اندلس میں داخل ہوئے تھے۔ المنصور کے حالات ابن حیان نے اپنی کتاب میں جو دولت عامریہ کے متعلق لکھی ہے، درج کئے ہیں۔ نیز فتح مطمح میں حجازی نے مسہب میں، قشندی نے الطرف میں لکھے ہیں۔ سب بالاتفاق لکھتے ہیں کہ المنصور کی اصل قریہ ترکش سے ہے۔ وہاں سے وہ قرطبہ میں چلے آئے۔ یہیں آکر اُنھوں نے لکھا پڑھا۔ قصر شاہی کے دروازے کے پاس ایک دکان میں بیٹھنے اور خدمت گاروں وغیرہ کے خطوط، اور خلیفہ کے نام عرضیاں وغیرہ لکھنے لگے۔ یہاں تک کہ موئد کی والدہ سیدہ صبح اُن کو بلوا کر کچھ لکھوانے پڑھوانے لگیں۔ جس سے اُنھوں نے

یہ دیکھ لیا کہ اس شخص میں ایسی قابلیت ہے کہ وہ اُن کے سامنے بیٹھ سکے۔ اُن کے مراتب میں ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے خلیفہ الحکم کے سامنے اُن کا ذکر تعریف کے ساتھ کیا، اور سفارش کی کہ کوئی خدمت سپرد کر کے اُن کی عزت افزائی کی جائے۔ چنانچہ کچھ مواضع کی قضا پر اُن کو تعینات کیا گیا۔ یہاں اُن کی قابلیت کا بھی اظہار ہوا، اور ترقی پاکر اشبیلیہ میں زکوٰۃ اور مواریث کے حاکم بنائے گئے۔ سیدہ صبح کے دل میں بذریعہ تحائف و خدمت کے اُنھوں نے وہ اثر ڈالا کہ کسی اور کی جگہ نہ رہ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے مصحفی کی جو اس زمانہ میں حاجب تھے، خدمت کرنے میں تقصیر نہیں کی۔ خلیفہ الحکم کا انتقال ہو گیا، ہشام المؤید، بارہ برس کی سال کی عمر میں تخت پر بیٹھے۔ عیسائیوں نے فوج کشی کی اور مصحفی نے ابن ابی عامر کو اُن کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ خدائے تعالیٰ نے اُن کو فتح عطا فرمائی، اور لوگوں کے دلوں میں اُن کی محبت بیٹھ گئی، کیونکہ وہ ایک بہادر عاقل، ذکی آدمی تھے۔ صقالبہ کے خلاف اُنھوں نے مصحفی سے، اور مصحفی کے خلاف غالب سے، (یہ غالب شہر سالم کے حاکم تھے۔ ان کی شادی ابن ابی عامر کی بیٹی اسمار سے ایسی دھوم دھام سے ہوئی تھی کہ اندلس میں یادگار ہے) اور غالب کے خلاف جعفر بن الاندلسی (ممدوح ابن ہانی شاعر) سے، اور جعفر کے خلاف عبدالرحمن بن محمد بن ہشام التجیبی سے مدد لی۔ غرض ابن ابی عامر کو حزم و فریب و ذہانت میں کمال حاصل تھا۔ ابن حیان نے ان خصوصیات پر ایک مستقل کتاب چھوڑی ہے۔ اور اس میں اُن کے غزوات کا ذکر کیا ہے جو قرطبہ سے اُنھوں نے کئے تھے۔ ان کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے ان میں سے کسی غزوہ میں بھی اُن کو ہزیمت نہیں ہوئی۔ ان کی قبر شہر سالم میں ہے جو شرق اندلس کی سرحد پر واقع ہے۔ ان کے اشعار بھی مشہور ہیں۔

ایک تاجر اندلس میں آیا۔ اُس کے پاس ایک کیسہ سُرخ رنگ کا تھا جس میں عمدہ قسم کے یاقوت تھے۔ ایک روز نہر پر نہانے کے لئے اُس نے کیسہ اپنے پاس سے الگ

کر کے اپنے کپڑوں پر رکھا تھا۔ ایک جانور اُس کو اپنے مُنہ میں اُٹھا کر چل دیا۔ یہ شخص اُس کے پیچھے پیچھے بدحواس بھاگا۔ وہ جانور باغوں میں ادھر اُدھر ہو گیا اور اُس کی نگاہ سے چھپ گیا۔ اور یہ شخص متحیر رہ گیا، اور اپنے ایک دوست سے اس کا ذکر کیا۔ اُس نے کہا کہ ابن ابی عامر سے اس کی شکایت کرو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ ابن ابی عامر نے کہا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی تحقیقات کریں گے۔ پھر اُنھوں نے ان باغات کے مالکوں کو بُلایا اور اُن کے خدام سے اس کو دریافت کیا کہ اس اثنا میں کسی شخص کا حال تو تبدیل نہیں ہوا ہے۔ تو اُنھوں نے بتلایا کہ ایک شخص نے جو کوڑا کرکٹ اُٹھایا کرتا تھا ایک گدھا خریدا ہے اور اُس کے حالات ایسے بدل گئے ہیں جو پہلے نہ تھے۔ اس شخص کے حاضر لائے جانے کا حکم دیا۔ جب ابن ابی عامر کی نظر اس پر پڑی تو اُنھوں نے کہا کہ سُرخ کیسہ لا کر حاضر کرو۔ یہ شخص رعب میں آ کر کانپنے لگا اور کہا کہ میں ابھی جا کر گھر سے لاتا ہوں۔ ایک شخص کو اُس کے ساتھ کر دیا اور وہ کیسہ لے آیا۔ اُس میں سے صرف اُسی قدر مال کم ہوا تھا کہ جو اُس کے مالک کو ناگوار نہیں ہوا۔ کیسہ اُس کے مالک کو واپس کر دیا گیا۔ اُس نے کہا کہ میں اس واقعہ کو تمام ممالک میں بیان کروں گا کہ ابن ابی عامر جانوروں پر بھی حکومت کرتا ہے۔ اور اُن کے ہاتھوں سے بھی کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ ابن ابی عامر، کوڑا کرکٹ اُٹھانے والے کی طرف متوجہ ہوئے اور اُس سے کہا کہ اگر تم یہ کیسہ خود لے آتے تو ہم تمھیں اتنا انعام دیتے کہ تم روزی کی طرف سے بے فکر ہو جاتے۔ اب تم یہاں سے نکل جاؤ۔ اسی کو غنیمت سمجھو کہ نہ ہم تم کو کوئی سزا دیتے ہیں نہ انعام۔

ابن ابی عامر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ماہ صفر ۳۹۲ھ ہجری میں، عیسائیوں کی ایک جنگ سے واپس آتے ہوئے، انتقال کیا۔ اُن کی لاش اُن کے تخت پر رکھ کر لوگوں کے سروں پر لائی گئی۔ اُن کا لشکر اُن کی لاش کے ساتھ تھا۔ آخر شہر سالم میں آ کر اُن کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ چھبیس برس حکومت کی اور اس عرصہ میں باون غزوات کئے۔ اُن کی

عادت تھی کہ وہ ایک غزوہ موسم گرما میں کرتے تھے اور دوسرا موسم سرما میں انتہی کلام ابن سعید۔ اس میں بعض باتیں ابن خلدون کے خلاف ہیں۔

فتح نے مطمح میں مصحفی کے متعلق لکھا ہے کہ۔ حاجب جعفر بن عثمان المصحفی ترقیات عالیہ میں بے نظیر تھے۔ طلب دنیا میں اُنھوں نے خوب کوشش کی یہاں تک کہ اپنے مطمح نظر پر پہونچ گئے، اور انتہائی حالت حاصل کرلی اور جو کچھ چاہا پایا۔ اور ایسے عہدہ پر پہونچ گئے جس سے بالاتر نہیں ہوسکتا۔ اُن کا آفتاب اقبال ایک مطلع سے دوسرے مطلع پر چمکتا رہا یہاں تک کہ افقِ خلافت پر وہ آفتاب نصف النہار ہوکر چمکا۔ المستنصر نے اُن کو اپنا وزیر بنایا، اور وہ رتبہ پایا کہ گویا بادشاہ کی آنکھ اور کان ہوگئے کہ خلیفہ اُنہی سے دیکھتے اور سنتے تھے۔ ہر ایک معاملہ اُن ہی کی رائے سے طے ہوتا تھا۔ اس سے جو کچھ اُنھوں نے پایا ہوگا وہ ظاہر ہے۔ آخر ابن ابی عامر کا دستِ شفقت اُن پر بھی دراز ہوگیا۔ ملک اندلس کی تدبیر میں اُنھوں نے وہ قابلیت دکھلائی جس کی دلائل اب تک ظاہر ہیں۔ اُن کے زمانۂ وزارت میں فتنوں کا دروازہ بند رہا۔ ہر میدان میں سعادت اُن کے ہمرکاب رہی۔ وہ بڑے ادیب تھے۔ اُن کی بعض نظمیں باقی ہیں (انتہیٰ ملخصاً) ہم اس کے متعلق مطمح صغیر سے کچھ کم وبیش اور بھی اقتباس کریں گے۔

ابن ابی عامر کے متعلق مطمح صغیر میں لکھا ہے کہ وہ بلاد شرک میں سخت تکالیف اُٹھاکر انتہا ترقی پر پہنچے۔ اور مشرکین کے سینوں میں انیاں چبھوئیں اور اُن کی جانیں کھینچ لیں، اگر اُن کو اُن کے علاقوں میں باقی رکھا تو رنج و آلام کے ساتھ اس کی دلیل میں یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُن کا ایک قاصد غرسیہ بادشاہ بشکنش کے پاس پہونچا۔ اُس نے اُس کا اکرام کیا یہ شخص ایک مدت وہاں رہا؛ اُس نے کوئی ایسی جگہ نہ چھوڑی جہاں وہ نہ گیا ہو، حتےٰ کہ اکثر کنیسوں میں بھی گیا۔ ان میں

سے ایک میں اُس کو ایک عورت ملی جو بہت مدت سے وہاں قید تھی۔ اس عورت نے اُس سے اپنا سارا قصہ بیان کیا اور کہا کہ "کیا منصور اپنے تنعم میں اپنی تکالیف کو بھول گیا ہی کہ مصیبت زدوں کی خبر نہیں لیتا۔ برسوں ہوگئے کہ میں اس کنیسہ میں محبوس ہوں، اور ہر طرح کی ذلت سہ رہی ہوں۔ میں تمھیں خدا کی قسم دیتی ہوں کہ تم میرا قصہ منصور سے بیان کردینا"۔

اس عورت کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور اُس نے اُس شخص سے بھی بڑی بڑی قسمیں لے لیں۔ چنانچہ اس نے پہنچ کر تمام قصہ اس عورت کا بیان کردیا۔ منصور اُس قاصد پر بہت ناراض ہوا اور سخت ملامت کی کہ تم نے فوراً ہی کوئی تدبیر کیوں نہ شروع کردی، اور بادشاہ سے اس کے متعلق کیوں نہ کہا۔ پھر اُنھوں نے فوراً ہی فوج کی طیاری اور جہاد کا ارادہ کردیا، خود روانہ ہوگئے اور ابن شانجہ کو جالیا۔ وہ منصور، اور اُن کی جمعیت کو دیکھ کر سخت پریشان ہوا، اور ڈر کر لکھا کہ "مجھ سے جب کوئی قصور ہی سرزد نہیں ہوا تو مجھے سزا دینے کا کیوں قصد ہی؟"۔ منصور نے کہلا بھیجا کہ "تم نے مجھ سے اس وعدہ پر صلح کی تھی کہ کوئی مسلمان مرد، یا عورت، تمھارے یہاں قید نہ رہے گا؛ مگر مجھے اطلاع پہنچی ہی کہ فلاں مسلمان عورت فلاں کنیسہ میں موجود ہے۔ میں اس سرزمین کو اُس وقت تک نہ چھوڑوں گا کہ جب تک یہاں کی اینٹ سے اینٹ نہ بجادوں"۔ ابن شانجہ نے فوراً اس عورت کو مع دو اور عورتوں کے منصور کے پاس بھیجدیا۔ اور بقسم کہلا بھیجا کہ "مجھے ان کے یہاں ہونے کا کوئی علم نہیں ہوا۔ نیز یہ کہ آپ کی قسم پوری کرنے کے لئے میں نے اُس کنیسہ کو، جس میں یہ عورت قید تھی، ڈھانا شروع کردیا ہی"۔ یہ سن کر منصور نے فوراً اپنی فوج ہٹالی۔ اور اُن عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور اُن کو اُن کے قوم کی طرف بھیجدیا۔

انتھیٰ۔

مطلع ہی میں لکھا ہے کہ منصور سب لوگوں میں عقل و ذہن، صاحب جلالت مستقل مزاج آدمی تھے۔ اُنھوں نے وہ ترقی کی کہ عقلیں دنگ ہیں۔ سعادت میں وہ خدائے تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ رفعت قدر اور وسعت صدر میں وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اُن کی سرزمین پر جہاں کہیں دشمن نے اپنا پرچم اُڑایا وہیں ذلیل وخوار رہوا۔ نحوستیں اُن کی سعادت کے سامنے بالکل فنا ہو گئیں۔ تدبیر خلافت وسیاست مملکت سے اُنھوں نے اپنا کمال دکھایا۔ ملک بھر میں راستے صاف کر دیئے گوشہ گوشہ میں امن قائم کر دیا۔ ہر فرقہ میں یمن وسعادت کا دور دورہ ہوگیا۔ بیس برس سے زیادہ حکومت کی۔ امن وامان اس زمانہ کی دلیل ہیں۔ اُن کا زمانہ محمود ترین زمانہ تھا۔ اور اُن کے تیروں کی انیاں دشمنوں کے لئے سخت ترین تھیں ...."

ملخص از مطلع۔

ایک مغربی مورخ نے اپنا کلام فتح کے کلام سے ملا کر اپنی کتاب میں بعض لوگوں کی مدد کرنے اور جعفر بن عثمان کے قتل کرنے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ۔ "پھر جب وہ اکیلے رہ گئے تو اُنھوں نے ھل من مبارز کے نعرے لگائے۔ اور کسی کو اپنا مقابل نہ پاکر دنیا کو اپنے حکم پر چلانا شروع کر دیا۔ دنیا نے بھی اُن کی تابعداری اور مدد کی۔ یہاں تک کہ اُن کا حکم تمام مملکت میں ایسا چلا کہ جس کی مثال نہیں ہے۔ اُن کی سعادت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جس لڑائی میں وہ شریک ہوئے اُس میں کبھی اُن کو شکست نہیں ہوئی۔ اور کبھی ہزیمت کا منہ اُنھوں نے نہیں دیکھا۔ وہ موقعہ جنگ سے ہمیشہ قاہر وغالب واپس آئے، حالانکہ اُن کی جنگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور دشمنوں کے مقابلے میں بہت سخت تھے۔ یہ خصوصیت منصور ہی کو حاصل ہے، کسی بادشاہ اسلام کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ سب سے بڑی شہادت اس امر کی کہ قسمت نے اُن کی مدد کی، اور نیز اُن کے جود وسخا کی، جو بجائے خود عجوبۂ زماں ہے، منصور کا مصحفی

کو ذلیل کرنا ہی۔ انھوں نے کینہ پوشیدہ رکھا، اور سزا ظاہر دی۔"

منصور کی عمارتوں میں مسجد جامع کی بنیاد ڈالنے کا ذکر کرکے لکھا ہی کہ سنان ہی عمارات میں قرطبہ کے دریا پر پل بنایا ہی۔ منصور نے اس کو ۳۷۸ھ ہجری میں شروع کیا تھا، اور ۳۷۹ھ کے نصف تک اس کو مکمل کر دیا تھا۔ اس پر ایک لاکھ چالیس ہزار دینار خرچ ہوئے اس پل سے عوام کو بہت نفع ہوا۔ اور اس نے منصور کے مناقب جلیلہ میں بڑا اضافہ کر دیا۔ جس زمین پر کہ یہ پل بنا تھا وہ عوام الناس میں سے ایک بوڑھے آدمی کی ملکیت تھی وہ اس کو دینا نہیں چاہتا تھا۔ منصور نے چند لوگوں کو اس کے راضی کرنے پر مقرر کیا۔ بڈھا ان لوگوں کے سامنے حاضر ہوا، اور انھوں نے اس سے اس زمین کے لینے کی غرض بیان کرکے وہ قطع مانگا۔ اور کہا کہ "منصور انصاف کے ساتھ اس کو لینا چاہتا ہی نہ کہ بجبر" بڈھے نے اپنے نزدیک بہت زیادہ قیمت، دس دینار طلا، طلب کی جو اس کے نزدیک ایسی تھی کہ وہ لوگ ادا نہ کرینگے۔ مگر ان امینوں نے اس کو غنیمت سمجھکر فوراً دس دینار طلا ادا کر دیئے اور اس پر چند لوگوں کو گواہ کر لیا۔ منصور کو جا کر خبر دی تو وہ بڈھے کی جہالت اور بے وقوفی پر بہت ہنسے اور حکم دیا کہ جو کچھ اس نے قیمت مانگی تھی اس کا دس گنا اور دیدیا جائے۔ چنانچہ سو دینار طلا فوراً ادا کر دیئے گئے۔ بڈھے کو اس قدر خوشی ہوئی کہ قریب تھا۔ اس کے ہوش و حواس جاتے رہیں اور جنون ہو جائے۔ وہ منصور کے پاس پہونچا، اور ان کا بہت شکریہ ادا کیا۔ یہ قصہ ہر جگہ مشہور ہو گیا۔

ایک اور پل شہر استجہ میں دریائے شنیل پر بنایا جس سے کہ دشوار گزار اور دور و دراز کا راستہ آسان ہو گیا۔ منصور نے اپنے ہاتھ سے ایک قرآن شریف لکھا تھا جو ہر ایک سفر اور جنگ میں ان کے ساتھ رہتا تھا۔ اسی میں وہ تلاوت کرتے اور اسی کو وہ باعث برکت سمجھتے تھے۔

غزوات و جہاد میں جتنی گرد ان کے چہرہ پر پڑتی تھی اس کے لئے حکم تھا کہ ہر منزل

پر خدمتگار ایک رومال سے پونچھ کر جمع کریں ۔ اور اُس کو احتیاط سے رکھیں۔ اس گرد کی ایک بڑی تھیلی بن گئی تھی ۔ یہ گرد کفن کے ساتھ ہر جگہ اُن کے ساتھ رہتی تھی۔ کفن کا کپڑا اُن کی پاک ترین کمائی کا تھا یعنی اُن جاگیرات کی آمدنی سے بنا ہوا تھا جو اُن کے والد کی ملکیت تھیں اُس کا سوت اُن کی بیٹیوں نے کاتا تھا ۔ اُن کی وصیت تھی کہ اس کفن سے وہ کفنائے جائیں اور جہاد کی گرد اُن پر بوقتِ دفن چھڑک دی جائے ۔ اُن کی بڑی تمنا یہ تھی کہ اُن کی موت جہاد میں ہو، چنانچہ وہی ہوا۔

صفائی باطن، اپنے گناہوں کا اعتراف، خوفِ الٰہی اور کثرتِ جہاد میں وہ مشہور ہیں۔ اُن کے سامنے خدائے تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا تھا تو وہ متاثر ہو جاتے تھے ۔ عذابِ الٰہی سے ڈرائے جاتے تھے تو کانپ اُٹھتے تھے ۔ کوئی عیب یا نشہ اُن کو لگا ہوا نہ تھا ۔ البتہ شراب پیتے تھے، لیکن مرنے سے دو سال پہلے اس سے بھی توبہ کر لی تھی ۔ اُن کا عدل ہر خاص و عام کے لئے یکساں تھا ۔ احقاقِ حق میں وہ اپنے عزیزوں اور خواصوں کا بھی لحاظ نہ کرتے تھے اس معاملہ میں وہ ضرب المثل ہیں۔

عوام الناس میں سے ایک شخص نے آکر اُن کی مجلس میں چیخنا شروع کیا کہ "اے مظلوموں کے دادرس! اس شخص نے جو تمہارے سر پر کھڑا ہے مجھ پر ظلم کیا ہے"۔ اُس نے ایک صقلبی کی طرف اشارہ کیا، جو منصور کے باڈی گارڈ میں سے تھا، اُس کی وقعت منصور کے نگاہ میں تھی اور اُس وقت ڈھال لئے ہوئے کھڑا تھا ۔ پھر کہا کہ "میں نے اسے حاکم کے پاس لے جانا چاہا مگر وہ نہیں گیا"۔ منصور نے وجہ شکایت دریافت کی تو اُس نے کہا کہ "ایک لونڈی ہم دونوں کی شرکت میں تھی ۔ یہ شخص اُس کو میرے حصے کا کام نہیں کرنے دیتا"۔ منصور نے کہا کہ "ان خدمت گاروں نے ہم کو سخت بلا میں گرفتار کر رکھا ہے"۔ پھر اُنھوں نے اُس صقلبی کی طرف ایسی گرم نگاہ سے دیکھا کہ قریب تھا کہ اُس کے ہوش و حواس جاتے رہیں ۔ اور کہا کہ "یہ ڈھال فلاں شخص کو دے دو ۔ جب تک کہ

تمہارا مقدمہ نہ فیصل ہو وہی تمہارا کام کریگا۔ اور تم میری نگاہ میں ذلیل ہو گے۔" پھر پولیس والوں سے کہا کہ " اس فاسق، ظالم کا ہاتھ پکڑ کرلے جاؤ اور مدعی کے ساتھ اُس کو صاحب المظالم (مجسٹریٹ) کے سامنے پیش کر دو۔ اور اگر وہ مجرم پایا جائے تو اُسے قید وغیرہ کی سخت سزا دی جائے۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور مدعی نے آکر بہت شکریہ ادا کیا۔ منصور نے اُس سے کہا کہ " تمہارا تو انصاف ہو گیا، تم اپنا راستہ پکڑو۔ اب میرا انصاف باقی رہ گیا، کیونکہ میری ہی غفلت کا یہ نتیجہ ہے۔" اس کے بعد اُس صقلبی کو اپنی خدمت سے علیحدہ کر دیا اور اُس کو طرح طرح پر ذلیل کیا۔

ایک بڑا آدمی بورقی نامی منصور کے خدمت گاروں میں سب سے زیادہ باوقعت تھا۔ وہی اُن کے گھر کا داروغہ تھا، اور زنانہ کا کام بھی اُسی کے متعلق تھا۔ اُس کا ایک سوداگر سے تنازع ہو گیا۔ مقدمہ عدالت تک گیا۔ یہاں حلف تک نوبت پہنچی۔ مگر حاکم نے منصور کے مزاج میں اُس کا درخور دیکھ کر اُس کو حلف نہیں دیا۔ منصور جامع مسجد کو جا رہے تھے کہ تاجر نے دوہائی دی۔ منصور نے اُسی وقت اُس کو حاکم کے پاس بھیجدیا۔ یہاں اس شخص کا انصاف ہوا۔ اور خدمت گار کو اپنے یہاں سے نکال دیا۔

ایک شخص محمد نامی منصور کا فصاد، خدمت گزار اور امین تھا۔ ایک دفعہ منصور کو فصد کھلوانے کی ضرورت ہوئی تو اُس کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ معلوم ہوا کہ اُس نے اپنی بیوی سے کچھ بدسلوکی کی تھی اس لئے قاضی محمد بن روب نے اُس کو قید کر دیا ہے۔ منصور کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو اُنھوں نے حکم دیا کہ محمد فصاد کو ایک برقنداز کے پہرہ میں اُن کے پاس بھیجدیا جائے فصد لینے کے بعد پھر وہ قید خانہ میں واپس کر دیا جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ فصاد نے اپنا کام کر کے منصور سے قاضی کی شکایتیں شروع کیں۔ مگر منصور نے اُسے روک دیا اور کہا کہ " دیکھو! وہ قاضی ہے، اُس نے جو کچھ کیا انصاف کیا۔ اگر وہ مجھے بھی کسی جرم میں پکڑ لے تو مجھے یہ طاقت نہیں ہے کہ میں اُسے روک سکوں۔ تم

قید خانہ چلے جاؤ، اور سچی بات کا اقرار کر لو۔ شاید وہ تمھیں رہا کر دیں" فصّاد بہت شرمندہ ہوا۔ اور اُس پر جتنی عنایات تھیں اُن کا بھی خاتمہ ہو گیا جب یہ قصہ قاضی کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے میاں بیوی کی صلح کرا دی اور اپنے انصاف و احکام میں اور بھی زیادہ سختی کرنے لگے۔

ابن حیان کہتے ہیں سردیوں کے دنوں میں منصور رات کو بیٹھے ہوئے تھے۔ بارش ہو رہی تھی اور سرد ہوا چل رہی تھی۔ اُنہوں نے ایک سوار کو حکم دیا کہ تم فوراً جا کر درّہ طیالس میں کھڑے ہو جاؤ اور جو شخص سب سے پہلے تمھیں جاتا ہوا ملے اُس کو ہمارے پاس پکڑ لاؤ۔ بیچارہ سوار رات بھر سردی، مینھ اور ہوا میں کھڑا رہا مگر اُسے کوئی راہ رو نہ ملا۔ صبح ہوتے ہوتے ایک بہت ہی بوڑھا آدمی گدھے پر سوار لکڑیاں کاٹنے کا آلہ لئے ہوئے، جاتا ملا۔ سوار نے پوچھا تو بڈھے نے کہا کہ میں لکڑیاں لینے جا رہا ہوں۔ سوار نے اپنے دل میں یہ سوچ کر کہ یہ غریب بوڑھا تو لکڑیاں لینے پہاڑ پر جا رہا ہے اس سے منصور کو کیا کام ہوگا۔ اُس کو جانے دیا۔ جب وہ تھوڑی دور چلا گیا تو اُس کو منصور اور اُن کی سطوت و سیاست کا خیال آیا اور اُس نے بوڑھے کو روک کر کہا کہ تم پہلے مولانا منصور کے پاس چلے چلو۔ بوڑھے نے کہا کہ مجھ مسکین سے منصور کو کیا کام ہو سکتا ہے مجھے جانے دو۔ مجھے آج کی روزی کا فکر ہے کہ اُس میں حرج واقع ہوگا۔ مگر سوار نے نہ چھوڑا۔ اور منصور کے سامنے حاضر کر دیا۔ معلوم ہوا کہ منصور رات بھر نہیں سوئے اور سوار کے انتظار میں بیٹھے رہے تھے۔ غرض بوڑھے کی تلاشی کا حکم ہوا، مگر تلاشی میں کچھ نہ نکلا۔ منصور نے حکم دیا کہ اس کے گدھے کے پالان کی تلاشی لی جائے۔ اُس میں سے نصاریٰ کا ایک خط اپنے ہم مذہبوں کے نام نکلا جس میں لکھا تھا کہ فلاں نواح میں لوٹ مار شروع کر دیں (ان عیسائیوں سے منصور کا کچھ جھگڑا ہو گیا تھا) صبح کو ان عیسائیوں کو زاہرہ پکڑ بلایا اور سب کی گردنیں ماردیں ان کے

ساتھ ہی چوزہ بھی مارا گیا۔

اس قصہ کے بعد ابن حیان نے اُس جوہری کا قصہ بیان کیا ہے جو ہم اوپر بروایت ابن سعید لکھ چکے ہیں۔ مگر ان دونوں کی تفصیل میں کچھ فرق ہے۔ ابن حیان نے ذرا مفصل لکھا ہے اس لئے ہم اس کو پھر بیان کرتے ہیں۔ وہو ہذا۔

ملک مشرق کا ایک جوہری عدن سے جواہرات لے کر منصور کے پاس آیا منصور نے اچھے اچھے جواہرات اُس سے خرید لئے باقی جوہری کے کیسہ میں بھر کر واپس کر دیئے۔ جوہری نے اپنی واپسی میں ریگستان کا راستہ اختیار کیا۔ گرمیوں کے دن تھے جوہری نے ایک دریا پر ٹھنڈا ہونے کے لئے نہانے کا ارادہ کیا۔ کنارے پر اپنے کپڑے اور وہ کیسہ رکھ دیا۔ اتنے میں ایک عقاب آیا اور کیسہ کو گوشت سمجھ کر لے اُڑا، اور تاجر کی نظر سے غائب ہو گیا۔ بیچارے سوداگر پر تو قیامت ٹوٹ پڑی، اور اُس کو یقین ہو گیا کہ اب اس کیسہ کا ملنا ناممکن ہے۔ اُس کو سخت رنج ہوا، مگر اُس کا کوئی علاج نہ تھا وہ مجبور ہو کر غمزدہ منصور کے پاس واپس آیا۔ اور اُن سے تمام قصہ بیان کیا۔ منصور نے کہا کہ دیکھو میں کچھ حیلہ کرتا ہوں، شاید اُس میں کچھ کامیابی ہو جائے۔ پھر تاجر سے یہ پوچھ کر کہ، عقاب کس سمت میں اُڑ کر گیا تھا، اپنے خاص پولیس کی معرفت ریگستان کے چند آدمیوں کو بلوایا۔ اور اُن سے کہا کہ تمھاری طرف کوئی ایسا آدمی بھی ہے کہ جس کے حال میں یکایک تغیر آ گیا ہو۔ ان لوگوں نے سوچ کر کہا کہ ہم میں سے ایک شخص اور اُس کی اولاد مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ کسی جانور کے خریدنے کی توفیق تو اُنھیں کہاں تھی۔ مگر آج ہی اُنھوں نے ایک جانور خریدا ہے، اور اپنے اور اولاد کے لئے نئے کپڑے بنوائے ہیں۔ یہ سن کر وہ شخص حاضر لایا گیا۔ اور اُس کے آتے ہی منصور نے اس سے کہا کہ اس سوداگر کی (جو حاضر تھا) ایک چیز عقاب لے اُڑا تھا اور وہ تمھارے سامنے اُس کی چونچ سے گری ہے اُس کو تم نے کیا کیا۔ اُس شخص نے

اپنے پاجامہ کے پائچہ سے کیسہ نکال کر سامنے رکھ دیا اور کہا کہ میں اپنے باغ میں کھجور کے درخت کے نیچے کام کر رہا تھا کہ یہ کیسہ میرے سامنے آپڑا۔ میں نے اس کو اُٹھالیا اور یہ سمجھا کہ اُس کو کوئی پرند آپ کے محل میں سے اُڑا لایا ہی۔ میری ضرورتوں اور فاقوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں نے اس میں سے دس مثقال سونا نکال لیا اور آپ کے عفو و جود سے یہ اُمید رکھی کہ آپ اس قدر معاف کر دینگے۔ منصور نے یہ سُن کر تعجب کیا، اور تاجر سے کہا کہ اپنا کیسہ لے کر دیکھو کہ جو کچھ یہ شخص کہہ رہا ہی صحیح ہی یا غلط۔ سوداگر نے اپنا کیسہ اچھی طرح دیکھ بھال کر کہا کہ یہ شخص صحیح کہتا ہی اس میں سے صرف دس مثقال سونا کم ہی اور میں اس کو معاف کرتا ہوں۔ منصور نے کہا کہ معاف کرنے کے لئے ہم اولیٰ ہیں؛ غنیمت ہی کہ تمھاری خوشی میں تنغص نہیں ہوا۔ لیکن اگر یہ شخص اصرار و اقرار کو جمع نہ کر لیتا تو اُس کو زیادہ انعام ملتا۔

پھر اُنھوں نے دس دینار تاجر کو اُس کے سونے کے بدلے میں اور دس دینار باغ والے کو اپنے خزانے سے دلوا دیئے۔ اور کہا کہ اگر یہ شخص یہ کیسہ ہمارے مانگنے سے پہلے ہمارے پاس لے آتا تو ہم اس کو بہت کچھ عطا کرتے۔ تاجر نے خوش ہو کر منصور کو بہت دعائیں دیں، اور بہت تعریف کی، اور کہا کہ "خدا کی قسم میں اقطار عالم میں آپ کی عظمت و وسعت ملک کی تعریف کروں گا۔ اور ہر جگہ یہ بیان کروں گا کہ آپ اپنے ملک کے پرندوں پر بھی اُسی طرح حکومت کرتے ہیں جس طرح انسانوں کی جانوں پر۔ آپ کی حکومت سے کوئی شخص نہیں بچ سکتا، نہ اپنے ہمسایہ کو کوئی تکلیف دے سکتا ہی۔" منصور یہ سُن کر بہت ہنسے اور کہا کہ "جو کچھ چاہو سو کرو، خدا تمھارے گناہوں کو معاف کرے۔" لوگوں کو منصور کے تلطف اور حیلۂ تحقیقات پر سخت تعجب ہوا۔

منصور نے شہر شنت یاقب پر حملہ کیا۔ یہ شہر حدود غلیسیہ پر واقع تھا۔ اس میں ایک گرجا تھا جو اندلس اور نواح اندلس میں سب سے زیادہ مقدس سمجھا جاتا تھا۔ یہ

گرجا اُن کے نزدیک ویسا ہی تھا جیسا کہ ہمارے نزدیک کعبہ شریف (واللکعبۃ المثل الاعلیٰ) اس گرجا کی تمام عیسائی قسم کھاتے تھے اور روم تک سے آکر اس کا حج کرتے تھے اُن کا گمان تھا کہ اس میں یاقب حواری کی قبر ہی جن کو بارہ حواریوں میں سب سے زیادہ خصوصیت حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل تھی یہاں تک کہ وہ ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا بھائی کہتے تھے کیونکہ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتے تھے فی الحقیقت "یاقب" اُن کی زبان میں یعقوب کا ترجمہ ہی۔ یہ حضرت بیت المقدس میں اسقف تھے۔ اور مختلف مقامات میں دینِ عیسوی کا وعظ کہتے اور ترویج کرتے پھرتے۔ اسی تقریب سے یہاں تک بھی آئے تھے۔ یہاں سے ملک شام کو واپس چلے گئے اور وہیں ایک سو بیس برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اُن کے دوستوں نے اُن کو یہاں لاکر دفن کر دیا، اور اُن کی قبر پر ایک کنیسہ بنا دیا۔ بادشاہانِ اسلام میں سے کسی نے بھی اس کنیسہ کا قصد نہیں کیا، کیوں کہ اس کا راستہ دشوار گزار تھا، اچھی جگہ واقع نہ تھا اور بہت دور و دراز پڑتا تھا۔ منصور قرطبہ سے موسم بہار میں شنبہ ۲۴ جمادی الآخر ۳۸۷ھ ہجری کو اس پر فوج کشی کے لئے نکلے۔ یہ اُن کا اڑتالیسواں غزوہ تھا۔ پہلے شہر قوریہ میں پہونچے اور جب شہر غلیسیہ میں پہونچے تو بہت سے عیسائی رؤسا، جو منصور کے زیرِ اطاعت تھے، اپنے آدمیوں اور اسلحہ کو لے کر مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ منصور نے پہلے ہی حکم جاری کر دیا تھا کہ جہازوں کا ایک بیڑہ اُس مقام پر طیار رہے جس کو قصر آبی دانس کہتے تھے، اور جو اندلس کے ساحل غربی پر واقع تھا۔ ان جہازوں پر ملّاح، تیر انداز، رسد اور اسلحہ موجود تھے۔ غرض یہ بیڑہ برتغال پہونچا، جو دریائے دویرہ پر واقع تھا، اور اُس موقع پر لگایا گیا جس کو منصور نے عبور کے لئے تجویز کیا تھا۔ ان جہازوں سے یہاں ایک قلعہ کے قریب پُل بنا لیا گیا۔ منصور بہت سا سامان رسد رسانی لے کر دشمن کے ملک میں اُتر گئے، اور

شنت یاقب کا راستہ لیا۔ کئی دور و دراز میدانوں سے گزرے، بہت سے بڑے دریاؤں اور خلیجوں سے، جو بحر اخضر میں گرتے تھے، عبور کیا۔ اس کے بعد یہ لشکر ایک بڑے میدان میں، جو بلاد فرطارس میں واقع تھا، پہونچا۔ پھر ایک اونچے دشوار گزار پہاڑ پر پہونچے، جس کا کوئی راستہ نہیں تھا، حتیٰ کہ بدرقوں نے بھی کہہ دیا کہ ہمیں راستہ معلوم نہیں۔ منصور خود ایک کلہاڑی لے کر آگے بڑھے کہ جھاڑیوں وغیرہ کو کاٹ کر راستہ صاف کر دیں۔ یہ دیکھ کر تمام لشکر پل پڑا اور راستہ بنا لیا۔ فوج وہاں سے گزر کر وادی منیہ میں پہونچے تو مسلمان بہت خوش ہوئے، کیوں کہ اس کے آگے وسیع میدان تھے۔ آخر دیر قشتان اور میدان بلنبو میں پہونچ گئے جو بحر محیط پر واقع تھا۔ یہاں انھوں نے شنت بلایہ کے قلعہ کو فتح کیا، اور اس کو لوٹا۔ اس کے بعد وہ ایک جزیرہ میں جا اترے، جو بحر محیط میں تھا۔ اس جزیرہ میں شنت بابایہ سے بقیۃ السیف لوگ پناہ گزیں ہوئے تھے، یہ سب لوگ قید کر لئے گئے۔ پھر یہ فوج جبل مراسیہ پر پہونچی، جس کی اکثر جہات بحر محیط سے متصل تھی۔ یہاں مسلمان ہر طرف پھیل گئے، وہاں کے باشندوں کو نکال باہر کیا اور وہاں سے بہت سا مال غنیمت لے کر بدرقوں کی راہ نمائی سے ایک خلیج کو عبور کر کے دریائے ابلہ پر پہونچے جہاں خوب آبادی تھی آخر زیارت گاہ یاقب پر پہونچے، جن کی قبر نصاریٰ کے نزدیک فضیلت رکھتی تھی، اور اس کی زایرین بہت دور و دراز ممالک، مثل قبط اور نوبہ وغیرہ سے آتے تھے۔ مسلمانوں نے اس شہر کو ویران کر دیا، اور پھر شہر شنت یاقب پر بروز چہارشنبہ ۲ رشعبان کو پہونچ گئے۔ مگر شہر کو بالکل خالی پایا۔ مسلمانوں کو یہاں بھی مال غنیمت بہت حاصل ہوا۔ مکانات، فصیل شہر اور گرجا تمام گرا دیئے گئے اور اُن کے آثار تک نہ چھوڑے، مگر منصور نے یاقب کی قبر پر آدمیوں کو حفاظت کے لئے مقرر کر دیا، تاکہ کوئی اُس کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہاں

لی عمارات خوب صورت اور مضبوط تھیں، مگر اس طرح تباہ کی گئیں کہ اُن کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ اس کے بعد یہ فوج مضافات شنت یاقب کو تباہ کرتی ہوئی شہر شنت مانکش پر پہونچی، جو بحر محیط پر واقع تھا۔ یہ مقام ایسے انتہائی موقع پر تھا کہ یہاں تک کوئی مسلمان اس سے پہلے نہ پہونچا تھا، نہ سوائے وہاں کے باشندوں کے کسی اور کا قدم یہاں تک آیا تھا۔ اس سے آگے کوئی گھوڑا نہیں جا سکتا تھا، نہ کوئی شخص نقل و حرکت کر سکتا تھا۔ شنت یاقب کے دروازے سے منصور نے واپسی کا حکم دیا، کیوں کہ وہ اُس مقام تک پہونچ گئے تھے جہاں تک کوئی مسلمان نہیں پہونچا تھا۔ اور اپنا راستہ برمند بن اردون کے علاقے کی طرف اختیار کیا اور اس کو بھی تباہ کرکے اُن عیسائی رؤسا کے علاقے میں پہونچے جو اُن کی فوج میں شامل تھے۔ یہاں اُنھوں نے فوج کو کسی قسم کی دست درازی کرنے سے روک دیا۔ اور بہت جلد وہاں سے نکل کر قلعہ بلبقیہ پہونچ گئے، جو پہلے فتح ہو چکا تھا۔ یہاں تمام عیسائی رؤسا، اور اُن کی فوج کے لوگوں کو خلعت دے کر اپنے اپنے شہروں کو لوٹ جانے کی اجازت دیدی۔ اور یہیں سے اپنے فتوحات کی اُنھوں نے اطلاعیں بھیجیں۔ اس مہم میں عیسائی رؤسا اور اُن لوگوں کو جنھوں نے مسلمانوں کی مدد کی حسب ذیل خلعت عطا کئے گئے:-

دو ہزار دو سو پچاسی ریشمی طراز۔ اکیس کپڑے صوف البحر کے۔ دو کپڑے عنبری کے۔ گیارہ کپڑے سقلاطون کے۔ پندرہ مرتیا کے۔ سات زین پوشش دیباج رومی کے۔

تمام مسلمان سپاہیوں کو اتنا مال غنیمت عطا کیا کہ اُن (مسلمانوں) کی نعمت و عظمت میں بہت اضافہ ہو گیا۔

شنت یاقب میں صرف ایک راہب قبر پر بیٹھا ملا۔ اُس سے دریافت

کیا گیا تو اُس نے کہا کہ میں حضرت یعقوب کی قبر کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ منصور کے حکم سے اُس پر کسی قسم کی دست درازی نہیں کی گئی۔

منصور کے خواص میں سے ایک شخص، شعلہ نامی بیان کرتے ہیں کہ منصور رات بھر جاگتے تھے میں نے اُن سے کہا کہ "حضور کا آرام نہ کرنا اب تو حد سے گزر گیا۔ آپ کو تو آرام کی بہت احتیاج ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ نہ سونے کا صحت پر کیا اثر ہوتا ہے۔" منصور نے جواب دیا کہ "اے شعلہ! جب رعیت سو جائے تو بادشاہ کو نہ سونا چاہیئے۔ اگر میں سو جاؤں تو اس شہر قرطبہ بھر میں، جو اتنا بڑا شہر ہے کسی شخص کی پلک سے پلک بھی نہ جھپکے۔

اس کتاب میں سے اسی قدر لے لینا کافی ہے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم کتاب الازہار المنثورہ فی الاخبار الماثورہ سے بھی کچھ اقتباسات کریں

ایک مرتبہ منصور اپنی فوج کے معائنہ کے لئے ایک میدان میں بیٹھے ہوئے تھے، اور لوگوں کا ہجوم تھا کہ واثر مار بن ابوبکر بربری، جو ملک مغرب کی فوج کے ایک افسر تھے، آئے اور ایسے لہجہ میں کہ کوئی رنجیدہ سے رنجیدہ آدمی بھی ہنس پڑے منصور سے کہنے لگے کہ "حضور! نہ آپ کے پاس رہنے کو گھر ہے نہ میرے پاس، اور میں تو بالکل ہی میدان میں کھڑا ہوں۔" منصور نے کہا کہ "کیوں بھئی! تمھارا وسیع مکان کہاں گیا؟" اُنھوں نے جواب دیا کہ "واللہ! اُس مکان سے مجھے حضور کی نعمتوں نے نکالا ہے، جو حضور نے مجھے بصورت جاگیرات عطا کی ہیں۔ وہ مکان مختلف نعمتوں سے اتنا بھر گیا ہے کہ مجھے نکلنا پڑ گیا۔ اب میں پھر وہ کاڈھی بھوکا بربری ہوں، جو تکلیف اُٹھانے کا عادی ہو۔" منصور نے کہا کہ "خدا تمھیں اس کی جزا دے تم تو شکر نعمت میں ہم سے بھی بڑھ گئے۔ اور اپنے کلام سے تم نے ہمارا دل ہاتھ میں لے لیا۔ یہ بلاغت انسان کو دھوکہ میں ڈالنے والی ہے۔" پھر

اُن اندلُس کے لوگوں سے جو اُن کے قریب بیٹھے ہوئے تھے متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ "دوستو! ادائے شکریہ کا یہ طریقہ خوب ہے کیونکہ ہیں میں حسن طلب بھی شامل ہے" یہ کہہ کر اُنھوں نے داتر مار کو ایک وسیع خالی مکان عطا فرما دینے کا حکم دیا۔

یک شنبہ کے دن منصور کے خدمت گاروں کو تعطیل ہوتی تھی۔ ایک اتوار کو خوب مینھ برس رہا تھا۔ منصور نے سوچا کہ آج کا دن ایسا ہے کہ کوئی سائل نہ آئے گا۔ اس خیال سے وہ اپنے آرام کے کمرے میں چلے گئے۔ یکایک اُن کا حاجب ہنستا ہوا آیا اور کہا کہ "حضور! دروازے پر تین بر بری آدمی۔ ابوالناس بن صالح، اور دو اور حاضر ہیں۔ اُن کی حالت ایسی ہے کہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے"۔ منصور نے فوراً حاضر لانے کا حکم دیا۔ وہ آئے تو اُن کی یہ حالت تھی کہ جیسے نمک بھیگا ہوتا ہے۔ منصور اُن کو دیکھ کر ہنس پڑے اور اپنے پاس بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور پوچھا کہ "تم ایسی حالت میں کیوں آئے ہو کہ ہر ذی روح اپنا سر چھپائے بیٹھا ہے، یہاں تک کہ پرندے بھی اپنے گھونسلوں سے نہیں نکلتے"۔ ابوالناس نے کہا کہ "حضور! ہر ایک دوکان دار اپنی دوکان پر نفع کے بہانہ سے شکار کی تاک میں بیٹھا ہوا ہے۔ لیکن ہم اپنے کیسوں کی ڈوریاں اور بھی مضبوط کئے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ وہ لوگ ہیں کہ ہمارے پیچھے ہیں کہ ہمارے کپڑے تک اُتارلیں۔ ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنا سر چھپا کر اس بازار میں چلے آئیں۔ اور اس سے نفع حاصل کرکے چل دیں"۔ منصور یہ سُن کر ہنس پڑے اور اُن لوگوں کو کچھ کپڑا اور نقد دے کر رخصت کر دیا۔ یہ لوگ بھی خوش خوش چلے آئے۔

منصور کے زمانہ میں قرطبہ میں ایک ادیب آدمی تھا۔ وہ خزانہ کے محکمہ میں محاسب مقرر کر دیا گیا۔ ایک مرتبہ خزانہ کا جایزہ لیا گیا تو اُس کے ذمہ تین ہزار دینار نکلے۔ منصور کو اس کی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے اُس کو پکڑ بلایا۔ اُس نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔ منصور نے کہا کہ "اے فاسق! تجھکو سرکاری مال کھا جانے کی کیسی جرأت

ہوئی؟" اُس نے جواب دیا کہ "قضائے الٰہی رائے پر غالب آگئی، اور مفلسی نے امانت کو خراب کر دیا" منصور نے کہا کہ "ہم تیری سزا کو دوسروں کے لئے باعث عبرت بنائینگے" چنانچہ اُنھوں نے بیڑیاں اور لوہار حاضر کرنے کا حکم دیا۔ اور اُس کو بیڑیاں پہنا کر قیدخانہ روانہ کر دیا۔ اور داروغہ کو حکم دیا کہ اُس پر بہت زیادہ سختیاں کی جائیں۔ جب یہ شخص چلنے لگا تو اُس نے کہا کہ:-

اواہ اواہ وکم ذا اری	اکثر من تکرار اواہ
ہائے ہائے اور میں کیا دیکھ رہا ہوں	اُس سے زیادہ تو وہ سزا ہے جو پیچھے آنے والی ہے
ما لامرئٍ حول ولا قوۃ	الحول والقوۃ للّٰہ
کسی شخص میں کوئی طاقت نہیں ہے	اگر ہے تو خدائے تعالےٰ میں

منصور نے سن کر اُس کو واپس بلایا۔ اور پوچھا کہ "یہ اشعار کسی اور شاعر کے ہیں یا تیرے ہی ہیں۔ اُس نے کہا کہ "میرے ہی ہیں" منصور نے اُس کی بیڑیاں اُتروا ڈالیں اور اُس کو رہا کر دیا۔ یہ سن کر اُس نے کہا کہ:-

اما تری عفو ابی عامر	لا بد ان یتبعہ منہ
کیا تو نے ابی عامر کا عفو دیکھا	ضروری کہ اُس کے پیچھے بھی کچھ ہو
کذالک اللّٰہ اذا عفا	عن عبدہ ادخلہ الجنۃ
جس طرح اللہ جب کسی بندہ کا قصور معاف کرتا ہے	تو اُس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے

یہ سن کر منصور نے اُس پر وہ روپیہ معاف کر دیا جو اُس نے تغلب کیا تھا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ آئندہ اُس کا پیچھا نہ کیا جائے۔

منصور کے سامنے اُن کے ایک خدمت گار کا نام پیش کیا گیا جو ایک مدت سے قید تھا اور وہ اُس سے سخت ناراض تھے۔ منصور نے صاف جواب دیدیا کہ تاوقتیکہ وہ جہنم واصل نہ ہو اُس کی رہائی کی صورت نہیں ہے جب اُس شخص کو معلوم ہوا تو

اُس کو سخت رنج ہوا۔ اور اُس نے دعا و مناجات پر زور دیا۔ منصور پر اُس کا یہ اثر ہوا کہ وہ سونا چاہتے تھے تو نیند نہ آتی تھی۔ اگر ذرا آنکھ لگ جاتی تو خواب میں دیکھتے کہ ایک ڈراؤنا آدمی اُن کو اُس شخص کے چھوڑ دینے کو کہتا ہے، اور خود اُن کو قید کر دینے کی دھمکی دیتا ہے۔ جب کئی مرتبہ ایسا ہو چکا تو اُنھوں نے سمجھا کہ یہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے دھمکی ہے۔ اُنھوں نے اپنے بستر پر بیٹھے ہی بیٹھے اُس کی رہائی کا حکم لکھا۔ جس میں درج تھا کہ ”یہ شخص ابن ابی عامر کی مرضی کے خلاف خدائے تعالیٰ کا رہا کردہ ہے“
اس بات کا چرچا مدتوں ملک میں رہا۔

منصور بن ابی عامر کی ہیبت، قواعد فوجی و فرائض کی پابندی اور ملک کے انتظام کا شہرہ انتہا درجہ کو پہونچ گیا تھا۔ کسی بادشاہ کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی فوج کا جائزہ لیتے ہوئے کسی کی اتنی مجال نہ ہوتی تھی کہ کوئی اُف بھی کرے۔ حتیٰ کہ گھوڑے بھی ایسے سدھ گئے تھے کہ سواروں کی طرح اُن کی بھی آواز نہ نکلتی تھی۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جائزہ لیتے ہوئے اُن کی نگاہ ایک تلوار پر پڑ گئی۔ جو کسی سپاہی نے انتہائے میدان پر کسی ضرورت سے یا بے ضرورت، ننگی کر لی تھی اُس کا یہ خیال تھا کہ منصور کی نگاہ اُس تک نہیں پہونچ سکتی۔ منصور نے اُس کو فوراً پکڑ بلایا۔ اور اُس سے پوچھا کہ ایسی موقعہ پر کہ تلوار میان سے نکالنے کا حکم نہیں ہے اُس نے خلاف ورزی کیوں کی۔ اُس نے جواب دیا کہ میں اپنے ساتھی کو کوئی چیز دکھلا رہا تھا۔ میرا میان ڈھیلا ہے اُس میں سے تلوار نکل پڑی۔ منصور نے کہا کہ خلاف ورزی احکام میں کوئی بہانہ پیش نہیں جا سکتا۔ پھر اُنھوں نے حکم دیا کہ اُس ہی کی تلوار سے اُس کا سر اُڑا دیا جائے۔ اور یہ سر نیزے پر رکھ کر تشہیر کیا جائے، اور ایک شخص آگے آگے اس شخص کا جرم بیان کرتا جائے، تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

منصور کے پاؤں میں کچھ ایسا مرض پیدا ہوا کہ جس کا علاج داغ دینا تھا

ایک روز وہ دربار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عہدہ دارانِ سلطنت حاضر تھے، احکام و نواہی میں مصروف تھے کہ داغ دینے والے نے آکر داغ دیا۔ جب چمڑہ اور گوشت جلنے کی بُو نکلی تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ منصور کے پیر میں داغ لگ رہا ہے۔ مگر منصور کے چہرہ سے کچھ بھی نہ معلوم ہوتا تھا، وہ اُسی طرح اپنے کام میں مصروف تھے۔

منصور رحمہ اللہ تعالےٰ کی باتیں ایسی نہیں ہیں کہ اس مختصر میں سما سکیں۔ اس کے لئے بڑی بڑی مجلدات کی ضرورت ہے۔ اس لئے ہم ایک واقعہ اور بیان کرکے عنانِ قلم کو روکتے ہیں۔

مصحفی کے خلاف جو مددیں وزرا نے منصور کو دی ہیں۔ اور یہ لوگ اُن کی طرف مائل ہوگئے۔ اور اُن کی ترقی میں کوشش کی ہے۔ اور اُن کی امداد میں قائم رہے ہیں اگر یہ حمیت اعرابی پر مبنی نہ تھی تو عادات سلطانیہ میں تو شک نہیں۔ یہی وہ عادات ہیں جن کے موافق ایک گروہ اپنے سلف کے قدم بقدم چلتا ہے، اور عروج یافتہ لوگوں کی ذلت میں کوشش کرتا ہے یہ اُن کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اس گروہ کے سلف اہل دیانت ہوتے ہیں خلف اُن ہی کے قدم بقدم چلنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسکے ذریعہ سے وہ اپنے مراتب کو بچا لیتے ہیں۔ اور یہ دیکھنا نہیں چاہتے کہ کوئی انتہائے مقصد تک پہونچ جائے، یا اچھی حیثیت پیدا کرلے۔ چنانچہ جب خلیفہ الحکم المستنصر باللہ نے جعفر بن عثمان کا انتخاب کرکے اُن کو عہدہ حجابت پر فائز کیا تو وہ وزرا میں محسود ہوگئے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے مل کر اُس پر مطالبہ قائم کردیا۔ تمام وزرا اور سلطنت کے عظیم القدر لوگوں میں یہی شخص تھے کہ جن پر منصور نہایت جلد مہربان ہوتے یا اُن سے منحرف ہوکر خاندان ابی عبیدہ یا شہید یا قطیس کی متوجہ ہوتے۔ جو لوگ کہ صاحب خلافت اور صاحب سدانہ رہ چکے تھے اور بلحاظ شرف و امانت نہایت مشہور تھے اُس زمانہ میں وہ زمام سلطنت بنے ہوئے تھے، تمام خدمات کے منتظم تھے اور تمام

قوم کے چشم و چراغ ۔ گو کہ یہی لوگ تھے کہ جن کے بارے میں مرتبہ اور عزت کے تغیر پذیر ہونے کا بہت اندیشہ رہتا تھا ۔ غرض کہ انھوں نے محمدؒ ابن عامر کو ہر طرح فضیلت دی ۔ اُن کے پورے پورے تابعدار ہو گئے ۔ اُن کی نبیاد کو مضبوط کیا اور اُن کی بلندی، اور مرتبہ کو اُن کے اصل کی طرف منسوب کیا ۔ یہاں تک کہ وہ اپنی اُمیدوں تک پھونچے اور اپنی تمام مرادیں پالیں، اور بالآخر سختی میں گرفتار ہو گئے ۔ اور جب ابن ابی عامر کو یہ سب باتیں حاصل ہو گئیں تو جعفر بن عثمان مصیبت میں پڑ گیا ۔ اُسے نکبت اور زوال حال کا یقین ہو گیا اور وہ سمجھ گیا کہ اب اس کا مرتبہ اس کے ہاتھ سے نکل چکا ۔ اس خیال سے اُس نے محمدؒ سے ملنا چھوڑ دیا اور اُس کے ساتھ تدبیر مملکت میں غور کرنا قطع کر دیا ۔ اُس کی رفتار سست ہو گئی اور اُس کا ستارہ آسمان عزت میں ڈھل گیا ابن ابی عامر نے اُس کو پے درپے بلایا ۔ یہاں تک کہ اُسے صبح و شام قرطبہ آنا پڑا اور اور اُس کے پاس سوائے حجابت کے نام کے اور کچھ نہیں باقی رہا ۔ اور ابن ابی عامر نے اپنی عادت کے موافق یہ نام بھی مٹا دیا اور اُس کو ذلیل و خوار کیا ۔ ابن اسمٰعیل کہتے ہیں کہ میں نے اُسے مجلس وزارت کی طرف محاسبہ کے لئے پیدل جاتے ہوئے دیکھا وہ تیز چل رہا تھا، اُس کے جوارح سوزش سے جل رہے تھے، نگہبان اُس کو جھڑک رہا تھا، کمینہ لوگ اُس پر ظلم کرتے تھے، نگونساری اور زخم نے اُسے بالکل شکستہ کر دیا تھا اور اُس کے قدموں کو روک دیا تھا ۔ میں نے اُسے یہ کہتے سُنا کہ "میرے ساتھ نرمی کرو، تم عن قریب اپنی خواہش پالیگے اور جس کی اُمید کرتے ہو وہ دیکھ لوگے کاش موت کی قیمت اس قدر گراں ہوتی کہ اَن گنت اونٹوں کا مالک بھی اُسے نہ لے سکتا" جب وہ مجلس میں پھونچا تو وہاں سب سے پیچھے بیٹھ گیا ۔ نہ تو اُس نے کسی کو سلام کیا اور نہ کسی نے اُس کی طرف آنکھ یا ہاتھ سے اشارہ تک کیا جب وہ بیٹھ گیا تو وزیر محمدؒ بن حفص بن جابر نہایت تیزی سے اُس کے پاس آیا اور اُس سے سختی

کے ساتھ پیش آیا، اُس کی ہتک کی اور سلام نہ کرنے پر اعتراض کیا۔ مگر جعفر اُس کی طرف سے منہ پھیرے رہا۔ جب اُس نے بار بار کہا تو جعفر نے جواب دیا کہ تو احسان اور اپنے محسن کو بھول گیا ہے، اور تو نے کفرانِ نعمت کرکے ایذا دینے کا ارادہ کیا ہے تو اس سے نہیں ڈرتا۔ ممکن ہے کہ کوئی اور اس کو سمجھ جائے۔ تو نے ایسے کام میں اپنی ٹانگ پھنسائی ہے کہ مجھے اُمید نہیں ہے کہ تو اس سے خلاصی پا سکے۔ تجھ سے خاموش بھی نہیں رہا جا سکتا۔ اچھے دنوں اور خیرات و مبرات تو بھول گیا۔" جب محمد بن حفص نے یہ سُنا تو کہا کہ یہ تو بے ضرورت بکواس ہے۔ تیری وہ عزت کے دن کہاں گئے جن کا تو احسان رکھ رہا ہے۔ اور اُس کی واجبات کے ادا سے روگردانی کی ہے۔ اس ہاتھ دے اور اُس ہاتھ لے۔" جعفر نے کہا کہ "میں اس کو نہیں جانتا۔ مگر حق وہ چیز ہے کہ کسی وقت بھی غلط نہیں ہوتا۔" آخر محمد بن حفص نے اُس کو جواب دہی پر مجبور کیا تو جعفر نے کہا کہ "مجھے کوئی بات یاد نہیں ہے۔ جس کا میں اعتراف کر چکا ہوں اُس کا انکار نہیں کرتا۔ اس لئے مجھے سکوت کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔" وزیر احمد بن عباس نے کہا کہ بعض باتیں جو تو نے بیان کی ہیں اولیٰ ہیں۔ مگر اس وقت تو تو تکلیف اور مطالبہ میں گرفتار ہے۔ جعفر نے کہا کہ "مجھے ایک شخص نے نکال باہر کیا ہے۔ اب تم لوگ مجھے وہ بیان دینے پر مجبور کرتے ہو جس کا تمھیں بھی علم ہے۔" وزیر ابن جہور علی محمد بن حفص نے کہا کہ تو نے حاجب کے ساتھ بُرائی کی اور اُن سے غیر واجب سلوک کیا۔ کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اُترا شحنہ مردک نام ہوتا ہے۔ اس پر تو نے وہ فعل کیا کہ جو خدائے تعالےٰ کے حکم کے خلاف ہے کہ "جب تمھیں کوئی سلام کرے تو اُس سے بہتر الفاظ کے ساتھ جواب دو یا رد سلام ہی کر دو" اس تقریر کے جواب میں عثمان نے کوئی جواب نہیں دیا۔

انتہیٰ حالات منصور بن ابی عامر۔

اب ہم اپنے کلام کا سلسلہ قائم کرتے ہیں۔

جب منصور کا انتقال ہوگیا تو اُن کے بعد اُن کی جگہ اُن کا بیٹا عبدالملک المظفر ابو مروان متمکن ہوا۔ اور سیاست و غزوات میں اپنے باپ کے قدم بقدم چلتا رہا۔ اُن کا زمانۂ حکومت سات برس رہا ۔ یہ زمانہ دن عید اور رات شب برات تھا۔ اُنھوں نے ۳۹۹ھ ہجری ماہ محرم میں انتقال کیا (بقول بعض اُن کا انتقال ۳۹۸ھ ہجری میں ہوا) ان کے کاتب المعز بن زیری بادشاہ مغراوہ تھے جب یہ اپنے والد کی موت کی خبر سن کر فاس اور مغرب سے واپس آئے تو اُس کے لئے ایک عہدنامہ لکھ کر دے آئے تھے طوائف نے اپنے اپنے ملک میں بدلے لینے اور جلالقہ نے اپنے علاقے اور قلعے واپس لینے کے لئے نقل و حرکت شروع کردی

ابن خلدون کہتے ہیں کہ اُن کے بعد اُن کا بھائی عبدالرحمن حکومت پر متمکن ہوا۔ اُنھوں نے اپنا لقب الناصر لدین اللہ (بقول بعض مامون) مقرر کیا خلیفہ ہشام کو پردہ میں رکھنے اُس پر سختی کرنے اور ملک پر اپنا رعب رکھنے میں اپنے باپ اور بھائی کی پیروی کی۔ پھر اُس نے یہ سوچا کہ رسوم خلافت جو باقی ہیں وہ بھی کسی طرح چھین لی جائیں۔ چنانچہ اُس نے ہشام سے درخواست کی کہ اُسی کو ولی عہد بنا لیا جائے۔ خلیفہ نے اس کو منظور کرلیا۔ اور اس کے واسطے ارباب شوریٰ اور اہل حل و عقد کی ایک مجلس قائم کی۔ یہ دن بھی دنوں مشہور رہا ہے۔ غرض ہشام نے عہدنامہ لکھدیا۔ جس کو ابوحفص بن برد نے تحریر کیا۔ اس عہدنامہ کی عبارت یہ تھی کہ " یہ عہدنامہ ہے جو ہشام المؤید باللہ امیرالمومنین نے عامۃ الناس کی اطلاع کے لئے تحریر کیا ہے۔ اور اپنی طرف سے وہ خدائے تعالے کے ساتھ خاص طور پر عہد کرتے ہیں اور اس پر وہ اپنے داہنے ہاتھ پر بعد غور و فکر اور استخارہ طویل کے بیعت تامہ کرتے ہیں اور جو کچھ خدائے تعالیٰ نے اُن کو امارت و عصبیت مسلمانان اُن کے ہاتھ میں دی ہے۔ امیرالمومنین اُن باتوں سے بچتے ہیں جو ایمان کے خلاف ہوں اور نزول قضائے الٰہی سے ڈرتے ہیں جو لوٹائی نہیں جاسکتی۔ اور خوف کھاتے ہیں کہ اس معاملہ میں اُن پر ہجوم نہ کیا جائے اور اس اُمت پر ایسی مصیبت نہ آئے جو ٹل نہ سکے

اور وہ چاہتے ہیں کہ خدائے تعالےٰ کے سامنے وہ دنیا کے لوث سے خالی حاضر ہوں اور کسی کا حق اُن کے اوپر باقی نہ ہو۔ اس وقت قبیلہ قریش سے کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہ گیا کہ جو بارِ سلطنت اُٹھا سکے، اور اس کام کے لئے اُٹھ کھڑا ہو اور اپنے دین و امانت و صیانت و نیک رویّہ سے خلق خدا کی خدمت کر سکے اور اس میں اپنی خواہشات دلی اور روگردانی حق اور نافرمانی الٰہی سے کام نہ لے۔ امیر المومنین کو کوئی شخص ایسا نظر نہیں آیا کہ جس کو اپنا ولی عہد بنائیں اور جس کے فضل نفس، کرم ذاتی، شرف مرتبہ اور علو منصب یا اتقاء و عفاف و معرفت و حزم کے لحاظ سے اپنے بعد خلافت اُس کے سپرد کر دیں۔ مگر نجیح حبیب ابو المظفر عبد الرحمٰن بن منصور ابی عامر محمد بن ابی عامر (خدائے تعالیٰ اُن کو توفیق عطا فرمائے۔ اور جب وہ امیر المومنین ہوں تو خدائے تعالیٰ اُن کی مدد کرے) کے حالات پر جب وہ غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی مدد میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ تمام خوبیوں کے جامع ہیں اور دُور دور تک اپنا اثر رکھتے ہیں۔ منصور اُن کے والد تھے اور مظفر اُن کے بھائی۔ اس لئے کچھ تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ وہ نیکیوں کے راستے میں منزل آخر تک پہنچے ہوئے ہوں۔ اور خوبیاں تمام اُن کے گرد جمع ہوں۔ نیز امیر المومنین، ایدہ اللہ تعالےٰ کو مکنون علم سے یہ معلوم ہوا ہی کہ اُن کا ولی عہد وہ قحطانی بننے والا ہی جس کی بابت بروایت عبد اللہ بن عمر بن العاص اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہما) حدیث شریف میں آیا ہی کہ ”قیامت نہ آئیگی جب تک کہ ایک آدمی قحطان سے نہ نکلے کہ جو اپنے عصا سے لوگوں پر حکومت کرے گا“ جب اُن کو از روئے خبر یہ بات معلوم ہوگئی اور اُس کو آثار سے مقابلہ کیا تو اُس کو صحیح پایا۔ اس لئے وہ اپنی زندگی میں امور سلطنت کی تدبیر میں (ابو المظفر عبد الرحمٰن کو) برضا و رغبت خود اپنی موت کے بعد خلافت اُن کے سپرد کرتے ہیں۔ امیر المومنین نے یہ وثیقہ لکھا ہی، اُن کی اجازت سے لکھا گیا ہی، اُس کو وہ جائز قرار دیتے ہیں اور اُس کا نفاذ کرتے

ہیں۔ اس وثیقہ میں وہ کوئی شرط یا خیار نہیں کرتے۔ اور اس تحریر کے وفا میں علانیہ و پوشیدہ۔ اپنے قول اور اپنے فعل سے خدائے تعالیٰ کا عہد و میثاق اور نبی کریم محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ اور خلفائے راشدین اور اپنے آباء اور اپنی ذات خاص کا ذمہ دیتے ہیں کہ اس میں نہ کوئی تبدیلی کی جائیگی نہ کوئی تغیر، نہ کوئی تحویل، نہ کوئی زوال اور اس پر خدائے تعالیٰ و ملائکہ کو گواہ کرتے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ کافی گواہ ہے۔ ہم خود اس پر گواہ ہیں کہ یہ دستاویز جائز الامر ماضی القول والفعل ہے۔ اور اپنے ولی عہد المامون ابوالمظفر عبدالرحمن بن المنصور (جو کچھ انھوں نے قبول کیا اور اپنے نفس پر لازم کیا ہے اس کے پورا کرنے میں انھیں توفیق عطا فرمائے) کی موجودگی میں یہ تحریر لکھی گئی۔ تحریر ماہ ربیع الاول ۳۹۸ھ ہجری۔"

خاتمہ پر تمام وزرا اور قضات اور عوام الناس نے اس دستاویز پر "بقلم خود" دستخط کئے۔ اور اس کے بعد ابوالمظفر۔ ولی عہد کہلانے لگا۔

لیکن یہ امر ہشام کے لئے باعث مرگ ثابت ہوا۔ کیوں کہ اہل دولت نے اس کو بہت ہی برا سمجھا۔ اور نہ صرف اسی کی دولت کا بلکہ اس کی قوم کی دولت کا انقراض ہوگیا۔ اس سے اموئین اور قرشیئن سے نفرت بہت جلد ترقی پزیر ہوگئی۔ لوگوں نے اس پر غور و فکر کیا اور مضریہ سے یمنیہ کی طرف معاملہ رجوع کر گیا۔ مجلس شوریٰ قائم ہوئی اور جلالقہ میں مشورے ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قصر خلافت کے دروازے ہی پر صاحب الشرطہ کو ۳۹۹ھ ہجری میں قتل کر دیا گیا۔ اور ہشام المویدسے سب نے مل کر خلع کرا لیا۔

محمد بن ہشام

ہشام سے خلع کرا کر لوگوں نے محمد بن ہشام بن عبدالجبار بن امیر المومنین الناصر

لدین اللہ سے بیعت کرلی اور مہدی باللہ اُن کا لقب قرار پایا۔ یہ خبر عبدالرحمٰن الحاجب بن منصور کو اُن کے علاقہ پر پہنچی اُس کی جماعت متفرق ہوگئی۔ عبدالرحمٰن نے ایک محفوظ مقام پر آکر لوگوں کو اپنی طرف بلایا لیکن یہاں آکر اُس کی فوج اور بربریوں سے بڑے بڑے آدمیوں نے اُس سے بے رخی کی اور قرطبہ میں پہنچ کر مہدی باللہ سے بیعت کرلی۔ اور عبدالرحمٰن الحاجب سے اس لئے ناراض ہوگئے کہ اُس میں حکمرانی کی قابلیت نہیں ہے۔ آخر عبدالرحمٰن کو قتل کردیا گیا اور اُس کا سر مہدی کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ غرض کہ عامریین کی دولت کا اس طرح خاتمہ ہوگیا کہ گویا کبھی تھی ہی نہیں وَلِلّٰہِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔

رؤسائے بربر وزناتہ نے جب عبدالرحمٰن کی سوء تدبیر اور اُس کے دولت کا انقراض دیکھا تو وہ مہدی سے آملے۔ چوں کہ یہ لوگ عامریین کے مددگار تھے اور منصور کا غلبہ اُن ہی کی طرف منسوب تھا اس لئے اموئین اُن پر سختی کرتے تھے۔ اُن کے دل اُن کی طرف سے سخت ہوگئے تھے۔ اگر ان لوگوں کے مددگار نہ ہوتے تو یقیناً ان لوگوں کا قلع قمع ہوجاتا۔ اہل شہر کی زبانوں پر ان ہی لوگوں کی بُرائیاں تھیں۔ مہدی نے ان کو حکم دیا تھا کہ نہ یہ لوگ سوار ہوسکیں اور نہ ہتھیار لگا سکیں۔ کچھ لوگ دروازہ قصر پر شکایت کرنے حاضر ہوئے تھے تو اُن کو نکلوا دیا۔ عوام الناس کو بھی اُن کے متعلق شکایت تھی بعض لوگوں نے شکایتیں کیں تو مہدی نے معذرت کی اور جن لوگوں نے اُن پر اتہام لگایا تھا ان کو قتل کرا ڈالا۔ مگر باوجود اس کے مہدی کا بغض اُن سے ظاہر ہو ہی جاتا تھا، اور علانیہ اُن کو بُرا بھلا کہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اُن کو یہ اطلاع پہنچی کہ مہدی اُن سے دغا کرنا اور اُن کو قید کرنا چاہتا ہے۔ ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ ہشام بن سلیمان بن امیر المومنین الناصر لدین اللہ کو خلافت کے لئے پیش کرنا چاہیئے مگر اس کا علم بعض خاص لوگوں کو ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے

اور سواد اعظم اُن کے برخلاف ہوگیا، اور اُن پر حملہ کیا ہشام اور اُس کے بھائی ابوبکر کو گرفتار کر کے مہدی کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور دونوں کی گردنیں مار دی گئیں۔ مگر سلیمان جو اُن کے بھائی الحکم کا بیٹا تھا، بربریوں کی فوج سے جا ملا۔ یہ لوگ قرطبہ کے باہر جمع ہوئے اور سلیمان سے بیعت کرلی اور المستعین باللہ اُس کا لقب مقرر کیا اُس کو لے کر طلیطلہ چلے گئے اور آدفونش کے بیٹے سے مدد مانگی اور بربریوں اور نصرانیوں کی فوج لے کر قرطبہ پر حملہ کردیا۔ مہدی، اہل شہر و خاصان دولت کو لے کر اُن کے مقابلہ کے لئے نکلا لیکن پاسہ قرطبہ والوں کے خلاف پڑا اور بیس ہزار سے زیادہ آدمی قتل ہو گئے۔ اس خلفشار میں بہترین آدمی، مساجد کے امام، موذن اور علماء کام آئے۔ اور مستعین آخر چوتھی صدی میں قرطبہ میں داخل ہوگیا۔ مہدی طلیطلہ پہونچا اور ادفونش کے دوسرے بیٹے سے مدد لے کر قرطبہ پر حملہ کردیا۔ مستعین بربریوں کو عقبۃ البقر کے مقام پر، جو قرطبہ کے باہر تھا شکست ہوئی۔ مہدی پھر قرطبہ میں بحیثیت بادشاہ کے داخل ہوا۔ اور مستعین بربریوں کے ساتھ نکل کر علاقوں پر لوٹ مار کرتے ہوئے جزیرہ الخضرا پہنچ گئے۔ مہدی نے ادفونش کے بیٹے کے ساتھ اُن کا تعاقب کیا۔ اس مرتبہ ان دونوں کو مع اُن کے ساتھی مسلمانوں اور عیسائیوں کو شکست ہوئی اور مستعین نے قرطبہ تک اُن کا تعاقب کیا۔ مہدی نے ہشام المؤید کو قید خانہ سے نکال کر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اُس سے بیعت کرلی۔ اور خود اس خیال سے کہ یہ ترکیب اُس کو فائدہ پہنچائےگی، حجابت کا کام کرنے لگا۔ مستعین اور بربری اُن کا محاصرہ کئے پڑے تھے۔ اہل قرطبہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں محاصرین اُن پر نہ آ پڑیں اس لئے اُنھوں نے اہل قصر اور حاشیہ المؤید کو مہدی کے برخلاف کردیا اور یہ ظاہر کیا کہ اس تمام فتنہ و فساد کا باعث یہی شخص ہے۔ واضح عامری کو آگے بڑھایا اور مہدی کو قتل کردیا گیا۔ تمام لوگ مؤید کے ساتھی بن کر جمع ہو گئے، اور واضح

حاجب کا کام کرنے لگا۔ محاصرہ برابر رہا۔ اہل قرطبہ نے جو کچھ کیا اُس سے اُن کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ شہر اور نواح شہر کے بہت سے آدمی مارے گئے، مگر محاصرہ نہ اُٹھا۔ ادھر مستعین نے اذفونش سے مدد مانگی، اُدھر ہشام اور اُس کے حاجب، واضح، نے اُس کو مدد دینے سے منع کرا بھیجا؛ اور یہ شرط کی کہ اگر اِس وقت اُن کے دشمن کی مدد نہ کرینگے تو قشتالہ کے وہ علاقے جو منصور نے فتح کئے تھے اُن کو دیدیے جائینگے۔ چنانچہ اذفونش نے مدد دینے سے ہاتھ روک لیا۔ معاملات جوں کے توں رہے یہاں تک کہ سنہ ۴۰۳ ہجری میں مستعین اپنے بربریوں کے ساتھ بجبر قرطبہ میں داخل ہوگیا، اور ہشام کو خفیہ طور پر قتل کرا دیا۔ قرطبہ کے مکانات عورتوں اور بچّوں سے بالکل خالی ہوگئے۔ مستعین نے خیال کیا کہ اُس کی حکومت قائم ہوگئی ہے۔ بربریوں اور غلاموں کو علاقوں پر مقرر کر دیا۔ بڑے بڑے شہروں اور حصہ ملک پر یہی لوگ تعینات کر دیئے گئے۔ چنانچہ زباد بن حیوس غرناطہ کا، برزالی قرمونہ کا، یفرنی رندہ کا، ہرزون شرلش کا حاکم بنایا گیا۔ اور لوگ تمام ملک میں الگ قابض ہوگئے۔ طوائف الملوکی پھیل گئی۔ ابن عباد اشبیلیہ پر، ابن الافطس بطلیوس پر، ابن ذوالنون طلیطلہ پر، ابن ابی عامر بلنسیہ پر، ابن ہود سرقسطہ پر، مجاہد العامری دانیہ اور جزائر پر قابض ہوگئے۔

محمد بن ہشام المہدی بامد کی نسبت کسی شاعر نے کہا ہے۔

قد قام مهدينا ولكن	بملة الفسق والمجون
ہمارا مہدی نکلا۔ مگر	ملت فسق و بیوقوفی لیکر
وشارك الناس في الحريم	لولاه ما زال بالمصون
لوگوں کو اور وں کے حرم میں شریک کر دیا	اگر وہ نہ ہوتا تو حفاظت قائم رہتی
من كان من قبل ذا رجا	قد صار ذا قرون
پہلے جن کے سینگ نہ تھے	اب اُن کے سینگ نکل آئے ہیں

سلیمان المستعین کی نسبت ایک شاعر کہتا ہے

لا رحم اللہ سلیمانکم — فانہ ضد سلیمان

خدا تعالیٰ تمہارے سلیمان پر رحم نہ کرے — کیونکہ وہ سلیمان (علیہ السلام) کی ضد ہے

ذاک بہ غلت شیاطینہا — وحل ھذا کل شیطان

اُس نے تمام شیطانوں کو قید کر دیا تھا — اور اس نے تمام شیطانوں کو چھوڑ رکھا ہے

علی بن حمود الحسینی اور اُن کا بھائی قاسم بادشاہ و بانی فاس ادریس کی اولاد میں سے
تھے۔ بربریوں کے ساتھ اندلس میں آئے اور خود دعوائے سلطنت کیا۔ بربری اُن کے
مددگار ہو گئے اور سنہ ۴۰۷ ہجری میں قرطبہ کے بادشاہ بن بیٹھے۔ المستعین کو قتل کر ڈالا بنو امیہ
کی سلطنت کا اپنے نزدیک خاتمہ کر دیا۔ مگر سات برس اُن کے خاندان میں سلطنت رہنے
پائی تھی کہ ملک پھر بنو امیہ کے قبضہ میں آگیا۔

المستعین ادیب اور بلیغ شاعر تھے۔ اُن کے بعض اشعار اب بھی محفوظ ہیں۔

المستعین کے بعد ابن حمود الحسینی اندلس پر متصرف ہوا۔ اور الناصر اپنا لقب مقرر
کیا۔ لیکن بعض مغربیوں اور غلاموں نے اُس پر خروج کیا اور مہدی کے بھائی مرتضیٰ سے
بیعت کر لی لیکن زمانہ نے موافقت نہیں کی اور وہ یکایک قتل کر دیا گیا۔ علی بن حمود بھی
دو ہی برس سلطنت کر سکا تھا کہ صقالبہ نے اُس کو سنہ ۴۰۸ ہجری میں حمام میں قتل کر ڈالا
اُن کی جگہ اُن کا بھائی القاسم ملقب مامون تخت پر بیٹھے۔ لیکن یہ بھی چار ہی برس حکومت
کر سکے تھے کہ اُن کے بھتیجے یحییٰ نے، جو سبتہ میں تھے، منازعت شروع کر دی اور
سنہ ۴۱۰ھ میں اندلس کی طرف گیا۔ مالقہ، پر جہاں اُن کے بھائی ادریس اپنے باپ کے
وقت سے رہتے تھے، حملہ کر دیا۔ اور ان کو سبتہ بھیج دیا۔ پھر یحییٰ نے قرطبہ پر فوج کشی
کی اور سنہ ۴۱۲ ہجری میں اُس پر قبضہ کر لیا، اور المعتلی اپنا لقب مقرر کیا۔ اُن کے چچا

المامون اشبیلیہ کی طرف بھاگ گئے۔ قاضی ابن عباد نے اُن سے بیعت کرلی۔ اور بعض بربریوں سے مدد دے کر ۴۱۳ھ ہجری میں پھر قرطبہ پر قبضہ کرلیا۔ معتلی مالقہ سے پھر نکلے اور جزیرۃ الخضرا پر قابض ہوگئے اور ان کے بھائی ادریس طنجہ پر۔ اُدھر مامون نے اُن کا اُس قلعہ پر، جس میں ادریس کے ذخائر تھے، حملہ کا ارادہ کیا۔ جب اس کی خبر پہنچی تو ادریس کو سخت اضطراب ہوا۔ اہل قرطبہ نے اُس سے بدلہ لینا چاہا اور اُن کی اطاعت سے باہر ہوگئے۔ انھوں نے نکل کر اُن کا محاصرہ کرلیا۔ مگر اہل شہر نے محاصرہ کو رفع کردیا۔ یہاں سے اشبیلیہ پہونچا تو وہاں کے باشندوں نے بھی نہ گھسنے نہ دیا۔ لطف یہ ہے کہ وہاں اُن کا بیٹا بھی تھا اُس کو بھی نکال باہر کردیا۔ اور اپنے شہر کا خود انتظام کرلیا۔ مامون شریش پہنچے۔ یہاں بربریوں نے اُن کو دغا دی، اور وہ سب یحییٰ المعتلی اُن کے بھتیجے سے جاملے۔ اور ۴۱۵ھ ہجری میں اُس سے بیعت کرلی بھتیجے نے چچا پر فوج کشی کرکے مغلوب کرلیا۔ اور اپنے بھائی ادریس کے پاس اُسے مرنے دم (۴۱۷ھ ہجری) تک قید رکھا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ اُن کا گلا گھونٹ دیا گیا، جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کرینگے۔ معتلی کے لئے بالکل راستہ صاف ہوگیا، اور وہ بادشاہ بن بیٹھے۔ اس اثنا میں مستکفی جو بنو امیہ میں سے تھے، قرطبہ پر قابض تھے۔ مگر ۴۱۶ھ ہجری میں اُن سے اہل قرطبہ نے خلع کرالیا۔ اور معتلی سے بیعت کرلی اور اُن کی طرف سے ابن عطاف کو اپنے اوپر حاکم بنالیا مگر ۴۱۷ھ ہجری میں اُس سے نقض عہد کیا۔ عاملین کو نکال باہر کیا اور معتلی الاموی المرتضیٰ کے بھائی سے بیعت کرلی۔ معتلی (اول) اُن کے محاصرہ ہی کے فکر میں تھا۔ آخر شہر اور قلعے اُن کے قبضے میں آگئے، اور اُن کی صولت بیٹھ گئی اور سلطنت قائم ہوگئی مگر آخر ۴۲۹ھ ہجری میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ اُن کے معاونین نے اُن کے بھائی ادریس بن علی کو سبتہ سے بلا بھیجا اور اُن کو اپنا بادشاہ بناکر اُن کا لقب المتائید مقرر کردیا۔ رندہ

اور اُس کے اعمال، قریہ اور جزیرۃ الخضراء کے لوگوں نے اُن سے بیعت کرلی۔ اُنھوں نے اپنی فوج ابوالقاسم اسمٰعیل بن عباد، والد المعتضد بن عباد، سے لڑنے کے لئے بھیجی بہت سی لڑائیوں کے بعد وہ اُس کا سر اُن کے پاس لے آئے۔ آخر ۴۳۱ھ ہجری میں اُنھوں نے بھی انتقال کیا۔ اور لوگوں نے اُن کے بیٹے یحییٰ سے بیعت کرلی۔ لیکن ابھی اس کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ حسن المستنصر بن المعتلی سے بیعت کی۔ یحییٰ قمارش کی طرف بھاگ گئے اور ۴۳۴ھ ہجری میں انتقال کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ قتل کردیئے گئے۔ اودھر حسن المستنصر کو اُن کی چچیری بہن نے اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لئے زہر دیدیا۔ ادریس بن یحییٰ المعتلی مالقہ ہی میں بند پڑے تھے، اب لوگوں نے اُن کو بلا کر اُن سے بیعت کرلی۔ غرناطہ اور قرمونہ کے لوگ بھی اُن کے مطیع ہوگئے۔ عالی ان کا لقب مقرر ہوا۔ ایک شاعر نے ایک مشہور قصیدے میں ان کی تعریف کی ہے۔ اس قصیدے کا ایک شعر ہے۔

انظروا تقتبس من نورکم — انہ من نور رب العلمین

تو اُنھوں نے اپنے حاجب کو حکم دیا کہ پردے اُٹھا دیئے جائیں (خلفاے بنو عباسیہ کی رسم کے موافق یہ بھی پس پردہ بیٹھتے تھے) اور بے حجاب شاعر کے سامنے آگئے۔ اور اُس کو بہت سا انعام دیا۔

۴۳۸ھ ہجری میں عالی نے بھی خلع کرلیا۔ اور اُن کے چچیرے بھائی محمد بن ادریس بن علی بادشاہ ہوئے۔ اور مہدی اپنا لقب مقرر کیا۔ اُنھوں نے ۴۴۴ھ ہجری میں انتقال کیا۔

ان کے بعد لوگوں نے ادریس بن یحییٰ بن ادریس سے بیعت کی۔ اور ان کا لقب موفق مقرر ہوا۔ ابھی ان کے نام کا خطبہ نہیں پڑھا گیا تھا کہ العالی (ادریس)، جو خلع کرچکے تھے، اور قمارش میں مقیم تھے، فوج لے کر چڑھ دوڑے اور مالقہ پر قبضہ کرکے غلاموں پر اُس کی لوٹ معاف کردی۔ بہت سے لوگ یہاں سے بھاگ گئے

عالی سنہ ۴۴۶ھ یا سنہ ۴۴۵ھ ہجری میں انتقال کر گئے۔

اُن کے بعد محمد بن ادریس بلقب المستعلی تخت پر بیٹھے۔ ان پر سنہ ۴۴۹ھ ہجری میں بادلیس بن حیوس نے حملہ کیا اور مالقہ پر قابض ہو گئے۔ محمد نے خلع کر کے قریہ کا راستہ لیا۔ یہاں سے اُن کو اہل مغرب نے ملیلہ میں بلا لیا، اور سنہ ۴۵۶ھ ہجری میں اُن سے بیعت کر لی۔ مگر اُسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔

محمد بن قاسم بن حمود کو اُن کے والد نے سنہ ۴۱۴ھ ہجری میں قید کر دیا تھا۔ یہ بھاگ کر جزیرہ الخضرا میں آ گئے۔ اور یہاں بلقب معتصم سلطنت کرنے لگے۔ سنہ ۴۴۰ھ ہجری میں اُن انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد ان کا بیٹا قاسم بلقب واثق تخت پر بیٹھا اور سنہ ۴۵۰ھ میں انتقال کر گیا اور جزیرۃ الخضرا المعتضد بن عباد اور مالقہ ابن حیوس کے قبضہ میں چلا گیا اور دولت حمودیئن کا اندلس سے خاتمہ ہو گیا۔ یہ لوگ بھی خلافت کا دعویٰ کرتے رہے تھے۔

قرطبہ والوں نے سات ہی برس کے بعد حمودیئن کی اطاعت چھوڑ دی۔ القاسم بن حمود نے بربریوں کی فوج لے کر ان پر حملہ کیا۔ لیکن قرطبہ والوں نے ان کو شکست دیدی۔ پھر ان لوگوں نے مشورہ کر کے بنو امیہ میں سے کسی کو اپنا بادشاہ بنانا چاہا چنانچہ رمضان سنہ ۴۱۴ھ ہجری میں عبدالرحمٰن بن ہشام بن عبدالجبار، مہدی کے بھائی سے بیعت کر لی۔ اور اُن کا لقب المستظہر مقرر کیا۔ یہ بادشاہ شاعر تھا۔ اس کے بعض اشعار اب بھی محفوظ ہیں۔

حسن بن ابی عبیدہ ان کے وزیروں میں سے تھے۔ یہ بھی شاعر تھے۔

المستظہر ابھی دو ہی برس خلافت کر سکے تھے کہ محمد بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ ابن امیرالمومنین الناصر لدین اللہ نے ان پر خروج کیا۔ بہت سے لوگ اُن کے ساتھی ہو گئے اور المستظہر سے بغاوت کر دی۔ یہ بلقب المستکفی قرطبہ پر متمکن ہو گئے۔ ان کی بیٹی

ولادۃ مشہور شاعرہ ہے۔ ان کے حالات ہم آگے چل کر بیان کرینگے۔ عبدالرحمٰن کے والد کو منصور بن ابی عامر نے بجرم ادعاے خلافت قتل کرا دیا تھا سولہ ہی مہینے ان کو سلطنت کرنی نصیب ہوئی تھی کہ معتلی (یحییٰ بن علی بن حمود) ۴۱۶ھ میں آدھمکے اور اہل قرطبہ نے مستکفی سے خلع کر کے معتلی کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ مستکفی سرحد کی طرف بھاگ گیا۔ اور اسی بھاگ دوڑ میں انتقال کیا۔ اہل قرطبہ چین سے بیٹھنے والے کب تھے ۴۱۷ھ میں اُنھوں نے المعتلی سے بھی خلع کرلیا۔ وزیر ابو محمد جہور بن محمد بن جہور نے جو قرطبہ کے نمود کے لوگوں میں سے تھے ہشام بن محمد مرتضیٰ کے بھائی سے بعیت کرلی، جو ثغرلاردہ میں ابن ہود کے پاس رہتے تھے یہ واقعہ ۴۱۸ھ ہجری کا ہے۔ ان کا لقب المعتمد باللہ مقرر ہوا۔ یہ تین برس بحالت تردد سرحد پر مقیم رہے۔ اس عرصہ میں روساء طوایف کے درمیان سخت فتنہ وفساد برپا رہا۔ آخر اس پر رائے قائم ہوئی کہ دارالخلافہ قرطبہ ہی میں منتقل کرلیا جائے۔ ابن جہور اور اُن کی جماعت پیش پیش ہوئی اور ۴۲۰ھ میں قرطبہ پھر بارگاہ خلافت بن گیا۔ المعتمد باللہ یہاں آکر سستانے ہی پائے تھے کہ ۴۲۲ھ ہجری میں فوج نے اُن سے خلع کرلیا۔ یہ لاردہ کی طرف بھاگ گئے، اور وہیں ۴۲۸ھ ہجری میں انتقال کیا۔ ان کے بعد دولت بنوامیہ پردۂ دنیا سے محو ہوگئی اور خلافت مغرب میں رہ گئی۔ یہاں بربر، عرب اور موالی امرا و رؤساء کی بن آئی اندلس کے علاقوں کو تقسیم کرلیا، اور ایک دوسرے پر غالب ہوگئے۔ آخر میں کئی بادشاہوں نے سلطنتیں جمائیں، جن کی عظمت و اقتدار بہت بڑھ گئی اور یہ اس ترکیب سے کہ غداروں یعنی اہل روما، کو اُنھوں نے جزیہ دیا اور اپنے ملک کے بچانے کے واسطے اُن سے امدادیں لیں۔ چند روز اسی حالت میں گزرے تھے کہ بادشاہ عدوہ و مراکش امیر المسلمین یوسف ابن تاشفین لمتونی ماوراء البحر سے یہاں پہنچ گئے۔ اُن سب کو تخت سے اُتار دیا اور اپنے لئے رستہ صاف کرلیا۔

امیر المسلمین یوسف جب یہاں پہونچے ہیں تو ملوک طوائف میں سے سب سے زیادہ مشہور بنو عباد اشبیلیہ کے بادشاہ تھے۔ ان ہی میں معتمد بن عباد ہیں جو مغرب و مشرق میں مشہور و معروف ہیں۔ ان کا تذکرہ ذخائر و قلائد میں کافی و شافی ہے۔ قرطبہ میں بنو جہور بصورت وزارت غالب ہو رہے تھے۔ آخر معتمد بن عباد نے ان سے شہر چھڑا کر اپنے بیٹے کو وہاں مقرر کر دیا۔ ان سے لڑائی بھڑائی بھی بہت ہوتی رہی، مگر قرطبہ نہ چھوڑا۔ غرض اس طرح معتمد نے اپنے بیٹوں کو مختلف حصص ملک پر قابض کر دیا۔ غرب اندلس میں خود اُن کی شوکت و صولت بڑھ گئی، اور تمام ملوک طوائف، مثل ابن بادیس صاحب غرناطہ، ابن الافطس صاحب بطلیوس، ابن صمادح صاحب مریہ وغیرہ اُن کا لوہا مانتے تھے۔ اور اپنی سلامتی کے لئے اُن ہی سے مدد مانگتے تھے، اور وقت پڑے پر اُن ہی کے دست نگر رہتے تھے، اور اُن کو جزیہ دیتے تھے۔ اسی زمانہ میں یوسف بن تاشفین اندلس میں ظاہر ہوئے، جن کی سلطنت روز افزوں ترقی پر تھی۔ تمام اندلس کی اُمیدیں اُن ہی سے وابستہ ہو گئیں۔ وصول جزیہ میں عیسائی غداروں نے معتمد کو سخت تنگ کیا۔ ایک یہودی کو، جو اُن لوگوں کی طرف سے جزیہ وصول کرنے آیا تھا، ایک کلمہ بے ادبی کا نکال بیٹھا جس کی سزا میں معتمد نے اُس کو قتل کرا دیا جس کے پاداش میں دریا کی طرف سے معتمد پر حملہ ہوا۔ یوسف بن تاشفین کی مدد سے زلاقہ میں نصاریٰ سے مقابلہ ہوا جس میں نصاریٰ کو سخت ہزیمت ہوئی اور خدائے تعالیٰ نے اسلام کو نصرت عطا فرمائی۔ بعض مورخین نے تو یہ لکھا ہے کہ اس معرکہ میں تین لاکھ نصاریٰ کام آئے، اور ان میں سے بہت ہی کم بچ کر واپس گئے۔ معتمد نے یوسف بن تاشفین کو جزیرہ الخضرا اس شرط پر دیدیا کہ اس کے محاصل جب تک چاہیں وصول کرتے رہیں۔ اندلس کے فقہا نے یوسف بن تاشفین سے درخواست کی کہ ملک کے اوپر سے بعض محصولات اور ظلم رفع کئے جائیں۔ اُنھوں نے ملوک طوائف کو اس کے متعلق

لکھا تو اُنھوں نے بھی اس کو مان لیا۔ مگر جیسے ہی وہ اپنے ملک کو واپس گئے یہاں پھر وہی کیفیت ہوگئی جو پہلے تھی۔ آخر پھر اُنھوں نے اپنی فوج کو نقل وحرکت دی اور سب سے خلع کراکر قرطبہ، اشبیلیہ، بطلیوس، غرناطہ پر مستولی ہوگئے۔ معتمد بن عباد کو جو اندلس کے سب سے بڑے بادشاہ تھے، بہت سی لڑائیوں کے بعد یوسف بن تاشفین نے قید کرکے ۴۸۴ھ ہجری میں اغمات واقع نواح مراکش میں بھیجدیا۔ اسی قید میں اُنھوں نے ۴۸۸ھ میں جان دی۔

ان معتمد بن عباد کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔ خاص کر ایک جو اُن کی بیوی کے گزرا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اُن کی بیوی رمیکیہ نامی نے (جن کا خطاب اعتماد تھا) ایک دن اشبیلیہ میں دیکھا کہ گاؤں کی عورتیں مشکوں میں بھر کر دودھ بیچنے آتی ہیں یہ عورتیں جب بازار سے واپس ہوتی ہیں تو مٹی، کیچڑ میں لتھڑی ہوتی ہیں۔ اعتماد نے معتمد سے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی اپنی لونڈیوں کو لے کر ان ہی عورتوں کی طرح سے کروں۔ معتمد نے حکم دیا کہ عنبر، مشک، کافور اور عرق گلاب میں ملاکر کیچڑ جیسی بنالی جائے، اور تمام قصر میں پھیلا دی جائے۔ ریشم کے باریک کپڑے کی مشک بنائی جائے اور اُس میں ریشم ہی کی ڈوریاں ڈالی جائیں۔ جب یہ تیاریاں ہوچکیں تو اعتماد اور اس کی لونڈیاں نکلیں اور اس کیچڑ کو خوب روندا۔ کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں معتمد قید تھے اُن کے اور اعتماد کے درمیان میں کچھ شکر رنجی ہوگئی، جیسا کہ اکثر زوجین کے درمیان ہوجایا کرتی ہے، اس شکر رنجی کے درمیان میں اعتماد نے کہا کہ "واللہ جب سے میں تمھاری گھر آئی ہوں میں نے تم سے کوئی بھلائی نہیں دیکھی"، معتمد نے جواب دیا کہ "نہ کیچڑ کا دن دیکھا" (معتمد کا اشارہ اُس کیچڑ کی طرف تھا جس کے بنوانے میں اتنا مال خرچ ہوا تھا جس کا علم خدا ہی کو ہے) یہ سُن کر اعتماد شرماکر چپ ہوگئی معتمد کے بعد اُن کے بعض ممالک پر بنو زرین، صاحب سہلہ، اور بنو الفہری

صاحب بونت، قابض ہوئے لیکن آخر میں یوسف بن تاشفین اُن پر بھی غالب آگئے
ملوک طوائف میں ایک بڑے بادشاہ بنو ذوالنون۔ طلیطلہ میں حکومت کرتے تھے
ان کی سلطنت بھی بڑی تھی۔ اور ترفہ و شرف میں بہت ترقی کئے ہوئے تھے۔ اس
خاندان کے بعض جشن مشہور ہیں۔ جو جشن ذوالنونی کہلاتے ہیں اور اہل مغرب میں
ضرب المثل بن گئے ہیں۔ مشرق میں جو شہرت جشن بوران کو ہے ویسی ہی مغرب میں
جشن ذوالنونی کی ہے۔ مامون اسی خاندان بنو ذوالنون سے تھے ان ہی کے جشن
مشہور ہیں ملوک طوائف میں یہ بڑے صاحب صولت تھے۔ ان کے اور غدار
رومیوں کے درمیان میں مشہور معرکے ہوئے تھے۔ معتمد کے بیٹے ابوعمر کو قتل کرکے
یہ قرطبہ پر بھی غالب ہو چکے تھے۔ بلنسیہ کو انھوں نے ابن عامر کی اولاد سے چھڑا لیا تھا۔
مامون کے پوتے قادر بن ذوالنون کے زمانہ میں، جب خاندانِ خلافت سے مطلع
صاف ہوگیا تو غدار ابن ادفونش نے خوب ترقی کرلی تھی۔ اور ابن ذوالنون کو تنگ
کرکے طلیطلہ اُن کے ہاتھ سے نکال لیا تھا۔ یہ واقعہ جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں ۴۷۸ھ ہجری کا
ہے۔ طلیطلہ اس شرط پر خالی کیا گیا تھا کہ ابن ادفونش اہلِ بلنسیہ کے خلاف اُن کی مدد کرے گا
ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر ابن ادفونش نے عامریین، مثل خیران و
زہیر وغیرہ پر ہاتھ صاف کیا۔ اس کا قصہ بہت طویل ہے۔
ملوک طوائف میں سے ایک خاندان بنو ہود بادشاہان سرقسطہ کا ہے۔ ان میں سے
مقتدر باللہ اور اُن کے بیٹے، یوسف المؤتمن بہت مشہور ہیں۔ مؤتمن کو علوم ریاضیات
میں خوب دخل تھا۔ استکمال اور المناظر اُن کی تصنیفیں مشہور ہیں۔
مؤتمن کے بعد اُن کا بیٹا، المستعین احمد تخت پر بیٹھا۔ طلیطلہ انھوں نے لے لیا
تھا۔ ان ہی کے ہاتھوں دشقہ کا معرکہ ہوا تھا۔ جس میں ۴۸۵ھ میں وہ ہزاروں مسلمانوں
کو لے کر وشقہ کو غدار رومیوں کے ہاتھ سے بچانے کے لئے گئے تھے۔ اگرچہ غدار

رومیوں کو ہزیمت ہوئی لیکن دس ہزار مسلمان اس واقعہ میں کام آئے۔ اور یہ بھی ۵۰۳ھ ہجری میں سرقسطہ کے باہر ان ہی غداروں کے معرکہ میں شہید ہوگئے۔ ان کے بعد ان کا بیٹا عبدالملک عماد الدولہ تخت پر بیٹھا۔ مگر ان کو ۵۱۲ھ میں اسی غدار نے سرقسطہ سے نکال دیا۔ ان کے بعد ان کا بیٹا سیف الدولہ تخت پر بیٹھا۔ ان کے بھی خوب معرکے اسی غدار رومی سے رہے۔ مگر آخر دونوں کا اتفاق ہوگیا، اور اپنے خدم وحشم کے ساتھ وہ طلیطلہ منتقل ہو آئے۔ اس شہر میں ان کا حمام مشہور عمارت ہے۔

ملوک بنوالافطس، شاہان بطلیوس میں، مظفر زیادہ مشہور ہیں۔ ان کی ایک تصنیف موسومہ مظفری مشہور ہے جس کے پچاس جلدیں تھیں۔ اس خاندان کے دوسرے مشہور بادشاہ متوکل ہیں، جو یوسف بن تاشفین کی فوج کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے ان کی ذات سے ملوک طوائف کا خاتمہ ہوگیا، اور ان کے عمال اور اولاد پریشان پھرتی رہی۔ یہاں تک کہ ان کی ہوا اکھڑ گئی اور موحدین یعنی عبدالمومن بن علی اور ان کی اولاد کا دور دورہ ہوگیا۔ ان لوگوں نے بہت سی لڑائیوں کے بعد ان کے ملک پر قبضہ کرلیا۔ اور اکثر قلعات پر قابض ہوگئے۔ اور شرق اندلس میں مرد نیش کی اولاد قابض ہوگئی۔

ان تمام واقعات کا خلاصہ یہ ہے کہ اندلس کا بڑا حصہ، بعد از انتزاع ملوک طوائف، مجموعاً خاندان لمتونہ کے قبضہ میں آگیا۔ جب خاندان لمتونہ موحدین کی جنگ میں مصروف ہوگئے تو اندلس میں پھر اضطراب پیدا ہوگیا، اور کچھ حصہ میں تفرقہ پیدا ہوگئی۔ مگر آخر میں اکثر حصہ لڑائیوں کے بعد عبدالمومن اور ان کی اولاد کے لئے خالی ہوگیا۔ یہ لڑائیاں عبدالمومن اور ابن مرد نیش اور اس کے سپہ سالار ہمشک کے درمیان غرناطہ کے میدان میں ہوئی تھی۔ ابن مرد نیش نے موحدین کے خلاف نصاریٰ سے مدد لی تھی۔ عبدالمومن نے ان سب کو ہزیمت دی۔ جس میں مقتولین کی تعداد بہت زیادہ

تھی آخر ۵۵۷ھ ہجری میں غرناطہ ابن مردنیش کے ہاتھ سے نکل گیا۔

عبد المومن کے بعد یوسف تخت پر بیٹھا۔ انھوں نے بھی اندلس سے جزیہ لیا۔ جہاد میں ان کے بھی بہت سے معرکے یادگار ہیں۔

یوسف کے بعد ان کا بیٹا یعقوب المنصور تخت پر بیٹھا اور دنیا میں اپنا غلغلہ ڈال دیا۔ نصاریٰ کے ساتھ ان کے بہت سے معرکے ہوئے۔ ان میں سب سے بڑا وہ معرکہ ہے جو ۵۹۱ھ ہجری میں غزوہ ارک کے نام سے مشہور ہے۔ ارک نوحی بطلیوس میں واقع ہے۔ اس معرکہ نے واقع زلاقہ کو گرد کر دیا۔ اس میں مسلمانوں کو مال غنیمت بہت ہاتھ آیا۔ عیسائی مقتولین کی تعداد ایک لاکھ چھیالیس ہزار بتلائی جاتی ہے، اور قیدیوں کی تیس ہزار۔ اس لڑائی میں ڈیڑھ لاکھ خیمہ، اسی ہزار گھوڑے ایک لاکھ خچر، چار لاکھ گدھے شامل تھے۔ کفار خچروں اور گدھوں ہی پر خیمے وغیرہ لاد کر لائے تھے، کیوں کہ اُن کے یہاں اونٹ نہیں ہوتے۔ جواہر و دیگر اموال کی تو کچھ حد ہی نہ تھی۔ ایک ایک قیدی ایک ایک درم میں، تلوار نصف درم میں، گھوڑے پانچ درم میں اور خچر ایک درم میں فروخت ہوئے۔ یعقوب المنصور نے مال غنیمت شرع شریف کے موافق تقسیم کیا۔ الفنش بادشاہ نصاریٰ بہت بُرے حال میں طلیطلہ کی طرف بھاگ گیا۔ یہاں پہنچ کر اُس نے اپنا سر اور داڑھی منڈوا ڈالی، صلیب توڑ ڈالی اور یہ عہد کیا کہ نہ فرش پر سوئے گا، نہ عورت کے پاس جائے گا، نہ گھوڑے یا کسی اور جانور پر سوار ہوگا، تاوقتیکہ مسلمانوں سے انتقام نہ لے لے۔ اس کے لئے اس نے جزائر اور بلاد بعیدہ سے فوج جمع کی۔ یعقوب نے اُس کا مقابلہ کیا، پھر شکست دی اور طلیطلہ تک پیچھا کیا۔ یہاں پہنچ کر وہ قلعہ بند ہو گیا۔ یعقوب نے اُس کا محاصرہ کر لیا منجنیق سے شہر پر پتھر پھینکے، اور بہت تنگ کیا۔ اور آخر طلیطلہ فتح کر کے چھوڑا۔ الفونش کی ماں اور بیٹیاں اور عورتیں یعقوب کے پاس آ کر رونے لگیں، اور

اُن سے یہ درخواست کی کہ شہر اُن کے واسطے چھوڑ دیا جائے۔ یعقوب کو اُن پر رحم آگیا، اُن پر احسان کیا، اور بہت سے اموال و جواہرات اُن کو عطا کیے، اور عزت کے ساتھ اُن کو واپس کر دیا۔ باوجودیکہ اُن کو قدرت تھی مگر اُنھوں نے عفو سے کام لیا اور قرطبہ واپس چلے آئے۔ مال غنیمت تقسیم کرنے کے لئے ایک ماہ اُنھوں نے یہاں قیام کیا پھر الفنش کے ایلچی طلب صلح کے لئے اُن کے خدمت میں حاضر ہوئے، چنانچہ صلح ہوگئی۔ اس کے بعد امن کامل رہا۔ اُن کے زمانۂ امن کے متعلق ایک شاعر نے ایک قصیدہ لکھا ہے جو اب تک محفوظ ہے۔

جب اہل افرنج نے بلاد مقدسہ پر فوج کشی کی تو سلطان صلاح الدین بن ایوب نے یعقوب المنصور سے مدد لینے کے لئے شمس الدین بن منقذ کے ہاتھ اُن کے نام ایک خط بھیجا تھا۔ مگر اس خط میں ان کو امیر المومنین کے ساتھ خطاب نہیں کیا تھا اس لئے اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ واقعہ ۵۸۶ھ کا ہے۔

شمس الدین ابن منقذ نے یعقوب المنصور کی مدح میں ایک مشہور قصیدہ پیش کیا اس کے چالیس شعر ہیں، اس کے انعام میں اُن کو فی شعر ایک ہزار دینار دیئے گئے۔ اور یعقوب نے اُن سے کہا کہ ہم یہ عطیہ تمھاری فضیلت اور اشعار کی قدر میں دیتے ہیں۔

جو خط سلطان صلاح الدین نے لکھا تھا اُس کا عنوان تھا "بنام امیر المسلمین" اور خط ان الفاظ سے شروع ہوتا تھا۔ "الفقیر الی اللہ تعالیٰ یوسف بن ایوب" یہ خط نہایت فصیح و بلیغ عبارت میں طول طویل تھا۔ اور اس میں درخواست تھی کہ یعقوب المنصور، وراء بحر سے آکر، اہل افرنج کے خلاف اُن کی مدد کریں۔ کیوں کہ یہ لوگ پہلے ہی اُن کا لوہا مان چکے ہیں۔ ابن منقذ اس سفارت سے، ۵۸۶ ہجری میں، بے نیل مرام واپس آگئے تھے۔ جو ہدیات اُن کے ہاتھ بھیجے گئے تھے وہ بھی حقیر تھے۔ لیکن ابن منقذ نے اتنا انعام پایا کہ وہ بے نیاز ہوگئے۔ یہ انعامات سلطان صلاح الدین کے لحاظ سے اُن کو نہیں ملے

تھے، بلکہ اُن کی فضیلت اور اشعار کے بدلے میں جیساکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ باقی یعقوب المنصور نے جو سلطان صلاح الدین کو مدد نہیں دی اس کی صرف وجہ یہ تھی کہ اُن کا القاب کما حقہ نہیں لکھا گیا تھا۔

غرض۔ جب موحدین کا اندلس پر اچھی طرح دخل ہوگیا تو انھوں نے اپنے عزیزو قریب کو عاملین بنایا۔ یہ لوگ "سادة" یعنی سردار کہلاتے تھے۔ اس خاندان کے معرکے مشہور ہیں۔ جیساکہ ہم بیان کر آئے ہیں یعقوب المنصور نے ارک کے قریب ابن اد فونش بادشاہ جلالقہ کو شکست فاش دی تھی۔ ان کا بیٹا الناصر جو اُن کے بعد بادشاہ ہوا، ملک مغرب سے دریا کی راہ ۶۰۹ھ ہجری میں بے تعداد فوج لے کر پہنچا۔ بعض ثقہ مورخین مغرب نے تو لکھا ہے کہ اس کے تعداد چھ لاکھ تھی؛ جس میں ملک مغرب اور ملک اندلس کے سپاہی شامل ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے ایک مقام معروف بہ عقاب پر مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالا اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔

ملک مغرب و اندلس کے ضعف کی یہ وجہ ہے کہ ملک مغرب کے شہروں میں بخیل بہت ہیں۔ اور اندلس کو دشمنوں کے مقابلوں نے تنگ کر دیا۔ کیونکہ جب موحدین کو الناصر ابن منصور کے بعد ضعف آیا تو ہر ایک "سادة" ایک ایک علاقہ دبا بیٹھا۔ اُدھر اُن کے ملک مراکش میں پہلے ہی ضعف آ چکا تھا۔ ایک نے دوسرے کے مقابلہ کے لئے غدار رومیوں سے مدد لی اور اس کے بدلے میں مسلمانوں کے قلعے اُن کے ہاتھ میں چلے گئے۔ اندلس کے بڑے بڑے آدمی، اور اہل عرب کی جو اولاد دولت امویہ کے زمانہ سے چلی آ رہی تھی، اُن کو نکال دیا گیا۔ مگر پھر محمد ابن یوسف بن ہود الجذامی اندلس میں بدلہ لینے کے لئے آ نکلے اور ابن مردنیش وغیرہ سے مقابلے ہوئے۔

ابن خلدون کہتے ہیں کہ پھر علی ابن ہود نے دولت عرب کے بعد خروج کیا ان کے نسب میں سے محمد بن یوسف بن نصر المعروف بابن احمر تھے۔ یہ محمد شیخ سے ملقب ہیں

ان کی اولاد میں سے بہت سے لوگ بادشاہ ہوئے۔

ابن ہود، خلیفہ عباسی بغدادی کا خطبہ پڑھواتے رہے۔ ابن ہود اور اُن کی اولاد سے بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ آخری بادشاہ الواثق بن المتوکل تھے۔ الفنش اور شلونی کو بہت تنگ کیا۔ آخر اس نے ابن احمر کی اطاعت کے واسطے پیغام بھیجا۔ یہاں سے ابن اشقیلولہ بھیجے گئے اور مرسیہ پر قبضہ لے کر ابن الاحمر کا خطبہ پڑھا گیا۔ جب وہ وہاں سے واپس آ رہے تھے تو نصاریٰ نے اُن پر حملہ کر دیا۔ پھر واثق تیسری مرتبہ مرسیہ پر قابض ہوئے آخر ۶۶۵ھ ہجری میں دشمنوں نے خالی کرا کر اس کے بدلہ میں ایک قلعہ لیبر نامی دیدیا جو اسی علاقہ میں تھا۔ ابن الاحمر مرتے وقت تک یہیں رہے اور دولت ابن ہود کا خاتمہ ہوگیا۔ خدائے تعالےٰ ہی زمین کا اور جو کچھ اُس پر ہے، سب کا وارث ہے۔

اب ہم اولاد بنو الاحمر کی سلطنتوں کا ذکر کرتے ہیں، کیوں کہ وزیر لسان الدین انہی میں سے ایک کے وزیر تھے، اور یہی لوگ اندلس کے آخری بادشاہ تھے، اور ان ہی کے زمانہ میں نصاریٰ نے تمام ملک ان سے چھین کر اپنے قبضے میں کر لیا، جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریںگے۔

کہتے ہیں کہ اُن کی اصل ارجونہ سے ہے جو قرطبہ کے قریب چند قلعے ہیں۔ ان کے بزرگ فوجی تھے اور بنو نصر کہلاتے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب سعد بن عبادہ سردار قوم خزرج پر ختم ہوتا ہے۔ دولت موحدین میں ان کا ایک سربرآوردہ آدمی نصر بن یوسف بن نصر تھا اور شیخ کہلاتا تھا جس نواح میں وہ رہتا تھا وہاں وہ مغز سمجھا جاتا تھا۔ جب موحدین کی اندلس میں ہوا اُکھڑ گئی، دشمنوں نے نرغہ کیا، "سادۃ" نے اپنے قلعے رومیوں کو دیدیئے، اور محمد بن یوسف بن ہود عباسیوں کی طرف سے مرسیہ پر قابض ہو کر تمام شرق اندلس پر غالب ہوگئے، تو یہی شیخ متصدی امور ہوئے، اور ۶۲۹ھ میں۔ ابو زکریا صاحب افریقیہ کے واسطے اُنھوں نے اپنی بیعت لی۔ ۶۳۰ھ ہجری میں

جیان اور شریش نے اُن کی اطاعت کرلی۔ اُن کے قرابت داروں میں سے بنو نصر، اور اُن کے اصہار، بنو اشقیلولہ نے اُن کی مدد کی۔ پھر ۶۳۱ھ ہجری میں، جب خلیفہ کا خطاب بغداد سے حاصل ہوگیا، تو ابن ہود کی بیعت کی گئی۔ جب ابن ہود اشبیلیہ سے قرسیہ سے آرہے تھے تو ابو مروان الباجی نے حملہ کردیا، لیکن محمد احمر نے بیچ میں پڑ کر اس شرط پر صلح کرادی کہ ابن ہود اپنی بیٹی کا ابو مروان سے نکاح کردیں۔ اس کے بعد ۶۳۲ھ ہجری میں اشبیلیہ میں داخل ہوگئے۔ پھر ابن ہود نے ابن الباجی سے دغا کی اور اُن کو قتل کردیا۔ اور طمع نے ابن اشقیلولہ پر بھی دست درازی کرائی۔ پھر اہل اشبیلیہ نے ایک مہینہ کے بعد ابن ہود کی بیعت سے رجوع کیا۔ اور ابن الاحمر نے خروج کیا اور ۶۳۵ھ ہجری میں، جب ابن ابی خالد نے غرناطہ پر حملہ کیا تو، یہاں کے لوگوں نے اُن سے بیعت کرلی۔ اس وقت ابن الاحمر جیان میں تھے۔ علی بن اشقیلولہ اُن کے پاس گئے اور اُن کے پیچھے پیچھے یہ بھی چلے آئے اور وہیں مقیم ہوگئے۔ اور وہاں اپنے رہنے کے لئے قلعہ حمرا بنایا۔ پھر وہ مالقہ پر بھی غالب ہوگئے اور مریہ کو ابن الرمیمی، وزیر ابن ہود، کے ہاتھ سے ۶۴۳ھ ہجری میں ایک جنگ کے بعد چھڑا لیا۔ ۶۶۳ھ ہجری میں اہل لورقہ نے بھی اُن سے بیعت کرلی۔

ابن احمر نے شروع شروع میں رومیوں سے مدد لی تھی، نیز ابن ہود نے تیس قلعے رومیوں کو اس شرط پر دیئے تھے کہ ابن احمر اور بادشاہ قرطبہ سے اُس کو محفوظ رکھے۔ پھر رومی ۶۳۳ھ ہجری میں قرطبہ پر بھی غالب ہوگئے۔ ۶۴۶ھ میں رومی بادشاہ اشبیلیہ پہونچا، ابن الاحمر اُس کے ساتھ ساتھ تھے۔ یہاں وہ از روئے صلح داخل ہوا، اور اُس کے نواح پر بھی قابض ہوگیا۔ پھر مرسیہ پر ۶۶۵ھ میں قابض ہوا۔ غرض اس طرح رفتہ رفتہ رومی بادشاہ نے مسلمانوں کے علاقوں کی قطع برید کرلی۔ یہاں تک کہ مسلمان مغرب کی طرف سیف البحر میں رندہ سے لے کر شرق اندلس تک، قریب دس منزلوں کے محدود رہ گئے۔ پھر ابن الاحمر کو کچھ غصہ آگیا اور اُس نے یہ طمع کی کہ میں تمام جزیرہ پر قابض

ہوجائیں۔ لیکن رومیوں نے یہ نہ ہونے دیا۔ اُدھر اندلس میں بنو مرین وغیرہ کی فوجیں پہونچنے لگیں۔ بادشاہ ملک مغرب یعقوب بن عبدالحق نے قریب دس ہزار فوج کے ۶۶۱ھ میں بھیجی یہاں ابن الاحمر نے اس کا مقابلہ کیا۔ اس مرتبہ تو وہ فوجیں لوٹ گئیں لیکن پھر ان مہموں کا سلسلہ برابر قائم رہا۔ یہاں تک کہ ۶۷۱ھ ہجری میں ابن الاحمر کا انتقال ہوگیا اور اُن کا بیٹا محمد الفقیہ تخت پر بیٹھا۔ ابن الاحمر وصیت کر مرے تھے کہ بنو مرین سے مدد لی جائے چنانچہ اسی بنا پر الفقیہ نے یعقوب بن عبدالحق، سلطان فاس ومغرب سے، ۶۷۲ھ ہجری میں مدد مانگی۔ یعقوب نے اپنے بیٹے کو اپنی فوج دے کر بھیجا۔ الفقیہ خود بھی مہم پر گیا اور جزیرۃ الخضرا دشمن سے چھڑوالیا۔ اور ان دونوں نے مل کر نصرانیوں کے سپہ سالار کو شکست دے دی۔ اُس کی جماعت متفرق ہوگئی اور ہر طرف جنگ چھڑ گئی۔ الفقیہ نے اپنی فوجیں نصرانیوں کے ملک میں بھیجیں لیکن آخر اس کو خود اپنے ملک کا ڈر پڑ گیا۔ اور اُس نے رومی سے صلح کر لی اور واپس چلا آیا۔ انتہیٰ کلام ابن خلدون ملخصاً۔

غرض ابن احمر کی اولاد اندلس پر باقی رہ گئی اور وہ تمام اُن علاقوں پر، جو مسلمانوں کے قبضے میں تھے، مثل جزیرہ، طریف اور رندہ کے، جو بنی مرین کے ہاتھ میں تھے، مستولی ہوگئے۔ آخر ۷۱۹ھ ہجری میں تمام ملوک نصاریٰ نے متفق ہوکر غرناطہ کو فتح کرلینے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ دون بطرہ نے ایک بے تعداد فوج، بسرکردگی پچیس بادشاہوں کے، لے کر حملہ کیا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ اہل افرنجہ تمام ایک جگہ جمع ہوئے اُن میں دون بطرہ طلیطلہ گیا۔ اور بادشاہ الباب کے قدموں میں گر کر رویا۔ اور اُس سے باقی مسلمانوں کے استیصال کی درخواست کی مسلمانوں کو جب اس کی اطلاع پہونچی تو انھوں نے متفق ہوکر مرینی ابوسعید بادشاہ فاس سے مدد مانگی اور اُن کے پاس ایلچی کے ہاتھ خطوط بھیجے۔ مگر انھوں نے یہ درخواست منظور کی

کی۔ آخر مسلمان ایک بڑے میدان میں نکلے؛ اور نہایت خلوص نیت کے ساتھ خدائے تعالیٰ
سے دعائے نصرت مانگی۔ اور جب نصرانیوں کی فوج بڑھی تو اُس ذات پاک نے مسلمانوں
کی نصرت کی، جس کی سوائے اور کوئی نصرت کرنے والا نہیں ہے، اور نصرانیوں کو سخت
شکست ہوئی۔ غدار۔ دون بطرہ اور اُس کے ساتھی مارے گئے۔ یہ فتح نہایت عزیز
فتح تھی۔ اور یہ دن نہایت مشہور اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے
بادشاہ الغالب بامد ابوالولید اسمٰعیل بن الرئیس ابوسعید فرج بن نصر المعروف بہ ابن الاحمر تھے
اس فتح کے بعد اُنھوں نے ارادہ کیا کہ تمام شہروں اور علاقوں کو مضبوط کرلیں۔ جب
نصاریٰ کو اس کی خبر پہونچی تو اُنھوں نے جزیرہ الخضرا کے چھین لینے کا ارادہ کیا۔
سلطان نے اُن کے مقابلہ کے لئے جہاز اور فوج تیار کرلی۔ عیسائی یہ دیکھ کر پھر طلیطلہ
پہونچے اور مسلمانوں اور اُن کے ملک کے استیصال کے لئے بہت بڑی تیاریاں کیں اور
بہت سا سامانِ جنگ، منجنیق، اور آلات حصار و رسد رسانی جہازوں پر بار کرکے
غرناطہ کی طرف بڑھے۔ تمام زمین اُن سے بھر گئی۔ سلطان نے اس مرتبہ شیخ الغزاہ شیخ
العالم ابوسعید عثمان بن ابوالعلا مرینی سے درخواست کی کہ دشمنوں کے مقابلہ اور
مسلمانوں کی مدد کے لئے نکلیں۔ چنانچہ پنجشنبہ ۲۰ ربیع الاول ۷۱۹ھ کو یہ بھی نکلے
شنبہ کی رات کو عیسائیوں کی چھوٹی سی فوج نے مسلمانوں کی چھوٹی سی فوج پر حملہ کیا
مسلمانوں نے ان کی خوب خبر لی اور اُن کو بھگا دیا۔ صبح تک مسلمانوں نے ان کا تعاقب
کرکے بالکل اُن کا استیصال کردیا۔ یہ پہلی نصرت آئی تھی۔ شنبہ کے دن شیخ ابوسعید
دشمنوں کے مقابلے کے لئے پانچ ہزار جنگ آزمودہ مشہور سپاہی لے کر سوار ہوئے
ان کو دیکھ کر عیسائیوں کو تعجب ہوا کہ اتنی بڑی جمعیت کے مقابلے میں اتنی تھوڑی
سی جمعیت! عیسائیوں نے اپنی تمام فوج لے کر حملہ کیا، مگر اُن کو نہایت قبیح
شکست ہوئی۔ مسلمانوں نے تلواریں لے کر ان کا تعاقب کیا، اور تین روز تک ان کو

قتل وقید کرتے رہے۔ اہل غرناطہ ان کا مال جمع کرنے اور قیدی لینے کے لئے نکلے۔
کہتے ہیں کہ ۳۴ قنطار سونا، ۱۴۰ قنطار چاندی، سات ہزار قیدی، غرناطہ والوں
کے ہاتھ آئے۔ یہ تعداد اُن خطوط سے لی گئی ہے جو اہل غرناطہ نے اپنے مصری دوستوں
کو اطلاعاً لکھے تھے۔ من جملہ قیدیوں کے غدار بادشاہ رومی کی بیوی اور بچے بھی تھے
اس نے اُن کے بدلے شہر میں طریف، جبل الفتح اور اٹھارہ قلعے مسلمانوں کو دینے
چاہے۔ مگر انھوں نے قبول نہیں کئے۔ اس معرکہ میں پچاس ہزار سے زیادہ آدمی
قتل ہوئے۔ اور اتنے ہی آدمی وادیوں میں مر گئے کیوں کہ ان لوگوں کو راستہ
معلوم نہیں تھا جو لوگ کہ پہاڑوں اور دروں میں مرے وہ بے تعداد تھے۔ اس
معرکہ میں پچیس بادشاہ آئے تھے وہ بھی سب قتل ہوگئے۔ قیدی، اسباب اور
جانور چھ مہینے تک فروخت ہوتے رہے۔ اس فتح عظیم کی خوشخبریاں تمام ممالک اسلام
میں دی گئیں۔ سخت تعجب کی بات یہ ہے کہ اتنے بڑے معرکہ میں مسلمانوں کے کل ۱۳ سوا
اور بقول بعض صرف بیس آدمی کام آئے۔ کہتے ہیں کہ لشکر اسلام میں ڈیڑھ ہزار
سوار اور چار ہزار پیادہ شامل تھے۔ بعض اس سے کچھ زیادہ بتلاتے ہیں۔ مال غنیمت
ایسا اچھا تھا کہ جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ دون بطرہ کی کھال کھینچ کر اُس میں روئی
بھری گئی اور غرناطہ کے دروازہ پر لٹکا دی گئی۔ دو برس کامل یہ کھال لٹکتی رہی
نصاریٰ نے امان وصلح مانگی جو اس شرط پر منظور ہوئی کہ جبل الفتح یعنی جبل طارق،
جو کچھ اعمال فاس میں تھا اُن کے پاس رہے۔ آخر امیر المسلمین ابوالحسن مرینی، صاحب
فاس و مغرب نے بہت سا مال اور جانیں ضائع کر کے، اپنے بیٹے اور فوج اور خواص کو
بھیج کر، اور عیسائیوں کو سخت تنگ کر کے مسلمانوں کے لئے یہ مقام واپس لے لیا۔
اور اس کو مضبوط کرنے، قلعے درست کرنے، فصیل، برج، مورچے، و جامع مسجد
بنانے میں بہت مال خرچ کیا اور جب یہ کام ختم ہونے کے قریب ہوا تو دشمنوں نے

دریا اور خشکی کے راہ سے اس پر حملہ کیا۔ مگر خدائے تعالیٰ نے کافروں کی کوشش بے کار کر دی۔ اس پر سلطان نے یہ ارادہ کیا کہ تمام پائینِ کوہ کو ایک دیوار سے ہر طرف سے محیط کر دے تاکہ دشمن اس مقام کی طمع ہی نہ کر سکے اور بوجہ تنگی راہ کے محاصرہ کے وقت کوئی راستہ ہی نہ پا سکے۔ مگر لوگوں نے دیکھا کہ ایسا کرنا سخت محال ہے۔ آخر یہ احاطہ بصورت ہلال بنا لیا گیا۔ یہ پہاڑ دشمنوں کے ہاتھ بیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک رہا۔ سلطان ابوالحسن نے اس کو چھ ماہ محاصرہ کئے رکھا اور اُن کے بیٹے سلطان ابو عنان نے اس کی مضبوطی میں اور بھی کچھ زیادتی کی۔

سلطان ابوالحسن مذکور اندلس گئے اور ابن الاحمر اُن کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان دونوں نے مل کر غداران روم کو طریف میں شکست فاش دی اور جزیرۃ الخضرا پر قابض ہو گئے۔ خدائے تعالیٰ نے بنو الاحمر کو غنی باللہ محمد جیسا آدمی عطا فرما دیا، جس کے وزیر لسان الدین بن الخطیب تھے۔ اُنھوں نے نہ صرف جزیرۃ الخضرا بلکہ جیان وغیرہ کو پھر واپس لے لیا۔ اُنھوں نے جہاد میں بڑے بڑے کار نمایاں دکھلائے۔ ان کے ملک نے خوب ترقی کی یہاں تک کہ اُنھوں نے دولت سلاطین فاس کا ماوراء البحر اور جبل الفتح سے بالکل خاتمہ کر دیا۔ اور خدائے تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں اسلام کی بڑی مدد کی جیسا کہ تم کو لسان الدین کے بعض مضامین سے، جو اس کتاب میں موقع بموقع درج ہیں معلوم ہوگا۔

غنی باللہ کو خدائے تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی اور اُن کی اولاد اندلس پر اُس وقت تک قابض رہی کہ کافر دشمن نے دار الخلافہ غرناطہ پر قبضہ نہ کر لیا (خدائے تعالیٰ پھر اس کو مسلمانوں کے قبضے میں لے آئے) ہم انشاء اللہ اس کا قصہ آگے چل کر بیان کرینگے۔ مختصر یہ ہے کہ جزیرہ اندلس مسلمانوں سے خالی ہو گیا اور جیسا کہ قضاء الٰہی میں مقدر ہو چکا تھا نور تار یکی سے بدل گیا۔ زمین اور اُس پر جو کچھ ہے سب کا وارث

خدائے تعالیٰ ہی اور وہی خیر الوارثین ہے۔

ابن خلدون کہتے ہیں کہ بنو الاحمر سلاطین غرناطہ کا اس پر اتفاق رائے ہوا کہ مشیخۃ الغزاۃ (سپہ سالاری) بنی مرین سلاطین مغرب کے اقارب میں رہے، کیوں کہ یہی وہ خاندان ہے جو اُس وقت اندلس پر قابض ہوا تھا کہ جب اُن کے چچیرے بھائی ملک مغرب پر مستولی ہو گئے تھے، اور اُن کے درمیان میں مناقشہ ہو رہے تھے۔ جہاد میں ان کے معرکے مشہور ہیں۔ چنانچہ شیخ الغزاۃ عثمان بن ابوالعلا کی قبر پر جو (حسب ذیل) عبارت کندہ ہے وہ اس کی کافی دلیل ہے:۔

"بحمد اللہ تعالیٰ۔ یہ قبر ہے شیخ الحماۃ وصدر الابطال والکماۃ کی، جو جلالت میں یکتا ہیں، جو بہادری میں شیر کے جیسے قدم رکھتے ہیں، مشہور لوگوں کے عَلَم ہیں، جو حامی اسلام ہیں، جن کی نصرت و فتح مشہور ہے، اور مغازی مسطور ہے۔ امام صفوف ہیں تلواروں کے سایہ میں جنت میں قائم ہیں۔ جہاد کی تلوار ہیں۔ دشمن کے بھگانے والے شیروں کے شیر۔ عالی ہمم ثابت قدم۔ مجاہد الہمام۔ بہادر سپاہی مقدس المرحوم ابوسعید عثمان ابن شیخ الجلیل الکبیر الاصیل الشہیر المقدس المرحوم ابوالعلا ادریس بن عبداللہ بن عبدالحق۔ ان کی عمر ۸۰ سال کی ہوئی۔ انھوں نے اپنے آپ کو فی سبیل اللہ وقف کر رکھا تھا ۷۳۲ غزوات میں شریک ہوئے اُنھوں نے اپنی عمر طاعت رب اور مجاہدہ میں گزار دی۔ حرب کے معاملوں میں سند تھے۔ جہاد میں کفار کے ارادوں کو توڑنے والے اُن کی جمعیت کو فرار میں ڈالنے والے تھے۔ خدائے تعالیٰ نے ان میں بڑی بڑی خوبیاں رکھی تھیں، جن کا ذکر اقطار عالم میں پھونچا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ خدائے تعالیٰ نے اُن کو اپنی رحمت کی طرف، ایسی حالت میں بلالیا کہ غبار جہاد اُن کے کپڑوں پر پڑا ہوا تھا، اور وہ غدار کفار کے خراب کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ اس طرح وہ اُسی فکر میں مرے جس فکر میں کہ اُن کی زندگی گزری تھی۔ جہاد ہی کی حالت میں خدائے تعالیٰ نے اُن کی

روح قبض کی۔ وہ اپنا سعید اثر چھوڑ گئے۔ اُن کی تلوار بادشاہ روم کے سر پر چمکتی رہی جو
قبولیت وسعادت کا مقدمہ " اور جہاد و جلالت کا نتیجہ اور اُن کی نیت صالحہ کی دلیل
تھی۔ اُن کی تجارت بے شک فائدہ مند تھی۔ اُن کی جدائی سے تمام اندلس میں ایک تہلکہ
مچ گیا۔ خدائے تعالیٰ نے اپنی رحمت اُن کو تحفہ میں بھیجی بروز شنبہ ۲ ذوالحجہ ۷۳۰ھ
میں واصل برحمت الٰہی ہوئے" انتہیٰ

جب علی بن بدرالدین عہدہ مشیخۃ الغزاۃ پر مقرر ہوئے تو اُن کی نسبت لسان الدین
بن الخطیب نے لکھا تھا کہ :-

یہ وہ شیخ الغزاۃ ہیں کہ جنہوں نے اسلام پر خوشبوں کے دروازے کھول دیئے۔
اور دولت غزا کے شانوں پر طراز طلائی ڈال دی جنہوں نے طاعت رب العباد میں جہاد
میں کارنمایاں کئے۔ اہل کفر وعناد کو اپنے اعمال سے ایک راستہ دکھلا دیا۔ اُن کی تلوار
اپنے دشمنوں پر مشہور ہے۔ ان کے صدق و وفا کی خبریں مشہور ہیں۔ شیخ شیخ المجاہدین
ہیں ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔

واللہ ولی التوفیق

باب چہارم

قرطبہ و جامع مسجد قرطبہ۔ زہرا، زاہرا، قرطبہ کی سیرگاہیں و دیگر عمارات

ابن سعید رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ مملکت قُرطبہ اقلیم چہارم میں ہے؛ اور وہ از روے نجوم آفتاب کے زیر اثر ہے۔ اسی مملکت میں کے قریۂ کرتش میں خالص چاندی کی اور بسطائسہ میں شنگرف اور پارے کی کانیں ہیں۔ اس کے ایک ایک جزو میں عجیب عجیب خواص ہیں اور اس کی زمین میں اچھی اچھی نباتات ہوتی ہیں۔ انتہیٰ۔

ابن سعید رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب میں تمام اندلس کے حالات لکھے ہیں۔ اُس کے شروع میں لکھتے ہیں کہ ہمنے تمام مملکتوں سے پہلے قُرطبہ کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ سلاطین اندلس نے اول اسی کو دار السلطنت کے لئے منتخب کیا تھا۔ پھر سلاطین بنو امیہ اور اُن کی اولاد نے بھی اسی کو دار السلطنت رکھا۔ اور یہ فخر صرف تین جگھوں یعنی قرطبہ، زہرا اور زاہرہ کو حاصل رہا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اس شہر کو دار السلطنت بننے کی قابلیت تھی۔ قرطبہ از روئے علم سب سے بڑا مقام ہے اور غیر ممالک کے مقابلہ میں اسکو ہر طرح فضیلت حاصل ہے؛ کیونکہ یہاں آبادی زیادہ ہے اور دولت متوارث۔ ابن سعید نے اپنی کتاب "الحلیۃ المذہبہ فی حلی ممالک قرطبہ" کو بلحاظ محلات و مضافات گیارہ کتابوں میں تقسیم کیا ہے ان کتابوں کے یہ نام ہیں۔

کتاب اول "الحلی الذہبیہ فی حلی الکورۃ القرطبیہ" کتاب دوم "کتاب الدرر المعونہ فی حلی کورۃ ملکونہ" کتاب سوم "کتاب محادثۃ السیر فی حلی کورۃ القصیر"؛ کتاب چہارم "کتاب الوشی المصور فی حلی کورۃ المدور"؛ کتاب پنجم "کتاب نیل المراد فی حلی کورۃ المراد"؛ کتاب ششم "کتاب المزنہ فی حلی کورہ کزنہ" کتاب ہفتم "کتاب الدر النافق فی حلی کورۃ غافق"؛ کتاب ہشتم "کتاب النفحۃ الارجیہ فی حلی کورۃ استجہ" کتاب نہم "کتاب الکواکب الدریہ فی حلی الکورۃ القبریہ"؛ کتاب دہم۔ "کتاب رقتہ المحبتہ فی حلی کورۃ استبہ"

کتاب یازدہم "کتاب السوسانہ فی حلی کورۃ البانہ" انتہٰے۔

ابن سعید رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ قرطبہ، زہراء اور زاہرہ کی عمارات ایک دوسرے سے اس طرح متصل ہیں کہ ایک راہرو ان شہروں کے چراغوں کی روشنی ہی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتا ہے؛ حالانکہ ان کے درمیان میں، بقول شقندی، دس میل کا فاصلہ ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ قرطبہ کے ہر حصۂ شہر اور مضافات کے لیے ایک ذکر مختص ہے۔ اس کے بعد وہ بعض شہروں کی مسافت قرطبہ سے بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ مدوّر اور قرطبہ کے درمیان میں سولہ میل مسافت ہے؛ قرطبہ اور مراد کے درمیان میں ۲۵ میل؛ قرطبہ سے قصیر کا فاصلہ ۸۰ میل؛ قرطبہ سے غافق دو منزل ہے؛ قرطبہ سے استبہ ۳۶ میل ہے۔ قرطبہ سے ملکونہ دو منزل ہے؛ قرطبہ سے لبانہ ۴۰ میل؛ قرطبہ سے قبرہ تیس میل؛ قرطبہ سے بیانہ دو منزل؛ قرطبہ سے استجہ ۴۰ میل۔

زمانہ قدیم میں زندہ، قرطبہ کے علاقہ میں تھا۔ پھر مملکت اشبیلیہ میں شامل ہو گیا۔ یہ مقام اشبیلیہ کے قریب ہے۔ انتہیٰ۔

ابن سعید رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب الحلیۃ الذہبیہ فی حلی الکورۃ القرطبیہ کو پانچ کتابوں میں تقسیم کیا ہے۔ کتاب اول۔ "کتاب النغم المطربہ فی حلی حضرۃ قرطبہ"؛ کتاب دوم۔ کتاب البیعۃ الغراء فی حلی حضرۃ الزہراء"؛ کتاب سوم کتاب البدائع الباہرہ۔

فی حلی حضرۃ الزاہرہ"، کتاب چہارم "کتاب الوردہ فی حلی مدینہ شقندہ"، کتاب پنجم "کتاب الجرعتہ السیغہ فی حلی کورۃ وزعنہ"۔

کتاب النغم المطربہ فی حلی حضرۃ قرطبہ میں ابن سعید کہتے ہیں کہ قرطبہ اپنے مملکت کی دولہن ہے؛ دولہن کی زینت کے لیے منصتہ کی ضرورت ہے، اور وہ اس شہر کا چرچا ہے کہ ہر ایک کی زبان پر ہے۔ اس دولہن کا تاج بادشاہ کی نگہداشت اور زیر نظر رہتا ہے۔ اس کی سلک شاعر و ناشر ہیں۔ اس کا حلہ علماء مصنفین ہیں گو ان میں سے بعض کی کوئی نظم یا نثر باقی نہیں ہے، مگر اون کے حالات سے چشم پوشی نہیں ہو سکتی۔ اس کے ہداب اصحاب فنون ہیں۔ انتہٰی۔

مصنف رحمۃ اللہ نے اپنی ان کتابوں کو متعدد فصلوں میں منقسم کیا ہے۔ ہم یہاں انکا خلاصہ لکھتے ہیں اور اُس کے ساتھ اوروں کے کلام بھی لکھیں گے۔

کتاب اجاران میں لکھا ہے کہ قُرطبہ (ظاء معجمہ) کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں "اوس کے لے ہینے والے نے اُجرت پائی"۔ پھر اسس کو طاء سے معرب کر لیا گیا ہے پھر کہتے ہیں کہ اس شہر کا دور تیس ۳۰ ہزار ہاتھ ہے۔ انتہٰی۔ ایک اور مصنف کہتے ہیں کہ مضافات کو چھوڑ کر وہ تمام زمین جو قبتہ سے لیکر جوف تک دیوار سے محدود ہے، ایک ہزار سات سو ہاتھ ہے۔ خلفاء بنوامیہ کے زمانہ میں جو عمارات ایک دوسرے سے متصل تھیں اون کی ساحت آٹھ فرسنگ طول میں اور دو فرسنگ عرض میں تھی (میلوں کے حساب سے چوبیس ۲۴ میل طول اور چھ میل عرض ہوا) اس تمام حصہ میں دیار محلات، مساجد اور باغات ہی تھے جو دریاء وادی الکبیر کے کنارے چلے جاتے تھے۔ اندلس میں سوا اس کے کوئی دریا ایسا نہیں ہے جس کا نام عربی ہو۔

فتح اسلامی سے ۴۰۰ھ تک قرطبہ کو برابر ترقی ہوتی چلی گئی۔ اس کے بعد بوجہ فتنوں کے، اوس کا انحطاط اور خرابی شروع ہو گئی۔ پھر ۱۲ شوال ۶۲۳ھ ہجری میں جب یہ

شہر کا فرد شمن کے قبضہ میں گیا تو اس کی خرابی کامل ہوگئی۔

یہی مصنف کہتے ہیں کہ مضافات کو چھوڑ کر قرطبہ کا دور ۳۲ ہزار ہاتھ ہے۔ اور قصر امارت کا دور ایکہزار ایک سو ہاتھ۔ انتہیٰ۔

اس شہر کے مضافات میں اکیس گاؤں ہیں۔ ہر گاؤں میں مسجدیں، بازار اور حمام ہیں جو وہاں کے باشندوں کے لیے کافی ہیں۔ اسی لیے ایک گاؤں کے باشندے کو دوسرے گاؤں میں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی قرطبہ کے باہر تین ہزار قریہ ہیں ہر قریہ میں منبر اور فقیہ ہیں تاکہ لوگ وہیں اوس سے احکام و شرائع دریافت کر سکیں۔ کوئی شخص اس عہدہ پر مقرر نہیں کیا جا سکتا تا وقتیکہ اوسکو موطا حفظ نہو۔ اور بقول بعض تا وقتیکہ اُس کو دس ہزار احادیث شریفہ نہ یاد نہوں اور دیگر کتب مُدَوَّنہ نہ محفوظ ہوں۔ یہ لوگ ہر جمعہ کو خلیفہ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے قُرطُبہ میں آتے تھے اور اُن کو سلام کر کے اپنے شہر کے حالات سے مطلع کرتے تھے۔ انتہیٰ۔

یہی مصنف کہتے ہیں کہ ابن ابی عامر کے زمانہ میں قُرطُبہ کی آمدنی محصولات تیس ۳۰ لاکھ دینار تھی۔ اس کے مخالف اقوال ہم کسی اور موقعہ پر بیان کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم بصیحت الحال ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے۔

دع عنك حضرة بغداد وبهجتها + ولا تعظم بلاد الفرس والصين
فا على الارض قط مثل قرطبه + وما مشى فوقها مثل ابن احمدين

بعض مورخین کہتے ہیں کہ قُرطُبہ اندلس کا صدر مقام اور دار السلطنت ہے۔ ہر طرف کے ثمرات اور ہر نواح کی اچھی اچھی چیزیں یہاں آتی ہیں۔ یہ شہر تمام ملک کے بیچ میں دریا کے کنارے پر واقع ہے۔

نزہت الانفس مصنفہ ابن غالبؒ میں ہے کہ قُرطُبہ ایک لفظ یونانی سے نکلا ہے جس کے

معنی ہیں "قلوب مشککہ"۔ ابو عبید البکری کہتے ہیں کہ اس کی اصلیت زبان قوطا میں طا معجمہ کے ساتھ ہے۔ بخاری کہتے ہیں کہ طا، پر پیش ہے۔ مگر اہل مشرق اس کو زیر کے ساتھ بولتے ہیں۔ انتہیٰ۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ قرطبہ اندلس کا صدر مقام، اور اُس کا قطب قطر اعظم، اُم مداین و مساکن ہے۔ نصرانیت و اسلام میں یہ مقام مستقر خلافت و دار المملکت رہا ہے۔ یہ جگہ مدینۃ العلم اور مستقر سنّت و جماعت ہے۔ اس میں بہت سے تابعین اور تبع تابعین کے قدم آئے ہیں، بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صحابیوں کے قدوم شریفہ بھی آئے ہیں۔ مگر اس آخر قول میں کلام ہے۔ یہ بہت بڑا اور پرانا شہر ہے۔ آب و ہوا یہاں کی بہت اچھی ہے۔ باغات اور زیتون یہاں لگائے گئے ہیں، اور قربات و قلعے بنائے گئے ہیں، نہریں و چشمے ہر طرف لگائے گئے ہیں اس میں ایک جگہ کشا ورزی کے لیے الگ محفوظ ہے؛ جس کی نظیر اندلس بھر میں نہیں ہے اور نہ اتنا بڑا تالاب دوسری جگہ ہے۔

رازی کہتے ہیں کہ قُرطُبہ ام مداین اندلس ہے اور قدیم وجدید جاہلیت و اسلام کے زمانہ میں مستقر ملک رہا ہے۔ اس کا دریا اندلس کے سب دریاؤں سے بڑا ہے۔ یہاں کا پُل، صفت و مضبوطی میں، دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ یہاں کی جامع مسجد سے بڑی کوئی مسجد اندلس یا بلاد اسلام میں نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قُرطُبہ اندلس کا سب سے بڑا شہر ہے۔ ہمارے نزدیک وہ ملک مغرب میں بےنظیر نہیں کتا خاصکر کثرت آبادی، گنجایش، بازاروں کی کشادگی، صفائی شہر، عمارات و مساجد، کثرت حمامات میں۔ یہاں کے رہنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بغداد کے ایک حصّہ کی نظیر ہے۔ اگر نظیر نہ بھی ہو تو اوس کے قریب قریب ضرور ہے۔ یہ شہر قلعہ بند ہے۔ اس کی فصیل پتھر کی ہے۔ اور اس کے محلات بہت خوبصورت ہیں۔ اس میں زمانہ قدیم سے سلاطین رہتے چلے آئے ہیں۔ مکانات

فصیل شہر کے اندر ہیں - اکثر دروازہ ہا قصر سلطانی شہر میں ہیں قُرطُبہ کے جنوبی حصہ میں دریا ہے - مضافات کے مکانات سے خاص شہر قرطبہ فاصلہ پر ہے - میں ایک روز شہر ہی میں ۵ گھڑی تک پھرتا رہا - قُرطُبہ دولت مَروانیہ کے زمانہ میں مرکز اسلام رہا ہے - اس میں دنیا کے بڑے بڑے عالم جمع تھے - خلافت مروانیہ کا دارالسلطنت تھا - معدیہ و یمانیہ قبائل کے بڑے بڑے آدمی یہاں آکر آباد ہو گئے تھے - یہیں شعرا آتے ہیں، کیونکہ یہ جگہ فیاض لوگوں کا مرکز تھا، اور علما رکا معدن - اس کی خوبیوں سے سینے پر تھے - اہل علم و اصحاب الکتب کا مرجع تھا - اس کے میدان شاہسواروں سے ہمیشہ بھرے رہتے تھے - بلاد اندلس میں یہ شہر ایسا تھا کہ جیسا جسم انسان میں سر، اور شیر میں جُرأت - شہر کا اندرونی حصہ وسیع ہے، اور بیرونی حصہ، حد بصر تک، باعث طراوت نظر -

حجاری کہتے ہیں کہ جب سے جزیرۂ اندلس فتح ہوا ہے حضرت قُرطُبہ غایت دل، مرکز رایات، اُم القراے، صاحبان فضل و اصحاب ثقہ والو العلم و النہی کا وطن رہا ہے - اقالیم عالم کا قلب، علوم کا سرچشمہ، قبۃ الاسلام اور حضرت الامام رہا ہے - عقل کا راستہ اگر ہے تو ادھر ہے، علم کا باغ ہے تو یہ ہے، اسی کے افق سے نجوم دنیا طالع ہوئے - اور اسی باغ میں گلہائے نظم و نثر پھولے - یہیں بے مثل تالیفات ہوئیں، اور یہیں بے نظیر تصنیفات ہوئیں - قدیم و جدید زمانہ میں اس شہر کو یہ خصوصیات حاصل رہی ہیں، اور علم و ادب میں یہ بحث و طلب ہمیشہ سے چلی آئی ہے - انتہیٰ -

علی بن سعید کہتے ہیں کہ سلطان اعظم ابو یعقوب بن عبدالمومن نے انکے والد محمد بن عبدالملک بن سعید سے پوچھا کہ "قُرطُبہ کی نسبت آپکی کیا رائے ہے؟" اونھوں نے کہا کہ "پہلے میں امیرالمومنین کی رائے سُن لوں تو عرض کردوں" سلطان نے جواب دیا کہ "شاہان بنو امیہ نے اس شہر کو اپنا دارالخلافہ یہ دیکھکر بنایا ہے کہ یہ مقام تمام دیار کے قلب میں ہے؛ یہاں کے راستے خوب چوڑے چکلے ہیں، عمارات نہایت مضبوط ہیں؛ دریا جاری

ہے! ہوا معتدل ہے، خارج شہر سرسبز ہے، کھیتیاں خوب ہوتی ہیں، باشعار کافی ہیں!
شرق وغرب اندلس کے وسط میں واقع ہے" میرے والد نے کہا کہ" اب مجھے کچھ عرض
کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی" ابن سعید کہتے ہیں کہ اون کے والد کا قول ہے کہ "از روے
عمارات قرطبہ احسن بلاد اندلس ہے، یہاں کے راستے وسیع ہیں۔ اس شہر کا ظاہر و باطن
نہایت روشن ہے۔ مگر فصل سرما میں اشبیلیہ پر اس کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آدمی شدت
سرما سے محفوظ رہتا ہے۔ یہاں کے باشندوں میں ریاست و وقار حاصل ہے۔ علم کی وسعت
یہاں کے باشندوں میں متوارث چلی آتی ہے۔ مگر عوام الناس میں اکثر لوگ فضول ہیں۔
اور لوگوں میں عیب نکالنے اور شور وشغب مچانے میں بہت بڑھے ہوئے ہیں۔
اہل اندلس میں یہاں کے باشندے اپنے بادشاہوں کے مقابلہ میں کھڑے ہو جانے اور
احکام و والیان کو برا بھلا کہنے، اون کے کاموں پر راضی نہ ہونے میں ضرب المثل ہیں۔
چنانچہ جب سید ابو یحییٰ بن یعقوب بن عبد المومن قرطبہ کی ولایت سے واپس گئے ہیں تو
اُن سے لوگوں نے پوچھا کہ" آپنے اہل قرطبہ کو کیسا پایا" اونہوں نے جواب دیا کہ" اُنکی
مثال بالکل اونٹ جیسی ہے کہ اگر اوس کا بوجھ ہلکا کر دو تو چیختا ہے اور زیادہ لاد دو تو چیختا ہے
مجھے یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کس بات سے خوش ہوتے ہیں، تاکہ اُسپر عمل پیرا ہوں۔ اور
کس بات سے ناخوش ہوتے ہیں کہ اوس سے پرہیز کروں۔ اگر خدا تعالیٰ اُن پر
حجاج جیسا سخت گیر و جابر آدمی مسلط کرتا تو اوسکو معلوم ہوتا کہ یہاں کے عامۃ الناس
عراق کے لوگوں سے زیادہ شریر ہیں۔ میں اپنے تجربہ سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کی
ولایت سے معزول ہونا والی ہونے کی برابر ہے۔ اگر مجھکو پھر وہاں کا والی مقرر
کرکے بھیجا جائے تو میں تو صاف یہ کہونگا کہ" مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں
کاٹا جاتا"

میرے والد کہتے تھے کہ قرطبہ کی خوبیوں میں لباس کی صفائی، دین کا اظہار،

نماز کی پابندی اور جامع مسجد کی تعظیم ہے۔ یہاں کے رہنے والے جہاں کہیں شراب کے برتن دیکھتے ہیں توڑ ڈالتے ہیں۔ منکرات اگر کرتے ہیں تو چھپا کر۔ فن سپاہیانہ اور علم میں ان کو فخر حاصل ہے۔ بلاد اندلس میں سب سے زیادہ کتابیں یہیں ملتی ہیں۔ کتب خانے رکھنے میں یہاں کے لوگ سب سے بڑھ گئے ہیں۔ کتب خانہ کا ہونا شان ریاست سمجھا جاتا ہے، حتیٰ کہ بہت سے رئیس ایسے ہیں کہ جو دولت علم نہیں رکھتے، مگر وہ فخر کرتے ہیں کہ اُن کے مکان میں کتب خانہ موجود ہے؛ روسا کا تذکرہ اس طرح ہوتا ہے کہ فلاں کے یہاں کتب خانہ ہے، فلاں کتاب فلاں شخص کے کتب خانہ میں ہے۔ اور فلاں رئیس نے فلاں شخص کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب ایسی گراں قیمت میں خریدی۔

حضرمی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں قرطبہ میں مقیم تھا؛ مجھے ایک کتاب کی ضرورت تھی اور اُس کی تلاش میں میں کتب فروشوں کے بازار میں جایا کرتا تھا۔ ایک روز وہی کتاب مجھے مل گئی ہے، جو خوشخط لکھی ہوئی تھی، اور اوس پر عمدہ حواشی چڑھے ہوئے تھے۔ مجھے بہت ہی خوشی ہوئی۔ اور میں نے اُس کی قیمت بڑھانی شروع۔ لیکن ایک اور شخص میرے مقابلے میں برابر قیمت بڑھاتا چلا گیا، یہانتک کہ قیمت بڑھتے بڑھتے حد کتاب سے زیادہ ہوگئی۔ میں نے کتب فروش سے کہا کہ ذرا مجھے وہ شخص تو دکھا دو کہ جس نے کتاب کی قیمت حیثیت کتاب سے بھی بڑھا دی ہے۔ کتب فروش نے مجھے وہ شخص دکھلایا جو رئیسوں کا سا لباس پہنے ہوئے تھا۔ میں نے اُس کے پاس جا کر کہا کہ خداوند تعالےٰ جناب فقیہ (یعنی مخاطب) کی عزت میں اور ترقی کرے۔ اگر آپ کو اس کتاب کی ضرورت ہی تو میں آپ کے لیے اس کو چھوڑ دوں، کیونکہ میرے اور آپ کی مسابقت سے کتاب کی قیمت حد سے بڑھ گئی ہے۔" وہ شخص کہنے لگا کہ "میں فقیہ نہیں ہوں نہ میں یہ جانتا ہوں کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے۔ لیکن میں نے ایک کتب خانہ قایم کیا ہے اور یہ چاہتا ہوں کہ اہل شہر سے میرا کتب خانہ بڑھ جائے۔ میرے کتب خانہ

میں اس کتاب کی ملی ہے - اس کتاب کا خط اچھا ہے اور جلد خوبصورت بندھی ہوئی ہو مجھے قیمت کی پرواہ نہیں ہے. کیونکہ خدا رتعالےٰ کا شکر ہے کہ اوس نے مجھے رزق بہت دے رکھا ہے " حضرمی کہتے ہیں کہ میں نے جرأت کر کے کہا کہ " واقعی زیادہ رزق تمہارے ہی جیسے لوگوں کے پاس ہوسکتا ہے. وہ ذات پاک بعض وقت جوز ایسے لوگوں کو عطا فرماتا ہے کہ جنکے دانت نہیں ہوتے. میں جانتا ہوں کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے" اور گو میرے پاس رزق زیادہ نہیں ہے مگر میں اس کتاب سے نفع اُٹھانا چاہتا ہوں. اب مشکل یہ ہی کہ میری ضرورت اور اس کتاب کے درمیان میں قلت حائل ہے "

ابن سعید کہتے ہیں کہ منصور بن عبد المومن کے سامنے فقیہہ عالم ابو الولید بن رُشد اور رئیس ابو بکر بن زہرہ کے درمیان میں بحث ہو پڑی - ابن رشد نے کہا کہ " نہ معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں - ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جب کوئی عالم اشبیلیہ میں مرجاتا ہے تو اوس کی کتابیں فروخت ہونے کے لیے قرطبہ میں آتی ہیں - اور جب کوئی مطرب قرطبہ میں مرتا ہے تو اوس کے آلات اشبیلیہ جا کر بکتے ہیں "

ابن بشکوال نے کسی سے کہا تھا کہ قرطبہ کا قصر موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) کے زمانہ سے چلا آتا ہے - اس کی عمارت نہایت مضبوط ہے - اور یونانیوں، رومیوں اور قوطیوں اور امم سابقہ کے ایسے آثار عجیبہ ہیں کہ جس کی تعریف نہیں ہوسکتی. پھر خلفاء بنو مروان کو جب اندلس میں خدائے تعالےٰ نے فتح عطا فرمائی تو انہوں نے قصر میں قسم قسم کی صنایع و بدایع کیں عجیب عجیب آثار چھوڑ گئے، بے نظیر باغات لگائے اور دور دور سے قرطبہ کے پہاڑوں سے آب شیریں کی نہریں لا کر قصر میں ڈالیں، جو سکے ایک ایک صحن میں جست کے نلوں میں جاری ہیں - اور مختلف صورتوں کی حوضوں میں (جو سونے، چاندی، تانبے، پیتل کی بنی ہوئی ہیں) ہوتی ہوئی ہیں، تالابوں میں

گرتی تھیں۔ اس قصر میں پشتی بان ایسے بلند اور عظیم الشان ہیں کہ مشرق و مغرب میں کوئی شخص اُن کے ثانی کا پتہ نہیں دیتا۔

قرطبہ کے مشہور قصور اور باغات کے یہ نام ہیں۔ کامل، مجدد، حایر، روضہ، زاہر، معشوق، مبارک، رشتق، قصر السرور، تاج، بدیع۔

قصر کے جو دروازے کہ خدائے تعالےٰ نے مظلومین کی نصرت و فریاد رسی اور حق کے موافق حکم جاری کرنے کے لیے کھول رکھے ہیں اون میں سے ایک وہ دروازہ ہے کہ جسکی سطح اس قدر اونچی ہے کہ اس کا نظیر دنیا بھر میں نہیں ملتا۔ اس دروازے کے کواڑ لوہے کے ہیں۔ اس میں ایک کڑا لگا ہوا ہی جسکی صورت انسان کی سی ہے کہ منہ کھولے ہوئے ہے۔ اصل میں یہ کڑا شہر اربونہ، واقع ملک افرنجہ، کا ہے جس کو امیر محمدؒ نے فتح کیا تھا، اُن ہی نے یہ کڑا یہاں لاکر لگا دیا۔ اس کے علاوہ ایک اور دروازہ بھی ہے، جو باب الجنان کہلاتا ہے۔ ان دونوں دروازوں کے سامنے چوک میں دریا کے رخ دو مشہور مسجدیں ہیں کہ امیر ہشام الرضی لوگوں کے مقدمات یہیں سنا کرتے تھے، محض اس لیے کہ خدائے تعالیٰ کی رضا حاصل کریں۔ تیسرا دروازہ باب الوادی کہلاتا ہے۔ اُسکے شمال میں ایک اور دروازہ ہے جو باب قوریہ کہلاتا ہے۔ چوتھا دروازہ باب الجامع کہلاتا ہے۔ یہ دروازہ بہت قدیم ہے۔ جمعہ کے روز خلفاء اسی دروازے سے جامع مسجد میں جایا کرتے تھے مسجد تک راستہ چھتا ہوا تھا۔ مہدی بن عبد الجبار کے فسادات کے زمانہ میں یہ دروازے ناپید ہوگئے۔

ابن بشکوال رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قرطبہ کے کئی دروازے ہیں۔ باب[1] القنطرہ، قبلہ کی طرف ہے اور باب وادی کہلاتا ہے۔ باب[2] جزیرۃ الخضراء، دریا کے اوپر ہے۔ باب[3] الحدید، یہ اب باب سرقسطہ بھی کہلاتا ہی، باب[4] ابن عبد الجبار کو باب طلیطلہ بھی کہتے ہیں۔ باب[5] رومیہ پر تین راستے ملتے ہیں، جو جزیرہ قادس سے قرمونہ، قرطبہ، سرقسطہ، طرکونہ،

اور راہو نتہ تک جاتا ہی - باب[۲] طلبیرہ، جو باب لیوا بھی کہلاتا ہے - باب عامر[۸] القرشی اسی دروازے کے سامنے عامر القرشی کا مقبرہ ہے - باب آخر[۸] یہ باب بطلیوس بھی کہلاتا ہے - باب[۱] لعطارین کو باب اشبیلیہ بھی کہتے ہیں - انتہٰے - یہی مصنف کہتے ہیں کہ انتہاے عروج میں قرطبہ کے مضافات میں اکیس گاؤں تھے - دریا کے اس کنارے پر دو گاؤں ہیں، ایک ربض شقندہ دوسرا ربض منیۃ عجب - غرب کی طرف نو گاؤں ہیں - ربض حوانیت التریحانی[۱]، ربض الرقاقین[۲]، ربض مسجد الکہف[۳] - ربض بلاد مغیث[۴]، ربض مسجد الشفاء[۵]، ربض حمام الالبیری[۶] - ربض مسجد[۷] الکسرور، ربض مسجد[۸] الروضہ، ربض السجن[۹] القدیم - شمال کی طرف تین ہیں - ربض باب[۱] الیہود - ربض[۲] مسجد ام سلمہ، ربض[۳] الرصافہ، مشرق کی طرف سات ہیں - ربض[۱] شبلار ربض[۲] قرن بربل، ربض[۳] البروج، ربض[۴] منیۃ عبداللہ، ربض منیۃ[۵] المغیرہ، ربض[۶] زاہرہ - ربض المدینۃ العتیقہ - ان سب دیہات کے درمیان میں قرطبہ کی آبادی ہے، جسکی فصیل الگ ہے باقی دیہات کی فصیلیں نہیں ہیں - جب ایام فتنہ آئے تو سب کے گرد خندق کھودی گئی تھی اور دیوار کھڑی کردی گئی - ابن غالب کہتے ہیں کہ اس فصیل کا دورچوبیس میل کا ہے - شقندہ شہر ہی میں گنا جاتا ہے، کیونکہ یہ پرانا شہر ہے - اس کی بھی فصیل تھی -

ابن سعید اپنی کتاب مغرب میں لکھتے ہیں کہ "اب ہم قرطبہ کی سیرگاہوں وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں جنکا ذکر اس قدر نظماً و نثراً لوگوں کے زبان زد ہے کہ اوس کا احاطہ کرنا مشکل ہے - سب سے پہلے ہم خلفاء مروانیہ کی سیرگاہ کا ذکر کرتے ہیں جو قصر ارصافہ کہلاتا ہی - یہ وہ قصر ہے جسکو عبدالرحمن ابن معاویہ نے اپنے شروع زمانہ میں بطور اپنی سیرگاہ کے بنایا تھا - اکثر اوقات امیر منیۃ الرصافہ میں رہتے تھے - جو قرطبہ کے شمال میں مائل بغرب واقع ہے - یہاں اُنہوں نے بہت اچھا قصر بنایا تھا، وسیع باغ نصب کیا تھا اور عجیب و غریب قسم کے پودے اور درخت دور دور سے منگا کر لگائے تھے - اون کے خاص ایلچیوں نے اسی غرض سے دور دور کا سفر کیا تھا - اور عمدہ عمدہ

گٹھلیاں اور بیج لیکر آئے تھے۔ چنانچہ بہت کوشش اور حسن ترتیب کے ساتھ چند ہی روز میں بڑے بڑے درخت ہو گئے۔ اور عجیب عجیب فواکہات تھوڑی ہی مدت کے اندر سرزمین اندلس میں پھیل گئے۔ اہل ملک نے بھی اُن کو فوقیت دی۔ اس سیرگاہ کا نام اونہوں نے اپنے دادا ہشام کی سیرگاہ کے نام پر، جو شام میں واقع تھا، صافتہ رکھا کیونکہ رصافتہ الشام ان کو بہت پسند تھا، اس سے ان کو بہت محبت تھی، اور وہاں وہ اکثر آیا جایا کرتے اور اکثر اوقات وہیں رہا کرتے تھے۔ اون کے زمانہ میں اس کا شہرہ ہو گیا تھا۔ ان کے بعد بھی اس رصافہ کے خرچ میں کمی نہیں کی گئی، بلکہ ہر خلیفہ نے اوسکی عمارتوں وغیرہ میں زیادتیاں کیں۔ شعراء نے اس کی توصیف میں قصائد لکھے تھے" ابن سعید کہتے ہیں کہ انار سفری جو اندلس کے تمام میووں پر فوقیت لے گیا ہے، اور اُس سے بہتر اور کہیں نہیں بتلایا جاتا اس رصافہ میں ہوتا تھا۔ اس انار کے متعلق ابن حیان نے اپنی کتاب میں ایک فصل قایم کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اوسکو شیرینی، دانوں کی موٹائی، اُن کی زیادتی اور خوبصورتی میں تمام قسم کے اناروں پر فضیلت حاصل ہے۔ عبد الرحمٰن کا ایک خاص آدمی شام جا کر اسی جیسا ایک انار رصافہ ہشام، واقع شام، سے لیکر اندلس آیا تھا۔ عبد الرحمٰن نے نہایت فخر کے ساتھ انار اپنے خواصوں کے سامنے رکھے تھے۔ اس موقعہ پر سفر بن زید الکلاعی موجود تھے۔ (کہتے ہیں کہ سفر ابن زید انصار کے اوس خاندان سے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رایت فیض آیت حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں اُٹھائے رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہی لوگ خلفاء بنو امیہ کے علم بردار رہے۔) اون کو بھی اس انار کا ایک ٹکڑا دیا، اُنہیں بہت ہی پسند آیا۔ اُسکو لیکر اپنے قریہ میں، جو علاقہ ریہ میں تھا، چلے گئے۔ یہاں آکر اُنہوں نے اسکو بو دیا، اور درخت کے سینچنے اور پرورش میں بہت کوشش کی۔ آخر وہ پھل لایا۔ دیکھا تو بہت ہی اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اوس کو لیکر وہ امیر عبد الرحمٰن کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اس کو رصافتہ الشام کے انار کے مشابہ پاکر بہت خوش

ہوئے، اور اُن سے پوچھا کہ یہ انار کہاں سے آیا۔ اونہوں نے تمام قصہ بیان کیا تو بادشاہ بہت ہی خوش ہوئے، اون کی ہمت کی تعریف کی اور اس معاملہ میں جو تکلیف انہوں نے اوٹھائی تھی اوس کا بہت شکریہ ادا کیا، اور اُن کو بہت سا صلہ عطا فرمایا۔ اور اُن ہی سے بیج لیکر اپنے رصافہ اور دوسرے باغوں میں بُوایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ انار ہر جگہ پھیل گیا۔ اور لوگون نے بھی اپنے باغ میں لگایا۔ مگر یہ انار سفر ابن زید کی طرف منسوب رہا۔ اسی واسطے یہ انار سفری کہلاتا ہے۔

محمد بن روح شاعر نے اس انار کی تعریف میں چند اشعار موزوں لکھے ہیں جو ابتک محفوظ ہیں۔

قُرطبہ کے باہر جو قصر ہیں، اون میں سے ایک سید ابو یحیٰی بن ابو یعقوب بن عبد المومن کا قصر ہے، جو بیچ دریا میں محرابوں کے اوپر بنا ہوا ہے۔ سید ابو یحیٰی سے کسی نے کہا کہ "باوجود اس کے کہ آپ اہل قُرطبہ سے ناراض ہیں پھر آپ کو اس قصر کے بنانے کا شوق کیوں ہوا؟" انہوں نے جواب دیا کہ "مجھے یہ معلوم ہے کہ ان لوگوں کی عادت ہے کہ جب کوئی والی معزول ہو جاتا ہے تو یہ اُسکا ذکر تک زبان پر نہیں لاتے، نہ اوس کی کوئی قدر اون کے نگاہ میں رہجاتی ہے، اس سبب میں نے یہ چاہا کہ میں اپنی کوئی نشانی ایسی چھوڑ جاؤں کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف مجھے یاد کرتے رہیں"۔ ناحفص بن ادریس شاعر وادی آشی نے اس قصر کی تعریف میں جو اشعار کہے ہیں وہ ابتک محفوظ ہیں۔

فتح نے قلاید میں وزیر ابن عمار کے ذکر میں لکھا ہے کہ جب وہ دمشق سے قرطبہ میں آئے تو اونہوں نے ایک قصر اُسی قصر کے نقشہ پر بنایا جسکو بنو امیہ نے بڑے بڑے ستون قایم کر کے نہایت مضبوط بنایا تھا۔ یہ قصر بھی نہایت عمدہ تھا۔ اور صاحب ابو عثمان جعفر بن المصحفی کی طرف منسوب تھا۔ ایک اور قصر موسوم بہ قصر الفارسی سیر کے واسطے قرطبہ کے باہر بنا ہوا تھا۔ وزیر ابو الولید ابن زیدون نے اپنے اُس قصیدہ میں جس میں کہ

قرطبہ کے تمام سیرگاہوں کا ذکر کیا ہے اس قصر کا بھی نام لیا ہی۔

پھر ابن سعید کہتے ہیں کہ قرطبہ کے مشہور سیرگاہوں میں سے فحص السرادق ہے جو سیر ہی کے واسطے بنایا گیا تھا۔ اس میں جاکر نظر کو طراوت اور نفس کو حلاوت حاصل ہوتی ہے ایک اور سیرگاہ سد نامی تھی۔ اسکی تعریف میں بہت سی نظمیں محفوظ ہیں۔

ابن سعید کہتے ہیں کہ نہر قرطبہ، اشبیلیہ کے قریب پہونچکر ایسی تنگ ہوجاتی ہی۔ کہ اُس پر وہاں پتھر کا پل بنایا گیا ہے۔ اس جیسا کوئی اور پل اشبیلیہ کے کسی اور دریا پر نہیں ہے۔ اس دریا کا منبع شقورہ کی طرف ہے۔ اس کا نصف حصہ مشرق کی سمت میں مرسیہ کی طرف بہتا ہے اور نصف ثانی مغرب میں قرطبہ اور اشبیلیہ کی طرف آتا ہے۔ رازی نے قرطبہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہاں دریا آنا اہستہ بہتا ہے کہ قریباً ساکن معلوم ہوتا ہے۔ اس سے آبپاشی کرنے میں کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ نہیں ہی۔ مگر اشبیلیہ کے قریب اس کی تیزی بڑھجاتی ہے۔ برسات کا موسم ہوتا ہے تو اہل اشبیلیہ کو غرق ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ جو پل کہ قرطبہ کے نزدیک اس دریا پر بندھا ہوا ہے۔ اندلس کے عجائبات میں سے ہے۔ اسکی سترہ محرابیں ہیں۔ بقول ابن حیان وغیرہ کے اس کے بانی سمح بن مالک الخولانی، والی اندلس، تھے۔ انہوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز (رضی اللہ) کے حکم سے بنایا تھا۔ پھر اسکو بنو امیہ نے مضبوط کرکے خوبصورت کردیا۔

ابن حیان نے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ جہاں یہ پل ہے اُس موقعہ پر عربوں کے داخل ہونے سے دو برس پہلے کا ایک پل تھا۔ لیکن یہ گرچکا تھا۔ صرف اس کے ستون باقی رہ گئے تھے۔ ان ہی پر سمح نے ۱۰۱ھ ہجری میں پل بنالیا۔ انتہی۔ مناہج الفکر میں ہی کہ قرطبہ کا پل دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں۔ عبد الرحمن بن عبید اللہ الغافقی کے ہاتھ سے بنا تھا۔ اس کا طول آٹھ سو ذراع، عرض بیس باع۔ اور ارتفاع ساٹھ ذراع تھا۔ اس کی ۱۸ محرابیں تھیں، اُن پر انیسر

برج بنے ہوئے تھے۔ انتہی۔

ابن حیان، رازی اور حجاری نے لکھا ہے کہ تنبان ثانی قیصر روم، جس نے دنیا کا زیادہ حصہ فتح کر لیا تھا اور جسکے عہد سے اہل ادمہ تاریخ شروع کرتے ہیں، ۴۰ سال قبل از مسیح علیہ السلام میں ہوا ہے۔ اس نے اندلس میں بڑے بڑے شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ اسی کے زمانے میں قرطبہ، اشبیلیہ، ماردہ اور سرقسطہ کی بنیاد پڑی تھی۔ حجاری کا قول ہے کہ اسی تنبان نے اپنے اعیان دولت میں سے چار آدمیوں کو اندلس بھیجا۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک شہر اوس مقام پر آباد کیا جہاں وہ تعینات تھے؛ اور ہر ایک شہر کا نام اپنے اپنے نام پر رکھ دیا۔ نیز یہ کہ ان چاروں شہروں کے نام ان ہی چاروں آدمیوں کے تھے۔

حجاری کے علاوہ اور لوگوں نے کہا ہے کہ ان شہروں کے نام مشتق ہیں اون ہی کے ناموں سے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ قرطبہ پر روم کی طرف سے حکام حکومت کرتے رہے۔ ان میں سے سب سے اخیر بنو عیصو بن اسحٰق بن ابراہیم علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام تھے۔ اس خاندان سے قوط نے حکومت چھین لی۔ جو یافث کی اولاد میں سے تھے۔ ان سے یہ ملک مسلمانوں نے فتح کیا۔ زمانہ جاہلیت میں اندلس کا سریر سلطنت قرطبہ میں نہ تھا، بلکہ بعد میں آیا۔ اور اسلام میں تو اس کو وہ سعادت حاصل ہوئی کہ یہ مقام ایک بڑی سلطنت کا دار الخلافہ ہو گیا، دولت مروانیہ کا قطب بن گیا، اور اشبیلیہ اور طلیطلہ، اُس کے ماتحت آ گیا۔ پہلے معاملہ بالعکس تھا۔ واللہ یفعل ما یشاء بیدہ الملک والتدبیر وھو علیٰ کل شیٔ قدیر، لا الٰہ الا ھو العلی الکبیر۔

صاحب نشق الازہار قرطبہ کے ذکر میں کہتے ہیں کہ یہ ایک مشہور شہر اور دار الخلافہ ہے یہاں کے باشندے علم و فضل میں شہرت رکھتے ہیں۔ اس میں ایک جامع مسجد ہے کہ جس کا مثل ممالک اسلام میں نہیں ہے۔

قرطبہ کی خوبیوں کے نابدید ہونے کی وجہ بربریوں کا اسکو تباہ کرنا ہے۔ جب سلیمان مستعین الاموی اپنے داخل ہونے کے بعد قرطبہ پر مستولی ہوئے ہیں تو انہوں نے اس شہر کو قہر اور خونریزی کے بعد فتح کیا۔ بربری امرا میں سے ایک شخص علی بن حمود سلیمان کے مددگاروں میں سے تھا۔ یہ شخص علی بن ادریس بن عبداللہ بن حسن بن حسین بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہم اجمعین کی اولاد سے تھے۔ ان کے دادا ادریس ہارون رشید سے ڈر کر ملک بربر کی طرف بھاگ آئے تھے اور یہاں بربری بن گئے تھے۔ ان کی اولاد نے شہر فاس آباد کیا تھا ہشام المؤید نے علم فتنہ و فساد بلند کر رکھا تھا۔ اُن کو کہیں سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ دولت بنو امیہ کا اندلس میں ایک ایسے علوی کے ہاتھ سے انقراض ہو گا جس کے نام کے پہلے ع ہو گا۔ جب سلیمان بربریوں کے ساتھ قرطبہ میں داخل ہوئے تو بربریوں نے اُسکی بہت سی خوبیوں اور وہاں کے اچھے اچھے باشندوں کو بالکل محو کر دیا۔ اس موقعہ پر سب سے بڑا امیر سلیمان کا علی بن حمود ہی تھا۔ ہشام المؤید اوس زمانہ میں قید تھے، اون کو علی بن حمود کی خبر اور نام اور نسب معلوم ہوا تو انہوں نے اُن سے کہلا بھیجا کہ دولت سلطنت اون کے نصیب میں ہے نیز یہ کہ "میرا دل یہ کہتا ہے کہ یہ شخص (یعنی سلیمان) مجھے قتل کر ڈالے گا۔ اگر وہ ایسا کرے تو تم میرا بدلہ لے لینا" اس سے ابن حمود کا دل اور بھی بڑھا۔ اور انہوں نے طلب امامت اور ہشام المؤید کا انتقام لینے میں زیادہ کوشش کی۔ المؤید ان لوگوں میں سے ہے کہ جس کے مرنے کے بعد انکا انتقام لیا گیا، اور علی بن حمود کے قبضہ میں قرطبہ آ گیا جس روز سلیمان المستعین قتل ہوئے اُسی روز قصر قرطبہ میں انہوں نے بعیت لی، اور لوگوں پر اپنا رعب داب بٹھا لیا، رؤسا بربر کو ذلیل کر ڈالا۔ اُن کے زمانہ میں عدل و انصاف کی روشنی پھیل گئی لوگوں کی نالشیں بذات خاص سنتے تھے۔ بربریوں کی ایک جماعت کسی جرم میں اُن کے سامنے پیش ہوئی۔ اُنہوں نے بربریوں کے سامنے اُنکی گردنیں مروا دیں۔ ایک روز وہ باب عامر کے باہر

جارہے تھے کہ اُنھوں نے دیکھا کہ ایک بربری سوار انگوروں کا ایک بوجھ اپنے سامنے رکھے چلا آرہا ہے۔ اُنھوں نے اس کو ٹھہرا کر پوچھا کہ "تنے انگور کہاں سے آئے" اُس نے جواب دیا کہ "جس طرح لوگ ایسی چیزیں حاصل کیا کرتے ہیں میں نے بھی حاصل کیے ہیں"۔ اُنھوں نے فوراً اوسکی گردن مروادی۔ اور اُس کے سر کو انگوروں کے بوجھ میں رکھوا کر تمام شہر میں تشہیر کرایا۔ غرض اس خوبی کے ساتھ اُنھوں نے آٹھ ماہ حکومت کی۔ اسکے بعد اُنہیں معلوم ہوا کہ اہل اندلس مرتضیٰ مروانی کی طرف مائل ہیں جو کہ شرق اندلس میں تھے اِس بات سے ان کے مزاج میں تغیر آگیا اور اُنھوں نے قرطبہ کے خالی کرنے اور وہاں کے باشندوں کو تباہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ آیندہ کبھی کوئی بادشاہ ان کی طرف رجوع نکرے۔ بربریوں کے ظلم سے چشم پوشی کی نتیجہ یہ ہوا کہ بلا، ومصیبت شہر پر آپڑی۔ اہل قرطبہ کا انتزاع ہوا، مکانات گرا دیئے گئے، اکابر کی بے حرمتی کی گئی، طرح طرح کے محصولات لگائے گئے۔ اعیان کو گرفتار کرکے اون پر کچھ جرمانہ لگایا گیا؛ اور جب وہ جرمانہ ادا کرکے واپس جانے لگے تو اُن کے گھوڑوں کو ضبط کرکے اُن کو اپنے اپنے گھر پیدل جانے کا حکم دیا۔ ان ہی لوگوں میں ابوالعزم تھے جو بعد میں قرطبہ پر غالب ہوئے۔ اور اون کے کئی بیٹوں میں طوائف الملوکی رہی۔ غرض ان وجوہ سے لوگوں کے دل پھٹ گئے اور بددعائیں دینے لگے۔ آخر بنو مروان کے تین صقلبی غلاموں نے علی کو حمام میں قتل کر دیا۔ یہ واقعہ غرہ ذی قعدہ ۴۰۸ھ ہجری کا ہے۔ یہ تینوں غلام بھاگ کر کسی مکان میں چھپ گئے۔ جب لوگوں کو اوس کی موت کا یقین ہوگیا تو بہت خوش ہوئے۔ ان کی مدت سلطنت قریب دو سال کے رہی۔ بعض محققین کل اکیس[۲۱] ماہ چھ روز بتلاتے ہیں۔

علی بن حمود کے بھائی القاسم بن حمود۔ اون سے دس برس بڑے تھے۔ ان دونوں کی ماں ایک ہی تھیں، وہ بھی علویہ ہی تھیں۔ علی بن حمود کے قتل کے وقت قاسم

اشبیلیہ کے والی تھے، اور یحییٰ بن علی سبتہ کے حاکم تھے۔ بربریوں میں اس امر پر اختلاف ہوا کہ کس کو قایم مقام بنایا جائے۔ اکثر لوگوں کی رائے قاسم ہی کی طرف تھی کیونکہ اون کو اُن کے چھوٹے بھائیوں نے پہلے محروم کر رکھا تھا۔ اس وقت وہ قرطبہ کے قریب تھے اور یحییٰ اور اُن کے درمیان میں دریا حائل تھا۔ جب ان لوگوں کے خطوط قاسم کے پاس پہونچے تو اُنھوں نے بادشاہ ہونے پر کوئی خوشی ظاہر نہیں کی بلکہ اون کو یہ خوف ہوا کہ کہیں یہ بھی اُن کے بھائی کا حیلہ ہی نہو۔ اس لیے اُنھوں نے ذرا پہلوتہی کی۔ لیکن جب اُن پر سچی بات ظاہر ہوگئی تو وہ قرطبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور بھائی کے قتل کے چھ روز بعد اون سے بیعت کی گئی۔

یہ حسن سیرت رکھتے تھے۔ اونھوں نے یہ دیکھا کہ اہل بربر اُن کے بھتیجے یحییٰ بن علی صاحب سبتہ کی طرف مائل ہیں۔ اس لیے بربریوں سے ان کو خوف پیدا ہوگیا اور اُنھوں نے حبشیوں کی طرف توجہ کی اور بہت سے غلام خریدے اور اپنے علاقوں واقعہ شرق اندلس پر اُن ہی کو مقرر کیا۔ اس پر بربری اون سے بگڑ گئے۔

۴۰۹ھ ہجری میں شرق اندلس میں المرتضیٰ عبد الرحمن نے، جو الناصر کی اولاد میں سے تھے، اون پر خروج کیا کیونکہ اہل اندلس پر بنو حمود علوئین کی حکومت بربریوں کی وجہ سے سخت تھی۔ اس لیے اُنھوں نے ارادہ کیا کہ حکومت پر بنو مروان میں چلی جائے۔ اکثر ملوک طوائف المرتضیٰ ہی کی طرف مائل ہو گئے۔ جب وہ قرطبہ گئے ہیں تو منذر التجیبی صاحب سرقسطہ اور خیران العامری الصقلبی، صاحب مریہ، اون کے ساتھ تھے اور بہت سے افرنجی بھی اون کے ساتھ ہو گئے تھے۔ قاسم اور بربریوں نے اپنے مدمقابل کے مقابلہ کی تیاری کی مگر یہ عجیب اتفاق ہوا کہ منذر اور خیران کی نیت المرتضیٰ سے بگڑ گئی۔ ان دونوں نے کہا کہ ہمنے ابتدا میں ایسی وجہ دیکھی تھی جو اوس وقت کہ جب جم غفیر اس شخص کی طرف جمع ہو گئے ہیں باطل ہوگئی۔ یہ خیال اون کو نیت خراب ہونے کی وجہ سے گزرا

غرض خیران سنے ابن زیری الصنہاجی کو (جو غرناطہ پر متغلب اور بربریوں کے لیے مصیبت تھی) لکھا کہ میں نے المرتضےٰ کا راستہ قرطبہ کی روک دیا ہے۔ اور موالی عامریین سنے، جو مروانیوں کے دشمن جاگیردار ہیں، اسکی مدد سے ہاتھ روک لیا ہے۔ ابن زیری اس بات کی طرف متوجہ ہوئے مگر المرتضیٰ نے ابن زیری کو اطاعت قبول کرنے کے لیے لکھا تو اُس (ابن زیری) نے خط کی پشت پر سورۂ قل یا ایھا الکفرون لکھ کر بھیجدی۔ پھر المرتضیٰ نے ایک اور خط میں لکھ کر بھیجا کہ اگر میں تمام بہادران اندلس وافرنج کو لیکر تم پر چڑھ آؤں تو کیا کروگے۔ ابن زیری نے کاتب کو حکم دیا کہ خط کی پشت پر سورۂ الھٰکم التکاثر لکھ کر واپس کردے۔ اس سے المرتضیٰ کو سخت غصہ آیا اور اسی غیظ میں وہ قرطبہ کا جانا موقوف کرکے زیری سے محاربہ کے لیے لوٹ پڑا اور یہ سوچا کہ تھوڑی ہی دیر میں اُسکو بیخ و بُن سے اوکھاڑ کر پھینک دیا جائیگا۔ مگر لڑائی نے کئی روز تک طول کھینچا۔ ابن زیری نے خیران کو اپنا وعدہ پورا کرنے کو لکھا تو اوس نے جواب دیا کہ ہم یہ چاہتے تھے کہ تم ہماری لڑائی اور صبر کی مقدار کو دیکھتے۔ اگر ہم پوشیدہ طور پر تمہارے ساتھ ہوتے تو بہتر یہہ تھا کہ اپنی جمعیت کو تم ہمارے ساتھ کردیتے اور ہم سب مل کر اُس (المرتضیٰ) کو ہزیمت دیدیتے۔ اور دوسری ہی روز ہم اوس کو تباہ کردیتے۔" جب خیران اور منذر کے اعیان اور دیگر جاگیرداروں کا عذر معلوم ہوا کہ اُن لوگوں نے المرتضیٰ سے بے رخی کی ہے تو، اور لوگوں نے بھی اوس سے روگردانی کرلی۔ ابن زیری المرتضیٰ کے ہاتھ میں پڑگیا اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ اُس کے مابقی ساتھی بہت سے قتل ہوگئے۔

اس کو جب اپنے پکڑے جانے کا خوف ہوا تو وہ بھاگ اُٹھا۔ خیران نے اُسپر جاسوس لگائے اور انہوں نے وادی آش میں اُسکو جا لیا مگر وہ بلاد بربر میں نکل گیا اور اپنے آپ کو مامون سمجھنے لگا۔ اچانک اُس کے مخالفوں نے وہاں اوس پر ہجوم کرکے اوسکو قتل کردیا؛ اور اس کا سر مریہ میں کہ جہاں خیران اور منذر مقیم تھے، لے گئے۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ دونوں اس کی ہلاکت

پرجوش ہوئے ہیں اس واقعہ کے بعد اہل اندلس بربر کے دشمن ہو گئے۔ اور اُن کا کبھی ساتھ نہیں دیا۔ قاسم ابن حمود نے المرتضیٰ کے خیمے دریار قرطبہ پر لگوائیے۔ جن کو دیکھ دیکھ کر لوگوں کو سخت رنج ہوتا تھا۔ عبادہ بن ماء السمار نے ایک سخت حسرت آمیز قصیدہ لکھا ہی۔

قاسم کا قدم جم گیا۔ کسی کو کہیں کا والی مقرر کیا، کسیکو معزول کیا اور جو کچھ چاہا کیا۔ اور کیا! اُس کی آنکھیں اُس وقت کھلیں کہ جب اُس کے بھتیجے یحیٰ ابن علی نے اوسکی بیعت کا قلاوہ اپنی گردن سے نکال پھینکا۔ اور سبتہ سے اکابر بربرہ کو قرطبہ میں لکھا کہ میرے چچا نے میری میراث میرے والد سے لے لی ہے اور پھر وہ تمہاری اون ولایت کی طرف بڑھا ہی کہ جنکو تم نے اور تمہارے غلاموں اور حبشیوں سنے اپنی تلواروں کے زور سے لیا تھا۔ اب میں اپنی میراث طلب کرتا ہوں۔ میں تم لوگوں کو اپنے منصبوں کے لیے اپنے سمجھتا ہوں اور غلاموں اور حبشیوں کو اُن کے معروف حالت پر قایم رکھنا مناسب جانتا ہوں۔

لوگوں نے اوسکی دعوت کو قبول کر لیا۔ یحیٰ بن علی نے اپنے تمام جہازوں کو جمع کر لیا۔ اور اُس کے بھائی ادریس صاحب مالقہ نے اوسکی اعانت کی۔ یحیٰ ایک جمعیت وافر کے ساتھ دریا کو عبور کر کے اپنے بھائی کے پاس مالقہ جا پہونچا۔ پھر اُس نے خیران صاحب مریہ کو یاد دلایا کہ زمانہ سلف میں اُس کے باپ نے مدد کی تھی۔ اور اپنے محبت کو موکد کیا۔ ادریس نے اُسے سمجھایا کہ خیران ایک دغاباز آدمی ہے اُس سے بچنا چاہیے۔ یحیٰ نے کہا کہ ہم بھی اُس سے ایسی دغا کرینگے جو ہمکو ضرر نہ پہونچا ئیگی۔ غرض اس کے بعد یحیٰ نے قرطبہ کی طرف اس وثوق کے ساتھ پیش قدمی کی کہ اہل بربر میرے ساتھ ہیں۔ قاسم اپنے پانچ خواص سواروں کو لیکر ۲ ربیع الاخر ۴۱۲ھ ہجری یوم شنبہ کو اشبیلیہ کی طرف بھاگ گیا۔ اور یحیٰ نے قرطبہ پر قبضہ کر لیا۔ بربریوں، حبشیوں۔ اور اہل شہر نے بروز شنبہ یکم جمادی الثانی کو اُس سے بیعت کر لی۔

یحیٰ نجیب الطرفین تھا۔ اُس کی والدہ فاطمہ تھی۔ اُس میں عیب یہ تھا کہ وہ متکبر تھا۔

اورسفلہ پرور۔ اکابراہل بربرنے جمع ہوکر اوس سے یہ چاہا کہ وہ اپنے وعدہ کے مطابق حبشیوں کو اون کے مراتب سے گرادے چنانچہ اوس نے یہ وعدہ ایفا کیا۔ مگر اس پر بھی وہ لوگ اوس سے خوش نہ ہوئے اور ایسی حرکتیں کرنی شروع کیں جن سے اوسکی ہیبت جاتی رہی اور بیت المال خالی ہوجائے تمام حبشی بربری اور اندلس کی وہ فوجیں جنہوں نے یحییٰ کا ساتھ نہ دیا تھا بھاگ کر اوس کے چچا کے پاس اشبیلیہ چلے گیے۔ اور ان میں سے بہت سے اس کے چچا قاسم ہی کو اپنا بادشاہ مانتے تھے۔ اس سے قرطبہ میں اختلال پیدا ہوگیا۔ اور یحییٰ کو اس امر کا یقین ہوگیا کہ اگر میں یہاں (قرطبہ میں) ٹھہرا رہا تو پکڑا جاؤنگا۔ اُس نے اپنے بھائی ادریس کو سبتہ میں مقرر کیا ہوا تھا۔ اوس کو اطلاع ہوپنچی کہ اہل مالقہ نے خیران کو خط لکھکر بلایا ہے چنانچہ خیران کو مالقہ کی طمع ہوئی۔ یحییٰ یہ حالات دیکھ کر رات کے وقت چند خواص لیکر مالقہ چلا گیا۔ القاسم کو جب یحییٰ کے فرار کی اطلاع ملی تو وہ اشبیلیہ سے قرطبہ آگیا۔ اور یہاں لوگوں نے بروز سہ شنبہ ۱۸ ذیقعدہ ۴۱۳ ہجری کو اس سے بیعت کرلی۔ لیکن القاسم کے قرطبہ پہونچ جانے سے بھی اُس کے حال میں اصلاح نہیں ہوئی۔ کیونکہ اختلاف واقع ہوگیا تھا حبشی اوس کے گرد جمع ہوگئے تھے، بہت سے بربری یحییٰ کے ساتھ تھے اور سراہل قرطبہ ایک شخص قائم نامی کے حامی تھے جو بنوامیہ میں سے تھا اور اُس کا ذکر ہر جگہ کرتے تھے جس سے اضطراب پیدا ہوگیا۔ اور بنوامیہ کے لیے مطالبہ شروع ہوگیا اور اُن کے حامی مختلف شہروں میں پھیل گیے اور لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے اور اون کے اوضاع واطوار کو پوشیدہ رکھنے لگے پھر بربریوں اور اہالی قرطبہ کے درمیان میں اختلاف واقع ہوگیا۔ اہل شہر بڑھ گئے اور القاسم اور بربریوں کو نکال باہر کردیا۔ غربی شہر میں اُنہوں نے خیمہ لگالیا۔ جدال و قتال شروع ہوگیا جو پچاس روز تک برابر جاری رہا۔ اہل قرطبہ نے اپنے شہر کے دروازے بناکر بند کرلیے اور القاسم سے فصیل شہر پر سے لڑتے رہے۔ محاصرہ نے طول کھینچا۔

تو اُنہوں نے شہر کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کو توڑ کر اتنا سوراخ کر دیا کہ ایک آدمی اُس میں سے گزر سکے۔ اور انتظار کرتے رہے۔ خدائے تعالےٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی اور حبشی القاسم کے ساتھ اشبیلیہ کی طرف چل دیئے اور بربری یحییٰ کی طرف چلے گئے، جو مالقہ میں تھا۔ القاسم قرطبہ کے باہر سے بروز پنجشنبہ بتاریخ ۱۸ر شعبان ۴۱۴ھ ہجری بھاگا تھا اوس کا بیٹا محمد بن قاسم اشبیلیہ پر والی تھا۔ محمد بن زیری اکابر بربرا میں سے گویا مدار المہام تھا، اور وہاں کے قاضی محمد ابن عباد تھے معتمد بن عباد کے دادا تھے۔ انہوں نے اپنے لیے ڈھنگ ڈالا۔ اور ابن زیری کو یہ طمع دلائی کہ وہ مالک ہو جائے۔ غرض شہر کے دروازے محسن کے مقابلہ میں بند کر لیے گئے۔ لڑائی ہونے لگی۔ بربری اور حبشی بہت سے قتل ہوئے۔ ابن عباد ان سب لوگوں پر ہنستے رہے۔ القاسم مایوس ہو گئے اور انہوں نے اس پر قناعت کی کہ اُن کے بیٹے اور دوستوں کو اُن کے حوالے کر دیں۔ لوگوں نے ان سب کو شہر سے نکل جانے کی اجازت دی۔ القاسم ان سب کو لیکر شریش کی طرف چلا گیا۔ وہاں ٹھہرا ہی تھا کہ اُس کا بھتیجا یحییٰ مالقہ سے ایک جمعیت کثیر لیکر آ پہونچا۔ اور بیس روز شہر میں محاصرہ رکھا۔ اس عرصہ میں سخت لڑائیاں ہوئیں۔ اور فریقین میں سے ایک خلق کثیر قتل ہوئی۔ یحییٰ نے اپنے چچا کے ساتھ لڑائی میں بہت سختی سے کام لیا۔ اودھر اہل شریش اوس کے ساتھ شامل ہو گئے اور حبشی بھاگ گئے۔ القاسم اور اُس کا بیٹا یحییٰ کے ہاتھ میں پڑ گئے۔ اُس نے قسم کھا رکھی تھی کہ اگر القاسم اُسکے ہاتھ آ جائیگا تو قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا، تا وقتیکہ میں تیسری بار پھر قرطبہ پر قابض نہ ہو جاؤں۔ اس نے اس کے قتل میں توقف کیا اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ وہ اسکو قید کر کے مالقہ لے چلے اور وہاں اُس کو قید میں اپنے پاس رکھے۔ مگر اس پر بھی وہ غفلت میں اوسکو قتل کر ڈالنے کا ارادہ کرتا، مگر اوس کے ندیم ہر موقع پر مانع آتے رہے اور کہتے رہے

کہ اس کو خلاصی کی کوئی امید نہیں ہے۔ جب یحییٰ سوتے ان کے والد علی ــ خواب میں قتل کرنے سے منع کرتے اور یہ کہتے کہ "یہ میرا بڑا بھائی ہے اور بچپن میں مجھ سے اچھا سلوک کرتا رہا ہے۔ اور جب میں خود مختار امیر ہوا تو وہ میرا تابعدار رہا۔ اوس کے متعلق اللہ سے ڈرو"۔ غرض یہی کیفیت رہی۔ یہاں تک کہ گرفتاری سے تیرہ سال کے بعد مالقہ کے ایک قلعہ میں بحالت قید اُس کا گلا گھونٹ دیا گیا؛ اور یہ بہانہ کیا گیا کہ وہ اہل قلعہ سے غدر کرنے کے لیے کہتا تھا۔ یہ واقعہ ۴۲۷ھ ہجری میں ہوا۔

اودھر القاسم کے فرار کے بعد اہل قرطبہ کے قریباً بیس آدمی جمع ہو کر یہ مشورہ کرتے رہے کہ کس سے بیعت کی جائے۔ سہ شنبہ نصف رمضان ۴۱۴ھ ہجری کو المستظہر اور سلیمان بن المرتضیٰ اور دیگر بنوامیہ شہر میں آ گئے۔ لوگوں نے المستظہر سے بیعت کر لی اور اُس کے ہاتھ چومے۔ مگر اس سے پہلے بتراضی اکابر سلیمان بن المرتضےٰ سے بیعت کر چکے تھے۔ غرض مستظہری کا نام رہا اور وہ سوار ہو کر قصر میں داخل ہوئے۔ اور اپنے ساتھ اپنے دونوں چچازاد بھائیوں کو لیتے گئے، اور وہیں اون کو قید کر دیا۔

المستظہر اپنے ساتھ ایک جماعت ایسے لوگوں کی لے گیا تھا کہ جن پر ہر مذہب کے لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ مثلاً ابو عامر بن شہید، جو اپنی بیہودگی میں منہمک رہتا تھا، اور ابو محمد بن حزم، جو علماء کی رد میں مشہور تھا، اور موخر الذکر کا چچازاد بھائی عبدالوہاب بن حزم، جو اپنی نعمت کی حالت میں بے ضرورت بکواس کرتا رہتا تھا۔ مشائخ وزراء و اکابر کو ان سے ایک طرح کی دشمنی ہو گئی تھی۔ المستظہر نے بربریوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور اُن کا بہت اکرام کیا۔ علم ادب اور نظم شعر میں ابن شہید اور حزم کے دونوں بیٹوں سے اکثر مباحثہ کرتا رہتا تھا۔ اوس زمانہ کے لوگ ایسے اجہل تھے کہ اون سے زیادہ جاہل ہونا ممکن نہیں ہے۔ شریر لوگوں کی ایک جماعت قید تھی اور یہ قرار دیدیا گیا تھا کہ اُن میں سے ایک بھی رہا نہ کیا جائیگا۔ مگر ایک شخص ابو عمران نامی رہا کر دیا گیا۔

حالانکہ بعض وزرار نے اوس کے نہ رہا کرنے پر بڑا زور دیا تھا۔ مگر المستظہر نے ایک نہ سنی جس کا نتیجہ اوسکی فضیحت ہوا۔ جو لوگ کہ رہا ہوئے تو انہوں نے اوس کی دولت کے انتزاع کرنے اور اوس کے عیش کو مبدل بہ مصیبت کرنے کا ارادہ کرلیا۔ المستظہر تو اُدبار اور شعرا کے ساتھ اپنی عادت کے موافق مشغول رہا اور اُنہوں نے بربریوں کے ساتھ مل کر اُس سے خلع کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اُسی سال جس میں اُن سے بیعت کی گئی تھی۔ وہ قتل کر دیئے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب خدائے تعالے کا ارادہ کسی کام کا ہوجاتا ہے تو کسی کی مجال نہیں کہ اُس کے خلاف کرسکے۔ قتل کے وقت المستظہر کی عمر تیئیس ۲۳ سال کی تھی۔ کل ۴۷ روزہ سلطنت کا لطف اُٹھا سکا تھا۔ شاعر تھا اور اچھا شعر کہتا تھا۔ اُن کی بعض نظمیں اب بھی محفوظ ہیں۔ شاعروں کا قدردان تھا۔ اکثر صلے دیتا رہتا تھا۔ ہمنے باب سوم میں اُس کے کچھ حالات لکھے ہیں اور وہیں یہ بھی بتلایا ہے کہ اس کے بعد قرطبہ میں کیا ہوا۔ یہانتک کہ امور سلطنت ابن جہور کے ہاتھ میں بصورت وزارت آگئے۔ پھر اُس کا بیٹا مستولے ہوا۔ یہانتک کہ اوس سے معتمد بن عباد نے قرطبہ چھین لیا۔ جب کہ اُس کے حالات میں مذکور ہوچکا ہے۔ اس کے بعد ملوک عدوہ مثل ملثمین۔ وموحدین کا قرطبہ پہ استیلا ہوگیا۔ یہانتک کہ ان لوگوں نے قرطبہ کو نصاریٰ کے سپرد کردیا (خدائے تعالے اپنے فضل وکرم سے اس کو پھر مسلمانوں کے قبضے میں لے آئے) یہ سب حالات ہم آخری باب میں بیان کرینگے۔

صاحب مناہج الفکر نے قرطبہ کے حالات میں جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہی کہ جزیرہ اندلس کے غرب میں جو بڑے بڑے شہر ہیں اُن میں سے ایک قرطبہ ہی جو سنہ ۹۲ ہجری سے جبکہ زمانہ ولید بن عبدالملک میں مسلمانوں نے اس کو فتح کیا تھا مقر ملک ودار الامارت اور تمام شہروں کی گویا ماں، اُس وقت تک رہا ہے کہ آخر اُن کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور مسلمانوں کے ہاتھ میں آکر الناصر عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں

پہونچا۔ اُنھوں نے ایک اور شہر بناکر اُس کا نام زہرا رکھا۔ دونوں شہروں کے درمیان ایک بڑا دریا رواں ہے۔ انتہیٰ

واضح ہو کہ عمارات اپنے بانی کے عظمت واقتدار کی دلیل ہوا کرتی ہیں جیسا کہ ہم نے الناصر کے حالات میں بیان کیا ہے اُن کی بہترین یادگار زہرا رتھا۔ بلغا زمانہ نے اسکی تعریفیں احسن الفاظ و معانی میں کی ہیں معتمد علی اللہ نے جو قصر بنایا تھا اوس کی توصیف میں احمد بن یسین الصقلی نے طویل قصیدہ کہا ہے۔ المنصور بن اعلی الناس نے جو قصر بجایہ میں بنایا تھا اوس کی تعریف میں اُن کا الگ طویل قصیدہ ہی۔ اس قصیدہ میں حوض اور اوس پر جو سونے چاندی کے درخت تھے، اور روانی آب وغیرہ کی تعریف میں بہت زور لگایا ہے، اور منصور کی مدح کرکے اس قصیدہ کو ختم کردیا ہے۔ میں نے اس قصیدہ کی از روئے معنی والفاظ کے نظیر نہیں دیکھی۔

قرطبہ کے حالات میں سب سے ضروری جامع مسجد کا ذکر ہی۔ بلاد مشرقیہ کے رہنے والوں میں کے ایک جم غفیر میں یہ بات مشہور ہے کہ قرطبہ کی جامع مسجد کی تین سو ساٹھ [۳۶۰] محرابیں ہیں۔ سال کے بھی اتنے ہی دن ہوتے ہیں۔ ان محرابوں میں یہ صفت تھی کہ ہر روز آفتاب ایک محراب میں داخل ہوتا تھا۔ اور دوسرے روز دوسرے میں۔ یہانتک کہ آخر سال میں سب سے آخری محراب میں پہونچکر اپنا دور ختم کر دیتا تھا۔ اور پھر از سر نو پہلی محراب سے دور شروع کرتا تھا۔ مگر یہ مشہور عوام قول ایسا ہے کہ مغرب و اندلس کے مورخین نے اسکا تذکرہ نہیں کیا۔ انہوں نے اور باتوں کا ذکر کیا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ عجیب صنعت تھی لیکن اگر یہ قول صحیح ہوتا تو وہ لوگ ضرور اس کا ذکر کرتے۔ بہرحال حقیقت حال کا اس معاملہ میں خدا ہی کو علم ہے۔ ہم ایک اور مقام پر شقندی کا وہ طویل رسالہ نقل کرینگے جس میں مصنف ممدوح نے قرطبہ اور تمام بلاد اندلس کے محاسن بیان کیے ہیں۔ ہم باب اول میں قرطبہ کے محاسن بیان کر آئے ہیں اُس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

اگرچہ رسالہ شقندی میں صرف اُن ہی بابوں کی تکرار ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ مگر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن ہی کے الفاظ ہم ذکر کر دیں۔

صاحب نشق الازہار نے لکھا ہے کہ جامع مسجد قرطبہ میں پیتل کا ایک جھاڑ تھا جس میں ایک ہزار چراغ جلتے تھے اس کے علاوہ وہاں اور بہت اشیاء غریب ایسی صنعتہا عجیبہ سے بنی ہوئی تھیں کہ جن کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ کہتے ہیں کہ اس کے بنانے میں سات برس لگے تھے۔ اس مسجد میں تین ستون سنگ سرخ کے تھے۔ ایک پر نام مبارک محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا تھا۔ دوسرے پر حضرت موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) کے عصا اور اصحاب کہف کی صورت منقوش تھی، اور تیسرے پر حضرت نوح (علیٰ نبینا علیہ السلام) کے کوّے کی صورت تھی یہ تصویریں کسی صانع کی بنائی نہ تھیں، بلکہ پتھر ہی میں قدرتی تھیں انتہیٰ۔ میں کہتا ہوں کہ اندلس کے کسی محقق مورخ یا ثقہ شخص نے اسکا ذکر نہیں کیا۔ اگرچہ میں قلت اطلاع کا مقر ہوں مگر میرے نزدیک تو یہ بات بعید ہے۔ کیونکہ اگر اس کا وجود ہوتا تو کوئی نہ کوئی امام تاریخ اس کو ضرور لکھتا۔ قاضی عیاضؒ نے شفا میں ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جن پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک پایا گیا تھا۔ مگر انہوں نے بھی اس ستون کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بات بالکل بعید ہے کہ قرطبہ کی جامع مسجد میں ایسا ستون ہوتا اور قاضی عیاض اُس کا ذکر نہ کرتے۔ مگر حقیقت امر سے خدائے تعالےٰ آگاہ ہے۔

اسی کتاب میں ایک اور موقع پر لکھا ہے کہ قرطبہ کا دورہ ۲۴ میل تھا۔ اور عرض دو میل یہ شہر دریا ر وادی الکبیر پر آباد ہے۔

دریا پر دو پل ہیں۔ یہیں بڑی جامع مسجد اسلامی، اور عیسائیوں کا بڑا کنیسہ ہے۔ اس شہر میں چاندی اور شا فنج (شاہ دانہ) کی کانیں ہیں۔ شا فنج ایک پتھر ہے جس کے لگانے سے زخم کا خون بند ہو جاتا ہے۔ یہاں سے خچر تجارت کے لیے باہر بھیجے جاتے ہیں۔ جو بوجہ خوبصورتی اور بلندی قد کے پانچ سو دینار تک قیمت پاتے ہیں۔

یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ عمارات اپنے بانی کی عظمت قدر کی دلیل ہوتی ہیں چنانچہ امیرالمومنین الناصر لدین اللہ بانی زہراء کو نورالدین بن علی نے اپنے قصیدہ میں اسی صفت سے موصوف و منسوب کیا تھا اس قصیدہ کے دو شعر یہ ہیں۔

همم الملوک اذا ارادوا ذکرها　　من بعدهم بالسن البنیان

ان البناء اذا تعاظم قدره　　اضحی یدل علی عظیم الشان

بعض علماء کا میں نے یہ قول دیکھا ہے کہ یہ دونوں شعر امیرالمومنین الناصر کے ہیں جو زہراء کے متعلق کہے تھے ہم اس کا ذکر ابھی کرینگے۔

شیخ سیدی محی الدین ابن عربی نے مسامرات میں شہر زہراء کی خرابی، اور اس کے وحوش و طیور کا مسکن ہو جانے کے متعلق کچھ اشعار لکھے ہیں۔ جو عاقل کو دنیا کی بے ثباتی یاد دلاتے ہیں اور غافل کو عبرت دلا کر جگاتے ہیں۔ وہو ہذا

دیار باکناف الملاعب تلمع　　وما ان بها من ساکن وهی بلقع

ینوح علیها الطیر من کل جانب　　فیصمت احیانا وحینا یرجع

فخاطبت منها طایرا متفردا　　له شجن فی القلب وهو مروع

فقلت علی ماذا تنوح وتشتکی　　فقال علی دهر مضی لیس یرجع

بعض مشایخ قرطبہ نے بناء شہر زہراء کی وجہ مجھ سے یہ بیان کی ہے کہ امیرالمومنین الناصر لدین اللہ (رحمۃ اللہ) کی ایک لونڈی بہت سا مال چھوڑ کر مر گئی اوس نے یہ وصیت کی تھی کہ اس مال سے مسلمان قیدی فدیہ دیکر چھوڑا لے جائیں۔ امیرالمومنین الناصر نے تمام بلاد فرنگستان میں دریافت کرلیا تو معلوم ہوا کہ کوئی مسلمان نصاریٰ کے ہاتھ میں قید نہیں ہے یہ سنکر امیرالمومنین نے خدائے تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔ ایک اور لونڈی نے جسکا نام زہراء تھا، اور امیرالمومنین کو اوس سے محبت شدید تھی، کہا کہ میں یہ چاہتی ہوں کہ اس مال سے ایک شہر بنایا جائے اور اُسکو میرے نام سے موسوم کیا جائے اور اُسکو

میرے لیے خاص کر دیا جائے۔ چنانچہ امیر المومنین نے اس شہر کو جبل عروس کے نیچے بنایا۔ جو شمال قرطبہ میں تھا۔ اس وقت قرطبہ اور اس پہاڑ کے درمیان میں قریباً تین میل کا فاصلہ ہے۔ اس کی بنیادیں بہت مضبوط تھیں اور بہت سی صنعتیں اس پر خرچ کی گئی تھیں۔ اسکو زہرا، اور اُس کے ارباب دولت کے لیے سیر گاہ اور مسکن بنایا اور زہرا کی صورت دروازے پر منقوش کر دی۔ جب زہرا نے شہر کی سفیدی اور خوبصورتی کو اُس سیاہ پہاڑ (جبل عروس) کی گود میں دیکھا تو کہا کہ کیا حضور اس لونڈی کو، بایں ہمہ خوبی و حُسن، ایک زنگی گود میں نہیں دیکھتے؟ الناصر نے یہ سُنکر حکم دیا کہ اس پہاڑ کو اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ مگر ایک ندیم نے کہا کہ "امیر المومنین کو ایسی بات کرنے سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے جو عقل کے خلاف ہے، اور جس کے سننے سے اس کا غیر ممکن ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اگر تمام خلقت جمع ہو تب بھی اس پہاڑ کو نہ کھود سکیں گے۔ اسکو اگر کوئی زائل کر سکتا ہے تو صرف وہی ذات پاک جس نے اسکو بنایا ہے" یہ سُنکر امیر المومنین نے حکم دیا کہ اُس پہاڑ کے خود رو درخت کاٹ ڈالے جائیں۔ اور بجائے اُن کے انجیر اور بادام لگائے جائیں۔ جس سے اُس پہاڑ کا منظر جہاں تک انسانی امکان میں تھا خوبصورت ہو گیا خاص کر بہار کے موسم میں تو یہ منظر عجیب لطف خیز ہوتا تھا۔ انتہٰی،

ابن خلکان معتمد بن عباد کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ زہرا، (بفتح زاء و سکون ہاء و فتح راء بعد ہا، ہمزہ ممدودہ) دنیا کی عجیب ترین عمارات میں سے تھا۔ اس کو ابو المظفر عبد الرحمن بن محمد بن عبد اللہ الملقب بالناصر لدین اللہ نے، جو اندلس کے شاہان بنو امیہ میں سے تھے، قرطبہ کے قریب ۳۲۵ھ کے شروع میں بنایا تھا۔ ان دونوں شہروں کے درمیان میں ۴ ½ میل کا فاصلہ تھا۔ زہراء کا طول شرقاً غرباً دو ہزار سات سو ذراع تھا۔ اور عرض شمالاً جنوباً ایک ہزار پانسو ذراع۔ اس کی فصیل چار ہزار تین سو ستون پر تھی۔ اور پندرہ ہزار سے زیادہ دروازے تھے۔ الناصر لدین اللہ اندلس کے

محاصل کو تین حصوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ ایک حصہ فوج پر خرچ کرتے تھے، ایک حصہ جمع رکھتے ہیں اور ایک حصہ زہرا کی عمارت پر خرچ کرتے تھے۔ اندلس کے محاصل ۔

۵۴۰۸۰۰۰ دینار تھے اور ۷۶۵۰۰۰ دینار بازار وغیرہ کی آمدنی تھی۔ یہ عمارت بہترین عمارات دنیا تھی، اس جیسا نقشہ شاید ہی کسی شخص کے ذہن میں آیا ہو۔

سب سے بڑی عظیم الشان عمارت تھی جو کسی انسان نے بنائی ہے۔

ابن بشکوال نے تاریخ اندلس میں یہ تمام حالات لکھے ہیں۔ انتہیٰ۔

(مطمح میں لکھا ہے کہ وزیر حزم بن جہور شاہان بنو امیہ کے ان قصروں پر سے گزرے جنکی بنیادیں بھی خراب ہو چکی تھیں اور جنکے ساکنین وحوش وطیور بن گئے تھے۔ اُن کو دیکھکر انہوں نے کہا کہ:۔

قلت یوما لدار قوم تفانو	این سکانک العزاز علینا
میں نے ایکدن اُس قوم کے مکانات سے کہا جو فنا ہو چکے ہیں	کہ تیرے رہنے والے جو ہمپر عزت رکھتے تھے کہاں گئے
فاجابت ھنا اقاموا قلیلا	ثم ساروا ولست اعلم اینا
اُس نے جواب دیا کہ یہاں تھوڑی دیر ٹھہرے	پھر چل دیئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ کدہر۔)

بعض مورخین اندلس نے لکھا ہے کہ زہرا کی عمارت پر روزانہ دس ہزار مزدور اور ایکہزار پانسو جانور مزدوری کرتے تھے بعض مزدور ایسے تھے جنکی مزدوری روزانہ ڈیڑھ درم تھی، بعض کی دو، اور بعض کی تین درم۔ ہر روز چھ ہزار ریختہ کیے ہوئے پتھر اس میں لگ جاتے تھے، اُن گھڑے پتھر الگ رہے۔ انتہیٰ۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ الناصر لدین اللہ نے زہرا کی بنا یکم محرم ۳۲۵ھ ہجری کو شروع کی تھی۔ اور اس کا طول شرقاً غرباً دو ہزار سات سو ذراع رکھا تھا جسکی تکسیر نو لاکھ نوے ہزار ذراع ہوتی ہے۔ بعض اور مورخین نے بھی یہی لکھا ہے لیکن اس میں کلام کرنے کی گنجایش ہے۔ ہر ایک پتھر پر، چھوٹا تھا یا بڑا، دس دینار خرچ ہوتے تھے

پہاڑسے کاٹنے، اُٹھانے اور لانے کی مزدوری وغیرہ الگ رہی۔ سنگ مرمریہ سے، اور اور قسم کا پتھر ریہ سے، گلابی اور سبز پتھر اسفاقس اور قرطاجنہ واقع افریقیہ سے، منقوش ومذہب حوض شام سے (بعض کے نزدیک قسطنطنیہ سے) سے آیا تھا۔ اس حوض پر سونے سے نقوش اور تصویریں اور انسان کی صورتیں بنی ہوئی تھیں۔ اس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگ سکتا۔ جب احمد الفیلسوف (بعض کے نزدیک کوئی اور) لیکر آیا تو الناصر لدین اللہ نے حکم دیا کہ اسکو وسط مجلس شرقی میں لگایا جائے۔ اس مقام کو مونس کہتے تھے، اس پر بارہ تصویریں تھیں۔ اس قصر میں ایک اور مکان تھا، جو قصر "خلافت" کہلاتا تھا۔ اس مکان کی چھت اور دیواریں موٹے، صاف اور مختلف رنگ دار پتھروں کی تھیں، جن پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ اس کے درمیان میں وہ جوہر بے نظیر لگایا گیا تھا جو الیون بادشاہ قسطنطنیہ نے الناصر کو تحفتاً بھیجا تھا۔ اس مکان کی اینٹوں پر سونا اور چاندی چڑھا ہوا تھا۔ اس مکان (قصر خلافت) کے درمیان میں ایک بڑی حوض پارے سے بھری ہوئی تھی۔ ہر طرف آٹھ دروازے تھے جنکے درمیان میں ہاتھی دانت اور آبنوس کی چھوٹی چھوٹی دیواریں تھیں جو سونے اور مختلف قسم کے جواہرات سے مرصع تھیں۔ سارے دروازے ایسی دیواروں پر قایم تھے جو مختلف رنگوں کے پتھروں اور بلور صافی سے بنی ہوئی تھیں دہوپ ان دروازوں سے داخل ہوتی تھی، اور اوس کی شعاع صدر مجلس اور دیواروں پر پڑتی تھی، جس سے روشنی ایسی بڑھ جاتی تھی کہ آنکھیں چوندھیا جاتی تھیں۔ الناصر لدین اللہ جب یہ چاہتے تھے کہ اپنے اہل مجلس میں سے کسیکو مرعوب کریں، تو صقالبہ میں سے ایک کو اشارہ کر دیتے تھے وہ اس پارے کو جو حوض میں بھرا ہوا تھا، جاکر ہلا دیتا تھا۔ جس سے مجلس میں بجلی کی سی چمک پیدا جاتی تھی، اور جب تک پارہ ہلتا رہتا انسان کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مکان، معہ وہاں کے بیٹھنے والوں کے، اُڑا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ مجلس چکر کھایا کرتی تھی اور ہر وقت آفتاب کے رخ پر رہتی تھی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اس پارے کی

حوض کے ایک چبوترے پر قایم تھی۔ یہ مجلس ایسی جگہ تھی کہ جاہلیت یا اسلام میں ایسی کہیں، اور کبھی نہیں بنی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اون کے یہاں پارہ بہت تھا۔ زہرا کی بنا، نہایت مضبوط تھی، اور بہت خوبصورت تھا، سنگ مرمر بہت خرچ ہوا تھا۔ اور اس میں ستون بہت تھے، پانی رواں تھا، اور باغ لگا ہوا تھا۔ انتہیٰ۔

ہم نے اس مورخ کے کلام کا خلاصہ درج کیا ہے، آگے چل کر اور بھی لکھیں گے۔ جس کا بہت سا حصہ اس بیان کے موافق ہوگا اور قلیل حصہ مخالف۔ خدا سبحانہ تعالےٰ تمام امور سے آگاہ ہے۔ اس کتاب میں بعض مقامات ایسے ملیں گے کہ بنظر تامل دیکھنے والے اصحاب کو بعض امور ایک دوسرے سے مخالف معلوم ہونگے۔ اور وہ سمجھیں گے کہ یہ واقعات غلط ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہہ ہے کہ ہمنے مورخین کے کلام کو اُن ہی کے الفاظ میں لکھ دیا ہے۔ لیکن ناقد بصیر پر اصل امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اکثر ایسا ہوگا کہ ایک واقعہ مکرر بیان کیا گیا ہے۔ اسکی وجہہ بھی وہی ہے۔ واللہ اعلم

مجلس الناصر کے ذکر کے ساتھ مجھے وہ بڑا قصر یاد آگیا جسکو المامون ابن ذالنون بادشاہ طلیطلہ نے بنایا تھا۔ یہ قصر بھی نہایت مضبوط تھا۔ اور اُس پر بہت مال خرچ کیا گیا تھا اس کے وسط سے ایک نہر نکالی تھی اور نہر کے وسط میں ایک قبہ رنگدار شیشہ کا بنایا تھا جس پر کہ سونے سے نقش بنے ہوئے تھے۔ مہندسین نے اپنی ترکیبوں کے ساتھ قبہ کے اوپر پانی چڑہایا تھا۔ جو (قبہ کے) اوپر سے گر کر اُن دیواروں پر سے بہتا تھا جو اُس قبہ کو احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ مامون قبہ کے اندر بیٹھا رہتا تھا۔ مگر پانی کی چھینٹ بھی اُس تک نہ جاتی تھی۔ پانی گرنے کی حالت میں جب اس میں روشنی ہوتی تھی تو عجیب لطف دیتی تھی۔ ایک رات کو وہ اس قبہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی شخص کو یہ اشعار گاتے ہوئے سُنا:

اتبنی بناء الخالدین وانما	مقامك فيها لو علمت قليل
؟ ؟ تو مکان رہنے کے بناتا ہے ،	حالانکہ اگر تجھے معلوم ہو تو تیرا قیام یہاں بہت کم ہے
لقد كان فی ظل الاراك كفاية	لمن كل يوم يقتضيه رحيل
درخت کا سایہ ہی کفایت کرتا ہے	اُس شخص کے لیے جو ہر روز کوچ کے لیے تیار بیٹھا ہو

اس سے اُس کا عیش منغص ہو گیا اور کہا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ میرا خیال ہے کہ موت نزدیک آگئی ہے ۔ اور پھر اُس قبہ میں نہیں بیٹھا ۔ اور ایک ہی مہینہ کے اندر داعی اجل کو لبیک کہا ۔ یہ واقعہ سنہ ۴۶۲ ہجری کا ہے ۔ خدا تعالےٰ اُس کے گناہوں سے تجاوز کرے ۔ یہ قصہ مغرب کے ایک مورخ نے لکھا ہے ۔ اسی کتاب میں ایک مقام پر اس قبہ کے حالات ابن بدرون شارح عبدونیہ کے الفاظ میں بیان کیے ہیں ۔ اس قبہ کی توصیف میں ابو محمد المصری نے ایک بلیغ قصیدہ لکھا ہے ۔

شاہان اندلس مجالس اور قصور کے بنانے اور سجانے کا خاص اہتمام کیا کرتے تھے ۔

منصور بن ابو عامر نے جو قصر بنایا تھا اوسکی توصیف میں وزیر الجزیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک قصیدہ لکھا تھا ۔ جس میں تین شعروں میں ابر کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ تیرا دوست ہے یا دست نگر کہ تیرے حکم پر چلتا ہے وغیرہ وغیرہ ۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ منصور نے اپنے بیٹے عبد الرحمن کی غسل صحت کی تقریب سے ایک دعوت عام کرنی چاہی ۔ اوس زمانہ میں ایسا سخت قحط تھا کہ قرطبہ میں ایک ربع (۹) آٹا دو دیناروں میں بکتا تھا ۔ لوگ قرطبہ سے بھاگ نکلے تھے ۔ جس روز یہ تقریب ہونے والی تھی اُس روز اُفق پر ایک چھوٹا سا ابر آیا تھوڑی دیر میں تمام آسمان پر پھیل گیا ۔ اور خوب ہی بارش ہوئی ۔ جس سے تمام لوگ خوش ہو گئے ۔ اور منصور کو بھی بہت ہی خوشی ہوئی ۔ الجزیری نے اُسی وقت یہ قصیدہ فی البدیہہ پڑھا اور اُس میں اس واقعہ کی طرف بھی یہ اشارہ کیا ۔

بعض مورخین اندلس نے لکھا ہے کہ عبد الرحمن الداخل کے زمانہ تک قرطبہ میں چار سو[۴۹۰]

نوّے مسجدیں بن چکی تھیں۔ اوس کے بعد تو تعداد بہت بڑھ گئی تھی، جیسا کہ ہم آگے بیان کرینگے۔
ایک مورخ کہتے ہیں کہ قرطبہ اندلس کا صدر مقام، امام المدائن، اور دارالسلطنت ہے۔ یہاں چار ہزار تین سو قابل دید مقامات ہیں۔ قصر کبیر میں چار سو تیس [۴۳] کے قریب کانات ہیں۔ رعایا کے مکانات، اور اُن کے بیرون شہر کے مکانات، جن میں لوگ رات کو سو سکتے تھے، ایک لاکھ تیرہ ہزار ہیں۔ وزرا اکابر کے مکانات اور سفید زمین کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ بعض کتابوں میں میں نے یہ دیکھا کہ یہ اعداد و زمانۂ لمتونہ اور موحدین کے تھے۔ اُس زمانہ میں اہل دولت کے چھ ہزار تین سو مکانات تھے۔ اور اٹھائیس (بقول بعض اکیس) گاؤں مضافات میں تھے۔ مسجدوں کی تعداد تین ہزار آٹھ سو سینتیس تھی، حمام، جن میں لوگ نہانے کے لیے جاتے تھے، سات سو (بقول بعض تین سو) تھے۔
ابن حیان کہتے ہیں کہ ابن ابو عامر کے زمانہ میں ایک ہزار سات سو مسجدیں اور نو سو حمام تھے۔ بعض تواریخ قدیمہ میں لکھا ہے کہ زمانہ سلف میں قرطبہ میں تین ہزار آٹھ سو ستتر مسجدیں تھیں (انمیں سے شقندہ میں اٹھارہ مسجدیں تھیں) نو سو گیارہ حمام تھے۔ اور ایک لاکھ تیرہ ہزار مکانات صرف رعایا کے تھے۔ اس سے نصف یا کچھ زیادہ تعداد ارباب دولت کے مکانات کی تھی۔ یہ اعداد ہم المغرب سے نقل کرتے ہیں، جکے مصنف یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ خدا تعالے اون پر رحمت فرمائے۔
بعض مورخین نے مفصلہ بالا اعداد بیان کرکے لکھا ہے کہ مضافات کے گاؤں کے درمیان میں قرطبہ کی وہ عمارات تھیں جو فصیلوں سے محیط تھیں۔ اور جو بیش بہا جوہر اسکی مجلس میں لگا ہوا تھا وہ منجملہ اور تحائف کے یونانیوں کے قصر سے اُتار کر بادشاہ قسطنطنیہ نے الناصر کے پاس بھیجا تھا۔ انتہی۔ یہی ابن الفرضی وغیرہ نے لکھا ہے۔ لیکن صاحب المسالک والممالک نے ان سے اختلاف کرکے لکھا ہے کہ قرطبہ میں مسجدوں کی تعداد چار سو اکہتر کی (۴۷۱) تھی۔ مگر یہ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اس سے پہلے وہ کہہ چکے

ہیں کہ قُرطُبہ کا دورا اُس کے کمال کے زمانہ میں تیس ہزار ذراع تھا۔

زبان قوطی میں قُرطبہ کے معنی ہیں "قلوب مختلفہ" اُسی زبان میں اس کے ہجا رظا ر سے ہیں۔ بعض نے کہاہے کہ قُرطُبہ کے معنی ہیں "پہلے اجازت لے پھر اُس میں سکونت اختیار کر"۔

کہتے ہیں کہ قُرطُبہ میں بہت سی اقالیم اور بڑے بڑے محلات ہیں۔

حکم بن ہشام کے زمانہ میں قُرطُبہ کی آمدنی ایک لاکھ دس ہزار بیس دینار تھے۔ لیکن جو کچھ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اُس سے یہ بیان نہیں ملتا۔

بعض علما رنے لکھا ہے کہ ہمنے ایام ابن ابو عامر میں قُرطُبہ کے مکانات اور مضافات کے دیہات کو گنا تو معلوم ہوا کہ وہاں دو لاکھ ستّتر مکانات ہیں۔ یہ صرف رعایا کے مکانوں کی تعداد ہے۔ اکابر، وزرار، اہل قلم، سپاہیوں، بادشاہ کے خواصوں کے مکانات کی تعداد ساڑھ ہزار تین سو ہے۔ ان میں حمام، سرار، خانقاہوں کی تعداد شامل نہیں ہے۔ دوکانوں کی تعداد اسی ہزار چار سو پچپن تھی۔ یوتھی صدی کے شروع میں جو فتنہ برپا ہوا اُس میں آبادی بہت کم ہوگئی۔ اور ان شہروں اور قصبوں کے آثار تک مٹ گئے۔ انتہیٰ۔ شقندی کے رسالہ میں جسکو ہم آگے نقل کرینگے مفصل حال ملے گا۔

مسجد قُرطُبہ کی شہرت نے اس سے مستغنی کر رکھا ہے کہ اُس کے حالات بیان کیے جائیں۔ لیکن ہم یہاں اوس کے اُسی قدر اوصاف وحالات بیان کرتے ہیں جو نہایت ضروری ہیں۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بلاد اسلام میں اُس مسجد سے بڑی، اس سے عجیب تر اور اس سے زیادہ باصنعت کوئی اور مسجد نہیں ہے۔ اس میں جہاں کہیں چار دیواریں جمع ہوئی ہیں وہیں ایک قبہ بنا دیا گیا ہے۔ اُس کی چھت اور فرش میں پتھر اور لاجورد لگا ہوا ہے جس پر سونے کا کام ہے۔ انتہیٰ۔ اس مسجد کی بنا، عبدالرحمٰن بن معاویۃ المعروف بالداخل

نے شروع کی تھی۔ مگر اُن کے زمانہ میں تکمیل کو نہیں پہونچی اُن کے بیٹے ہشام نے پورا کیا۔ اُس کے بعد خلفاء بنو امیہ میں سے ہر ایک بادشاہ نے اُس میں کچھ نہ کچھ بیشیاں کیں، یہانتک کہ یہ مسجد ضرب المثل ہو گئی۔ دیگر مختلف مورخین نے لکھا ہے کہ ہر بادشاہ نے اپنے پیش رو بادشاہ کی عمارت پر مسجد میں کچھ نہ کچھ بڑھایا یہانتک کہ قریباً آٹھ بادشاہوں نے اسکی تکمیل کی۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جب عبدالرحمن الداخل کا تسلط ہو گیا تو اُنھوں نے قرطبہ میں قصر اور مسجد جامع کی بنیاد ڈالی۔ مسجد پر اسّی ہزار دینار خرچ کئے۔ نیز قرطبہ میں ایک رصافہ اوس رصافہ جیسا بنایا جو اُن کے دادا ہشام نے دمشق میں بنایا تھا۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ جامع مسجد پر اُنھوں نے اسّی ہزار دینار صرف کیے تھے۔ جہاں یہ مسجد ہے اُس مقام پر ایک کنیسہ تھا وہ ایک لاکھ دینار میں خریدا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

بعض مورخین نے عبدالرحمن الداخل کے حالات میں لکھا ہے کہ جب اُنکی سلطنت پھیل گئی تو قرطبہ کی عظمت بڑھانے پر مائل ہوئے۔ چنانچہ اُنھوں نے اوسکی بنیادیں مستحکم کیں، اُس کے عمارات کی تجدید کی، قلعہ کی دیواریں بنائیں، قصر خلافت اور جامع مسجد بنائی، بیرون شہر کو وسعت دی اور محلوں کی مسجدوں کو درست کرایا۔ پھر ایک رصافہ اپنی سیر کے لیے بنایا۔ اور اُس میں بڑا خوبصورت محل تعمیر کرایا۔ اور وسیع باغ لگوایا جس میں عجیب عجیب پودے اور بہترین درخت، بلاد شام و دیگر اقطاع عالم سے منگوا کر لگوائے تھے۔ اُن کی بہن ام الاصبغ شام سے اون کے پاس عجیب عجیب درخت بھیجا کرتی تھیں۔ چنانچہ وہ انار جس کا ہم ذکر کر آئے ہیں اونہی نے دمشق سے اُن کے پاس بھیجا تھا۔ ابن سعید کا قول ہم اسکے متعلق آگے بیان کرینگے جو اس سے زیادہ مفصل ہے۔

ابن بشکوال نے جہاں منصور ابن ابی عامر کی بیشیاں جامع مسجد قرطبہ میں بیان کی ہیں اوس مقام پر لکھا ہے کہ بہترین حصہ جامع جو انسان کی نظر آتا ہے وہ وہ ہے جو

منصور ابن ابی عامر کا بڑھایا ہوا ہے۔ منصور نے نصاریٰ کے قیدی قشتالہ سے لاکر اُس کام پر لگائے تھے، تاکہ شرک ذلیل ہو اور اسلام کی عزت و عظمت معلوم ہو۔ یہی لوگ اس مسجد میں مزدوروں کا کام کرتے تھے۔ جب منصور نے جامع مسجد میں بیشی کرنے کا ارادہ کیا تو بہت سے مکانات کو خالی کرانا، اور اُن کو خرید کر مسجد میں شامل کرنا ضروری ہوا۔ وہ خود مالکان مکان کے پاس جاکر کہتے کہ تمہارے مکان کو میں مسلمانوں کے لیئے اُن ہی کے مال سے خریدنا چاہتا ہوں تاکہ اوس سے اُن کی جامع مسجد، اور اُن کے نماز پڑھنے کی جگہ کو وسیع کردوں۔ جو کچھ تم قیمت مانگو میں دینے کو تیار ہوں۔ وہ لوگ انتہائی قیمت بتلاتے۔ منصور اون کو کئی گنی قیمت دلواتے اور بعد میں اُس مکان کے عوض میں اُسکو ایک مکان بھی خرید دیتے۔ ان ہی مکانات میں سے ایک مکان صحن مسجد میں آنے والا تھا۔ یہ مکان ایک عورت کا تھا جس میں کھجور کا درخت تھا، اُس عورت نے کہا کہ میں اس مکان کے عوض میں صرف ایسا مکان قبول کر سکتی ہوں جس کے صحن میں کھجور کا درخت ہو۔ منصور نے حکم دیا کہ اسکو ایسا ہی مکان خرید دیا جائے خواہ اُس پر تمام بیت المال خرچ ہو جائے۔ چنانچہ اُسی صفت کا ایک مکان بہت بڑی قیمت میں خرید کر دیا گیا۔ ابن حیان نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

کہتے ہیں کہ الحکم نے ایک لاکھ اسٹھ ہزار دینار کے قریب جامع مسجد کی بیشی میں خرچ کیے تھے۔ یہ تمام مال خمس میں سے خرچ ہوا تھا۔

صاحب کتاب مجموع المفترق نے لکھا ہے کہ بیشی سے پہلے مسجد کی چھت کی پیمائش قبلہ سے جوف مسجد تک ۲۲۵ ذراع تھی، اور عرض شرق سے غرب تک ۲۰۵ ذراع پھر الحکم نے اوس کے طول میں ۱۰۵ ذراع کی بیشی کی، جس سے مسجد کا طول ۳۳۰ ذراع کا ہو گیا۔ محمد بن ابی عامر نے ہشام بن الحکم کے حکم سے عرض مسجد میں شرق کی طرف اسّی ذراع کی ایزادی کی جس سے ۲۳۰ ذراع عرض ہو گیا۔ پتھروں کی سلیں جو اس مسجد

میں لگی تھیں اون کی تعداد عرض میں گیارہ تھیں جنکی اوسط ۱۶ ذراع تھی اور ہر ایک کا عرض شرق و غرب میں دس ذراع تھا۔ باقی چھ کا گیارہ ذراع۔ ابن ابی عامر نے آٹھ سلیں عرض میں اور بڑہائیں۔ جنکا عرض دس ذراع تھا۔ منصور نے جو کچھ ایزادیاں کیں وہ ڈہائی برس میں ختم ہوئی تھیں۔ اس موقعہ پر اُنہوں نے خود بھی مزدوروں کے ساتھ ملکر کام کیا تھا صحن کا طول مشرق سے مغرب تک ۱۲۸ ذراع تھا اور عرض قبلہ (جنوب) سے لیکر جوف تک ۱۰۵ ذراع۔ جو قبہ مسجد کے صحن میں تھے اُن میں سے ہر ایک کی چھت کا عرض دس ذراع تھا۔ جس کی تکسیر ۳ ہزار ایک سو پچاس ذراع ہوتی ہے۔ مسجد کے نو دروازے تھے تین تو صحن میں مشرق اور مغرب اور جوف میں تھے اور چار صدر صحن میں دو شرق میں دو غرب میں۔ عورتوں کے مقصوروں میں دروازے تھے۔

مسجد کے ستونوں کی تعداد ۱۲۹۳ تھی، جو سب کے سب پتھر کے تھے۔ مقصورۂ جامع مسجد کا دروازہ، اور محراب کی دیواریں، سونے کی تھیں۔ اور اُس کے قریب کی دیواروں پر سونا چڑھا ہوا تھا اور منبت کاری ہو رہی تھی۔ مقصوروں کے فرش خالص چاندی کے تھے۔ صومعہ کا ارتفاع قبہ کی انتہا بلندی تک، جسکی طرف موذن پشت کرکے کھڑا ہوتا ہے، ۷۳ ذراع ہے۔ اسکو عبدالرحمٰن بن محمدؐ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس قبہ کے اوپر چاندی اور سونے کے لٹو بنے ہوئے ہیں۔ ہر ایک لٹو کا دور ساڑھے تین بالشت کا ہی۔ ان میں سے دو خالص سونے کے ہیں اور ایک چاندی کا اور ان کے اوپر اور نیچے سوسن کا پھول نہایت صنعت مندسانہ کے ساتھ بنا ہوا ہی۔ ایک چھوٹا سا انار سب سے اوپر قایم کیا گیا ہے جو عجائبات دنیا میں سے ہے۔

اس جامع مسجد میں منبر پر امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خاص دست مبارک کا لکھا ہوا قرآن شریف رہتا ہے۔ اسکی جلد سونے کی ہے اور اُسپر موتی اور یاقوت مکلل ہیں۔ دیباج کا جزدداں ہی اور عود کی رحل پر رکھا رہتا ہے۔

اور رحل پر سونے کا کام ہے۔

ماذنہ سے مینارہ کا ارتفاع ۵۴ ذراع ہے اور اُس کے تمام دیواروں کا طول فرش زمین پر ۱۸ ذراع ہے۔ (انتہٰے بحروفہ)

لیکن اس میں زیادہ اختلاف ہے۔ کیونکہ ابن الفرضی و دیگر مورخین نے منصور بن ابی عامر کے حالات کے ذیل میں لکھا ہے کہ منصور کے اخبار و آثار میں سے ایک یہ ہے کہ اُنہوں نے ۳۷۷ھ ہجری میں جامع مسجد میں ایزادیاں کیں جس کی ضرورت یوں واقع ہوئی کہ قرطبہ کی آبادی بڑھ گئی۔ اور قبائل بربر بادیہ اور افریقیہ سے وہاں پہنچ آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف شہر ہی تنگ ہوگیا، بلکہ جامع مسجد میں ایسی کثرت ہونے لگی کہ وہ اسکی متحمل نہو سکی۔ اس لیے منصور نے شرق کی جانب سے مسجد میں اس طرح ایزادی کرنی شروع کی کہ وہ قصر خلافت کے غربی حصہ تک پہونچ جائے۔ سب سے پہلے اُنہوں نے صحن کو اول سے آخر تک وسیع کرنا چاہا۔ اس میں مضبوطی کا زیادہ لحاظ رکھا۔ اور الحکم کی ایزادی تک کا خیال رکھا۔ اس خصوص میں سب سے پہلے جو اُنہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ جن لوگوں کے مکانات اس ایزادی و توسیع کے لیے گرائے جانے والے تھے اُن کو قیمتیں دے کر خوش کیا۔ مسجد کے صحن میں ایک بہت بڑا حوض بنوایا۔ منصور ابن ابی عامر ہی نے جامع مسجد میں تیل کے چراغوں کے ساتھ موم بتی کی روشنی شروع کرائی جس سے روشنی میں دوگنا اضافہ ہوگیا۔ جامع مسجد کے ستونوں کی تعداد جو فرش سے چھت تک اور قبّوں اور چھوٹے بڑے میناروں میں لگے ہوئے ہیں، ایک ہزار چار سو سترہ ہیں۔ بعض اس سے بھی زیادہ بتلاتے ہیں۔ ثریات (۹) جامع مسجد چھوٹی بڑی سب ملاکر دو سو اسی ہیں۔ سات ہزار چار سو پچیس[۴۲۵] کاسہ (۹) اور بقول بعض ۱۰۸۰ کاسہ کام میں آئے ہیں۔ ان کی قلعی کرنے میں دس ارباع خرچ ہو جاتے ہیں۔ رمضان شریف میں روشنی کے لیے تین ارباع قنطار روئی کی بتیاں خرچ ہوتی ہیں۔ ایک سال میں پانچ سو ارباع کے قریب تیل خرچ

ہوتا ہے۔ رمضان شریف میں خاصکر قریباً اس کا نصف خرچ ہو جاتا ہے۔ اس مہینہ میں
تین قنطار موم اور تین ارباع قنطار دُھنی ہوئی روئی موم بتیوں میں خرچ ہوتی ہے۔
جو بڑی بتی امام کے قریب جلتی ہے اوس کا وزن پچاس سے ساٹھ رطل تک ہوتا ہے۔
اُن میں سے بعض ایک ماہ جل جاتی ہے اور اکثر ختم قرآن کی رات کو تمام جلا دیجاتی ہے
منصور ابن ابی عامر کے زمانہ میں جامع مسجد کے تمام متعلقین مثل امام، قاری، امین،
موذن، جاروب کش اور روشنی کرنے والوں کے ایک سے اُنسٹھ آدمی تھے۔ جس رات
کو قرآن شریف ختم ہوتا تھا اوس روز چار اوقیہ عنبر اشہب، اور آٹھ اوقیہ عود رطب،
جل جایا کرتا تھا۔ انتہیٰ۔ بعض مورخین نے یہ لکھا ہے کہ ہر جمعہ کو ایک رطل عود اور چوتھائی
رطل عنبر کی دہونی دیجاتی تھی انتہیٰ۔ ابن سعید نے ابن بشکوال سے نقل کیا ہے کہ
جامع قرطبہ کا طول واسل قبلہ سے لیکر جوف تک، ۳۳۰ ذراع ہی۔ کھلا ہوا صحن اسی
ذراع ہے۔ اسکے علاوہ اینٹ کا فرش ہی۔ عرض غرب سے لیکر شرق تک ۲۵۰
ذراع ہی مسجد میں جو مکانات یا مقصورہ شمال کی طرف تھے اور اُن میں منصور ابن ابی عامر
نے ایزادی کی تھی اون کی تعداد اُنیس تھی۔ یہ "بلاطات" کہلاتے تھے۔ مسجد کے چھوٹے
بڑے دروازے ملاکر سب اکیس تھے۔ ان میں سے غرب کی طرف نو تھے۔ ایک بڑا
دروازہ عورتوں کے واسطے تھا۔ اُسی سے وہ اپنے مقصوروں میں جاتی تھیں۔ شرق کی
طرف نو دروازے تھے۔ ان میں سے آٹھ مردوں کے واسطے تھے۔ شمال میں تین دروازے
تھے۔ دو بڑے دروازے مردوں کے واسطے، اور ایک دروازہ عورتوں کے
مقصوروں میں جانے کے لیے۔ سامنے کی طرف صرف ایک ہی دروازہ تھا جو پٹے
ہوئے رستے کے متصل ہی، اور قصر خلافت میں کھلتا ہی۔ سلطان قصر سے جامع مسجد
میں جمعہ کی نماز کے لیے اسی دروازے سے آیا کرتے تھے۔ ان تمام دروازوں
پر پیتل نہایت صنعت کے ساتھ منڈھا ہوا تھا۔ اس جامع مسجد کے ستون، جو فرش

سے چھت تک پہونچے ہوئے ہیں۔ نیز میناروں اور قبوں میں لگے ہوئے ہیں چھوٹے بڑے سب ملا کر، ایک ہزار چار سو نو ہیں مقصورہ کے اندر ۱۱۹ ہیں۔

اِس خوبصورت مقصورہ کے تذکرہ میں جسکو الحکم المستنصر نے اس جامع مسجد میں بنایا تھا لکھا ہے کہ اس کی بنیاد پانچ حصوں پر رکھی گئی تھی۔ چھ طرف اس کی جالیاں تھیں۔ ہر طرف تین تین۔ شرق سے غرب تک اس کا طول ۷۵ ذراع تھا۔ اور عرض لکڑی کی دیوار سے قبلہ مسجد تک ۲۲ ذراع۔ کارنس تک اُنچائی آٹھ ذراع۔ ہر ایک کھڑکی کی اونچائی تین بالشت ہے۔ اس مقصورہ کے تین دروازے عجیب و غریب صنعت کے بنے ہوئے تھے، اور ان پر نہایت خوبصورت گل کاری کی ہوئی تھی۔ یہ شرق و غرب و شمال کی طرف کھلتے تھے۔ محراب کا طول قبلہ سے جوف تک ساڑھے آٹھ ذراع تھا۔ اور عرض شرق سے غرب تک ساڑھے سات ذراع۔ ارتفاع ساڑھے تیرہ ذراع۔ منبر جو اسکے ایک طرف ہے، قیمتی لکڑیوں، مثلاً آبنوس، صندل، بقم، نبع، شوحط اور اسی قسم کی لکڑیوں کا بنا ہوا تھا۔ اس پر ۳۵۷۰۵ دینار اور تین درہم خرچ ہوئے تھے (بعضوں نے کچھ اور کہا ہے) اس کے نو درجے تھے۔ اور خلیفہ الحکم المستنصر رحمۃ اللہ تعالےٰ نے اسکو بنایا تھا۔ جامع مسجد کے چراغدان، جن میں چراغ جلائے جاتے تھے ۲۲۴ تھے۔ یہ سب اندرون احاطہ تھے۔ ان میں وہ چراغدان شامل نہیں ہیں جو دروازوں پر تھے۔ یہ سب عجیب و غریب صنعت کے ساتھ بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے چار بہت بڑے تھے۔ جو وسطی حصہ میں لٹکا کرتے تھے۔ سب سے بڑا بڑے قبہ میں، جہاں قرآن مجید رکھے رہتے تھے، لٹکتا تھا۔ اس میں ۱۴۵۴ چراغ عشرہ آخر رمضان شریف میں جلا کرتے تھے۔ اور ایک رات میں سات ارباع تیل جل جایا کرتا تھا۔ اس مسجد کے تمام چراغوں میں ابن ابی عامر کے زمانہ میں تمام سال کے اندر ایک ہزار ارباع تیل خرچ ہوتا تھا صرف رمضان ہی کے مہینہ میں ساڑھے سات سو ارباع تیل جل جاتا تھا مسجد جامع

قرطبہ کے توسمہ کی تعداد زمانہ خلفار اور ابن ابی عامر میں تین سو تھی۔ لیکن جو کچھ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اُس سے یہ تعداد مختلف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ یہ تیل کا ذکر ہے لیکن یہ قول قابل اتباع ہے۔ کیونکہ ابن بشکوال سے نقل کیا گیا ہے۔ اور ابن سعید کو اس امر کی پوری واقفیت ہے۔ اور اُن کی تحقیق اوروں سے زیادہ معتبر ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

وہ کہتے ہیں کہ ایکہزار تیس ربع تیل خرچ ہوتا تھا۔ اس میں سے پانچ سو ربع تو صرف رمضان شریف ہی میں جلتا تھا۔ لکھا ہے کہ منبر میں ۳۶ ہزار جوڑ تھے۔ ہر ایک کی قیمت سات درم پڑتی ہے یہ سب جوڑ سونے اور چاندی سے جڑے گئے ہیں۔ بعض جگہ قیمتی پتھر بھی لگائے گئے ہیں۔ بڑے چراغدان کا دور پچاس بالشت ہے جس میں ۱۰۸۴ کاسے چاندی کے کام کے مستعمل ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی عجیب و غریب چیزیں تھیں

ابن بشکوال نے لکھا ہے کہ الحکم المستنصر نے قدیم جھرنے، جو جامع مسجد کے پیچھے تھے، اور جن میں کوؤں سے پانی آتا تھا، گرواکر چار جھرنے مسجد کے شرق و غرب میں بنوا دیئے تھے۔ ان میں سے دو بڑے جھرنے مردوں کے واسطے تھے۔ اور دو چھوٹے عورتوں کے لیے۔ ان میں قرطبہ کے پہاڑ سے نہر کاٹ کر پانی لایا گیا تھا۔ جو پہلے پتھر کے حوض میں آکر جمع ہوتا تھا۔ دن رات پانی جاری رہتا تھا۔ میٹھا پانی سقایوں میں جاتا تھا۔ جو مسجد کے تین طرف یعنی شرق و غرب و شمال میں بنے ہوئے تھے یہاں سے وہ تین طرف پھر جاتا تھا۔ جس سے تین سنگی حوض بھرتے تھے۔ یہ حوض کوہ قرطبہ کو کاٹ کر بصرف کثیر بنائے گئے تھے، اور سنگ تراشوں نے ایک مدت طویلہ میں انکو جوف سے خالی کیا تھا اور وہیں لٹکا رہنے دیا تھا۔ سنگ تراشی میں وہ صنعت دکھلائی تھی کہ قابل دید تھی۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ اُن کا وزن کم ہو گیا تھا۔ چنانچہ بعد میں اُن کو اُٹھا کر جامع مسجد کے پاس لاکر رکھ دیا گیا تھا۔ ان کے اُٹھانے میں خدائے تعالےٰ نے بڑی مدد فرمائی۔ پہلے ان کو ملوط کی لکڑی پر جسکو لوہے کے

بند لگا کر مضبوط کر لیا گیا تھا اُٹھا کر رکھا پھر جانوروں پر لاد کر لے آئے۔ بارہ روز کے
اندر وہ سب یہاں منتقل کر دیئے گئے اور اپنی اپنی جگہ قائم کر دیئے گئے۔

مستنصر نے جامع مسجد کے غرب کی طرف دارالصدقہ (لنگر) بنایا تھا۔ اون کے صدقات
ہمیشہ جاری رہتے تھے۔ جو اسی لنگر خانہ سے تقسیم ہوتے تھے۔ فقرا کے لیے مسجد کے غربی
پھاٹک کے سامنے مکانات بنوا دیئے تھے۔ (انتہی)

واضح ہو کہ قرطبہ کی عظمت و اقتدار کی یہ حالت تھی کہ یہاں جس امر پر عمل کیا جاتا تھا۔
وہ اہل مغرب کے لیے حجت بن جاتا تھا۔ یہانتک کہ یہ لوگ احکام شرعیہ میں بھی یہ کہا
کرتے تھے کہ "اس مسئلہ میں اہل قرطبہ کا عمل اس طریق پر ہے"۔ حالانکہ بعض مسائل ایسے تھے
کہ جنکے متعلق علماء کا اختلاف تھا۔ میرے جد امجد سیدی ابو عبداللہ المقری التلمسانی (جو
اندلس میں امام قاضی القضاۃ تھے اور پھر مغرب کے شہر فاس میں منتقل ہو آئے
تھے) اپنی کتاب القواعد اہل قرطبہ میں ایک مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اسی پر قضاۃ
اندلس کا عمل بہت جوش شدہ شدہ مغرب میں معمول بہ ہو گیا۔ حالانکہ ہماری یہ حالت
ہے کہ ہم مدینہ اور کوفہ (جہاں بڑے بڑے علماء امت مثل علیؓ اور ابن مسعودؓ رضی اللہ
عنہما) کے مسائل کے موافق حکم دیتے ہیں۔ میں نے قرطبہ میں جا کر وہاں کے لوگوں
کو دیکھا کہ اُن میں سے ابتک جہالت نہیں نکلی۔ شیطان حق کے محو کرنے اور باطل کی
اشاعت کرنے میں پوری کوشش کرتا ہے۔ ان میں جاہلیت کے خصائل مثل نوحہ،
تفاخر، تناسل، طعن، تفضیل، کہانت، نجوم وغیرہ کے ابتک موجود ہیں حتی کہ انہیں
ابتک جاہلیت کے نام بھی رکھے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے بُرے نام رکھکر چڑاتے
ہیں۔ حالانکہ یہ وہ باتیں ہیں جن سے کہ منع کیا اور ڈرایا گیا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ انہیں
سے یہ عیب نہ گئے۔ بلکہ بڑی آسانی سے دوسرے میں پہونچ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ اُن کو دین کی پرواہ نہیں رہی۔ اور عادات قدیمہ اُن کو بُری نہیں معلوم ہوتیں

اور میں محبت شعر، نسب پر فخر، گانے کی عادت، باوجود ۷۰۰ سال گذر جانے کے ابتک کم نہیں ہوئی" انتہیٰ۔ لیکن حافظ ابن غازی نے میرے جد امجد کا قول بیان کرکر لکھا ہے کہ مجھ سے ایک ثقہ شخص نے، جس سے میں شہر فاس میں ملا تھا، بیان کیا کہ جب علامہ ابو یحییٰ الشریف التلمسانی فاس میں آئے تو اُن کو تفسیر پڑھانے کی تکلیف دی گئی اور سلطان ابو سعید المرینی نے فقہار کو حکم دیا کہ اُن کے درس میں حاضر ہوا کریں اون میں سے ایک نے مقری کا قول بیان کیا تو اُن سب نے سختی کے ساتھ اُس کا انکار کیا اور کہا کہ بڑے فقہاء، مثل ابن رشد اور متیطی کے اہل قرطبہ کے معمول بہ مسائل ہیں اور اُن کے مبنی پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ انتہیٰ۔

بعض مورخین نے قرطبہ کے ذکر میں جو لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ شہر بلاد اندلس کا دار السلطنت اور دار الخلافۂ اسلامیہ ہے۔ یہ بہت بڑا شہر ہے اور اسکے رہنے والے اعیان بلاد ہیں۔ خوش پوش، خوش خور ہیں، سواریاں اچھی رکھتے ہیں۔ عالی ہمت ہیں۔ یہاں بڑے بڑے علمار اور سادات فضلا، بہادر اور جنگ آزمودہ سپاہی رہتے ہیں۔ خاص شہر، از روئے تقسیم اور حصص شہر کا پانچواں حصہ ہے۔ یہ تمام آبادیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ ہر شہر کے درمیان میں ایک ایک بڑی فصیل اور مورچے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مستقل شہر ہے ایک جگہ کا رہنے والا دوسرے شہر کا محتاج نہیں ہے۔ ہر ایک میں حمام، بازار، اور اہل صنعت موجود ہیں۔ خاص قرطبہ کا طول تین میل ہے اور عرض ایک میل۔ پہاڑ کے نیچے آباد ہے۔ یہاں کا پل اور جامع مسجد دُنیا بھر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ جامع مسجد کا طول سو ذراع اور عرض اسی ذراع ہے۔ اس کے ہزار ستون اور ۱۱۳ چراغدان ہیں۔ جن میں سے سب سے بڑے میں ایک ہزار چراغ جلتے ہیں۔ اس میں ایسے نقش و نگار ہیں کہ جنکی تعریف نہیں ہوسکتی۔ محراب قبلہ میں ایسی صنعتیں ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ محراب کے جھروکے میں سات محرابیں ہیں

جو ستونوں پر قایم ہیں۔ عیسائی اور مسلمان ان کے حسن وضع سے ششدر رہجاتے ہیں
محراب کے پہلوؤں میں چار ستون ہیں۔ دو سبز پتھر کے اور دو لاجورد کے۔ یہ ایسے قیمتی ہیں کہ
ان کی قیمت ہی نہیں قرار پا سکتی۔ منبر مسجد تمام دنیا معمور میں۔ بوجہ اپنی نفاست اور حسن
صفت کے مثل نہیں رکھتا۔ یہ ساگوان، آبنوس، بقم اور عود قاقلی کا بنا ہوا ہے۔ بنو امیہ
کی تاریخ میں لکھا ہی کہ یہ منبر اس خاندان کا بہترین یادگار ہے۔ اس پر سات برس میں
نقش و نگار بنے تھے۔ ہر روز آٹھ صناع کام کرتے تھے جنکو نصف مثقال محمدی روزانہ ملتا تھا۔
صرف اس منبر پر دس ہزار پچاس مثقال صرف ہوئے تھے۔ مسجد کی روشنی کے لیے سونے
اور چاندی کے مٹکے تیل سے بھرے رہتے ہیں۔ اس مسجد میں ایک قرآن شریف ہی
جو عثمانی تبلایا جاتا ہے۔ مسجد کے بیس دروازے پیتل سے منڈھے ہوئے ہیں۔ ان کے
جوڑ اس طرح ملائے ہیں کہ انسان کی عقل حیران ہو جاتی ہے۔ ہر دروازے میں کڑے پڑے
ہوئے ہیں جو نہایت صنعت و حکمت سے بنائے گئے ہیں۔ صومعہ کا ارتفاع ایک سو
ذراع ملی ہی۔ ایسی ایسی نازک صنعتیں اس مسجد میں دکھلائی گئی ہیں کہ کسی شخص سے اُنکی
تعریف و توصیف نہیں ہو سکتی جامع مسجد میں تین سرخ ستون ہیں۔ ان میں سے ایک
پر نام مبارک محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) دوسرے پر موسیٰ (علیہ السلام) کے عصا اور
اہل کہف کی تصویر اور تیسرے پر نوح (علیہ السلام) کے کوّے کی تصویر قدرتی بنی ہوئی ہی۔
قرطبہ کا پل ایسا بدیع الصنعت اور خوش منظر ہے کہ از روئے حسن تمام دنیا کے پلوں سے
فایق ہے۔ اسکی ۱۷ محرابیں ہیں۔ ہر ایک محراب کی چوڑائی پچاس بالشت ہی۔ ہر ایک
کے درمیان میں پچاس بالشت کا فاصلہ ہی۔ بالجملہ قرطبہ کی محاسن ایسے افضل
و اعظم ہیں کہ قلم بند نہیں ہو سکتے۔ انتہی ملخصاً (اگرچہ اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ
جو پہلے آچکی ہیں۔ مگر خالی از فائدہ نہیں ہیں۔ واللہ الموفق) طول و عرض مسجد کے متعلق
جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے وہ اس سے مختلف ہی۔ جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ اس کا یہ جواب ہو سکتا

ہو کہ یہ ذراع اون ذراعوں سے کچھ بڑے ہیں جن سے صومعہ کی پیمائش کی گئی ہے
یہی حالت ستونوں کی تعداد کی ہے، ممکن ہے کہ اس میں چھوٹے بڑے ستون شامل
کر لیے گئے ہوں۔ اور جو تعداد یہاں بیان کی گئی ہے وہ صرف بڑے ہی ستونوں کی
ہو۔ جیسا کہ ہم تصریح کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔ چراغدانوں کے متعلق بھی جو کچھ لکھا ہے
وہ اُس سے مختلف ہے۔ جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ وہ ثقہ مورخین اندلس کے اقوال
ہیں؛ ہمنے اون ہی اقوال کو نقل کیا ہے، خواہ مضمون و طریق روایت میں فرق ہو۔
المغرب میں جامع مسجد قرطبہ کے ذکر کے ذیل میں لکھا ہے کہ "جو کچھ ہم اس فصل میں نقل
کرتے ہیں اُس میں ہم نے ابن بشکوال کی کتاب پر اعتماد کیا ہے؛ اور اُس میں سخت
احتیاط کی ہے، اور کسی دوسرے کے اقوال لینے کی مجھے ضرورت نہیں پڑی"۔

رازی لکھتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے اندلس کو فتح کیا تو اُنہوں نے حضرت عبیدہ
بن الجراح اور خالد بن ولید (رضی اللہ عنہما) کی تقلید کی اور اُنہوں نے گرجاؤں کے ساتھ
وہی سلوک کیا جو اِن دونوں بزرگواروں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے موافق
دمشق وغیرہ کے گرجاؤں کے ساتھ کیا تھا۔ یعنی شہر قرطبہ کے اندر جو بڑا گرجا معروف
بہ سنت نجنت تھا۔ اوس کو دو حصوں ں میں تقسیم کر دیا؛ ایک حصہ میں جامع مسجد بنائی؛
اور دوسرے حصہ کو بدستور عیسائیوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا۔ ان کے علاوہ قرطبہ کے
اور گرجے گرا دیئے گئے؛ اور مسلمانوں نے صرف اُتنے ہی پر قناعت کی جو اُن کو مل
گیا تھا۔ جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو عمارات قرطبہ میں بھی ترقی ہوئی۔ امراء عرب
اور یہاں آگئے تو مسجد تنگ ہو گئی اور چھتہ پر چھتہ مسجد میں ملایا جانے لگا۔ جو شخص کہ مسجد
میں پہونچنا چاہتا تھا اُس کو سخت محنت برداشت کرنی پڑتی تھی، کیونکہ اُس کو ان
چھتوں کو عبور کرنا۔ اور قصر کے دروازوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ غرض مسجد اسی حالت
پر باقی رہی۔ جب امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ مروانی اندلس میں داخل ہو کر اس ملک

پرستونی ہوگئے۔ اور اُنھوں نے قرطبہ کو اپنا دارالسلطنت بنا کر اُسکو آباد کیا تو اسی ضمن میں جامع مسجد کا بھی خیال آیا تو اُسکی توسیع و مضبوطی میں کوشش کی چنانچہ اسی مطلب کے لیے اُنھوں نے نصاریٰ کے رؤسا کو بلا کر اون سے اُس حصہ گرجا کو بیچ دینے کو کہا جو ابتک اُن کے قبضہ میں تھا، تاکہ اُس کو جامع مسجد میں شامل کر دیا جائے جس قرار پر کہ صلح ہوئی تھی اوس کے موافق اون لوگوں کو بہت بڑی قیمت دینے کو کہا۔

نصاریٰ نے اپنے مقبوضہ حصہ کے بیچ ڈالنے سے انکار کیا۔ اور بڑی کوشش کے بعد اس پر راضی ہوئے کہ اُن کو اُن گرجاؤں کے بنانے کی اجازت دیدیجائے جو شہر کے باہر منہدم کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ اسی پر معاملہ طے ہوگیا۔ یہ واقعہ ۱۶۸ ہجری کا ہے۔

امیر عبدالرحمٰن نے اوسی صفت کی مسجد جامع بنائی جس کا ذکر ہوچکا ہے۔ یہاں اور زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مسجد سنہ میں مکمل ہوئی۔ اس کے بعد مصنف نے اُس ایزادی کا ذکر کیا ہے۔ جو عبدالرحمٰن الداخل کے بیٹے ہشام نے اربونہ کر خمس سے کی تھی۔ پھر اُن ایزادیوں کا ذکر کیا ہے۔ جو ہشام کے بیٹے عبدالرحمٰن الاوسط نے کی تھیں۔ اسی ضمن میں یہ لکھا ہے کہ قبل اس کے کہ یہ تکمیل کو پہونچے اُن کا انتقال ہوگیا آخر اُس کو اُن کے بیٹے محمد بن عبدالرحمٰن الاوسط نے ختم کیا۔ اس کے بعد اُنھوں نے اُن جدید عمارات کا ذکر کیا ہے۔ جو خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر نے کی تھیں۔ جن میں پہلے صومعہ کے گرانے اور نئے بڑے صومعہ کے بنانے کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جب الحکم المستنصر بن الناصر تخت پر بیٹھے۔ اور قرطبہ کی آبادی میں اور ترقی ہوئی تو جامع مسجد نمازیوں کے لیے تنگ ہوگئی۔ ایزادی کے لیے کوئی جگہ نظر نہیں آتی تھی؛ آخر سخت کوشش کے بعد بہت سی ایزادیاں کی گئیں جن سے کہ اس جامع مسجد کے محاسن درجہ تکمیل کو پہونچ گئے۔ ایسے کہ اُن کی توصیف نہیں ہوسکتی۔

لکھا ہے کہ خلیفہ منذر ابن محمد نے علماء کو اس امر کے مشورہ کے لیے جمع کیا کہ قبلہ شرف

کو مشرق کی طرف پھیر دیا جائے۔ جس طرح کہ الناصر نے زہرا، کا قبلہ پھیر دیا تھا۔ کیونکہ اہل تعدیل جامع قدیمہ کے انحراف بسوء غرب کے متعلق کہہ چکے ہیں۔ فقیہہ ابوابراہیم نے کہا کہ اے امیر المومنین جب سے کہ اندلس فتح ہوا ہے اس قبلہ کی طرف اُن لوگوں نے نماز پڑھی ہے جو اس امت میں بہترین لوگ تھے، مثلاً آپ کے اجداد، ائمہ و صلحاء و علماء المسلمین۔ جن لوگوں نے اس طرف قبلہ قائم کیا وہ تابعین میں سے تھے، مثلاً موسٰی ابن نصیر و حنش الصنعانی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ یاد رکھو کہ اتباع میں فضیلت ہے اور بدعت میں ہلاکت ہے۔ خلیفہ نے اون کی راء کو تسلیم کرلیا۔ اور کہا کہ واقعی جیسا کہ آپ نے کہا ہمارا مذہب اتباع ہی ہے۔

ابن بشکوال کہتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین المستنصر کے ہاتھ کا لکھا دیکھا ہے کہ اس ایزادی میں جتنا خرچ ہوا ہے اُس کی مقدار ۲۶۱۵۳۷ اور نصف دینار تھی۔ پھر مصنف نے صومعہ کا ذکر ابن بشکوال کی روایت سے کیا ہے کہ اور کہا ہے کہ خلیفہ الناصر لدین اللہ نے ۳۴۰ھ میں حکم دیا کہ پہلا صومعہ گرا دیا جائے اور (یہ لاثانی) دوسرا صومعہ بجائے اُس کے بنایا جائے۔ اس کی بنیادیں اتنی گہری کھودی گئیں کہ پانی نکل آیا۔ بنیادیں کھودنے میں ۴۳ دن لگے جب یہ مکمل ہوگیا تو الناصر سوار ہوکر مدینۃ الزہراء سے آئے اور صومعہ کے ایک زینہ سے چڑھ کر دوسرے سے اترآئے پھر مقصورہ میں جاکر دو رکعت نماز پڑھی، اور واپس ہوگئے۔ لکھا ہے کہ پہلے صومعہ کا ایک ہی دروازہ تھا۔ لہٰذا دوسرے صومعہ کے دروازے بنائے گئے۔ دونوں میں اس طرح فاصلہ کردیا گیا کہ اوپر پہونچکر کوئی شخص دونوں دروازوں تک پہونچے

اس صومعہ کی شہرت تمام دنیا میں ہے۔ مسلمانوں کی مسجد میں کہیں بھی ایسا صومعہ نہیں ہے۔ مگر ابن سعید کہتے ہیں کہ ابن بشکوال نے لکھا ہے کہ یہ بات اُس شخص نے کہی ہے کہ جس نے مراکش اور اشبیلیہ کے صومعے نہیں دیکھے۔ ان دونوں کو منصور

(اولاد عبدالمومن) نے بنایا تھا۔ یہ دونوں مسجد جامع قرطبہ کے صومعہ سے بڑے اور اونچے ہیں۔ قرطبہ کے صومعہ کا طول موذن کے کھڑے ہونے کی جگہ تک ۵۴ ذراع ہے ۱۰ اور آخری مینار تک ۷۳ ذراع۔ ہر ایک چبوترہ کا عرض ۱۸ ذراع ہے۔ صومعہ مراکش کا طول ایک سو دس ذراع ہے۔

قرطبہ کے صومعہ میں بڑے بڑے ان گھڑ پتھر بڑی خوبصورتی سے لگائے گئے ہیں۔ اوپر جاکر تین روشندان ہیں جنکو رُمَانہ (انار) کہتے ہیں۔ ان میں سے دو پر سونے کے انار بنے ہوئے ہیں۔ اور تیسرا انار، جو درمیان میں ہے، خالص چاندی کا بنا ہوا ہے اُس کے اُوپر سوسن کا پھول سونے کا بنا ہوا ہے۔ اور اُس کے اوپر سونے کا چھوٹا سا انار ہے۔

یہ صومعہ تیرہ ۱۳ مہینوں میں بن کر تیار ہوا تھا۔

ابن بشکوال نے ایک موقعہ پر ایک روایت لکھی ہے کہ جس مقام پر جامع مسجد قرطبہ بنی ہوئی ہے وہاں ایک بہت بڑا گڑھا تھا۔ اہل شہر یہاں اپنا کوڑا کرکٹ پھینکا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہاں گزر ہوا تو آپ نے جنوں کو حکم دیا کہ اس جگہ کو بھرتی ڈال کر بھر دو۔ اور برابر کر دو۔ کیونکہ یہاں ایسا مکان بننے والا ہے جہاں خدا تعالےٰ کی عبادت کی جائیگی۔ اس مسجد کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اُس کے در و دیوار وسقف وستون پر ہر جگہ پر نہایت صنعت کے ساتھ ذکر الہٰی اور دعائیں لکھی ہوئی ہیں۔ انتہیٰ

اس جامع مسجد میں ایک قرآن مجید ہے۔ جو بنی عبدالمومن کے ہاتھ آیا تھا۔ یہ قرآن شریف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خاص دستِ مبارک کا لکھا ہوا ہے۔ اہل اندلس اس مصحف شریف کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔ ہم اس کے متعلق آگے چل کر کچھ زیادہ لکھیں گے۔

زہرا رہ شہر ہے جس کو کہ امیر المومنین عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ نے بنایا تھا۔

اس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ یہ جلیل الشان و عظیم القدر شہروں میں سے ایک ہے۔ ابن فرضی وغیرہ کہتے ہیں کہ جب یہاں کی جامع مسجد کی تعمیر شروع ہوئی ہے تو اُس میں ہر روز ایک ہزار کاریگر کام کرتے تھے۔ ان میں سے تین سو معمار تھے، دو سو نجار اور پانسو مزدور وغیرہ۔ ان سب نے اڑتالیس ۴۸ دن میں اس کی بنیادیں بھری تھیں۔ یہ بنیادیں بھی عجیب وغریب تھیں۔ اس کا طول قبلہ سے جوف مقصورہ تک ۳۰ ذراع تھا، اور درمیانی غلام گردش تک شرقاً غرباً ۱۳ ذراع تھا۔ ان کے علاوہ ہر چہار طرف چار غلام گردشیں تھیں۔ جن میں سے ہر ایک کا عرض ۱۲ ذراع تھا۔ جو صحن بالکل کھلا ہوا تھا اُس کا طول قبلہ سے لیکر جوف تک ۴۳ ذراع تھا۔ اور شرقاً غرباً عرض ۴۱ ذراع تمام مسجد میں سنگ سُرخ کا فرش تھا۔ اور درمیان میں ایک فوّارہ تھا جس میں ہر وقت پانی جاری رہتا تھا۔ اس تمام مسجد کا طول قبلہ سے جوف تک ۹۷ ذراع تھا اور عرض شرق سے غرب تک ۵۹ ذراع۔ اور صومعہ کا ارتفاع ۴۰ ذراع تھا اور عرض دس ذراع۔ امیر المومنین الناصر الدین اللہ نے اس مسجد کے لئے ایک نہایت نفیس و بدیع وخوبصورت منبر بنانے کا حکم دیا، جو اپنے موقعہ پر نصب کیا گیا اور اس کے گرد ایک عجیب الصنعت مقصورہ بنایا گیا۔ یہ منبر بروز پنجشنبہ بتاریخ ۲۳ر شعبان ۳۱۹ھ ہجری کو مکمل کر کے اپنی جگہ قایم کیا گیا تھا۔

اس سال کے شروع میں الناصر لدین اللہ کے واسطے اوس چھوٹی نہر کی بنیاد مکمل ہوئی کہ جس میں کوہ قرطبہ سے لاکر میٹھا پانی ڈالا گیا تھا، قصر ناعورہ، غربی قرطبہ تک جاتا تھا۔ یہ نہریں اور ان کے بند طریق ہندسی سے بنانے گئے تھے۔ پانی تدبیر عجیب وصنعت محکم کے ساتھ سب سے بڑے حوض میں پڑتا تھا۔ اس (حوض) پر ایک بہت بڑا شیر بدیع الصنعت اور خوفناک صورت کا قایم کیا گیا تھا۔ شاہان عالم نے دنیا میں عجیب چیزیں بنائی ہیں، لیکن ایسا شیر کہیں نہیں دیکھا گیا۔ یہ شیر طلاء خالص سے

مطلا تھا۔ اس کی دونوں آنکھیں جواہرات کی تھیں۔ پانی اس کے سُرین کے پاس سے داخل ہوتا تھا اور اُس کے مُنہ سے نکل کر حوض میں گرتا تھا۔ دیکھنے والا اُس کی خوبصورتی اور لطف منظر اور پانی کے گرنے کو دیکھکر مبہوت ہو جاتا تھا اس قصر کے تمام باغات کی آبپاشی اسی حوض سے ہوتی تھی یہیں سے تمام صحنوں وغیرہ میں پانی پہونچتا تھا۔ پھر یہ سارا پانی دریا میں جا پڑتا تھا۔ یہ چھوٹی نہر، حوض، شیر اور روانی آب از روئے اختلاف ممالک درازی راہ، مضبوطی عمارت۔ خوبصورتی بروج، جن پر پانی چڑھکر بلند موقعوں پر پہونچتا تھا، بجائے خود نہایت حیرت انگیز چیزیں تھیں۔ پہاڑ پر پانی کا راستہ کاٹنے سے لیکر حوض میں پانی پڑنے تک کُل چودہ ماہ اس عجوبہ کے بنانے میں لگے تھے۔ اس نہر میں بروز پنجشنبہ غرہ جمادی الآخر پانی چھوڑا گیا تھا۔ اس روز الناصرالدین اللہ نے قصر ناعورہ میں اہل مملکت کی دعوت کی۔ مہندسین اور صناعین کو بڑے بڑے انعامات عطا فرمائے۔

شہر زہرا کی تعمیرات ۳۲۵ھ ہجری میں شروع ہوئی تھیں، اور الناصر لدین اللہ اور اُن کے بیٹے الحکم کے زمانہ تک برابر جاری رہیں۔ یہ عرصہ قریب چالیس برس کے ہوتا ہے۔ جب مسجد زہرا، اُس صفت کے ساتھ جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، تیار ہو چکی تو سب سے پہلی جماعت جو اس مسجد میں ہوئی وہ ۲۲ شعبان بروز پنجشنبہ وقت مغرب کی تھی۔ اس جماعت کی امامت قاضی ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی عیسیٰ نے کی۔ دوسرے روز الناصر لدین اللہ نے نماز جمعہ ادا کی۔ سب سے پہلے قاضی مذکور نے ہی یہاں خطبہ پڑھا۔ الناصر لدین اللہ کا بنا کردہ قصر اپنی جلالت و فخامت کے لحاظ سے ایسا تھا کہ ممالک اسلام میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ دنیا بھر کے سیاح، مختلف ادیان کے لوگ، خواہ عام مسافر ہوں یا قاصد و تاجر، غرض ہر وہ شخص جسکو عقل و تمیز تھی، کہتا ہے کہ اسکے مشابہ کہیں نہیں سنا گیا بلکہ وہم و خیال میں بھی نہیں آیا۔ اس زمانہ میں جو کوئی اندلس میں آتا تھا اس قصر کو دیکھکر اس کا تذکرہ اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ اس قصر کے حالات نہایت

وسیع ہیں اور اسکی شہادتیں بہت کثیر ہیں اگر اُس قصر میں اور کچھ بھی نہوتا اور صرف وہ صاف وشفاف کمرے ہی ہوتے جن میں بیٹھنے سے باغات پیش نظر رہتے ہیں۔ نیز وہ عجیب قبہ ہوتا جسکی مضبوطی، صنعت وکلائی اور حُسن منظر کی کوئی مثال کہیں نہیں ملتی، اور وہ سنگ مرمر اور سونے کا کام، اور وہ ستون، جو قالب میں ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، اور وہ نقوش جو آنکھوں کے سامنے ایک چمنستان پیش کرتے ہیں، اور بڑی حوض، محکمۃ الصنعت اور دلکش چھوٹی حوضیں، اور عجیب عجیب ثبت ہی ہوتے، تو وہم وگمان کو سوار تحیر کے اور کوئی صورت باقی نہ رہ جاتی۔ پاک ہے وہ ذات پاک جس نے اس مخلوق ضعیف کو یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ اجزار زمین سے ایسے صنائع وبدایع پیدا کرے کہ غافلین اُن کو دیکھکر ایک مثال سمجھیں اُن مقامات کی جہاں اہل سعادت کو ہمیشہ رہنا ہے اور اُس پر فنا روسلط نہیں کی گئی۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہوسکتا کہ جو کرم و احسان میں بالکل منفرد ہے۔

مورخ ابومروان بن حیان صاحب الشرطہ لکھتے ہیں کہ زہرا کی عمارت مشتمل ہے چار ہزار چھوٹے اور بڑے، حاملہ ومحمولہ، ستونوں پر ان میں سے بہت سے شہر رومہ سے لائے تھے، اور بہت سے بادشاہ قسطنطنیہ نے تحفہ میں بھیجے تھے۔ چھوٹے بڑے کواڑ پندرہ ہزار کے تھے، اور ہر ایک پر لوہا یا تانبا چڑھا ہوا تھا۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔ یہ عمارت سب سے بڑی عمارت تھی جو انسان نے بنائی ہے میں کہتا ہوں کہ بعض لوگوں نے تیرہ ہزار تعداد بتلائی ہے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ زہرا میں ۱۳۷۵۰ مرد خدمتگار تھے۔ یہاں ہر روز تیرہ ہزار رطل گوشت پرندوں کا خرچ ہوتا تھا۔ مچھلیاں اس کے علاوہ تھیں۔ قصر زہرا میں چھوٹی اور بڑی عمر کی عورتوں اور ماماؤں کی تعداد چھ ہزار تین سو چودہ تھی۔ انتہی

ایک مورخ نے لکھا ہے کہ قصر زہرا کے صقلبی لڑکوں کی تعداد ۳۷۵۰ تھی۔

اور بعض نے یہ تعداد ۳۷۸۰ بتلائی ہے۔ ایک اور مورخ صقلبی غلاموں کی تعداد ۶۰۸۷ بتلاتا ہے۔ ہر روز بارہ ہزار روٹیاں مچھلیوں کے کھانے کے لیے زہرا کی نہر میں ڈالی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ چھ قفیز چنے دیئے جاتے تھے۔ انتہیٰ۔

مورخ اول کہتا ہے کہ مقیمان زہرا کے واسطے ۱۳ ہزار رطل گوشت صرف ہوتا تھا۔ بعض شخصوں کو دس دس رطل گوشت دیا جاتا تھا، مرغیاں، چکور اور دیگر طیور، اور مچھلیاں ان کے علاوہ خرچ ہوتی تھیں۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ میں نے ابن دحمون فقیہہ کے ہاتھ کا لکھا دیکھا ہے کہ مسلمہ بن عبداللہ العریف المہندس نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ نے عمارت زہرا ۳۲۵ھ ہجری کے اوائل میں شروع کی تھی۔ اس میں ہر روز چھ ہزار تراشیدہ پتھر خرچ ہوتے تھے۔ جو پتھر کہ بطور روڑوں کے لگتے تھے۔ وہ اس تعداد میں شامل نہیں ہیں۔ ہر روز ایکہزار چار سو خچر (بقول بعض اس سے بھی زیادہ) اور چار سو بار کش اونٹ اس عمارت پر کام کرتے تھے۔ یہ جانور الناصر لدین اللہ کی ملکیت تھے۔ ہزار خچر کرایہ کے تھے جنکا کرایہ تین مثقال فی خچر تھا۔ ہر تیسرے روز زہرا میں گیارہ سو بوجھ چونے کے گچ کرنے کے لیے آتے تھے دو حمام تھے ایک قصر کے واسطے مخصوص تھا۔ اور دوسرا عوام الناس کے لیے۔ زہرا کے بعض اہل خدمت نے بیان کیا ہے کہ ۲۵ سال تک لوگوں کی تنخواہ تین لاکھ دینار رہی ہے، یعنی جب سے کہ الناصر لدین اللہ نے قصر بنوانا شروع کیا اور جب تک کہ اُنکا انتقال ۳۵۰ھ میں ہوا۔

اس تمام کا مجموعہ بقدر پندرہ بیت المال کے ہوتا ہے۔

قرطاجنہ تونس و افریقیہ سے اس عمارت کے لیے پتھر آتے تھے۔ عبداللہ بن یونس معاروں کا مستری اور علی بن جعفر الاسکندرانی پتھر لایا کرتے تھے۔ الناصر لدین اللہ چھوٹے بڑے پتھر کے عوض میں اُن کو دس دینار صلہ دیا کرتے تھے۔ انتہیٰ۔

بعض ثقہ مورخین نے لکھا ہے کہ ہر چھوٹے پتھر کا صلہ تین دینار، اور ہر ستون کا آٹھ دینار دیاجاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ۱۰۱۳ ستون افریقیہ سے، اور ۱۹ فرنج سے آئے تھے؛ اور بادشاہ روم نے ۱۴۰ ستون تحفہ میں بھیجے تھے۔ موخرالذکر ستون اندلس ہی کی کانوں، یعنی ترکونہ وغیرہ سے نکلے ہوئے تھے، سفید و سیاہ ابری پتھر ریہ کے تھے۔ اور سفید پتھر دوسرے مقامات سے آئے تھے۔ گلابی اور سبز پتھر افریقہ کے کنیسہ اسفاقس کے تھے۔ حوض منقوش، جو طلاکار، اور عجیب و غریب شکل اور نہایت بیش قیمت تھی، احمد یونانی قسطنطنیہ سے، ایک اسقف ربیع نامی کے ہمراہ لے کر آئے تھے۔ یہ اسقف ایلیا سے آیا تھا۔ چھوٹا سبز پتھر کا حوض، کہ جس پر انسان کے بت اور تصویریں بنی ہوئی تھیں، وہ بھی احمد مذکور ہی شام سے لائے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ قسطنطنیہ سے اُسی اسقف ربیع کے ساتھ آیا تھا کہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔
تمام مورخین نے کہا ہے کہ اس حوض کی قیمت کا اندازہ نہیں لگ سکتا تھا۔ بوجہ اس کے کہ وہ نہایت خوبصورت اور عجیب و غریب تھا۔ یہ حوض ایک مقام سے دوسرے مقام تک ہوتے ہوتے دریا میں پہونچا۔ اور آخر الناصر نے سونے کے کمرے میں مجلس شرقی معروف بہ مونس میں نصب کرلیا۔ اور بارہ بُت سونے کے، نہایت بیش قیمت موتیوں سے مرصع کرکے، اُس پر ایزاد کیے۔ یہ قرطبہ ہی کے دارالصناعۃ میں بنائے گئے تھے۔ پہلا بُت شیر کا تھا، اُس کے پہلو میں ہرن، اوس کے برابر نہنگ، اس کے مقابل لومڑی، اور عقاب اور ہاتھی، باقی دو طرفوں میں کبوتر، شاہیں، طاؤس، مرغی، مرغا، نسر تھے۔ یہ تمام سونے کے مرصع بجواہر نفیسہ تھے، اور سب کے مُنہ سے پانی نکلتا تھا۔ ان تمام چیزوں کے بنوانے کے منتظم اور متولی الناصر کے صاحبزادے الحکم تھے، کوئی دوسرا شخص نگرانی پر متعین نہ تھا۔ مچھلیاں جتنی پلی ہوئی تھیں، اُن کو آٹھ سو روٹیاں روز دیجاتی تھیں۔ بعض اس سے

بھی زیادہ تعداد بتلاتے ہیں۔ اس کا تتبع کرنا کہ فی الحقیقت کتنی تھیں۔ بہت طول چاہتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ الناصر الدین اللہ محاصل کے تین حصے کیا کرتے تھے۔ ایک تہائی فوج پر خرچ ہوتا تھا۔ ایک تہائی عمارتوں پر اور ایک تہائی کا ذخیرہ رکھا جاتا تھا۔ اُس زمانہ میں شہروں وغیرہ کی آمدنی پانچ کرور چار لاکھ اسی ہزار دینار تھی۔ بازار وغیرہ کی آمدنی سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار تھی۔ باقی رہا مال غنیمت کا خمس اس کا حساب دفتر میں بھی نہیں رکھا جاتا تھا۔ اس کی بحث اوپر گزر چکی ہے، یہاں ہم سلسلۂ بر سبیل تذکرہ پھر لکھ دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ عمارت زہرا پر ایک سو مُد درہم قاسمیہ قرطبہ کے پیمانہ (کیل) سے صرف ہوئے تھے۔ پیمانۂ مذکور کے حساب سے اسی مُد۔ اور سات قفیز درہم مذکورہ ہوتے ہیں۔ زہرا کی عمارت الناصر کے زمانہ میں پچیس سال تک برابر جاری رہی اون کی وفات کے بعد خلافت الحکم کے ساری مدت میں، جو پندرہ برس اور چند ماہ تھی، برابر عمارت لگی رہی۔ پاک ہے وہ ذات جو فنا رخلق کے بعد بھی باقی رہے گی۔ کچھ شک نہیں کہ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

ابن بدیع ہمدانی، اور فتح نے مطمح میں لکھا ہے کہ الناصر لدین اللہ کو آبادی زمین قدر علما اور انبساط جہلا، لایق و قابل لوگوں کو دور دراز ممالک سے جمع کرنے، قوت ملک، عزت سلطنت کے آثار قایم کرنے، اور علو ہمت دکھلانے کا بڑا شوق تھا اسی بنا پر اُنھوں نے شہر زہرا کی تعمیر کی بنیاد رکھی جس کا ذکر اب تک زبان زد خلایق ہے، اور اُس کا غلغلہ ابتک دُنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے۔ اُنھوں نے اپنی تمامتر ہمت اس شہر کی خوبی اور وہاں کے قصر کو عجیب و غریب بنانے اور صنعت دکھلانے میں صرف کر دی۔ اس میں اون کو اتنا انہماک ہوا کہ جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے سے بھی باز رہے۔ چنانچہ تین جمعہ متواتر جماعت میں شریک نہ ہوئے۔ قاضی منذر نے

ارادہ کیا کہ بذریعہ وعظ اور بہترین خطاب و حکمت اُن کو اس انہماک سے خوف دلائیں اور توبہ کرنے اور خدائے تعالےٰ کی طرف رجوع کرنے کی طرف مائل کریں۔ چنانچہ الناصر نماز جمعہ میں حاضر ہوئے تو قاضی منذر نے اپنے خطبے کو خدا تعالےٰ کے اس قول سے شروع کیا کہ "اتبنون بکل ریع تاو اعظین" پھر اسکے ساتھ یہ آیت شروع کی کہ۔ متاع الدنیا قلیل والآخرۃ خیر المن اتقی۔ اور کہا کہ وہی مقام دار القرار اور دار الجزا ہے۔ اس کے بعد اُنہوں مکانات کے مضبوط بنانے، اور اُن کی خوبصورتی میں مستغرق ہو جانے اور خرچ عمارات میں اسراف کرنے کی مذمت دلنشیں الفاظ میں کی۔ اسی سلسلہ میں اُنہوں نے یہ آیت پڑھی۔ افمن اسس بنیانہ الی آخر الآیہ" اور اس کے ساتھ وہی باتیں کہیں جو تخویف موت اور اس کی تکلیف کو یاد دلاتی تھیں۔ اور اس دار فانی میں زہد کرنے کی تشویق کرتی تھیں۔ اس شوق کے چھوڑنے اور توبہ کرنے کی طرف توجہ دلائی اور لذات دنیا کے انہماک سے بچنے کی ہدایت کی اور نفس کو اُس کے خواہشوں کے موافق چلنے دینے کے عیوب بیان کیے۔ اس خصوص میں اکثر آیات کلام اللہ۔ احادیث رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور آثار اصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بیان کئے۔ جتنے لوگ موجود تھے سب پر ایسا اثر پڑا کہ سب کے دل نرم ہو گئے اور رو پڑے، سب نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، اور خدائے تعالیٰ سے بہت تضرع وزاری سے توبہ کی اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگی۔ الناصر الدین اللہ پر سب سے زیادہ اثر پڑا، کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ اس تقریر سے خاص اُن کی ذات مقصود ہے، یہ بھی بہت روئے اور سخت شرمندہ ہوئے اور خدا کے غضب سے پناہ مانگی لیکن دل میں قاضی منذر سے ناراض ہوئے اور اُن کے جانے کے بعد اپنے بیٹے الحکم سے اُن کی شکایت کی، اور کہا کہ منذر نے اپنے خطبہ میں مجھے ہی مورد الزام بنایا تھا میرے سوا ان کا مخاطب اور کوئی نہ تھا۔ اُنہوں نے مجھ پر سخت زیادتی کی اور میری دولت

میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ مجھے نصیحت کرنے میں انہوں نے سیاست ملک کا بھی خیال نہ رکھا۔ میرا دل پھٹ گیا۔ قریب تھا کہ وہ اپنے عصا سے میرے اوپر حملہ کردیں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اب اُن کے پیچھے نماز جمعہ نہ پڑھونگا" چنانچہ وہ جامع زہرا رہی میں احمد بن تطرف، قرطبہ کے صاحب الصلوٰۃ کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔ ایک روز الحکم نے کہا کہ آپ کو کیا امر اس سے مانع ہے کہ آپ قاضی منذر کو معزول کردیں۔ اور اُن کی جگہ دوسرے کو اپنا مثل امام مقرر کرلیں۔ کیونکہ آپ اُن سے ناراض ہیں" یہ سُنکر الناصر لدین اللہ نے اپنے بیٹے کو جھڑک دیا اور کہا کہ کیا منذر بن سعید جیسے آدمی کو، باوجود اُن کے علم وفضل وخیر کے معزول کردیا جائے یہ نہیں ہوسکتا خواہ تم ہی کو ولیعہدی سے کیوں نہ معزول کرنا پڑے، تاکہ وہ نفس جو رشد سے دور ہوکر غیر مقصود کی طرف جاتا ہے سزا پائے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا مجھے خدائے تعالےٰ سے شرم آتی ہے کہ میرے اور نماز جمعہ کے درمیان میں منذر جیسے با ورع وصدق آدمی شفیع نہوں۔ مجھے اُس وقت رنج تھا کہ میں نے قسم کھالی۔ مجھے اپنی قسم کا کفارہ دینا آسان ہے۔ جب تک میں اور وہ زندہ ہیں میں لوگوں کے ساتھ اُن ہی کے پیچھے نماز پڑھونگا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ ہم اُن سے ناراض نہیں ہیں"۔ کہتے ہیں کہ الحکم نے یہ سُنکر اپنے والد سے بہت معذرت کی اور کہا کہ " اے امیر المومنین قاضی منذر بیشک ایک صالح آدمی ہیں۔ اُن کی نیت بخیر تھی۔ اگرچہ اُنہوں نے آپ کے خرچ عمارات پر اعتراض کیا"۔ اس پر الناصر نے حکم دیا کہ محل میں فرش وغیرہ بچھایا جائے۔ چنانچہ مختلف قسم کے دیباج کا فرش بچھایا گیا۔ پھر کھانا پکوا کر بہت سے علمار کی دعوت کی۔ یہانتک کہ تمام مجلس بھر گئی۔ قاضی منذر سب سے آخر میں پہونچے۔ الناصر نے اُنہیں اپنے قریب بٹھلانے کا اشارہ کیا۔ مگر اُنہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین انسان کو چاہیے کہ جہاں اوسکو مجلس کے آخر میں جگہ ملے بیٹھ جائے۔ یہ نہ کرے کہ لوگوں کے کندھوں پر سے کودتا پھرے"۔ چنانچہ وہ وہیں آخر مجلس میں بیٹھ گئے

اُس وقت وہ پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ (اس عبارت کے بعد راوی قاضی منذر کے چند کلام بیان کرتے ہیں جو ہم ابھی بیان کرینگے)۔

الناصر کے آخری زمانہ میں قحط پڑ گیا۔ قاضی منذر نے لوگوں کو حکم دیا کہ نماز استسقا کے لیے میدان میں نکلیں پہلے اُنہوں نے تین روز متواتر نفل روزے رکھے، توبہ کی اور خوف الٰہی اپنے اوپر طاری کیا۔ جب میدان قرطبہ کے مصلے پر ایک مجمع کثیر جمع ہوگیا تو خلیفہ الناصر لدین اللہ قصر کے ایک اُونچے مکان پر چڑھے تاکہ وہ لوگوں کو دیکھیں اور آخر اُن کے ساتھ شامل ہوکر تضرع وزاری کے ساتھ مصلے میں پہنچیں قاضی منذر نے لوگوں کے جمع ہونے کا انتظار کیا اور جب تمام مصلے کا میدان بھر گیا تو وہ نہایت تضرع و عاجزی و خوف کے ساتھ نکلے اور خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور جب دیکھا کہ عوام الناس خوف الٰہی کے ساتھ بالکل خاموش ہیں اور خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں تو ان پر بھی رقت نے غلبہ کیا اور آنسو ٹپک پڑے۔ جب کچھ تسکین ہوئی تو خطبہ شروع کیا۔ اور سب سے پہلے کہا کہ "حاضرین! السلام علیکم" یہ کہہ کر وہ تھوڑی دیر خاموش ہو رہے۔ مگر اُن کی عادت اتنا وقفہ کرنے کی نہ تھی۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ کیونکہ وہ نہ سمجھے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ قاضی منذر نے تھوڑی دیر کے بعد قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی "کتب ربکم علیٰ نفسه الرحمه۔ تا رحیم" پھر کہا کہ "اے لوگو تم سب خدائے تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ اے لوگو اپنے خدا سے مغفرت مانگو اور اپنے گناہوں سے توبہ کرو۔ اور اعمال صالحہ اختیار کرو۔" راوی کہتا ہے کہ صرف اتنا ہی سُنکر لوگ روئے۔ اور عاجزی سے دعا مانگنے لگے۔ قاضی صاحب نے اسی طرح اپنا خطبہ تمام ختم کیا۔ جس سے لوگوں کے دل پگھل گئے، اور ذکر الٰہی سے اخلاص پیدا ہوگیا نتیجہ یہ ہوا کہ ابھی دن نہیں ڈھلنے پایا تھا کہ خدائے تعالےٰ نے باران رحمت بھیج دی۔ سب

جگہ جل تھل ہوگیا لوگوں کو تسلی ہوگئی۔ سچ ہے کہ اللہ لطیفٌ بالعباد ہے۔

قاضی منذر کے خطبہ استسقا کا افتتاح عجیب موثر پیرایہ میں ہوا کرتا تھا۔ ایک اور مرتبہ لوگ استسقا کے لیے جمع ہوئے۔ قاضی صاحب نے تمام مجمع کو دیکھا اور کہا کہ "اے لوگو! انتم الفقراء الی اللہ۔تا بعزیز" اسی آیت کو سُنکر لوگوں پر وہ اثر ہوا کہ تمام مجمع رو پڑا اور اُن کا خطبہ جاری رہا۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر المومنین الناصر لدین اللہ نماز استسقا کے لیے نکلے چونکہ اُن کے ارادے کی شہرت ہو چکی تھی لوگ پہلے ہی مصلّے پر پہونچ چکے تھے۔ قاضی منذر نے ایک شخص سے پوچھا کہ "معلوم خلیفہ ایسے موقعہ پر جاکر کیا کرینگے"۔ اُس نے کہا کہ میں نے آج سے زیادہ کبھی ان کو عاجز و خاشع نہیں دیکھا۔ وہ کچھ حیران ڈرے ہوئے، اکیلے خاموش بیٹھے ہوئے۔ ذلیل کپڑے پہنے ہوئے زمین پر لیٹے ہوئے تھے، سر اور ڈاڑہی پر خاک لگی ہوئی تھی، رو رہے تھے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہے تھے۔ اور کہتے جاتے تھے کہ "الٰہی! یہ میرا سر تیرے سامنے ہی اور میرا ماتھا تیرے آستانے پر ہے۔ الٰہی! کیا تو میرے گناہوں کے بدلے میں میری رعایا کو عذاب دینا چاہتا ہے۔ الٰہی! تو احکم الحاکمین ہے" راوی کہتا ہے کہ یہ سُنکر قاضی منذر کے چہرہ پر شادابی آئی اور اُنھوں نے اُس سے کہا کہ "اگر یہ حالت ہے تو بارش آیا ہی چاہتی ہے؛ کیونکہ جبّار دنیا کے دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے تو جبّار آسمان کو رحم آتا ہے" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ لوگ نماز استسقا سے لوٹنے نہ پائے تھے کہ خوب زور سے بارش شروع ہوگئی۔

قاضی منذر اپنے احکام میں بڑے سخت تھے۔ اور اُن کی پابندی واجرا میں سختی کو بہت کام میں لاتے تھے۔ وہ قوت حکومت اور قیام حق میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اُن سے خلیفہ تک ڈرتے تھے، چہ جائیکہ عوام الناس۔

ابن الحسن نباہی کہتے ہیں کہ منذر نے جو کچھ الناصر لدین اللہ سے اُن کے اسراف عمارات کے خلاف کہا وہ ابتک محفوظ چلا آتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جب الناصر نے ایک چھوٹے قبہ کی چھت میں تکلفات کیے، اور سونے اور چاندی کی اینٹیں (کھپائیں) اور ان ہی سے چھت بنائی، جس سے کہ تمام چھت ایسی گنگا جمنی ہوگئی تھی کہ آنکھ اُسکی چمک کی تاب نہ لاتی تھی، ایک روز الناصر اُس چھوٹے قبہ میں اہل مملکت کے ساتھ تمام دن بیٹھے رہے۔ وزرا، اور اہلِ خدمت جو حاضر تھے اُن سے الناصر نے ازروے افتخار اس مکان کے تکلفات اور مصنوعات کی نسبت کہا کہ "کیا تم نے مجھسے پہلے کسی بادشاہ کو دیکھا یا سُنا ہے۔ کہ اُنھوں نے ایسا ہی مکان بنایا ہو" سب لوگوں نے کہا کہ "اے امیر المومنین واللہ کہ اس معاملہ میں آپ یکتا ہیں۔ کوئی بادشاہ ان صنعت کاریوں میں آپ سے نہیں بڑھا۔ نہ ہم نے کسی بادشاہ کو آپ کی برابر دیکھا۔ نہ کسی کی خبر ہم نے سُنی" یہ سُنکر الناصر بہت ہی خوش ہوئے۔ اتنے میں قاضی منذر بن سعید سر جھکائے ہوئے آپہونچے۔ جب وہ بیٹھ گئے تو امیر المومنین نے وہی سوال اُنسے بھی کیا جس کو سنتے ہی قاضی صاحب کے آنسو ڈاڑھی پر بہنے لگے۔ تھوڑے تامل کے بعد اُنھوں نے کہا کہ "واللہ اے امیر المومنین مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ شیطان۔ (لعنۃ اللہ) آپ کو یہاں تک پہونچا دیگا۔ آپ کو خدائے تعالیٰ نے اپنا فضل نعمت عطا فرمایا ہے۔ اور آپ کو اہل دنیا پر فضیلت دی ہے۔ آپ کافروں کی منزل تک پہونچ گئے ہیں" یہ سُنکر عبد الرحمن بہت شرمندہ ہوئے اور قاضی منذر سے کہنے لگے کہ "آپ کو کچھ خیال بھی ہے کہ آپ کیا فرماتے ہیں اور مجھکو منزل کفار تک پہونچا رہے ہیں" قاضی منذر نے کہا کہ "میں جو کچھ کہتا ہوں صحیح کہتا ہوں۔ کیا خدائے تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ لولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ تا آخر آیت" الناصر یہ سُنکر سخت نادم ہو کر غم و غصہ سے خاموش ہوگئے۔ اور خوف الٰہی سے اُن کے آنسو جاری ہوگئے

اور کہنے لگے کہ قاضی صاحب خدائے تعالے نے ہماری اور اپنی اور دین اور مسلمانوں کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور خدائے تعالیٰ آپ جیسے آدمیوں کی ہم لوگوں میں کثرت کرے۔ جو کچھ آپ نے فرمایا بالکل حق ہے۔ یہ کہکر وہ استغفار پڑھتے ہوئے اُس مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور حکم دیا کہ فوراً قبہ کی چھت اُتاری جاوے اور سونے چاندی کی اینٹیں اُکھاڑ دیجائیں۔ انتہے

اس خصوص میں ہم ایک اور حکایت قلمبند کرتے ہیں جو حکایت سابق کے خلاف سیاق ہے۔ یہ حکایت حجاری سے المسہب فی اخبار المغرب میں منقول ہے اور خالی از فائدہ نہیں ہے۔

ایک روز قاضی منذر بن سعید، الناصر بانی زہرا کے پاس ایسی حالت میں پہونچے کہ وہ عمارات کے خیال میں مشغول تھے۔ قاضی صاحب اس بارہ میں پند و نصیحت کرنے لگے تو الناصر نے کہا کہ

ہمم الملوك اذا ارادوا ذکرها	من بعدهم فبالسن البنیان
بادشاہ جب اپنی ہمتوں کا تذکرہ اپنے بعد چھوڑ جاتے ہیں	تو وہ عمارت کی زبان کو ترجمان حال بناتے ہیں
اوما ترے الهرمین قد بقیا وکم	ملك محاه حوادث الازمان
کیا تمنے نہیں دیکھا کہ اہرام مصری باقی ہیں	اور بہت ملکوں کو حوادث زمانہ نے صفحہ ہستی سے محو کر دیا ہے
ان البناء اذا تعاظم شانه	اضحی یدل علی عظیم الشان
جب عمارت کی شان بڑہتی ہے	تو وہ کسی عظیم الشان شخص کی دلیل ہوتی ہیں۔

یہ معلوم نہیں کہ یہ اشعار خود امیر المومنین ہی کے ہیں یا کسی دوسرے کے۔ اگر انہی کے ہیں تو نہایت اچھے ہیں۔ اور اگر کسی دوسرے کے ہیں تو اس موقعہ پر نہایت چسپاں ہیں۔ قاضی منذر عمارت کے معاملہ میں نہایت درشتی رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ پھر اتفاق ہوا تو الناصر اُس قبہ میں بیٹھے ہوئے تھے جس کا فرش سونے اور چاندی کی اینٹوں

کا تھا۔ اور کہہ رہے تھے کہ "دنیا کا کوئی بادشاہ عمارات میں میری برابر نہیں ہوا" یہ سُنکر قاضی منذر خطبہ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اُس وقت تمام مجلس امراء، وزرا سے بھری پڑی تھی۔ اور اُنہوں نے سر خطبہ اس آیت کو لیا کہ "ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتہم سقفا من فضۃ ومعارج علیہا یظہرون" اور اس کے ساتھ احادیث واقوال کو بیان کیا۔ بادشاہ سخت شرمندہ اور پریشان ہوئے، کہ اُن کے بُشرے سے ظاہر ہوتا تھا۔ مگر منذر کو اُنکی علم و دین کی عظمت و اقتدار کی وجہ سے، کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ ایک دفعہ قاضی منذر زہرا میں الناصر کے پاس گئے۔ اتفاق سے رئیس ابو عثمان بن ادریس نے اپنا ایک قصیدہ زہرا کی تعریف میں پڑھا۔ جس کو سُنکر الناصر بہت خوش ہوئے۔ منذر تھوڑی دیر تو خاموش رہے۔ پھر اُنہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ

یابانی الزہراء مستغرقا ۞ اوقاتہ فیہا اما تمہل

اے بانی زہرا جو اپنے اوقات کو اُس میں مُستغرق رکھتا ہی کیا تو ذرا ٹھیر نہیں جاتا

للہ ما احسنہا رونقا ۞ لو لم تکن زہرتہا تذبل

واللہ اس کی رونق بہت ہی اچھی ہے ۞ بشرطیکہ اس کی نفاست کھنڈر سے نہ بدل جاتی

الناصر پر ان دونوں شعروں کا بڑا اثر ہوا۔ اُن کے آنسو نکل آئے اور کہنے لگے کہ "اے ابو الحکم انشاء اللہ یہ کھنڈر نہو گی"۔ قاضی منذر نے کہا کہ "الٰہی! تو اس کا گواہ ہے کہ میں نے نصیحت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا"۔ انتہی۔

حقیقت یہ ہے کہ قاضی منذر نے بالکل سچ کہا تھا۔ کیونکہ آخر اُس فتنہ میں زہرا کھنڈر ہو گیا۔ عبد الرحمن بن المنصور ابو عامر، الملقب بہ سنجول عہدہ حجابت پر فائز ہوا اور اُس نے اپنے بھائی المظفر، اور اپنے باپ المنصور کی طرح دولت پر دست درازی کرنی شروع کی۔ حالانکہ سوء تدبیری کی یہ کیفیت تھی کہ اُس کو پیش و پس کا کچھ خیال نہ تھا

اور ۳۹۸ھ ہجری میں المؤید ہشام بن الحکم کو مجبور کرکے خود کو ولیعہد قرار دلوالیا۔ جس سے کہ خاص و عام میں شورش ہوگئی۔ اور سب اُس کے دشمن اور درپے آزار ہوگئے نتیجہ یہ ہوا کہ محمد بن ہشام بن عبدالجبار بن الناصر لدین اللہ نے ۳۹۹ھ ہجری میں بلقب "مہدی" اوس پر خروج کیا۔ مؤید سے خلع کرا کر اُسکو قید کرلیا۔ اور فوج نے سنجول کو اُس کے حوالہ کردیا، اور وہ مارا گیا۔

ابن الرقیق کہتے ہیں کہ یہ نہایت عجیب بات ہے کہ سہ شنبہ ۲۶ جمادی الآخر کی دوپہر سے لیکر چہارشنبہ کی دوپہر تک قرطبہ فتح ہوا، زہرا منہدم کردیا گیا۔ ایک خلیفہ یعنی مؤید سے خلع کرایا گیا، دوسرے خلیفہ یعنی مہدی کو تخت پر بٹھلایا گیا، دولت بنو عامر زائل ہوگئی، ان کا وزیر محمد بن عماجہ قتل کیا گیا، عوام الناس سے فوج کی بھرتی کی گئی، بہت سے وزرا معزول ہوئے اور سب سے نئے وزیر بنائے گئے اور یہ سب کچھ صرف دس آدمیوں کے ہاتھوں ہوا۔ جو کمینہ لوگ تھے، اور مہدی کی فوج کے روح و رواں۔ انتہیٰ۔

ہم نے اس مہدی کا کچھ حال اور مقام پر لکھا ہے۔ اس شخص کا خلیفہ ہونا دین و دنیا دونوں کے لیے سخت منحوس ہوا۔ یہی شخص اندلس میں ابواب فتنہ کا فاتح تھا۔ اسی شخص نے یہاں کی خوبیوں کو ایسا مٹایا کہ دولت میں تفرقہ پڑگیا اور رؤسا کا قلع قمع ہوگیا۔ دشمنوں نے ملک پر نرغہ کیا اور تھوڑا تھوڑا کرکے سب کچھ چھین لیا۔ یہانتک کہ اسلام کا اُس دیار سے نام ہی مٹ گیا۔ اعاذنا اللہ تعالےٰ۔

ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں منجملہ الناصر لدین اللہ کی اور عمارات کے زہرا کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ جب الناصر نے ملک پر پوری طور پر تسلط حاصل کرلیا تو اُنھوں نے اپنی توجہ قصور اور دیگر عمارات کی طرف منعطف کی۔ اُن کے دادا امیر محمد، اور اُن کے والد عبدالرحمٰن الاوسط کے محل اور اُن کے دادا الحکم

نے بھی اپنے قصر عظیم الشان بنائے تھے۔ ان ہی میں مجلس الزہرا ۔ البہور۔ الکامل اور منیف تھے۔ اُنہوں نے الزاہرہ کے پاس اپنا بڑا محل بنایا، اور اُس کا نام دارالروضہ رکھا۔ اور پہاڑ پر سے اپنے محلات کے لیئے پانی لائے۔ بڑے بڑے مہندسین (انجنیر) اور معمار ہر طرف سے جمع کیے۔ بغداد اور قسطنطنیہ تک سے لوگ بلائے گئے۔ پھر سیرگاہیں بنائیں اور منیتہ الناعورہ محلات کے قریب بنایا۔ پہاڑ پر سے، نہایت فاصلہ سے پانی لیکر آئے۔ پھر اُنہوں نے شہر زہرار کی بنا ڈالی اُسی کو اپنا قیام گاہ اور دارالسلطنت قرار دیا۔ اور اُس میں عمارات اور قصور اور باغات کی بنیاد ڈالی۔ اسی جگہ وحوش کے رہنے اور چڑیوں کے پلنے کی جگہ بنوائیں یہیں سلح خانہ قایم کیا، جس میں اسلحہ تیار ہوتے تھے۔ زیورات کا کارخانہ بھی یہیں تھا۔ صحن جامع مسجد میں سایہ کا انتظام کیا تاکہ لوگ دہوپ کی تکلیف سے محفوظ رہیں انتہٰی

الزاہرہ منصور محمدؐ بن ابی عامر کی عمارات میں سے ہے۔ ابن خلدون اثنا کلام میں کہتے ہیں کہ منصور نے اپنی ذات خاص کے لیے ایک شہر بنایا جس میں وہ خود قیام کیا کرتے تھے اور اس کا نام الزاہرہ رکھا۔ اموال و اسلحہ کا ایک جز یہیں منتقل کر لیا۔ ایک وصاحب، غالباً صاحب معجم نے لکھا ہے کہ ۳۶۸ھ ہجری میں منصور بن ابی عامر نے زاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب اُن کا تسلط کامل اور اُن کا استبداد ظاہر ہو چکا تھا، اور اُن کے حاسدین اور دشمنوں کی اتنی تعداد بڑھ چکی تھی کہ وہ قصر سلطانی میں جاتے ہوئے ڈرتے تھے، اور یہ خوف رہتا تھا کہ مخالفین کے ہاتھ میں نہ پڑ جائیں۔ اس ترکیب سے اُنہوں نے اپنی حفاظت کی اور بادشاہوں کی روش بھی اختیار کر لی کہ بادشاہ اپنا ایک قصر بناتا تھا، اُسی میں خود قیام کرتا تھا، اپنے اہل و عیال وخدم وحشم کو بھی وہیں رکھتا تھا، اور اسی جگہ سے وہ تدبیر مملکت وسیاست کیا کرتا تھا۔ غرض ان ہی خیالات سے اُنہوں نے وہ محل بنایا اور اُس میں رہنا اختیار کیا جو زاہرہ کے نام سے موسوم تھا۔

اور مختلف محلات کی وجہ سے موصوف تھا۔ قرطبہ کی ایک سمت پر دریا کے کنارے پر اُس کی بنیاد ڈالی اور اسی سنہ میں عمارت شروع کرادی صناع و مزدور ہر طرف سے جمع کئے اور آلات منگوائے دو برس کی مدت قلیل میں شہر کا بڑا حصہ بن کر تیار ہوگیا۔ ۳۷۰ھ ہجری میں منصور اس شہر میں منتقل ہو آئے۔ اپنے خواص و خدم، نیز تمام اموال و متاع و اسلحہ ساتھ لے آئے۔ یہیں دفاتر و کچہریاں قایم کرلیں۔ یہیں وزیروں، منشیوں، اہالی فوج اور حاجیوں کے لیے مکانات بنوا دیئے۔ اس طرح بڑے بڑے مکانات اور محلات بن گئے۔ پُر رونق بازار کُھل گئے۔ اکناف و اطراف سے لوگ یہاں آ بسے تاکہ صاحب دولت کے قریب رہیں۔ خلیفہ تو صرف نام ہی کے لیے رہ گیا تھا، اور محض ادائے رسوم کے لیے باقی تھا۔ منصور نے اپنا جلوس وزرار و امرا الگ قایم کرلیا تھا۔ وہ خود تخت خلافت پر بیٹھتے تھے۔ اندلس اور دوسرے مقامات سے محاصل یہیں آکر جمع ہوتے تھے اور اصحاب ولایات، دور دور سے یہیں آکر باریاب ہوتے تھے۔ اہل حاجت کا مجمع رہتا تھا۔ غرض محمد بن ابی عامر نے منصور بن کر اپنے دل کی مرادیں پائیں۔ قصر خلیفہ بےکار چھوڑ دیا گیا۔ جس کا دروازہ لوگوں پر بند رہتا تھا۔ اور وہاں تک کوئی خبر نہ پہونچتی تھی۔ نہی و امر سے اُس محل کو کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ البتہ چوکیدار اور دربان وہاں ضرور مقرر تھے، جو رات دن پہرہ دیا کرتے تھے، اور نہ قصر شاہی کے رہنے والوں کی پوشیدہ و ظاہر حرکات کی ہر وقت نگرانی کرتے تھے۔ خلیفہ ہر کام سے معطل تھا۔ کسی معاملہ میں اُس کو دخل نہیں تھا۔ خلیفہ ہشام بوڑھی عورتوں کی طرح مجبور و مہجور رہتا۔ کسی کی زبان پر اُس کا ذکر تک نہ آتا تھا۔ وہ خود علیل الفکر تھا۔ ہر قسم کے دروازے اُس پر بند تھے اور ہر شخص سے وہ پردہ میں رکھا جاتا تھا۔ کوئی خاص و عام اسے نہ دیکھ سکتا تھا۔ کسی کو اُس کا خوف تھا نہ امید۔ اُس کی سلطنت کا اگر کچھ نام تھا تو وہ سکوں اور خطبوں پر۔ ورنہ لوگوں کو اُس سے کوئی تعلق کسی قسم کا نہ تھا حتّٰے کہ اُس کو کوئی پہچانتا بھی نہ تھا۔ جب سے قصر الزاہرہ میں منصور آ گئے تھے ملک و مملکت بالکلیہ

اُن کے ہاتھ میں تھا۔ اسی لیے زاہرہ کی پوری تکمیل ہوگئی۔ شہر بھی وسیع خوبصورت بن گیا۔ یہ شہر ایک مدت تک اسی حالت میں رہا۔ یہاں سے کوئی تدبیر ایسی نہ تھی کہ جو کامیاب نہوتی، کوئی فوج ایسی نہ تھی کہ فتح پاکر نلوٹتی۔ یہانتک کہ اُس کا بھی وقت آخر آپہونچا۔ آج اُس کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے۔ انتہیٰ

بعض مورخین اندلس نے لکھا ہے کہ منصور ابن ابی عامر ہر سال ایک ہزار مُد جو اپنے خاص گھوڑوں کے دانہ کے لیے بویا کرتے تھے۔ جب کسی مہم سے واپس آتے تو کمر کھولنے سے پہلے داروغہ اصطبل کو بلاکر گھوڑوں کے حالات پوچھتے کہ کتنے مرگئے اور کتنے باقی ہیں۔ پھر انجنیر کو بلاکر دریافت کرتے کہ شہر میں کیا کچھ ترقی کی ہے۔ کہتے ہیں کہ قصر میں ہر روز بارہ ہزار رطل گوشت علاوہ شکار، چڑیوں اور مچھلیوں کے خرچ ہوتے تھے۔ ہر سال بارہ ہزار ڈھالیں قصر زاہرہ وزہرا کے اہالی کے لیے تیار ہوتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شہر عامریہ محلات۔ سیرگاہوں وغیرہ کا ایک نہایت عجیب خزانہ تھا۔ انتہیٰ

مطمح میں ہے کہ جب منصور زاہرہ کے بنا سے فارغ ہوکر کفار کے خلاف جنگ کرکے اور بادشاہان روم پر فتوحات حاصل کرکے واپس آئے تو وہ پہلے قرطبہ میں ایسے تزک و احتشام سے داخل ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ ابن شہید اس جنگ میں شامل نہوئے تھے، کیونکہ اُس زمانہ میں وہ مبغوض ہو چکے تھے۔ یہ ابن شہید وہی شخص ہیں جو ایک زمانہ میں الناصر لدین اللہ کے صاحب رہ چکے تھے۔ اور منصور کے محسن تھے اور مصحفی کے دشمن۔ ہم یہ تمام قصہ ایک مقام پر لکھ چکے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں

منصور کے زمانہ میں مشہور وزیروں میں سے کاتب و وزیر ابو مروان عبدالملک بن ادریس الخولانی تھے۔ صاحب مطمح کہتے ہیں کہ یہ وزیر بڑے عالم اور یکتائے زمانہ، نہایت فصیح شخص تھے، شاعر بدیع۔ ایام منصور میں دار الانشاء اُن کے ماتحت تھا۔ ایام المظفر تک وہ نہایت عزت واحترام سے رہے۔ (ملخصاً)

منصور کی عادت تھی کہ جب اُن کا ارادہ کسی بڑی مہم پر جانے کا ہوتا تو ارباب دولت واکابر سلطنت امویہ سے مشورہ کیا کرتے۔ وہ اپنی راے، جیسی کہ دولت امویہ کا قاعدہ تھا، آزادی سے دیتے۔ منصور اُن کی لیسے طریقے سے مخالفت کیا کرتے تھے جو انکی ایجاد تھا یہ لوگ ہر مرتبہ یہ سمجھتے کہ منصور اپنی خود رائی کر کے ضرر اُٹھائینگے، اور ہلاکت تک نوبت آئیگی لیکن باوجود اس کے ہمیشہ نتیجہ منصور ہی کے حق اچھا نکلتا، جس سے سب کو حیرت ہوتی۔

کسی نے ایک مرتبہ منصور سے کہا کہ فلاں شخص کو اپنی خدمت میں نہ رکھیے، وہ سخت منحوس ہے۔ منصور نے کہا کہ "اُس سعید پر تعجب ہی کہ جس کے اوپر کسی کی نحوست اثر کر جائے" یہ کہکر اُسی شخص کو اُنہوں نے اپنی خدمت میں رکھا، مگر اُس کی نحوست نے اُن پر کوئی اثر نہیں کیا۔

ایک روز منصور اپنے قصر زاہرہ میں تھے جو اُنہوں نے بنایا تھا۔ اُس کے محاسن کو اُنہوں نے بنظر غور دیکھا۔ آبِ رواں پر نظر ڈالی۔ نغمہ طیور کو اچھی طرح سُنا جس طرف دیکھا قصر میں حُسن وجمال ہی نظر آیا۔ یکایک اُن کے آنسو جاری ہو گئے۔ اور سخت اضطراب کی حالت میں اُنھوں نے کہا کہ "اے زاہرہ تجھپر بہت ہی افسوس ہے، کاش میں اُس خائن کو سزا دے سکتا جس کے ہاتھوں تو بہت جلد خراب ہونے والا ہے" ایک شخص جو اُن کے خواص میں سے تھا کہنے لگا کہ "حضور یہ کیا فرما رہے ہیں۔ ہم نے حضور کی زبان سے ایسی بات کبھی نہیں سُنی۔ یہ کیا خیال باطل ہی کہ جو حضور کے گوشۂ دل تک بھی نہیں آنا چاہیے تھا" منصور نے کہا کہ "واللہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ بہت جلد تم لوگ دیکھو گے میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا میری آنکھوں کے سامنے زاہرہ کا نام مٹ رہا ہے۔ اس کی بنیادیں اُکھاڑ کر پھینکی جا رہی ہیں۔ اُس کے خزانہ لوٹے جا رہے ہیں۔ اور آتش فتنہ ہر چیز کو جلائے ڈالتی ہی" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ منصور کے مرنے کے بعد اُن کے بیٹے

مظفر کا مقرر ہونا تھا کہ آفات شروع ہو گئیں۔ اُن کا بھائی عبدالرحمٰن الملقب بسنجول کے خلاف ہمدمی و عامۃ الناس ہو گئے۔ اُن کی قوم سے سب کو نفرت ہو گئی۔ اور آل عامر کی دولت اس طرح جاتی رہی کہ کوئی شخص صاحب امر و نہی باقی نہ رہ گیا۔ زاہرہ کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور نام و نشان تک مٹ گیا۔ طنطنۂ شاہی جاتا رہا۔ جو کچھ وہاں تھا اُس میں لوٹ مار مچ گئی۔ ذخایر و سلاح سب غارت ہو گئے۔ چٹیل میدان ہو گیا۔ ایام فرح و سرور کے بدلے میں حزن و ملال کا دور دورہ ہو گیا۔

روایت ہے کہ اُس زمانہ کے اولیاء اللہ میں سے ایک صاحب زاہرہ میں آئے۔ اور وہاں کے عمارات عالیہ و رونق فائقہ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ "اے مکان! تجھ میں ہر مکان کی کوئی نہ کوئی چیز موجود ہے۔ اور تجھ میں خدائے تعالےٰ نے ہر ایک مکان کا حصہ رکھا ہے" کہتے ہیں کہ اس صالح آدمی کے اس قول کو بہت ہی کم عرصہ گزرا تھا کہ اُسکے تمام ذخائر لوٹ لیے گئے اور تمام شہر کھنڈر ہو گئے اندلس کا کوئی گھر ایسا نہ تھا کہ جس میں یہاں کی لوٹ کا کچھ نہ کچھ مال نہ پہونچا ہو۔ خدائے تعالےٰ نے اس ولی اللہ کے قول کو صحیح کر کے دکھلا دیا۔ کہتے ہیں کہ الزاہرہ کی لوٹ کا مال بغداد اور دیگر ممالک شرقیہ تک جا کر فروخت ہوا۔ پاک ہے وہ ذات پاک جسکی سلطنت کو کبھی زوال نہیں، اور اُس کا ملک ہمیشہ رہنے والا ہے۔ لا الٰہ الا ھو۔

منصور ابن ابی عامر نے امویئین کو بے وجہ خراب کیا تو خدائے تعالیٰ نے اُس کی اولاد پر اموی ہی کو مسلط کر دیا۔ اُس کی احتیاط نے کچھ نفع نہ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قضاء مبرم کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ خدائے تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اُس کے کسی کام پر کوئی معترض نہیں ہو سکتا۔

ہم منصور کے بہت سے حالات قلمبند کر چکے ہیں۔ اگر ہم بعض باتیں اور بھی بیان کر دیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ خواہ بعض امور مکرر ہی کیوں نہ آجائیں۔ مگر وہ خالی از فائدہ

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ منصور ابن ابی عامر نے جب سے کہ وہ حاجب ہوئے ہشام کو اس طرح معطل کر کے بٹھا دیا تھا کہ کوئی شخص اون کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب کبھی وہ سوار ہو کر کہیں جاتے تو اُن پر، نیز اُن کی چھوکریوں پر، پہرہ مقرر کر دیا جاتا۔ اس لیے کوئی شخص ان کو نہ پہچان سکتا، یہاں تک کہ وہ سیرگاہ تک پہونچ جاتے، اور اُسی حالت میں واپس آجاتے۔ اس میں منصور کی ایک غرض پوشیدہ تھی۔ جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ اگر منصور کو خود کہیں سفر میں جانا ہوتا تو وہ اس کا انتظام کر جاتے کہ اگر خلیفہ کہیں باہر جائیں تو اسی صورت سے۔ اُن کے اس فعل کا نتیجہ ملک اندلس سے انقطاع سلطنت بنوامیہ ہُوا۔ اس کے علاوہ بنوامیہ میں سے جس شخص سے اُن کو یہ ڈر ہوتا، کہ شاید وہ کسی وقت اُن کی مخالفت کریگا، اُسی کو قتل کرا دیتے۔ اور یہ ظاہر کرتے کہ یہ قتل محض ہشام کی حفاظت کی غرض سے کرایا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ کہ لیاقت خلافت رکھتے تھے اُنہیں سے ایک بھی باقی نہیں رہا۔ بقیۃ السیف تمام شہروں میں متفرق ہوگئے، اور اس طرح اپنے آپ کو پوشیدہ کیا کہ کوئی اُن کا نشان نہ جانتا تھا۔ بعض نے شہرت کے بدلے میں بادیہ نشینی اختیار کر لی۔

لیکن باوجود ان سب باتوں کے منصور کے دینی و دنیاوی مفاخر بھی ہیں۔ چنانچہ دشمنان ملت کے ساتھ جہاد کرنا اور اُن میں بنفس نفیس شامل ہونا۔

خدائے تعالے اپنے فضل و کرم کے ساتھ اُن کے جہادوں کی فضل جزا عطا فرماوے اُن کے پچاس غزوات تو مشہور ہیں جن سے اہل تثلیث کے دل میں اہل توحید کا جو رعب بیٹھا تھا اُسکی ادنی مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک پہاڑ پر اُن کی فوج نے اپنا جھنڈا گاڑ دیا تھا۔ جب فوج کا وہاں سے کوچ ہوا تو اہالی فوج اپنا جھنڈا اُتارنا بھول گئے۔ ایک مدت پھریرہ اُڑتا رہا۔ مگر یہ دیکھنے کی ہی کہ آیا منصور کی فوج وہاں ہے یا نہیں کسی کو

جرأت نہیں ہوئی، چہ جائیکہ مقابلہ کے لیے نکلنا۔ کسی عیسائی بادشاہ کو اُن کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اُن سے قلعہ بند ہوتے یا بھاگتے ہی بنتی تھی۔

ایک غزوہ کے اثنا میں اُن کی فوج کو عیسائیوں کے ملک میں جاتے ہوئے ایک درہ میں سے گزرنا پڑا۔ جیسے جیسے آگے بڑھتے جاتے تھے حسب معمول چپ و راست وہ لوٹ مار اور قیدیوں کو گرفتار کرتے، آبادیوں میں آگ لگاتے اور گراتے چلے جاتے تھے۔ مگر کسی عیسائی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ کوئی اُن کا مقابلہ کرتا۔ جب کئی روز کی مسافت کا راستہ وہ نکل گئے، اور کوئی مقابل نہ ملا تو ناچار واپس آئے۔ لیکن جب اُس درہ کے پاس پہنچے تو اُنہوں نے دیکھا کہ عیسائیوں نے اُس درہ کو نہایت مضبوطی کے ساتھ روکا ہوا ہے۔ اُس وقت سردی کا موسم تھا۔ منصور عیسائیوں کی یہ حرکت دیکھکر پھر واپس چلے گئے۔ اور اُن ہی کے مُلک میں ایک جگہ معہ اپنی فوج کے مقیم ہو گئے۔ مکانات کی بنیادیں ڈالدیں۔ آلات کشاورزی جمع کرائے اور فوجیں اِدھر اُدھر پھیلا دیں۔ جنہوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ بڑی عمر والوں کی وہ گردنیں مار دیتے اور چھوٹوں کو گرفتار کر لاتے۔ مقتولوں کی لاشیں اُس درہ کے راستہ پر ڈال آتے۔ نوبت یہانتک پہنچی کہ جدھر کو وہ نکلتے اُجڑی ہوئی آبادیاں پاتے۔ جب اس سخت بلا میں دشمن گرفتار ہوئے تو اُنہوں نے منصور کو پیغام صلح بھیجا، اور یہ شرط پیش کی کہ وہ بغیر قیدیوں اور مال غنیمت کے لیے وہاں سے چلے آئیں۔ منصور نے صلح سے انکار کر دیا لیکن دشمنوں کے رسل و رسائل جاری رہے اور تنگ ہو کر یہ کہا کہ قیدی اور غنیمت بھی اپنے ساتھ ہی لیجائیں۔ منصور نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میرے ساتھی یہاں سے جانے میں انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ وطن پہونچنے سے پہلے دوسرے مہم کا وقت آ پہونچے گا۔ واپسی کی تکلیف سے بچنے کے لیے ہم یہیں ٹھہرے رہیں گے۔ اور دوسرا جہاد کر کے واپس جائیں گے۔ عیسائی پھر بھی اصرار و زاری کرتے رہے۔ اور آخر

اُنہوں نے یہ کہا کہ مالِ غنیمت اور قیدیوں کو وہ خود اپنے جانوروں پر بار کر کے اُنکے وطنوں تک پہونچا دینگے۔ اور مقتولوں کی سڑی ہوئی لاشوں سے راستہ بھی خود ہی صاف کرا دیں گے۔ منصور نے اس کو منظور کرلیا۔ اور اسی طرح واپس آگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی مثال ہے کہ کہیں نہیں ملتی۔ بالخصوص یہ کہ دشمنوں نے اپنے مقتولوں کی لاشوں سے خود ہی راستہ صاف کیا۔

ایک مرتبہ اُنہوں نے اپنے لڑکوں کی ختنہ کرائیں۔ تو اہلِ دولت میں سے پانچ سو لڑکوں کو، اور غربا میں سے بے تعداد لڑکوں کی ختنہ کرا دیں۔ اس میں پانچ لاکھ دینار خرچ ہوئے۔ یہ امر نیفہ بہت بڑا ہے۔ خدائے تعالےٰ اُن کو اس کی جزا ر خیر دے اور مسلمانوں کو اُن کا نعم البدل فرمائے۔ آمین

ایک بات اُن کو ایسی حاصل تھی کہ غالباً کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی یعنی اُنکی فوج کا اکثر حصہ خود اُن ہی کے گرفتار کردہ قیدیوں کا تھا۔ یہ خدائے تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے ایک تھی۔

اُن کے اقبال کی ادنی مثال یہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دشمن کتنے خائب و خاسر ہو گئے تھے، کہ وہ ایک غزوہ سے آکر پوری طور پر آرام نہ کرتے تھے کہ دوسرے غزوہ کی تیاریاں شروع ہو جاتی تھیں۔ اُن کو کبھی کہیں بھی شکست نہیں ہوئی۔ حالانکہ اُن کے غزوات کی تعداد کے برابر کسی کے نہ تھے یہی فخر اُن کے لیے کافی ہے۔

ایک مرتبہ وہ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں اُن کو ایک عورت نے روک کر کہا کہ پہلے میری بات سُنو تو کمر کھولو۔ تم عیش کرتے ہو۔ اور میری آنکھوں کا آنسو نہیں سوکھتا۔ میرا ایک بیٹا عیسائیوں کی قید میں ہے۔ اور میں انگاروں پر لوٹتی ہوں۔ منصور نے یہ سُن کر فوراً اُس طرف کے عیسائیوں پر؟

کرنے کا حکم دیا جہاں اُس عورت کا بیٹا قید تھا۔ اور وہاں پہونچکر اُس کے ساتھ اور مسلمانوں کو بھی رہا کر دیا۔ جو وہاں قید تھے اور عیسائیوں کو اُن کے کیفر کردار کو پہونچایا۔ یہ تھی، ہمت سلطانیہ اور غیرت ایمانیہ۔ خدائے تعالیٰ ایسے ارواح طیبات کو جنات فردوس میں درجات عالیہ عطا فرمائے۔ اور اُن کے ساتھ اپنے فضل احسان سے بہترین معاملہ کرے۔

ہم ایک موقعہ پر ذکر کر آئے ہیں کہ منصور ابن ابی عامر رحمۃ اللہ تعالےٰ نے وزیرالحاجب مصحفی کو قید کر لیا تھا۔ حالانکہ ایک زمانہ تھا کہ منصور اُن کے خدمت گزاروں میں سے تھے۔ صاحب کتاب روضۃ الازہار نے لکھا ہے کہ جب منصور نے مصحفی کو زہرار کے قید خانہ میں قید کرنے کا حکم دیا تو اُنہوں نے اپنے خاندان کے لوگوں سے کہا کہ "میں تمکو ہمیشہ کے واسطے رخصت کرتا ہوں۔ اب تم مجھے نہ دیکھ سکو گے۔ کیونکہ ایک شخص کی دُعا کی قبولیت کا وقت آگیا ہے جس کا میں چالیس برس سے منتظر تھا۔ وہ قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک شخص کو الناصر لدین اللہ کے عہد میں قید کر دیا اور اُسکو اُس وقت تک نہ چھوڑا جب تک میں نے خواب میں نہ دیکھ لیا کہ کسی شخص نے مجھسے کہا کہ فلاں شخص کو رہا کر دو۔ کیونکہ اُس کی دُعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی ہے۔ میں نے اُس شخص کو رہا کرنے سے پہلے اپنے سامنے طلب کیا اور اُس سے پوچھا کہ تو نے میرے حق میں کیا بددعا کی ہے تو اُس نے کہا کہ میں نے یہ دعا مانگی تھی کہ جس نے مجھے قید کیا ہے خدائے تعالےٰ اُس کو بدترین قید خانہ میں موت دے۔ میں نے اُس سے کہا کہ وہ میں ہی ہوں جس نے تجھے قید کیا تھا۔ اور تیری دعا قبول ہوگئی ہے۔ مجھے ندامت ہوئی۔ مگر اُس وقت کہ اُس سے کوئی فائدہ نہ تھا" آخر بیچارہ مصحفی قید خانہ ہی میں مرگیا۔ خدا تعالےٰ مظلوم کی بددُعا سے بچائے۔ انتہیٰ

بعض مورخین مغرب نے لکھا ہے کہ ایام نکبت میں مصحفی نے جو کچھ جزع و فزع کی وہ ایسے شخص سے خلاف امید تھی جیسے کہ مصحفی تھے۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے

ایک مرتبہ منصور کو لکھا کہ مجھے اپنی اولاد کو پڑھانے کے لیے ڈیوڑھی میں بٹھا لیجیے۔ مگر منصور اپنی عقل و ذہانت سے اُن کا مطلب سمجھ گئے اور کہنے لگے کہ "یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ مجھے ذلیل کرے کیونکہ مصحفی کو لوگ میری ڈیوڑھی میں بیٹھا دیکھکر کہینگے کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ منصور مصحفی کی ڈیوڑھی میں پڑا تھا۔ آج یہ نالایق اپنے محسن سے ایسا سلوک کر رہا ہے۔"

مصحفی کی قید کے زمانہ میں جب منصور غزوات پر جاتے تو مصحفی کو اپنے ساتھ ساتھ رکھتے۔ ایک موقعہ پر منصور نے اپنی فوج اور دیگر آدمیوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص آگ نہ جلائے۔ تاکہ دشمن کو اُن کے وہاں موجود ہونے کا علم نہ ہو جائے۔ اُس موقعہ پر لوگوں نے دیکھا کہ مصحفی ایک چھوٹی سی انگیٹھی پر گوشت پکا رہے ہیں۔ اور روشنی کو روکنے کے لیے اپنے عبا سے پردہ کئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ مصحفی تھے کہ ایک مدت مدید تک جلالت و عظمت و حکومت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہی کہ خدائے تعالیٰ ہی دولت و سلطنت کا مالک ہے۔ دنیا و ما فیہا کا وہی وارث ہے۔ وھو خیر الوارثین۔

بعض علمارمغاربہ نے لکھا ہے کہ انقلاب دنیا کی عجیب ترین باتوں میں منصور بن ابی عامر کا قصہ مصحفی کے ساتھ ہے۔ منصور کے دشمن اس پر ہزاروں باتیں بناتے تھے۔ اور طرح طرح اُن کی ہجو کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے کہ

اقترب الوعد وحان الهلاك وكل ما تحذره قد اتاك

خليفةٌ تلعب في مكتب أمه حبلى وقاض يناك

ان اشعار میں خلیفہ سے مقصود ہشام المؤید ہی۔ کیونکہ وہ کم عمر تھے اور اُن کی والدہ (صبح البشکنسیہ) کا جو نام اُس میں لیا گیا ہو وہ محض اتہام ہے، جو دشمن منصور پر لگایا کرتے تھے۔ مگر یہ محض بہتان و زور ہے۔ اور اس سے بدتر وہ الزام ہے کہ جو قاضی پر

فجور کا لگایا گیا ہے۔ باقی خدا تعالیٰ پوشیدہ باتوں کا عالم ہے۔ ہم خدا تعالیٰ سے شعراء بدلگام کی زبان وقلم سے پناہ مانگتے ہیں۔ اُن کی زبان علماء دائمہ کے حق میں بھی بند نہیں رہتی۔ دنیا میں بدترین شخص حاسد ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من شر انفسنا ومن شر کل ذی شر، بجاہ نبینا علیہ ازکی صلوات اللہ وافضل سلامہ

ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ منصور ابن ابی عامر ایک زمانہ میں مصحفی کی خدمت میں رہ چکے ہیں۔ اُس زمانہ میں مصحفی کا ستارہ اوج پر تھا۔ اور منصور ذلت کی حالت میں تھے۔ آخر منصور بوجہ اپنی جود وسخا کے دلوں میں جگہ پاتے گئے۔ اور مصحفی سے لوگ بوجہ اُن کے بخل کے متنفر ہوتے گئے۔ یہانتک کہ وہ حاجب ہو گئے۔ اور یہ قید۔

مصحفی اپنے ایام نکبت پر بہت خون روئے ہیں۔ اُن کے اکثر اشعار اب بھی محفوظ ہیں۔ جیسا کہ ہم مختصراً لکھ آئے ہیں کہ قرطبہ میں مصحف عثمانی تھا اور وہ اہلِ اندلس میں متداول رہا تھا۔ پھر وہ الموحدین کے خاندان میں پہونچا، اور اُن سے نکل کر بنی مرین کے قبضہ میں آیا۔ خطیب ابن مرزوق نے کتاب المسند الصحیح الحسن میں لکھا ہے کہ سلطان ابوالحسن جہاں کہیں سفر میں جاتے یہ مصحف کریم عثمانی اپنے ساتھ رکھتے۔ اس قرآن شریف کی اہل اندلس بہت بڑی عظمت وعزت کرتے تھے! اور کیوں نہ کرتے، وہ تھا ہی ایسی چیز۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ یہ مصحف شریف قرطبہ سے نکالا گیا اور یہیں غائب ہو گیا۔ ۱۱ شوال ۵۵۲ھ ہجری ایام ابی محمد عبدالمومن بن علی میں جامع قرطبہ میں موجود تھا۔ یہ قرآن شریف اُن چار نسخوں میں سے ایک تھا کہ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ سے کوفہ، بصرہ اور شام میں بھیجے تھے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ اُس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کے داغ تھے۔ بعید از قیاس ہے البتہ اگر یہ نسخہ شامی ہو تو ممکن ہے۔ ابن عبدالملک کہتے ہیں کہ ابوالقاسم التجیبی السبتی

کہتے ہیں کہ نسخہ شامی مقصورہ جامع بنو امیہ واقع دمشق میں اینک باقی تھے اور میں نے ۶۵۷ھ ہجری میں اُس کو دیکھا تھا۔ یہی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے نسخہ مکیہ قبہ یہودیہ واقع مدینہ شریف میں ۶۳۵ھ ہجری میں دیکھا اور تلاوت کیا ہے۔ یہی کہتے ہیں کہ قرطبہ میں جو نسخہ تھا وہ کوفی ہوگا یا بصری۔ میں کہتا ہوں کہ مجھے یہ خبر پہونچی ہے کہ جو نسخہ مدینہ میں تھا وہ اندلس ہی سے گیا تھا۔ دونوں کا خط ایک ہی جیسا تھا۔ جن لوگوں کا یہ گمان ہے کہ یہ قرآن شریف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ ان چار نسخوں میں سے ایک بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے، یہ ضرور ہے کہ یہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جمع کیا ہوا ہے۔ چنانچہ مدنی نسخہ کی پشت پر لکھا ہوا ہے کہ "یہ وہ (نسخہ) ہے کہ جس پر تمام جماعت صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجماع ہے۔ ان صحابہ میں سے زید بن ثابت، عبد اللہ ابن زبیر اور سعید بن العاصی ہیں"۔ (رضی اللہ عنہم) ان حضرات کے علاوہ اور صحابہ کے نام بھی ہیں جنکو موقعہ جمع قرآن پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے طلب فرمایا تھا۔ عبد المومن بن علی اس قرآن شریف کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور موحدین بھی اپنے سفروں میں تبرکاً اس کو اپنے ساتھ لیے رہتے تھے۔ یہانتک کہ ۶۴۵ھ ہجری میں سعید علی بن المامون ابو العلا رادریس ابن منصور المخاطب بہ معتضد، جب تلمسان گئے تو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ وہ تلمسان کے قریب قتل کیے گئے۔ پھر اُن کا بیٹا مقابل ہوا اور وہ بھی قتل ہوا۔ خزانوں میں لوٹ پڑ گئی اور عرب وغیرہ لشکر کے بڑے حصہ پر غالب ہو گئے۔ اُسی میں یہ قرآن شریف بھی لوٹا گیا۔ اور پتہ نہیں لگا کہ کہاں گیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ شاہان تلمسان کے خزانہ میں تھا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ قرآن مجید خزانہ میں رہا، یہانتک کہ ہمارے امام ابو الحسن نے ماہ رمضان ۷۳۷ھ ہجری میں اُسکو فتح کیا۔ اسی میں اُنکو یہ قرآن مجید ملا۔ یہانتک کہ طریف کا واقعہ پیش آیا۔ اور بلاد پرتگال میں پہونچ گیا۔ بلطائف الحیل اسکو حاصل کیا گیا۔ اور ۷۴۵ھ ہجری میں ایک تاجر ازمور کے ہاتھوں فاس میں پہونچا۔ اور وہیں کے خزانہ میں رہا۔ انتہی بالاختصار۔

جیسا کہ ابنِ رشید نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے ملوک موحدین اسکی بہت ہی حفاظت کرتے تھے۔
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُن کے کلام کو نقل کردیں کیونکہ یہ خالی از فائدہ نہوگا۔

خطیب ابو محمد بن برطلہ سے تحریری و تقریری طور پر مروی ہے کہ شیخ فقیہ ابو القاسم عبد الرحمن بن کاتب الخلافۃ ابو عبد اللہ بن عیاش نے اپنے والد سے روایت کی کہ انہوں نے ایک بڑا قصیدہ اس قرآن شریف کے متعلق لکھا ہے۔ امیر المومنین منصور نے اس قرآن مجید کی زیب و زینت جواہرات سے کرائی تھی۔ اس قرآن شریف کے اثنا ذکر میں ہم یہ کیفیت بھی بیان کردیں کہ یہ کس طرح امیر المومنین عبد المومن کے قبضہ میں آیا اور اس میں کیسے کیسے امر عجیبہ واقع ہوئے کہ کسی نے نہ دیکھے نہ سنے تھے جیسا کہ وزیر الاجل ابو ذکریا یحییٰ بن احمد بن یحییٰ بن محمد بن عبد الملک بن طفیل القیسی نے بیان کیا ہے کہ سید ابو سعید ابو یعقوب مصحف عثمان رضی اللہ لے کر آئے۔ یہ قرآن شریف سلف سے خلف تک دست بدست پہونچا۔ اور بہت سے لوگوں نے اسکی محافظت کی۔ آخر یہ ہمارے خلیفہ امیر المومنین کیلیے ذخیرہ بننے والا تھا۔ اس میں عجیب واقعات پیش آئے اسکی محافظت سختی کیجاتی تھی اہل اندلس میں سے ہر ادنےٰ و اعلیٰ ایسا کرتا تھا اور اسکی بہت ہی تعظیم ہوتی تھی۔ مگر سیدنا و مولانا الخلیفہ کے خاطر شریف میں آیا کہ یہ مصحف شریف قرطبہ سے منتقل کرلیا جائے لیکن اسکے ساتھ ہی یہ خیال گزرا کہ اس سے اہل قرطبہ کو سخت صدمۂ فراق پہونچیگا۔ اسی لیے وہ اپنے اس ارادے سے باز رہے۔ آخر خدائے تعالیٰ نے اس کتاب مجید کو بطور تحفہ اون پاس پہونچا دیا۔ نہ اس میں کسیکو رنج پہونچا۔ نہ مولانا الخلیفہ کو کوئی زحمت اُٹھانی پڑی۔ اور خدائے تعالیٰ نے اُس شخص کے ہاتھ میں پہونچا دیا کہ جو اس کا زیادہ مستحق تھا۔ یہ واقعہ منجملہ اور کرامات امیر المومنین کے ایک کرامات ہے غرض جس وقت یہ مصحف مجید یہاں پہونچا ہے تو مراکش میں تمام ابنائے کرام اور سادۃ العظام کو اطراف واکناف سے جمع کیا گیا۔ اسی موقعہ پر وہ مشہور قصیدہ کہا گیا تھا۔ جو اب تک محفوظ ہے۔ پھر امیر المومنین کو یہ خیال ہوا کہ مصحف مذکور کی تعظیم میں اور بھی مبالغہ کیا جائے تاکہ جو عظمت اُس کے باطن کو حاصل ہے وہی ظاہر میں بھی ہو۔
یہ خیال آتا تھا کہ دار السلطنت، نیز دیگر قریب کے شہروں کے صناع حاضر ہوئے جن میں مہندسین، رنگ ساز، سنار، بیل بوٹے بنانے والے، نقش کرنے والے، جواہرات

سے کام کرنے والے وغیرہ وغیرہ شامل تھے اور ہر شخص نے اپنا اپنا کمال دکھلانا چاہا۔ کیونکہ سب اس میں حصہ لینا چاہتے تھے۔ اس لیے کچھ وقفہ ہوا۔ آخر مولانا الخلیفہ نے اُنکی رہبری کی اور اُن کی ہدایت کے موافق وہ صنائع بدایع دکھلائے گئے کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ پہلے تمام مصحف مجید کو ایک عجیب وغریب طریقہ پر سونے اور چاندی سے منڈھا گیا اور اُس کے اس طرح جوڑ بٹھلائے کہ وہ ایک پترہ معلوم ہوتا تھا۔ کناروں پر بیش قیمت یاقوت، موتی، زمرد سے کام کیا گیا کہ جو بہت کم بادشاہوں کے خزانوں میں نکلینگے۔ ان ہی سے ستاروں کی صورتیں بنائی گئیں۔ ان ہی سے بیل بوٹے بنائے گئے ان کی ضیا ر کی آنکھ تاب نہیں لاسکتی تھی۔ اس کے بعد آبنوس اور دوسری قیمتی لکڑیوں سے بانقش ونگار رحل بنائی گئی۔ اور ایک تخت بنایا گیا جس پر یہ قرآن شریف رکھا جاتا تھا۔ یہ تمام چیزیں مرصع بجواہر تھیں۔ اس کے علاوہ ایک صندوق بھی ایسا ہی بیش قیمت تیار کرایا گیا اور ایسا ہی ایک چراغدان تیار ہوا۔ ان سب چیزوں میں تمام صنعت ہندسی کا اظہار کیا گیا۔ چراغدان کو کھولنے سے قرآن شریف خود بخود کھل جاتا تھا۔ اور بند کرنے سے بند ہو جاتا تھا۔ کسی کو سوا اس کے کہ چراغ روشن کرلے، کوئی تکلیف نہیں اُٹھانی پڑتی تھی۔ اور یہ سب کچھ مولانا الخلیفہ کی ہدایت کے بموجب ہوا تھا۔ پھر امیر المومنین نے مراکش میں جامع مسجد بنائی جس کے محراب کا بنیادی پتھر عشرۂ اول ربیع الآخر ۵۵۳ھ ہجری میں رکھا گیا تھا۔ اور نصف شعبان سنہ مذکور میں وہ مکمل ہوگئی۔ اس کے در ودیوار، منبر ومقصورات میں غایت صنعت دکھلائی گئی تھی۔ یہ قرآن شریف معہ اُون تمام چیزوں کے جن کا ذکر ہوچکا ہے اس جامع مسجد میں منتقل کر دیا گیا۔ اور اس کی اتنی مرتبہ تلاوت ہوئی کہ جسکا شمار کرنا مشکل ہے۔ (ملخصاً)

تمت بحسن التلخیص الباب الرابع

والحمد للہ علیٰ ذالك حمداً کثیراً

ذکر بعض حضرات کا جو ممالک مشرقیہ سے اندلس میں آئے

مُنیذِر (رضی اللہ عنہ)

کہتے ہیں کہ آپ صحابی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت مبارک سے مشرف ہوئے تھے۔ ابن الابار نے تکملہ میں لکھا ہے کہ منیذر (رضی اللہ عنہ) افریقی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف ان کو حاصل ہوا تھا۔ افریقیہ میں جا رہے تھے، اور وہاں سے اندلس میں آئے تھے۔ جیسا کہ عبدالملک بن حبیب نے ابو محمد الرشاطی سے نقل کیا ہے۔ سوا ان کے اور کسی نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ عبدالرحمن الحبلی نے اُن سے روایت کی ہے۔

ایک سے زیادہ مورخین نے لکھا ہے کہ اندلس میں کوئی صحابی تشریف نہیں لائے۔

بعض حفاظ نے لکھا ہے کہ یہ صاحب منیذر یمانی تھے۔ حجازی کہتے ہیں کہ آپ صحابہ (رضوان اللہ تعالے علیہم) میں سے تھے اور موسیٰ بن نصیر کے ساتھ غزا کرتے ہوئے اندلس میں داخل ہوئے تھے۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ اُن کو منیذر اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ صحابیوں میں سے کم عمر تھے (رضی اللہ عنہم)، رازی نے بھی یہی لکھا ہے کہ ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب میں ان کا ذکر صحابہ سے کیا ہے اور ان کا نام منیذر افریقی لکھا ہے۔ ابن بشکوال نے لکھا ہے کہ عبدالبر نے کتاب الاستیعاب میں اُن کا نام منیذر الافریقی لکھا ہے۔ ابن عبدالبر نے اُن سے ایک

حدیث روایت کی ہے کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی جس کو ابو علی بن السکن نے کتاب الصحابہ میں لکھا ہے۔ ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن قانع نے معجم الصحابہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ابو منذر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ اُنھوں نے افریقیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے یہ کہا کہ میں نے اللہ کو اپنا خدا، اسلام کو اپنا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی مان کر راضی ہوا میں اُس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کرونگا" بخاری نے اُن کو کنیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور صرف یہی ایک حدیث ہے جو اُن سے مروی ہے۔ ابو جعفر احمد بن رشد نے اپنی کتاب مسند الصحابہ میں اُن کا ذکر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "المینذر الیمانی مذحج میں سے ہیں یا کسی اور قبیلہ سے" اور ایک حدیث اُن سے روایت کی ہے۔

ہم نے ان مینذر کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔

تابعین جو اندلس میں تشریف لائے

ایک امیر موسیٰ ابن نصیر ہیں۔ ہم اُن کے حالات جس قدر لکھ چکے ہیں وہ کافی ہیں۔

تابعین میں سے ایک حنش الصنعانی ہیں۔ کتاب ابن بشکوال میں لکھا ہے کہ ابن وضاح نے حنش اُن کا لقب بتلایا ہے اور کہا ہے کہ ان کا نام حسین بن عبد اللہ ہے اور کنیت ابو علی ابو رشدین بھی کہلاتے تھے۔ یہ صنعاء شام کے رہنے والے تھے۔ ابو سعید بن یونس نے تاریخ اہل مصر و افریقیہ و اندلس میں اُن کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ اور اپنے رفیق رویفع بن ثابت کے ساتھ ملک مغرب میں لڑے ہیں اور اندلس میں موسیٰ بن نصیر کے ساتھ۔ ابن زبیر (رضی اللہ عنہ) ہو کر عبد الملک

بن مروان کے خلاف لڑے تھے۔ آخر یہ عبدالملک سے بھی ملے۔ مگر اُنھوں نے اُن کا قصور معاف کر دیا۔ سب سے پہلے بھی وہ صاحب تھے جو افریقیہ کی فوج پر زمانہ اسلام میں افسر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سنہ ۱۰۰ ہجری میں اُنھوں نے افریقیہ میں وفات پائی ابن یونس نے لکھا ہے کہ حنش جب رات کا کھانا کھا کر دیگر حوائج سے فارغ ہو جاتے تھے تو رات کی نماز کی تیاری کرتے۔ چراغ جلا لیتے اور قرآن شریف اور ایک برتن پانی سے بھر کر پاس رکھ لیتے، اگر نیند آتی تو سو رہتے۔ اور اگر تھک جاتے تو قرآن شریف پڑھنے لگتے۔ اگر کوئی سائل آتا تو اُس کو کھانا کھلاتے اور اپنے خاندان کے لوگوں سے کہتے رہتے کہ سائل کو کھانا کھلایا کرو تاکہ تم بھی کھانا پاؤ۔

ابن حبیب نے کہا ہے کہ تابعین میں حنش بن عبداللہ الصنعانی اندلس میں آئے۔ یہ وہی صاحب ہیں جو قرطبہ میں اُس درہ سے داخل ہوئے ہیں جو فج المایدہ کہلاتا تھا۔ اُنھوں نے داخل ہوتے ہی اذان دی۔ اس وقت کسی اذان کا وقت نہ تھا۔ جب اُن کے دوستوں نے کہا کہ آپ نے ناوقت اذان کیوں دی تو اُنھوں نے فرمایا کہ یہ وہ دعوت ہے کہ اِس بقعہ سے تا قیام قیامت منقطع نہ ہوگی۔ یہی بات اور لوگوں نے بھی بیان کی ہے۔ لیکن پردۂ غیب سے تو اس کے خلاف ہی نمودار ہوا۔ ممکن ہے کہ یہ روایت بھی موضوعہ ہو یا اس کی کوئی اور تاویل ہو۔ واللہ اعلم۔ ان کا مفصل ذکر ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں کیا ہے کہ صنعاء ایک قریہ ہے ملک شام میں۔ یہ صنعاء الیمن نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حنش رحمہ سے شامیوں نے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ البتہ مصریوں نے روایت کی ہے۔ حنش رحمہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رض سے حدیث روایت کی ہے۔ جب عبدالملک بن مروان نے ملک مغرب میں معاویہ بن حدیج کے ہمراہی میں چڑھائی کی تھی تو سنہ ۵۰ ہجری میں حنش رض وہاں آئے تھے۔ بعد میں حضرت زبیر کا اُنھوں نے ساتھ دیا۔ مگر اُن کو معاف کر دیا گیا۔ ابو زرعہ سے حنش رض کی بابت پوچھا گیا تو اُنھوں نے کہا کہ وہ ثقہ آدمی تھے۔ ابن عساکر نے یہ نہیں کہا کہ حنش

اُن کا لقب تھا۔ اور اُن کا نام حسین تھا۔ بلکہ اُنھوں نے اُن کو حنش ہی لکھا ہے ممکن ہے جو کچھ یہ کہتے ہیں وہ صحیح ہو، اور ابن وضاح نے جو لکھا ہے وہ صحیح نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔
تاریخ ابن الفرضی ابوالولید میں لکھا ہے کہ حنش سرقسطہ میں تھے، اُن ہی نے وہاں کی جامع مسجد کی بنیاد رکھی تھی، اور وہیں اُنھوں نے انتقال فرمایا۔ اُس شہر کے غرب کی طرف باب الیہود کے پاس اُن کا مزار ہے۔ تاریخ ابن بشکوال میں لکھا ہے کہ جامع البیرہ کے قبیلہ کی بنیاد رکھی تھی اور اُن ہی نے اُس جامع قرطبہ کے قبلہ کی سمت درست کی تھی جو اندلس کا فخر ہے؛

تابعین میں سے ایک ابوعبداللہ علی بن رباح اللخمی ہیں۔ ابن یونس نے تاریخ مصر میں لکھا ہے کہ وہ ۱۵ھ ہجری یعنی اُس سال پیدا ہوئے تھے کہ جب یرموک کی لڑائی ہوئی تھی، وہ نابینا تھا۔ ۳۴ھ ہجری میں عبداللہ بن سعد کے ساتھ دریا میں تھے کہ یوم ذات السواری میں اُن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ اہل مصر میں سے قبیلہ یمانیہ کی طرف سے عبدالملک بن مروان کی خدمت میں وفد لے کر گئے تھے۔ عبدالعزیز بن مروان اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔ ام البنین بنت عبدالعزیز کو وہی ولید بن عبدالملک کے پاس شادی کے بعد لے گئے تھے۔ پھر وہ جنگ افریقیہ کے لیے منتخب کیے گئے اور مرنے تک وہیں مقیم رہے۔ کہتے ہیں کہ ۱۱۴ھ ہجری میں اُنھوں نے وفات پائی۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ اُن کو اہل مصر علی بن رباح بفتح عین ہی کہتے تھے۔ لیکن اہل عراق بضم عین کہتے تھے۔ باب دویم میں ابن معین کی روایت سے ہم اس پر بحث کر چکے ہیں۔ اُن کے بیٹے موسیٰ بن علی کہتے تھے کہ علی (بالتصغیر) صحیح نہیں ہے۔

تابعین داخلین اندلس میں سے ایک ابوعبدالرحمن عبداللہ بن یزید المعافری الحبلی تھے۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ وہ حضرت ایوب انصاری اور حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ اور اُن سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ وہ مصریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور ابن یونس نے تاریخ

مغرب میں لکھا ہی کہ سنہ ۱۰۰ ہجری میں افریقیہ میں اُنھوں نے وفات پائی۔ فاضل صالح آدمی تھے۔ رحمہ اللہ تعالےٰ۔ اہل قرطبہ کہتے ہیں کہ اُنھوں نے قرطبہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے اُن کا مزار مشہور ہی اور لوگ اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں حقیقت امر کو خدا تعالےٰ جانتا ہی۔

تابعین داخلین اندلس میں ایک حیان بن ابی جبلہ ہیں۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ وہ مولی قریش ہیں۔ ابو النضر اُن کی کنیت تھی۔ ابو العرب محمدؐ بن تمیم نے تاریخ افریقیہ میں اُن کا ذکر کیا ہی۔ اور لکھا ہی کہ مجھ سے فرات بن محمدؐ نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے دس حضرات تابعین میں سے افریقیہ بھیجے تھے تاکہ وہاں کے لوگوں کو دین کی باتیں سکھلائیں، ان ہی میں سے ایک حیان بن ابی جبلہ تھے۔ اُنھوں نے حضرت عمر ابن العاص اور عبد اللہ بن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہی۔ کہتے ہیں کہ سنہ ۱۲۲ ہجری میں انھوں نے افریقیہ میں انتقال فرمایا۔ ایک اور صاحب اُن کا سال وفات سنہ ۱۲۵ ہجری بتلاتے ہیں۔ ابن فرضی کہتے ہیں کہ وہ موسیٰ بن نصیر کے ساتھ فتح اندلس میں شامل تھے۔ جب ایک قلعۂ موسومہ قرقشونہ میں پہونچے تو وہیں انتقال فرمایا۔ ابن فرضی کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو محمدؐ التغری نے بیان کیا کہ قرقشونہ اور برشلونہ کے درمیان میں ۵۰ میل کی مسافت ہی۔ یہاں ایک کنیسہ ہی جو عیسائیوں کے نزدیک قابل تعظیم ہی اور سنت مریہ کہلاتا ہی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں سات دیواریں خالص چاندی کی ایسی ہیں کہ دیکھنے والوں نے ایسی دیواریں کہیں نہیں دیکھیں۔ آدمی خواہ کتنا ہی لمبا کیوں نہ ہو اُسے وہاں ہاتھ پھیلا کر بھی اُن کے طول کو نہیں ناپ سکتا۔ یہی ذکر ابن سعید نے لکھا ہی۔ واللہ اعلم۔

تابعین داخلین اندلس میں ایک مغیرہ بن ابی بردہ نشیط بن کنانۃ الغدری ہیں۔ اُنھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہی اور امام مالکؒ نے اپنے موطا میں اُن سے روایت کی ہی۔ بخاری نے تاریخ کبیر میں اُن کا ذکر لکھا ہی۔ ابن بشکوال

کتاب الحافظ میں لکھتے ہیں کہ وہ اندلس میں موسیٰ بن نصیر کے ساتھ داخل ہوئے۔ اور موسیٰ اُن کو فوجوں پر افسر بنا کر بھیجا کرتے تھے۔

تابعین داخلین اندلس میں سے حیوۃ بن رجار التمیمی ہیں۔ ابن حبیب نے ذکر کیا ہے کہ وہ موسیٰ بن نصیر اور اُن کے ساتھیوں کے ہمراہ اندلس میں آئے۔ منجملہ تابعین کے ہیں۔ رضی اللہ عنہم، ابن بشکوال نے اپنی کتاب التنبیہ والتعیین لمن دخل الاندلس من التابعین میں لکھا ہے کہ "ابن الابار نے کہا ہے کہ میں نے ابوالخطاب بن واجب سے، اور اُنھوں نے مغیرہ بن ابو بردہ سے حدیث سنی ہے" انتہی۔ ابن الابار ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ "رجار بن حیوۃ کا ذکر اُن تابعین میں کیا جاتا ہے جو اندلس میں آئے۔ میرے نزدیک اس میں ذرا تامل ہے۔ ممکن ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم"۔ انتہی۔ مگر اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اُنھوں نے رجار بن حیوۃ لکھا ہے اور ہم جن کا ذکر کرتے ہیں وہ حیوۃ بن رجار ہیں۔ حقیقت الامر اس معاملہ میں خدا تعالیٰ کو معلوم ہے۔

تابعین داخلین اندلس سے ایک عیاض بن عقبۃ الفہری ہیں جو خیار تابعین میں سے تھے۔ ابن حبیب نے ان کو اُن چار حضرات میں لکھا ہے کہ جنھوں نے اندلس کے مال غنیمت کو پایا اور اُس میں کسی طرح کا دخل فصل نہیں کیا۔

تابعین میں عبداللہ بن سماستہ الفہری ہیں۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ وہ مضری تھے۔ اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اُن کا ذکر کیا ہے۔

تابعین میں عبدالجبار بن ابی سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف زہری ہیں ان کے دادا عبدالرحمن عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ ان کا ابن بشکوال نے اُن چار بزرگوں میں ذکر کیا ہے جنھوں نے کوئی دخل فصل نہیں کیا۔

ایضاً منصور بن خزامہ۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ میں نے کتاب روایات الشیخ ابوعبداللہ ابن عابد الراویہ رحمہ اللہ تعالیٰ میں دیکھا ہے کہ معمروں میں سے جو لوگ اندلس میں آئے اُن میں سے ایک یہ بھی تھے۔ میں نے مستنصر باللہ الحکم بن عبدالرحمن الناصر لدین اللہ کے ہاتھ کی ایک تحریر

خزانہ شاہی میں دیکھی تھی کہ "ایک شخص سیاہ رنگ کا سوڈان کی طرف سے ۳۲۹ھ ہجری میں ہمارے پاس آیا۔ اور اُس نے کہا کہ میں منصور بن حزامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کا فتنہ دیکھا ہی، تب میں بلوغ کے نزدیک تھا، جنگ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے ہمراہ تھا، اور جنگ صفین میں شامل تھا، مجھکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد فرما دیا تھا۔ ۳۳۰ھ ہجری میں وہ اندلس سے مغرب کی طرف چلے گئے"۔ انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ اس سب کی کوئی اصل نہیں ہی، خدا تعالیٰ حافظ الاسلام ابن حجرؒ پر رحم کرے کہ اُنھوں نے صاف لکھدیا کہ "یہ ہزیان ہے" اس کی کوئی اصل نہیں ہی، اس پر اعتبار نہ کرو۔ اسی طرح تمام حفاظ متفق ہیں کہ یہ بالکل جھوٹ ہی"۔ انتہی۔ خدا تعالےٰ آپ کو اپنے فضل و کرم سے باطل باتیں سننے سے محفوظ رکھے۔ اسی قسم کی جھوٹی باتیں وہ ہیں کہ جو ابوالحسن علی بن عثمان بن خطاب کی بابت مشہور ہیں۔ وہ ابوالدنیا مشہور تھے۔ معمر آدمی تھے اور مشہور تھا کہ اُن کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا شرف صحبت حاصل تھا۔ اور اُنھوں نے کبار صحابہ کو دیکھا ہی چنانچہ وہ اُن کی صفات بیان کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہتے تھے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو دیکھا ہی۔ قرطبہ میں مستنصر الحکم بن الناصر کے پاس بزمانہ ولیعہدی آئے تھے ابوبکر ابن القوطیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مغازی کے حالات اُن سے لکھے تھے۔ ابن بشکوال وغیرہ نے اپنی کتابوں اور تاریخوں میں ان کا ذکر کیا ہی۔ ثقہ لوگ جو اس فن کے ماہر تھے، کہتے ہیں کہ وہ شخص سخت جھوٹا، دجال، جاہل تھا۔ خبردار تم اس قسم کی باتوں میں نہ آجانا جو تمھیں بہت سے مورخین مشرق و اندلس کی کتابوں میں ملیں گی۔ تم قول تمیم بن محمد التمیمی کی طرف بھی التفات نہ کرنا۔ کیونکہ وہ بھی ساڑھے تین سو برس کی عمر کے ایک آدمی سے ملنا بیان کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص قریب ۳۲۰ھ ہجری کے انتقال کر گئے۔ بالجملہ اس کی کوئی اصل نہیں ہی۔ ہم نے صرف تنبیہ کے لیے ذکر کر دیا ہی۔ جو کچھ ہم کو معلوم ہی اندلس میں آنے والے تابعین کی علی التحقیق اتنی تعداد تھی۔ صرف پانچ یا چار صاحب تشریف لائے تھے۔

جیسا کہ ہم نے کسی اور موقع پر بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

اندلس میں داخل ہونے والے بزرگ

اندلس میں آنے والوں میں سے ایک مغیث فاتح قرطبہ ہیں۔ ان کے متعلق ہم پہلے کچھ ذکر کر چکے ہیں۔ ابن حیان اور حجازی نے لکھا ہے کہ یہ رومی تھے۔ حجاری نے یہ ایزاد کیا ہے کہ وہ فی الحقیقت رومی نہ تھے۔ اُن کا صحیح نسب یہ ہے مغیث بن الحرث بن الحویرث بن جبلہ بن الایہم الغسانی روم سے مشرق میں قید کرکے پہونچائے گئے۔ اور عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹے ولید کے ساتھ صغر سنی میں، اُن کی پرورش کی۔ اُن کی اولاد وہ خاندان بنو مغیث ہے کہ جو قرطبہ کے معززین میں شامل تھا، اور بہت پھلا پھولا تھا۔ ان ہی میں سے عبدالرحمن ابن مغیث، امیر عبدالرحمن بن معاویہ کے حاجب رہے تھے۔ مغیث نے دمشق میں پرورش پائی، اور طارق فاتح اندلس کے ساتھ اس ملک میں آئے۔ اُنھوں نے راستہ میں بھی کارنمایاں کیے۔ یہاں آکر طارق نے اُن کو فتح قرطبہ پر متعین کیا۔ چنانچہ فاتح قرطبہ وہی ہیں۔ پھر اُن کے اور طارق کے درمیان میں شکر رنجی ہو گئی۔ اور بعد میں موسیٰ ابن نصیر آقا طارق سے بھی اُن کی بگڑ گئی۔ آخر دونوں کے ساتھ دمشق گئے اور دونوں پر فتح پاکر اندلس واپس آگئے۔ اور یہاں خاندان بنو مغیث کی بنا ڈالی۔ مسہب میں ہے کہ اُنھوں نے قرطبہ کو شوال ۹۲ھ ہجری میں فتح کیا۔ پھر تین مہینہ کے محاصرہ کے اوس کنیسہ کو محرم ۹۳ھ ہجری میں فتح کیا جہاں بادشاہ قرطبہ جاکر قلعبند ہوا تھا۔ ان کا سال ولادت یا سال وفات مسہب میں نہیں لکھا۔ حجاری نے کہا ہے کہ اُنھوں نے دمشق میں عبدالملک کے بیٹوں کے ساتھ تربیت پائی۔ بہت فصیح آدمی تھے، ایسی نظم و نثر لکھتے تھے کہ کتابوں کی زینت ہیں۔ فن سپاہگری کے ماہر تھے، سخت جنگ میں اپنے آپ کو ڈال دیتے تھے، اور فتحیاب ہو کر آتے تھے۔ یہاں تک کہ اُس لشکر کے افسر بنائے گئے جس نے قرطبہ فتح کیا۔ حسن رائے اور ورع وکید میں مشہور رہے۔ کیفیت فتح قرطبہ اور بادشاہ قرطبہ کے قید کرنے کا حال ہم بیان کر چکے ہیں

سوا مغیث کے اور کسی نے کسی بادشاہ اندلس کو قید نہیں کیا؛ کیونکہ بعض نے امان مانگ لی اور بعض جلیقیہ کی طرف بھاگ گئے۔

حجازی کہتے ہیں کہ جب اُنھوں نے بادشاہ قرطبہ اور اُس کے خاندان کو قید کیا تو اُن میں ایک لڑکی کو دیکھا جو ستاروں میں چاند تھی۔ وہ بوجہ غرور حُسن مغیث کی طرف متوجہ نہ ہوتی تھی۔ آخر اُنھوں نے اُس پر ایک ایسا آدمی مقرر کیا جو اُس پر سختی کرتا تھا۔ جس سے یہ کچھ نرم ہوئی اور یہ کہا کہ میں محض اس لیئے بے رخی دکھلاتی تھی کہ مغیث میری طرف زیادہ متوجہ ہوتا تھا۔ جب یہ پوری طرح مغیث کے قبضہ میں آگئی تو اُن کو زہر دینے کی تدبیر کی۔ لیکن مغیث کو اُس کے مکر کا حال معلوم ہو گیا اور کہا کہ اگر "اس لڑکی کی جان اس کے باپ کے سینے میں نہ ہوتی تو میں قرطبہ کو ایک رات میں نہ فتح کر لیتا۔

لکھا ہے کہ جب سلیمان بن عبدالملک نے طارق سے اُن کے آقا موسیٰ ابن نصیر کی شکایات سُن کر اُن کو سزا دی اور اُن کا مال ضبط کر لیا تو یہ ارادہ کیا کہ طارق کو وہاں کا امیر مقرر کیا جائے۔ مگر مغیث طارق سے بھی خفا ہو گئے تھے جب سلیمان نے مغیث سے اس معاملہ مشورہ کیا اور پوچھا کہ طارق کی اندلس میں کیا کیفیت ہے تو اُنھوں نے کہا کہ اگر "طارق اہالی اندلس کو خلاف سمت قبلہ کی اور طرف نماز پڑھنے کو کہیں تو وہ اسی طرف نماز پڑھنے لگیں اور کبھی یہ نہ کہیں کہ ہم کوئی فعل ناجائز کر رہے ہیں" یہ مکر کی ترکیب سلیمان کے دل میں اثر کر گئی اور اُنھوں نے طارق کا تقرر خطرناک سمجھا اُس کے بعد طارق مغیث سے ملے تو اُن سے کہا کہ کاش تم یہ کہتے کہ اہل اندلس میرے مطیع نہیں ہیں، اور تمہارا جو دلی مطلب اُن کی فرماں برداری ظاہر کرنے سے تھا وہ نہ کرتے مغیث نے طارق سے کہا کہ اگر تم میرے واسطے کافر (شاہ قرطبہ کو) چھوڑ دیتے تو میں تمہارے واسطے اندلس کا ملک چھوڑ دیتا۔ اصل میں طارق نے یہ ارادہ کیا تھا کہ مغیث کے ہاتھ سے بادشاہ قرطبہ کو چھین لیں۔ مگر وہ کامیاب نہ ہوا اسی بنا پر طارق نے موسیٰ ابن نصیر کو مغیث سے ناراض کرایا اور کہا کہ یہ شخص اگر دمشق جائے گا تو اُس کے قبضہ

میں بہت سے ایسے بڑے بڑے آدمی اندلس کے ہوں گے کہ ہمارے ساتھ نہوں گے۔ اس لیئے ہم کو اس پر کیا فضیلت ہوگی۔ موسیٰ نے مغیث سے اُن کے قیدی کو مانگا مگر مغیث نے انکار کیا۔ ابن حیان کہتے ہیں کہ مغیث کو گھر واکر موسیٰ نے قیدی کو زبردستی چھین لیا۔ (موسیٰ سے) کہا گیا کہ تم اس کو زندہ اپنے ساتھ دمشق لے گئے تو یہ شخص یہ کہے گا کہ مجھے مغیث نے گرفتار کیا تھا۔ اس لیے آپ اس کی گردن مار دیجئے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغیث نے موسیٰ کے خلاف سلیمان کے خوب کان بھرے اور اُن کو سزا دلانے میں کوشش کی۔ ابن حیان اور حجاری نے مغیث کو ولید بن عبدالملک کا غلام بھی کہا ہے۔ ولید ہی نے اُن کو اندلس کی لڑائی پر بھیجا تھا۔ جہاں اُنھوں نے قرطبہ فتح کیا۔ پھر مشرق میں آ گئے۔ بار ثانی پھر وہ اندلس میں بھیجے گئے کہ موسیٰ کو دمشق آنے کی ترغیب دیں۔ لیکن جب وہ واپس آئے تو ولید انتقال کر چکے تھے۔ موسیٰ اُن کے بعد سلیمان بن عبدالملک کی خدمت میں پہونچے۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ ابو ایوب بن حبیب اللخمی ۔ اور اہل اشبیلیہ نے اُن کو عبدالعزیز بن موسیٰ کے بعد اندلس کا سلطان بنادیا۔ اُن ہی کے زمانہ میں لوگ اس امر پر راضی ہوگئے کہ سلطان اشبیلیہ قرطبہ جا کر رہے۔ چنانچہ یہ وہیں منتقل ہوگئے۔ مگر چھ ہی مہینہ رہنے پائے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے کہ دارالسلطنت اشبیلیہ سے قرطبہ میں تبدیل کیا وہ حُر بن عبدالرحمن الثقفی تھے رازی کہتے ہیں کہ ذی الحجہ ۹۷ھ ہجری میں حُر اندلس کے والی مقرر ہو کر آئے۔ اُن کے ساتھ افریقیہ کے چار سو بڑے بڑے آدمی تھے۔ یہی لوگ اندلس میں معزز رہے۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ حُر کی مدت حکومت دو سال آٹھ ماہ رہی۔ حبیب اللخمی کے بعد یہ والی مقرر ہوئے تھے۔

السمح مالک بن خولانی۔ حُر بن عبدالرحمٰن کے بعد سمح بن مالک الخولانی اندلس کی ولایت پر ممتاز ہوئے۔ ابن حیان کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو یہاں مقرر کیا تھا؛ اور یہ حکم دیا تھا کہ اندلس کا جتنا حصہ بذریعہ غلبہ فتح ہوا تھا اُس کا خمس پیش کریں اور وہاں کے

تمام حالات اور نہروں اور دریاؤں کی کیفیت لکھکر بھیجیں۔ حضرت عمر عبدالعزیز کی رائے تھی کہ مسلمانوں کو واپس بلالیں کیونکہ یہ لوگ اپنے کلمہ گو بھائیوں سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ خدا آپ کو اس وقت تک سلامت رکھے کہ آپ یہ کام کرسکیں کیونکہ اگر خدا تعالےٰ اپنی رحمت کاملہ سے ان کو نہ بچائے تو وہ بھی کفار کے ساتھ ہلاک ہوجائیں گے۔ ابن حیان کہتے ہیں کہ سمح رمضان ۱۰۰؁ھ ہجری میں اندلس پہونچے تھے۔ اُن ہی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے اجازت لیکر قرطبہ کا پل بنایا تھا۔ ان کا دارالسلطنت قرطبہ تھا۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ یہ افرنجہ میں یوم الترویہ ۱۰۲؁ھ ہجری میں شہید ہوئے۔ ابن حیان کہتے ہیں کہ اُن کی مدت امارت دو سال آٹھ ماہ رہی۔ وہ اُس مشہور واقعہ میں شہید ہوئے جس کو اہل اندلس واقعۃ البلاط کہتے ہیں۔ افرنجہ کی فوجیں بہت کثرت سے تھیں جنھوں نے اُن پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو گھیر لیا اور مسلمانوں میں کوئی آدمی نہیں بچا۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ لوگوں کا قول ہے کہ اب بھی اُس میدان سے اذان کی آوازیں آتی ہیں۔ ان کے شہید ہونے کے بعد اہل اندلس نے اپنے اوپر عبدالرحمن بن عبداللہ الغافقی کو والی بنالیا۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ یہ اُن تابعین میں سے تھے جو اندلس میں آئے تھے۔ یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے حدیث روایت کرتے تھے۔ اُن کی ولایت اندلس میں ۱۱۰؁ھ ہجری تک محدود رہی، اور یہ عبیدہ بن عبدالرحمن القیسی والی افریقیہ کی طرف سے یہاں مقرر ہوئے تھے۔ دشمنوں کی ایک جنگ میں ۱۱۵؁ھ ہجری میں اُنھوں نے شہادت پائی۔ انتہیٰ۔ مگر جو کچھ اوپر بیان ہوچکا ہے اُس سے یہ امر مخالف ہے۔ کیونکہ وہ سمح کے بعد والی ہوئے ہیں اور سمح ۱۰۲؁ھ ہجری میں شہید ہوئے تھے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ وہ ۱۱۰؁ھ ہجری میں والی ہوئے۔

ان دونوں میں بڑا تفاوت ہے۔ واللہ اعلم۔ حمیدی نے لکھا ہے کہ وہ حسن سیرت رکھتے تھے، اور مال غنیمت تقسیم کرنے میں عدل کرتے تھے۔ حجاری نے لکھا ہے کہ وہ اندلس پر دو مرتبہ والی ہوئے۔ ممکن ہے کہ یہ اُس اشکال کا جواب ہوسکے جو ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔ مگر یہ امر اُس کے خلاف پڑتا ہے کہ ابن حیان نے کہا ہے کہ وہ اندلس میں دوسری مرتبہ جو والی ہونے کے لئے آئے ہیں تو

ابن الحجاب کی طرف سے آئے تھے اور یہ واقعہ ماہ صفر ۱۱۳ھ ہجری کا ہے اور یہاں آکر اہل افرنج سے جنگ کی اور بہت بڑے بڑے واقعات ہوئے۔ ان ہی میں سے ایک میں وہ شہید ہوئے۔ اُن کا لشکر رمضان کی ۱۱۴ھ ہجری میں ایک مقام پر پہونچا جو بلاط الشہدا کے نام سے معروف ہے۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ اُن کا یہ غزوہ غزوۂ بلاط کے نام سے موسوم ہے۔ ایسی ہی کیفیت السمح کے غزوہ کی بیان کی جاتی ہے۔ اُن کی ولایت کی مدت ایک سال آٹھ ماہ ہوتی ہے۔ اور دوسری روایت کے موافق دو سال آٹھ ماہ۔ اس کے سوا بھی اقوال ہیں۔ ان کا تختگاہ قرطبہ تھا۔

ان کے بعد عنبسہ بن سحیم الکلبی اندلس کے والی ہوئے۔ ان کا تقرر یزید بن ابی مسلم کاتب الحجاج کی طرف سے ہوا تھا جو اُس وقت افریقیہ کا حاکم تھا۔ یہ ماہ صفر ۱۰۳ھ ہجری میں اندلس میں پہنچے۔ ان کے آنے سے عبدالرحمن (جن کا ابھی ذکر ہو چکا ہے) الگ ہو گئے۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ اندلس پر یہ مسلط ہو گئے۔ اور اُس کے تمام امور کو ضبط انتظام میں لائے، اور بنفس نفیس افرنجہ پر فوج کشی کی اور شعبان ۱۰۷ھ ہجری میں وفات پا گئے اُن کی ولایت صرف چار سال چار ماہ (بقول بعض آٹھ ماہ) رہی۔ ابن حیان کہتے ہیں کہ اُن کے زمانہ میں جلیقیہ میں وہ خبیث کافر پیدا ہوا جو بلائے بے درماں تھا اس نے تنگ کیا تو اُدھر سے بھی انتقام لینے کا فکر ہوا۔ اسی کے زمانہ سے نصاریٰ میں یہ ہمت پیدا ہو گئی کہ اُن کے قبضہ میں جتنی زمین رہ گئی تھی وہ وہاں سے بیٹھے بیٹھے مسلمانوں کی مدافعت کرنے لگے حالانکہ پہلے اُن میں یہ جرأت ہی باقی نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ جلیقیہ میں ایک جگہ بھی ایسی باقی نہ رہ گئی تھی جو فتح نہ کر لی گئی ہو، سوا ایک پہاڑ کے جس پر یہ خبیث جا چڑھا تھا اُس کے ساتھی سب بھوکوں مر گئے۔ قریب تیس مرد اور دس عورتوں کے رہ گئے تھے اور کوئی باقی نہ تھا، یہ لوگ شہد کھا کھا کر زندہ رہے۔ اور یہیں سے بیٹھے بیٹھے وہ مدافعت کرتے رہے مسلمانوں نے اس چھوٹی سی جماعت کو بہت حقیر سمجھا اور یہ خیال کیا کہ یہ تیس مرد کیا بڑا تیر مار سکیں گے۔

مگر اُن کی تعداد بڑھتی گئی اور وہ قوت پکڑتے گئے - اور جو کچھ پھر اُنھوں نے کیا وہ کچھ پوشیدہ نہیں ہے - اُس خبیث کے بعد اذفونش بادشاہ ہوا جو اس نام کے بادشاہوں کا جد اعلیٰ تھا اب یہ مختصر جماعت اور بھی ترقی کرنے لگی، یہاں تک نوبت پہونچی کہ ان ہی لوگوں کی اولاد بڑے بڑے شہروں میں آباد ہو گئی، اور آخر قرطبہ کو اُنھوں نے فتح کر لیا - خدا کی قدرت دیکھو کہ عنبسہ نے جس جماعت کو حقیر سمجھکر بھوکوں مرجانے کے لیے چھوڑ دیا تھا اُسی کی اولاد نے اُن کے اعقاب سے اُن ہی کا دارالسلطنت خالی کرا لیا - ابن حیان کہتے ہیں کہ جب عنبسہ نے شہادت پائی تو اہل اندلس نے اپنے اوپر عزرہ بن عبداللہ الفہری کو امیر مقرر کر لیا مگر - ابن بشکوال اُن کو سلاطین اندلس میں شمار نہیں کرتے، اور کہتے ہیں کہ پھر اندلس کے والی یکے بعد دیگرے افریقیہ کے امیر کے بھیجے ہوئے آنے لگے - ان میں سے پہلے یحییٰ بن سلمہ تھے - حجاری کہتے ہیں کہ عزرہ ایک صالح شخص تھے اور شہسوار - اُن کی اولاد نے بہت عزت پائی - اُن کے بیٹے ہشام بن عزرہ طلیطلہ پر مستولی ہو گئے - وادی آش، مملکت غرناطہ میں ہشام کی اولاد بہت موقر اور صاحب علم ہوئی - ابن سعید کہتے ہیں کہ یہ خاندان اس وقت تک معظم سمجھا جاتا ہے - عزرہ کا سرپر سلطنت قرطبہ میں رہا - ان کے بعد :-

یحییٰ بن سلمہ الکلبی والی اندلس ہوئے - ابن بشکوال کہتے ہیں کہ اُن کو بشیر بن صفوان الکلبی والی افریقیہ نے اہل اندلس کی درخواست پر عنبسہ کی شہادت کے بعد، وہاں بھیجا تھا - سنہ ۱۰۷ ہجری میں وہ یہاں پہونچے، اور صرف ڈیرہ برس حاکم رہے - خود کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئے - یہی ابن حیان کا قول ہے - ان کا سریر سلطنت بھی قرطبہ ہی میں تھا - ان کے بعد

عثمان بن ابی نسعہ الخثعمی والی ہوئے - ابن بشکوال کہتے ہیں کہ ان کو عبیدہ بن عبدالرحمٰن السلمی، صاحب افریقیہ نے شعبان سنہ ۱۱۰ ہجری میں اندلس بھیجا تھا - لیکن صرف پانچ ماہ کے بعد معزول کر دیئے گئے - ان کا بھی دارالسلطنت قرطبہ ہی تھا - ان کے بعد

خذیفہ بن احوص القیسی والی اندلس ہوئے۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ یہ بھی عبیدہ مذکور کی طرف سے مقرر ہو کر آئے تھے۔ کیونکہ اُن کے اور عثمان بن ابی نسعہ کے درمیان میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ خذیفہ ربیع الاول سنہ ۱۱۰ ہجری میں آئے۔ وہ بھی جلد معزول کر دئے گئے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی ولایت ایک سال رہی، اور دار السلطنت قرطبہ اُن کے بعد:۔

الہیثم بن عدی الکلابی والی مقرر ہوئے۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ ان کو بھی عبیدہ مذکور نے ہی بھیجا تھا۔ محرم سنہ ۱۱۱ ہجری میں اندلس پہونچے۔ کہتے ہیں کہ یہ دو برس اور کچھ روز (بعض کہتے ہیں چار ماہ) والی رہے۔ اور قرطبہ میں سریر سلطنت رکھا اُن کے بعد:۔

محمدؐ بن عبد اللہ اشجعی والی ہوئے۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے مقرر کر لیا تھا۔ وہ فاضل آدمی تھے۔ صرف دو ماہ امامت کی۔ ان کے بعد:۔

عبد الرحمن بن عبد اللہ الغافقی والی ہوئے۔ یہ وہی ہیں جن کا حال ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اُن کی ولایت اولی تھی یہ عبید اللہ بن الحجاب صاحب افریقیہ کی طرف سے مقرر ہو کر آئے تھے۔ اور یہاں آکر شہادت پائی۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے بعد

عبد الملک بن قطن الفہری والی ہوئے۔ حجاری نے لکھا ہے کہ اُن کی نسل سے بنی القاسم اصحاب لبونت ہیں۔ ان ہی کی ایک شاخ کی اولاد اعیان اشبیلیہ تھے۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ یہ ماہ رمضان سنہ ۱۱۴ ہجری میں اندلس آئے۔ اُن کی ولایت دو سال رہی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ چار برس رہی۔ پھر ولایت سے رمضان سنہ ۱۱۶ ہجری میں معزول ہوئے۔ یہ ظالم تھے اور حکومت میں جابر۔ انھوں نے ارض البشکنش میں جنگ کی تھی۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ جب وہ معزول ہوئے، اور عقبہ بن الحجاج والی مقرر ہوئے تو ابن قطن اُن پر چڑھ دوڑے عقبہ نے خلع کر لیا۔ یہ معلوم نہیں ہے کہ اُن کو قتل کر دیا یا نکال دیا۔ یہ سنہ ۱۲۱ ہجری تک یہاں رہے۔ پھر:۔

بلیج بن بشر اہل شام کے ساتھ اندلس میں آئے۔ اور تمام ملک پر غالب ہو گئے۔

دس مہینہ ہی کے بعد ذوالقعدہ ۱۲۳ سنہ ہجری میں عبد الملک بن قطن قتل ہوئے اور اُن کے نعش کو صحرائے ربض قرطبہ پر نہر کے کنارے، دریا کے پل کے پاس صلیب پر چڑھا دیا گیا اور اُس کے داہنی طرف ایک خنزیر اور بائیں طرف ایک کتے کو بھی چڑھا دیا گیا۔ یہ نعش بہت دنوں تک لٹکتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک رات کو اُن کے غلام آکر نعش کو چرا لے گئے۔ اور اس نے غائب کر دیا اس مقام کا نام، اس واقعہ کے بعد مصلب ابن قطن ہو گیا۔ پھر جب اُن کے چچیرے بھائی، یوسف بن عبد الرحمن الفہری، والی ہوئے تو اُن کے بیٹے امیہ بن عبد الملک نے اُن سے اجازت لیکر یہاں ایک مسجد بنا دی جو مسجد اُمیہ کے نام سے مشہور ہے اور مصلب کا نام جاتا رہا۔ عبد الملک بن قطن جب قتل ہوئے ہیں تو اُن کی عمر نوّے سال کے قریب تھی۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ عقبہ بن الحجاج السلولی کو عبید اللہ بن الحباب، صاحب افریقیہ نے مقرر کر کے اندلس میں بھیجا تھا۔ یہاں وہ ۱۱۷ سنہ ہجری میں پہنچے (بعضے ۱۱۶ سنہ کہتے ہیں) یہاں وہ بہت محمود السیرۃ جہاد پر کمر بستہ رہے، اور بہت سے شہروں کو فتح کیا۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے مسلمانان اربونہ سے اپنی سرحد ملا لی۔ دریائے اودونہ پر اُنھوں نے اپنی حد قائم کی۔ عقبہ ۱۲۱ سنہ ہجری تک رہے۔ اندلس کے آخر میں جو مقام اربونہ کہلاتا تھا وہ اُنھوں نے اپنا قیامگاہ مقرر کیا تھا جہاد سے آتے تو وہیں ٹھیرتے۔ جب کسی قیدی کو گرفتار کرتے تو اُس کو قتل نہ کرتے، بلکہ اُس پر اسلام پیش کرتے۔ اور اُس کے دین کے عیوب ظاہر کرتے۔ اس تدبیر سے ہزاروں آدمی مسلمان ہو گئے۔ اِن کی مدت ولایت پانچ سال دو ماہ رہی۔ رازی کہتے ہیں کہ اہل اندلس عقبہ سے ناراض ہو گئے اور اُن سے صفر ۱۲۳ سنہ ہجری میں، بزمانہ خلافت ہشام بن عبد الملک خلع کرا لیا۔ اور اُن کی جگہ عبد الملک بن قطن کو اپنا والی مقرر کر لیا۔ ان کی یہ ولایت ثانیہ تھی۔ عقبہ کی ولایت اندلس چھ سال چار ماہ رہی۔ اُنھوں نے صفر ۱۲۳ سنہ ہجری میں وفات پائی۔ ان کا دار السلطنت قرطبہ تھا۔

داخلین اندلس میں ایک بلج بن بشر بن عیاض القشیری تھے۔ ابن حیان کہتے ہیں کہ

جب خلیفہ ہشام ابن عبد الملک کو مغرب اقصی اور اندلس کے بربری خوارج کی خبر پہونچی اور یہ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے اُن کی اطاعت سے خلع کر لیا ہی، اور ملک میں فساد برپا کر رکھا ہی تو اُن کو یہ امر بہت شاق گزرا، اور اُنھوں نے عبید اللہ ابن حجاب کو افریقیہ میں معزول کر دیا، اور اُن کی جگہ کلثوم ابن عیاض القشیری کو مقرر کیا، اور اُن کے ساتھ خوارج کے مقابلے کے لئے ایک لشکر کثیر بھیجا، جس کی مجموعی تعداد معہ لشکر ہائے ملکی کے ستر ہزار ہوتی تھی۔ باوجود اس کے جب وہ اُس بربری میسرہ سے کے جو مدعی خلافت تھے، مقابل ہوا تو لشکر خلافت نے شکست کھائی، کلثوم زخمی ہو گئے اور اُنھوں نے سبتہ میں جا کر پناہ لی۔ ان کا بھتیجا بلج اُن کے ساتھ تھا۔ ہشام کو اس کی اطلاع پہونچی تو اُن پر گویا قیامت آگئی اور اُنھوں نے حنظلہ بن صفوان کو وہاں بھیجا۔ اُنھوں نے آکر بربریوں پر حملہ کیا اور فتحیاب ہوئے۔ جب بلج، اور اُن کے چچا کلثوم، اور اُن کے ساتھیوں، نیز اُن شامیوں پر، جو سبتہ میں محصور تھے، محاصرے کی سختی ہوئی اور رسد ختم ہو گئی، جس سے اُن کی تکلیفیں اور بھی بڑھ گئیں، اُنھوں نے اپنے اندلسی بھائیوں سے مدد مانگی۔ اودھر سے عبد الملک ابن قطن نے خوف شاہی سے ترش جواب دیا۔ مگر جب اُن کی تکلیفوں کی خبر اہل عرب کو پہونچی تو اُن کو محصورین پر رحم آیا اور زیاد ابن عمرو اللخمی نے دو کشتی بار کھانے کی چیزیں اُن کے پاس بھیجدیں، جو اُن لوگوں کی سد رمق ہوئی۔ جب عبد الملک ابن قطن کو اس کی خبر پہونچی تو اُنھوں نے زیاد کے سات سو کوڑے لگوائے۔ اور اُن پر یہ تہمت لگائی کہ اُنھوں نے فوج کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا ہی۔ اس کی سزا میں پہلے اُن کی آنکھیں نکلوا ڈالیں اور پھر گردن ماردی اور اُن کے بائیں طرف ایک کتے کو صلیب پر چڑھا دیا۔ اتفاق سے اس موقعہ پر جب اندلس کے بربریوں کو اس کی اطلاع ملی کہ بربری اہل عرب پر حملہ آور ہوئے ہیں تو وہ عرب اندلس کے برخلاف ہو گئے اور اُنھوں نے وہی کیا جو اُن کے بھائیوں نے کیا تھا۔ اور اپنے اوپر ایک شخص کو امام بنا لیا۔ اور ابن قطن کے لشکروں پر کئی دفعہ حملے کئے جس سے اُن کی طاقت بڑھ گئی۔ اب ابن قطن کو یہ اندیشہ

پیدا ہوا کہ مبادا لوگ اُن کے ساتھ وہی سلوک کریں جو ان کے بھائی بربریوں سے عربوں کے ساتھ کیا تھا۔ نیز اُن کو یہ بھی اطلاع پہونچی کہ اُن لوگوں نے اُن کو پکڑنے کا قصد کیا ہے۔ عبدالملک ابن قطن نے اس کا یہ علاج سوچا کہ شام کے اہل عرب کے متوسلین یعنی بلج کے ساتھی جو ان لوگوں کے سخت دشمن تھے سامنے کر دیئے جائیں۔ چنانچہ انھوں نے بلج کو لکھا۔ اُن دنوں اُن کے چچا کلثوم مر چکے تھے۔ ادھر سے فوراً منظوری ہوئی لوگوں کی یہ عین تمنا تھی۔ یہاں اُن کے ساتھ اچھا سلوک ہوا اور یہ شرط پیش کی گئی کہ وہ یہ اقرار نامہ لکھدیں کہ جب وہ بربریوں کو ہزیمت دیکر افریقیہ بھگادیں تو خود اندلس سے چلے جائیں۔ یہ شرط ان لوگوں نے مان لی۔ اور اس کے بعد اپنے دونوں بیٹے قطن اور امیہ کو فوج کا افسر بنایا اور بربریوں پر حملہ کر دیا۔ اہل بربر کی تعداد اس قدر تھی کہ سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں ہے۔ بڑے زور کی لڑائی کئی روز تک ہی۔ جس میں اہل بربریوں کو اندلس میں ہر طرف سکتیں دیں، یہاں تک کہ وہ اپنی جماعت سے جاملے، اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ شامیوں نے بھی مال غنیمت سے خوب ہی اپنے ہاتھ رنگے۔ ان کی شوکت بڑھ گئی، اور ان کی ہمت کا ہر طرف شہرہ ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے اقرار و مدار کو بھول گئے ابن قطن نے ان سے اندلس خالی کرنے کو کہا تو یہ لوگ لیت و لعل کرنے اور اپنے اُس زمانہ کے سلوک یاد دلانے لگے کہ جب وہ لوگ سبتہ میں قید تھے۔ جس شخص نے کہ میرۃ میں اُن کی مدد کی تھی اُس کو قتل کر دیا۔ اور ابن قطن کی بیعت سے خلع کر کے اپنے اوپر بلج بن بشر کو امیر بنایا۔ اور یہ کوشش کی کہ ابن قطن کو قتل کر ڈالا جائے۔ مگر اہل یمن نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، اور صاف کہدیا کہ تم اپنے مطلب کے لیئے یہ فعل کرنا چاہتے ہو اس لیئے ہم تمہاری نہ مانیں گے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ بات بڑھ جائے گی تو انھوں نے ابن قطن کو نکالا کہ لوگ اُنھیں دیکھ لیں۔ ابن قطن بڈھے پھونس آدمی تھے اور اہل یمامہ کے ساتھ واقعہ حرہ میں شامل تھے۔ ان کو دیکھتے ہی لوگوں نے گالیاں دینی شروع کیں اور کہا

کہ تم جنگ حرۃ میں ہماری تلواروں سے بچ گئے تھے۔ اُس کے بدلے میں ہمیں یہاں مصیبت میں لاکر پھنسا دیا اور یہ سلوک کیا کہ یہاں نہیں کتے پھاڑ کھاتے، سبتہ کے قید خانہ میں اس طرح قید کرایا کہ ہم بھوکوں مرجاتے۔ غرض جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں اُن کو قتل کر کے صلیب دیدی۔ ان کے دونوں بیٹے اُمیہ اور قطن اُسی وقت بھاگ گئے تھے کہ جب اُن کے باپ سے خلع کی گئی تھی۔ اُنھوں نے انتقام لینے کے لیئے اہل عرب نیز بربریوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ عبدالرحمن بن حبیب بن ابی عبیدہ بن عقبہ بن نافع الفہری کو اپنا سپہ سالار مقرر کیا، جو ایک زمانہ میں بلج کے ساتھیوں میں سے تھے۔ لیکن جب بلج نے اُن کے چچیرے بھائی عبدالملک کے ساتھ وہ بدسلوکی کی، جس کا ذکر آچکا ہے، تو عبدالرحمن اُن سے الگ ہو گئے، اور انتقام پر مایل ہو گئے۔ عبدالرحمن بن علقمہ اللخمی، صاحب اربونہ، بھی اُن کے ساتھ آملے۔ یہ اپنے زمانہ کے بڑے شہسواروں میں سے تھے۔ غرض ایک لاکھ سے زیادہ فوج لیکر یہ دونوں ابن بلج کی طرف بڑھے۔ اُدھر بلج بارہ ہزار آدمی اور اپنے غلاموں کو جس کی تعداد بہت تھی، نیز اہالی شہر کو لیکر، مقابلہ کے لئے تیار ہوا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ شامیوں نے ایسا صبر کیا کہ کسی اور نے نہ کیا ہوگا۔ عبدالرحمن بن عقلمہ نے کہا کہ ہمیں بلج کو کوئی دکھلا دے تو ہم اُس کو قتل کر دیں گے ورنہ اُس کے بدلہ میں بہت سے قتل ہونگے۔ کسی نے بلج کو دکھلا دیا تو عبدالرحمن نے سخت حملہ کیا اور دو ہی ضرب شمشیر ایسی لگائیں کہ اُن زخموں سے چند ہی روز میں اُس کا خاتمہ ہو گیا۔ اہل شہر کو ہزیمت فاش ہوئی۔ شامیوں نے اُن کا تعاقب کر کے اُن کو قتل کیا، اور بہت سے آدمیوں کو قید کر لیا۔ اور امیر لشکر کو بھی قتل کر ڈالا۔ غرض بلج شوال ۱۲۴ھ ہجری میں ہلاک ہوئے۔ گیارہ ماہ اُنھوں نے حکومت کی اور سریر سلطنت قرطبہ میں رکھا۔ جو شامی عرب اُن کے ساتھ اندلس میں آئے تھے اُن کو اہل اندلس شامی کہتے ہیں، اور اُن سے پہلے آئے ہوئے عرب بلدیین کہلاتے ہیں۔

جب بلج ہلاک ہو گئے تو شامیوں نے اندلس میں اپنے اوپر ثعلبہ بن سلامۃ العاملی کو

امیر بنا لیا۔ خلیفہ ہشام کا عہد تھا اور اُن ہی کی طرف سے ان کا تقرر ہوا تھا۔ اُنھوں نے
نہایت خوبی کے ساتھ رعایا سے سلوک کیا۔ اہل عرب اور بربر جو پہلے اندلس میں آئے
تھے، بلج کا انتقام لینے کے لیئے تیار ہو گئے۔ اور یہاں تک نوبت پہونچی کہ ان لوگوں نے
شہر ماردہ کا محاصرہ کر لیا۔ ان کو اپنی فتح میں کوئی شک نہ تھا۔ اس عرصہ میں عید آگئی۔ یہ
لوگ اس میں مشغول ہو گئے۔ ثعلبہ نے دشمنوں کی تعداد کو دیکھا تو سخت پریشان ہوئے،
اور ان کے غلبہ سے بہت گھبرائے۔ فرصت کو غنیمت سمجھکر صباح عید کو نکل پڑے یہ لوگ
عید میں مشغول تھے ہی ثعلبہ نے بے جگری سے ان پر حملہ کیا اور اُن کو ہزیمت قبیحہ دی۔
بہت سے قتل اور ہزار آدمی قید ہوئے۔ ان کے علاوہ بہت سے لوگوں کے اہل وعیال
تھے چنانچہ دس ہزار بلکہ ان سے بھی زیادہ قیدی قرطبہ میں پہونچے۔ ثعلبہ ان قیدیوں کو لیکر
بروز پنجشنبہ قرطبہ میں پہونچے اور ارادہ تھا کہ دوسرے روز بعد از نماز جمعہ ان سب کو تلوار
کے گھاٹ اتارا جائے کہ یکایک ورایک جھنڈا نظر آیا دیکھا تو ابو الخطار حسام بن ضرار الکلبی
ہیں جو اندلس کے والی مقرر ہوئے تھے۔ ابن حیان کہتے ہیں کہ اُن کو حنظلہ بن صفوان صاحب
افریقیہ نے مقرر کیا تھا۔ اُس زمانہ میں ولید بن یزید بن عبد الملک بن مروان خلیفہ تھے۔ یہ
ذکر رجب ۱۲۵ھ ہجری کا ہے۔ ثعلبہ بن سلامۃ کی ولایت دس ماہ رہی۔ ان کے ساتھیوں
میں سے ایک شخص نہایت عقیل اور شاعر تھا۔ اُنھوں نے شروع زمانہ امارت میں عدل
ظاہر کیا۔ مگر شدہ شدہ ان کا میلان طبع اہل یمن کی طرف ہو گیا۔ اور مضریہ کے خلاف ہو گئے۔
جس کی وجہ سے بڑا فتنہ برپا ہوا۔ اس کی اصلیت یہ ہے کہ ابو الخطار کے سامنے ایک یمنی نے بنی کنانہ میں سے
ایک شخص پر نالش کی، اور ابو الخطار کے چچیرے بھائی کو گواہ لایا۔ ابو الخطار نے اُسی کی
شہادت پر یمنی کے موافق مقدمہ فیصل کر دیا۔ کنانی صمیل بن حاتم الکلابی کے پاس گیا جو مضریوں
کے معززین میں سے تھا اور ابو الخطار کی شکایت کی۔ چونکہ صمیل ظالم کے دشمن اور اپنے
خاندان کے بڑے حامی تھے وہ فوراً ابو الخطار کے پاس گئے۔ اور خفگی سے بات کی۔ ابو الخطار

نے بھی جواب ترکی بہ ترکی دیا۔ بات زیادہ بڑھ گئی۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ ابوالخطار نے اُن کو دھکّے دیکر نکلوا دیا۔ اس میں اُن کا عمامہ سر پر ٹیڑھا ہوگیا۔ باہر نکلے تو کسی نے پوچھا کہ آپ کا عمامہ کیوں ٹیڑھا ہو رہا ہے اُنھوں نے جواب دیا کہ اگر میری کوئی قوم ہے تو وہی اس عمامہ کو سیدھا کریگی۔ غرض وہ سیدھے اپنے مکان پر آئے۔ یہاں اُن کی قوم کے لوگ جمع ہوگئے۔ سب لوگ یہ قصہ سُنکر سخت طیش میں آگئے۔ جب رات زیادہ گئی تو صُمیل نے کہا کہ جو کیفیت میرے ساتھ گزری ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ جو تمھارے اوپر اثر نہ کرے، اس معاملہ میں تمھاری کیا رائے ہے۔ لوگوں نے کہا کہ پہلے آپ اپنی رائے بتلائیں، اگر ہم نے مناسب سمجھا تو ہم بھی آپ کی پیروی کریں گے۔ اُنھوں نے کہا کہ میرا تو یہ ارادہ ہے کہ اس اعرابی کو میں یہاں سے نکال باہر کردوں۔ اور اس کے لیئے میں قرطبہ کو چھوڑتا ہوں۔ کیونکہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ میں یہاں سے نہ چلا جاؤں۔ اب اگر تمھیں بھی چلنا ہے تو چلو۔ لوگوں نے کہا کہ جدہر تمھارا جی چاہے جاؤ۔ ہم ابوعطار القیسی کو لیکر آتے ہیں۔ جو بات تمھارے نفع کی ہوگی اُس سے وہ منہ نہ موڑیں گے۔ یہ ابوعطار لوگوں کے مطاع تھے اور قوم میں ممتاز۔ اسیجہ میں رہتے تھے۔ ان کا نام سُنکر ابوبکر بن الطفیل العبدی، جو اشراف میں سے تھے، اگرچہ جوان عمر، خاموش ہو رہے۔ صُمیل نے کہا کہ تم کیوں نہیں بولتے۔ اُنھوں نے کہا کہ میں تو صرف ایک بات جانتا ہوں کہ اگر تم ابوعطار کے انتظار میں رہے اور اس عرصہ میں تمھارا کام بگڑ گیا تو تمھارے ساتھ ہم بھی ہلاک ہوجائیں گے اس لیے جو کچھ کرنا ہے فوراً کرڈالو اگر اُن میں حمیت ہے تو وہ خود ہی تمھارے ساتھ شامل ہوجائیں گے۔ صُمیل نے یہ رائے پسند کی اور اُسی رات چل پڑے۔ ابوعطار بھی اُن کی مدد کے لیئے تیار ہوگئے۔ ثوابۃ بن یزید الجذامی کو جو اشراف یمن میں سے تھے، اور مورور میں رہتے تھے، اپنے ساتھ ملا لیا۔ ان کے ساتھ بھی ابوالخطار نے کچھ بدسلوکی کی تھی۔ دوسری طرف سے یمانی گروہ بھی نکلا۔ اور شدونہ میں فریقین کا مقابلہ ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابوالخطار کو دریائے لکہ پر ہزیمت ہوئی، اور یہ

خود اُن کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے۔ پہلے تو ان لوگوں نے اُن کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا، مگر بعد میں اس ارادہ سے باز رہے، اور اُن کو رجب ۱۲۷ھ ہجری میں قرطبہ لے گئے۔ اس حساب سے ابو الخطار کی ولایت دو سال رہی۔ غرض جب وہ قرطبہ میں قید تھے تو عبد الرحمن بن حسان الکلبی کو غصہ آیا۔ وہ ایک رات کو تیس سوار اور بہت سے پیدل لیکر پہونچے اور قید خانہ پر حملہ کر کے ابو الخطار کو نکال کر غرب اندلس کی طرف لے گئے۔ یہاں پہونچکر اُنھوں نے پھر اپنی امارت حاصل کرنے کا ارادہ کیا، اور یمانی گروہ سے مدد مانگی۔ بہت جلد ایک لشکر جمع ہو گیا اور قرطبہ کی طرف بڑھا۔ ثوابہ ان کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ صمیل اُن کے ساتھ تھے۔ ایک رات کو مضری گروہ کے ایک آدمی نے بآواز بلند کہا کہ "اے گروہ یمانی! آخر یہ لڑائی کس لیئے؟ اور ابو الخطار کی حمایت کب تک؟ کیا ہم نے اُس پر قابو نہ پا لیا تھا؟ کیا اگر ہم چاہتے تو اُس کو قتل نہ کر سکتے تھے؟ ہم نے اُس پر احسان کیا اور اُس کی جان بخشی کر دی۔ تم ہی میں سے ہم ایک امیر بنائے دیتے ہیں۔ کیا اب بھی تم اپنے معاملہ میں غور نہ کرو گے؟ اگر تم میں سے کوئی آدمی امیر نہ ہو تو تم کو عذر ہو سکتا ہے۔ یاد رکھو کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں واللہ تم سے ڈر کر نہیں کہتا، نہ تمہاری لڑائی سے ہمیں خوف ہے۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں محض اس لیے کہ خوں ریزی نہ ہو۔ اور انجام کار بھی درست ہو" لوگوں نے یہ سُن کر کہا کہ یہ شخص سچ کہتا ہے۔ اور سب لوگ اُسی رات کو وہاں سے چل دیئے۔ اور صبح ہوتے ہوتے کئی میل راستہ طے کر لیا۔ رازی کہتے ہیں کہ ابو الخطار محرم ۱۲۵ھ ہجری میں تونس کی طرف جہاز میں بیٹھ کر چلے گئے۔ کتاب ابو الولید بن الفرضی میں ہے کہ ابو الخطار اعرابی تھے۔ یمانیوں کی حمایت میں اُن کو غلو تھا۔ اسی بنا پر اُنھوں نے مضریوں پر حملہ کیا تھا۔ بنو قیس کو اُنھوں نے ناراض کر دیا تھا۔ جس کا بدلہ صمیل کی سر کردگی میں لیا گیا۔ اُن سے خلع کرا لیا۔ اور اُن کی جگہ ثوابہ کو مقرر کیا گیا۔ دونوں فریق میں سخت لڑائی ہوئی جو مشہور ہے۔ ابو الخطار نے چار سال نو ماہ کے بعد ۱۲۵ھ ہجری میں خلع کیا۔ اور یہاں تک نوبت پہونچی کہ صمیل نے اُس کو قتل کر دیا۔

اندلس پر ثوابہ بن سلامۃ الجذامی والی ہوئے۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ جب لوگ اُن کے تقرر پر متفق ہوگئے تو عبدالرحمن بن حبیب صاحب قیروان کو لکھا گیا اور وہاں سے سند تقرر والیٔ اندلس آگئی۔ یہ واقعہ سلخ رجب سنہ ۱۲۷ ہجری کا ہے۔ انھوں نے ضبط امور سلطنت کیا اور صمیل تمام اُمور کے مفرم کار ہوئے۔ اہل اندلس تمام ان پر جمع ہوگئے۔ کم وبیش ایک سال والی ملک رہ کر راہی ہوئے۔ ابن الفرضی کی کتاب میں ہے کہ اُن کی مدت ولایت دو سال تھی۔

پھر اندلس کی ولایت پر یوسف بن عبدالرحمن بن حبیب بن والی عبیدہ بن عقبہ بن نافع الفہری مقرر ہوئے۔ ان کے باپ عقبہ بن نافع افریقیہ کے امیر اور بانی قیروان تھے۔ یہ خود مجاب الدعوۃ بہت سی جنگوں میں لڑے ہوئے صاحب آثار حمیدہ تھے۔ سلطنت افریقیہ و اندلس میں اس خاندان کی بڑی عزت تھی۔ رازی نے لکھا ہے کہ یوسف بن عبدالرحمن قیروان میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد عبدالرحمن افریقیہ سے اندلس میں زمانۂ فتح اندلس میں حبیب بن ابی عبیدۃ الفہری کے ساتھ آئے تھے۔ اور پھر واپس افریقہ چلے گئے۔ ان کا بیٹا (یہی یوسف) اُن سے ناراض ہو کر افریقیہ سے اندلس میں واپس بھاگ آیا تھا۔ یہ ملک اُن کو پسند آگیا اور اسی کو وطن بنا لیا۔ رازی کہتے ہیں کہ جب یوسف اندلس کے والی ہوئے ہیں تو اُن کی عمر ستاؤن برس کی تھی۔ اہل اندلس نے ثوابہ کے بعد اُن کو مقرر کر لیا۔ چار ماہ تک کوئی والی اندلس نہیں رہا اس کے بعد سب لوگ یوسف پر باشارہ صمیل جمع ہوگئے کیونکہ یہ قرشی تھے۔ لڑائی جھگڑے کا خاتمہ ہوگیا اور تمام اہل اندلس اُن کے مطیع ہوگئے۔ ان کی ولایت نو سال نو ماہ رہی۔ ابن حیان کہتے ہیں کہ اہل اندلس نے اُن کو ربیع الآخر سنہ ۱۲۹ ہجری میں امیر بنایا تھا۔ ابن حیان کہتے ہیں کہ جب ابوالخطار نے سُنا کہ یہ امیر ہوگئے ہیں تو اُنھوں نے گروہ یمانیہ میں تحریک شروع کی اور وہ بھی اُن کے پاس جمع ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شقندہ میں جائیں یمانیہ و مضریہ جنگ ہوئی۔ کہتے ہیں کہ مشرق یا مغرب میں اس سے زیادہ سخت لڑائی نہیں ہوئی۔ اس میں لوگوں نے بہت صبر دکھایا، اور اس میں ایک دوسرے سے بڑھ گئے۔ یہاں تک کہ ہتیار ٹوٹ گئے تو لوگوں نے ایک دوسرے کے

بال کھسوٹے اور مکے مارے۔ یمانیہ بن صمیل نے بڑی جرأت دکھلائی۔ اور اُنھوں نے قرطبہ کے بازار کے اہل صنعت کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ قریب چار سو آدمی قصائی وغیرہ، ایسے نکلے کہ جن کو تیر چلانا یا تلوار لگانا بھی نہیں آتا تھا۔ ان کو گروہ یمانیہ پر ایسے موقعہ پر ریل دیا کہ وہ لوگ غافل تھے۔ کسی شخص کو تلوار اُٹھانے یا مقابلہ کرنے کا خیال تک نہ تھا۔ یمانیوں کو ہزیمت ہوئی اور مضریوں نے اُن کو تلوار پر رکھ لیا۔ بہت سے لوگ قتل ہوئے۔ ابوالخطار ایک چکی کے تخت کے نیچے جا چھپے۔ لوگوں نے اُن کو وہاں سے نکالا اور صمیل کے پاس لے آئے۔ اُنھوں نے ان کی گردن ماردی۔

ہم نے یوسف کے خلع کرنے کی کیفیت عبدالرحمن الداخل کے باب میں بیان کی ہے۔ یہ اندلس کے سب سے آخری امیر ہیں جو وراثت کے طور پر امیر نہیں ہوئے۔ ان کے بعد دولت مروانیہ شروع ہو گئی۔ ابن حیان کہتے ہیں کہ یوسف کے زمانۂ امارت میں صمیل ہی منصرم کاروبار سلطنت رہے ہر ایک امر پر بھی مستولی تھے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے صمیل بن حاتم بن ذوالجوشن ان کا دادا شمر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل تھا۔ شمر اپنے بیٹے کو لیکر مختار کے خوف سے کوفہ سے شام کو بھاگا تھا۔ جب کلثوم بن عیاض مغرب کی طرف آئے تو ان کے ساتھ صمیل بھی بلج کے ساتھ اندلس چلا آیا۔ یہ شخص بڑا شجاع۔ شہسوار اور دلاور تھا۔ یہاں اُن کو جو کچھ ترقیات ہوئیں وہ معلوم ہو چکی ہیں۔ آخر ان کو عبدالرحمن الداخل نے قیدخانہ قرطبہ میں گلا گھونٹ کر مروا ڈالا۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ جس شخص نے کہ یوسف الفہری سے بدلہ لیا وہ عبدالرحمن بن علقمہ اللخمی، شہسوار اندلس، اور والی علاقہ اربونہ تھے۔ یہ شخص نڈر اور وجاہت عظیمہ رکھتا تھا۔ وہ ابھی یوسف سے جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اُن کے ساتھی عبدالرحمن کا سر لے آئے۔ اس کے بعد شہر باجہ میں عروہ بن ولید نے اہل ذمہ وغیرہ کو ساتھ لیکر اُن پر چڑھائی کی۔ اشبیلیہ میں حکومت قایم کی، اور اپنی جماعت بڑھالی۔ یہاں تک کہ یوسف

نکلے اور اُس کو قتل کر ڈالا۔ پھر جزیرۃ الخضرا میں عامر العبدری نے اُن پر چڑھائی کرنی چاہی۔ یوسف نے قرطبہ کے لوگوں کی ضمانت پر ان کو امان دی اور پھر گردن ماردی یہ بھی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے یوسف پر خروج کیا وہ عمر بن یزید الازرق اشبیلیہ کے رہنے والے تھے۔ اس میں یوسف کو فتح ہوئی اور اُس کو قتل کر ڈالا۔ سر قسطہ میں حباب الزہری نے سر اُٹھایا ان پر بھی یوسف ہی نے فتح پائی اور قتل کر دیا گیا۔ لیکن صعب ترین مہم عبدالرحمٰن ابن معاویہ مروانی کا اندلس میں داخل ہونا اور یوسف کے تسلط کا توڑنا تھا۔ مگر آخر وہی ہوا جو عبدالرحمٰن چاہتے تھے۔ واللہ اعلم۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ بن امیر المومنین ہشام بن عبدالملک بن مروان۔ المعروف بالداخل دولت مروانیہ پر جو مصیبت آئی وہ آئی۔ بنو العباس اُن کی ہر ایک چیز پر مستولی ہو گئے۔ اور ان کا قدم خلافت پر جم گیا تو عبدالرحمٰن اندلس کی طرف بھاگ آئے۔ یہاں آکر اُن کو ایک ملک مل گیا جو ایک زمانہ تک ان کی اولاد کی وراثت میں رہا ابن حیان نے مقتبس میں کہا ہے کہ جب دولت بنو امیہ میں اختلال ہوا اور اُن پر زیادتیاں ہوئیں تو عبدالرحمٰن وہاں سے بھاگ اُٹھے۔ اور اپنے اہل اور بیٹے کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتے پھرا کئے۔ یہاں تک کہ فرات کے کنارے، ایک قریہ پر، اُن کا گزر ہوا۔ جہاں بہت سے درخت اور جنگل تھے۔ اُس وقت وہ ملک مغرب کی طرف جا رہے تھے۔ کیونکہ ان کے دل میں اس بات کی تحریک پیدا ہو گئی تھی۔ خود عبدالرحمٰن الداخل نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ "میں اس قریہ میں ایک اندھیرے میں بیٹھا ہوا تھا، کیونکہ میری آنکھیں دکھتی تھیں۔ میرا بیٹا سلیمان بکر میرے سامنے کھیل رہا تھا۔ اُن دنوں اُس کی عمر صرف چار برس کی تھی۔ یکایک ایک لڑکا گھر کے دروازے سے روتا ہوا آیا اور میری گود میں آکر مجھ سے چمٹ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ڈرا ہوا ہے روتا جاتا تھا اور جو کچھ بچے روتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہتا جاتا تھا۔ میں اُس کو بچوں کی طرح تسلی دیتا تھا مگر وہ چپ نہ ہوتا تھا۔ میں باہر نکلا کہ دیکھوں کیا معاملہ ہے۔ میں نے دیکھا کہ تمام لوگ کچھ ڈرے ہوئے سے ہیں۔ ایک

طرف سے کالے کالے جھنڈے ہماری طرف بڑھتے ہوئے نظر آئے۔ میرا ایک بھائی، نوعمر بھی میرے ساتھ تھا وہ بھی ایک طرف سے بھاگتا ہوا آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ "بھائی! کہیں بھاگنے کا فکر کرو۔ وہ کالے پرچم آ گئے۔" میں نے فوراً وہ دینار اٹھائے جو میرے ساتھ تھے، اور اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لیکر چل پڑا میری بہن میرے پیچھے پیچھے تھیں۔ میں چلتے ہوئے اُن سے کہہ آیا کہ جلد آ کر مجھ سے مل جاؤ۔ میرا غلام بدر نامی اُن کے ساتھ تھا۔ میں نکل کر ایک جگہ قریہ کے پاس ہی چھپ رہا۔ مگر ذرا سی دیر میں سواروں نے آ کر اُس مکان کو آ کر گھیر لیا جس میں پہلے چھپا ہوا تھا، اور جہاں سے میں ابھی نکلا تھا۔ اتنے میں بدر مجھ سے آملا۔ میں فرات کی طرف بڑھا تو مجھے ایک میرا واقف فرات کے کنارے نظر آیا میں نے اُس سے کہا کہ مجھے ایک گھوڑا خرید دو کہ میرے سفر میں کام آئے۔ اُس نے اپنے ایک غلام کے مجھے سپرد کر دیا، جو اُس کا کاروبار کرتا تھا۔ یہ شخص بدخلق تھا۔ اگر گھوڑے کا انتظار کرتا تو میرے دشمن میرے سر پر ہوتے۔ لاچار میں نے فرات کا رُخ کیا اور سواروں سے پہلے دریا پر پہونچ گیا۔ ہم سب نے اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا۔ سوار کنارے پر کھڑے ہوئے ہمیں پکارتے ہی رہے کہ واپس چلے آؤ تمھیں ہم کوئی نقصان نہ پہونچائیں گے۔ مگر میں نے اپنی جان کے خوف سے تیرنا شروع کیا۔ میں تیرنا خوب جانتا تھا۔ میرا بھائی بھی تیر سکتا تھا۔ لیکن جب فرات کے درمیان میں پہونچے تو میرا بھائی تھک گیا اور ڈر گیا۔ میں نے اُس کی طرف متوجہ ہو کر اُس کا دل بڑھایا۔ لیکن وہ دشمنوں کی باتوں میں آ گیا تھا جو بار بار اُس کو دھوکا دے رہے تھے کہ تم ڈرو نہیں ہمارے پاس آ جاؤ۔ میں نے ہزار کہا کہ یہ لوگ تمھیں مار ڈالیں گے تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ مگر اُس نے ایک نہ سُنی اور اُن کی باتوں میں آ گیا۔ اُدھر غرق ہونے سے ڈر گیا۔ واپس چلا گیا۔ اس عرصہ میں میں نے فرات کو قطع کر لیا۔ بعض آدمیوں نے میرے پیچھے تیر کر ارادہ کیا لیکن اُس کے ساتھیوں نے اُس کو روک لیا اس لیے میں بچ گیا۔ میرا بھائی جو اپنے نزدیک اُن کی امان میں پہونچ گیا تھا اُس کو میری آنکھوں کے سامنے اُن لوگوں نے قتل کر دیا۔

اور اُس کا سر لیکر چلتے بنے۔ میرے بھائی کی عمر اُس وقت تیرہ برس کی تھی۔ میں اور بھی ڈرا اور جدھر کو میرا منہ اُٹھا چل پڑا۔ اور بھاگا۔ راستہ میں ایک اور جگہ ملی۔ میں وہاں کے لوگوں کی خوشامدیں کرکے وہاں چھپ رہا۔ یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوگیا کہ اب میرے پیچھے کوئی نہیں آرہا۔ آخر میں وہاں سے بھی نکل کر بھاگا اور مغرب کا رخ کیا۔ یہاں تک کہ میں افریقیہ میں پہونچ گیا"۔ ابن حیان لکھتے ہیں کہ عبدالرحمن الداخل چلتے چلتے افریقیہ پہونچ گئے۔ یہاں اُن کی بہن شقیقہ ام الاصبغ اور دونوں غلام بدر اور سالم بھی آملے۔ ان کے ساتھ کچھ دینار زادراہ کے لیئے اور کچھ جواہرات تھے۔ افریقیہ میں بنو امیہ کی ایک جماعت اُن سے پہلے ہی پہونچی ہوئی تھی۔ وہاں کے والی عبدالرحمن بن حبیب الفہری کے پاس ایک یہودی تھا۔ جو مسلمہ بن عبدالملک کا ہم صحبت تھا۔ اور پیشینگوئیاں بھی کیا کرتا تھا۔ اُس نے پہلے کہہ رکھا تھا کہ ایک قریشی مروانی النسل، عبدالرحمن نامی جو شاہزادہ ہوگا، اور اُس کی دو زلفیں ہونگی اندلس کا بادشاہ ہوگا، اور اُس کی اولاد اُس کے بعد اُس کی وارث ہوگی یہ سن کر فہری نے زلفیں رکھنی شروع کردی تھیں کہ شاید اس ترکیب سے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہی وہ شخص ہے جو اندلس کا بادشاہ ہونے والا ہے۔ جب عبدالرحمن الداخل یہاں پہونچے تو ابن حبیب نے یہودی سے کہا کہ کیا یہی وہی شخص ہے؟ یاد رکھو میں اس کو قتل کردوں گا۔ یہودی نے جواب دیا کہ اگر تم اس کو قتل بھی کردو تب بھی میں یہ کہوں گا کہ یہ وہی شخص ہے۔ اور اگر چھوڑ دیا تب بھی یہی کہوں گا۔

بنو امیہ کے گروہ نے ابن حبیب صاحب افریقیہ پر سختی کی اُس نے بھی ڈر کے مارے بہت سوں کو نکال دیا۔ ولید بن یزید کے دو بیٹوں کو جو اُس کی پناہ میں تھے قید کردیا۔ اور آخر میں قتل کرادیا۔ اسمعیل بن ابان بن عبدالعزیز بن مروان کے پاس جتنا مال تھا سب ضبط کرلیا۔ اور اُس کی بہن سے بلا اُس کی مرضی کے اپنا نکاح کرلیا۔ عبدالرحمن کو تلاش کرایا مگر وہ چھپے رہے۔ انتہی

ابن عبدالحکم نے لکھا ہے کہ عبدالرحمن داخل پانچ سال برقہ میں چھپے رہے۔ اور شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہونچی کہ بنو رستم ملوک تیہرت واقع ملک مغرب الاوسط کی پناہ میں آ گئے۔ اور بربری قبائل میں مارے مارے پھرے۔ یہاں تک کہ وہ دریا کے کنارے جا پہونچے۔ اور اپنے غلام بدر کو اندلس بھیجا تاکہ وہاں پہونچکر لوگوں کو اپنی آمد کے لیئے تیار کرے۔ اور بنو امیہ کے حامی مددگاروں سے جا کر ملے۔ اندلس کے رہنے والوں میں اس گروہ کی تعداد چارسو اور پانچ سو کے درمیان تھی۔ اور اُن کے مددگار اور بہت سے تھے۔ ان کے سرگروہ دو شخص ابو عثمان عبید اللہ بن عثمان، اور عبداللہ خالد تھے۔ یہ دونوں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، اور بنو امیہ کے نہایت مددگار، بلکہ علم بردار۔ بدر اپنے آقا عبدالرحمن کا خط لیکر ابو عثمان کے پاس آئے۔ جس میں اُنھوں نے اپنے بزرگ بادشاہاں بنو امیہ کی صولت وحشمت، اور پھر اُن مصیبت اور اپنے نسبت کو یاد دلاما تھا، اور اس کا ذکر کیا تھا کہ میں پھر حصول سلطنت کی سعی کر رہا ہوں، اور چونکہ ہشام کا پوتا ہوں اس لیئے میں اس کا زیادہ مستحق ہوں۔ نیز اُن سے خواہش کی تھی کہ وہ اور نیز جو لوگ کہ بنو امیہ کے حامی و مددگار ہیں، اس امر میں کوشش کریں اور اُن کے اندلس میں داخل ہونے کے لیئے سہولتیں بہم پہونچائیں تاکہ ایک معقول عذر بن سکے اور میں علو درجہ اور لطف منزلت اُس کا نتیجہ نکلے۔ یہ بھی فرمائش تھی کہ جو لوگ اُن کے مددگار ہیں اُن سے بھی اس معاملہ میں مدد لی جائے اور گروہ یمانیہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جائے کیونکہ وہ مضریوں کے مخالف ہیں"۔ ابو عثمان خط دیکھتے ہی اُس کی تعمیل پر آمادہ ہو گئے۔

جب بدر وہاں پہونچا ہی تو ابو عثمان اپنے دوست صمیل بن حاتم کی مدد کے لیئے سرقسطہ کی طرف جانے کو تیار تھے۔ کیونکہ وہ یوسف بن عبدالرحمن صاحب اندلس کے کسی کام کو جا رہے تھے۔ مگر وہ بدر کے آنے کے بعد سیدھے اپنے خسر عبداللہ بن خالد مذکور کے پاس پہونچے اور اُن سے کہا کہ اگر "ہم صمیل کو بدر کے آنے اور اس خط کے آنے کی خبر دیں تو وہ بتلا دیگا کہ آیا وہ ہماری موافقت کرتے ہیں یا نہیں"۔ (ابو عثمان اور عبداللہ کو بوجہ اپنی مروت ومحبت

کے اس کا خیال تھا کہ کسی کو یہ بھید نہ معلوم ہو جائے) عبداللہ بن خالد نے کہا کہ اگر ہم ایسا کرینگے تو ممکن ہے کہ وہ سلطان یوسف کی حمایت کریں، کیونکہ صمیل کی اُن کے دربار میں قدر و منزلت تھی۔ اور وہ یہ سمجھ کر کہ اس سے اُن کی سلطنت کو نقصان پہونچے گا۔ ہماری مدد نہ کریں "

ابو عثمان نے کہا کہ "بہتر ہے کہ ہم اُن سے صرف یہ کہیں کہ ہم صرف اس قدر چاہتے ہیں کہ عبدالرحمن کو امان دیدی جائے" اور یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ صرف اپنے دادا ہشام کا خمس وصول کرنا، اور اُسی سے اپنا گزارہ کرنا چاہتے ہیں، اور بس۔ اس پر دونوں کا اتفاق ہو گیا اور جب انھوں نے صمیل سے تخلیہ میں اس کی متعلق گفتگو کی تو اُن کو معلوم ہوا کہ اُن کو خود یوسف سے عداوت ہے اور وہ اُس کی مدد سے پہلوتہی کر رہے ہیں۔ وجہ اُس کی یہ تھی کہ اُنھوں نے حباب الزہری سے سرقسطہ کے علاقہ میں جنگ کی تھی۔ صمیل نے صاف کہہ دیا کہ جو کچھ تم کروگے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ طے کر کے ان دونوں نے عبدالرحمن کو لکھ دیا کہ آپ چلے آئیں۔ اور یہ تجویز قرار پائی کہ جب وہ اندلس میں آجائیں تو یوسف سے کہا جائے کہ اُن کو اپنے ہمسایہ میں ٹھہرائیں، اور اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں، اور اپنی بیٹی کا اُن سے نکاح کر دیں۔ اگر وہ اس کو منظور کرلیں تو فبہا، ورنہ اُن کی گردن مار کر اُن کا خاتمہ کر دیں، اور سلطنت کو عبدالرحمن کی طرف منتقل کر دیں۔ جب یہ تجویز قرار پا چکی تو ان دونوں نے صمیل کا شکریہ ادا کیا، اور اُس کے ہاتھ چومے۔ صمیل طلیطلہ رہ گئے، کیونکہ یوسف نے اُن کو وہاں کا حاکم مقرر کیا تھا، یہ دونوں اپنے وطن بیرہ میں واپس آ گئے۔ اور فوج میں جتنے افسر اور بڑے بڑے آدمی تھے سب کو اولاد معاویہ کی حمایت پر تیار کیا پھر اور مقامات پر جا کر بھی لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ غرض ہر جگہ ایک طرح کی آگ لگا دی۔

ایک روایت میں ہے کہ صمیل نے یہ رائے دی کہ عبدالرحمن الداخل خود ہی اپنے لیے طلب بیعت کریں۔ چنانچہ واپس جا کر ان دونوں نے اسی کی تدبیر شروع کی صمیل نے اُن کو پھر

بلا کر کہا کہ "اس معاملہ میں میں نے پھر غور کیا۔ جس شخص کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو وہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے کہ اگر وہ لوگ اس جزیرہ میں آکر پیشاب بھی کریں تو ہم اور تم سب اُس میں ڈوب جائیں۔ اور یہ شخص وہ ہے کہ ہمیں اُس کے لیئے ہر طرح کی کوشش کرنی اور اُس کی طرف مائل ہونا چاہیئے۔ اُس جیسا آدمی ہمیں نہ ملے گا۔ جب تم مجھ سے جدا ہو کر گھر پہونچے ہو اُسی وقت مجھے یہ خیال ہوا کہ تم سے اپنی دلی بات بیان کردوں۔ اور اب میں پھر تم سے کہتا ہوں کہ پہلی تلوار جو میان سے اُس کی جماعت میں نکلے گی وہ میری ہوگی۔ خدا تعالیٰ تمھاری رائے میں برکت دے۔" ان دونوں نے کہا کہ "اصل رائے تمھاری ہے۔ ہم تو تمھاری پیروی کریں گے۔" یہ کہہ کر وہ صمیل کے پاس سے چلے آئے تاکہ وہ سلطنت گردی میں عبدالرحمن کی مدد کریں اور بیرہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ مضر اور ربیعہ سے اُن کو ناامیدی ہوگئی۔ اور یہ قرار دیا کہ اہل یمن کو مضریوں کے خلاف برانگیختہ کیا جائے۔ اُن کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ اُن کی دشمنی کم نہیں ہوئی ہے اور وہ پہلے ہی ایسا موقعہ تلاش کر رہے ہیں کہ مضریوں سے انتقام لے لیں۔ غرض یہ تمام امور اچھی طرح سوچ سمجھ کر اُنھوں نے ایک جہاز خریدا اور اُس میں بدر کے ساتھ گیارہ آدمیوں کو عبدالرحمن کے پاس روانہ کردیا۔ ان ہی لوگوں میں تمام بن علقمہ وغیرہ تھے۔ اُدھر عبدالرحمن نے اپنے تھوڑے خطا ادھر اُدھر بھیجکر لوگوں کو اپنی حمایت پر مائل کیا جب ابوعثمان معہ اپنے ساتھیوں کے مغیلہ کے کنارے ملک بربر میں پہونچے تو اُنھوں نے دیکھا کہ عبدالرحمن نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور اپنے غلام بدر کے انتظار میں سخت متفکر ہیں۔ بدر نے پہونچکر اُن کے حاکم بن جانے کی بشارت دی، اور سب سے پہلے تمام کو اُن کے سامنے پیش کیا۔ عبدالرحمن نے اُن سے اُن کا نام اور کنیت پوچھی تو اُنھوں نے تمام ابوغالب بتلایا۔ عبدالرحمن نے کہا کہ "اللہ اکبر ہمارا کام تمام ہوا اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم غالب ہوئے۔" عبدالرحمن بادشاہ ہوئے تو اُنھوں نے ابوغالب کی بڑی قدر و منزلت کی۔ اور اپنے مرنے تک اُن کو اپنا حاجب بنائے رکھا۔

عبدالرحمن نے جب جہاز میں بیٹھکر روانگی کا قصد کیا، اور بربریوں کو اس کی خبر معلوم ہوئی
تو وہ متعرض ہوئے۔ تمام کے پاس جتنا مال تھا وہ اُنھوں نے حسبِ درجہ و رتبہ اُن لوگوں
میں تقسیم کرکے ان کو راضی کر لیا۔ اُن میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کو اُنھوں نے اپنے
نزدیک حصہ رسدی کچھ نہ کچھ دے کر خوشنود نہ کر لیا ہو۔ اتفاق سے ایک شخص ایسا رہ گیا کہ
جس کو کچھ نہ ملا تھا۔ عبدالرحمن جس وقت جہاز پر سوار ہوئے ہیں تو اُس نے آکر ہودج کو پکڑ
لیا۔ مگر ایک شخص شاکر نامی نے اُس کے ہات کاٹ دیئے۔ ہوا موافق تھی، جہاز فوراً چل پڑا
اور یہ سب لوگ ربیع الآخر ۱۳۸ھ ہجری میں بیرہ میں پہونچ کر خشکی پر اُتر پڑے۔ یہاں اُن کے
نقیب، ابوعثمان، اور ان کے خسر ابوخالد، اُن سے ملے۔ اور عبدالرحمن کو اپنے قریہ طرش
میں لے گئے، جہاں ابوعثمان رہتے تھے۔ یہاں یوسف بن بخت آکر ملے اور تمام اموی اُن کے
پاس جمع ہو گئے۔ اہل مالقہ میں سے جدران بن عمرو المذحجی بھی پہونچے جو بعد میں عبدالرحمن کے
قاضی لشکر ہوئے۔ پھر ابوعبدہ حسان بن مالک الکلبی اشبیلیہ سے آئے جن کو اُنھوں نے اپنا
وزیر بنایا۔ اور لوگ بھی ادھر اُدھر سے آملے۔ دنوں کا تو کیا ذکر ہے، ساعت بساعت اُن کو
قوت ہوتی گئی۔ خداے تعالیٰ نے بڑی طاقت کے ساتھ اُن مدد فرمائی۔ اس کے سات مہینہ
بعدہ قرطبہ میں داخل ہوئے۔ یہ یوسف فہری کو جب اُن کے آنے کی خبر پہونچی تو وہ باہر چلے گئے
اور سرقسطہ میں حباب الزہری اور عامر العبدری کو پکڑ لیا۔ اور جب طلیطلہ کے قریب وادی الرمل
میں پہونچے تو صمیل کے اشارے سے عامر العبدری اور ابن عامر کی گردنیں ماردیں۔ اتنے
میں یوسف کے بیٹے عبدالرحمن کا بھیجا ہوا قاصد آپہونچا۔ جس نے ساحل جُند دمشق پر عبدالرحمن
الداخل کے اُترنے اور مروانیوں کے اُن کے پاس جمع ہونے اور لوگوں کے اُن کے
ساتھ ہو جانے کی خبر آکر دی۔ یہ خبر فوراً ہی تمام لشکر میں پھیل گئی۔ اُدھر لوگوں نے یوسف
کو گالیاں دینی شروع کیں کہ اُس نے دو قریشیوں (عامر العبدری اور عامر) کو قتل کردیا
اس وجہ سے اور بھی لوگ عبدالرحمن کے ساتھ جا کر شامل ہو گئے۔ اس امر پر مورخین کا اتفاق ہے

کہ خدا تعالیٰ نے عبدالرحمن الداخل کی اتنی ہی مدد فرمائی جتنی یوسف پر سختی ڈالی۔ دوسرے روز صبح کو یوسف اُٹھے تو یہ کیفیت تھی کہ سوا اُن کے غلاموں اور خاص لوگوں اور صمیل اور قیس اور اُن کے ساتھیوں کے اور کوئی بھی باقی نہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کر یوسف نے طلیطلہ کا قصد کیا، اور صمیل سے پوچھا کہ اب کیا رائے ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ "میں یہ دیکھتا ہوں کہ قبل اس کے کہ عبدالرحمن کی حالت درست ہو اُن کے اقبال کی ساعت آگئی۔ مجھے اُمید نہیں پڑتی کہ وہ گروہ یمانیہ تمھارا ساتھ دیگا، کیونکہ اُن کو کچھ ہم سے عداوت ہو گئی ہے"۔ یوسف نے کہا کہ "اب تم مجھ سے یہ کہتے ہو! بتلاؤ کہ اب میں کہاں جاؤں؟ لوگ ہمارے ہاتھ سے نکل گئے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا، مال ہمارے پاس نہیں، اس سفر میں جو کچھ مصیبت پڑی ہے اُس نے میری کمر توڑ دی لیکن میں قرطبہ چلتا ہوں وہاں چل کر دیکھوں کہ آیا مجھ میں اُس کے مقابلہ کی استعداد ہے یا نہیں۔ شاید وہاں چل کر یہ معلوم ہو کہ جو خبر ہمیں پہونچی ہے اُس میں کچھ مبالغہ ہے"۔ صمیل نے کہا کہ "رائے تو وہی ہے جو میں نے دی ہے، اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ تم کو آگے چل کر معلوم ہو جائے گا کہ جو کچھ تم سمجھتے ہو وہ غلط ہے"۔ غرض یہ دونوں قرطبہ گئے۔ اور عبدالرحمن الداخل اشبیلیہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہاں اُن کو رئیس عرب، ابو الصباح بن یحیی الیحصبی مل گئے اور یہ رائے قرار پائی کہ دارالامارۃ قرطبہ چلنا چاہیے۔ جب یہ لوگ قرطبہ کے ارادے سے بطشانہ پہونچے تو لوگوں نے کہا کہ ہم کس طرح ایک شخص کو اپنا امیر بنا کر چلیں، نہ ہمارا کوئی لوا ہے، نہ علم، کہ اُس کے سایہ میں، یا اُس کی سمت کو چلیں۔ لوگ ایک عمامہ اور ایک نیزہ لے آئے تاکہ اُس سے علم بنا لیا جائے۔ لیکن پھر اس کو مناسب نہ سمجھا گیا کہ نیزے سے یہ کام لیا جائے۔ دو زیتون کے درخت قریب تھے۔ اُن میں سے ایک درخت کے اوپر ایک شخص چڑھا اور اُس پر ایک جھنڈا لگا دیا۔ اور نیزہ کھڑا کر دیا۔ جیسا کہ اُس کا ذکر آگے آئے گا۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ فرقد العالم یہاں سے گزرے تھے تو اُنھوں نے ان دونوں

زیتون کے درختوں کو دیکھکر کہا تھا کہ قریب ہی کہ ان دونوں درختوں کے درمیان ایک امیر کا جھنڈا قائم کیا جائے کہ جو جھنڈا اُس پر حملہ آور ہوگا وہی توڑا جائے گا۔ یہ جھنڈا اُس کے نیز اس کے بیٹے کے لئے مبارک ہوگا۔

غرض جب عبدالرحمٰن قرطبہ پہونچے تو یوسف بھی ان کے مقابلہ کے لیئے نکلے چھ سال قبل سے ملک میں قحط تھا اندلس بھر کے لوگ کمزور ہو رہے تھے۔ فوج کے چند طاقتور آدمیوں کے سوا اور سپاہیوں کی زندگی بھی مشکل سے گزرتی تھی۔ یہ لشکر جب سے کہ اشبیلیہ سے چلا تھا اُن کا بسا اوقات صرف ہرے چنوں پر تھا جو راستہ میں بوجہ موسم ربیع کے ملتے تھے۔ اس سال کا نام ہی عام الخلف ہوگیا۔ دریا، قرطبہ درمیان میں حائل تھا۔ یوسف قرطبہ سے چلے اور عبدالرحمان کو اشبیلیہ میں جالیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان میں دریا تھا۔ یوسف نے جب عبدالرحمٰن کا مصمم ارادہ قرطبہ جانے کا دیکھا تو اُنھوں نے نہر کے کنارے کنارے کوچ کردیا۔ اور عبدالرحمٰن بھی ساتھ ہی روانہ ہوگئے۔ دریا دونوں کے درمیان حائل رہا۔ آخر یوسف صحراء النصارۃ، غربی قرطبہ میں خیمہ انداز ہوئے، اور عبدالرحمٰن اُن کے مقابل ان دونوں کے درمیان پہلے صلح کی مراسلت ہوئی۔ یوسف نے کچھ جانور ذبح کرائے اور کھانا پکنے لگا۔ دوسری طرف عبدالرحمٰن نے اس کے خلاف عمل شروع کیا، یعنی جنگ کی تیاریاں کیں، اور رات بھر جاگ کر اسی اہتمام میں صبح کردی، جیسا کہ ہم آگے بیان کرینگے آخر اہل قرطبہ کو ہزیمت ہوئی اور عبدالرحمٰن کو فتح۔ صمیل شکست کھاکر علاقہ جیان میں شوذر کی طرف بھاگے۔ اور یوسف ماردہ کی طرف۔

کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر ابوالصباح رئیس یمانیہ نے کہا کہ "اے گروہ یمن! کیوں نہ ایک دن میں دو فتح حاصل کرو۔ یوسف اور صمیل سے تو ہم فارغ ہی ہو چکے ہیں لاؤ لگے ہاتھوں اس شخص یعنی عبدالرحمٰن الداخل کو بھی قتل کردیں۔ بس پھر ہم ہی ہم ہیں۔ اپنے میں سے ایک شخص بادشاہ بنالیں گے۔ مضریوں کو پھر دیکھ لیں گے"، لیکن کسی نے

اُس شخص کی شنوائی نہ کی۔ عبدالرحمن کو بھی اس کی اطلاع مل گئی، مگر اُنھوں نے یہ بات اپنے دل میں رکھی، اور ایک سال بعد ابوالصباح پر ایک الزام قائم کرکے قتل کرادیا۔

غرض جب دشمنوں کی ہزیمت کی طرف سے اطمینان کامل ہوگیا تو عبدالرحمن آگے بڑھے اور تین روز تک قرطبہ کے باہر ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ یوسف کے اہل وعیال کو قصر سے نکال دیا۔ ان سے اُنھوں نے کسی قسم کی بدسلوکی نہیں کی، بلکہ بہت اچھی طرح پیش آئے جب دارالامارۃ میں داخل ہوئے تو وہاں بھی نہ ٹھیرے، کیونکہ یوسف اور صمیل سے یکایک حملہ کرنے کا ہر وقت اندیشہ لگا ہوا تھا۔ اور فوراً ہی دشمن کے تعاقب میں روانہ ہوگئے۔ قرطبہ پر اپنی جگہ ابوعثمان کو اپنا قائم مقام کرگئے۔ اور اُمیہ بن زیاد کو، جو یوسف کا کاتب تھا، اپنا کاتب مقرر کرلیا کیونکہ وہ بنو اُمیہ کا حمایتی تھا۔ یوسف کو بھی اس کی اطلاع پہونچ گئی۔ وہ دوسرے راستے سے قرطبہ پہونچے اور قصر خلافت میں داخل ہوکر ابوعثمان کو (جو عبدالرحمن کے قائم مقام تھے) جامع مسجد کے ایک صومعہ میں نظربند کردیا، مگر آخر اُس کو امان دی۔ اور عبدالرحمن الداخل سے معاہدہ صلح منعقد کرلیا۔ اس معاہدہ میں ایک فریق یوسف، اور اُن کے وزیر صمیل تھے، اور دوسرے عبدالرحمن۔ یہ معاہدہ صفر ۱۳۹ھ ہجری میں ہوا۔ اس کی شرائط یہ تھیں کہ یوسف کے مال سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا، یوسف کو شرقی قرطبہ میں رہنا ہوگا، یوسف ہر روز عبدالرحمن الداخل کو اپنی صورت دکھا جایا کرے گا، یوسف اپنے بیٹے ابوالاسود محمد بن یوسف کو بطور یرغمال کے الداخل کے قبضے میں رکھے گا، یوسف کے بیٹے عبدالرحمن کو، جو جنگ میں قید ہوگیا تھا، بدستور قید رہنے دیا جائے گا۔ اس معاہدہ صلح کے بعد دونوں لشکروں نے کمریں کھول دیں اور مل جل کر قرطبہ میں رہنے لگے۔ ابن حیان نے لکھا ہے کہ یوسف ۱۴۱ھ ہجری میں نقض عہد کرکے قرطبہ سے بھاگ گیا، اور ملک میں فساد برپا کردیا۔ قرطبہ میں بھی اضطراب پھیل گیا۔ ایک گروہ کو یہ کوکمز اپنا ساتھی بنالیا کہ میری املاک عبدالرحمن نے غصب کرلی ہیں۔ نوبت یہاں تک پہونچی اور یوسف کے دستوں کو عبدالرحمن الداخل کی

تخویف کا موقعہ مل گیا۔ اس سے اُن کی وحشت اور بھی بڑھی، یوسف ماردہ کی طرف چلے گئے۔ وہاں اُن کے گرد بیس ہزار آدمی جمع ہو گئے جس نے اُن میں عبدالرحمن الداخل کے مقابلہ کی ہمت پیدا کر دی چنانچہ وہ ماردہ سے قرطبہ کی طرف چلے ادھر سے عبدالرحمن بڑھے بمقدم اکر بی حصن المرور تک پہونچے تھے کہ عبدالملک بن مروان، صاحب اشبیلیہ اُن کے مقابل ہوئے سخت جنگ ہوئی جس میں یوسف کو اپنی حقیقت معلوم ہو گئی، اور ایک بڑا عظیم کے بعد اُن کو ہزیمت ہوئی، اور اُن کے بہت سے ساتھی قتل کیے گئے۔ یوسف طلیطلہ کی طرف بھاگ گئے وہاں کے کسی قریہ میں عبداللہ بن عمرو الانصاری نے اُن کو دیکھ کر پہچان لیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "یہ فہری بھاگا پھرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی زمین اُس کے لیے تنگ ہو رہی ہے۔ اس کا قتل کرنا خود اُس کے لیے راحت ہے۔ اور ہم لوگوں کے لیے بھی باعث آرام ہے" یہ کہہ کر اُنھوں نے یوسف کو قتل کر دیا، اور اُن کا سر عبدالرحمن کے پاس بھیج دیا۔ جب یہ سر قرطبہ پہونچا، اور عبدالرحمن سے اُس کے پیش کرنے کی اجازت مانگی گئی تو اُنھوں نے حکم دیا کہ وہ لوگ قرطبہ کے پل کے پاس ذرا تامل کریں۔ یوسف کا بیٹا عبدالرحمن جو قید تھا وہیں لے جا کر قتل کر دیا گیا، اور اُس کا سر باپ کے سر کے ساتھ نیزوں پر لٹکا کر قصر خلافت کے دروازے پر رکھ دیئے گئے۔

جب یوسف بھاگ گئے تو عبدالرحمن نے اُن کے وزیر صمیل کو قید کر دیا تھا کیونکہ جب اُن سے یوسف کا حال پوچھا گیا کہ وہ کہاں ہیں تو اُنھوں نے اپنی لاعلمی بیان کی تھی۔ عبدالرحمن نے کہا کہ "یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ بغیر تمہارے علم کے کہیں گیا ہو۔ اس کے علاوہ تمہارا بیٹا بھی اُس کے ساتھ ہے" یہ کہہ کر صمیل نے تاکید کی کہ یوسف کا پتہ لگا کر بتائیے اس پر اُس نے جواب دیا کہ "اگر یوسف میرے پیروں کے نیچے بھی ہو تب بھی میں پیر اُٹھا کر نہ دکھلاؤں۔ اب جو کچھ تمہارا جی چاہے کرو" یہ سن کر اُن کو قید کر دیا گیا اور اُن کے ساتھ ہی یوسف کے دونوں بیٹے، ابوالاسود محمد (جو بعد میں اعمیٰ کے نام سے مشہور ہوا) اور عبدالرحمن بھی قید کر دیے گئے۔ ان لوگوں نے ایک نقب کے راہ سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ ابوالاسود تو نکل کر بھاگ گیا اور ملک میں فساد مچاتا پھرا

یہاں تک کہ قتل کردیا گیا۔ عبدالرحمٰن چونکہ فریب اقدام تعاقب سے نہ نکل سکا اور پھر قید خانہ میں واپس آ گیا۔ اور جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں قتل کیا گیا۔ صمیل نے بھاگنے کا ارادہ نہیں کیا۔ جب یوسف قتل ہوگیا تو عبدالرحمٰن نے ایک آدمی قید خانہ میں بھیجا کہ صمیل کا گلا گھونٹ آئے لیکن اُس نے اُس کو مردہ پایا۔ پھر ایک مفری شخص گیا اُس نے بھی اُس کو مردہ پایا اور اُس کے پاس ایک پیالہ رکھا دیکھا۔ یہ بھی نقل ہے کہ اُس کو زہر دیدیا گیا۔ لوگوں نے بھی کہا کہ "واللہ اے ابوجوشن تو نے یہ پیالہ خود نہیں پیا بلکہ تجھے پلایا گیا ہے"

امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ کی خواہش انتقام اپنے مخالفوں کے ساتھ جو تھی اُس کا نمونہ رئیس یمانیہ ابوالصباح بن یحییٰ کا معاملہ ہے۔ ان کو پہلے تو اشبیلیہ کا حاکم بنایا گیا تھا، لیکن چونکہ عبدالرحمٰن کے دل میں اُن کی طرف سے رنج تھا اُس کو قتل کرادیا۔ اسی قسم کا واقعہ علار بن مغیث الیحصبی کے ساتھ پیش آیا جس نے باجہ میں علم عداوت بلند کیا تھا۔ یہ شخص افریقیہ سے اس غرض سے آیا تھا کہ اندلس میں بھی عباسیوں کا سیاہ جھنڈا بلند کرے۔ یہ شخص اہل فارس کی قلیل جماعت لیکر علاقہ باجہ میں پہونچا تھا۔ وہاں کے لوگوں نیز اور اطراف کے آدمیوں کو اپنی طرف بلایا۔ چنانچہ بہت سے لوگ اُس کے گرد جمع ہوگئے۔ یہاں تک کہ عبدالرحمٰن نے اشبیلیہ کی طرف اُن سے مقابلہ کرکے اُن کو ہزیمت دیدی۔ اس کو اور اُس کے بڑے بڑے ہمراہیوں کو پکڑ کر پہلے ہاتھ اور پیر کاٹے اور پھر سب کی گردنیں ماردیں۔ ہر ایک کے کان میں اُس کا نام لکھ کر لٹکوایا۔ اور سیاہ جھنڈا اُن کے پاس کھڑا کردیا۔ ایام حج میں ایک تاجر حج کو جارہا تھا اُس کو حکم دیا کہ یہ سارے سر مکہ معظمہ میں لٹکا دے۔ اتفاق کی بات کہ اُسی سال ابوجعفر المنصور حج کرنے آئے تھے۔ اس تاجر نے کسی طرح یہ سب سر اُن کے خیمے کے باہر لگا دیئے گئے۔ ان کو دیکھکر ابوجعفر کو سخت رنج ہوا اور عبدالرحمٰن کو بددعائیں دیں اور کہا کہ "ہم نے اس جوان بہادر یعنی علار بن مغیث کو اس شیطان یعنی عبدالرحمٰن کے قلع قمع کرنے کے لیئے بھیجا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس شیطان کے اور ہمارے درمیان میں سمندر حائل

ہے"

جب عبدالرحمٰن کو یمانیوں جو اپنے رئیس ابو الصباح الیحصبی کے خون کا بدلہ لینے اُٹھے تھے معرکہ پیش آیا اور اُن میں سے اکثر آدمی قتل ہوئے تو وہ اہل عرب سے قطعاً مایوس ہو گئے، اور اُن کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ لوگ دغاباز اور حاسد ہیں، تو اُن کی طرف سے روگردانی کرلی، اور غلاموں کی طرف سے توجہ کی اور ہر طرف کے لوگوں میں سے غلام خریدنے لگے۔ اور دوسری طرف بربریوں کی پرورش کرنے لگے، اُن کو اُن کے وطن سے بلایا، اور جو لوگ آئے اُن سے بحسن سلوک پیش آئے۔ ابن حیان کہتے ہیں کہ بربریوں اور غلاموں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ ان ہی میں چالیس ہزار آدمیوں کی ایک جماعت تھی کہ جن سے عبدالرحمٰن تمام اندلس کے عربوں پر غالب رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کا تسلط پوری طور پر ملک میں ہو گیا۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن حلیم مزاج، بڑے عالم، صاحب فہم و حزم، ارادے کے پکے، عجز سے بری، چست و چالاک، متصل الحرکت آدمی تھے۔ راحت پاتے تھے تو اُسی کے نہ ہو رہتے تھے، تکلیف ہوتی تھی تو اُس سے نہ گھبراتے تھے۔ کسی کام کو غیر پر نہ چھوڑتے تھے۔ جو کچھ کرتے تھے پورا کر اُتارتے تھے۔ کسی بات پر مطمئن نہ ہو بیٹھتے تھے۔ زبان کے بلیغ، بلند آواز ہر بات میں پوری طور پر غور کرتے تھے پورا کر اُتارتے تھے۔ کسی بات پر مطمئن نہ ہو بیٹھتے تھے۔ زبان کے بلیغ، بلند آواز، شاعر، محسن، سخی، تیز زبان تھے۔ سفید لباس پہنتے تھے۔ سفید ہی عمامہ باندھتے تھے۔ اور اسی رنگ کو سب پر ترجیح دیتے تھے۔ دوست اور دشمن سب اُن سے ڈرتے تھے۔ لوگوں کے جنازوں کے ساتھ جاتے تھے اور نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ جمعہ اور عید کی نماز خود پڑھاتے تھے۔ اور منبر پر کھڑے ہو کر مجمعوں میں تقریریں کرتے اور خطبے پڑھتے تھے عوام الناس کے پاس بیٹھا کرتے تھے اور اگر کسی روز جنازے کے ساتھ شریک ہونا ہوتا تو لوگوں کے ساتھ ہی چلتے۔

ایک روز وہ کسی کے جنازہ سے واپس آ رہے تھے کہ ایک شوخ چشم شخص ملا اور اُس نے

اُن سے کہا کہ "اصلح اللہ الامیر. آپ کے قاضی نے میرے اوپر ظلم کیا ہی۔ میں اُن کے ظلم سے آپ کے حضور میں فریاد کرتا ہوں" اُنھوں نے جواب دیا کہ اگر تم سچ سچ بول دوگے تو قاضی انصاف کرے گا" اُس شخص نے ہاتھ بڑھا کر اُن کی باگ پکڑ لی اور کہا کہ "میں آپ کو خدا کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ یہاں سے آپ نہ ہلیں تاوقتیکہ اپنے قاضی کو انصاف کرنے کا حکم ندیدیں۔ قاضی آپ ہی کے ساتھ ہی" امیر کو غصہ آیا مگر چپ ہو گئے۔ اور جو لوگ اُن کی اردلی میں تھے اُن کی طرف دیکھا۔ اگرچہ وہ تھوڑے سے آدمی تھے۔ مگر پھر بھی قاضی کو بلا کر اُس شخص کا انصاف کرنے کا حکم دیا۔ جب قصر خلافت میں واپس آئے تو اُنھوں نے یہ قصہ بیان کیا۔ ایک شخص جو اُن کے اس آزادی سے لوگوں میں شامل ہونے کا مخالف تھا، کہنے لگا کہ "خدا تعالیٰ امیر کو سلامت رکھے! بادشاہ کا اتنا نکلنا مناسب نہیں ہی۔ اتنا خلا ملا عام لوگوں کی آنکھوں میں اُس کو خفیف کر دیتا ہی، اور بادشاہ لوگوں کی جُراتوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ تمام آدمی ایک ہی جیسے نہیں ہوتے" اُس روز سے امیر عبدالرحمن نے جنازوں میں شامل ہونا اور محفلوں میں جانا چھوڑ دیا اور اپنی جگہ اپنے بیٹے ہشام کو بھیجنے لگے۔

اُن کے اکثر اشعار سے جو اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں، معلوم ہوتا ہی کہ اُن کو وطن کی بہت ہی محبت تھی۔ اُن کی نظمیں فصاحت و بلاغت کا نمونہ ہیں۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ جب یوسف زیر ہو چکے، اور ملک پر امیر عبدالرحمن کا تسلط بیٹھ گیا تو دور سے لوگ اُن کے پاس قرطبہ میں آئے تھے، اُن کے قصر میں ٹھیرتے تھے اُن میں مجلس میں بیٹھتے تھے۔ امیر اُن کے رؤسا سے اس طرح کلام کرتے تھے کہ وہ لوگ خوش ہو جاتے تھے۔ لوگوں کو خلعت اور خاصہ عطا ہوتا تھا، عطیات ملتے تھے، اور سب لوگ مشکور ہو کر جاتے، ہر طرف اُن کی تعریفیں کرتے پھرتے تھے۔ اور شکریے کے پُل باندھ دیتے تھے۔ اکثر لوگ زبانی اُن سے عرض حال کرتے تھے۔ اور اپنی مراد پاتے

بہت سے تحریراً عرض حال کرتے تھے اور جواب تحریری کے ساتھ جو کچھ مانگتے تھے لیتے تھے یہ تحریریں اکثر نہایت فصیح و بلیغ ہوتی تھیں۔ مشہور ہی کہ عبدالرحمن بلاغت میں ایسا درجہ عالی رکھتے تھے کہ اکثر بنو مروان کو نصیب نہوا تھا۔

امیر عبدالرحمن اور اُن کے غلام بدر کے درمیان رنج پیدا ہو گیا تھا جس مختصر حال بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہی۔ یہ واضح ہو چکا ہی کہ بدر نے امیر عبدالرحمن کی ترقیات و تسلط میں ابتدا ہی سے کوشش کی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس میں غرور پیدا ہو گیا، اور امیر پر احسان جتانے لگا۔ سب سے پہلے جو بات اُس کی طرف سے ظاہر ہوئی وہ یہ تھی کہ اُس نے لوگوں سے کہا کہ "ہم نے امیر کے واسطے اپنے آپ کو پیچ ڈالا، اور ہر طرح کے مصائب میں پھنسایا، مگر جب یہ اپنی انتہا ترقی پر پہنچ گئے تو ہماری اہانت کرنے لگے"۔ نیز یہ بھی کہا کہ ہمیں تکان کی حالت میں وہ جنگ پر بھیجدیتے تھے، اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ آخر میں ہمیں آرام کامل نصیب ہوگا۔ مگر اب ہم دیکھتے ہیں کہ جو تکلیفیں ہم نے اُٹھائی ہیں اُن سے بھی زیادہ تکلیف میں ہم مبتلا ہیں"۔ غرض اس قسم کی بہت سے احوال اُس کے معلوم ہوئے۔ حالانکہ حقیقۃ الامر یہ تھا کہ آرام میں رہتی تھا۔ یہ سُن کر امیر نے اُس کو بالکل چھوڑ دیا، اور اُس سے روگردانی کر لی۔ مگر اس سے اُس کی زبان درازی اور بڑھ گئی۔ آخر بدر نے ایک رقعہ اپنے آقا کو لکھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ "میرے قطع بحر و بر، اور ایک سلطنت کے نظام کو زیر و زبر کر دینے اور دوسری کو قائم کر دینے کی جزا مجھے سوا اس کے اور کیا ملی کہ میں نکال باہر کر دیا گیا؟ میرے ہم چشموں میں میری بے عزتی ہوئی اور دشمنوں کو طعنوں کا موقع مل گیا، وہ مجھے اور بھی تکلیفیں دینے لگے۔ جس کے پاس میں پناہ لے سکتا تھا اس نے مجھے اپنی آنکھوں سے دور کر دیا۔ جو لوگ کہ مجھ سے طمع و امید رکھتے تھے، اور میری عزت کرتے تھے، وہ میری بے عزتی کرنے لگے۔ مجھے اس امر کا یقین ہی کہ اگر میں اپنے دشمن بنو عباس کے قبضے میں آجاتا تو وہ بھی میرے ساتھ اس سے زیادہ بدسلوکی نہ کرتے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

امیر عبد الرحمن کے پاس یہ رقعہ پہونچا تو بہت ہی ناراض ہوئے اور جواب میں لکھا کہ "ہمیں تیرا رقعہ پہونچا، جو تیری جہالت کو ظاہر کرتا ہی۔ تیری گستاخی او ر نا رت ادب معلوم ہوئی تعجب ہی کہ تو اپنا احسان اس طرح جتاتا ہی کہ جو سُنے گا اُس کے کانوں کو تکلیف ہوگی جو کچھ خدا تعالےٰ نے ہم کو عطا فرمایا ہی اُس کا اصلی موجب تو اپنے آپ کو بتلاتا ہی۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ تو اپنے مالک آقا کی جڑ اُکھاڑ کر پھینک دینا چاہتا ہی۔ ہم نے یہ دیکھکر تجھے اپنی آنکھوں کے سامنے سے الگ کر دیا، اپنے پاس سے دور کر دیا۔ تاکہ تو اُن مقاصد تک نہ پہونچ سکے جو تو حاصل کرنا چاہتا ہی۔ ہم تیری تادیب کرنے کے بہت زیادہ مستحق ہیں۔ اچھی طرح یاد رکھ کہ تیری خیریت اس میں ہی تو ہماری تعریفیں کرے نہ کہ ہم میں عیب نکالے" جب یہ جواب بدر کے پاس پہونچا تو پڑھتے پڑھتے رعشہ کی وجہ سے رقعہ اُس کے ہاتھ سے گر گیا۔ اُس نے اپنے آپ کو قضاء الٰہی کے سپرد کر دیا، اور اُسے یقین ہوگیا کہ عبد الرحمن پر کسی کی سفارش کا اثر نہیں ہو سکتا۔ امیر نے اُس کا مال ضبط کر لیا اور اُس کو حکم دیا کہ اپنے مکان سے نہ نکلے غرض ہر طرح اُسے بے عزت کر دیا۔ مگر اس پر بھی بدر نے اپنے آقا کو تنگ کرنا نہ چھوڑا۔ کبھی اپنی یاد دہانی کرتا تھا، کبھی اپنے قلم سے اُن کی شکایت لکھکر بھیجتا تھا، کبھی زبانی جو کچھ منہ میں آتا تھا بغیر سوچے سمجھے کہہ بیٹھتا تھا۔ ایک مرتبہ امیر کو لکھا کہ "اب تو میری قید بہت لمبی ہوگی، اور میں بہت عرصہ آپ کی آنکھوں سے الگ رہ چکا، میرے فکر و غم نے بہت طول کھینچا۔ ان سب مصائب پر میرے مال کے ضبط ہونے نے مجھے اور بھی تکلیف میں ڈال رکھا ہی۔ کاش آپ ضبطی ہی کا حکم منسوخ کر دیتے، اور میرا مال مجھے واپس دلا دیتے۔ میں آپ کے کسی معاملہ میں دخل نہ دوں گا، اور جب تک زندہ ہوں کسی بات میں نہ بولوں گا۔" امیر نے جواب میں لکھا کہ "تیرے گناہ اس قابل ہیں کہ اگر تیرے مال کے ساتھ تیری جان بھی سلب کر لی جائے تب بھی تیری پوری سزا نہیں

ہوسکتی۔ تیرا مال کسی صورت میں واگزار نہیں ہو سکتا۔ بہتر ہی کہ تو اس کی طرف سے بالکل مایوس ہوجا۔ آخر مایوسی آسائش پہونچانے والی چیز ہی۔" یہ جواب دیکھکر بدر بہت روز تک خاموش رہا۔ لیکن جب عید آئی تو اُس کا اضطراب اور بھی بڑھا؛ کیونکہ اُس کے پاس خرچ نہ تھا اور لوگ عید کی خوشیوں کی تیاریاں کر رہے تھے۔ صبر نہ ہو سکا اور پھر ایک رقعہ اپنے آقا کو لکھا کہ "عید آگئی۔ اور یہ وہ وقت ہی کہ آپنے اپنے اُن دشمنوں کے بھی قصور معاف کر دیئے ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ بدسلوکی اور آپ کے انتزاع سلطنت میں کوشش کی ہی۔ یہ لوگ آخر انتہا عزت پر پہونچ گئے ہیں۔ برعکس اُن کے ایک میں ہوں کہ نعمت و دولت مجھ سے چھین لی گئی، مایوسی کے گڑھے میں مجھے گرا دیا گیا۔ میری عمر کا بڑھ جانا اس پر مستزاد ہی۔" یہ رقعہ پڑھ کر امیر نے حکم دیا کہ بدر کو قرطبہ سے نکال کر کسی دور و دراز مقام پر پہونچا دیا جائے۔ اور اُس کے رقعہ کی پشت پر یہ لکھکر واپس کر دیا کہ "تو اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتا۔ ہم نے اپنی آنکھوں کے سامنے سے دور کر دیا۔ لیکن تجھ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور وہ باتیں کیں کہ جن کو سننا کان گوارا نہ کرتے تھے اور یہانتک زیادتی کی کہ تیرا شہر میں رہنا ہمیں ناگوار ہو گیا۔ اس لیئے ہم نے حکم دیا ہی کہ تو کسی دور و دراز مقام پر پہونچا دیا جائے۔ ہم خدا تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں کہ اگر تو اب بھی اپنی شرارتوں سے باز نہ آیا تو اور سزا پائے گا۔ یہانتک کہ دنیا تیرے لیئے تنگ ہو جائے گی۔ بخدا اب ہم کو یہ دیکھنا اور سننا نہ پڑے کہ تو لوگوں سے ہماری شکائتیں کرتا پھرتا ہی۔ اچھی طرح جان لے کہ تیری زبان تیری سب سے بڑی دشمن ہی۔ قبل اس کے کہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کیئے جائیں، تیری زبان کے ٹکڑے ٹکڑے کیئے جائینگے۔

جب امیر عبد الرحمن نے سرقسطہ فتح کیا اور ان کے قبضے میں اُن کا دشمن حسین انصاری آگیا، فوج مقابل کے بڑے بڑے آدمی مارے گئے اور نصرت و فتح مکمل ہو گئی تو اُن کے خواص اُن کو مبارکباد دینے آئے۔ ایک فوجی شخص کھڑا ہوا اور بلند آواز سے کہنے لگا

"واللہ آج کے دن مجھ پر انعام الٰہی ہوا ہے اور مجھ پر یہ واجب ہے کہ میں اپنے سے کمتر درجہ پر احسان کروں۔ گردن زدنی ہے وہ شخص جو مصیبت زدہ کو تکلیف دے۔" ایک شخص نے کہا کہ "تو سخت گستاخ ہے کہ ایسی بلند آواز سے بات کرتا ہے۔ تجھے بادشاہ کا ادب کرنا نہیں آتا۔ اپنے جہل سے اس طرح بات کرتا ہے کہ جیسے اپنے باپ یا بھائی سے۔ کوئی سفارش کرنے والا مصیبت زدہ کی اس طرح سفارش نہیں کرتا۔ بلکہ ممکن ہے کہ تیری جہالت مصیبت زدہ کو اور بھی مصیبت میں ڈال دے۔" اس نے کہا کہ "فتوحات امیر کی خوشی میرے جہل اور گناہ پر غالب آگئیں اور میں اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گیا۔" یہ گفتگو سن کر امیر عبد الرحمن کا چہرہ شگفتہ ہو گیا اور انھوں نے کہا کہ "یہ باتیں جاہلوں کی جیسی نہیں ہیں۔" یہ کہہ کر لوگوں سے کہا کہ "اگر تمھاری طرف سے کوئی شخص تمھارے حالات سے ہمیں اطلاع دینے والا نہ ملے تو تم خود ہم سے براہ راست بیان کرو۔" امیر نے اس فوجی شخص کے مراتب میں ترقی کی اور اس کے عطیات بھی زیادہ کر دیئے۔

امیر عبد الرحمن کے ساتھیوں نے جب فہری کے ساتھیوں کو ہزیمت دی اور ان کو قتل کرنے لگے تو امیر نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ "اپنے ان دشمنوں کو مٹا دینے کی کوشش نہ کرو ممکن ہے کہ وہ تمھارے دوست ہو جائیں۔ ان کو اپنے سخت ترین دشمن، یعنی کفار، کے مقابلہ کے لیئے رہنے دو۔

جب فہری کی لڑائی میں امیر کے ہمراہیوں پر سختی پڑتی تو انھوں نے کہا کہ "آج کا دن ایسا ہے کہ جس پر زمانہ کی ذلت یا عزت منحصر ہے۔ ایک تھوڑی دیر اس بات پر صبر کرو کہ جو تمھیں ناگوار ہے تو اس کے بدلے میں تمام عمر کے لیئے وہ بات حاصل کر دگے جو تم چاہتے ہو۔"

جب پہلی مرتبہ وہ جہاز سے اُتر کر سرزمین اندلس پر آئے تو کسی شخص نے اُن کے سامنے شراب پیش کی۔ اُنھوں نے یہ کہہ کر اُسے رد کر دیا کہ "میں ایسی چیز کا محتاج ہوں جو میری عقل کو بڑھائے۔ نا کہ کم کرے۔" جن لوگوں نے اُن کا یہ قول سُنا وہی اُن کی قدر و قیمت سمجھ گئے۔

اُسی موقعہ پر کسی نے ایک خوبصورت جاریہ پیش کی تو اُنہوں نے کہا کہ "یہ قلب اور آنکھوں کی طراوت ہے۔ اگر میں اُس سے مشغول ہو کر اپنے مطلوب کو چھوڑ دوں تو گویا میں اس جاریہ پر ظلم کرتا ہوں اور اگر اپنے مطلب کا خیال نہ کروں تو اپنی ہمت پر ظلم کرتا ہوں۔ اس لیے اس وقت مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو لے جاؤ۔"

جب اُن کا تسلط جم گیا تو اُن کو اطلاع پہونچی کہ کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو اُن کو کبھی ملک حاصل نہ ہوتا۔ سلطنت اور اُن میں زمین و آسمان کا بعد تھا۔ ایک دوسرے شخص نے جواب دیا کہ میری خوش قسمتی نے میری مدد کی ہے کہ میری عقل و تدبیر نے۔

عبدالرحمن الداخل کا سب سے پہلا مددگار، کہ جس نے ایام مصیبت میں اُن کا ساتھ نہ چھوڑا، اور شرق و غرب، بحر و بر میں اُن کی سلطنت کی کوشش کرتا پھرا اُن کا غلام بدر تھا جب زمانہ نے اُن کا ساتھ دیا اور اُن کا تسلط ہوگیا تو اُس کا مال و اسباب ضبط کر لیا۔ اُس کو قید کر کے دور دراز جگہ بھیج دیا اور وہیں بُری حالت میں مر گیا۔ پوشیدہ باتوں کا علم خدا تعالیٰ ہی کو ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں امیر عبدالرحمن کو کوئی عذر ہو۔ یوں جو لوگ ابتدا اور آخری واقعات کو سنتے ہیں وہ معترض ہوتے ہوں۔

دوسرا شخص جس کو بدر نے اُن کو سلطنت دلوانے کی طرف مائل کیا وہ ابوعثمان تھے جب امیر عبدالرحمن ملک پر مسلط ہو گئے تو وہ ابوعثمان اور اُن جیسے اور آدمیوں سے مستغنی ہو گئے۔ ابوعثمان نے اپنی کس مپرسی کی حالت دیکھ کر یہ چاہا کہ امیر پر کچھ ایسا فکر ڈالے کہ اُن کی پھر پرسش ہو جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے امیر کے بھانجے کو بیرہ کے ایک قلعے میں اُن کے برخلاف برانگیختہ کیا۔ یہاں سے ایک ایسا آدمی بھیج دیا گیا کہ جس نے اُس کو پکڑ کر اُس کی گردن ماردی۔ ابوعثمان کو جب اس میں ناکامی ہوئی تو اُنھوں نے امیر کے بھتیجے کو اُٹھایا۔ لیکن قبل اس کے کہ اُن کی ریشہ دوانیاں مکمل ہوتیں عبدالرحمن نے ابوعثمان اور تمام سازش کنندگان کی گردنیں مروا ڈالیں۔ ایک مرتبہ لوگوں نے امیر سے کہا تھا

کہ یہ شخص ہمیشہ آپ کا ساتھ دیتا رہا ہے، اور آپ کی کامیابی کا اُس نے پورا اہتمام کیا ہے، تو اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ شخص اس سلطنت کا ابو سلمہ تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ ابو سلمہ کی شان میں بنو عباس کے متعلق کہا جاتا ہے وہ میرے متعلق نہ کہا جائے۔ تم دیکھو گے کہ میں عنقریب اُس پہ ایسا عتاب کرونگا جو قتل سے بدتر ہوگا۔ چنانچہ وہ ہمیشہ ابو عثمان سے وعدہ و وعید کرتے رہے اور جو کچھ اُن کے دل میں تھا اُس کو ظاہر نہ ہونے دیا۔

تیسرے شخص جنہوں نے اُن کے قیام دولت میں بہت کوشش کی وہ ابو عثمان کے خسر عبداللہ بن خالد تھے۔ اُنھوں نے ابو الصباح رئیس یمانیہ سے ساز باز کیا۔ ابو الصباح مقتول ہوا، اور عبدالرحمن بن خالد معزول کر دیئے گئے۔ اس کے بعد اُنھوں نے قسم کھائی کہ میں کبھی کسی بادشاہ کی ملازمت کے پاس بھی نہ پھٹکونگا چنانچہ وہ گوشۂ خمول میں مر گئے۔

چوتھے آدمی جو نصرت و اختصاص میں کسی سے کم نہ تھے تمام بن علقمہ تھے۔ جنھوں نے سمندر پار جا کر اُن کے استحکام کی خوش خبری اُن کو دی تھی۔ ہشام بن عبدالرحمن نے تمام بن علقمہ کو نیز ابو عثمان کے بیٹے کو قتل کر ڈالا۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ اُن دونوں نے آخر سب سے بڑے آدمی کے ہاتوں اپنے بیٹے کھو دیئے، اور اُن کو خدا نے دکھلا دیا کہ کوئی شخص اپنے عاقبت بخیر ہونے کی امید نہ رکھے۔ اگر کوئی شخص اچھی طرح تتبع کرے تو اُس کو معلوم ہوگا کہ جو شخص کسی بادشاہ کے قیام دولت کی کوشش کرتا ہے اُس کا یہی حال ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔

عبدالرحمن الداخل کے سب سے پہلے حاجب تمام بن علقمہ اُن کے غلام تھے۔ جنھوں نے بہت طویل عمر پائی۔ پھر یوسف بن بخت فارسی، عبدالملک بن مروان کے غلام، حاجب ہوئے۔ ان کی اولاد قرطبہ میں خوب پھلی پھولی۔ پھر عبدالکریم ابن مہران، جو حرث بن ابو شمر الغسانی کی اولاد تھے، حاجب ہوئے۔ ان کے بعد عبدالرحمن بن مغیث بن الحرث بن حویرث بن جبلہ بن الایہم الغسانی حاجب ہوئے۔ ان کے باپ مغیث فاتح قرطبہ تھے

جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ ان کے بعد منصور خصی نے حجابت کی۔ یہ سب سے پہلا خصی تھا جس نے اندلس کے خاندان مروانیہ کی حجابت کی ہے۔ عبدالرحمن الداخل کے مرنے تک یہ شخص حاجب رہا۔

جو لوگ کہ عبدالرحمن الداخل کے وزراء میں شامل کئے جانے کے قابل ہیں، اور جن سے وہ مشورہ لیتے تھے وہ یہ ہیں۔ سب سے پہلے ابوعثمان پھر عبداللہ بن خالد، جن کا ذکر گزر چکا ہے۔ پھر ابوعبدہ، صاحب اشبیلیہ۔ پھر شہید بن عیسیٰ بن شہید، معاویہ بن مروان بن الحکم کے غلام، جو بربری قیدیوں میں سے تھے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ رومی تھے۔ فضلاء بنو شہید ان ہی کی نسل سے تھے۔ پھر عبدالسلام بن لبسیل رومی جو عبداللہ بن معاویہ کے غلام تھے۔ ان کے بیٹے نے وزارت وغیرہ میں بہت بڑی عزت پائی تھی۔ پھر ثعلبہ بن عبید بن نظام الجذامی صاحب سرقسطہ۔ پھر عاصم بن مسلم الثقفی، جو اُن کے سب سے بڑے حامیوں میں سے تھے۔ یہی شخص تھے جو واقعہ قرطبہ کے دن نہر میں کود پڑے تھے حالانکہ وہ تیرنا نہ جانتے تھے۔ ان کی اولاد نے دولت میں بہت شہرت پائی۔

اُن کے سب سے پہلے کاتب، بعد از تسلط قرطبہ، ابوعثمان اور اُن کے ساتھی عبداللہ بن خالد تھے جن کا ذکر گزر چکا ہے۔ ان کے بعد امیہ بن یزید، جو معاویہ بن مروان کے غلام تھے، اس عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ ان سے بھی امیر عبدالرحمن مشورہ لیا کرتے تھے، اور ان کی رائے کو فضیلت دیا کرتے تھے۔ پہلے یہ یوسف الفہری کے کاتب بھی رہ چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ یزید ہی نے جو امیر عبدالرحمن کے انتزاع دولت کیلئے سازش کی تھی اُس میں یہ بھی شریک تھے اتفاق سے یہ یزید ہی کے قتل اور امیر کو اطلاع پہونچنے سے قبل ہی مر گئے۔

ابن زیدون نے لکھا ہے کہ الداخل نے چند روز کے لئے قاضی جماعۃ قرطبہ کے عہدہ پر یحییٰ بن یزید الیحصبی کو مقرر کیا اور اُن کے بعد ابوعمرو معاویہ بن صالح الحمصی کو۔ پھر عمر بن شراحیل کو پھر عبدالرحمن بن طریف کو۔ جدار بن عمرو کو فوج کی قضاء سپرد تھی۔

قیام سلطنت کے بعد سے لیکر اس وقت تک کہ الداخل کے اعزاء و اقربا یعنی بنو مروان

نہ آئے وہ بہت آرام سے رہے۔ ان لوگوں نے آکر طرح طرح پر اُنھیں تنگ کیا۔ مگر خدا تعالیٰ ہمیشہ اُن کی مدد کرتا رہا۔ بنو ہشام بن عبدالملک میں سے جو لوگ اُن کے پاس آئے اُن میں سے اُن کے بھائی ولید بن معاویہ اور چچیرے بھائی عبدالسلام بن یزید بن ہشام تھے۔ ابن حیان کہتے ہیں کہ ۱۶۳ھ ہجری میں امیر عبدالرحمن نے عبدالسلام ابن یزید بن ہشام المعروف بہ یزیدی کو قتل کیا۔ اور اُن ہی کے ساتھ اُن لوگوں کو جو اُن کے پاس آئے تھے مثل عبیداللہ بن ابان بن معاویہ بن ہشام المعروف بہ یزیدی کے جو الداخل کے بھتیجے تھے۔ اور اس تدبیر میں تھے کہ انتزاع سلطنت کر دیں۔ مگر عبیداللہ بن ابان کے غلام نے آکر امیر عبدالرحمن سے خوب جھوٹی سچی باتیں جڑ دیں۔ حالانکہ وہ اس سازش میں خود شریک تھا۔ اور آخر اُن کو اپنے مقصود میں کامیاب نہ ہونے دیا۔

حجاری کہتے ہیں کہ الداخل اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ "سب سے بڑی جو نعمت مجھے خدا تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ بعد اس کے کہ مجھے سلطنت عنایت کی یہ ہے کہ مجھے اُس نے اس قابل کیا کہ جو میرے عزیز و اقارب آتے ہیں اُن کو میں فائدہ پہونچا سکتا ہوں اور اُن پر احسان کر سکتا ہوں اُن کی آنکھوں کانوں اور دلوں میں میری عظمت ڈال دی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے سلطنت عطا فرمائی ہے اور اس میں اُن میں سے کسی کا میرے اوپر احسان نہیں ہے"۔

ابن حزم نے لکھا ہے کہ جو لوگ امیر عبدالرحمن کی خدمت میں حاضر آئے اُن میں ایک اُن کے بھتیجے مغیرہ بن الولید بن معاویہ تھے۔ بعد میں اُنہوں نے اپنے لئے سلطنت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ۱۶۷ھ ہجری میں امیر عبدالرحمن نے اُن کو مع اُن کے ساتھی ہذیل ابن الصمیل بن حاتم کے قتل کر دیا۔ اور اپنے بھائی ولید بن معاویہ (والد مغیرہ مذکور) کو معہ اُن کے مال۔ بیٹے اور اہل کے ملک بدر کر کے ملک بربر میں بھجوا دیا۔ مسبب میں ہے کہ عبدالرحمن کے ایک خاص غلام نے بیان کیا کہ "اُن کے بھتیجے مغیرہ کے قتل کے تھوڑی ہی دیر کے بعد میں اُن کی خدمت میں گیا تو دیکھا کہ وہ سر نیچا کئے ہوئے نہایت رنج و غم کی حالت

میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے دیکھکر سر اونچا کیا اور کہنے لگے کہ مجھے ان لوگوں سے سخت تعجب ہوتا ہے۔ ہم نے یہ کوشش کی کہ امن اور نعمت بڑھے۔ ہم نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا یہاں تک کہ ہم نے اپنا مطلوب حاصل کر لیا۔ خدا تعالےٰ نے ہم کو یکتا بنایا ہے اس میں ہم نے اُن سے شرکت کی۔ یہاں تک کہ اُن کو امن نصیب ہو گیا اور طرح طرح کی نعمتیں حاصل ہوئیں تو اُن کے دماغ بگڑ گئے متکبر ہو گئے۔ اور لگے اونچ کی لینے۔ اور جو کچھ خدا تعالےٰ نے ہم کو عطا فرمایا ہے اُس میں جھگڑا کرنے۔ آخر خدا تعالےٰ نے اُن کے کفران نعمت کی وجہ سے اُن کو خراب کیا جب ہم کو اُن کے عیبوں کی اطلاع ہوئی تو اُن کے علاج میں جلدی کی تاکہ وہ ہم پر دست درازی نہ کر سکیں۔ اُن کو ہم سے سوءظن تھا اور ہم کو اُن سے بدگمانی وہ چاہتے تھے کہ ہم بدل جائیں اس معاملہ میں سب سے اشد میرا بھائی اس مقتول مخذول کا باپ تھا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے اُس کے باپ کا دل میری طرف سے ٹھنڈا رہ سکے بعد اس کے کہ اس کا بیٹا مارا گیا اور قطع رحم ہو گیا۔ میری آنکھیں اُس کی آنکھوں سے دوچار نہیں ہو سکتیں۔ تم اُسی وقت اُس کے پاس چلے جاؤ۔ میری طرف عذر خواہی کرنا اور یہ پانچہزار دینار اُس کو دیکر کہہ دینا کہ تم اس جزیرہ سے نکل کر جہاں چاہو چلے جاؤ۔" یہ غلام کہتا ہے کہ "جب میں اُن کے بھائی کے پاس پہونچا تو اُن کو مُردوں جیسا پایا۔ میں نے اُن کو بہت تسکین و تسلی دیکر پانچہزار دینار اُن کو دیئے اور پیغام پہونچایا۔ اُنھوں نے ایک ٹھنڈا سانس کھینچ کر کہا کہ "یہ منحوس اپنی ہی ذات کے لئے منحوس نہیں ہوا بلکہ مجھے بھی اپنی نحوست میں گرفتار کر گیا۔ میرے اس عاق شدہ بیٹے نے جو کچھ کیا اُس شخص (یعنی اپنے باپ) سے چھپا کر کیا جو ہر حالت میں اس کا خیر طلب ہو سکتا ہے اور اُس گھر کی بنیاد اُکھاڑنے کی کوشش کی جس کی سایہ میں وہ بیٹھتا تھا۔ لاحول و لاقوۃ الا باللہ۔ اُس کی قضا کو روکنے والا کوئی نہیں ہے۔" یہ کہہ کر اُنھوں نے کہا کہ "میں خود وہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔" یہ غلام کہتا ہے کہ "میں امیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ دیکھا سُنا تھا وہ بیان کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ اُس نے جو کچھ کہا بالکل صحیح کہا۔ لیکن وہ مجھے ایسی

چکنی چپڑی باتیں کرکے دہوکا نہیں دے سکتا۔ جو کچھ اُس کے دل میں ہی میں جانتا ہوں۔ واللہ اگر اس کا بس چلے تو میرا خون پی جائے۔ اور اس میں کبھی کمی نہ کرے۔ خدا کا شکر ہی کہ ہم نے جو کچھ چاہا اُس میں خدا تعالے نے ہماری مدد کی اور جو کچھ اُنہوں نے نیت کی اُس میں وہ ذلیل ہوئے"

واضح ہو کہ عبدالرحمن الداخل کے زمانہ میں بنو امیہ کی ایک بہت بڑی جماعت اندلس میں آئی۔ مورخین نے اُن میں سے بہت سے آدمیوں کے نام لکھے ہیں۔ اور اُن کی اولاد کا ذکر کیا ہی۔ جو اندلس میں تھی۔ ان ہی میں جَبری بن عبدالعزیز، عمرو بن عبدالعزیز کے بھائی تھے ان کا ذکر ہم ابھی کرینگے۔

اہل عرب میں سے بہت سے لوگوں نے عبدالرحمن الداخل پر خروج کیا جن پر خدا تعالیٰ نے الداخل کو فتح عطا فرمائی۔ بعض کا ذکر تو اوپر گزر چکا ہی۔ منجملہ اُن کے ایک الدعی الفاطمی البربری شنت مریہ کا رہنے والا تھا۔ اس شخص کا شر کئی سال برابر جاری رہا مگر آخر وہ قتل کردیا گیا۔ ایک اور شخص حیوہ بن ملابس الحضرمی رئیس اشبیلیہ اور عبدالغفار بن حمید الیحصبی، رئیس لبلہ، عمرو بن طالوت رئیس باجہ ہیں جو سب کے سب جمع ہوکر قرطبہ کی طرف رئیس یمانیہ ابوالصباح کے خون کا بدلہ لینے کے لیئے بڑہے۔ ان کو ہزیمت سخت ہوئی اور قتل ہوگئے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ بھاگ گئے تھے اور عبدالرحمن الداخل نے ان کو معاف کردیا تھا۔ سنہ ۱۵۰ھ ہجری میں سرقسطہ میں حسین بن یحیی بن سعید بن عبادہ الخزرجی نے خروج کیا۔ ان کے ساتھ سلیمان بن یقظان الاعرابی الکلبی بھی ہوگیا نتیجہ یہ ہوا کہ حسین اور سلیمان دونوں کو ناکامی ہوئی اور حسین مارا گیا۔ جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں۔ سنہ ۱۶۳ھ ہجری میں وماحس بن عبدالعزیز الکنانی نے جزیرہ خضرا میں سر اُٹھایا عبدالرحمن الداخل بذات خاص اس کے مقابلہ کے لیئے گئے دریا کے راستے سے مشرق کی طرف بھاگ گیا۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن الداخل ۱۱۳ھ ہجری میں بمقام دیر حنا واقع دمشق پیدا ہوئے۔ یہیں اُن کے والد معاویہ نے امیر المومنین ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں انتقال کیا۔ معاویہ کو ہشام نے خلافت کے لیئے تربیت کیا تھا۔ اور ان کی قبر پر کمیت شاعر نے مجاورت کی تھی جبکہ ہشام نے اُس کا خون معاف کر دیا تھا۔ الداخل نے ۲۴ ربیع الآخر ۱۷۲ھ میں بعمر ۵۷ سال چار ماہ۔ اور بقول بعض ۶۲ سال انتقال کیا اور قرطبہ کے قصر میں دفن ہوئے۔ ان کی نماز جنازہ اُن کے بیٹے عبداللہ نے پڑھائی۔ یہ اپنے دشمنوں پر ہمیشہ مظفر و منصور ہے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مورخین نے لکھا ہی کہ جو رایت کہ اُن کے واسطے اس وقت اندلس میں تیار ہوا تھا کہ جب وہ اس ملک میں داخل ہوئے تھے اُس نے کبھی ہزیمت نہیں پائی۔ خاندان بنو امیہ کا انحطاط اس رایت کے گم ہونے کے بعد شروع ہوا۔ مورخین اندلس نے اور بھی بہت کچھ لکھا ہی جس کی تصدیق ابو مروان بن حیان جیسے ثقہ آدمی نے کی ہی۔

ہم بعض حالات اور بیان کرتے ہیں بعض مورخین ملک مغرب نے ابن حیان کے قول کے بعد جو اوپر گزر چکا ہی (جس میں اُن کے عالم، شاعر، قوت فیصلہ، اور سفید لباس کے پہننے اور پسند کرنے کا ذکر ہی) لکھا ہی کہ عبدالرحمٰن الداخل نے فوجوں کی ترتیب کی، رایات منعقد کیئے، حاجب و کاتب مقرر کیئے۔ ان کی فوج کی تعداد ایک لاکھ سوار تک پہونچ چکی تھی۔

عبدالرحمٰن الداخل کے اندلس میں پہونچنے کا جو کچھ حال ان مورخین نے لکھا ہی اُس کا خلاصہ یہ ہی کہ جب بنو العباس نے بنو امیہ کی تلاش میں سختی سے کام لیا تو یہ لوگ چھپ کر مصر میں پہونچ گئے۔ یہاں بھی ان کی تجسس میں سختی ہوئی تو عبدالرحمٰن کسی حیلہ سے قرطبہ پہونچے مگر یہاں بھی چین نہ پائی اور اِدھر اُدھر مارے پھرتے پھرتے مغرب اقصی پہونچ کر نفزہ میں ٹھیرے، جو اُن کی ننہال تھی۔ چند ہی روز یہاں ٹھیر کر مغیلہ چلے گئے، جو ساحل

دریا پر واقع تھا۔ یہاں سے اپنے غلام بدر کو ایک خط دیکر اپنے حامیوں، مثل عبیداللہ بن عثمان و عبداللہ بن خالد و تمام بن علقمہ وغیرہ کے پاس بھیجا۔ ان لوگوں نے ان کو بخوشی خاطر قبول کیا اور ایک جہاز خریدا۔ اُس پر ضروریات کی چیزیں مہیا کیں۔ بدر کو اُس پر سوار کرکے اور پانسو دینار بطور زادراہ کے دیکر اُن کے ساتھ علقمہ بن تمام کو روانہ کردیا۔
عبدالرحمن ساحل بحر پر مغرب کی نماز کے لیئے وضو کر رہے تھے کہ اُنھوں نے دور سے سمندر کی لہروں میں ایک جہاز کو آتے دیکھا جو ان کے سامنے ہی لنگر انداز ہوا۔ بدر تیر کر اُدھر آیا اور آتے ہی اُن کو تمام تیاریوں کی خوش خبری دی، اور یہ بیان کیا کہ بہت سے آدمیوں نے بنو امیہ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس اثنا میں تمام اپنے اور ساتھیوں کو لیکر آگئے۔ عبدالرحمن نے تمام سے نام اور کنیت پوچھا۔ اُنھوں نے کہا کہ میرا نام تمام ہے اور ابو غالب کنیت۔
عبدالرحمن نے کہا کہ "ہمارا کام پورا ہوا اور ہم دشمنوں پر غالب ہوئے، انشاءاللہ تعالےٰ"
پھر یہ سب لوگ عبدالرحمن کے ساتھیوں کو لیکر جہاز پر سوار ہوئے، اور غرہ ربیع الاول سنہ ۱۳۸ ہجری کو منکب میں جا اُترے۔ جب اُن کے آنے کی اطلاع بنو امیہ کے حامیوں کو پہونچی تو عبیداللہ بن عثمان اور ایک جماعت نہایت عظمت و اکرام کے ساتھ اُن سے ملے۔ یہ وقت نماز عصر کا تھا۔ الداخل نے اُن کے ساتھ مل کر نماز پڑہی اور سب لوگ سوار ہو کر بیرہ سے قریہ طرش میں جا کر ٹھہرے۔ یہاں معززین موالی اور بعض اہل عرب اون سے آملے اور اُن سے بعیت کر لی۔ یہانتک کہ چھ سوار کی جمعیت اُن کے پاس ہو گئی۔
یہاں سے نکل کر وہ ریہ پہونچے۔ یہاں کے لوگوں نے بھی اُن سے بعیت کر لی، اور اُن کی جمعیت اور فوج میں شامل ہوگئے۔ یہاں سے وہ شذانہ گئے، وہاں سے مدور اور وہاں سے اشبیلیہ۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ جب عبدالرحمن نے اندلس آکر قرطبہ جانے کا قصد کیا تو لبلشانہ میں ٹھیرے۔ یہاں لوگوں نے ان سے کہا کہ ایک لواء بنانا چاہیے لوگ ایک عمامہ اور ایک نیزہ لے آئے۔ لیکن پھر سب لوگوں کو یہ بات ناپسند ہوئی

کیونکہ اندیشہ تھا کہ یہ نیزہ عمامہ کے اُڑنے کی وجہ سے جھک یا ٹوٹ نہ جائے۔ اس لیئے
اُنہوں نے اُسکو دو زیتون کے درختوں میں سے ایک کے سہارے سے لگا کر کھڑا
کر دیا۔ ایک شخص درخت پر چڑھا اور سب سے اونچے گدھے پر لواء کو منعقد کر دیا۔ عبدالرحمن
اور اُن کی اولاد نے اس لواء کو باعث برکت سمجھا جب یہ لواء پھٹ جاتا تو اُس پر نیا
کپڑا چڑھا دیتے، مگر پہلے کو جُدا نہ کرتے۔ وہ پُرانا کپڑا برابر قائم رہا۔ یہانتک کہ عبدالرحمن
بن الحکم بن ہشام بن عبدالرحمن الداخل بقول بعض، محمد بن عبدالرحمن بن حکم بن ہشام بن
عبدالرحمن الداخل کا زمانہ آیا تو وزراء نے یہ راء دی کہ نیا لواء بنایا جائے۔ پُرانے لواء
کو دیکھا تو اُس میں پھٹے پُرانے چیتھڑے ایک دوسرے سے گتھے ہوئے پائے۔ ان لوگوں
نے از روئے جہل ان چیتھڑوں کو ذلیل سمجھا۔ اور حکم دیا کہ ان کو نکال پھینک دیا جائے۔
اور بجائے اُس کے نیا کپڑا لگایا جائے۔ ان میں سب سے بوڑھے آدمی جہور بن یوسف
بن بخت اوس روز غیر حاضر تھے۔ دوسرے روز آئے تو اُن سے یہ قصہ بیان کیا گیا۔
اُنہوں نے اس کی سخت مخالفت کی، اور جو کچھ کیا گیا تھا اوس کو بہت بُرا بھلا کہا، اور کہا
کہ تم لوگ ان چیتھڑوں کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔ تمہیں چاہیئے تھا کہ اتنی دیر تو توقف
کرتے کہ بوڑھے بڑوں سے راء لے لیتے اور اس معاملہ میں غور کر لیتے"۔ اُنہوں نے
اس پُرانے لواء کا اُن سے تمام قصہ بیان کیا۔ اب جو اُن چیتھڑوں کی تلاش ہوئی تو وہ
نہ ملے۔ لوگ کہتے ہیں، اور اسکی تائید ابن حیان کرتے ہیں، کہ اسی روز سے سلطنت
بنوامیہ میں گھن لگ گیا۔

سب سے پہلے عبداللہ بن خالد نے، جو بنوامیہ کے موالی میں سے تھے، اس لواء کو بنایا تھا
اُن ہی کے والد خالد نے مروان بن الحکم یعنی عبدالرحمن کے دادا کا لواء تیار کیا تھا۔ جب
بنوامیہ اور بنو کلب، بعد از انقراض دولت بنو حرب، اُن کے حامی بنے تھے؛ اور یوم
مرج راہط کو ضحاک بن قیس الفہری پر چڑھائی کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ضحاک پر فتح ہوئی

اور وہ قتل کر دیا گیا۔

غرض جب بادشاہ وقت کو اس لوا ر کا قصہ معلوم ہوا تو اُن کو بہت ہی سخت رنج ہوا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس لوار کے ٹوٹ جانے سے گویا اُن کی کمر ٹوٹ گئی۔ کیونکہ لوگ یہ کہتے تھے کہ اقتضاء حکمت الٰہی یہ تھا کہ جو فوج اُس کے سایہ میں گئی اُس کو کبھی ہزیمت نہیں ہوئی نہ کبھی کوئی فکر اُس فوج پر آ کر پڑا۔

عبدالرحمٰن الداخل کے عہد خلافت میں اس لوار کے علمبردار ابو سلیمان داؤد الانصاری رہے۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے۔ محمد بن عبدالرحمٰن کے زمانہ خلافت تک علم بردار رہے۔

جب عبدالرحمٰن الداخل کا مقابلہ امیر اندلس "یوسف الفہری" سے قرطبہ کے قریب ہوا اور آپس میں خط و کتابت ہوئی تو اُنھوں نے عرفہ ۱۳۸ہجری میں یوسف کو دھوکا دیا یعنی عبدالرحمٰن نے یہ ظاہر کیا کہ ہم نے صلح مان لی ہے۔ لوگ رات کو باطمینان سو گئے۔ صبح کو عید تھی۔ اصل بات جو تھی وہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ اور چپکے چپکے جنگ کی تیاریاں کرتے رہے۔ جب صبح عید الضحیٰ ہوئی تو بھی خبر نہ ہوئی تا کہ لوگوں کو غافل رکھیں۔ ادہر عبدالرحمٰن نے خالد بن زید الکاتب "یوسف کے ایلچی" کو جماعت پر مقرر کیا اور اون کو حکم دیا کہ اگر موقعہ ملے تو یوسف کی گردن مار دیں، ورنہ خیر۔ خالد کہتے تھے کہ اُس وقت مجھے سب سے زیادہ یہ امر مجبوب تھا کہ کسی طرح عبدالرحمٰن کا جو میرے دوست یوسف کے دشمن تھے غلبہ ہو جائے، عبدالرحمٰن خود ایک گھوڑے پر سوار ہوئے۔ گروہ یمانیہ اُن کے مددگار تھے اون کو کہا کرتے تھے کہ اس نوجوان کو جس کی ران کے نیچے یہ گھوڑا ہے ہمیں ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں پہلے ہی حملہ میں اس کو شکست نہ ہو جائے۔ عبدالرحمٰن کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے آ کر اُن لوگوں کا قول بیان کیا۔ اُنہوں نے ابو الصباح کو بلایا جنکے پاس اشہب رنگ کا ایک خچر کوکب نامی تھا۔ اور اُن سے کہا کہ میرا یہ گھوڑا ایسا

بے چین ہے کہ اس پر بیٹھ کر تیر اندازی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تم اپنا سدھا ہوا خچر مجھے دیدو اُنہوں نے اس کی تعمیل کی۔ اور عبدالرحمٰن جب اس پر سوار ہوئے تو اُن کے ساتھیوں کو اطمینان ہوا۔

غرض عبدالرحمٰن نے لوگوں سے پوچھا کہ آج کیا دن ہے اُنہوں نے کہا کہ آج جمعرات ہے، اور عرفہ۔ اُنہوں نے کہا کہ کل جمعہ کے روز عید الضحٰی ہوگی۔ اور اموی و فہری، قیسی و یمنی فوجوں کا مقابلہ ہے۔ یہ دن بہت ہی سخت اور یوم مرج راہط جیسا ہے۔ اس لیئے تم لوگ خوش ہو جاؤ، اور پوری کوشش کرو۔ اس کے بعد اُنہوں نے یوم مرج راہط کا تذکرہ کیا جس میں اُن کے دادا مروان بن الحکم اور ضحاک بن قیس الفہری کے درمیان میں معرکہ ہوا تھا اس روز بھی جمعہ اور عید الضحٰی کا دن تھا۔ اس میں مروان کو ضحاک پر فتح حاصل ہوئی تھی، اور موخرالذکر کے ساتھ ستر ہزار آدمی قبائل قیس اور اُن کے احلاف کے مارے گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ اُس واقعہ میں قبیلہ قیس سے مروان کے ساتھ صرف تین آدمی تھے، یعنی عبدالرحمٰن بن مسعدۃ الفزاری، ابن ہبیرۃ المحاربی، اور صالح العنوی اسی طرح عبدالرحمٰن الداخل کے ساتھ بھی واقعہ یوم المصارۃ، غربی قرطبہ میں تین ہی آدمی قبیلہ قیس کے تھے، یعنی جابر بن العلاء بن شہاب، حصین بن الدجن العقیلیان، اور ہلال بن الطفیل العبدی۔ اس واقعہ میں فتح عبدالرحمٰن کے ہاتھ رہی اور یوسف کو ہزیمت ہوئی صمیل بن حاتم تھوڑی دیر تو صبر کئے رہے، پھر وہ اپنے سُرخ رنگ خچر پر سوار ہو کر عبدالرحمٰن سے مقابل ہوئے لیکن ابو عطاء نے درمیان میں حائل ہو کر کہا کہ "اے ابو جوشن! ذرا اپنے دل میں غور کرو۔ آج کا دن بالکل یوم مرج راہط جیسا ہے۔ اموی، فہری، کلبی یمنی، قیسی، ایک دوسرے سے مقابلہ ہے اور وہی جمعہ اور عید کا دن ہے" صمیل نے کہا کہ تم کو غرور پیدا ہوا ہے، اور تمہارا علم تمکو دھوکا دے رہا ہے۔ دیکھو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔" ابو عطاء نے ذرا زور کا حملہ کیا جس سے صمیل کو ہزیمت ہوئی اور عبدالرحمٰن

قرطبہ کے مالک ہو گئے۔

یوسف الفہری، عبدالرحمن بن حبیب بن ابی عبیدہ بن عقبہ بن نافع الفہری کے بیٹے تھے۔ اور عقبہ بن نافع بانی قیروان تھے۔ اُس زمانہ میں امیر معاویہ افریقہ و مغرب کے حاکم تھے جیسا کہ مشہور ہے۔ صمیل بیٹے تھے حاتم بن شمر بن ذوالجوشن کے۔ بعض ان کا شجرہ نسب یہ بیان کرتے ہیں کہ صمیل بن حاتم بن عمرو بن جندع بن شمر بن ذوالجوشن۔ موخرالاسم کوفہ کے اشراف میں سے تھا، اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالے عنہ کے قاتلین میں سے ایک تھا۔ صمیل اُس زمانہ میں اندلس آیا تھا کہ جب کلثوم بن عیاض اس ملک میں لڑتے بھڑتے پہنچے تھے۔ صمیل شاعر تھے، اور کثیرالسکر۔ ان پڑھے، لکھنا نہیں جانتے تھے۔ باوجود اس کے ایک زمانہ تک وہ اہل عرب مقیمان اندلس کے سرگردہ رہے ہیں۔ امیر یوسف الفہری اُن کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ فہری ۱۲۹ھ ہجری میں اندلس کے امیر ہوئے تھے۔ نو سال نو ماہ اُنہوں نے حکومت کی، اور جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں سلطنت اندلس بنوامیہ کے قبضہ میں آگئی، جو ۴۰۰ھ ہجری کے بعد تک نہایت شان و شوکت کے ساتھ قائم رہی اس کے بعد شیرازہ بکھر گیا، ملک ہاتھ سے نکل گیا، جیسا کہ اور اقوام سابقہ کا انجام ہو چکا ہے یہ خدائے تعالے کی سنت ہے کہ جسکو اُس نے اپنے بندوں پر جاری فرما رکھا ہے۔

فتح اندلس سے لیکر۔ یوسف فہری اور صمیل کی ہزیمت اور عبدالرحمن اوسالداخل کے تسلط تک ۴۶ سال دو ماہ پانچ دن امراء نے اس ملک پر حکومت کی۔ کیونکہ رشوال ۹۲ھ ہجری کو اندلس فتح ہوا۔ اور عید الضحیٰ ۱۰ ذوالحجہ ۱۳۸ھ ہجری کو یوسف نے ہزیمت پائی۔ واللہ غالب علیٰ امرہ۔

کہتے ہیں کہ عبدالرحمن الداخل بن معاویہ ایک روز اپنے دادا ہشام اور اُن کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کے پاس گئے۔ اُن دنوں عبدالرحمن بچے تھے۔ ہشام نے اُن سے کہا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ مسلمہ نے کہا کہ امیرالمومنین انہیں یہیں کھیلنے

دیجیئے" - پھر اُن کو اپنے سینہ سے لگا کر کہا "امیر المومنین یہ بنو امیہ کا چراغ ہے، جب اُنکے ملک کو زوال آجائیگا تو یہی اُن کا نام باقی رکھیگا" - یہ سُنکر دادا نے بھی اُن کو پیار کیا۔ عبدالرحمٰن الداخل کہتے تھے کہ اُس روز کے بعد پھر کبھی میرے دادا نے مجھے نہیں دھمکایا۔

عبدالرحمٰن الداخل بہت کچھ ابو جعفر المنصور سے مماثلت رکھتے تھے۔ قوت ارادہ، سختی، ضبط ملک کی صفات دونوں میں یکساں تھیں۔ دونوں کی تین بربری تھیں۔ دونوں نے اپنے اپنے بھتیجوں کو قتل کرایا، یعنی منصور نے سفاح کے بیٹے کو، اور عبدالرحمٰن الداخل نے اپنے بھتیجے مغیرہ بن ولید ابن معاویہ کو۔

عبدالرحمٰن الداخل نے کھجور کا ایک درخت رصافہ میں دیکھا، اُن سے نہ رہا گیا، تو اُنھوں نے یہ شعر کہے جو بہت مشہور ہیں -

تبدت لنا وسط الرصافة نخلة	تناءت بارض الغرب عن بلد النخل
فقلت شبیہی فی التغرب والنوی	وطول اکتئابی عن بنی وعن اھلی
نشات بارض انت فیھا غریبۃ	فمثلک فی الاقصاء والمنتای مثلی
سقتک غوادی المزن فی المنتای الذی	یصح ویستمری المساکین بالوبل

اُن کا نقش خاتم تھا "باللہ یثق عبدالرحمٰن وبہ تعیم"

عبدالرحمٰن الداخل نے ۱۶۳ھ ہجری میں ارادہ کیا تھا کہ ملک شام پر حملہ کر کے اسکو بنو العباس کے ہاتھ سے نکال لیں۔ اپنے اہل بیت اور حمایتیوں سے اس معاملہ میں خط وکتابت کر چکے تھے۔ قصد یہ تھا کہ اپنے پیچھے اپنے بیٹے سلیمان کو اندلس پر چھوڑ جائیں اور ایک فوج لیکر شام پہونچیں۔ مگر بہ سبب اسکے کہ حسن انصاری نے سرقسطہ میں سر اُٹھایا فسخ عزمیت کرنا پڑا۔

الداخل کے حالات بہت طویل ہیں ہم صرف اُن ہی پر قناعت کرتے ہیں جو ضروری تھے و اللہ تعالےٰ الموفق للصواب۔

منجملہ واردا خلین اندلس کے ایک :۔

عبدالملک بن عمر بن مردان بن الحکم الاموی ہیں ملک شام چھوڑ کر بنو العباس کے خوف سے بھاگے۔ پہلے مصر میں گئے، وہاں سے اندلس آ گئے۔ یہاں عبدالرحمٰن الداخل نے اُن کا اعزاز و اکرام کیا اور اُن کو اشبلیہ کا حاکم بنا دیا۔ اُنہوں نے جب دیکھا کہ عبدالرحمٰن خطبوں میں ابو جعفر منصور کا نام لیتے اور اُن کے واسطے دعا کرتے ہیں تو انھوں نے جو سلوک عباسیوں کا امویوں کے ساتھ تھا یاد دلایا۔ مگر عبدالرحمٰن نے چنداں پرواہ نہیں کی۔ آخر عبدالملک نے کہا کہ اگر میرا کہا نہ مانوگے تو میں خودکشی کر لونگا۔ اس پر ابو جعفر المنصور کے نام کا خطبہ بند کیا گیا۔ عبدالرحمٰن کے تسلط کے بعد دس ماہ تک ابو جعفر کا خطبہ پڑھا جاتا رہا۔

جب اہل غرب الاندلس نے قرطبہ یعنی امیر عبدالرحمٰن پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو عبدالرحمٰن نے عبدالملک کو ایک بہت بڑی فوج دیکر اُن کے مقابلہ کے لیئے بھیجا۔ اُنہوں نے اپنے بیٹے اُمیہ کو ایک بڑے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا۔ یہ ناتجربہ کار تو تھا ہی دشمن کی جمعیت و قوت دیکھ کر ایسا رعب میں آیا کہ شکست کھا گیا۔ باپ کے پاس آیا تو اُن کو سخت رنج ہوا اور اُنھوں نے بیٹے سے کہا کہ "تو نے یہ کیا کیا کہ مجھے خفیف کر دیا، اور دشمنوں کو اور بھی جرأت دلا دی؟ افسوس ہے کہ تو موت سے بھاگ کر میرے پاس آیا ہے، مگر اس سے تو بچ نہیں سکتا"۔ اس تقریر کے بعد حکم دیا کہ اُس کی گردن مار دی جائے۔ پھر اپنے اہل بیت اور خاص لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ "ہم مشرق سے نکالے جا کر اس دور دراز ملک میں سد رمق حاصل کرنے آئے ہیں۔ یہاں ہم کو تلوا کے گھاٹ اُتارے جانے کی تیاری ہے۔ اس سے موت ہی اچھی ہے۔ اگر یہ پسند نہیں تو فتح و ظفر حاصل کرو"۔ یہ سُنکر لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور دشمنوں کو ایسی ہزیمت دی کہ اس کے بعد اُن کے قدم نہ جمے۔ فریقین کے تیس ہزار آدمی مارے گئے، اور خود

عبدالملک بھی زخمی ہوئے۔ امیر عبدالرحمٰن اُن کے پاس اس حالت میں آئے کہ ادھر اُنکے زخموں سے خون بہہ رہا تھا اوہر اُن کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا۔ امیر نے اُن کی پیشانی پر بوسہ دیا، بہت شکریہ ادا کیا، اور اُن سے کہا کہ مَیں اپنے بیٹے اور ولیعہد ہشام، کا نکاح تمہاری بیٹی سے کرتا ہوں اور اُسکو فلاں فلاں چیز دیتا ہوں۔ تمہیں فلاں فلاں چیز اور تمہاری اولاد کو فلاں۔ فلاں جاگیر تمہیں اور فلاں تمہاری اولاد کو۔ اور تمہیں وزارت کے عہدہ پر مقرر کرتا ہوں۔

منصور ابن ابی عامر کے بہت سے حالات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ایک عجیب واقعہ اُسکے زمانہ کا یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ میں نے فاس کے کتب خانہ میں ایک کتاب دیکھی جو منصور کے ایک مصاحب نے پھولوں وغیرہ کے بیان میں لکھی ہے۔ اس کتاب میں نیلوفر کے ذیل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شاہِ روم نے جو اُس زمانہ میں عیسائیوں کا سب سے بڑا بادشاہ تھا اپنا ایک ایلچی اس غرض سے منصور کی خدمت میں بھیجا کہ مسلمانوں کے حالات دیکھے اور اُن کی قوت کا اندازہ کرے۔ منصور نے حکم دیا کہ بڑی حوض میں حکم دیا جائے بھر چار قنطار سونے اور چار ہی قنطار چاندی کے چھوٹے چھوٹے پترے منگواکر حوض میں چھڑکوا دئیے جو نیلوفروں کے اوپر بیٹھ گئے۔ دوسرے روز عیسائی ایلچی کو اول صبح کے وقت بلوایا، اور اُسی حوض پر دربار کیا جب آفتاب نکلا تو ایک ہزار صقلبی غلام سونے چاندی کے طشت لیئے ہوئے پہنچے۔ ادھر نیلوفر ادھرے جن میں سے ہر ایک کے پھول پر سونا اور چاندی رکھا ہوا تھا۔ ان غلاموں میں سے پانچسو نے سونے کے، اور پانچسو نے سونے چاندی کے پترے چن چن کر اپنے اپنے طباقوں میں رکھے اور منصور کے سامنے پیش کر دیئے۔ ایلچی یہ سب تماشا دیکھتا رہا۔ پہلے تو صقلبی غلاموں کی خوبصورتی اور اُن کے لباس کی قیمت سے ہی وہ متحیر تھا اور سوچتا تھا کہ یہ لوگ طباق کیوں لیکر آئے ہیں۔ لیکن جب اُس نے دیکھا کہ ہر ایک نیلوفر اپنی ہتھیلی پر سونا چاندی رکھے ہوئے حاضر ہے، اور غلاموں نے اُن کو چنا ہے تو اُس کے حیرت کی انتہا نہیں رہی۔ اُس نے کچھ زیادہ تحقیقات کی ضرورت نہیں سمجھی اور فوراً اپنے بادشاہ کے

پاس واپس گیا، اور اُس سے کہا کہ خبردار مسلمانوں سے لڑائی کا خیال بھی نہ کرنا، وہ لوگ ہیں کہ زمین تک اُن کو سونے چاندی کا خراج پیش کرتی ہے۔" انتہیٰ۔ یہ نہایت عجیب قصہ اور حیرتناک ترکیب عزت اسلام کے اظہار کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ منصور ابن ابی عامر نصرت اسلام میں ایک آیت اللہ سبحانہ و تعالےٰ تھے۔

ابن بسام نے ابن حیان سے نقل کیا ہے کہ جب خاندان بنو مروان کی نوبت خلافت الحکم تک پہنچی، جو اس خاندان کا نواں تاجدار تھا، تو باوجود تمام فضیلت کے اُسکو بیٹے کی محبت نے ایسا دیوانہ کیا کہ اُس نے اس کا خیال بھی نہ کیا کہ میں وارث ملک ایک بچے کو بناتا ہوں، حالانکہ اُسکے بھائی اور خاندان کے دوسرے لوگ بڑی عمر کے تھے، جو امور سلطنت کے متکفل ہو سکتے تھے، ابن بسام کہتے ہیں کہ یہ کہا جاتا تھا کہ جب تک سلطنت باپ سے بیٹے کو پہنچتی رہیگی بنو امیہ کے خاندان میں اندلس کی سلطنت برابر چلی جائیگی اور جب زمام سلطنت بھائیوں کے ہاتھوں میں پہنچی اور تغیر و تبدل ہونے لگا تو انحطاط شروع ہو جائیگا۔ ممکن ہے کہ الحکم کے دل میں یہی خیال جاگزیں رہا ہو کہ اُنہوں نے باوجود کم سنی اپنے بیٹے کو اپنا جانشین قرار دیا۔ القصہ جب الحکم کا انتقال ہوا تو جوذر اور اُس کے دوست فائق نے اس خبر کو پوشیدہ رکھا۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ لوگوں سے مغیرہ، الحکم کے بھائی کے لیے بیعت لے لے۔ فائق نے جوذر سے کہا کہ "ہم اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ جعفر المصحفی قتل نہ کر دیا جائے۔" جوذر نے کہا کہ بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے اتنے بڑے کام کو ایک بڈھے آدمی اور اپنے آقا کے قتل سے شروع کریں۔" فائق نے کہا کہ "ترکیب صرف وہی ہے جو میں نے بتلائی ہے۔" غرض ان دونوں نے مصحفی کو بلایا۔ اور الحکم کے انتقال کی خبر اُن کو سنائی اور نیز مغیرہ کے بارہ میں اپنی رائے بیان کی۔ مصحفی نے جواب دیا کہ جو کچھ تم کرو اُسمیں بھی تمہارا ہمراہ ہوں۔ تم دونوں قصر خلافت میں رہتے ہو۔ اور یہاں کا تمام کاروبار تمہارے سپرد ہے۔ تم اس کے زیادہ اہل ہو۔ یہ سنکر ان دونوں نے اپنے ارادہ کے پورا کرنیکی تدبیر شروع کر دی۔ مصحفی نے اُن کے پاس سے آکر اپنی فوج اور افسران فوج کو جمع کیا اور اُن کو الحکم کے انتقال

کی خبر سنائی۔ اور اُن سے جو وزراء اور رفائق کے اراوے مغیرہ کے بابت بیان کئے۔ اور کہا کہ "اگر ہم اپنے آقا کے بیٹے کے ساتھی رہے تو ملک و دولت ہمارا ساتھ دیگی۔ اور اگر ہم بدل گئے تو دولت و ملک بھی ہم سے آنکھیں بدل لیگی"۔ اہل فوج نے کہا کہ جو کچھ آپ کی رائے ہو ہم اُس کے تبع ہیں مصحفی نے محمد بن ابی عامر کو فوج کا ایک دستہ دیکر مغیرہ کے مکان پر اُن کے قتل کرنے کو بھیجدیا۔ مغیرہ کو اپنے بھائی کے انتقال کی خبر نہ تھی۔ محمد بن ابی عامر نے یہ خبر سنائی تو مغیرہ رو پڑے پھر اُن کو یہ خبر سنا دی کہ اُن کے بیٹے ہشام تخت خلافت پر بٹھا دیئے گئے۔ مغیرہ نے کہا کہ بہت اچھا ہوا اور میں ہشام کی اطاعت کرنے پر تیار ہوں۔ محمد ابن ابی عامر نے یہ تمام حالات مصحفی کو لکھ بھیجے۔ مصحفی نے جواب دیا کہ مغیرہ کو گرفتار کر لو، اور اگر تم سے نہ ہو سکے تو کسی دوسرے شخص کو اُس کے قتل پر تعینات کر دو۔ یہ سُنکر محمد ابن ابی عامر نے اُنکا گلا گھونٹ دیا جب مغیرہ مار ڈالے گئے اور ہشام بن الحکم تخت خلافت پر متمکن ہو گئے تو مصحفی نے اُن سے کہا کہ تواضع کے ساتھ سیاست شروع کریں، طمطراق چھوڑ دیں۔ وزراء کے ساتھ فرش پر بیٹھیں۔ اگرچہ یہ خوبیاں پہلے ہی سے اُن میں تھیں) اعمال و افعال میں ایثار نفس سے کام لیا، اور اموال میں عطایا شروع کیں۔ اُدھر محمد ابن ابی عامر نے جود و سخا کے دروازے کھول دیئے۔ جوش اخلاق کو کام میں لائے جس سے کہ لوگوں کے دلوں کو اُنہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور یہانتک نوبت پہنچی کہ حلقہ وزراء میں داخل ہو کر مشوروں میں شریک ہونے لگے۔ نیز چونکہ وہ ملکہ صبح، ہشام کی والدہ کی وکالت کی خدمت بھی بجالاتے تھے اس لیئے اُن کی وقعت اور بھی زیادہ تھی۔ اس کے علاوہ ملکہ صبح، ام ہشام نے صاحب مصحفی سے سفارش کی کہ ہر مشورہ میں محمد ابن ابی عامر کو شریک رکھا کریں۔ کیونکہ وہ پہلے اُن کا چنداں خیال نہ رکھتے تھے۔ اور نہ اُن کی رائے کو بڑی وقعت دیتے تھے۔ مگر اب ملکہ کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی، اور اُن کو اپنے رازوں میں بھی شریک کرنا پڑا، اور ان پر احسان کرنے لگے۔ دوسری طرف محمد ابن ابی عامر اُن کے ساتھ مکر و فریب سے کام لیتے تھے اور اکثر معاملات میں اُن سے اختلاف رائے

رکھتے تھے۔ اور عوام الناس کی حاجت روائی کر دیا کرتے تھے۔ چند روز تک یہی کیفیت رہی یہاں تک کہ مصحفی کی وقعت میں کمی آنی شروع ہو گئی اور اُن کا ستارۂ اقبال قریب بہ غروب آ گیا۔ محمد ابن ابی عامر نے امور سلطنت پر رفتہ رفتہ تسلط حاصل کرنا شروع کیا اور رشدہ شدہ الحکم کے مصاحبوں کی روک تھام کر دی۔ بعض کو جلا وطن، بعض کو ہلاک، بعض کو ادھر اُدھر کر دیا، اور اُن کی جگہ اپنے آدمی مقرر کر دیئے۔ یہ سب کچھ بہت تھوڑی مدت میں ہو گیا۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ الحکم کے انتقال سے نصرانیوں کے دل بڑھ گئے اور اُنہوں نے بیرونی علاقہ جات پر تاخت و تاراج شروع کر دی یہانتک کہ وہ قرطبہ کے دروازے تک آ پہنچے۔ مصحفی کے پاس بوجہ بخل نہ دولت تھی، نہ اور طرح کی مدد کہ اُن کے شر کو دفع کر سکتے جو کچھ اُنہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ اُن کے دریا کا راستہ بند کر دیا۔ یہی اپنی نجات کا ذریعہ سمجھ لیا، اسی حیلے کو کافی جانا۔ حالانکہ اُن کے پاس فوج بھی تھی اور روپیہ بھی، مگر بخل نے ایک سے بھی کام نہ لینے دیا۔ مصحفی کی کمزوریوں کی یہ ایک مثال تھی۔ محمد ابن ابی عامر نے انکو اُنکی حماقت پر آگاہ کیا اور اشارہ کیا کہ فوجوں کو جہاد کے لیے مجتمع کیا جائے، اور اگر ایسا نہ ہو گا تو بہت برا انجام ہو گا۔ تمام وزراء نے بھی محمد ابن ابی عامر سے اتفاق کیا، باستثناء چند کے جو مصحفی کے خاص لوگ تھے۔ غرض محمد ابن ابی عامر نے لوگوں کو تیار کیا اور فوج مرتب کر کے جہاد کے لیئے آمادہ ہو گئے۔ ایک لاکھ دینار اس پر صرف کر دیئے۔ اور خود ہی فوج کی سپہ سالاری اپنے ہاتھ میں لی اور حصن الحامہ میں جا اُترے اور وہاں کے علاقے پر خوب تاخت و تاراج کی، اور باون دنوں کے بعد بہت سے قیدی اپنے ساتھ لیکر واپس آ گئے۔ اس سے بڑی خوشی ہوئی اور فوج کے دل بڑھ گئے۔ محمد ابن ابی عامر کی سخاوت کو دیکھکر سپاہی اُن کے گرویدہ ہو گئے۔

محمد ابن ابی عامر کی سخاوت کے متعلق محمد ابن افلح نے جو الحکم کے غلام تھے، یہ قصہ بیان

کیا کہ مجھ پر اپنی بیٹی کے شادی کا اس قدر خرچ آپڑا کہ جس کا برداشت کرنا میری طاقت سے باہر تھا۔ جب کسی طرح بھی کہیں سے میں انتظام نہ کر سکا تو میں محمد ابن ابی عامر کے پاس گیا جو اُس زمانہ میں دارالضرب کے افسر تھے۔ اتفاق سے وہ اُس وقت دارالضرب ہی میں بیٹھے تھے، اور درہموں کا ڈھیر اُن کے سامنے تھا۔ میں نے اپنی ضرورت بیان کی تو اُنہوں نے درہموں سے میری گود بھر دی، حالانکہ مجھے اتنی ملنے کی امید نہ تھی۔ میں نے مکان پر آکر شادی کا انتظام کیا، اور خوب نام پایا۔ میرے دل میں اُن کی ایسی محبت جاگزیں ہو گئی کہ اگر وہ مجھ سے یہ کہتے کہ میں اپنے آقا الحکم سے بغاوت کر دوں تو ضرور کر دیتا۔"

یہ قصے اُس زمانہ کے ہیں کہ الحکم زندہ تھے اور ابن ابی عامر کی ترقیات ابھی شروع نہیں ہوئی تھیں۔ اُن ہی دونوں کا یہ ذکر ہے کہ اُنہوں نے ملکہ صبح والدہ ہشام کے واسطے ایک چھوٹا سا قصر چاندی کا بنوایا اور آدمیوں کے سر پر اُٹھوا کر لے گئے، اور ملکہ کے سامنے پیش کیا، جس سے ملکہ کے دل میں بھی اُن کی جگہ ہو گئی، اُن کی سفارش خلیفہ الحکم سے کی۔ الحکم نے اپنے خواص سے کہا کہ اس شخص نے ایک تحفہ دیکر ہمارے حرم کی عقل خراب کر دی"۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ الحکم کو قیافہ کا اچھا علم تھا۔ وہ ابن ابی عامر کی نسبت کہا کرتے تھے کہ یہ شخص کوئی بڑا آدمی ہونے والا ہے۔ اکثر اپنے مصاحبوں سے کہا کرتے تھے کہ ذرا اس کے کف دست کی زردی کو دیکھو یہ بہت اچھی علامت ہے۔ بعض دفعہ کہتے تھے کہ اگر اس شخص کی پیشانی پر چوٹ کا نشان ہوتا تو میں یقین کے ساتھ کہدیتا کہ یہ بلا شک و شبہ بہت بڑا آدمی ہونے والا ہے۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ الحکم کے انتقال کے ایک مدت بعد جب غالب نے اُن کو مارا تو اُن کی پیشانی پر نشان ہو گیا۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ مصحفی اور غالب کے درمیان میں سخت عداوت تھی اول الذکر صاحب تھے اور ثانی الاسم شہر سالم کے حاکم۔ غلاموں کے افسر اور اندلس کے شہسواروں میں سے تھے مصحفی نے غالب کو تنگ کر رکھا تھا۔ یہانتک کہ غالب نے وزراء سے

شکایت کی اور ان سب نے ان کی سفارش کی، اور یہ چاہا کہ اُن کے ساتھ ملاطفت کی جائے۔ ابن ابی عامر کو بھی اس کی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے غالب کو اپنی راہ پر لگانا چاہا، اور اسی غرض سے اُن کی خدمت شروع کردی چند روز یوں ہی عمل رکھا آخر ایک موقعہ پر غالب کو ایک فوج کی سرکردگی پر مقرر کیا گیا۔ اُن ہی دنوں میں ابن ابی عامر دوسری مہم پر گئے۔ وہاں ان دونوں کی ملاقات ہوئی تو یہ قرارداد ہوئی کہ مصحفی کے زوال کی تدبیر کی جائے۔ ابن ابی عامر فتح اس مہم کو سر کر کے، اور بہت سا مال غنیمت لیکر واپس آئے جس سے اون کی شہرت میں اور بھی ترقی ہوئی۔ شہرت کی حکومت مصحفی کے ہاتھ میں تھی۔ مگر اب صنیفہ ہشام کے حکم سے وہ اس خدمت سے معزول کردیے گئے۔ اور اُن کی جگہ ابن ابی عامر مقرر کر دیے گئے اس عزل و نصب کی مصحفی کو خبر تک نہ ہوئی قصر خلافت کے دروازے پر جو لوگ متعین تھے اُن کی ولایت بھی ابن ابی عامر نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس طرح مصحفی کے ہاتھ میں برائے نام ہی کچھ رہ گیا ورنہ ہر کام پر ابن ابی عامر ہی حاوی تھے۔ اور یہ سب کچھ غالب کی اعانت سے ہوا۔ مصحفی کو اس ریشہ دوانی سے سخت فکر ہوا۔ اور اُنھوں نے غالب سے بذریعہ ایک خط کے صلح کر لی اور اپنی بیٹی اُن کے بیٹے عثمان کو دینی چاہی۔ غالب نے بھی اس کو منظور کر لیا۔ اور قریب تھا کہ تمام تقریبات طے ہو جائیں کہ ابن ابی عامر کو بھی اس کی اطلاع پہنچ گئی۔ اُنھوں نے ایک قیامت اُٹھادی۔ غالب کو دھمکیاں دیں، حیلے ڈھونڈھنے لگے۔ اُن کے دشمنوں کو برانگیختہ کیا، خود اُن کے خاندان کے لوگوں کو اُن کے برخلاف کر دیا۔ اور ان لوگوں نے بہت کچھ کہہ سُنکر اُن کو اس ارادے سے باز رکھا۔ آخر غالب نے اسی لڑکی کی شادی ابن ابی عامر سے کر دی۔ چنانچہ محرم ۳۶۷ھ ہجری میں یہ عروسی ایسے زور شور کے ساتھ تمام کو پہنچی کہ اندلس میں یادگار رہی۔ غالب کی لڑکی ابن ابی عامر کے قصر میں پہنچ گئی۔ اس رشتہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن

ابی عامر کو اور بھی تقویت ہو گئی، عزت بڑھ گئی، حمایتوں میں ترقی ہو گئی، اور مصحفی کے نیکے مقابلہ میں لاشے ہو گئے۔ غالب گویا نایب الخلیفہ تھے اور حجابت میں مصحفی کے شریک کر دئیے گئے تھے۔ مصحفی کو اب اپنی ذلت کا یقین ہو گیا۔ اور انہوں نے ابن ابی عامر کے کسی کام میں دست اندازی کرنی قطعی چھوڑ دی۔ ابن ابی عامر بھی اُن کی کسی بات میں تائید نہ کرتے تھے، بلکہ مخالفت ہی کرتے رہتے۔ لوگ بھی اُن سے روگرداں ہو کر ابن ابی عامر ہی کی درباداری کرنے لگے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مصحفی قصر قرطبہ میں اکیلے ہی آتے جاتے کوئی اُن کے ساتھ تک نہو تا۔ ان کے ہاتھ میں حجابت کا صرف نام ہی نام رہ گیا۔ مصحفی کو ہشام کے خلیفہ اور مغیرہ کو قتل کرانے کی سزا مل گئی۔

آخر نائب السلطنت، غالب، نے مصحفی، اُن کے اہل و عیال و دوست و احباب، مال و اموال پر ایک اور مصیبت نازل کی یعنی اُن پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے سلطنت کے روپیہ میں تصرف ناجائز کیا ہے۔ اور اُن سے اس کا حساب طلب کیا۔ ابن ابی عامر نے اس معاملہ کے اصول و فروع میں غالب کو پوری امداد دی۔ صرف یہی نہیں بلکہ مصحفی کے بھتیجے ہشام پر یہ الزام عاید کیا گیا کہ اُس نے ابن ابی عامر کی تیسری مہم میں جو مال غنیمت عیسائیوں سے ملا تھا اوس کو چرایا ہے۔ اس جرم میں وہ اپنے چچا مصحفی کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ اودھر ابن ابی عامر نے مصحفی کی تمام جائداد۔ حتیٰ کہ اُن کا قصر (جو قرطبہ کی بڑی عمارات میں سے تھا) تک بکوا دیا۔ اُن کی ذلت دو سال کامل تک برابر جاری رہی۔ کبھی رہا کر دئیے جاتے تھے، کبھی پھر گرفتار کر لیے جاتے تھے، کبھی اپنے جرموں کا اُن سے اقرار لے لیا جاتا تھا۔ کبھی وہ انکار کر جاتے تھے۔ آخر تمام جرائم اُن پر ثابت ہو گئے، اور کوئی احتمال اُن کی نسبت باقی نہ رہ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زہرا میں قید کر دئیے گئے۔ اور اسی حالت میں وہ مر گئے اون کی لاش اون کے اعزا کے سپرد کر دی گئی۔ کہتے ہیں کہ اُن کے پینے کے پانی میں زہر ملا دیا گیا تھا۔

محمد اسمٰعیل کہتے ہیں کہ میں منصور کے حکم سے محمدؐ بن مسلمہ کے ساتھ زہرا میں، جعفر المصحفی ابن عثمان کی لاش لینے اور اُس کو اُن کے اہل وعیال کے سپرد کرنے کے لیے گیا، تو میں نے دیکھا کہ اُن کے اوپر کسی دربان کا پھٹا پُرانا کپڑا پڑا ہوا تھا، کہ جس کو کسی نے رحم کر کے اُن کے بچھونے پر ڈال دیا تھا۔ اُن کو اُن کے مکان کی ایک چھوٹی سی ڈیوڑھی میں غسل دیا گیا۔ جنازہ اُٹھایا گیا تو سوا، امام مسجد کے، جس نے اُن کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ یا اُن کا بیٹا اور کوئی بھی جنازہ کے ساتھ تک نہ آیا یہ دیکھکر مجھکو گردش زمانہ سے سخت تعجب ہوا۔ انتہیٰ۔

مطمح میں اس قصہ کو اس طرح لکھا ہے کہ محمدؐ بن اسماعیل کاتب منصور نے بیان کیا کہ میں منصور (ابن ابی عامر) کے حکم سے جعفر المصحفی کے جسد کو اون کے اہل وعیال کو سپرد کرنے اور قبر تک پہنچا دینے کے لیے گیا۔ میں نے اُن کو دیکھا تو اُن میں کوئی اثر نہ پایا اور نہ کوئی کپڑا ایسا تھا جو اُن کو چھپا سکتا سوا، ایک پھٹے پُرانے کپڑے کے جو کسی دربان کا تھا۔ محمدؐ بن مسلمہ نے ایک غسال کو بلایا، جس نے اُن کو اُن کے گھر کی ڈیوڑھی میں غسل دیا۔ میں گردش آیام سے سخت عبرت پذیر ہوا۔ اُن کا جنازہ قبرستان کی طرف لے کر چلے تو ہمارے ساتھ سوا، امام مسجد کے، جو نماز جنازہ پڑھانے کے لیے طلب کئے گئے تھے، اور کوئی بھی نہ تھا۔ یہ واقعہ ایسا تھا کہ ہم سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ پہلے میں اُن کی وہ حالت دیکھ چکا تھا کہ شاید کسی نے دیکھا سُنا نہ ہوگا۔ اور جس کا سننا عبرت لینے کے واسطے ضروری ہے ۔

جس زمانہ میں نہی وامراؤں کے ہاتھ میں تھا۔ اُن کی سواری نکلی، تو میں نے دیکھا کہ بوجہ اس کے کہ ایک جم غفیر اون کے ساتھ تھا، لوگوں کو اُن کے پاس تک پہونچنا مشکل تھا۔ ایک شور وغل بپا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ اُن کے رُعب سے جہاں کے تہاں رُک

جاتے تھے۔ مجھے خدا کی قدرت یاد آگئی۔ چند ہی مدت گذری تھی کہ منصور کا غضب اُن پر ٹوٹا۔ وہ نظر بند ہوئے۔ منصور اُن کو جنگوں میں اپنے ساتھ لیے پھرتے تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ جلیقیہ کے علاقہ میں مُہم گئی تھی۔ ایک رات کو منصور نے حکم دیا کہ کوئی شخص آگ نہ جلائے کہ دشمن کو اُن کے مقام کی اطلاع نہ ہو جائے۔ واللہ! میں نے دیکھا کہ مصحفی کے بیٹے عثمان نے کچھ آٹا لے کر پانی میں گھولا اور سد رمق کے لیے اون کو پلا دیا۔

غالب کی کیفیت یہ ہوئی کہ، ایک مرتبہ وہ ابن ابی عامر کے ساتھ ایک مُہم پر گئے یہاں یہ دونوں ایک قلعہ پر چڑھ کر دشمن کے حالات دیکھنے لگے۔ آپس میں یوں ہی باتوں میں کچھ بات بڑھ گئی۔ ابن ابی عامر نے غالب کو کچھ سخت کہا۔ غالب نے جواب میں کہا کہ "اے کتے! تو ہی ہے کہ جس نے سلطنت کو خراب کیا۔ اور قلعوں کو تباہ کیا"۔

یہ کہہ کر اُنھوں نے اپنی تلوار نکال کر ابن ابی عامر پر حملہ کیا۔ چونکہ ایک شخص نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا، اس لئے زخم کاری نہ لگا، صرف ماتھے میں ایک نشان ہو کر رہ گیا۔ ابن ابی عامر اس خوف سے کہ غالب پھر تلوار کا وار نہ کریں قلعہ کی دیوار سے کود پڑے۔ خدائے تعالٰے کو بچانا تھا کہ وہ نیچے آرہے اور لوگوں نے اون کو ہاتھوں ہاتھ سنبھال لیا۔ زخم کا علاج کیا گیا۔ تو اچھا ہو گیا مگر نشان رہ گیا۔ غالب عیسائیوں سے جا ملے اور اُن کے ساتھ ہو کر ابن ابی عامر کے مقابلہ میں آگئے۔ اور اپنے ساتھیوں کو بھی مقابل کر دیا۔ مگر حکمت الٰہی یہ تھی کہ غالب ہلاک ہوئے اور جو کچھ وہ ابن ابی عامر کی نسبت چاہتے تھے وہ خود اون کے ساتھ ہوا۔ اور اُن کا اور اُنکی دولت کا اُن سے پیچھا چھوٹ گیا۔

مورخین نے لکھا ہی کہ ابن ابی عامر اور مویّد کے درمیان میں جو مناقشت پیدا ہوئی اُس کا سبب حاسدوں کی ریشہ دوانیاں تھیں۔ اصلیت یہ ہی کہ جو کچھ ہوا وہ قصر کے حاشیہ نشینوں کی بدولت ہوا کہ اُنھوں نے ایک دوسرے کے دل پھاڑ دیئے۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ دو فریق ہوگئے۔ ایک ایک کا ساتھی اور دوسرا دوسرے کا حامی۔ یہ کہا گیا کہ حرم شاہی نے قصر کے پوشیدہ خزانے پر ہاتھ مارا ہی۔ اس کا قصہ یہ ہی کہ سیدہ صبح خلیفہ ہشام کی والدہ، اور رائق کی بہن نے جب ابن ابی عامر کا تغیر دیکھا تو اُنھوں نے ایک سو کوزے مہر بند جس میں چاندی اور سونا تھا صقلبی خدمتگاروں کے سر پر رکھوا کر نکلوائے۔ مگر اس خیال سے کہ لوگوں کو اس کا علم نہ ہو جائے کہ خزانہ پر تصرف ہوا ہی ہر ایک کوزے پر "شہد" وغیرہ لکھوا دیا۔ چنانچہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی اور یہ اسی ہزار دینار کا مال نکل گیا۔ مگر منصور محمد ابن ابی عامر سے اتنی بڑی بات کیوں کر پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ اُنھوں نے بہت سے آدمیوں کو جمع کر کے کہا کہ "خلیفہ وقت بوجہ مشغولیت عبادت، حفظ اموال نہیں کر سکتے" اور خزانے کے ضائع ہونے میں مسلمانوں پر سخت آفت کا اندیشہ ہی۔ اس لیے مناسب یہ ہی کہ خزانہ ایسی جگہ منتقل کیا جائے جہاں اُس کی پوری حفاظت ہو سکے" چنانچہ پچاس ہزار دینار قیمت کی چاندی اور سات لاکھ دینار نقد خزانے سے منتقل کر دیئے گئے۔ جس سے خزانہ کی حفاظت کامل ہو گئی۔ ورنہ سیدہ صبح برابر مال نکالے جا رہی تھیں، اور منصور سے یہ نہ ہو سکتا تھا کہ اُن کو روک دیں۔ منصور نے خلیفہ ہشام سے بھی یہ درخواست کی کہ وہ قواعد دولت کا لحاظ رکھیں۔ غرض ان تدابیر سے دشمنوں کی زبانیں بند ہو گئیں۔

منصور کو معلوم ہوا کہ لوگوں میں اس امر پر چہ میگوئیاں ہوتی ہیں کہ خلیفہ ہشام کو باہر نہیں نکلنے دیا جاتا۔ بہت سے آدمی ایسے تھے کہ جنھوں نے کبھی خلیفہ کو نہ دیکھا تھا۔ اس لیے ایک روز اُنھوں نے خلیفہ کو معہ حدم و حشم کے نکالا۔ یہ سواری ایسی دھوم دھام سے نکلی کہ مدتوں یادگار رہی۔ اس کے دیکھنے کے لیے بے انتہا مخلوق جمع ہوئی خلیفہ لباس

شاہی زیب تن کیئے ہوئے، اور عصار شاہی ہاتھ میں لیئے ہوئے تھے، اور منصور اُن کی خواصی میں بائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔

اس تقریب کے بعد منصور اپنی سب سے آخری مہم کے لیئے نکلے۔ اور اسی میں وہ بیمار ہو گئے جو مرض الموت ثابت ہوا۔ باوجود بیماری کے وہ جنگ میں شامل رہے، جس سے اُن کا مرض اور بھی بڑھ گیا۔ لوگوں نے اُس کے واسطے ایک لکڑی کا تخت بنالیا۔ اور اس پر اُن کو لٹا کر پردے لٹکا دیئے۔ یہ تخت لوگ اُٹھائے رہے اور فوج نے اُس کو اپنے دائرے میں لے لیا۔ اطباء میں تشخیص مرض کے متعلق اختلاف رائے رہا۔ منصور کو بھی اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ ایک روز کہنے لگے کہ بیس ہزار آدمی میرے دست نگر ہیں، میں اس وقت اُن سب سے بدتر حالت میں ہوں۔ ممکن ہے کہ اس بیس ہزار سے اُن کا مقصود اُس فوج کی تعداد ہو جو اس مہم پر اُن کے ساتھ تھے۔ ورنہ اندلس کی فوج کی تعداد تو اس زمانہ میں اس سے بھی زیادہ تھی۔ غرض جب اُن کو اپنی موت کا بالکل ہی یقین ہو گیا تو اُن کو قرطبہ کا خیال آیا۔ شہر سالم میں پہونچکر اُنھوں نے اپنے بیٹے عبدالملک اور اپنی جماعت کو بلا کر کچھ وصیتیں کیں۔ اور پھر اپنے بیٹے کو تخلیہ میں بلا کر اور وصایا کیں۔ بیٹا اُٹھنا چاہتا تھا تو وہ پھر پھیر لیتے تھے۔ عبدالملک برابر روتے جاتے تھے۔ منصور اُن کو منع کرتے اور کہتے تھے کہ یہ پہلی نشانی عجز کی ہے۔ عبدالملک کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کو سپہ سالار کے عہدہ پر مقرر کرے۔ عبدالملک قاضی ابوذکوان کو لے کر قرطبہ گئے۔ جہاں وہ یکم شوال کو پہونچے۔ اور خلیفہ کو اطلاع دی کہ وہ اپنے باپ کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہیں یہاں چونکہ طرح طرح کے قصّے مشہور تھے اُن میں کچھ سکون ہوا۔ اس عرصہ میں منصور کو بھی کچھ خفت معلوم ہوئی اور وہ ایک جماعت سے ملے۔ مگر اس قدر ضعیف تھے کہ اشاروں میں باتیں کرتے تھے۔ یہ آخری موقعہ تھا کہ لوگوں نے اُن کو دیکھا۔ رمضان شریف کے تین دن باقی تھے کہ اُنھوں نے انتقال کیا۔ اُن کی وصیت تھی کہ جس حالت میں وہ

مریں اُن کو دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ شہر سالم میں اپنے ہی قصر میں دفن کیے گئے۔ لشکر میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ اُن کے بیٹے نے چند روز انتظار کیا۔ بعض فوج کے آدمی اُن سے علحدہ ہو کر ہشام کے پاس پہونچ گئے۔ آخر یہ بھی اپنے ما بقے ساتھیوں کو لے کر قرطبہ آ گئے۔ منصور کے آدمیوں نے بجائے الیمین کپڑوں کے موٹے کپڑے پہنے منصور کے بیٹے عبد الملک بلقب المظفر باپ کی جگہ مقرر ہوئے۔ اور خلیفہ ہشام نے فرمان تقرر بعہد حجابت صادر فرمایا۔ ابتدا میں کسی قدر اضطراب رہا۔ لیکن تمام معاملات درست ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص بہترین بچہ تھا جو اندلس میں پیدا ہوا۔

اب ہم محمد ابن ابی عامر المخاطب بہ منصور کے حالات سے اپنی عنان قلم روکتے ہیں۔ کیونکہ اپنے محل پر ہم اُن کے تمام حالات درج کر چکے ہیں۔ ہم نے جو کچھ یہاں لکھا ہے اُس کا بھی وہی محل تھا۔ اور بعض باتیں مکرر بھی آ گئیں ہیں۔ مگر یہ خالی از فائدہ زاید نہیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ ولی التوفیق۔

رئیس المغنین ابو الحسن علی بن نافع الملقب بزریاب مولیٰ امیر المومنین المہدی العباسی

مقتبس میں لکھا ہے کہ زریاب ان کا لقب ہے۔ اپنے وطن میں اُن کے نام پر لقب ہی غالب ہو گیا۔ بوجہ اس کے کہ اُن کا رنگ کالا تھا۔ نہایت فصیح اللسان تھے۔ عادات و خصلات بہت پیاری رکھتے تھے۔ اُن کو اُس پرند سے بہت مشابہت تھی× جو کالے رنگ کا ہوتا ہے اور بہت دلکش آواز رکھتا ہے۔ زریاب نہایت مطبوع شاعر تھے۔ اور ان کے بیٹے احمد پر تو گویا شعر غالب ہو گیا تھا۔

اُن کے اندلس میں پہونچنے کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اسحق موصلی بغدادی کے شاگرد تھے۔ گانے میں اُن ہی سے کمال حاصل کیا تھا۔ اس صفت کے ساتھ ہی آواز بہت دلکش تھی۔ صورت بھی مطبوع تھی۔ اور گانے کو خوب سمجھتے تھے۔ ان ہی وجوہ سے اپنے

× دیکھو حیاۃ الحیوان۔ بظاہر زریاب مینا کو کہتے ہیں۔ اگرچہ صاف نہیں معلوم ہوتا۔

اُستاد اسحٰق سے بڑھ گئے تھے۔ اسحٰق کو اس کی خبر نہ تھی کہ اُن کا شاگرد اُن سے فائق ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ خلیفہ ہارون الرشید کے حضور میں اسحٰق موصلی کا وہ مشہور قصہ گزرا جن کو اُنھوں نے خود یوں بیان کیا کہ "میں نے امیرالمومنین سے عرض کیا کہ میرا شاگرد زریاب، جو غلام خلیفہ ہے، نہایت اچھی نغمات سُنا سکتا ہے۔ میں نے اُس کو خوب تعلیم دی ہے، اور وہ اس قابل ہے کہ روح کو وجد میں لے آتا ہے، اور یقیناً اُس کی بہت بڑی شان ہونے والی ہے"۔ ہارون الرشید نے زریاب کو طلب فرمایا اور وہ اُس کی باتیں سُنکر حیران رہ گئے۔ اُنھوں نے زریاب سے پوچھا کہ "تم موسیقی بھی جانتے ہو؟" تو اُنھوں نے جواب دیا کہ "جس قدر تعریف کی جائے اُس سے زیادہ۔ اور اگر آپ اجازت دیں تو ایسا گانا سُناؤں کہ آپ نے کبھی نہ سُنا ہوگا"۔ خلیفہ ہارون الرشید نے حکم دیا کہ زریاب کے اُستاد اسحٰق موصلی کا عُود ان کو دیا جائے۔ مگر زریاب نے کہا کہ "میں نے اپنا عود خود بنایا ہے، اور اُس کو اپنی رائے کے موافق ترتیب دیا ہے، اُس کے سوا میں کسی کے عود کو پسند نہیں کرتا، وہ میں اپنے ساتھ لایا ہوں"۔ جب وہ منگوایا گیا تو ہارون الرشید نے بغور دیکھکر کہا کہ "یہ عود بھی تمہارے اُستاد جیسا ہے۔ پھر تم نے اُس پر گانے سے کیوں انکار کیا؟" زریاب نے کہا کہ "اگر حضور کو گانا سننا ہے تو میں اُستاد کے عُود پر گاکر سُنادوں۔ اور اگر میرا گانا سننا ہے تو میں اپنے ہی عُود پر گاؤں گا"۔ ہارون الرشید نے کہا کہ "تم تو دونوں عودوں کو ایک ہی جیسا پاتے ہیں"۔ زریاب نے کہا "بے شک بادی النظر میں دونوں عود ایک ہی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں، اور ایک ہی سی صورت رکھتے ہیں۔ مگر میرا عود وزن میں اُستاد کے عود سے تہائی ہے، میرے تار ریشم کے ہیں، جو خاص طور پر بٹا گیا ہے، اُن سے آواز ترنم بہت صاف اور بلند نکلتی ہے، گو نغ زیادہ ہے" وغیرہ وغیرہ۔ غرض اس کے بعد ہارون الرشید نے زریاب کو گانے کا حکم دیا۔ اُنھوں نے سُنایا تو ہارون الرشید واقعی وجد میں آ گئے اور اُنھوں نے اسحٰق سے کہا کہ "اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ تم نے کسی مصلحت سے اس جوان کا

حال مجھسے بیان نہیں کیا تو میں اس بات کو پوشیدہ رکھنے کے جرم میں تمہیں سزا دیتا۔
اب اس کو لے جاؤ اور جب تم اس کی تعلیم سے پوری طرح مطمئن ہو جاؤ تو اس کو پھر حاضر کرو۔"
یہ دیکھ کر اسحٰق کی آتش حسد بھڑک اُٹھی، جس کو وہ ضبط نہ کرسکے۔ اور اُنھوں نے
زریاب سے تخلیہ میں کہا کہ "زریاب! حسد بدترین چیز ہے ہمیشہ ہم پیشہ اپنے ہم پیشہ کا
دشمن ہوا کرتا ہے۔ تو نے میرے ساتھ مکر کیا اور اپنا کمال ظاہر کرکے خود فائدہ اُٹھانا چاہا
حالانکہ میں نے ہی تجھکو بارگاہ خلافت میں پیش کیا تھا۔ اگر تو میرا بیٹا بھی ہوتا تب بھی میرا
اور تیرا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ اگر تو میرا شاگرد نہ ہوتا تو شاید میں تجھکو نقصان پہونچا دیتا۔
اب دو صورتیں ہیں۔ یا تو تم یہاں سے کسی دور دراز ملک میں اسی طرح چلے جاؤ کہ تمہارا
نام ونشان بھی نہ ملے۔ اور اس کے لئے جتنے مال کی تمہیں ضرورت ہو مجھ سے لے لو۔ اور
قسم کھالو کہ تم یہاں نہ ٹھیرو گے۔ یا میری مرضی کے خلاف، اور میری ضد میں یہیں رہو۔
مگر ہر وقت میری دشمنی سے ڈرتے رہو۔ واللہ! میں اپنی جان و مال سے تمہاری جڑیں
اُکھاڑنے کی فکر میں رہوں گا۔" زریاب نے یہ سُنکر اُسی وقت بغداد چھوڑ دینے کا اور
ملک مغرب کی طرف چلے جانے کا ارادہ کیا اور اسحٰق نے اُن کو بہت سامال دیکر تسکین قلب
حاصل کرلی۔ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے اُن کو یاد کیا تو اسحٰق نے اُن سے کہہ دیا کہ
امیرالمومنین وہ شخص مجنون ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اجنہ آکر اُس کو گانا سکھلاتے ہیں، اور دنیا بھر
میں اپنی برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔ اُس نے اپنے جنون میں یہ سمجھا کہ امیرالمومنین نے مجھے کچھ نہ دیا
اور میری قدر نہیں کی اسی غصہ میں وہ کہیں نکل گیا۔ مجھے بھی خبر نہیں کہ کہاں گیا۔" ہارون الرشید
بھی یہ سُنکر خاموش ہو رہے اور اسحٰق کو بھی اطمینان کامل ہو گیا۔
زریاب مغرب کی طرف ایسے گئے کہ ممالک مشرقیہ کے لوگ اُن کو بھول ہی گئے۔ اور
حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں اُن کی شہرت بھی ایسی نہ ہوئی تھی کہ کوئی اُن کو جانتا۔ یہاں پہونچکر
اُنھوں نے ہمت کرکے امیرالمومنین الحکم کو ایک عریضہ لکھا جس میں اُنھوں نے اپنے تمام

حالات و کمالات لکھے، اور اُن سے اپنی حاضری کی اجازت مانگی۔ الحکم یہ خط دیکھکر بہت خوش ہوئے اور جواب میں اُنھوں نے زریاب کی حاضری کی رغبت ظاہر کی، اور مجملاً حسب دلخواہ اُن کی پرورش کا وعدہ فرمایا۔ زریاب اپنے اہل و عیال کو لیکر بحر الزقاق کے راستے سے جزیرۃ الخضرا، کی طرف چل پڑے۔ راستے میں اُن کو الحکم کے انتقال کی خبر ملی، جس سے اُن کا دل ٹوٹ گیا۔ اور اُنھوں نے واپسی کا قصد کیا۔ اُن کے لانے کے لیئے ایک یہودی منصور نامی، جو الحکم کا مغنی تھا مقرر کیا گیا تھا، اُس نے اُن کو اس ارادے سے باز رکھا اور الحکم کے قائم مقام، یعنی اُن کے بیٹے عبدالرحمٰن، کی خدمت میں حاضر ہونے کی رغبت دلائی۔ اور دہر عبدالرحمٰن کو زریاب کے حالات سے اطلاع دی۔ وہاں سے عبدالرحمٰن کی فوراً طلبی آئی، اور اُس کے ساتھ ہی اُن کے آنے سے خلیفہ نے اپنی خوشی ظاہر کی تھی۔ اس کے علاوہ تمام شہروں کے عمال کو، جو راستہ میں پڑے تھے، احکام جاری کردیئے کہ اُن کو بآرام و آسائش نہایت عزت کے ساتھ قرطبہ تک پہونچادیں۔ اپنے خواجہ سراؤں کے افسر کو حکم دیا کہ خچر اور سواریاں اور دیگر ضروری چیزیں لے کر اُن سے جاملیں۔ غرض وہ اور اُن کے اہل و عیال، اس خیال سے کہ حرم کی عزت و توقیر رہے، بوقت شب شہر قرطبہ میں پہونچے۔ یہاں اُن کو بہترین مکان میں اُتارا گیا، اور تمام محتاج چیزیں اُس مکان میں پہونچادی گئیں۔ تین روز کے بعد اُن کو باریاب کرکے خلعت عطا فرمایا گیا۔ اور دو سو دینار ماہوار خاص زریاب کی تنخواہ مقرر کی گئی اور ہر ایک بیٹے کی بیس دینار۔ (اُن دنوں اُن کے چار بیٹے تھے، عبدالرحمٰن، جعفر، عبداللہ، یحییٰ) ہر تہوار پر تین ہزار دینار انعام ملتے تھے، عید کے روز ایک ہزار دینار، اور مہرجان اور نوروزہ پر پانچ پانچ سو۔ اس کے علاوہ تین سو مُد اناج مقرر تھا۔ دو تہائی جو اور ایک تہائی گیہوں۔ مکانات، باغات اور دیگر قطعات، جن کی آمدنی چالیس ہزار دینار تھی، الگ رہے، جب خلیفہ کو معلوم ہوگیا کہ اُن کو اطمینان ہوگیا ہی، اور حسب وعدہ قدر ہونے پر وہ خوش ہوگئے ہیں

تو ایک روز اُن کو بنیذ کی مجلس میں بُلوا کر اُن کا گانا سُنا جو اس روز تک کبھی نہ سُنا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُنھوں نے اور سب لوگوں کا گانا سننا ہی موقوف کر دیا۔ اور اُن سے بے انتہا محبت کرنے لگے، اور اُن کو تمام مغنین پر فوقیت دی گئی۔ جب وہ تخلیہ میں ہوتے تو خلیفہ اُن کا غایت اکرام کرتے۔ اور اُن کو قرب عطا فرماتے۔ خلیفہ اکثر زریاب سے بادشاہوں کے احوال، خلفار کی سیرت، اور علمار کے نوادر کے متعلق گفتگو کرتے، اور زریاب کو اپنے اور اپنے بیٹوں کے ساتھ زریاب کو بھی ایک ہی دسترخوان پر کھلاتے۔ جب اور بھی اُن کی محبت بڑھی تو خلیفہ نے اُن کے واسطے ایک دروازہ مخصوص کر دیا کہ جب چاہتے زریاب کو اُسی راستے بلا لیتے۔

کہتے ہیں کہ زریاب اس امر کے مدعی تھے کہ مجھے ہر رات کو جن آکر ایک راگنی سکھا جاتے ہیں۔ اکثر وہ سوتے سوتے جاگ اُٹھتے اور اپنی باندیوں، غزلان اور ہنیدہ نامی کو بہت جلد بُلاتے۔ وہ اپنے اپنے عود لیکر پہونچتیں۔ زریاب بھی اپنا عود اُٹھا لیتے۔ تھوڑی دیر کوئی گت بجاتے پھر کوئی شعر لکھتے اور فوراً سو جاتے۔ ابراہیم الموصلی کی نسبت بھی یہی کہا جاتا ہے کہ اُن کا لحن بدیع، جو ماخوری سے موسوم ہے، اُن کو ایک جن ہی نے سکھایا تھا۔ واللہ تعالےٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

زریاب نے اندلس ہی میں آکر اپنے عود میں پانچواں تار بڑھایا تھا جو خاص اُن ہی کی اختراع تھا۔ صنعت قدیمہ کے موافق عود میں چار ہی تار تھے۔ جو انسان کے چاروں اخلاط کے موافق تھے۔ اُنھوں نے پانچواں تار سُرخ رنگ متوسط موٹائی کا بڑھایا۔ جس سے اُن کے عود نے ایک لطافت اور بڑا فائدہ پیدا کر لیا۔ پہلا تار زیر کے واسطے زرد رنگ کا تھا جو عود میں قائم مقام جسم کے صفرا کے تھا۔ اور دوسرے تار کا رنگ سُرخ تھا۔ جو مطابق خون کے تھا۔ یہ تار زیر سے دوگنا موٹا ہوتا تھا۔ اسی واسطے اُس کو مثنیٰ کہتے تھے۔ چوتھا تار سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ جو قائم مقام سودا کے تھا۔ اور بم کہلاتا

تھا۔ یہ سب سے موٹا ہوتا تھا۔ اس کی موٹائی مثلث تار سے دوگنی ہوتی تھی تیسرا تار سفید رنگ
کا ہوتا تھا جیسے کہ انسان میں بلغم۔ اس کی موٹائی مثنی سے دوگنی تھی۔ بس یہی چار تار
انسان کی طبائع کے مقابل ہوتے تھے۔ جو طبیعت انسانی کو اعتدال پر رکھتے ہیں۔
"بم" گرم خشک۔ اور مثنیٰ کے مقابل ہے۔ جو گرم تر سمجھا جاتا ہے۔ اور معتدل مزاج رکھتا
ہے۔ زیر بھی گرم و خشک ہوتا ہے اور مثلث کے مقابل ہے جو گرم تر ہے۔ اس طرح ہر خلط ایک
دوسرے کے ضد ہے۔ اور اعتدال پیدا کر دیتا ہے۔ بعینہ جس طرح انسانی اخلاط اگر برابر
رہیں تو مزاج انسانی اعتدال پر رہتا ہے۔ صرف ایک چیز کی ضرورت تھی جو نفس یا روح
کے مقابل ہوتی۔ ظاہر ہے کہ نفس کا خون سے بہت قریبی تعلق ہے۔ اسی لیئے زریاب نے
متوسط موٹائی کا تار دموی بڑھایا تھا۔ اس تار کو انھوں نے مثلث کے نیچے اور مثنیٰ
کے اوپر رکھا تھا۔ جس سے اُن کے عود میں وہ چار تو طبائع انسانی کے موافق رہے۔
اور پانچواں تار بڑھ کر روح کا قائم مقام ہو گیا۔

زریاب ہی نے اندلس میں آکر عقاب کی ہڈیوں سے عود کا جوا بنایا۔ اس سے
پہلے لکڑی کی مضراب ہوتی تھی۔ زریاب کے جوے کو پہلے جوے پر یہ فوقیت حاصل ہو گئی
کہ وہ انگلیوں پر ہلکا بیٹھتا تھا اور کثرت استعمال کے ساتھ بھی تار ٹوٹتے نہ تھے۔

زریاب نجوم، ساتوں اقلیم کی تقسیم، اقلیم کی اختلاف طبائع و آب و ہوا، دریاؤں
کی روانی، شہروں اور وہاں کے باشندوں کے حالات وغیرہ کے عالم تھے۔ موسیقی
میں اُن کو کمال حاصل تھا۔ یہاں تک کہ اُن کو دس ہزار نغمات یاد تھے۔ بطلیموس، جو اس فن
کا واضع ہوا ہے، اُس نے بھی صرف دس ہزار نغمات ہی ذکر کیئے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ کوئی
فن ایسا نہ تھا جس میں اُن کو کمال حاصل نہ ہو۔ علم ادب کے تمام شعبے، لطف معاشرت،
آداب مجالست، خوبی گفتگو، خدمات شاہی کی مہارت، غرض ہر ایک میں وہ اُستاد مانے
جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ بادشاہان اندلس، اور ارکان سلطنت، اور خواص دولت اُن کو اپنا

راہبر سمجھتے تھے۔ اور جو آداب اُنھوں نے قائم کر دیئے تھے، اور جو کھانے انھوں نے ایجاد کیے تھے اُن سب کا یہ لوگ تتبع کرتے تھے۔ اندلس کے آخری ایام تک یہ سب کچھ اُن ہی کی طرف منسوب رہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جس زمانہ میں یہ اندلس میں داخل ہوئے اُن دنوں یہاں کے تمام مرد و عورت پیشانی کے اوپر مانگ نکالا کرتے تھے۔ اور بالوں کو کن پٹی اور ابروؤں پر چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن جب لوگوں نے زریاب، ان کے بیٹوں اور عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے بالوں کو صاف کر کے ٹیڑھی مانگ نکالتے، اور بالوں کو کانوں کے پیچھے کر لیتے ہیں۔ (جیسے کہ آج کل خصی غلام اور باندیاں رکھتی ہیں) تو یہ ترکیب سب کو پسند آئی۔ اور سب نے وہی فیشن اختیار کر لیا۔

زریاب ہی نے مردہ سنگ سے مرتک بنانا اور اُس کو بغل کی بُو رفع کرنے کی غرض سے استعمال کرنا سکھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے بہتر ترکیب بغل گند کے لیے اور کوئی نہیں ہے۔ اس سے پہلے بادشاہ گلاب اور خوشبودار پھولوں کو پسوا کر ٹھنڈک اور خوشبو کے لیے کپڑوں پر چھڑکوا لیا کرتے تھے۔ مگر اس سے کپڑے صاف نہ رہتے تھے۔ اس غرض کے لیے اُنھوں نے ایک نمک کی ترکیب نکالی جس کے استعمال سے کپڑے بہت صاف دھلنے اور رہنے لگے۔ جب اس کا تجربہ کیا گیا تو لوگوں کو بہت پسند آیا اور اُس کی بہت تعریف کی۔

زریاب ہی نے سب سے پہلے ملیوں کا ساگ کھانا شروع کیا۔ اہل اندلس اُن سے پہلے اُس کو کوئی نہ کھاتا تھا۔ ایک خاص قسم کے کباب جن کو وہ تقایا کہتے تھے۔ نیز ایک سنبوسہ جو تقیہ کہلاتا تھا زریاب ہی کی طرف منسوب ہیں۔ اندلس کے لوگوں نے سونے اور چاندی کے برتنوں کو چھوڑ کر ہر قسم کے شیشہ کے برتنوں کا استعمال زریاب ہی سے سیکھا۔ ادیم چمڑہ کا نرم بچھونا اُن ہی سے لوگوں نے لیا ورنہ پہلے کتان کے بچھونے بچھائے جاتے تھے۔ ادیم کے دسترخوان اُن ہی نے ایجاد کیے۔ پہلے لکڑی کی چوکیاں استعمال

ہوتی تھیں۔ کیونکہ ادیم کے دسترخوان پر سے میل کچیل بہت تھوڑا سا ملنے سے چھوٹ جاتا ہے۔ اور
لکڑی میلی ہی رہتی ہے۔

زریاب ہی نے ہر موسم کے موافق کپڑے پہننے نکالے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ لوگ
مہرجان کے روز جس کو وہ عنصرہ کہتے تھے، سفید کپڑے پہننے شروع کر دیتے ہیں اور رنگین کپڑے
اُتار ڈالتے ہیں۔ مہرجان مطابق ہوتا ہے ۲۴ جون شمسی کے، جو رومیوں کا ایک مہینہ ہے۔
یکم اکتوبر شمسی تک وہ لوگ سفید ہی کپڑے پہنے رہتے تھے۔ جس کے یہ معنی ہیں۔ کہ تین ماہ
متواتر وہ سفید کپڑے پہنتے تھے۔ سال کے باقی مہینوں میں وہ رنگین کپڑے استعمال کرتے
تھے۔ مگر زریاب کی رائے میں اُس فصل میں جو گرم اور سرد موسم کے درمیان ہے اور جس کو
وہ لوگ ربیع (بہار) کہتے تھے خز۔ ملحم اور محرر جُبّے پہننے چاہیئے تھے، اور ہلکے ریشمین
کپڑے کی کُرتیاں۔ کیونکہ ان کپڑوں میں سفید رنگ غالب ہوتا ہے۔ اور گرمیوں کے کپڑوں
سے زیادہ ملتے جلتے ہوتے ہیں۔ ہلکے بھی ہوتے ہیں اور عوام لوگوں کے کپڑے موسومہ
محشہ کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح گرمیوں کے آخر اور فصل خریف میں مرد کے فیشن
کے محشہ پہنے جائیں جو ایک ہی رنگ کے ہوں۔ یا اسی قسم کے اور نازک رنگ کے
کپڑے، جو دبیز ہوں، یا اُن کے اندر کوئی چیز بھری ہوتی ہو۔ یہ کپڑے صبح کو پہنے جائیں۔
جس وقت سردی زیادہ ہوتی ہے۔ جب سردی زیادہ بڑھ جائے تو اور زیادہ موٹے
کپڑے رنگین پہنے جائیں اور اگر ضرورت ہو تو سمور یا پوستین۔ اسی پر وہ خود عامل تھے۔
اور یہی فیشن اُن کو دیکھ کر اور لوگوں نے اختیار کر لیا۔

اندلس میں دستور تھا کہ گانا سکھانے سے پہلے لوگوں سے شعر پڑھواتے تھے،
خواہ کسی لے میں پڑھیں۔ پھر اُس کو گلا پھرانا بتلاتے تھے۔ یہ بھی زریاب کا تتبع تھا۔ خود
اُن کی یہ رسم تھی کہ جب کوئی شخص اُن سے گانا سیکھنے آتا تو اُس کو پہلے وہ ایک گول
قالین پر جس کو مسورہ کہتے تھے بٹھا دیتے۔ اور اُس سے کہتے کہ بلند آواز سے کچھ شعر

پڑھے۔ جس سے وہ اطمینان کر لیتے کہ اُس کی آواز خوب بلند ہے۔ اگر دیکھتے کہ آواز بلند نہیں ہے تو اُسے حکم دیتے کہ اپنے پیٹ پر کس کر عمامہ باندھ لیں۔ کیونکہ اس سے آواز قوی ہو جاتی ہے اور الاپ میں پیٹ نہیں پھولنے پاتا۔ اگر کسی شخص کا منہ پوری طرح نہ کھلتا ہو، یا بات کرنے میں وہ دانت دبا تا ہو تو اُسے وہ حکم دیتے تھے کہ تین انگل لکڑی کا ٹکڑا اپنے منہ میں رکھے۔ اور وہی لکڑی منہ میں رکھ کر سوئے۔ جس سے اُس کا منہ کھلنے لگتا تھا۔
جب وہ اپنے شاگرد کا امتحان، خوش گلو ہونے یا نہ ہونے کا، لینا چاہتے تھے تو اس سے کہتے تھے کہ اپنی پوری آواز سے "یا حجام" یا "آہ" کہے اور آواز کو لمبا کھینچے۔ اگر وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اُس کی آواز صاف اور بلند ہے، غنغنا، اور سانس روکنے والا، یا جلد سانس چڑھ جانے والا آدمی نہیں، تو اُس کی تعلیم میں کوشش کرتے تھے۔ ورنہ اُس کو جواب دیتے تھے۔

زریاب کی آٹھ اولاد نرینہ تھی۔ یعنی عبدالرحمن، عبیداللہ، یحییٰ، جعفر، محمد، قاسم، احمد اور حسن۔ اور دو لڑکیاں تھیں علیہ اور حمدونہ۔ یہ سب گویئے تھے اور بہت مہذب و خوش اخلاق۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں بہت کون تھا۔ زیادہ تر راویہ ہے کہ عبیداللہ سب میں زیادہ لائق تھا اور اُسی کے قریب عبدالرحمن تھا۔ لیکن یہ شخص سخت بدمزاج۔ مغرور اور خود پسند تھا۔ کسی شخص کو خواہ کتنی ہی بڑی حیثیت کا کیوں نہ ہو اپنی برابر نہیں سمجھتا تھا۔ جو شخص اس سے ملنے آتا وہ مکدر ہو کر اُٹھتا تھا۔ قاسم موسیقی میں سب سے زیادہ ہوشیار تھا۔ حمدونہ سے وزیر ہشام بن عبدالعزیز نے شادی کی تھی۔

عبادہ شاعر نے لکھا ہے کہ اندلس میں سب سے پہلے جو مغنی آئے ہیں وہ علون اور زرقون تھے، کہ زمانہ دولت حکم بن ہشام میں آئے تھے۔ دونوں کو بادشاہ کی طرف نفقات عطا ہوتے تھے۔ مگر زریاب کے گانے نے ایسا غلبہ کیا کہ اُن دونوں

کا چرچہ بالکل ختم ہو گیا۔

حمدونہ اپنے خاندان میں سب سے پیش پیش تھی۔ اپنے فن میں کاملہ تھی۔ اپنی بہن علیہ سے بہرحال اچھی تھی۔ علیہ اپنی بہن کے اور اور خاندان کے لوگوں کے بعد بھی بہت دنوں زندہ رہی۔ مانگنے والے لوگ اُس کے پاس آتے تھے اور خالی ہاتھ نہ جاتے تھے۔

باب ششم

اہلِ اندلس کی ذہانت و اکتساب علوم و فنون وغیرہ کے حالات جو ان کی فضیلت ظاہر کرتے ہیں

واضح ہو کہ جس طرح بلادِ اندلس کی خوبیاں پوشیدہ نہیں ہیں اُسی طرح اہل اندلس کے فضائل ظاہر ہیں۔ ابن غالب نے فرحۃ الانفس میں اندلس اور وہاں کے باشندوں کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے لکھا ہے کہ چونکہ اُن کی ولایت زہرہ اور عطارد سے منسوب ہے اس لیے بطلیموس نے بلاد اندلس کے باشندوں کو زہرہ کے اثر سے خوش خور، خوش پوش صفائی جسم رکھنے والے، طہارت طبیعت کے بڑے شوقین کھیل کود گانے بجانے کا مشتاق بتایا ہے، اور عطارد کے اثر سے اُن کو حسن تدبیر، طلب علم میں حریص، حکمت فلسفہ کے شائق اور عدل و انصاف کی طرف مائل کہا ہے۔ ابن غالب نے اُن میں مشتری اور مریخ کا اثر بھی بتلایا ہے۔ بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ساحل شمالی تا اندلس کا تعلق اقالیم چہارم و پنجم و ششم سے ہے، اور جزائر مجوس اقلیم ہفتم سے متعلق ہے۔ اقلیم چہارم آفتاب سے، پنجم زہرہ سے۔ ششم عطارد سے، ہفتم قمر سے، دویم مشتری سے، سویم مریخ سے منسوب ہے۔ موخر الذکر کو اندلس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انتہی۔ صاحب فرحۃ الانفس کہتے ہیں کہ نسب، عزت، علو ہمت فصاحت زبان، پاکیزگی نفوس، نفرت ظلم رکھنے احتمال ذلت سے نفور۔ کمینہ باتوں سے دُور، خواری سے گریزاں ہونے میں عرب کی خاصیت رکھتے ہیں۔ محبت و شوق و اکتساب و بحث علوم میں وہ ہندی ہیں۔ صفائی، ظرافت، حسن اخلاق، ذہانت و ذکا، حسن نظر، جودت عقل، لطافت دماغ و تیزی فکر میں بغدادی ہیں۔ باغات و چمن بندی، خاصیت آب کے پہچاننے

مختلف قسم کے پھلوں کے اگانے، اون کے پرورش کرنے، درختوں کو ترکیب دینے، طرح طرح کی سبزیوں سے باغوں کے سجانے اور قسم قسم کے پھولوں کے ترتیب کرنے میں یونانی ہیں حقیقت یہ ہے کہ اسباب فلاحت میں اُن سے کوئی قوم گو سبقت نہیں لی جاسکتی۔ ان ہی میں سے ابن بصال تھے جنھوں نے علم فلاحت پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس فن کے تمام تجربات درج کیئے ہیں۔ جو اُن کی فضیلت کے گواہ ہیں۔ ہر ایک علم و فن اور صنائع بدائع میں اہل اندلس سخت تکالیف برداشت کر لیتے ہیں۔ شہسواری میں بہترین آدمی ہیں۔ استعمال نیزہ و شمشیر میں بہت قابل ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اہل اندلس کے فضائل میں یہ بھی شمار کیا ہے کہ اُنھوں نے وہ خط اختراع کیا جو اُن کے لیئے مخصوص ہے۔ ورنہ پہلے اُن کا وہی طرز تحریر تھا جو اہل مشرق کا تھا۔ انتہی۔ ابن سعید کے نزدیک اُصول خط مشرقی اور اُس کا خوبصورت دکھلائی دینا، اور دل کو اچھا معلوم ہونا مسلم ہے مگر اس کے ساتھ ہی وہ کہتے ہیں کہ میں نے جو اندلسی خط اُن قرآن شریف کا دیکھا جو ابن غطوس وغیرہ باشندگان مشرق اندلس کے لکھے ہوئے تھے، وہ ایسا خوبصورت اور پر رونق تھا کہ عقل کو حیران کرتا تھا۔ تحریر کی ترتیب ایسی رکھی تھی کہ جو کاتبوں کے محنت وجودت عقل پر دلالت کرتی ہے۔ انتہی

ابن غالب مذکور کا یہ قول ابن حزم نے اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے کہ "اہل اندلس صنائع عملیہ اور مشقت ظاہریہ میں چینی ہیں۔ فن حرب اور آلات حرب کے بنانے اور مہمات پر غور کرنے میں ترک ہیں۔ ان لوگوں نے مختلف قسم کے صنائع بدائع ایسے نکالے کہ جن کی اہل مشرق نے بھی تعریفیں کیں اُن کی نظم و نثر کی خوبیاں اُن لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہیں جو اُن کے علو طبقات سے واقف ہیں۔"

ابن غالب کہتے ہیں کہ "جب قضاء الٰہی اس پر جاری ہوئی کہ اس فتنہ آخرہ میں اہل اندلس کا حصۂ کثیر ملک سے نکل جائے تو یہ لوگ بلاد مغرب اقصیٰ، بلاد افریقہ اور بادیہ میں متفرق پریشان ہو گئے۔ جو لوگ کہ اہل بادیہ سے جا ملے اُن کی عادات اُن ہی کی جیسی

ہوگئیں، اُن ہی میں مل گئے۔ مگر ان لوگوں نے اچھے اچھے بانی تماشے کیے، باغات لگائے اور پن چکیاں بنائیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے کام ایسے کیے جن سے پہلے وہاں کے باشندے واقف نہ تھے، نہ اُنھوں نے ایسی باتیں دیکھی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے شہروں کو بھی فضیلت حاصل ہوگئی اور اُن کی حالت درست ہوگئی۔ کام کاج بڑھ گئے، خوبیاں عام ہوگئیں۔ اس خصوص میں یہ لوگ سب سے زیادہ یونانیوں سے مشابہ ہوگئے کیونکہ یونانی یہاں کے بادشاہ تھے، اور حقیقت میں دیکھا جائے تو یہی لوگ یونانیوں کے وارث ہوتے تھے۔ باقی رہے باشندگان شہر، وہ شہروں میں جا بسے۔ اہل ادب میں سے وزرا، کاتب، عمّال محاصل وصول کرنے والے اور امور مملکت کے کام کرنے والے تھے۔ جب تک باشندگان اندلس مل سکتے تھے بیرونی لوگ نہیں رکھے جاتے تھے۔ کاریگر لوگ اہل بلاد سے فائق ہو گئے تھے۔ اپنے ہی کام میں اپنی معاش پیدا کرلیتے تھے۔ جو کچھ کرتے تھے خوبصورتی اور صفائی کے ساتھ۔ اپنے ملازمین اور پیش دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔ جب کوئی کام بنانے لگتے تھے تو اُس کو بہت جلد ختم کرتے تھے اور اُس میں قسم قسم کی کاریگریاں دکھلاتے تھے جس کی وجہ سے لوگ اُن کی طرف مائل ہوتے تھے اور وہ چیزوں کی یادگار باقی رہتی تھی۔ اہل اندلس کی خوبیوں سے کوئی جاہل بہ تکلف اُن کو جھٹلانے والا ہی انکار کرسکتا ہے" انتہیٰ۔

ابن سعید نے جہاں اہل اندلس کے محاسن بیان کیے ہیں اُسی ضمن میں لکھتے ہیں کہ "اس بات کو خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ میں نے اپنا مسلک انصاف رکھا ہے اور اُن مصنفین کے اقوال اخذ کیے ہیں جن کو کسی کی رعایت وطرفداری مدنظر تھی نہ کسی سے محبت تھی۔ لیکن حق بات چھپی نہیں رہتی۔ ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ سمجھیں کہ ابن غالب نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض اپنے ہموطنوں کی طرفداری کی وجہ سے لکھا ہے۔ اور لوگ اُسی کو نقل کرتے چلے گئے ہیں اگر میں یہ کہوں تو قرین انصاف ہے کہ مراکش ملک مغرب کا بغداد ہے۔ اور صحرا میں سب سے

بڑا شہر ہی۔ وہاں کی بڑی بڑی عمارات و باغات کا اکثر حصہ خاندان بنو عبد المومن کی زمانہ سلطنت میں بنے مگر اوران سب کے لیئے کاریگر اندلس ہی سے گئے تھے۔ یہ بات عام طور پر مشہور اور ابتک سب کو معلوم ہی۔ پھر مراکش کی تمام خوبیاں شہر تونس کی طرف منتقل ہوگئیں اور وہاں بڑی بڑی عمارات اور باغات بن گئے، جس سے وہ شہر بھی بلاد اندلس کے مشابہ ہوگیا۔ بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں بھی اندلس کے کاریگر پہونچ گئے تھے، اور اُنھوں نے اپنے ہی ملک کی وضع پر وہاں کی عمارات وغیرہ بنائی تھیں۔ خوبصورتیوں کے اختراع میں اگر کوئی انسان بہترین مخلوق الہٰی ہیں تو وہ اہل اندلس ہیں۔ غرض اس طرح ابن غالب کا قول صحیح ہوجاتا ہی۔" انتہی

ابن بسام صاحب کتاب الذخیرہ نے جزیرۂ اندلس کے متعلق لکھا ہی کہ "اس جزیرہ کو اشراف عرب نے فتح کیا ہی، اور شام و عراق کی چیدہ فوج یہاں پہونچی ہی۔ ان کی نسل ہر جگہ اس ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہاں کا کوئی شہر کاتب ماہر شاعر غرا سے خالی نہیں ہی۔"

کہتے ہیں کہ ابو علی البغدادی، صاحب امالی، اندلس میں بزمانۂ بنو مروان آئے تھے، قیروان پہونچکر اُنھوں نے کہا کہ "میں نے یہاں کے لوگوں پر غور کیا تو اُن کو قدرت فہم اور ظاہری بول چال میں ویسا ہی کم درجہ پایا جیسا کہ وہ لوگ باعتبار وطن و مسکن کے مختلف ہیں۔ پھر جب وہ اندلس پہونچے تو یہاں کے لوگوں کی نسبت بھی کہنے لگے کہ یہ لوگ بھی کم فہمی میں اپنے ماسبقوں سے بہت پیچھے ہیں، شاید مجھے یہاں ایک ترجمان کی ضرورت پڑے۔" ابن بسام کہتے ہیں کہ "مجھے اہالی اندلس کی فہم و ذکا پر نظر کرکے ابو علی البغدادی کے اس قول پر سخت تعجب ہوتا ہی۔ ابو علی وہ شخص ہیں کہ اہل اندلس سے مناظرہ کے موقعہ پر وہ ہمیشہ روپوش ہوجاتے تھے۔ اُنھوں نے مختلف موقعوں پر اہل اندلس سے یہ کہہ دیا تھا کہ میرا علم، علم روایت و نقل ہی۔ مجھکو درایت و معقولات سے کوئی تعلق نہیں ہی۔ اگر آپ لوگ نقل و روایت کے متعلق کچھ دریافت کرنا چاہتے تو آپ مجھ سے کچھ حاصل کریئے۔ حقیقت یہ ہی کہ اہل اندلس بھی عام طور پر ابو علی کی کثرت روایت، وسعت علم اور نقل عن الثقات

سے کے منتہم تھے!!"

حجاری نے مسہب میں لکھا ہی کہ "اندلس از روے عزت انساب، خوبی آداب، اشتغال علم اور شوق نثر میں ملک مغرب کا گویا عراق ہی۔ ان باتوں میں اُن کا میدان نہایت وسیع ہی۔ کسی شہر میں چلے جاؤ ہر جگہ آفتاب و ماہتاب ہی نظر آئیں گے۔ چونکہ اس ملک میں خدا تعالیٰ نے درختوں، نہروں، اور پرندوں کی بہتات کر رکھی ہی۔ اندلسیوں کا نصب العین بھی یہی ہیں۔ اس لیے اس فن میں ان کی کوئی برابری نہیں کر سکتا۔ جب بادِ نسیم چلتی ہے، دورِ ساغر چلتا ہی، زیر و بم کی آوازیں آتی ہیں، روانی آب سے نازک آواز نکلتی ہی، بادل آکر سونے چاندی کے موتی نثار کرتے ہیں۔ آفتاب کی شعاعیں نہروں میں منقش بکھرتی ہیں..... تو ہر شخص بول اُٹھتا ہی کہ واقعی یہ لوگ داد عیش کامرانی دینے میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ جب نیزہ و شمشیر کے چلنے، گھوڑوں کے ہنہنانے، فوجوں کی صفوں کے جلنے، تیروں کے چلانے کی آوازیں آتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہی کہ اس فن میں یہ لوگ سب کے امام ہیں۔ جب اُن کے نظم و نثر و فضیلت علمی کا خیال کیا جاتا ہی تو ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑتا ہی کہ اہل زمانہ اگر ان کی شاگردی پر فخر کریں تو بجا ہی۔ نوادر و بدلہ سنجی، انواع ترکیبات و مضحکات سے دیوان کے دیوان بھرے پڑے ہیں کہ جو ہر شخص سے خراج تحسین وصول کر لیتے ہیں۔" انتہی۔

مناسب معلوم ہوتا ہی کہ ہم یہاں ابو محمد بن حزم کا وہ رسالہ نقل کر دیں جس میں اُنھوں نے بعض علمار اندلس کے فضائل بیان کیے ہیں۔ اس رسالہ کی تحریر کا باعث یہ ہوا کہ ابو علی الحسن بن محمد بن احمد ابن الربیب التمیمی القیروانی نے ابو مغیرہ عبدالوہاب بن احمد بن عبدالرحمن حزم کو ایک خط میں لکھا کہ "آپ کے ملک میں کوئی فن ایسا نہیں ہے جس کے علمار اور ائمہ نہیں ہو گزرے۔ مگر آپ لوگوں نے کسی عالم، شاعر، نثار، سپاہی وغیرہ کے حالات قلمبند نہیں کیے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہی ان کی شہرت و فن

ہو جائے گی۔ بعد میں آنے والے لوگ اگر تلاش تجسس بھی کریں گے تب بھی اُن کو اُن لوگوں کے حالات نہ مل سکیں گے۔ برخلاف اس کے دوسرے ممالک میں یہ دستور ہے کہ مشہور لوگوں کے حالات قلمبند کر کے ان کو مصنفین بقایا ردوام دیدیتے ہیں۔ صدیوں کے بعد بھی اُن کے حالات اس طرح مل سکتے ہیں کہ گویا ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر آپ اس طرف توجہ کریں تو بہت مناسب ہوگا" (ملخصاً)

اس خط کے جواب میں ابو مغیرہ نے لکھا کہ یہ غلط ہے کہ ہمارے یہاں کے علمار کا تذکرہ باقی نہ رہے گا۔ اُن کی تصانیف ہی اُن کا نام باقی رکھنے کے لئے کافی وانی ہیں۔ مختصراً میں بعض تصانیف کا ذکر کرتا ہوں (ملخصاً):-

احمد بن محمد الرازی التاریخی نے اندلس کے شہروں کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ جس میں اندلس کے رستوں، ٹیلوں، بڑے بڑے شہروں، چھاونیوں اور ہر شہر کی خصوصیات اور وہاں کے حالات لکھے ہیں۔ یہ کتاب نہایت عمدہ ہے۔ مگر میرا یہ قول ہے کہ اگر اندلس میں اور کوئی خوبی نہ ہوتی تو اُس کے لئے یہ شرف کافی ہے کہ اس ملک کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے اور ہمارے مجاہدین کی تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ حدیث شریف جو بطریق ابو حمزہ انس بن مالک سے مروی ہے کہ اُن کی خالہ ام حرام بنت ملحان زوجہ ابوالولید عبادۃ بن الصامت (رضی اللہ عنہ و عنہم اجمعین) نے اُن سے بیان کی ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس حدیث شریف میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اہل صقلیہ اور اقریطش سے ہے وہ غلطی پر ہے۔ لیکن اس پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود تمام اندلس سے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ برہان واضح اور بیان لائح ہے اس کے لئے توجیہ و تجریح کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن اگر ہم سے جواب ہی مانگا جائے تو ہم کہیں گے کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع الکلم اور فصل الخطاب عطا فرمایا گیا تھا۔ جب حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی ہوتی تھی تو آپ اُس کو بیان فرما دیتے تھے۔ اس حدیث شریف میں (جس کے اسناد متصل ہیں اور جس کے راوی عدول بعد عدول ہیں) ارشاد ہوا ہے کہ "ہماری امت کے دو فرقے پشت دریا پر ایک دوسرے کے بعد جنگ کے لیئے سوار ہوں گے" ام حرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "حضور دعا فرمائیں کہ اُن میں سے ایک میں بھی ہوں" حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (اور حضور کا خبر دینا بالکل سچ ہے) کہ تم اُن میں سے سب سے پہلی ہوگی۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلام نبوت میں سے ایک ہے کہ قبل وقوع واقعہ سے حضورؐ اطلاع فرما دیتے تھے حضورؐ کی رسالت کی یہ برہان صحیح ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ام حرام رضی اللہ عنہا قبرس پر غزوہ کرنے والے لوگوں میں سے تھیں۔ کہ اُسی کے اثنا میں اپنے خچر سے گر کر واصل برحمت الٰہی ہوگئیں۔ یہ سب سے پہلا غزوہ تھا کہ جس میں مسلمانوں نے دریائی سفر اختیار کیا۔ اس سے یقیناً ثابت ہوگیا کہ قبرس پر چڑھائی کرنے والے وہی اولیں لوگ ہیں جن کی بشارت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اور ام حرام (رضی اللہ عنہا) ان میں سے ایک تھیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ اس میں کسی قسم کا وہم و گمان کرنا فضول ہے۔ اس حدیث قدسی میں بلاغت و بیان کے نکات پوشیدہ ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طایفوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک کو حضورؐ نے اوّل فرمایا ہے اور بعد والے کو ثانی۔ اس سے اضافت و ترکیب عدد نکلتی ہے۔ اس کا لطف منطقی لوگ اُٹھائیں گے۔ کوئی چیز اول نہیں ہوسکتی تا وقتیکہ اُس کے بعد دوسری چیز آنے والی نہ ہو۔ والعکس بالعکس دو فرقوں کی بشارت دی گئی ہے اور ایک کو اول فرمایا گیا ہے۔ اول فرقہ وہی ہے جو قبرس کی طرف براہ دریا گیا۔ دوسرا وہ ہے کہ جو سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا۔ جس کے امیر البحر ہبیرۃ الفزاری تھے۔ باقی رہا صقلیہ جو ابتداء زمانہ اغالبہ یعنی ۲۱۲ھ ہجری میں فتح ہوا۔ اس مہم میں امیر البحر اسد بن الفرات الغازی تھے جو

ابو یوسف رحمہ اللہ کے دوست تھے۔ اُنھوں نے اس مہم میں انتقال کیا۔ اقریطش ۲۶۰ھ کے بعد ابو حفص عمر بن شعیب المعروف بابن الغلیظ کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا، جو قصبہ بطروج واقع قرب قرطبہ کے رہنے والے تھے۔ اُن کی اولاد بھی یہیں رہی۔ اس خاندان کے آخری شخص عبدالعزیز بن شعیب تھے۔ ان کے شہر کو ارمانوس بن قسطنطین بادشاہ روم نے ۳۵۰ھ ہجری میں لوٹا تھا۔ یہاں کے فاتحین بیشتر باشندگان اندلس ہی تھے۔

باقی رہا تقسیم اقالیم۔ قرطبہ جو ہمارے ملک کا مسقط الراس ہے۔ یہ شہر اُسی اقلیم میں واقع ہے جس میں سر منی رائی۔ ہم میں وہ فہم و ذکا موجود ہے جو ہمارے اقلیم کا مقتضا ہے۔ اگرچہ کواکب کی روشنی ہمارے ملک پر غروب کے وقت پڑتی ہے اور وہ دوسرے ممالک میں طلوع ہوتے ہیں۔ اور منجمین کے نزدیک یہ علامت اس امر کی ہے کہ ہم لوگ کچھ ذہین نہوں۔ مگر باوجود اس کے ہمارے ملک کے لوگ علوم میں ایسا حصہ وافی رکھتے ہیں کہ اکثر بلاد کے مقابلہ میں وہ مثل روشن ستاروں کے ہیں۔ یہاں کا ایک ستارہ نوے درجہ بلند ہوتا ہے اور یہ اس امر کی علامت ہے کہ ہم کو علوم میں دستگاہ کامل حاصل ہو۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ اور تجربہ نے اس کو صحیح قرار دیدیا ہے۔ چنانچہ اہالی اندلس کو علوم قرارت و روایات و فقہ و نحو و لغت و حدیث و طب و حساب و نجوم میں یدطولی حاصل ہے، اور ان لوگوں نے ان فنون میں بڑی بڑی تصانیف چھوڑی ہیں۔ ہم پر جو یہ الزام لگایا ہے کہ ہم اپنے یہاں کے علماء کی یادگاریں قائم نہیں رکھتے اس میں ہمارے ساتھ بڑے بڑے شہر بھی شریک ہیں۔ مثلاً قیروان ہی کو لو۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کوئی کتاب وہاں کے حالات کے متعلق دیکھی ہو۔ سوا ایک کتاب العرب عن اخبار المغرب کے یا وہ جستہ جستہ حواشی جو محمد بن یوسف الوراق کی ضخیم تالیف میں ہیں، جو اُنھوں نے خلیفہ المستنصر (رحمۃ اللہ علیہ) کے لئے لکھی تھی، اور اس میں افریقیہ کے راستوں اور ممالک کے حالات، بادشاہوں اور جنگوں اور فاتحین کی تاریخ درج کی ہے۔ ان ہی نے ایک کتاب تہرت، ہران، تونس، سجلماسہ

تکور، بصرہ وغیرہ کے حالات میں بہت خوب لکھی ہی۔ لطف یہ ہی کہ یہ محمد بن یوسف اندلسی الاصل ہیں۔ اگرچہ ان کے آبا ر کا وطن اصلی وادی الحجارہ ہی۔ مگران کا مدفن اور دار ہجرت قرطبہ ہی ہی۔ اگر انھوں نے قیروان ہی میں پرورش پائی ہوتی تو میرے قول کے خلاف دلیل ہوسکتی۔ مگر ہمارا مقصود یہ ہی کہ ہم اس مضمون پر مفصل لکھیں اس لیئے اس موقعہ پر ہم زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتے مورخین زمانہ سابق وحال بلا استثنا اس امر پر متفق ہیں کہ آدمی اسی شہر کی طرف منسوب ہوتا ہی جو اس کا دار الہجرت ہوتا ہی، اور جہاں وہ اپنی ماندو بود اختیار کر لیتا، اور اس مقام کو چھوڑ کر کہیں رحلت نہیں کرتا، اور وہیں انتقال کرتا ہی چنانچہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے حضرت علی، ابن مسعود اور حذیفہ رضی اللہ عنہم کوفہ ہی کی طرف منسوب ہیں۔ حالانکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صرف پانچ سال اور چند ماہ ہی کوفہ میں رہے اور اٹھاون سال و چند ماہ آپ مدینہ منورہ (شرفہا اللہ تعالیٰ) میں اقامت گزیں رہے۔ اسی طرح دوسرے صحابہ، مثلاً ابن حصین، انس بن مالک، ہشام بن عامر اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بصری کہلاتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے اکثر کا مستقر حجاز و تہامہ وطایف وغیرہ رہا ہی، اور انھوں نے بیشتر حصہ عمر وہیں گزارا ہی۔

یہی حالت حضرت عبادہ بن الصامت، ابو درداء، ابو عبیدہ بن الجراح، معاذ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہی کہ یہ سب حضرات شامی کہلاتے ہیں۔ یہی کیفیت حضرت عمرو بن العاص اور خارجہ بن حذافۃ العدوی کی ہی کہ یہ سب حضرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مصری کہلاتے ہیں۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ ابن الزبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم کی بھی یہی کیفیت ہی کہ یہ سب مکی کہلاتے ہیں۔ غرض جو لوگ کہ ہمارے ملک میں ہجرت کر آئے ہیں ان کا حکم بھی ان ہی صحابہ کے حکم میں داخل ہی۔ اور ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو اپنا ہموطن قرار دیں۔ اس میں ہم ان لوگوں کا اتباع کرتے ہیں جو اجماعاً اولوالامر ہیں اور ان کا اتباع فرض ہی۔ اور ان کے خلاف کرنا حرام۔ جو لوگ کہ ہمارے

یہاں سے دوسرے مقامات کو نقل مکان کر گئے ہیں اُن سے ہمیں کوئی تعلق نہیں ہے۔ زندہ اگرچہ جہاں وہ ہوں خوش رہیں) اسی لئے ہم اسمٰعیل بن قاسم اور محمد بن ہانی کو اپنے ہموطنوں میں شمار نہیں کرتے۔ ہر امر میں انصاف کو مدنظر رکھنا چاہیئے اور ہم انصاف کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ جو کچھ تفصیل ہم کر چکے ہیں وہ کافی ہے اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اب بغداد کی طرف نظر ڈالیئے جو دنیا بھر میں سب سے بڑا دارالسلطنت۔ تمام فضایل کا معدن۔ اور وہ مقام ہے جہاں کے باشندوں نے علوم و معارف کے لوا کو سب سے پہلے بلند کیا ہے۔ ان ہی لوگوں نے علوم کی تدقیق کی ہے۔ یہیں کے رہنے والوں کو خوبی اخلاق، ذہن و ذکا، تیزی فکر حاصل تھی۔ پھر بصرہ کو دیکھئے جو تمام خوبیوں کا سرچشمہ ہے جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ باوجود اس کے سوا ایک کتاب مصنفہ احمد بن ابی طاہر کے میری نگاہ سے اور کوئی کتاب مشتمل باخبار بغداد نہیں گزری۔ جتنی کتابیں کہ اہالی بغداد نے تصنیف کی ہیں اُن میں ان لوگوں نے بغداد کا خصوصاً تذکرہ نہیں کیا۔ بلکہ اور شہروں کے حالات میں ضمنی طور پر اُس کا بھی ذکر آگیا ہے۔ یہی حالت بصرہ کی ہے کہ سوا عمر بن شبّہ کی کتاب کے اور دوسری کتاب جو کسی شخص اولاد ربیع بن زیاد (موخر الذکر منسوب بہ ابوسفیان ہے) نے لکھی ہے اور کسی کی کتاب نہیں دیکھی جو بصرہ کے حالات میں ہو۔ ہاں دو کتابیں اور اہل بصرہ کی تصنیف سے ہیں۔ ان میں سے ایک عبدالقاہر کریزی النسب کی ہے۔ ان کتابوں میں مصنفین نے بصرہ کی صفات، وہاں کے بازاروں، مخلوق اور شوارع عام کے حالات لکھے ہیں۔ کوفہ کے حالات میں سوا ایک کتاب مصنفہ عمر بن شبّہ کے اور کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی۔ باقی رہے ممالک الجبال، خراسان، طبرستان، جرجان، کرمان، سجستان، سندھ، رے، آرمینیہ۔ اور آذربیجان حالانکہ یہ ممالک بہت بڑے ہیں۔ لیکن ان کے حالات میں کوئی کتاب ایسی نہیں دیکھی گئی جو اس لئے تالیف کی گئی ہو کہ اُس میں اُن ممالک کے بادشاہوں، علماء، شعراء اور اطبا کے حالات قلمبند

لیے گئے ہیں - حالانکہ لوگوں کی خواہش یہ ہے کہ کوئی کتاب ایسی ملے کہ جس میں فقہاء بغداد کے حالات ہوں - ان کے متعلق ہمیں کچھ علم ہے تو صرف اتنا کہ فقہا بڑے رتبہ کے آدمی تھے - اگر اس موضوع پر کوئی کتاب ہوتی تو یقین غالب ہے کہ جس طرح اور کتابیں ہم تک پہونچی ہیں یہ کتاب بھی ہم تک پہونچ جاتی - مثلاً حمزہ بن الحسن اصبہانی کی کتاب، جو اصبہان میں لکھی گئی ہے، اور کتاب موصلی وغیرہ اخبار مصر میں ہے، ہم تک دست بدست پہونچ چکی ہیں، جیسا کہ اُن کی اور کتابیں مختلف علوم کی پہونچی ہیں - مثلاً قاضی ابوالعباس محمد بن عبدون القیروانی کی کتاب، موضوع شروط پر اسی کتاب میں اُنھوں نے حضرت امام شافعیؒ پر اعتراضات کیے - اسی طرح قاضی احمد بن طالب التیمی کی کتاب جس میں اُنھوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا رد کیا ہے اور امام شافعیؒ کے نقص نکالے ہیں - نیز ہم تک ابن عبدوس اور محمد بن سحنون وغیرہ کی مشہور و غیر مشہور کتابیں پہونچ چکی ہیں -

ایک مثل مشہور ہے کہ عالم کی قدر اپنے ملک میں نہیں ہوتی - نیز میں نے انجیل میں دیکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "نبی کی ہر جگہ قدر ہوتی ہے مگر اپنے ملک میں" اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر غور کیا جائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے - کیونکہ قریش ہی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر نہیں کی، حالانکہ یہ لوگ نہایت حلیم، عقیل، فہیم، ثابت قدم تھے اور خداء تعالیٰ نے اُن کو بہترین زمین رہنے کو اور خوشتریں غذا کھانے کو عطا فرمائی تھی اوس و خزرج کو وہ فضیلت عطا فرمائی کہ اُن کو بہترین مخلوق الٰہی بنا دیا - (واللہ یوتی فضلہ من یشاء) ہمارے ملک اندلس کی بھی یہی کیفیت ہے کہ یہاں کے باشندگان کی یہ خصوصیت ہے کہ جو علماء مشہور ہو جاتے ہیں اُن سے ان کو حسد پیدا ہو جاتا ہے، اُن کے حسنات کی وہ ہجو کرتے ہیں اور اُن کے عیوب وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں - جب تک وہ زندہ رہتے ہیں یہ سلسلہ قائم رکھتے ہیں اور جب مر جاتے ہیں تو اس میں اور بھی زیادتیاں کرتے ہیں، جیسا کہ تمام ممالک میں دستور ہے - چنانچہ وہ کہنے لگتے ہیں کہ وہ

"شخص چور تھا کہ دوسروں کے کلام کو اپنا بتلاتا تھا اور جس صفت کا کہ وہ مدعی تھا وہ اُس میں موجود نہ تھی۔ وغیرہ وغیرہ" اگر عالم بین بین رہتا تھا تو معترض کہتے تھے کہ "اُس کا کلام پھیکا ہے، ضعیف ہے، ساقط الاعتبار ہے" اگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنف چند روز میں نام آور ہونے والا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ کہاں سے لایا؟ اس نے کہاں اور کب پڑھا ہے یہ شخص یتیم معلوم ہوتا ہے" وغیرہ وغیرہ۔ اگر مقدر کسی مصنف کو دو راہوں میں سے ایک راہ اختیار کرا دے، یا اپنا ایسا رنگ اختیار کرے، جو پہلے کسی نے نہ کیا ہو، تو اول الذکر صورت میں تو وہ قابل معافی ہوتا ہے، اُس کو اپنے ہم چشموں میں فوقیت دی جاتی ہے۔ لیکن موخر الذکر حالت میں خردہ چینوں کو ایک شگوفہ ہاتھ آجاتا ہے: اعتراضات کی اُس پر بوچھار شروع ہو جاتی ہے، ہر طرح کے عیوب اُس میں نکالے جاتے ہیں۔ بعض وقت وہ الفاظ اُس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں جو اُس کے زبان قلم سے نہیں نکلے ہوتے۔ وہ باتیں اُس کے سر لگائی جاتی ہیں جن تک اُس کا خیال بھی نہ گیا ہو۔ غرض ایسی باتیں اُس سے منسوب کی جاتی ہیں جو اُس کے خواب میں بھی نہ آئی ہوں۔ اگر مصنف اپنے دھن میں پکا ہے اور وہ اپنا اختیار کردہ رنگ نہیں چھوڑتا، تو دشمنی اور بھی ترقی کرتی ہے۔ اگر بادشاہ اُس کی قدر نہ کرے، یا اُس کے خلاف تقرب شاہی اُس کو حاصل ہو جاتا ہے تو اور بھی قیامت کا سامنا ہوتا ہے۔ جو غلطیاں اُس سے سرزد ہوتی ہیں وہ بڑھا چڑھا کر ظاہر کی جاتی ہیں، جو کتاب وہ لکھتا ہے اُس پر اعتراضات ہوتے ہیں، مخالفت کی جاتی ہے اور اُس پر سختی کے ساتھ نکتہ چینی ہوتی ہے۔ خوبیوں سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور اُس کی قابلیت کو چھپایا جاتا ہے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے، اور وہ تنگ آجاتا ہے۔ اُس کی قابلیت و ذہانت و خیالات پر ایسا صدمہ پڑتا ہے کہ وہ کہیں کا نہیں رہتا۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں اس میں مبالغہ کر رہا ہوں۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ہر روز ہماری آنکھوں کے سامنے گزرتی ہیں۔ جو شخص بھی کوئی نظم یا رسالہ لکھتا ہے تو ممکن نہیں کہ اُس کو یہی مصائب پیش نہ آئیں۔ اور وہ اسی جال میں نہ اُلجھ

جائے۔ اِن پھندوں سے اگر کوئی بچ سکتا ہی تو وہ شخص جس کو خدا تعالیٰ نے عقل دی ہو، یا وہ پیش بیں ہو، یا ایسی ہمت رکھتا ہو کہ ان تمام باتوں کا مقابلہ کر سکے، یا وہ ایسا ہو کہ جو کچھ اُس کی نسبت کہا سنا جائے اُس کی پروا تک نہ کرے۔ یہی طریقہ اختیار کرنے سے ہمارے ملک میں نہایت کار آمد کتابیں تصنیف ہوئی ہیں۔ باوجود اس کے ان کی تعداد اتنی ہی کہ کسی غیر ملک میں اتنی تصانیف نہ ہوں گی۔ ہم ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔

ہدایہ مصنفہ عیسیٰ بن دینار۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہترین اور جامع ترین کتاب ہی جو حضرت امام مالک و ابن قاسمؒ کے مذہب پر لکھی گئی ہی۔ اور مشتمل ہی کتاب الصلاۃ کتاب البیوع۔ کتاب الجدار فی الاقضیہ اور کتاب النکاح والطلاق پر۔ جو کتابیں کہ مذہب امام مالک پر اندلس میں تالیف ہوئی ہیں ان میں سے ایک کتاب قاضی مالک بن علی کی ہی۔ یہ مصنف اولاد بنو فہر میں سے قریشی ہیں۔ اُنھوں نے امام مالک کے شاگردوں اور اُن کے شاگردوں کو دیکھا ہی۔ یہ کتاب بہت اچھی ہی اور اس میں عجیب و غریب باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور (بڑے بڑے آدمیوں کی) تاریخ اور ولادت لکھی ہیں۔ ابو اسحٰق ابراہیم بن مزین نے موطا کی شرح اور نیز اور کتابیں جو موطا کے معانی، اور اُس کے مقطوعات کو وصل کرنے پر مشتمل ہی۔ ایک اور کتاب موطا کے رجال اور حضرت امام مالک سے اُن میں سے ہر ایک کے آثار موطا کے متعلق درج کیے ہیں۔

ابو عبدالرحمٰن بقی بن مخلد کی تفسیر قرآن مجید بلا استثنا بے نظیر ہی۔ اسلام میں ایسی تفسیر کبھی نہیں لکھی گئی۔ محمد بن جریر طبری یا کوئی اور تفسیر بھی اُس تک نہیں پہونچتی۔ ان ہی کی فن حدیث شریف کی ایک کتاب اُن کی اچھی کتابوں میں سے ہی۔ اس کو اُنھوں نے صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے اسمار گرامی کی ترتیب پر مرتب کیا ہی۔ اس میں ایک ہزار تین سو سے زیادہ صحابیوں کا ذکر کیا ہی۔ پھر ہر ایک صحابی کی روایت کردہ حدیث درج کی ہی ابواب فقہ

واحکام کے مطابق۔ اصلیت یہ ہی کہ یہ مصنف نہایت مستند ہیں۔ ایسی رتبہ کی کتاب اُن سے پہلے کسی نے نہیں لکھی۔ مصنف خود نہایت ثقہ، متقی، حافظہ کے قوی اور حدیث شریف میں وسیع النظر آدمی ہیں۔ دو سو چوراسی اُستادوں کے شاگرد ہیں۔ ان کے اساتذہ میں سے دس آدمی بھی ضعفاء میں نہیں ہیں۔ تمام لوگ مشہور علماء ہیں۔ ان کی ایک اور تصنیف صحابہ و تابعین کے فضائل میں ہی۔ اُن کے علاوہ اور بزرگان کے حالات و فضائل بھی درج ہیں ہیں۔ ان کی یہ کتاب تصانیف ابوبکر بن ابو شیبہ، عبدالرزاق بن ہمام اور سعید بن منصور وغیرہ سے بہت بڑھ گئی ہی۔ اس کتاب میں اتنا علم کا ذخیرہ بھرا پڑا ہی کہ کہیں اور نہ ملے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس امام فاضل کی یہ تالیف قواعد اسلام میں داخل ہو گئی۔ جو اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ یہ مصنف کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ امام احمدؒ بن حنبل رضی اللہ عنہ سے البتہ خصوصیت رکھتے تھے۔

ابن امیۃ الحجاری کی کتاب احکام القرآن بھی قابل ذکر ہی۔ یہ شافعی المذہب تھے علم کلام پر مجتہدانہ نظر ڈالتے تھے۔ قاضی ابو الحکم منذر بن سعید کی بھی ایک کتاب احکام القرآن پر ہی۔ قاضی صاحب داؤدی المذہب ہیں اور اپنے مذہب کی بہت حمایت کرتے ہیں۔ قاضی صاحب کی اور کتابیں بھی ہیں۔ منجملہ ان کے کتاب الابانہ عن حقائق اصول الدیانہ قابل ذکر ہی۔ علم حدیث میں ابو محمد قاسم بن اصبغ بن یوسف بن ناصح اور محمد بن عبدالملک بن ایمن کی کتابیں نہایت قابل قدر ہیں۔ ان میں وہ احادیث صحیح و غریب جمع کی ہیں جو اور کتابوں میں نہیں ملتیں۔ قاسم بن اصبغ کی اور بھی تالیفات نہایت اچھی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب احکام القرآن اسمٰعیلؒ کی ترتیب ابواب کے موافق ہی۔ مگر کتاب المجتبیٰ علی الابواب کتاب ابن ابی جارود المنتقی اُس سے بہتر ہی۔ اور بلحاظ جمع حدیث شریف بہت نفیس و مستند و مفید تصنیف ہی۔ ایک کتاب فضایل قریش و کنانہ پر، اور دوسری کتاب ناسخ و منسوخ پر اور تیسری کتاب غرایب حدیث مالک بن انسؒ پر مشتمل ہی۔ اس میں وہ احادیث

ہیں جو موطا میں نہیں ہیں۔ ہمارے دوست ابو عمر ابو یوسف بن عبد البر کی کتاب التمہید قابل دید ہے۔ میں نے اس جیسی کوئی کتاب فقہ حدیث پر نہیں دیکھی، اس سے بہتر کہاں ملسکتی ہے۔ ان ہی مصنف کی کتاب الاستذکار ہے جو کتاب تمہید مذکور کا اختصار ہے۔ ان ہی مصنف کی ایک بے مثل کتاب کافی نامی ہے جو فقہ امام مالکؒ پر مشتمل و محتوی ہے۔ پندرہ کتابوں کا عطر اس میں ہے۔ اگر کسی مفتی کے پاس یہ کتاب ہو تو اُس کو کسی بڑی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس کے ابواب کو نہایت خوبی کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ ان ہی مصنف کی ایک کتاب صحابہ کے متعلق ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں اور متقدمین نے بہت کچھ لکھا ہے، لیکن اس کتاب تک نہیں پہونچ سکیں۔ کتاب الاکتفاء فی قرأۃ نافع و ابو عمرو بن العلاء اور دونوں کی دلائل بھی قابل ذکر ہیں۔ کتاب بہجۃ المجالس و انس المجالس مواعظ میں ہے۔ اس میں اشعار و حکایات ہیں اور اپنے موضوع پر اچھی کتاب ہے۔ ان ہی میں سے ایک کتاب جامع بیان العلم و فضلہ و ماینبغی فی روایتہ قابل تذکرہ ہے۔ یہ مصنف (ابو عمر یوسف بن عبد البر) اب تک زندہ اور جوان عمر ہیں۔ ہمارے اُستاد قاضی ابو الولید عبد اللہ بن محمد بن یوسف بن الفرضی کی ایک کتاب موسومہ مختلف و المؤتلف فن اسماء الرجال میں عجیب کتاب ہے۔ اس موضوع پر عبد الغنی الحافظ البصری کی بھی دو کتابیں ہیں۔ ابو الولیدؒ تک بھی قریب بیس کتابوں کے پہونچی ہیں مگر اُن کی کتاب جیسی ایک بھی نظر سے نہیں گزری۔
منجملہ اور کتابوں کے فن رجال میں احمد بن سعید کی تاریخ بھی بے نظیر ہے۔ اگر اُس کا کچھ مقابلہ کر سکتی ہے تو محمد بن موسی العقیلی کی تاریخ ہے جو ہم تک پہونچی ہے۔ مگر میں نے اُس کو نہیں دیکھا۔ احمد بن سعید اس فن کی تالیف میں متقدم ہیں۔ قاضی محمد بن یحیی بن مفرج کی بہت سی کتابیں ہیں۔ اُن میں سے ایک کی سات جلدیں ہیں۔ جس میں حسنؒ بصری کی فقہ کو جمع کیا گیا ہے۔ ایک میں زہریؒ کی فقہ اور اُس کے متعلقات اور شرح حدیث مصنفہ عامر بن خلف السرقسطی کا مختصر کتابہ ہے۔ ۔ ابو عبید کو اُن پر اگر کوئی فوقیت حاصل ہے تو صرف یہ کہ وہ متقدم العصر

ہیں اور بس۔ اُن ہی کی تصنیف سے فقہ میں ایک کتاب ہی واضحہ نامی کہ جس کی فضیلت اور تعریف میں تمام مالکی متفق ہیں۔ ایک کتاب المستخرجہ من الاسمعہ المعروف بعتبیہ ہی کہ جس کی اہل افریقیہ بڑی قدر کرتے ہیں۔ جس کتاب میں کہ ابوعمر احمد بن عبدالمالک بن ہشام الاشبیلی المعروف بابن الکوی، اور القریشی ابومروان المعیطی نے امام مالکؒ کے تمام اقوال جمع کیے ہیں۔ وہ اُسی قسم کی ہی جیسی کہ قاضی ابوبکر محمد بن احمد الحداد البصری کی کتاب جس میں امام شافعیؒ کے تمام اقوال جمع کیے گئے ہیں۔ کتاب المنتخب، جس کو قاضی محمد بن یحیٰی بن عمر بن لبابہ نے تالیف کیا ہی، ایسی کتاب ہی کہ مالکیوں میں سے کسی کی کتاب میں نے اُس سے بہتر نہیں دیکھی جس میں اس مذہب کی روایات اور اُس کے مشکلات کی تشریح وتفریع و وجوہ لکھے گئے ہوں۔ قاسم بن محمد المعروف بصاحب الوثائق کی کتابیں اپنے مضمون میں نہایت اچھی ہیں۔ یہ صاحب شافعی المذہب تھے۔

فن لغت میں وہ مشہور کتاب جس کو اسمٰعیل بن القاسم نے تصنیف کیا ہی لغات پر حاوی ہی۔ ان ہی کی کتاب الف مقصورہ وممدودہ ومہموزہ میں ایسی ہی کہ اُس جیسی ابتک کوئی نہیں لکھی گئی۔ محمد بن عامر العزمی المعروف بابن القوطیہ کی کتاب الافعال، جس پر ابن طریف (غلام عبیدیین) نے کچھ بڑھایا ہی، وہ کتاب ایسی ہی کہ اُس جیسی اس فن میں اور کوئی کتاب نہیں ہی۔ ابوتمام بن غالب المعروف بہ ابن التیانی کی کتاب فن لغت میں ایسی ہی کہ اُس جیسی مختصر اور مستند کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ میرا خیال ہی کہ یہ مصنف بقید حیات ہیں۔ میں ان کا وہ قصہ لکھے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا جو مجھ سے ابوالولید عبداللہ بن محمد بن عبداللہ المعروف بابن الفرضی نے بیان کیا تھا کہ ابوالجیش مجاہد شاہ الجزایر ودانیہ جب مرسیہ پر غالب آئے تو اُن دنوں ابوغالب مرسیہ میں رہتے تھے۔ بادشاہ نے ایک ہزار دینار اندلسی ابوغالب کے پاس بھیجکر درخواست کی کہ وہ اپنی اس کتاب کے دیباچہ میں یہ لکھدیں کہ میں نے یہ کتاب ابوالجیش مجاہد کی فرمائش سے لکھی ہی۔ ابوغالب نے یہ رقم لینے سے انکار کردیا۔

اور قاصد کو واپس کرنے کے کہلا بھیجا کہ واللہ اگر دنیا بھر بھی مجھے دی جائے تو میں ہرگز ایسا نکرونگا
اور اس دروغ کو اپنی کتاب میں جگہ نہ دوں گا کہ میں نے یہ کتاب بادشاہ کی فرمایش یا
اُس کے لیئے لکھی ہی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہی کہ یہ کتاب میں نے طلبا علم کے لیئے لکھی ہے۔
بادشاہ کی ہمت تو تعجب انگیز ہی ہی مگر اُس سے زیادہ اس عالم کی ہمت حیرت افزا ہی۔

احمد بن ابان بن سید کی کتاب موسومہ کتاب العالم فن لغت میں ایک سو جلدوں
میں ہی۔ اس میں تمام اجناس کو لیا گیا ہی۔ آسمان سے شروع اور ذرہ پر ختم کیا ہی۔ ابو علی اسمٰعیل
بن القاسم کی کتاب النوادر ایک طرح کا فرہنگ ہی۔ مجھے اپنی عمر کی قسم ہی کہ ابو العباس کی
کتاب الکامل میں نحو اور دیگر علوم کی اتنی خوبیاں نہیں ہیں جتنی ابو علی کی کتاب میں ہیں۔ لغت
شعر کا البتہ اس میں بہت بڑا ذخیرہ ہی۔ صاعد بن الحسن الربعی کی کتاب الفصوص ہر دو کتب
مذکورہ بالا کی روشش پر لکھی گئی ہی۔ فن نحو میں کسائی کی کتاب کی شرح مصنفہ جوفی اپنے مضمون
کی اچھی کتاب ہی۔ اسی فن میں ابن سیدہ کی کتاب عالم والمتعلم۔ اور اخفش کی کتاب کی
شرح بھی قابل ذکر ہیں۔

نظم و اشعار کی کتابوں میں ابن عبادہ بن ماء السماء، شعراء اندلس کا تذکرہ، بہت اچھی
کتاب ہی۔ کتاب الحدائق ابو عمر احمد بن فرج کی تصنیف جو ابو محمد بن داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کی
کتاب زہرہ کے رنگ میں لکھی ہی۔ ان دونوں کتابوں میں یہ فرق ہی کہ ابو محمد نے ایک سو
باب قائم کیئے ہیں اور ہر باب میں سو بیت ہیں۔ ابو عمر نے دو سو باب قائم کیئے ہیں اور
ہر باب میں سو بیت ہیں۔ اور ہر باب کا عنوان بالکل جداگانہ الفاظ میں لکھا ہی۔ سوا ر
اندلسی باتوں کے اس میں اور کچھ نہیں لیا۔ حقیقت یہ ہی کہ جو کچھ اُنھوں نے اختیار کیا ہی
بہت خوب کیا ہی، اور اپنے رنگ میں یہ کتاب فرد ہی۔ کتاب التشبیہات میں اشعار
اہل اندلس مصنفہ ابو الحسن علی بن محمد بن ابی الحسن الکاتب بھی قابل ذکر ہی۔ یہ مصنف زندہ
ہیں اور خدا کرے اور زندہ رہیں۔ اسی فن کے متعلق ابو القاسم ابراہیم بن محمد الافلیلی

نے متنبی کے اشعار کی شرح لکھی ہے اور نہایت اچھی لکھی ہے۔ فن تاریخ میں احمدؒ بن محمدؒ بن موسیٰ
الرازی کی تاریخ ملوک اندلس اوروں کی خدمات و غزوات و مصائب کا حال تفصیل کے ساتھ
بہت خوب لکھا ہے۔ ان ہی کی ایک کتاب قرطبہ کے حالات، اُس کے محلوں کی کیفیت اور
اعیان کے مکانات کے حالات میں اُسی طرح لکھی ہے جیسے کہ ابن ابو طاہر نے بغداد کے
حالات میں لکھنی شروع کی تھی، جس میں ابوجعفر المنصور کے مصاحبوں کے مکانات کا ذکر ہے
نیز متفرق تاریخ بھی اس میں درج کی ہے۔ اسی مضمون پر ایک کتاب عمر بن حفصون کے ریہ
میں بغاوت کرنے کے حالات میں ہے۔ اس میں عمر کے وقایع، اخلاق اور جنگوں کا ذکر ہے۔
ایک اور تاریخ میں عبدالرحمٰن بن الجلیقی کے حوف میں سر اُٹھانے کے حالات ہیں، علاوہ ازیں
بنو قیس، تجیبین، بنو طویل اور ثغر کے حالات میں الگ الگ کتابیں ہیں جو میری نظر سے
گزری ہیں، اور بہت اچھی کتابیں ہیں۔ ایک کتاب ریہ، وہاں کے قلعوں، جنگوں کے
حالات اور وہاں کے فقہاء اور شعراء کے تذکروں میں ہے، جو کئی اجزاء میں اسحٰق بن سلمہ
ابن اسحٰق اللیثی کی تالیف ہے۔ محمدؒ بن الحرث الخشبی کی کتاب قرطبہ اور تمام بلاد اندلس کے
قاضیوں اور فقہاء کے حالات میں ہے۔ احمدؒ بن محمدؒ بن موسیٰ کی کتاب مشاہیر اہل اندلس کے
انساب میں پانچ موٹی موٹی جلدوں میں ہے۔ انساب میں یہ کتاب بہترین اور مفصل ترین ہے
قاسم ابن اصبغ کی کتاب فن انساب میں باوجود مختصر ہونے کے بہت اچھی ہے۔ ان ہی کی ایک
کتاب فضائل بنو امیہ میں ہے۔ یہ مصنف ثقاہت و جلالت میں ایسا رتبہ رکھتے تھے کہ وہ اپنی
زندگی ہی میں مشہور ہو چکے تھے، اور سب جگہ اُن کا ذکر ہوتا تھا۔ اسی مضمون پر اور کتابیں
اخبار ستہ (چھ چھاؤنیوں) اندلس، اور جاگیرداروں کے حالات میں ہیں۔ اور بہت سی
کتابیں المستنصر باللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہیں جن میں شعراء اندلس کے تذکرے ہیں ان ہی
میں سے ایک میں میں نے شعراء بیرہ کا تذکرہ، قریب دس اجزاء میں دیکھا ہے۔ تواریخ کی
کتابوں میں ایک بڑی کتاب اہل اندلس کے حالات میں ابو مروان ابن حیان نے دس

جلدوں میں لکھی ہے۔ اس مضمون پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں سب سے زیادہ جلیل القدر کتاب یہی ہے۔ مصنف زندہ ہیں اور اب تک ادھیڑ عمر کے بھی نہیں ہیں۔ خدا اُنھیں اور سلامت رکھے۔ حسین بن عاصم کی کتاب مآثر العامریہ، سیرت ابن ابی عامر اور اُن کے دیگر حالات میں ہے۔ محمدؐ بن عاصم النحوی کی کتاب الافشین اندلس کے کاتبوں کے طبقات میں ہے۔ سکن بن سعید کی بھی ایک کتاب اس مضمون پر ہے۔ احمدؐ بن فرج کی اندلس کے خروج کرنے والے لوگوں کے حالات میں حالات میں ہے۔

سلیمان بن جلجل کی ایک کتاب اطبار اندلس کے حالات میں ہے۔ وزیر یحییٰ ابن اسحٰق کی کتابیں طب پر بہت اچھی اور رفیع ہیں۔ ہمارے اُستاد محمدؐ بن الحسن المذحجی المعروف با بن الکتانی رحمہ اللہ تعالےٰ کی طب کی کتابیں بھی بہت خوب اور رفیع القدر ہیں۔ ابوالقاسم خلف بن عباس الزہراوی کی کتابیں اسی فن میں میں نے دیکھی اور پڑھی ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ ان جیسی کتابیں اس فن میں تصنیف نہیں ہوئیں۔ اور بلحاظ قول وعمل ایسی کتابیں نہیں مل سکتیں تو یقیناً میرا دعوےٰ صحیح ہوگا۔ ابن ہیثم کی کتابیں خواص ادویہ اور زہروں اور بیخ ادویہ میں جلیل القدر کتابیں ہیں اور نہایت نافع۔

علم فلسفہ میں میں نے سعید بن فتحون السرقسطی، المعروف بہ حمار، کے رسالوں کا ایک مجموعہ دیکھا ہے جو مصنف کی اس فن میں قابلیت پر دال ہیں۔ ہمارے اُستاد ابوعبداللہ محمدؐ ابن الحسن المذحجی کے رسالے اس فن میں مشہور ومتداول ہیں ان میں تمام خوبیاں ختم ہوگئی ہیں۔ یہ سب رسالے فایق الجودت، عظیم المنفعت ہیں۔

ریاضیات کے متعلق میں وثوق کے ساتھ یہ رائے نہیں دے سکتا کہ کونسی کتاب ہمارے ہم وطن کی اس فن میں اچھی ہے اور کونسی قابل اعتراض، کیونکہ مجھے اس فن میں حصہ نہیں ملا۔ مگر میں ایک شخص سے جس کو علی الاتفاق اس فن میں رسوخ حاصل ہے، عالم ہے اور از رو ئے عقل و دین ثقہ ہے، یہ کہتے سنا ہے کہ مسلمہ اور ابن السمح سے بہتر نجوم کے زائچے کسی نے نہیں

بنائے۔ یہ دونوں مصنف ہمارے شہر کے رہنے والے تھے۔ اسی طرح احمدؒ بن نصر کی کتاب سے بہتر اس فن میں اور کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

میں نے صرف اُن کتابوں کا نام لیا ہے جو قابل ذکر ہیں، اقسام سبعہ میں داخل ہیں، جن پر ہر عاقل و عالم حاوی نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص ایک ہی فن میں کمال حاصل کر سکتا ہے۔ کوئی شخص یا تو ایسی اختراع کرے گا جو پہلے موجود نہ تھی، یا کسی ناقص چیز کو تمام کرے گا، یا کسی مستغلق کتاب پر شرح لکھے گا، یا طویل مضمون کا اس طرح اختصار کرے گا کہ معانی میں خلل نہ پڑے، یا کچھ متفرق ہو کہ اُسے جمع کرے گا، یا کچھ باتیں بکھری ہوئی پڑی ہوں اُن کو مرتب کرے گا، یا کسی کے اغلاط کی تصحیح کرے گا۔ جو تالیفات کہ اوروں کے مقابلہ میں کم درجہ کی ہیں اُن کی طرف میں نے التفات نہیں کیا ہے۔ ورنہ ہمارے ہموطنوں کی تالیفات اس قدر ہیں کہ اُن کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔

باقی رہا علم کلام۔ ہمارے ملک میں ایسے لوگ نہیں ہیں کہ جن کو ہم اپنا مخالف و مخاطب سمجھیں، نہ یہاں مختلف مذاہب کی گرم بازاری ہے، اسی لیے اس فن میں ہمارے ملک کے مصنفین عاری ہیں یا کم ہیں۔ یہاں مذہب معتزلہ کے لوگ ضرور ہوئے ہیں، جو اپنے اصول کے بڑے پابند تھے اور اُن کی یہی تالیفات تھیں۔ مثلاً خلیل بن اسحٰق، یحییٰ بن السمینہ، صاحب موسیٰ بن جدیر، اور اُن کے بھائی وزیر صاحب المظالم احمدؒ جو معتزلی ہونے کا علانیہ دعویٰ کرتے تھے، اور اُس کو پوشیدہ نہ رکھتے تھے۔ ہم اپنے اُسی مذہب پر قائم ہیں جو ہم نے اختیار کیا تھا، یعنی مذہب اصحاب الحدیث پر۔ غرض فن کلام میں خود میری تصانیف میں جو اگرچہ حجم میں چھوٹی ہیں اور تھوڑے اوراق میں ختم ہو گئی ہیں، مگر پھر بھی دو سو سے زیادہ اوراق میں ہیں۔ مگر بہت مفید ہیں۔ کیونکہ اُن میں میں نے اُن کے تمام دلائل کو قطع کر دیا ہے، میں نے طویل بحثوں کو چھوڑ دیا ہے، اور صرف اُن براہین کو منتخب کیا ہے جو صحیح مقدمات پر مبنی ہیں، اور حس اور بدیہیات کے رو سے صحیح ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اور تصنیفات ہیں، جو ختم ہو چکی

ہیں یا ختم ہونے والی ہیں، بعض ایسی ہیں کہ ابھی میں نے شروع ہی کی ہیں۔ خدا رتعالیٰ باقی کتابوں کے لئے بھی میری مدد فرمائے گا۔ چونکہ میرا قصد فخر و مباہات نہیں ہو اس لیے میں اپنی اور تصانیف کا ذکر نہیں کرتا۔ میری نیت تو صرف یہ ہو کہ دین الٰہی کی تقویت و تائید ہو اور بس حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

ہمارا شہر سرچشمۂ علوم اور مستقر علماء سے مسافت بعیدہ پر واقع ہو۔ مگر باوجود اس کے جن کتابوں کا ذکر میں نے اوپر کیا ہو اس قسم کی فارس، اہواز، دیار مضر، دیار ربیعہ، یمن اور شام میں بھی ڈھونڈے نہ ملیں گی۔ حالانکہ یہ تمام مقامات بہ نسبت ہمارے ملک کے عراق سے قریب ہیں، جو فہم و ذکا کا گویا دار ہجرت ہو، اور اصحاب معارف کا مرا و دلی میں نے جہاں ابو الاجرب جعونہ بن الصمۃ الکلابی کا ذکر شعرا کی ذیل میں کیا ہو وہاں اُن کا مقابلہ جریر اور فرزدق سے کیا ہو۔ کیونکہ یہ دونوں اُن کے ہمعصر تھے۔ اگر انصاف کیا جائے تو اصل یہ ہو کہ فن شعر میں ابو الاجرب متقدمین کے قدم بقدم چلے ہیں، متاخرین سے اُنھوں نے کچھ تعلق نہیں رکھا۔ اگر میں بقی بن مخلد کا ذکر کردں تو حقیقت الامر یہ ہو کہ سوا محمد بن اسمٰعیل، مسلم بن حجاج نیشاپوری، سلیمان بن الاشعث السجستانی اور احمد بن شعیب النسائی کے اور کسی کو ان پر ترجیح حاصل نہیں ہو۔ قاسم بن محمد کا اگر کسی اور سے مقابلہ کیا جائے تو سوا قفال اور محمد بن عقیل الفریابی کے اُن سے کوئی بڑا ہوا نہیں نظر آتا۔ موخر الذکر قاسم بن محمد کے ساتھ مزنی بن ابراہیم شریک صحبت رہ چکے ہیں، اور دونوں اُن ہی کے شاگرد ہیں۔ اگر میں عبد اللہ بن قاسم بن ہلال اور منذر بن سعید کی تعریف کردں تو میں اُن کے مقابلہ کا صرف ابو الحسن بن المغلس، خلال، دیباجی اور رویم بن احمد کو پاتا ہوں۔ یہ سب صاحبان، مقدم الذکر بزرگوں کے ساتھ، معہ عبد اللہ کے، ابو سلیمان کے ہم صحبت رہ چکے ہیں۔ جب میں محمد بن عمرو بن لبانہ اور اُن کے چچا محمد بن عیسیٰ، اور فضل بن سلمہ کا ذکر کروں تو اُن پر صرف محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم، محمد بن

سحنون اور محمدؐ بن عبدوس ہی کو اُن کی برابر قرار دے سکتا ہوں۔ محمدؐ بن یحییٰ الریاحی اور ابو عبداللہ بن عاصم کسی طرح اکابر اصحاب محمدؐ بن یزید المبرد سے کم نہیں ہیں۔ اگر ہمارے یہاں کوئی بڑا شاعر نہو تب بھی احمدؐ بن محمد دراج القسطلی کا نام لے دینا کافی ہے۔ اگرچہ وہ بشار، ابی نواس، حبیب اور متنبی سے متاخر ہیں۔ احمدؐ بن محمدؐ کے ساتھ ہی جعفر بن عثمان الحاجب، احمدؐ بن عبدالملک بن مروان، اغلب بن شعیب، محمدؐ بن شخیص، احمدؐ بن فرج اور عبدالملک ابن سعید المرادی کا نام لیا جائے تو معلوم ہو کہ یہ شعرا اپنے فن کے وہ مرد میدان ہیں کہ جن کے مقابلہ میں بڑے بڑے شعرا کانپ اُٹھیں۔ بلغا میں احمدؐ بن عبدالملک بن شہید، جو میرے دوست صادق اور یاران صحبت میں سے ہیں، اور اب تک زندہ ہیں، ادھیڑ عمر کو بھی نہیں پہونچے ہیں (خدا تعالےٰ اُن کو زندہ سلامت رکھے) یہ وہ شخص ہیں جو دشوار گزار گھاٹیوں کو چشم زدن میں طے کر جاتے ہیں۔ میں ان کی تعریف کسی طرح نہیں کر سکتا، اگرچہ مجھے عمرو اور سہیل کی زبان بھی دیدی جائے۔ محمدؐ بن عبداللہ بن مسرہ نے بھی خوب شہرت پائی ہے، اگرچہ جو طریقہ اُنھوں نے اختیار کیا ہے میں اُس کو پسند نہیں کرتا، گو ایک جماعت اُن ہی کی تقلید کر رہی ہے۔

کاتب رحمہ اللہ تعالےٰ کے جواب کو میں یہاں ختم کرتا ہوں۔ میں نے اس میں طول نہیں دیا، صرف اُن ضروری باتوں کو بیان کیا ہے جن کا تعلق اُن کے جواب سے ہے۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے اُس نے اس کی توفیق عطا فرمائی۔ وہی صحیح راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ اپنے بندے اور اپنے رسول محمدؐ پر اور اُن کے آل و اصحاب پر درود و سلام بھیجے۔ فقط"۔

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب تحریر میں اس رسالہ کا ذکر کر کے حسب ذیل لکھا ہے، جو رسالہ مصرحہ بالا کا ایک طور پر تتمہ کہا جاتا ہے۔ (حافظ ابن حجر پانچ سال اور چند ماہ اور بقول بعض صرف چار سال کوفہ میں رہے ہیں:-

مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وزیر الحافظ ابو محمد بن حزم نے مفاخر اندلس میں جو کچھ لکھا ہے اُس پر کچھ ایزاد کیا جائے۔ چنانچہ جو کچھ مجھے یاد آتا ہے وہ لکھتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اعانت فرمائے۔

متعلقات قرآن مجید میں بہترین تفسیر کتاب الہدایہ الی بلوغ النہایہ قریباً دس جلدوں میں امام العالم الزاہد ابو محمد مکی بن ابو طالب القرطبی کی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ایک تفسیر اعراب القرآن میں ہے۔ ابن غالب نے اپنی کتاب فرحۃ الانفس میں مکی مذکور کی ستّر تالیفات گنائی ہیں۔ ۴۳۷ھ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔ محمد بن عطیۃ الغرناطی کی ایک تفسیر قرآن مجید ایسی مشہور ہے کہ اُس کا غلغلہ شرق و غرب میں ہے۔ یہ چھٹی صدی ہجری کے فضلا میں سے تھے۔ فن قرأت میں مکی مذکور کی ایک کتاب تبصرہ ہے۔ اور ابو عمرو الدانی کی کتاب تیسیر لوگوں میں مشہور ہے۔ حدیث شریف میں ہمارے زمانہ، یعنی ساتویں صدی ہجری کے امام ابو الحسن علی بن القطان القرطبی، ساکن مراکش ہیں۔ شرح احادیث شریف اور اُن کے رجال میں اُن کی کئی مکمل کتابیں ہیں، اور ہمارے زمانہ میں بہت متداول ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ وہ بڑی بڑی مشہور کتب حدیث کے جمع کرنے میں مشغول ہیں جن میں وہ مکرر حدیثوں کو حذف کر رہے ہیں۔ رزین بن عمار الاندلسی کی ایک کتاب ہے جس میں تمام وہ حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں جو مسلم و بخاری و موطا و سنن و نسائی و ترمذی میں ہیں۔ یہ کتاب بہت اچھی ہے اور شرق و مغرب میں متداول ہے۔ کتاب الاحکام مصنفہ ابو محمد عبدالحق الاشبیلی مشہور کتاب اور متداول القرأۃ ہے۔ اس میں احکام کبریٰ و صغریٰ جمع ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ وسطیٰ بھی۔ حمیدی کی کتاب الجمع بین الصحیحین مشہور ہے۔ فن فقہ میں جو کتاب کہ مالکیوں سے بلکہ اسکندریہ والوں کے نزدیک معتمد علیہ ہے، اور جس پر کتاب کا اطلاق ہو سکتا ہے، وہ کتاب التہذیب مصنفہ براذعی السرقسطی کی ہے۔ نیز کتاب النہایہ مصنفہ ابوالولید بن رشد بڑی پایہ کی کتاب ہے اور مالکیوں کے نزدیک معتمد علیہ ہے۔ یہی حالت اچی

کی کتاب المنتقی کی ہے۔ اصول دین اور اصول فقہ میں امام ابوبکر ابن العربی الاشبیلی کی کتاب
العواصم والقواصم لوگوں میں بہت مشہور ہے۔ اس کے علاوہ ان ہی مصنف کی اور کتابیں بھی
ہیں۔ ابوالولید بن رشد کی کتاب اصول فقہ میں مختصر المستصفی قابل ذکر ہیں۔ فن تاریخ میں
ابن حیان کی بڑی تاریخ، المعروف بالمتین، کی قریب ساٹھ مجلدات تھیں۔ ابن حزم نے صرف
کتاب المقتبس کا ذکر کیا ہے جو صرف دس جلدوں میں ہے۔ متین میں مصنف نے اپنے زمانہ کے حالات
لکھے ہیں، اور وہ باتیں درج کی ہیں جو اُن کے مشاہدہ میں آئی ہیں۔ صاحب ذخیرہ اسی سے
نقل کرتے ہیں۔ ہمارے ہمعصر ابوالحجاج البیاسی نے اُس پر حواشی لکھے ہیں۔ ابوالحجاج اس
وقت افریقیہ کے دارالسلطنت تونس میں وہاں کے بادشاہ کے زیر بار احسان ہیں۔ مظفر
بن الافطس بادشاہ بطلیوس کی کتاب مظفری حجم میں کتاب المتین کے برابر ہے۔ اس میں
سنن کی تاریخ لکھی ہے، اور فنون آداب بھی اس میں جمع کیے ہیں۔ سلاطین لمتونیہ کی تاریخ
ابن صاحب الصلات نے خوب لکھی ہے۔ ابن غالب نے لکھا ہے کہ ابن الصیرفی الغرناطی
نے ایک کتاب اخبار دولت لمتونیہ میں لکھی ہے۔ ابوالحسن السالمی نے کتاب اخبار
فتنہ ثانیہ اندلس، خوب لکھی ہے۔ اس کو اُنھوں نے ۳۹۹ھ ہجری سے شروع کیا ہے، اور
ابواب کو سالوار تقسیم کیا ہے۔ اس میں ۴۲۲ھ ہجری تک کے حالات ہیں۔ ابوالقاسم
خلف بن بشکوال نے کتاب تاریخ اصحاب الاندلس، زمانہ فتح سے لے کر اپنے زمانہ تک
لکھی ہے۔ اور اس پر قرطبہ وغیرہ کے حالات، جو اُن کو مناسب معلوم ہوئے، اضافہ کیے
ہیں۔ ان ہی مصنف کی کتاب الصلہ تاریخ العلما میں ہے۔ حمیدی کی کتاب جذوۃ المقتبس
بھی اسی باب میں ہے۔ ہمارے زمانے میں ابوعبداللہ بن الابار البلنسی، مصاحب بادشاہ
افریقیہ نے کتاب الصلہ پر حواشی لکھے ہیں۔ ابن غالب نے لکھا ہے کہ فقیہ ابوجعفر بن عبدالحق
الخزرجی القرطبی نے ایک بڑی تاریخ لکھی ہے جس کو اُنھوں نے خلق عالم سے شروع کرکے اندلس
کے زمانہ دولت عبدالمومن یعنی ۵۶۵ھ تک ختم کیا ہے۔ ابومحمد بن حزم (جن کا رسالہ ابھی نقل

ہو چکا ہی) بہت سی تواریخ کے مصنف ہیں منجملہ اُن کے نقط العروس فی تواریخ الخلفاء بہت اچھی کتاب ہی۔ ابو الولید بن زیدون نے کتاب التبئین در بیان خلفاء بنو اُمیہ اندلسی ویسی ہی ہی جیسی کہ کتاب التبیین خلفاء المشرق کے حالات میں مسعودی نے لکھی ہی۔ قاضی ابو القاسم صاعد بن احمد الطلیطلی کی کتاب التعریف باخبار علماء الامم من العرب والعجم اور کتاب جامع اخبار الامم بھی قابل ذکر ہیں، ابو عمر بن عبد البر کی ایک کتاب القصد والامم فی معرفۃ اخبار العرب والعجم بھی اچھی کتاب ہی۔ عریب بن سعید القرطبی نے تاریخ طبری کا ایسا اچھا اختصار کیا ہی کہ تمام لوگ اُس کے محتاج ہیں۔ اس پر اُنھوں نے تاریخ افریقیہ اور اندلس کا اضافہ کیا ہی۔ احمد بن سعید بن محمد بن عبد اللہ بن الفیاض کی ایک تصنیف کتاب العبر بھی قابل دید ہی۔ ابو بکر الحسین بن محمد الزبیدی نے ایک کتاب میں مشرق اور اندلس کے نحویئین اور لغوئین کے حالات میں ایک کتاب ہی۔ قاضی ابو الولید بن الفرضی نے علماء و شعراء وغیرہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہی۔ یحییٰ بن حکم الغزال نے ایک تاریخ لکھی ہی جو تمام منظوم ہی۔ ان کے بعد ابو طالب المتنبی باشندہ جزیرہ شقر نے ایک اور منظوم تاریخ لکھی ہی۔ صاحب الذخیرہ نے اُس پر اعتراضات کئے ہیں۔ ابن بسام کی کتاب الذخیرہ فی جزیرۃ الاندلس بھی اچھی کتاب ہی۔ اس کا دوسری کتاب سے مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ یہ کتاب گویا ابن فرج کی کتاب حدایق کا تتمہ ہی۔ اسی زمانہ میں فتح نے قلاید العقیان لکھی ہی جو فصاحت و بلاغت سے بھری ہوئی۔ اس میں دو کتابوں پر محاکمہ کیا ہی، جس کا ہم دوسری جگہ ذکر کریں گے۔ ان ہی مصنف کی ایک کتاب المطمح ہی جس کے تین نسخے ہیں ایک کبریٰ دوسرا وسطےٰ تیسرا صغریٰ۔ ان میں اُن لوگوں کا تذکرہ ہی جن کا ذکر مطمح میں آیا ہی، نیز اُن لوگوں کا جو اُن سے متقدم تھے۔ کتاب سمط الجمان و سقط المرجان مصنفہ ابو عمر بن امام متذکرہ بالا دو کتابوں کے بعد لکھی گئی ہی۔ اس میں اُن فضلاء کا تذکرہ ہی جو مطمح میں نقل نہیں ہوئے اور بقیہ چھٹی صدی ہجری میں موجود

بھے۔ ابو بحر صفوان بن ادریس المرسی نے اس کتاب کا تتمہ مسمی بہ زاد المسافر لکھا ہے جس میں اُن علمار کا تذکرہ ہے جنھوں نے ساتویں صدی ہجری دیکھی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب مختصر ہے مگر بہت خوب ہے ابو محمد عبد اللہ بن ابراہیم الحجاری نے ایک کتاب مسمیٰ بہ مسہب فی فضائل المغرب، ذخیرہ اور قلاید کے بعد کی تصنیف اس میں اُنھوں نے ابتدائی اندلس سے لیکر اپنے زمانہ تک کی تاریخ لکھی ہے۔ ذخیرہ اور قلاید کے مضامین کے علاوہ اس میں اندلس کے شہروں کے حالات اس طرح لکھے ہیں کہ جو علم جغرافیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ نیز تاریخ کے ساتھ ہی ساتھ اس میں فن ادب کے لطایف بھی درج کیے ہیں۔ جو مختلف مقامات پر ہم نے نقل کیے ہیں۔ اندلس میں اس جیسی کوئی اور کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ اس کی تعریف ایک اور مشہور مصنف عبد الملک بن سعید نے کی ہے بلکہ اُس کا تتمہ لکھا ہے۔ پھر اُن کے دونوں بیٹوں احمد اور محمد نے اُس کا تکملہ لکھا۔ اُن کے بعد موسیٰ بن محمد نے، اور اُن کے بعد علی بن موسیٰ نے، جو اس نسخہ کے کاتب ہیں، اور تکملہ لکھے ہیں کتاب فلک الادب المحیط بحلی لسان العرب کے مصنف بھی یہی ہیں۔ یہ کتاب دو کتابوں پر مشتمل ہے یعنی المشرق فی حلی المشرق، اور المغرب فی حلی المغرب۔ غرض یہ کتاب چھ آدمیوں کی تصنیف ہے۔ اور ۶۴۵ھ ہجری تک کے حالات اس میں درج ہیں۔ اس میں اُن تمام لوگوں کا ذکر ہے جو قابل تذکرہ ہیں اور جن کے کلامات مختلف موقعوں پر ملتے ہیں۔ نیز اُن لوگوں کا بھی جن کو زمانہ نے بھلا دیا ہے، اور اُن مصنفین کا بھی جن کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔ اس کی ترتیب مصنفین کی سکونت کے لحاظ سے رکھی گئی ہے۔ مثلاً ابن بسام کو دیکھنا ہو تو شنترین کی ذیل میں ملے گا اور فتح اشبیلیہ میں۔ ابن الامام استجہ میں اور حجاری وادی الحجارہ میں۔ فنون ادب میں ابو عبد اللہ بن ابو الخصائل التقوری کی کتاب سراج الادب، جو کتاب النوادر ابو علی، دزہر الآداب حصری کے رنگ میں لکھی گئی ہے۔ کتاب واجب الادب جو میرے والد موسیٰ بن محمد بن سعید کی تصنیف ہے۔ صرف میرے والد کے نام ہی نے اس کتاب کو تعریف

سے مستغنی کر دیا ہے۔ کتاب اللالی عبید البکری کی تصنیف، کتاب الامالی علی البغدادی کے رنگ میں ہے۔ اور ادب میں نہایت مفید کتب ہے۔ یہی حالت کتاب الاقتضاب فی شرح ادب الکتاب، مصنفہ ابو محمد بن السید البطلیوسی کی ہے۔ شرح سقط الزند اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ اور ادیبوں کے نزدیک یہ شرح کافی ووافی ہے۔ اور سب لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ ابو الحجاج کی شروح متنبی وحماسہ وغیرہ کی مشہور ہیں۔ باقی رہیں علم نحو کی کتابیں۔ اہل اندلس نے اتنی شروح اس فن میں لکھی ہیں کہ اُن کا ذکر کرنا طول میں داخل ہے۔ چند شروح یہ ہیں۔ شرح ابن حروف، شرح اندی، میرے اُستاد ابو الحسن بن عصفور الاشبیلی کی شرح۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے اُستاد پر علم نحو کا خاتمہ ہو گیا ہے، اور ممالک مشرقیہ ومغربیہ میں اس فن کے مشکل مسائل کا حل کرنے والا سوا اُن کے اور کوئی نہیں ہے۔ میں افریقیہ سے ایک کتاب، مسمّی بہ المقرب فی النحو لے کر آیا تھا جو شہرت کے بازو ؤں پر اُڑ گئی۔ نیز میرے اُستاد ابو علی الشلوبینی کی کتاب، مسمّی التوطیہ علی الجزولیہ، بہت مشہور ہے۔ ابن السید، ابن الطراوۃ اور سہیلی کی تقییدات فی النحو اس فن کے علماء میں معتمد علیہ ہیں۔ سیبویہ کی کتاب پر ابو الحسن بن خروف کی شرح مشہور ہے۔ علم جغرافیہ میں کتاب المسالک والممالک مصنفہ ابو عبید البکری الادینی، اور کتاب معجم ما استعجم من البقاع والاماکن کافی ہیں۔ ان کے علاوہ حجاری کی مسہب اور تکملہ اس فن میں ایسا جامع ومانع ہے کہ اولین وآخرین میں سے کسی نے ایسا جمع نہیں کیا۔ فن موسیقی میں ابو بکر بن باجۃ الغرناطی کی کتاب کافی ہے۔ ممالک مغرب میں یہ کتاب وہی رتبہ رکھتی ہے جو ابو نصر فارابی کی مشرق میں۔ اندلس میں جو الحان مطربہ معتمد علیہ ہیں وہ اسی کتاب کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ یحیی الخداج المرسی کی کتاب الاغانی الاندلسیہ، جو ابو الفرج کی کتاب اغانی کی روش پر لکھی گئی ہے، قابل دید کتاب ہے۔ یحیی ساتویں صدی میں موجود تھے۔ کتب طب میں سے اس وقت ممالک مغربیہ میں عبد الملک بن ابو العلاء بن زہر کی کتاب التیسیر خوب مشہور ہے۔ اس کا شہرہ ممالک مشرقیہ

میں بھی پہونچ چکا ہے۔ ان ہی مصنف کی کتاب الاغذیہ بھی مشرق و مغرب میں مشہور ہے۔
ادویہ مفردہ میں ہمارے ہموطن علماء میں سے ابوالعباس بن الرومیۃ الاشبیلی کی کتاب مشہور ہے۔ ابومحمد المالقی نے جو اس وقت قاہرہ میں رہتے ہیں ایک کتاب اس فن میں لکھی جس کو اُنھوں نے ردیف وار جمع کیا ہے اور تمام ادویہ جو اُن کو ملیں اور اُنھوں نے تجربہ کیا ہے درج کی ہیں اُن کے علاوہ غافقی، زہراوی، شریف الادریسی اور الصقلی وغیرہ کی کتابوں سے بھی مدد لی ہے۔ یہ کتاب اپنے فن میں نہایت مکمل ہے۔ کتب فلسفہ میں اس زمانہ میں ابوالولید بن رشد القرطبی ہمارے امام ہیں باوجودیکہ بنی عبدالمومن کا تاجدار منصور اُن سے اور اُن کے علم سے سخت ناراض تھا، یہاں تک کہ ابن رشد اسی جرم پر قید کردیئے گئے تھے، مگر پھر بھی اُن کی بہت سی تصانیف اس فن میں ہیں۔ اسی طرح کی حبیب کی کتب ان کو المامون بن منصور مذکور نے اسی جرم میں کہ وہ فلسفی ہیں اشبیلیہ میں قتل کرادیا تھا۔
اندلس میں فلسفہ بہت مبغوض ہے اسی لیئے کوئی فلسفی اس کا اظہار نہیں کرتا اور اپنی تصانیف کو چھپاتا پھرتا ہے۔ فن نجوم میں ابن زید الاسقف القرطبی کی تصانیف بہت اچھی ہیں۔ یہ مصنف مستنصر بن الناصر المروانی کے خاص لوگوں میں سے تھے۔ اِن کی ایک کتاب تفصیل الازمان و مصالح الابدان بہت مشہور ہے۔ اس میں منازل قمر اور اُس کے متعلقات کا تذکرہ ہے۔ اس میں اُنھوں نے اپنے مقصد کو خوب نباہا ہے۔ مطرف الاشبیلی ہمارے زمانہ میں اس فن کی تصانیف میں بہت مشغول رہے تھے۔ مگر ان کے شہر کے رہنے والے اُن کو زندقہ سے منسوب کرتے تھے۔ کیونکہ وہ تنہائی پسند تھے اور اس علم میں مصروف رہتے تھے اسی لیئے وہ جو کچھ لکھتے اُس کو ظاہر نہ کرتے تھے۔"

ابن سعید کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ میں ایک روز ابو یحیی بن ابو زکریا (صہر ناصر بنو عبدالمومن) سلطان سبتہ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ابوالولید شقندی اور ابو یحیی بن المعلم الطنجی کے درمیان میں اس مضمون پر بحث چھڑ گئی کہ اندلس کو برالعدوہ پر

فضیلت حاصل ہے یا بالعکس۔ شقندی نے کہا کہ اندلس نہ ہوتا تو برالعدوہ کا کوئی نام بھی نہ جانتا اگر اس مجلس کی توقیر کا لحاظ نہ ہوتا تو میں تم سے وہ کہتا کہ جو تم کو بھی معلوم نہیں ہے۔ امیر نے کہا کہ شاید تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہمارے یہاں (اندلس) کے باشندے اہل عرب ہیں اور تمہارے یہاں کے لوگ بربری۔ شقندی نے کچھ اس طرح سکوت کیا کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اُن کا مقصود یہی ہے۔ ابن المعلم نے کہا کہ تم کہا کرو۔ مگر اصلیت یہی ہے کہ فضیلت برالعدوہ ہی کو حاصل ہے۔ امیر نے کہا کہ میری یہ رائے ہے کہ تم دونوں اپنے اپنے ملک کی فضیلت میں رسالے لکھو۔ یہاں جو کچھ گفتگو ہو گی ضائع جائے گی۔ اور اپنے مکانوں پر جا کر اور فکر و غور کے بعد جو کچھ لکھو گے وہ ہمیشہ قایم رہے گا۔ چنانچہ دونوں نے اس کی تعمیل کی۔ شقندی کا رسالہ (ملخصاً) ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"حمد و نعت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے تم ہی نے اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ میں یہ رسالہ لکھوں کیونکہ تم وہ دعویٰ کرتے ہو کہ جو اجماع کے خلاف ہے۔ جس شخص کی آنکھیں ہیں وہ بہرحال میری تائید کرے گا۔ تعجب ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ رات کو بہ نسبت دن کے زیادہ روشنی ہوتی ہے۔ اور بائیں ہاتھ کو دائیں پر فضیلت ہوتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عصبیت نے تمہارے دل اور آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

"تم جو یہ کہتے ہو کہ تمہارے یہاں بادشاہ ہیں۔ یہ کچھ کہنے کی بات نہیں ہے۔ آخر ہمارے یہاں بھی تو بادشاہ تھے۔ اگرچہ دارالسلطنت بلاد مغرب اس وقت تمہارے یہاں ہے۔ کیونکہ خلافت بنو عبدالمومن (ادامہا اللہ تعالےٰ) کا مستقر تمہارے ملک میں ہے۔ یہ ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آخر ہمارے ملک میں بھی خلفاء قدسیین کا دارالسلطنت رہ چکا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی تعریفوں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان کے زمانہ میں وہ علماء و فضلاء و شعراء پیدا ہوئے جو مشہور آفاق ہیں، اور جن کے ذکر خیر سے صحایف بھرے پڑے ہیں۔ یہ بادشاہ خوب پھلے پھولے یہاں تک کہ خدا تعالےٰ کا حکم ہوا کہ

اُن کا شیرازہ حکومت ٹوٹ جائے۔ چنانچہ وہ بکھر گئے اور اپنی عظمت و جلالت کو بھی اپنے
ساتھ لیتے گئے۔ زمانہ نے جہاں اُن کے ہاتھ سے سلطنت چھینی وہاں اُن کے آثار کو
بھی مٹا دینے کی کوشش کی۔ وہ لوگ زندگی میں زینت دیتا ہے، تو مرنے کے بعد رونق
کتب تاریخ وسیر ہیں۔ کونسی حکومت تھی جو اُن کو حاصل نہ تھی، اور کونسی عظمت تھی جو
اُن کی خاکبوس نہ تھی۔ ان کے بہترین حکمرانوں میں سے ایک منصور بن ابی عامر تھے۔
کیا تم اُن کے علاوہ کوئی اور بھی ایسا آدمی بتلا سکتے ہو کہ جو نصاریٰ کے ملکوں کو فتح
کرتے کرتے بحر اخضر تک پہونچ گیا ہو، جس نے کوئی مسلمان قیدی عیسائیوں کے قبضے
میں نہ چھوڑا ہو، جس نے لاکھوں عیسائیوں کو قید کر لیا ہو۔ ان کی مدح میں ایسی ایسی کتابیں
تالیف ہوئی ہیں کہ تم نے سنی اور دیکھی بھی نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ بغداد والوں
نے بھی ان کی تعریفیں کیں۔ ان کے معائب و مجالس جو تھے انتہا رزمین تک پہونچ
گئے۔ جب ان کا شیرازہ بکھرا، اور طوائف الملوکی پھیل گئی، تو یہ لوگ زمانہ بھر میں پھیل
گئے۔ ان کے بگڑنے میں بھی اوروں کا بناؤ تھا۔ کیونکہ یہ جہاں گئے وہیں اُنھوں نے
علوم کے دریا بہا دیئے۔ عوام کو عالم بنا دیا، نثر اور نظم کے موتی ہر جگہ بکھیر دیئے۔

ان لوگوں کی نسبت فخریہ طور پر یہ بیان کیا جاتا تھا کہ فلاں عالم فلاں بادشاہ
کے پاس ہے، اور فلاں شاعر فلاں بادشاہ سے اختصاص رکھتا ہے۔ ان میں سے کوئی
بھی ایسا نہ تھا جس نے اپنی وسعت کے موافق شیوع مکارم نہ کیا ہو۔ دنیا میں اپنی
مدح کے ایسے انبار چھوڑ گئے ہیں کہ جب تک دنیا قائم ہے وہ باقی رہیں گے۔ تم نے عامریوں
میں مجاہد، منذر اور خیران کا نام سنا ہوگا اور ملوک عربیہ میں بنو عباد، بنو صمادح،
بنو الافطس، بنو ذوالنون اور بنو ہود کے نام بھی سُنے ہونگے۔ ان میں سے ہر ایک ایسی
ہیں کہ جن کی تعریفیں قیامت تک باقی رہیں گی اور تعریفیں بھی ایسی کہ اگر رات کی اتنی
تعریف کی جاتی تو وہ آفتاب سے بھی زیادہ چمکنے لگتی۔ شعراء اپنی نظموں کے تحفے اُن کے

پاس اس طرح بھیجتے ہیں جیسے کہ نسیم غنچہ وگل کو بطور تحفہ بھیجتی ہی۔ یہ لوگ اُن لوگوں کے اموال کو آہستہ آہستہ کھینچ لیتے ہیں۔ ایک شاعر نے یہ عہد کرلیا تھا کہ وہ کسی شخص کی تعریف نہیں کریگا، تاوقتیکہ ممدوح اس کو ایک سو دینار نہ دے دے۔ معتضد بن عباد نے اُس شاعر سے قصیدہ مدحیہ کی فرمایش کی، مگر باوجود اس کے کہ اُس کی سطوت وہیبت کا غلغلہ بلند تھا، شاعر نے صاف انکار کردیا اور کہہ دیا کہ تاوقتیکہ آپ سو دینار پیش نہ کریں گے مجھ سے کوئی اُمید نہ رکھیں۔ اس سے بھی زیادہ ابو غالب اللغوی کا قصہ ہی کہ اُنھوں نے ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ مجاہد العامری بادشاہ دانیہ نے اُس کا شہرہ سُنا تو اُس نے ابو غالب کے پاس ہزار دینار اور گھوڑا اور خلعت بھیجکر یہ خواہش کی کہ اُس کتاب کو اُن کے نام سے منسوب کردیں۔ مگر ابو غالب نے انکار کردیا۔ اور کہلا بھیجا کہ میں نے یہ کتاب اس لیئے تالیف کی ہی کہ عوام الناس اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ جس کام میں کہ میں نے اتنی محنت اُٹھائی ہی اُس میں یہ نہیں ہوسکتا کہ اُس کو دوسرے کے نام موسوم کرلوں، اور تمام فخر کو اُس کے ہاتھ بیچ دوں۔ میں یہ ہرگز نہ کروں گا۔ جب یہ جواب مجاہد کو پہونچا تو اُس نے ابو غالب کی ہمت کی بہت تعریف کی ہی، اور جو انعام اُن کو بھیجا تھا اُس کو المضاعف کردیا، اور کہا کہ جو کچھ اُنھوں نے جواب دیا وہ صحیح ہی۔ میں اُن کو اُن کے ارادہ سے باز نہیں رہ سکتا۔ اگر تمام بادشاہان اندلس جو ملوک الطوایف مشہور ہیں ایسے نہ ہوں تو اُن میں سے میں بنو عباد کو انتخاب کرتا ہوں۔ جیسا کہ خدا تعالے نے فرمایا ہی فیہما فاکھۃ ونخل ورمان۔ کیونکہ اُن کے زمانہ میں دن عید اور رات شبرات رہتی تھی۔ علم ادب کی طرف اُن کی ایسی توجہ تھی کہ بنی حمدان کو حلب میں بھی نہ تھی۔ بادشاہ، شاہزادے اور وزرا نظم ونثر میں طاق تھے، اور دیگر فنون علم میں بھی اُن کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ اُن کے آثار واخبار مشہور ہیں۔ اُن کے مکارم ہمیشگی کا جامہ پہنے ہوئے ہیں۔ اور خاص وعام کے زبان زد ہیں۔ ان سے پہلے لوگوں میں سے کس کس کا ذکر کروں۔ سقوط الحاجب کا، یا

صالح البرغواتی کا، یا یوسف تاشفین کا۔ اگر ابن عباد کا زمانہ درمیان میں نہ آجاتا تو شعراء اندلس کو کسی کی مدح کے صلہ میں کوئی انعام نہ ملتا، نہ اُن کے ملک کی قدر ہوتی، نہ اُن کا ذکر باقی رہتا۔ .... اگر تم اپنے علماء کا ہمارے یہاں کے علماء سے مقابلہ کرتے ہو تو ذرا اتنا تو بتلاؤ کہ کیا تمہارے یہاں کوئی شخص فقہ میں مثل عبدالملک بن حبیب کے ہو گزرا ہے، کہ جس کے اقوال پر اب تک عمل ہو رہا ہے۔ ابوالولید الباجی، ابوبکر بن العربی، ابوالولید بن رشد الاکبر، ابوالولید بن رشد الاصغر ہے جیسا کوئی فقیہہ دکھلاؤ (ابن رشد الاصغر بیٹا تھا ابن رشد الاکبر کا یہ دونوں آفتاب و ماہتاب تھے۔ اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کے چراغ ہدایت تھے) حفظ حدیث میں کوئی شخص تم اپنے ملک میں ابومحمد بن حزم جیسا دکھلا سکتے ہو، کہ جس نے وزارت مال میں زہد کیا، اور اس امیری پر علم میں وہ رتبہ حاصل کیا کہ جس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ ابوعمر بن عبدالبر مصنف استیعاب و تمہید یا ابوبکر بن المجد، حافظ اندلس جیسے آدمیوں کا اپنے ملک میں نشان دو۔ کیا تمہارے یہاں کوئی شخص حفاظ لغت میں ابن سیدہ، مصنف کتاب المحکم اور کتاب السماء والعالم، جیسا ہے (خدا تعالے نے ان کی بصارت لے لی تھی مگر چشم بصیرت کھول دی تھی)۔ تمہارے ملک میں کوئی نحوی مثل ابومحمد بن سید ہے، یا کوئی تصنیف اُن کی جیسی دکھلا سکتے ہو، یا کوئی نحوی ابن الطراوت، ابوعلی الشلوبینی جیسا بتلا سکتے ہو۔ علم اللحون و فلسفہ میں ابن باجہ کی کی کوئی نظیر تمہارے ملک میں ہے۔ کیا تمہارے یہاں کوئی بادشاہ نجوم و ہندسہ و فلسفہ میں المقتدر بن ہود سلطان سرقسطہ کا ثانی ہے، جو ان فنوں میں ایک آیت اللہ تھا۔ فن طب میں ابن طفیل، صاحب رسالہ حی بن یقظان، جیسا آدمی دکھلاؤ جو علم فلسفہ میں بھی مقدم تھے۔ اسی فن میں کوئی شخص تمہارے یہاں ابن زہر ابوالعلا، اُن کے بیٹے عبدالملک، اور اُن کے پوتے ابوبکر جیسا دکھلا سکتے ہو۔ ابن حیان مصنف متین

مقتبس جیسا کوئی مورخ تمہارے یہاں ہے۔ علم ادب میں ابو عمر ابن عبد ربہ، صاحب عقد جیسا تم نہیں دکھلا سکتے۔ کیا تمہارے یہاں کوئی ایسا شخص ہے کہ جس نے اپنے اقلیم کے علما و فضلا کے حالات لکھ کر اُن کو زندہ جاوید کر دیا، جیسا کہ ہمارے ملک میں ابن بسام مصنف ذخیرہ نے کیا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسا کوئی آدمی تمہارے یہاں نکل آئے، مگر جب مکان ہی خالی ہو تو آدمی فہرست کس چیز کی تیار کرے گا۔ بلاغت نثر میں فتح بن عبید اللہ جیسا کوئی آدمی تمہارے یہاں ہے۔ یہ وہ شخص ہیں کہ جب کسی کی مدح کرتے ہیں تو اُسے آسمان پر چڑھا دیتے ہیں۔ اور ذم کرتے ہیں تو اُسے تحت الثریٰ سے بھی نیچے پہونچا دیتے ہیں۔ چنانچہ اس پر اُن کی کتاب لقلائد شاہد عادل ہے۔ ابن ابی الخصال کے جیسے رسالے تمہارے ہموطنوں میں سے کسی نے لکھے ہیں۔ ابو الحسن سہل بن مالک ہمارے یہاں کے وہ شخص ہیں کہ جن کے خطبات بے مثل ہیں۔ فن شعر میں معتمد بن عباد جیسا کوئی شخص دکھلا دو۔ اُن کا بیٹا راضی باپ سے بھی کچھ بڑھ چڑھ کر تھا۔ تم اپنے یہاں کوئی بادشاہ مثل المظفر بن الافطس، شاہ بطلیوس، جیسا کوئی دکھلا سکتے ہو کہ جس نے ادب میں ایک کتاب سو جلدوں میں تصنیف کی ہے۔ خدمت ادب میں نہ وہ مختلف جنگیں مانع آئیں جو اُن کو لڑنی پڑیں، نہ مہام سلطنت روک سکے۔ تمہارے یہاں وزرا میں ابن عمار کا کوئی مثیل ہے، جن کا قصیدہ زباں زد عوام ہے۔ لوگ اُس کو ایسے شوق سے پڑھتے اور سنتے ہیں کہ اُن کا لقا رجیب کا مزہ آجاتا ہے۔ ہمارے شعرا متاخرین میں محمد بن سفر نے، جو درحقیقت فخر متقدمین ہیں، اپنے محبوبہ کے آنے کا جو سماں اپنی نظم میں باندھا ہے وہ ایک لطیف تصویر پیش کرتا ہے۔ یہ فخر ہمارے ہی یہاں کے شعرا کو حاصل ہے کہ اُنھوں نے نئی نئی تشبیہات پیدا کی ہیں۔ جو اُن سے پہلے کسی کو نہ سوجھی تھیں۔ ابو اسحق بن خفاجہ اوصاف باغات و انہار میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ابو الحسن بن بسام جیسا کوئی شاعر دکھلا سکتے ہو کہ جو مجلس شراب و وصل محبوب کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ رات کی

سیاہی اور کسی لڑکے کی تعریف کرتا ہی تو مشک کافور کو بھلا دیتا ہی۔ ابوالحسن بن سلام
ابوالقاسم بن الفرس، ابوالعباس بن حیون الاشبیلی، ابن مجیر، ابوجعفر الذہبی، طلیطلی
(جونابینا تھا)، ابوالقاسم محمد بن ہانی الالبیری، ابوالوہب لعباسی القرطبی جیسے شعرا
مردوں میں، اور والادۃ المردانیہ، زینب بنت زیاد المودب لوادی آشیہ جیسی شاعرات
عورتوں میں تمہارے یہاں کہاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ بھلا ایک تو اپنا شاعر ایسا دکھلا دو
جو ان لوگوں کا مقابلہ کر سکتا ہو۔ حقیقت یہ ہی کہ تمہارے یہاں ایک بھی شاعر ایسا نہیں
گزرا جس کے اشعار قابل پسند ہوتے یا وہ اپنے گھر کے باہر مشہور ہوتا۔ لے دے کر تمہارے
یہاں مشہور شاعر ابوالعباس الجرادی ہو گزرا ہی، جو اس قابل تھا کہ تمہارے لئے یہ بہتر
ہی کہ اُس پر فخر نہ کرو۔ بلکہ اُس کو بھول جاؤ۔ اُس نے ایک شعر میں خلیفہ کی مدح کی تھی
جو ہجو ملیح تھی۔ جس کا ظرفا اندلس نے خوب مذاق بنایا۔

"اگر تم اپنے یہاں کے شہسواروں اور شجاع لوگوں پر فخر کرو تو یہ بھی بیجا ہی۔ منصور
ابن ابی عامر اور دیگر ملوک طوائف کے زمانوں میں جو لوگ ہو گزرے ہیں اُن کے حالات
مشہور ہیں، اور اُن کے آثار مذکور ہیں۔ ہمارے زمانہ کے بہادر لوگوں میں تم نے
امیر ابوعبداللہ بن مرونیش کا نام سنا ہوگا۔ وہ عیسائیوں کی فوج کو اس طرح
پھاڑ کر رکھ دیتے تھے جیسے کاغذ کو، اُن کا یمین ویسار اس طرح توڑ کر رکھ دیتے تھے
جیسے کہ ایک کمزور آبخورے کو۔ ایک روز میں اُنھوں نے عیسائیوں کی پوری فوج
کا استیصال کر دیا۔ اور اُن سے وہ بہادری ظاہر ہوئی کہ جس نے عقل کو حیران کر دیا
اُسی روز اُنھوں نے ایک جنگ آزمودہ بوڑھے آدمی سے پوچھا کہ "آج اپنے جنگ
کی کیا حالت دیکھی؟" اُنھوں نے جواب دیا کہ اگر سلطان تمہاری اس بسالت کو
دیکھتے تو اپنا بیت المال تمہارے اوپر قربان کر ڈالتے، اور مناصب و مراتب زیادہ
کر دیتے۔ جس کے قدم آگے ہی بڑھتے ہوں اور جو اپنے ہلاک ہونے سے نہ ڈرتا ہو۔"

دوسرے کو ہلاک کرنے سے کب باز آئے گا۔ ایسے شخص کی ہمتی قدر ہو تھوڑی ہے۔ امیر ابو عبداللہ نے کہا کہ ان باتوں کو چھوڑ دو۔ میں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ مجھے دو مرتبہ نہیں مرنا ہے۔ اور جب ایک مرتبہ مرچکا تو پھر زندہ ہونے والا نہیں ہوں۔

امیر عبداللہ کے علاوہ دوسرے سپہ سالار عبداللہ بن قادوس ہیں جو اپنی شجاعت کی وجہ سے مشہور ہیں۔ نصاریٰ کے ساتھ جنگ کرنے میں وہ نام پیدا کر چکے ہیں کہ عیسائی خود ورود کی جرأت و بسالت کے معترف تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک عیسائی نے اپنے گھوڑے کو پانی پلانا چاہا۔ اُس نے نہ پیا تو گھوڑے سے کہنے لگا کہ کمبخت پیتا کیوں نہیں، کیا اس پانی میں بھی ابن قادوس بیٹھا ہے' یہ قول خود بتا رہا ہے کہ عیسائیوں پر اُن کا کس قدر رعب چھایا ہوا تھا فضیلت وہی ہے جس کے دشمن مقر ہوں۔ ایک ثقہ شخص سے میں نے سنا کہ ایک مرتبہ ابن قادوس تھوڑے سے آدمی لے کر بلاد نصاریٰ پر چھاپہ مارنے کے لیئے نکل گئے۔ وہاں اُن کو عیسائیوں کی ایک بڑی جمعیت نے گھیر لیا۔ ابن قادوس نے بہت کوشش کی کہ اُن سے خلاصی پا کر کسی طرح اپنی چھوٹی سی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ اسی لئے وہ لڑتے جاتے تھے اور پیچھے ہٹتے جاتے تھے۔ اس اثنا میں اُن کے ساتھیوں میں سے ایک کو اُس کا گھوڑا گرا کر بھاگ گیا۔ اُس نے ابن قادوس سے مدد مانگی۔ اُنھوں نے اُس سے تو صرف اتنا کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ اور ایک عیسائی سوار کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اُس پر حملہ کیا اور اُس کو قتل کر کے اُس کا گھوڑا اپنے آدمی کو دیکر کہا کہ لو اس پر سوار ہو جاؤ۔ غرض وہ اپنی جمعیت کو لے کر سالم و غانم واپس چلے آئے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں اُن کی شجاعت کی مذکور ہیں۔ میں نے مشتے نمونہ از خروارے بیان کر دی ہے۔

دو کرم نفس اور شمائل ریاست کے متعلق میں ایک حکایت اپنے ہی زمانہ کی بیان کرتا ہوں جس کو سن کر سخت تعجب ہو گا۔ ابوبکر بن زہر اور حافظ ابوبکر بن الجد کے درمیان

میں بوجہ اشتراک علم وریاست وکثرت مال کے سخت عداوت تھی۔ ابن زہر نے ایک مرتبہ اپنے دوستوں کی جماعت میں کہا کہ اس شخص (یعنی ابن الجد) نے ہم کو سخت اذیت پہونچائی ہے۔ یہی بات انھوں نے امیرالمومنین کے سامنے کہی۔ اور خواص عام میں بھی اسی کو بیان کیا۔ اُن کے متعلقین عوام الناس میں سے ایک نے کہا کہ میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ فلاں موضع کی بابت جو آپ کا معاملہ ابن الجد کے ساتھ ہے۔ اگر اُس کی بابت آپ ازسرنو مخاصمت قائم کریں تو اُن کو سخت رنج پہونچے گا۔ یہ سنتے ہی ابن زہر کو سخت غصہ آیا اور اُنھوں نے اپنے وکیل سے کہا یہ امر میرے شان کے شایاں ہے کہ میں اپنے مقابل سے وہی سلوک کروں جو سفلہ و اوباش لوگ ایک دوسرے سے کیا کرتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس قضیہ کی بیخ کنی ہی کردی جائے۔ تم جاؤ اور اُس موضع کے متعلق جو دستاویزات ہیں وہ اُن کو واپس دیدو۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میری اور اُن کی مصالحت ہوگئی ہے۔ کیونکہ اُن کی عداوت حسد سے ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ یہ برابر قائم رہے، کیونکہ یہ باعث ہے مزید نعمہا رالہی کی۔

"اگر آپ ہمارے شہروں کا اپنے شہروں سے مقابلہ کرتے ہیں تو واضح ہو کہ خدا تعالےٰ نے جو خوبیاں ہمارے شہروں کے لیے مخصوص کی ہیں وہ آپ کے شہروں پر حرام کردی ہیں یہ کیفیت ہے کہ حاسد ان شہروں کے حالات سُن کر جل بھن کر کباب ہو جاتے ہیں۔ اشبیلہ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہاں کی ہوا معتدل ہے، عمارات خوبصورت ہیں۔ نہ صرف اندلوں شہر بلکہ سواد شہر بھی دولہن بنا ہوا ہے۔ شہریت کی تمام باتیں اُس میں موجود ہیں۔ یہاں تک کہ عوام الناس میں یہ مشہور ہے کہ اگر چڑیا کا دودھ بھی ڈھونڈا جائے تو اشبیلہ میں مل جائیگا۔ یہاں کے دریا میں بہتر میل تک مد و جزر آتا ہے۔ دونوں کناروں پر سیرگاہیں اور باغات ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ یہ باغات دریا کو اور بھی مزین کیے ہوئے ہیں۔ ایک عقیل سیاح سے جو مصر دیکھ آیا ہے، میں نے دریائے نیل کے متعلق پوچھا

تو اُس نے کہا کہ اُس کے کناروں پر سیرگاہیں اور باغات نہیں ہیں، اس لیئے وہ شہر اشبیلہ سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک اور شخص جو بغداد کی سیر کر آیا ہی کہتا تھا کہ بغداد کو وہ بات حاصل نہیں ہی جو اشبیلہ کو ہی کہ یہاں کی تمام وادی سے مسرت ہی ٹپکتی ہی۔ حقیقت یہ ہی کہ طرب و شرب خمر کے لیئے اس مقام سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہی۔ شر و عربدہ، جو شراب کے لازمی نتائج ہیں یہاں مفقود ہیں۔ دین دار حکام جتنے یہاں آئے اُنھوں نے یہ کوشش کی یہاں سے شرب خمر کا رواج بالکل اُڑا دیں، مگر اس میں اُن کو کامیابی نہیں ہوئی۔ یہاں کے رہنے والے از رو ارواح و طبائع نہایت نازک و لطیف واقع ہوئے ہیں۔ بڑے بذلہ سنج و نوادر گو ہیں۔ آپس میں مذاق ایسا کرتے ہیں کہ جو گالیوں سے بھی بدتر ہوتا ہی۔ اس کی ایسی عادت اُن میں پڑی ہوئی ہی کہ یہ اُن میں کوئی عیب ہی نہیں رہا۔ ایک شخص نے معتضد بن عباد سے کہا کہ ہمارا اشبیا دولہن ہی، اُس کا دولہا عباد ہی، اور تاج شرف ہی کوئی شرف ایسا نہیں ہی جو اس شہر کو حاصل نہ ہو۔ اشبیا کی خوبیاں اقطار عالم میں مشہور ہیں۔ یہاں کے زیتون کا تیل اسکندریہ تک جاتا ہی۔ یہاں کی عمارات انتخاب زمانہ ہیں، اور ان کے باشندے باعث افتخار عالم۔ زیتون کے باغات میں یہ عمارات ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسی کہ آسمان پر ستارے۔ ایک شخص سے جو مصر و شام دیکھ آئے تھے، پوچھا گیا کہ وہ دونوں شہر اچھے ہیں یا اشبیلیہ؟ اُنھوں نے اشبیلیہ کی بہت سی فضیلتیں بیان کرکے کہا کہ "یہ شہر ایک خوبصورت جنگل ہی جس میں درندے نہیں ہیں۔ یہاں کا دریا گویا نیل ہی جس میں مگرمچھ نہیں ہوتے۔ اس شہر کے باہر جو پہاڑ، جبال الرحمہ کے نام سے موسوم ہی، اُس میں انجیر قوطی و شعری کی بڑی کثرت ہی۔ تمام سیاح اس امر پر متفق ہیں کہ یہ دونوں جسیم کے انجیر سوا اشبیلیہ کے اور کہیں نہیں پائے جاتے، اس شہر میں آلات طرب بہت ملتے ہیں۔ مثلاً خیال، کریج، عود، روطۃ، رباب، قانون، مونس، کثیرہ، فنار، زلامی، سفرہ، نورہ

(یہ دونوں ایک قسم کی مزمار ہیں۔ ایک میں سے بھاری آواز نکلتی ہے اور دوسرے میں سے باریک) اور بوق ممکن ہے کہ اندلس کے اور شہروں میں بھی یہ آلات ملیں مگر سب سے زیادہ اشبیلیہ ہی ملتے ہیں۔ برالعدوہ میں تو بالکل نہیں ہوتے اگر کہیں نکل بھی آئیں تو وہ اندلس ہی سے گئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن کے یہاں دف اقول، الیر، ابو قرون، دبدبۃ السودان، حماقی البرابر، کافی سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں کے تر اور خشک میوے دور دور بیچے جاتے ہیں۔ ان کی اکثر قسمیں بہت ہی عمدہ ہیں۔ عمارات مضبوطی اور خوبصورتی میں مشہور ہیں۔ اکثر شہروں میں نہریں جاری ہیں اور درختوں کی بہتات ہے، خصوصاً نارنگی، لیموں، لیم اور زنبوع وغیرہ۔ یہاں ہر فن کے بے شمار مشہور کامل علما موجود ہیں۔ جو جد ہزل میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ شعرا تو یہاں اتنے ہیں کہ اگر برالعدوہ میں اُن کو آباد کر دیا جائے تو جگہ تنگ ہو جائے۔ میں نے جو کچھ اس شہر کی تعریف کی ہے فی الحقیقت وہ تمامی اندلس پر عاید ہوتی ہے۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اشبیلیہ کو اندلس کا دارالسلطنت اور اس ملک کا مرکز فخر و علا بنا دیا ہے کیونکہ یہ اندلس کے بہت بڑے شہروں میں سے ہے۔

"شہر قرطبہ کا تو کیا ذکر کیا جائے جو قدیم سے دارالخلافۃ، مرکز علم و اتقا، کا محل تعظیم و تقدیم چلا آتا ہے۔ بعد از فتح اندلس اسی شہر کو امرا نے اپنا صدر مقام بنایا، اور تاجداران مروانیہ نے اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ یہیں یحییٰ بن یحییٰ جیسے آدمی ہو گزرے ہیں جن سے کہ مالک اور عبدالملک بن حبیب جیسے لوگوں نے روایت کی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ یہاں کے رہنے والے شریعت کی بہت عظمت کرتے تھے، اور ہر شخص علوم شرعیہ میں ایک دوسرے سے بڑھ جانا چاہتا۔ شاہان قرطبہ علما سے بہت ہی تواضع کے ساتھ پیش آتے تھے اور اُن کی قدر و منزلت اپنے سے بھی بڑھاتے تھے۔ اُن کی راؤں پر چلتے تھے۔ اگر اُن کا کوئی وزیر یا مشیر عالم نہ ہوتا تو اُس کو کسی عالم پر

فوقیت نہ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ المستنصر باللہ کو جب علمار نے لوگوں کے شراب پینے پر تنبیہ کی تو بادشاہ نے یہ ارادہ کیا کہ انگور کے تمام درخت اُکھاڑ کر پھینکوا دیے لیکن جب اُن کو یہ کہا گیا کہ آخر انگور اور کام بھی تو آتے ہیں تو وہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ یہ لوگ کسی کو مفتی مقرر نہ کرتے تھے، نہ کسی کی شہادت قبول کرتے تھے، تاوقتیکہ وہ صاحب خبر نہ ہوتا۔ ایسے لوگوں کا امتحان مجلس مذاکرہ میں لیا جاتا تھا، اور غالب حال میں یہ دیکھا جاتا تھا کہ آیا یہ شخص صاحب مال ہے یا نہیں، تاکہ فقر اُس کو کسی طمع کی طرف نہ مائل کردے، اور حقوق دین اہل مقدمہ کے ہاتھ نہ بیچ دے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ الحکم الربضی نے فقہار میں سے ایک شخص کو شہادت کے لئے پیش کیا۔ لیکن یحیٰی بن یحیٰی اور عبدالملک وغیرہ علمار نے یہ کہا کہ گو یہ شخص شہادت دینے کی واقعی قابلیت رکھتا ہے۔ مگر نہایت ہی غریب آدمی ہے۔ جس شخص کی یہ حالت ہو اُس کی نسبت یہ اطمینان نہیں ہو سکتا کہ وہ حقوق مسلین کا لحاظ رکھے گا۔ تم (الحکم الربضی) اس کو مقدمات وراثت و وصایار میں پیش کرنا چاہتے ہو، ہم اُس کی شہادت قبول نہ کریں گے۔ چنانچہ وہ خاموش ہو رہے، اور پھر اُس مقدمہ کی پیروی نہ کی۔ مگر اس کا اُن کو رنج ہوا۔ اُن کے بیٹے عبدالرحمٰن، جو اُن کے بعد والی ملک ہوئے، اُن کے چہرہ پر ملال دیکھ کر پوچھنے لگے کہ "آپ کو اتنا ناگوار کیوں ہوا؟" اُنھوں نے کہا کہ "تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان کو ترقیات دیں، اور لوگوں پر ان کو فوقیت دی، اور ایسے درجہ تک پہونچا دیا کہ وہ لوگوں میں سختی کے ساتھ عیب نکالنے لگے۔ سعی و سفارش کی پرواہ نہیں کرتے"۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ انصاف کریں۔ فی الحقیقت ان لوگوں کو آپنے ترقیات نہیں دی، بلکہ اُن کی اس عزت کا باعث اُن کا علم ہوا ہے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ جہلا کو اُن کی جگہ لا بٹھائیں؟ اگر یہ نہیں تو اُن کی سختیوں پر صبر کیجئے اور علم کی قدر کیجئے۔ تاکہ آپ لذت و دنیا و آخرت حاصل کریں"۔

الحکم نے کہا کہ "تم نے بہت صحیح کہا" پھر عبدالرحمن نے کہا کہ "باقی رہا یہ امر کہ ان لوگوں
اُس فقیہہ کی شہادت بوجہ فقر کے قبول نہیں کی، اس کا آپ ایسا علاج کیجئے کہ صالحین
میں آپ کا تذکرہ مدتوں باقی رہے ۔ یعنی آپ اُن کو اپنے مال میں سے اتنا دیدیجئے کہ
کہ وہ امیری تک پہونچ جائیں، اور جو شرمندگی اُن کو بوجہ فقر کے اُن کو ہوتی ہے،
جاتی رہے" یہ سنکر الحکم کے بشرہ پر خوشی کے آثار معلوم ہونے لگے اُنھوں نے کہا
کہ واللہ یہ تدبیر تم نے بہت اچھی بتلائی" پھر اُنھوں نے عبدالملک بن حبیب کو بلاکر
مسئلہ پوچھا کہ کیسے مال سے آدمی مرتبہ پر پہونچ سکتا ہے کہ بوجہ فقر اُس کی شہادت
رد نہیں ہو سکتی ۔ اُنھوں نے ایک رقم بتلائی جو فوراً اُس فقیہہ کو ادا کردی گئی ۔
اس کے علاوہ اصطبل خاصہ سے ایک گھوڑا سواری کے واسطے عطا فرمادیا گیا ۔
"اہالی قرطبہ جب تمول کے ایسے درجہ پر پہونچ جاتے ہیں کہ اُن کو دوسروں کے
اموال کی طرف نظر ڈالنے کی ضرورت نہیں رہتی، اور ساتھ ہی علم دین اتنا حاصل کر لیتے
ہیں کہ شریعت غرا کے تمام احکام و مسائل پر حاوی ہو سکیں، تو اُن کو فتوی اور شہادت
دینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے ایسے لوگ ایک خاص قسم کی ٹوپی اور چادر کا استعمال کرتے
ہیں، جو اُن کی علامت سے سمجھی جاتی ہے ۔ اہل قرطبہ امام مالکؒ کے صحیح ترین قول پر
عمل کرنے میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں ۔ یہاں تک کہ وہ کسی شخص کو حاکم
نہیں بناتے تاوقتیکہ وہ یہ شرط نہ کرلے کہ میں مذہب مالکیہ کے موافق عدل کرونگا
ابن سارہ جب قرطبہ میں پہونچے ہیں تو اُنھوں نے خدا کا شکر کیا تھا کہ میں قرطبہ
میں پہونچ گیا، جو دارالعلوم اور دارالخلافہ ہے، جہاں اسلام کی فوجیں جمع رہی ہیں
اور جہاں سے خدا تعالٰے نے اسلام کو پرستاران صلیب پر نصرت عطا فرمائی
تھی ۔
کہتے ہیں کہ منصور بن ابی عامر کے عروج کے زمانہ میں جب تمام ممالک پر اُن کا

قبضہ ہوگیا تھا، اور فوجوں اور اموال کی کثرت تھی، تو قرطبہ میں گنجائش نہ رہی اور اہالی فوج اور اُن کے گھوڑوں کے لئے باہر چھاؤنی ڈال دی گئی۔ اقطار ملک سے ایسے لوگ جمع کیے گئے جو دشمن کے مقابلہ اور اُن کے ممالک کے تاخت و تاراج کے قابل تھے دو لاکھ سوار اور چھ لاکھ پیدل جمع ہوگئے۔ اس وقت تک اس شہر میں ایسے صنادید اور سپہ سالاران موجود ہیں جو کبھی کسی حال میں بھی جنگ سے مُنہ موڑنے والے نہیں ہیں۔ مُن کی طرف دیکھنے کی نصاریٰ کو ہمت نہیں پڑتی۔ عیسائیوں کے گھر گھر میں ان کا چرچا اور رعب ہی اُن کے آثار باقی چلے آتے ہیں۔ اُن کے خیال ہی سے عیسائی کانپ اُٹھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ زمانہ عروج میں قرطبہ، زاہرہ اور زہرا کی عمارتیں مل گئی تھیں یہاں تک کہ لوگ دس میل تک متصل چراغوں کی روشنی میں چل پھر سکتے تھے۔ یہاں کی جامع مسجد کی نسبت یہ سنا گیا ہی کہ اُس کا فرش عیسائیوں کے اُن ناموسوں کا بنا ہوا ہی کہ جو مختلف گرجاؤں کی تباہی میں حاصل ہوئے تھے۔ منصور ابن ابی عامر نے جو ایزادیاں مسجد میں کی ہیں اُن میں جتنی مٹی خرچ ہوئی ہی وہ اُن گرجاؤں کی ہی جن کو منصور نے عیسائیوں کے شہروں میں جاکر منہدم کیا تھا۔ یہ مٹی عیسائی اپنے سروں پر اُٹھا کر اس مسجد کے لئے لائے تھے۔ یہاں کا پل نہایت مشہور ہی اس کے متعلق قریب پانچ ہزار پن چکیاں ہیں اس شہر کی زمین میں خدائے تعالیٰ نے بہت برکت عطا فرمائی ہی۔ گیہوں اور دیگر جناس عمدہ ترین پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں ایک پہاڑ ہی جس پر کثرت سے گلاب پیدا ہوتا ہی۔ یہاں کی بڑی تواضع یہ سمجھی جاتی ہی کہ اپنے ہاتھ سے گلاب کا پھول توڑ کر کسی کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہاں جو دریا ہی وہ اگرچہ بہ نسبت اشبیلیہ کے چوڑائی میں کم ہی، لیکن یہاں چراگاہوں اور سیرگاہوں سے گھر کر دوسرا ہی لطف پیدا کرتا ہی۔ غرق ہونے سے بھی لوگ محفوظ رہتے ہیں۔ باغات نے یہاں کے نضارت و طراوت کو اور بھی دوبالا کر دیا ہی۔ باقی رہا جہاں یہ مقام اندلس کے لئے بمنزلہ قلعہ کے ہی۔ یہاں زراعت زیادہ

ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ بڑے بہادر ہیں اور دشمن کا خوب مقابلہ کرسکتے ہیں۔ ایام فتنہ میں عیسائیوں کے بہت سے لشکروں کو یہاں شکستیں دی گئیں یہ مقام کبھی علما اور شعرا سے خالی نہیں رہا۔ چونکہ یہاں شہروں اور بنگلوں میں ریشم کے بہت پائے جاتے ہیں اس لئے عام طور پر یہ جنان الحریر کے نام سے موسوم ہے۔ اندلس کے قابل فخر مقامات ما بیاسہ ہے جہاں زعفران بہت پیدا ہوتا ہے، اور دریا اور خشکی کے راستے دور دور جاتا ہے۔ ابذہ میں اس قدر انگور پیدا ہوتے ہیں کہ وہاں ان کی بیع و شرا نہیں ہوتی یہ مقام کھیل کود میں مشہور ہے۔ ناچ تو یہاں کا بہت ہی مطبوع ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ یہاں کی عورتوں کو تلوار کے ناچ کے لئے تو بہترین مخلوق پیدا کیا ہے یہی حال دوسری قسم کے ناچوں کا ہے۔ باقی رہا غرناطہ، یہ مقام اندلس کا گویا دمشق ہے۔ یہاں پہنچ کر آنکھوں میں نور اور طراوت آتی ہے، حاصل ہے کہ اس کے دیار، بازاروں اور حماموں میں نہر رواں ہے۔ اندرون و بیرون شہر باغات سے مزین ہے نہر کے کنارے ان کی وجہ سے یہ معلوم ہوتے ہیں کہ گویا زبرجد سے مرصع ہیں۔ اشراف اماثل اور علماء اکابر اور شعراء افاضل سے یہ شہر بھی کبھی خالی نہیں رہا۔ اگر اور کبھی کوئی نہ ہوتے تو نزعون القلاعیہ اور زنیب بنت زیاد اور حفصہ بنت الحجاج جیسی شاعرات و ادیبہ اس شہر کے فخر کے لئے کافی ہوتیں۔

"مالقہ میں بر و بحر دونوں کا منظر جمع ہے۔ فصیل شہر میں برج بہت سے بنے ہوئے ہیں۔ یہاں ایک قسم کے شہتوت موسومہ "ربی" بہت اچھا پیدا ہوتا ہے۔ اس مقام کا قدیم نام "ربہ" ہے اسی سے یہ شہتوت منسوب ہیں۔ بغداد تک جاکر فروخت ہوتے ہیں، اور بہت پسند کئے جاتے ہیں اس کے علاوہ مسلمان اور نصاریٰ جو اپنے ساتھ بذریعہ سفر دریا لیجاتے ہیں اس کا تو انتہا نہیں ہے۔ ایک مرتبہ اجازت دیدی گئی تھی دریا کے راستے بلسش میں برابر تین روز تک ڈاک لگی رہی، مگر شہتوت ختم نہ ہوئے۔ ان میں سے

بہت سے درخت ایسے ہیں کہ جن کے شہتوت بچے ہی کھا جاتے ہیں ۔ بلش کا شہتوت بھی
بہت نفیس ہوتا ہی کسی نے ایک بربری سے پوچھا کہ " بلش کا شہتوت کیسا ہوتا ہی ؟"
تو اُس کے منہ میں پانی بھر آیا اور کہنے لگا کہ " یہ نہ پوچھو میرے منہ میں وہ شہتوت بھر دو
اور بس " یہاں کی شراب حلال وحرام اچھی ہوتی ہی حتی کہ یہاں سے منسوب ہو کر
شراب مالقی بہت پسند کی جاتی ہی سُنا ہی کہ ایک مرتبہ ایک خلیفہ سخت بیمار ہوئے، یہاں
تک کہ سمجھا گیا کہ اُن کی موت قریب ہی ۔ کسی نے اُن سے کہا کہ آپ خدائے تعالیٰ سے
مغفرت مانگیے ۔ آنھوں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا کہ " الٰہی میں تجھسے جنت کی تمام چیزیں مانگتا ہو
مثلاً مالقہ کی شراب، اور اشبیلیہ کی کشمش " یہاں ایک قسم کا رنگ دار کپڑا بہت
بُنا جاتا ہی جس کی قیمت بعض وقت ہزار ہا درم تک پہنچ جاتی ہی عجیب عجیب خوبصورت
وضع اس کپڑے میں پیدا کی جاتی ہی جو بادشاہوں سے لے کر عوام الناس تک کو
پسند آتا ہی ۔ یہاں کا بندرگاہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے جہازوں سے بھرا رہتا ہی

دمریہ ایک مشہور شہر ہی ۔ یہاں کے رہنے والے اعتدال مزاج، رونق رخسار،
نرمی بشرہ، خوبصورتی وخوب سیرتی، حسن معاشرت وصحبت میں خصوصیت رکھتے ہیں
یہاں کا ساحل بہترین وکشادہ ترین سواحل ہی منظر ساحل بھی بہت اچھا ہی ۔ یہاں کی
کنکریاں عجیب خوبصورت رنگوں کی ہوتی ہیں ۔ رؤسا مراکش اُن کو بطور سجادٹ کے
کام میں لاتے ہیں ۔ یہاں کا پتھر بھی بہت چمکدار ہوتا ہی یہاں وادی بجانہ کے نام
سے مشہور ہی، سب سے فراخ وادی ہی، اور بہت سرسبز ۔ مشہور سپہ سالار ابن
میمون، جنھوں نے نصاریٰ پر دریا میں حملہ کرکے اُن کا راستہ بند کر دیا تھا، بلاد رومیہ
پر تاخت وتاراج کرکے بہت سے لوگوں کو قتل وقید کیا تھا اور وہاں کے باشندگان پر
رعب ڈال دیا تھا، یہیں کے رہنے والے تھے ۔ یہی نصاریٰ کے جہازوں کا بندرگاہ تھا
اور یہیں اُن کا دفتر رہتا تھا ۔ یہیں سے اُن کی اجناس باہر کی منڈیوں میں جاتی تھیں

چونکہ یہ مقام وسط میں واقع ہے اور بہت وسیع ہے اس لئے ایسا بندرگاہ اور کوئی نہیں ہے وارد و صادر کا یہاں ہجوم رہتا ہے - یہاں رنگین دھاری دار چادریں بہت نفیس بنتی ہیں -

"مرسیہ شرق اندلس کا صدر مقام ہے - یہاں کے باشندوں کی جرأت و بسالت مشہور رہی - یہاں کی وادی اشبیلیہ کی وادی سے متصل ہے، جو شقورہ پر جاکر ختم ہوتی ہیں - باغات بہت خوبصورت اور سر سبز ہیں جس میں انواع و اقسام کی چڑیاں بالحان خوش گاتی رہتی ہیں - پھل پھول یہاں بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں - یہاں کے باشندے بہت راحت پسند اور خوش مزاج ہوتے ہیں - شہر اور سواد شہر کا منظر اس پر اور بھی معین یہ ایسی جگہ ہے کہ جو لوگ یہاں سے شادیاں کرکے لیجاتے ہیں اُن کو سوائے دُلہن کے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی - مریہ اور مالقہ کے ساتھ یہ تیسرا شہر ہے کہ جہاں دھاری دار کپڑا بنا جاتا ہے - بلاد مشرق میں تمثلیہ سے بہت سا کپڑا جاتا ہے - یہ مقام بھی کبھی علماء و شعراء اور بہادروں سے کبھی خالی نہیں رہا -

"بلنسیہ بوجہ کثرت باغات کے "مطیب الاندلس" کہلاتا ہے - یہاں کا اضافہ دنیا بھر کے سیرگاہوں سے بہتر ہے - یہاں کا بحیرہ بوجہ روشنی اور رونق کے بہت مشہور ہے - کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا رخ آفتاب کی طرف ہے اسی لئے تمام شہر میں روشنی رہتی ہے ایک کپڑا جو "نسیج البلنسی" کہلاتا ہے یہاں سے تمام ممالک مغرب میں جاتا ہے - علما اور شعرا یہاں ہمیشہ ہوتے آئے ہیں - یہاں کے لوگ شہسوار تو ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے نام نام سے دشمن کانپ اُٹھتے ہیں - یہاں کے رہنے والے مذہب کے بہت پابند ہیں - دوستی و صحبت کے بہت قابلیت رکھتے ہیں، اور مسافروں سے بہت مہربانی کے ساتھ پیش آتے ہیں - جزیرہ میورقہ نہایت سرسبز جگہ ہے زراعت کی وہاں کثرت ہے - باوجود اس کے کہ غیر ممالک سے وہ علیحدہ ہے مگر بوجہ سیر حاصل ہونے کے وہ مستغنی ہے اور عجیب عجیب

فائدہ مند چیزیں وہاں پیدا ہوتی ہیں۔ علما و فضلا یہاں بھی ہوتے رہے ہیں اور بہا در لوگ تو ایسے تھے کہ اُن کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

اب میں اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہوں۔ جزیرہ اندلس کی فضیلت میں جو کچھ مجھے یاد آیا وہ میں نے لکھ دیا۔ میں نے صرف اُن شہروں کا ذکر کیا ہے جو سلطنت کا مستقل دارالخلافہ رہا ہے۔ ملوک بنی عبدالمومن بھی ان ہی میں سے ہیں۔ میں نے اندلس کے علما و شعرا کا زیادہ ذکر نہیں کیا ہے، صرف بر سبیل تذکرہ بعض مشہور لوگوں کا نام لے دیا ہے۔ اب میں تم سے اپنا ایک قصہ بیان ہوں جو مجلس رئیس الفقیہہ ابوبکر بن زہر میں واقع ہوا۔ ایک روز میں اُن کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عجمی شخص فضلاء خراسان میں سے وہاں آگئے۔ ابن زہر اُن کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ علماء و شعراء و کتباء اندلس کی بابت کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے جو جواب دیا اُس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ بلحاظ علماء و شعرا و کتبا کے وہ سرزمین ہے کہ جس کے آفتاب کا نہ مشرق ہے نہ مغرب۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمد علی آلہ وصحبہ وسلم۔"

رسالہ شقندی ختم ہو گیا جس کے مولف ابوالولید اسمٰعیل بن محمد ہیں۔ شقندہ ایک قصبہ ہے جو نہر قرطبہ بر جانب جنوب واقع ہے۔ ابن سعید کہتے ہیں کہ ابوالولید میرے والد کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ ان دونوں صاحبوں کی آپس میں بہت مجالست و مصاحبت رہتی تھی۔ انھوں نے ایک رسالہ فضیلت اندلس میں بجواب ایک رسالہ مولفہ ابویحییٰ "در بیان فضیلت بر العدوہ" لکھا ہے جس میں ایک لطافت کے ساتھ اندلس کی فضیلت ثابت کردی ہے۔ ابوسعید جامع فنون و علوم قدیم و جدید تھے۔ منصور کی مجلس میں اکثر میں اُن سے ملتا رہا ہوں اور اُن میں وہ خوبیاں دیکھی ہیں کہ جن کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ بیاسہ اور لورقہ کے قاضی رہے ہیں جہاں عدل و انصاف و دیانت میں وہ مشہور تھے۔ انھوں نے ۶۲۹ھ میں بمقام اشبیلیہ انتقال کیا

اہل اندلس قدیم سے مذہب اوزاعی اور اہل شام کے مقلد تھے۔ لیکن بزمانہ دولت الحکم بن ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل جو اندلس کا تیسرا اموی تاجدار تھا، امام مالک ابن انس کی رائے پر عمل ہونے لگا؛ جس سے اُن کا مذہب اور علم یہاں بڑھا۔ قرطبہ، بلکہ تمامی اندلس میں اُن ہی کا مذہب پھیل گیا، یہاں تک کہ تمام ممالک مغرب اُن ہی کا پیرو ہوگیا۔ یہ سب کچھ الحکم کی رائے اور اختیار سے ہوا۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس تبدیلی کا کیا باعث ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ علمائے اندلس جب مدینہ شریفہ گئے اور وہاں سے واپس آئے تو انھوں نے امام مالک کی فضیلت اور اُن کے وسعت علم و جلالت قدر کا تذکرہ کیا۔ اس لئے یہاں کے لوگوں میں اُن کی عظمت بیٹھ گئی اور اُن کے مذہب کے پیرو ہوگئے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام مالک نے اندلس کے چند باشندوں سے وہاں کے بادشاہوں کے حالات سن کر سخت تعجب کیا، اور کہا کہ افسوس ہے کہ بنو عباس کے حالات پسندیدہ نہیں ہیں؛ اور ابو جعفر المنصور نے علویوں کو جو مدینہ میں قید کیا، اور اہانت کی (جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے) اُس سے اپنا رنج ظاہر کیا، اور ساتھ ہی یہ کہا کہ میں خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ حرم محترم کو بھی خدا تعالیٰ تمھارے بادشاہوں سے زینت دے۔ اس گفتگو کا تذکرہ بادشاہ اندلس کے سامنے ہوا۔ امام مالک کی جلالت قدر کی خبریں یہاں پہنچ ہی چکی تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے ان کا مذہب اختیار کرلیا اور امام اوزاعی کا مذہب چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم

وزیر ابو محمد عبدالرحمٰن بن مالک المعافری وزرائے اندلس میں سے ایک نہایت باہنر اور سخی شخص تھے، اخلاق کریمانہ رکھتے تھے، بڑے بڑے بادشاہوں کے مراسم پر چلتے تھے اندلس کے لوگوں میں ایسا آدمی پھر نہ پیدا ہوا۔ فقہ و حدیث کے پورے عالم تھے۔ ادب میں بے مثل، شاعری میں بے نظیر اور کاتب بلیغ تھے۔ مسجد جامع غرناطہ کا حمام اُن کا یادگار رہی، نیز جامع مسجد کے صحن کے ایک حصہ کو ان ہی نے مسقف کرایا۔ ستونوں کو بدلوایا۔ قرطبہ سے پتھر منگوا کر فرش صحن بنوایا تھا۔

اب ہم اہل اندلس کی مروت کو مختصراً بیان کرتے ہیں۔

صاحب ملتمس نے لکھا ہے کہ میری بڑی تمنا یہ تھی کہ میں قاضی غرناطہ ابو محمد عبد المنعم بن الغرس کے
کے یہاں شادی کروں۔ میں نے ابن جبیر کو درمیان میں ڈالا، اور مجھے اس میں کامیابی ہو گئی۔
مگر میری اور میری زوجہ کے درمیان میں موافقت نہیں ہوئی۔ میں نے ابن جبیر سے اس کی شکایت
کی۔ اُنھوں نے کہا کہ "میں تو یہ نہ چاہتا تھا کہ تم وہاں شادی کرو، مگر تمھارے اصرار سے میں نے
کوشش کی، اور اب میں تمھارے افتراق میں سعی کرونگا۔" وہ اُسی وقت گئے اور قاضی کے یہاں
سے حکم افتراق لے آئے۔ ان دونوں معاملوں میں میں نے اُن کے بشرہ سے یہ نہیں پایا کہ وہ کسی
قسم کا احسان میرے اوپر رکھنا چاہتے ہیں، یا یہ کہ وہ اس کو اپنے لئے کچھ تکلیف کا باعث سمجھتے ہیں۔
تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر ایک تھیلی جس میں سو دینار تھے لئے ہوئے آئے، اور کہنے لگے کہ "اس
تمام معاملہ کا باعث میں ہی ہوا تھا، میں یہ دیکھتا ہوں کہ تمھیں اس میں نقصان پہنچا ہے۔ اس
وقت میرے پاس صرف اتنا ہی مال تھا جس کو تم مہربانی کرکے قبول کرلو۔" یہ کہہ کر اُنھوں نے
وہ تھیلی میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے کہا کہ "میں آپ کو کسی طرح اس معاملہ میں متہم نہیں کرتا
واللہ اگر میں یہ مال لے لونگا تو جس طرح میں نے اپنے باپ کا مال تلف کردیا ہے اس کو بھی تلف
تلف کر ڈالوں گا۔ جب آپ کو یہ بات معلوم ہوگئی تو اب براہ مہربانی اس کے دینے میں اصرار نہ کیجیے۔"
اُنھوں نے ہنسکر پھر اصرار کیا۔ مگر آخر میرے انکار پر وہ تھیلی لیکر واپس چلے گئے۔

ایک روز ایوب بن سلیمان السہیلی مروانی، جو شاعر تھے، ابن باجہ شاعر کے یہاں گئے۔ ابو الحسن
ابن جودی بھی وہیں تھے۔ مروانی نے اشعار گفتگو میں کچھ ایسی باتیں کیں جن سے اُن کی زیرکی
اور کمال علم ادب معلوم ہوتا تھا۔ ابو الحسن بن جودی کو، جو ان دنوں جوان تھے تعارف کا
شوق پیدا ہوا۔ اُنھوں نے براہ رعونت مروانی سے سوال کیا کہ آپ کون ہیں۔ اُنھوں نے جواب
دیا کہ "بہتر تو یہ تھا کہ تم کسی دوسرے سے میری بابت دریافت کرتے، جس سے تمھارا ادب معلوم ہوتا
اور میری توقیر ہوتی۔ مگر خیر، میں وہ شخص ہوں کہ جن کے افراد پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ ہم لوگوں
کو نہ جاننے والے بھی جانتے تھے، اور کسی کو ہماری نسبت سوال کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔" پھر
تھوڑی دیر خاموش رہ کر تین شعر ایسے فی البدیہہ پڑھے جن سے ابن جودی کو معلوم ہو گیا کہ وہ
بنو مروان میں سے ہیں۔ وہ کھڑے ہو گئے، اُن کے سر کو بوسہ دیا اور اپنی جرأت کی بابت معذرت
کی۔ تھوڑی دیر کے بعد مروانی تو واپس چلے گئے۔ اور ابن باجہ نے ابن جودی سے کہا کہ

"تم سے سخت بدتہذیبی ہوئی تم دیکھ رہے تھے کہ میں اُن کا ادب کر رہا ہوں اور صدر میں اُن کو بٹھا رکھا ہے پھر
تم لگے اُن سے اُن ہی کی نسبت سوال کرنے! آیندہ احتیاط رکھو کہ کہیں عادت تم کو نہ پڑ جائے! ایسا کرنا سخت بدتہذیبی میں داخل ہے"
بحار الموادنی ترک وطن کر کے جہاد کے واسطے نکل گئے، اور وہیں شہید ہوئے۔ صاحب السقط کہتے ہیں کہ جب وہ زندہ
تھے تو میں شامل نہ ہو سکا، اور مجھے معلوم ہوا کہ وہ وہیں ہیں میں اُن سے ملنے کے لئے اُن کے قیامگاہ پر پہنچا
اُن کے دروازے پر دستک دی اُنھوں نے پوچھا کہ کون ہے۔ میں نے جواب دیا کہ "میں بوجہ قرابت کے آپ سے ملنا چاہتا
ہوں" اُنھوں نے جواب دیا کہ "دنیا میں کوئی قرابت باقی نہیں ہے، مگر تقویٰ الٰہی کے ساتھ۔ اگر تم اُس کے
اہل ہو تو آجاؤ ورنہ واپس چلے جاؤ" میں نے کہا کہ "میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ شاید آپ کی فیض صحبت سے
اہل تقویٰ میں شامل ہو جاؤں" اس پر اُنھوں نے کچھ تامل کے بعد مجھے بلا لیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ جانماز پر بیٹھے
تسبیح پر کچھ پڑھ رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ ذرا ٹھہر جاؤ میں اپنا وظیفہ ختم کر کے تم سے متوجہ ہونگا
غرض جب وہ فارغ ہوئے تو مجھ سے پوچھا کہ میرے اور تمھارے درمیان میں کس طرح قرابت ہے
میں نے اپنے والد کا نام لیا تو وہ بہت خوش ہوئے، اُنکے لئے دعاء مغفرت کی، اور کہنے لگے کہ "وہ بڑے
ادیب تھے تمھیں بھی اُن کا کوئی حصہ ملا ہے؟ میں نے کہا کہ "اُن کی یہ کوشش رہی کہ میں قرأت و ادب
میں ممتاز ہوں" اُنھوں نے پوچھا کہ کچھ نظم کا بھی شغل کرتے ہو" میں نے کہا کہ ہاں بضرورت و
بجبر" اُنھوں نے کہا کہ "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃ۔ ضرورت کے
وقت مردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔ اپنا کوئی شعر سناؤ" میں نے بہت غور کیا مگر کوئی شعر موافق حال یاد
نہیں آیا۔ جہاں تک یاد آتا تھا وہ شراب کی تعریف یا اسی قسم کا تھا۔ مجھے متفکر دیکھ کر اُنھوں نے کہا
کہ جیسا بھی یاد آئے سنا دو۔ میں نے کہا کہ "ایسے ہی شعر یاد آتے ہیں جو جوانوں کی مجلس میں سنانے کے
قابل ہیں، آپ جیسے بزرگ کے سامنے اُن کو سناتے حجاب آتا ہے" اُنھوں نے پھر تقاضا کیا اور
اجازت دی تو میں نے چند شعر سنائے جن کو سن کر وہ کہنے لگے کہ کوئی اور شعر سناؤ جو اتنا واشگاف اور
گندہ نہو۔ میں نے چند اور اشعار سنائے جو وعظ و عبرت پر مشتمل تھے ان کو سن کر وہ کھڑے ہو گئے، اور
ٹہلنے لگے۔ بار بار فرمائش کر کے سنتے تھے اور کچھ بے چین ہوتے تھے میں نے کہا کہ "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا
کہ ان اشعار کا آپ پر ایسا اثر پڑیگا تو میں کبھی آپ کے سامنے نہ پڑھتا" اُنھوں نے کہا کہ "مجھ پر نیک
اثر ہوا ہے۔ انسان کے دل کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ گویا دو ورق ایک جگہ جڑ گئے ہیں کوئی ہوا جھونکا اُن میں حرکت
پیدا کر کے جان ڈالتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اُن کو اُلٹا پلٹتا رہتا ہے۔ مجھے تمھارے اشعار نے معلوم کیا یاد دلا دیا

بنو امیہ کی تمام تاریخ اس وقت میرے آنکھوں سامنے پھر گئی۔" اس کے بعد میں نے اُن سے اُن کے اشعار سننے کی درخواست کی تو اُنہوں نے کہا کہ ایام جوانی کے جو اشعار میں اُن کا وقت گزر گیا، اور بہت اچھا ہوا کہ جوانی کے ساتھ وہ بھی ضایع ہو گئے۔ اس وقت کے اشعار تمہیں پسند نہ آئیں گے" میں نے اُن کی خوشامد کی تو اُنہوں نے چند اشعار سنائے مگر اس شان سے کہ خود روتے تھے اور مجھے رُلاتے تھے۔ ازروئے علم ادب وہ اپنا آپ ہی نمونہ تھے۔ غرض بہت دیر تک وہ مجھے رُلاتے رہے۔ آخر میں نے اُن سے رخصت چاہی تو کہنے لگے کہ پھر کبھی آؤگے تو یاد کر کے اپنے کچھ اور اشعار سناؤنگا۔ یہ کہکر وہ کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے کمرے میں لے گئے اور وہاں مجھے خود ہی ستو گھول کر پلایا۔ اور کہنے لگے کہ میری دن کی یہی غذا ہے، میں اس کو نعمت الٰہی سمجھتا ہوں۔ اسکو کھا کر شکر کرتا ہوں، اسی شکر کا نتیجہ ہے کہ خدائے تعالےٰ مجھے یہ ہمیشہ عطا فرمائے جاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کہاں سوتے ہیں اُنہوں نے ایک مچھلی پکڑنے کا جال دکھا کر کہا کہ اس پر۔ اور کہا کہ میری ایک بیوی ہے، اور ایک بیٹی، وہ دونوں سوت کاتتی ہیں جس سے ہم کپڑا پہنتے ہیں۔ ایک عافیت اور استغنا سے ہم اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ خدا تعالےٰ جیسا چاہتا ہے اُسی حال میں ہمکو رکھتا ہے اور اُسی میں ہم بھی خوش ہیں۔ خدائے تعالیٰ ہمارا خاتمہ بخیر کرے۔ اور آیندہ فضیحت نکرے۔" غرض میں اُن سے رخصت ہو کر چلا آیا۔ اور یہ ارادہ کیا کہ ایک مرتبہ پھر اُن کی خدمت میں حاضر ہونگا، مگر چند روز کے بعد، تاکہ میں اُن پر بار نہوں۔ چنانچہ تین روز کے بعد میں پھر گیا۔ دروازے پر دستک دی تو کسی عورت نے جواب دیا جس کی آواز سے حزن و ملال ظاہر ہوتا تھا۔ اور کہا کہ شیخ تو جہاد پر چلے گئے جس روز تم اُنسے مل کر گئے ہو، اُس روز اُن کو کچھ عجیب گھبراہٹ سی رہی۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ میں شہید ہو کر مروں۔ میرے پڑوسی جہاد پر جا رہے ہیں، میں بھی اُن ہی کے ساتھ جاؤنگا۔ اس کے بعد اُنہوں نے اپنی تلوار اور نیزے کو درست کیا۔ اور اُن ہی کے

ساتھ روانہ ہوگئے۔" میں نے پوچھا کہ "اب تمہارا خبرگیراں کون ہوگا" - جواب ملا کہ اس کا کچھ فکر نہ کرو جس ذات واحد کو وہ ہمارا خبرگیراں چھوڑ گئے ہیں۔ اُس کے ہوتے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں ہے۔" میرے اوپر اس جواب کا بڑا اثر ہوا اور میں نے سوچا کہ بیٹی زہد و صلاح میں باپ ہی جیسی ہے۔ میں نے کہا کہ "میں اُن کا قربت دار ہوں، اور میرا یہ حق ہے کہ میں اُن کے بعد تمہاری خبرگیری کردں"۔ لڑکی نے کہا کہ تم مرد ہو اور ذی محرم نہیں ہو، ہمکو کوئی عورت درکار ہے کہ جو ہمارا کام کاج کرے، اور ہمارا کاتا ہوا سوت بیچ لائے۔ خدا تعالے ہماری طرف سے تمہیں جزا خیر دے۔ ہم تمہارے بڑے شکر گزار ہیں، تم اطمینان سے اپنے مکان کو جاؤ۔" میں نے کچھ روپیہ اُن کو دینا چاہا مگر اُنہوں نے لینے سے انکار کیا اور کہا کہ "ہمارا جی نہیں چاہتا کہ سوا خدا تعالےٰ کے کسی اور سے کچھ لیں۔" میں شرمندہ ہو کر واپس چلا آیا۔ اور سخت افسوس ہوا کہ صحبت و فیض شیخ سے محروم ہوگیا۔ چند روز کے بعد میں پھر اُن کے یہاں گیا تو ایک عورت نے کہا کہ خدا تعالےٰ نے اُنکو قبول فرمالیا۔ میں نے گھبرا کر پوچھا کہ کیا قتل ہوگئے۔" اُس عورت نے جواب دیا کہ "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ تا آخر آیۃ" میں یہ سنکر چلا آیا۔ خدا تعالےٰ اُن پر رحم فرمائے۔ اُن سے راضی ہو اور ہمکو اُن سے نفع پہونچائے۔ آمین۔ حقیقت یہ ہے کہ اندلس کے بنوامیہ کا دین و دنیا دونوں میں بڑا رتبہ ہے۔

اہل اندلس کے عدل کی حکایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب المعتصم بن صمادح بادشاہ مریہ نے اپنا مشہور قصر جو صمادحیہ کے نام سے مشہور تھا بنایا، تو اُن کے کارکنوں نے صالحین میں سے ایک کی زمین غصب کرکے خاتہ باغ میں شامل کرلی۔ فی الحقیقت یہ اپنے اُن بزرگ کے ایک عزیز کی جو یتیم تھے، ملکیت تھی۔ ایک روز المعتصم صمادحیہ کی نہر میں بعالم سرخوشی کشتی پر سیر کررہے تھے۔ یکایک اُن کی نگاہ ایک چیز پر پڑی جو موم میں لپٹی ہوئی بہتی ہوئی چلی آتی تھی۔ اُنہوں نے حکم دیا کہ اُس کو اُٹھا لیا جائے۔ جب اوسکو کھولا تو اُسمیں سے ایک کاغذ

نکلا، جس میں لکھا ہوا تھا "اے غاصب! ذرا خدا تعالےٰ کا وہ قول یاد کر کہ ان، ھذا اخی له تسع وتسعون نعجته ولی نعجة واحدة فقال اکفلنیها وعزنی فی الخطاب لا الٰہ الا اللہ! تو بادشاہ ہے، تجھکو خدا تعالےٰ نے وسعت عطا فرمائی ہے اور زمین کا مالک بنایا پھر بھی تجھکو حرص نے نہ چھوڑا، اور اپنے بڑے وسیع باغ کے ساتھ یتیموں کی ایک چھوٹی سی زمین کو شامل کر کے اپنی حلال چیز کو حرام بنا لیا، اور خوشبو کو بدبو سے ملا لیا۔ اگر تو بوجہ اپنے غلبہ سلطانی کے مجھ سے چھپا ہوا ہے، اور تیری بزرگی شان کی وجہ سے میری مجال تیرے سامنے آنے کی نہو، تو کل کو تو لیسے ذات واحد کے سامنے حاضر ہونے والا ہے۔ جس سے کوئی نہیں چھپ سکتا۔ اور جس کے سامنے فریاد ضائع نہیں جا سکتی"۔ اسکو دیکھکر المعتصم کے آنسو نکل پڑے، اور خوف خدا سے کانپ اٹھے، اور حکم دیا کہ فوراً صماد حیہ کے کارکن اُن کے سامنے پیش کئے جائیں۔ جب وہ حاضر ہوئے تو اُن سے دریافت کیا۔ ان کو سوا سچ بولنے کے چارہ نہ تھا۔ مگر بطور عذر یہ کہا کہ اگر ہم یہ نکرتے تو باغ عیب دار ہو جاتا، اور دیکھنے والوں کو بُرا معلوم ہوتا۔ المعتصم کو یہ سنکر بہت غصہ آیا اور کہا کہ "واللہ، اُس کا عیب خالق کی نگاہ میں مکروہ ترین ہے بہ نسبت مخلوق کی نگاہ کے۔ اس کے بعد انہوں نے حکم دیا کہ فوراً وہ زمین اُن یتیموں کو واپس کردی جائے" گو صماد حیہ میں عیب ہی کیوں نہ پڑ جائے۔ چند روز کے بعد ایک مرتبہ مریہ کے چند اعیان مع اپنے دوستوں کی ایک جماعت کے وہاں سے گذرے ان میں سے ایک نے کہا کہ اس کے نکل جانے سے اس باغ کا منظر خراب ہو گیا۔ المعتصم نے سنکر کہا کہ خاموش رہو۔ واللہ کہ یہ عیب اس منظر کی زینت و فخر ہے"۔ المعتصم جب کبھی اس مقام کو دیکھتے تو کہا کرتے کہ میری نگاہ میں یہ عیب تمام صماد حیہ کی خوبیوں سے زیادہ خوبصورت ہے۔ آخر اُن کے وزیر ابن ارقم نے بر سول شیخ اور اُن یتیموں کی خوشامد و درآمد کی، تو کہیں اُنہوں نے اپنی رضا و رغبت سے، اپنی منہ مانگی قیمت پر، بادشاہ کے ہاتھ اُس قطعہ زمین کو فروخت کیا۔ المعتصم کا نام نیکی کے ساتھ لوگوں

میں یادگار رہا۔ اور خدا تعالےٰ کی طرف سے جو اُن کو جزا ملی وہ الگ رہی۔

جب معتصم بن صمادح کا انتقال ہو گیا تو اُن کے بیٹے اور ولیعہد، الواثق عزالدولہ ابو محمد عبداللہ، اپنے باپ کی وصیت کے موافق ایک جہاز پر بیٹھ کر ملک سے نکل گئے۔

ابن اللبانہ شاعر کہتے ہیں کہ میں جو زمانہ سے اُس وقت تک واقف نہیں ہوا کہ جب تک میں عزالدولہ بن المعتصم بن صمادح سے بجایہ میں نہ ملا۔ میں نے یہ پایا کہ اُن میں تمام تر خوبیاں جمع تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خدا تعالےٰ نے اُن کو ملک و ریاست اور احیار فضائل انہی کے لیے پیدا کیا تھا۔ اُن کی ہمت عالی اور کرم و سخاوت اس طرح پوشیدہ تھی کہ جیسے تلوار میں جوہر فنون ادب و تواریخ اُن کے ناخنوں میں بھرے تھے۔ بڑے بڑے اُستادوں کے سامنے زانوے ادب تہ کیے ہوئے تھے۔ اون کی علمی باتوں سے لوگ فائدہ اُٹھاتے تھے۔ لطافت ذہن و شدت ذکا رکھتے تھے۔ میں نے ایک شخص سے اُن کی یہ صفات بیان کیں تو اُن کو بھی اُن سے ملنے کا شوق پیدا ہوا، اور مجھسے تقریب کرنے کو کہا۔ چنانچہ میں نے عزالدولہ سے کہا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ میں آج گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوں، تنگی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتا ہوں، مجھ میں یہ وسعت نہیں ہے کہ لوگوں سے ملوں۔ مجھے کسی سے ملنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ خواہ وہ کیسا ہی ذی ادب و علم ہو۔ یہ لوگ براہِ کرم ہم سے ملنا چاہتے ہیں، ہمکو اس حال میں دیکھکر رنج اُٹھاتے ہیں۔ ہم میں اتنی قدرت نہیں ہے کہ اپنی مرضی کے موافق اُن کی عزیزداشت کر سکیں۔ اس لئے تم مجھکو اس طرح چھوڑ دو جیسے کسی مردے کو قبر میں چھوڑ آتے ہیں۔ تم بھی ہم پر صبر کر لو۔

باقی رہے تم، تمہارا اور میرا تعلق خون اور گوشت کا سا ہو گیا ہے۔ ہم اور تم اس طرح آپس میں مل گئے ہیں۔ جیسے کہ شراب میں پانی تم سے اپنا حال بیان کرنا گویا غیر کے سامنے اپنا پردہ کھولنا نہیں معلوم ہوتا۔ اب ہمیں اس پر مجبور نہ کرو کہ ہمارے حال سے کوئی غیر بھی واقف ہو۔ جس فصاحت کے ساتھ اُنہوں نے اس مضمون کو ادا کیا میں سُنکر متحیر رہ گیا۔

اور اُن کے خیالات سُنکر میرے آنسو نکل پڑے۔ عز الدولہ بڑے شاعر تھے۔ شنتذی کا تو یہ خیال ہے کہ وہ اپنے والد سے بہتر شعر کہتے تھے۔ اُن کے بھائی رفیع الدولہ بھی خوب شعر کہتے تھے۔ ایک مختل الحواس شخص جب کبھی رفیع الدولہ کو دیکھتا تو کہتا کہ یہ شخص الف ہے کہ جس پر کوئی نقطہ نہیں ہے۔ جس سے اُس کا مطلب یہ تھا کہ اس شخص کا ملک جاتا رہا اور اب یہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہے۔ رفیع الدولہ نے اپنے دوستوں سے شکایت کی۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ میں اس کا انتظام کر دونگا۔ چنانچہ وہ اُس احمق سے ملا۔ اور اُس کو کچھ شیرینی کھلا کر کہا کہ اب جو تم رفیع الدولہ کو دیکھو تو اُن کو سلام کرو۔ اور اُن کے ہاتھ چومو۔ خبردار یہ نہ کہنا کہ یہ شخص الف ہے کہ جس پر کوئی نقطہ نہیں ہے۔ اُس احمق نے وعدہ کر لیا کہ ایسا ہی کرونگا اس کے بعد پھر ملا تو اُس نے رفیع الدولہ کو سلام کر کے اُن کا ہاتھ چوما۔ اور کہا کہ یہ شخص۔ (حرف) یا ہے کہ جسکے نیچے نقطہ نہیں ہے۔ یہ الفاظ رفیع الدولہ کو اور بھی سخت ناگوار ہوئے اُن کے بھائی ابو جعفر بن المعتصم بھی شاعر تھے اور اس حیثیت کے آدمی تھے کہ مہب۔ مطرب اور مغرب میں اُن کے حالات میں ایک ایک باب الگ قائم کیا گیا ہے۔ اُن کی بہن اُم الکرم کے حالات ہم عالمہ و فاضلہ عورتوں کے ذیل میں بیان کرینگے۔

اہل اندلس کے حالات وفا اور اداء حق اخوت وغیرہ

وزیر الولید بن عبد الرحمٰن بن غانم کے دوست وزیر ہاشم بن عبد العزیز تھے۔ اس دوستی کو وہ مدتوں نباہتے رہے۔ سلطان محمد بن عبد الرحمٰن اموی ایک مرتبہ ہاشم سے ناراض ہو گئے۔ اور اُن کو قید کر دیا۔ ایک مرتبہ سلطان نے اپنے خدام سے بسبیل تذکرہ ہاشم کا ذکر کیا۔ ولید بھی موجود تھے۔ اُنہوں نے بادشاہی کو قصوروار گردانا اور اُن کو طیش، عجلت، اور خود رائی کا مرتکب بتلایا۔ ولید کے سوا کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ہاشم کی سفارش میں ایک لفظ بھی کہہ سکتا۔ چنانچہ اُنہوں نے بادشاہ سے کہا کہ "خدائے تعالےٰ امیر کو صلاحیت

دارین عطا فرمائے، ! ہاشم کا اس معاملہ میں کوئی قصور نہیں ہے، نہ وہ اس معاملہ میں اپنی حد سے گزرا ہے، بلکہ اُس نے تمامتر کوشش اس میں صرف کرکے اپنا حق ادا کر دیا۔ لیکن نتیجہ اُس کے اختیار میں نہ تھا۔ جن لوگوں پر کہ اُس نے اعتبار کیا اُن لوگوں نے اُس کو دھوکا دیا، مگر باوجود اس کے اُس کا قدم نہ ڈگمگایا۔ یہاں تک کہ اُس نے ایک حد تک کامیابی حاصل کرلی۔ اُس پر کوئی ایسا الزام نہیں ہے کہ وہ قابل ملامت ہو۔ اُس نے جو کچھ کیا امیر کی رضامندی حاصل کرنے اور ناخوشی سے بچنے کے لیے کیا۔ اس کوشش میں اگر اُس سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو گئی کہ جو تقصیر کے حد تک پہنچ گئی تو وہ قابل معافی ہے"۔

امیر کو اون کی تقریب بن آئی، اور اُن کی وفاداری مشکور ہوئی۔ غرض اُنھوں نے ہاشم کی رہائی میں پوری کوشش کی۔ ہاشم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے ولید کا بہت شکریہ ادا کیا اور کہا کہ "دوست وہ ہے کہ جو سختی اور مصیبت میں دوستی دکھائے۔ اور بھائی وہ ہے کہ جو غیبت میں وفا کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ وفا را وسی چیز کا نام ہے کہ جو تم نے کی، اور وہ ایسی حالت میں کہ زمانہ نے میرے ساتھ خیانت کی۔ تم نے میرے متعلق میرے آقا سے جو کچھ کہا اُس کی مجھے اطلاع پہنچی۔ تمہاری محبت وصداقت میرے دل میں اور بھی بڑھ گئی۔ اس وقت میں ایسی جگہ ہوں کہ میں اس کا بدلہ نہیں اُتار سکتا۔ سوا اس کے کہ تمہاری تعریف کروں اور بس۔ تم البتہ ایسی حالت میں ہو کہ جو کچھ تمنے شروع کیا ہے اس کو تکمیل پر پہنچا دو۔ اور اپنا احسان پورا کردو۔ اور عقد اور صداقت کو اور بھی مضبوط کردو۔ ولید نے اس کے جواب میں لکھا کہ خدا اس بدر کو آفت خسوف سے بچائے۔ تمہارا شکریہ میرے پاس پہنچا۔ تم نے جو یہ لکھا ہے کہ میں نے تمہاری سفارش ایسی حالت میں کی کہ تم موجود نہ تھے، آخر تم نے بھی تو ایسا کیا ہے کہ میں سوتا تھا۔ اور تم میرے لیے جاگتے تھے۔ خدائے تعالے احسان کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔ وغیرہ وغیرہ

اہل اندلس کی علو ہمت۔ ابوبکر بن الصائغ، المعروف با بن باجہ، غرناطہ کی جامع مسجد

میں گئے تو دیکھا کہ ایک نحوی کے گرد بہت سے جوان طالبعلم بیٹھے ہوئے پڑھ رہے ہیں طالبعلموں نے ابن باجہ کی طرف دیکھکر بطور مذاق کے کہا کہ "دیکھو یہ فقیہہ کیا اُٹھائے ہوئے ہے۔ کیسے کیسے علوم اس کی بغل میں ہیں۔ بولو تو کیا کہتے ہو!" ابن باجہ نے کہا کہ "میری بغل میں بارہ ہزار دینار ہیں" (یہ کہکر انہوں نے بارہ دانۂ یاقوت نکال کر اُن کے سامنے رکھدیئے ان میں سے ہر ایک دانہ کی قیمت ایک ہزار دینار تھی) "باقی رہے علوم، میں بارہ علوم جانتا ہوں۔ جن میں سے ایک عربی ہے کہ جس پر تم سر کھپا رہے ہو۔ اب رہ گئی یہ بات کہ تم کیا کہتے ہو، تو سنو" یہ کہکر اُنہوں نے اُن کو خوب سخت وسُست کہا۔

اہل اندلس کا ذکاء و استخراج و استنباط علوم۔ ابوالقاسم عباس بن فرناس، حکیم اندلس، پہلے وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے اندلس میں پتھر سے شیشہ بنانے کی ترکیب نکالی۔ خلیل کی کتاب العروض کی شرح لکھی، موسیقی میں ترقیات کیں، ایک آلہ بنایا جو منقال کہلاتا تھا، اس سے اوقات معلوم ہوتے تھے یہی حکیم ہوا میں اوڑے۔ اور اس کے لیئے اونہوں نے اپنے جسم پر پر لگانے، اور پرندوں کے سے بازو بنائے، اور بہت دور تک ہوا میں اوڑ گئے۔ لیکن اُترنے کے لیئے اُنہوں نے تدبیر ٹھیک نہیں کی تھی۔ اسی لیئے اُتر آنے میں اُن کو تکلیف اُٹھانی پڑی۔ اُن کو یہ خیال نہ آیا کہ پرندہ اُترتے ہوئے اپنی دُم سے کام لیتا ہے۔ دُم ہی اُنہوں نے نہ لگائی تھی۔

اُنہوں نے اپنے گھر میں ہیئت آسمان بنائی تھی۔ جس میں ستارے، ابر، برق و رعد معلوم ہوتے تھے۔ مومن بن سعید شاعر ہمیشہ نظموں میں ان کا مذاق اُڑاتے رہتے تھے۔

علم اوائل ریاضی و نجوم میں جو شخص سب سے پہلے مشہور ہوئے وہ ابوعبیدہ مسلم بن احمد المعروف بصاحب القبلہ تھے۔ کیونکہ وہ شرق کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے حرکات کواکب کے وہ بڑے عالم تھے، صاحب فقہ و حدیث تھے، ممالک مشرق کی سیاحت کر آئے تھے چنانچہ مکہ شریف میں علی بن عبدالعزیز سے، اور مصر میں مزنی سے حدیث شریف سنی تھی۔

یحییٰ بن یحییٰ المعروف بابن السمینہ ریاضی نجوم، لغت، عروض، معانی، شعر، فقہ، حدیث، اخبار۔ وجدل کے بڑے عالم تھے۔ یہ بھی ممالک مشرق میں گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ مذہباً معتزلی تھے۔

ابوالقاسم اصبغ بن السمح نجوم و ہندسہ کے عالم تھے۔ اس فن میں اُن کی بہت سی تالیفات ہیں۔ منجملہ اُن کے کتاب المدخل الی ہندسہ اقلیدس کی تفسیر میں ہے۔ ایک بڑی کتاب ہندسہ کے متعلق ہے۔ دو کتابیں اسطرلاب و زائچہ میں اہل ہند کے مذہب کے موافق لکھی ہیں۔ اس کتاب کا نام سند ہندی۔

ابوالحسن زہراوی اعداد و طب و ہندسہ کے بڑے عالم تھے۔ اُن کی ایک بہت اچھی کتاب معاملات میں برہان کے طریق پر ہے۔

ابوالحکم عمر الکرمانی باشندہ قرطبہ عدد و ہندسہ کے راسخین فی العلم میں سے تھے۔ یہ بھی مشرق گئے تھے۔ حرّان میں مشغول بعلم رہے۔ سب سے پہلے رسائل اخوان الصفا یہی اندلس میں لیکر آئے تھے۔

ابومسلم بن خلدون جو اشراف اشبیلیہ میں سے تھے، علوم فلسفہ و ہندسہ و نجوم و طب پر تصرف کامل رکھتے تھے۔ ان کے شاگرد، ابن برغوث، علوم ریاضیہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ اور اُن کے شاگرد، ابوالحسن مختار الرعینی، ہندسہ و نجوم کے بڑے عالم تھے عبداللہ بن احمد السرقسطی علوم ہندسہ و عدد و نجوم کے بڑے ناقد تھے یہی حالت محمد بن اللیث کی تھی۔ یہ حرکات کواکب کے بڑے ماہرین میں سے تھے ابو جی القرطبی جو ہندسہ و نجوم کے عالم تھے، اندلس سے ۴۴۲ ہجری میں مصر گئے۔ اور وہاں سے یمن جاکر امیر صلیحی سے ملے جو مستنصر عبیدی کی طرف سے وعویدار تھے۔ ان ہی کو اس امیر نے القائم بامر اللہ کے حضور میں اپنا وکیل بنا کر بھیجا تھا۔ بغداد سے آکر یمن ہی میں اُنہوں نے انتقال کیا ابوالوقشی الطلیطلی ہندسہ، منطق اور زائچوں کے بڑے ماہر تھے حافظ ابوالولید ہشام وقشی

ہندسہ، حکمار، کی رار، نحو، لغت، معانی اشعار، عروض، کتابت، فقہ، شروط اور سائر الفن وغیرہ کے سب سے بڑے علماء میں سے تھے۔

وزیر ابوالمطرب عبدالرحمٰن بن شہید، مصنف ادویۃ المفردہ، طب وغیرہ میں خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ ادویہ مفرود کی طرف اُنہوں نے توجہ کی اور اُن کے اثرات اور درجات کو مرتب کیا وہ جہانتک ممکن ہوتا تھا غذاؤں سے علاج کرتے تھے، دوا نہ دیتے تھے۔ مجبوراً دوا دینی ہی پڑتی تھی۔ تو مرکب نہ دیتے تھے، بلکہ مفرد سے علاج کرتے تھے۔ اگر مرکب کی ضرورت پڑتی تھی، تو جہانتک ہوسکتا تھا کم دواؤں کو ترکیب دیتے تھے۔ سخت اور خوفناک امراض میں اُن کے عجیب وغریب آسان علاج، اور شفاء کامل کے عجیب قصے زبان زد عوام ہیں۔ ابن بیطار کی جن کا نام عبداللہ بن احمد المالقی تھا۔ اور جو ضیاء الدین سے ملقب تھے بہت سی تصانیف جڑی بوٹیوں کے متعلق ہیں۔ اس خصوص میں کوئی شخص اُن سے بڑھا ہوا نہیں ہے۔ ۶۴۶ھ ہجری میں بمقام دمشق اونہوں نے ایک بوٹی کی جڑ کھالی، جس سے فوراً وہ جان بحق ہو گئے۔

اہل اندلس کی قوت حافظہ یکتا ز ادب، حافظ اشبیلیہ، بلکہ تمامی اندلس، ابوالمتوکل ہیثم بن احمد بن ابی غالب، روایت اشعار و اخبار میں اپنے زمانہ کے ایک عجوبہ تھے۔ ابن سعید کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک ثقہ شخص نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ اشبیلیہ کے ایک رئیس کے یہاں گئے۔ وہاں سر شام اون کے قوت حافظہ کے متعلق ذکر چھڑ گیا۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میرا امتحان کر لو۔ لوگوں نے کہا کہ بسم اللہ، ہیثم نے کہا کہ جو قافیہ تم چاہو اختیار کر لو۔ میں اوسی قافیہ کے اشعار پڑھتا ہوں۔ سب نے بالاتفاق قافیہ قاف اختیار کیا۔ ہیثم نے شروع رات سے اشعار سنانے شروع کئے صبح ہو گئی۔ ابتک وہ صرف ایک ہی وزن یعنی ارق علی ارق ومثلی یارق کے ہی شعر سنا رہے تھے۔ بہت سے لوگ سو گئے بہت سے اُونگھنے لگے۔ لیکن اُن کا قافیہ قاف ختم نہیں ہوا۔ ابو عمران بن سعید کہتے ہیں

کہ میں ایک مرتبہ اشبیلیہ کے دار الاشراف میں گیا۔ وہاں ہیثم کے ساتھ بہت ادبا بھی جمع تھے۔ کتابیں دیکھی جارہی تھیں۔ منجملہ اُن کے دیوان ذو الرمہ بھی تھا ہیثم نے یہ دیوان لینے کے لیئے ہاتھ بڑھایا۔ ایک ادیب نے دیوان دینے سے انکار کر دیا۔ ہیثم نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا کہ "اے ابو عمران! کیا یہ انہیں مناسب تھا کہ وہ مجھے دیوان دینے سے انکار کریں۔ حالانکہ ان کو اوس کا ایک شعر بھی یاد نہیں ہے، اور مجھے تمام دیوان یاد ہے" یہ سنکر سارے آدمیوں نے اُنکو جھٹلایا ہیثم نے کہا کہ اچھا دیوان اپنے ہاتھ میں رکھو، دیکھو میں پڑھنا شروع کرتا ہوں" چنانچہ اُنہوں نے اوّل سے پڑھنا شروع کیا جب وہ نصف کے قریب پہنچ گئے تو ہم تنگ ہو گئے اور ہم نے اُن کو قسمیں دیکر خاموش کرایا، اور اُن کے حافظہ کے قائل ہو گئے۔ جس سرعت کے ساتھ وہ فی البدیہہ کہتے تھے وہ حیرت میں ڈالتا تھا۔ چنانچہ اس میں وہ بہت مشہور ہیں۔ ابو الحسن بن سعید کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ میں اُن سے اشبیلہ میں ملا دیکھا کہ چند طلبہ اُن کے گرد ہیں۔ ایک کو وہ اشعار معمولی سناتے ہیں تو دوسرے کو موشح اور تیسرے کو زجل۔ اور یہ سب کچھ فی البدیہہ۔
باجی کے زمانہ میں جب اشبیلیہ فتح ہوا تو اُن کو لوگوں نے ایک تنگ گلی سے جاتے ہوئے دیکھا گیا۔ مگر کچھ نہ معلوم ہوا کہ وہ کہاں غائب ہو گئے۔

ابو عمر الطلمنکی کہتے ہیں کہ میں مرسیہ گیا۔ وہاں کے بہت سے لوگ میرے پاس جمع ہو گئے میں ایک عجیب کتاب اُن کو سنا رہا تھا تھوڑی دیر کے بعد میں چپ ہو گیا۔ اور میں نے کہا کہ اب کسی اور سے سنو۔ لوگ جا کر ایک نابینا کو جن کا نام ابن سیدہ تھا، لے آئے اُنہوں نے اس کتاب کو میرے سامنے اول سے آخر تک پڑھ کر سنا دیا۔ مجھے اُن کے حافظہ پر سخت تعجب ہوا۔ یہ ابن سیدہ کتاب المحکم کے مصنف ہیں، اور بڑے شاعر ۴۵۸ ہجری بعمر ساٹھ سال اُن کا انتقال ہوا۔

اہلِ اندلس کی محبت علم: مظفر بن الافطس، سلطان بطلیوس، بقول ابن الابار کے بڑے

ادیب اور وسیع واقفیت کے آدمی تھے۔ اہل علم کو بہت دوست رکھتے تھے۔ کتابیں جمع کرنے کا اُن کو بہت شوق تھا۔ چنانچہ بہت بڑے کتب خانہ کے مالک تھے۔ سلاطین اندلس میں کوئی بادشاہ ادب و معرفت میں اُن سے بڑھا ہوا نہ تھا۔ ابن بسام کہتے ہیں کہ مظفر اپنے زمانہ کے بادشاہوں میں سب سے بڑے ادیب تھے، اس میں کسی کو شک نہیں ہے۔ بہت سی تصانیف رائق و تالیفات لائق اُن کی یادگار ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب میں مختلف تذکرات اور لوگوں کے حالات ہیں۔ سب سے بڑی تصنیف کتاب المظفری ہے۔ جو مشتمل ہے مختلف فنون و علوم، مثل مغازی و سیر و مثل و جز پر۔ اور ہر ایک چیز جو علم ادب سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی پچاس جلدیں ہیں۔ خدا کرے کہ یہ کتاب لوگوں کے فائدہ کے لیئے قائم و باقی رہے۔ مظفر بن الافطس نے ۴۶۰ھ ہجری میں انتقال کیا۔ مذاکرۂ علمیہ کے واسطے علماء کو جمع رکھتے، خود فائدہ اُٹھاتے اور لوگ بھی مستفید ہوتے۔ خدا تعالیٰ اُن پر رحمت کرے۔ اہل اندلس کی بہت بڑی تصانیف میں سے ایک کتاب السماء والعالم ہے جسکو احمد بن ابان۔ صاحب شرطہ قرطبہ نے تصنیف کیا ہے۔ اُس کی ایک سو جلدیں تھیں۔ بعض جلدیں خاص میں لوگوں نے دیکھی ہیں۔ ابن ابان نے ۳۸۲ھ ہجری میں انتقال کیا۔

اہل میں مزاح و بذلہ سنجی، بدیہہ گوئی، ظرافت، ادب جواب مسکت میں کمال حاصل تھا۔ یہانتک کہ یہود و علماء تو ایک طرف رہے، بچے بھی اس میں طاق تھے۔ ہم اسکی دو ایک مثال بیان کرتے ہیں۔

قاضی ابو الحسن مختار الرعینی، عالم مریہ، کے مزاج میں ظرافت کے ساتھ وقار و سکون بھی تھا۔ ایک مرتبہ اون کو زہیر، بادشاہ مریہ، نے بلایا۔ وہ چلے تو قاضی کی شان سے آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے۔ جو شخص کہ اُن کو بلانے آیا تھا اُس نے اُن کو جلد جلد چلنے کو کہا مگر یہ کہاں جلد قدم اُٹھاتے تھے۔ بادشاہ کے پاس پہنچے تو اوس نے بھی دیر کرنے کی شکایت کی۔ قاضی صاحب اُٹھے، ایک عصا اُٹھایا اور لگے اپنے دامنوں کو سمیٹنے۔ زہیر نے

پوچھا کہ "یہ کیا ؟" قاضی صاحب نے کہا کہ میں جلدی چلنے کی تیاری کر رہا ہوں، کیونکہ عہدۂ قضا سے معزول ہو کر صاحب شرطہ بنا دیا گیا ہوں، جسکو دوڑنے بھاگنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے"۔ زہیر یہ سنکر ہنس پڑے۔ اور پھر کبھی اُن کو جلدی کرنے کو نہیں کہا۔

زہری خطیب اشبیلیہ لنگڑے تھے۔ ایک روز وہ عید الضحیٰ کے قریب اپنے بیٹے کے ساتھ کہیں باہر جا رہے تھے، کہ چند لوگ اون سے ملے، اور اُنہوں نے ازراہ مذاق اُنکے بیٹے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "یہ بھیڑ کا بچہ کتنے میں بیچتے ہو؟" زہری نے کہا کہ یہ بکاؤ نہیں ہے۔ اُنہوں نے خود زہری کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ "اچھا یہ بڈھا بکرا کتنے میں ملے گا؟" زہری نے اپنا لنگڑا پیر دکھلا کر کہا کہ "یہ عیب دار ہے قربانی کے قابل نہیں"۔ یہ سُنکر جتنے آدمی تھے ہنس پڑے اور زہری کی حاضر جوابی اور اُن کے حسن خلق سے سب کو تعجب ہوا۔

ابن الفرا چھٹی صدی ہجری کے فضلا میں سے تھے۔ ابن غالب نے فرحتہ الانفس میں اُن کو اندلس کے فضلا عصر میں ذکر کیا ہے۔ بہت بڑے شاعر تھے۔ مریہ میں قرآن مجید، نحو اور لغت پڑھاتے تھے۔ اور ہر مضمون میں ذکا و فہم رکھتے۔ صفوان نے زاد المسافر میں اُن کو خطیب لکھا ہے۔ ان کے دادا قاضی ابو عبداللہ بن الفرا صلاح و فضل و زہد میں مشہور ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اُن کا ذکر کتاب المغرب میں نہیں آیا۔ جب امیر المومنین یوسف بن تاشفین نے اہل مریہ کو اپنی مدد کے واسطے لکھا تو باجی اور تمام قضاۃ اور فقہاء اندلس نے یہ فتویٰ دیا کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بے شک مسلمین کو مدد پہنچائی تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے برابر اُن کی قبر ہے۔ اُن کے عادل ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں۔ امیر المومنین میں اول دونو باتیں نہیں ہیں۔ اور اُن کا عدل بھی ایسا نہیں ہے کہ جس میں شک کو گنجائش نہو۔ اگر فقہاء اور قضاۃ عدل میں بھی امیر المومنین کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برابر کر دیں تو خدا تعالیٰ اون سے خود سمجھ لیگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تو یہ حالت تھی کہ ایک موقعہ پر اُنہوں نے مسجد

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آکر قسم کھائی تھی کہ میرے پاس بیت المال مسلمین میں ایک درہم بھی نہیں ہے کہ میں مسلمانوں کو دے سکوں۔ اگر امیر المومنین کی بھی یہی حالت ہے تو وہ آکر جامع مسجد میں قسم کھائیں ہم بھی انکی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ والسلام"۔ ابن الفرا، الاخفش بن میمون، جن کا ذکر حجاری نے مسہب میں کیا ہے، وہ دوسرے شخص ہیں۔ وہ قلعہ غیداق اعمال نبی سعید، کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے قرطبہ میں پڑھا۔ وہاں سے غرناطہ چلے آئے۔ یہاں آکر ایک وزیر یہودی المذہب کی ایک قصیدہ میں تعریف کی۔ منفتل شاعر نے ان کی ہجو لکھی تھی۔ جب مریہ میں آکر انہوں نے رفیع الدولہ بن معتصم کی مدح لکھی تو ایک شخص نے جو اُن کو نقصان پہنچانا چاہتا تھا اُن سے کہا کہ "یہ لعین پاس بٹھانے کے قابل نہیں ہے، کیونکہ اس نے ایک یہودی کی تعریف کی ہے"۔ رفیع الدولہ نے کہا کہ "یہ وہ وفادار شخص ہے کہ اگر مرجائیگا تو کفار تک اُس کو روئینگے۔ اور ہمارے دوستوں میں وہ لوگ ہیں کہ ایک مسلمان کو زندہ بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتے"۔

کہتے ہیں کہ جب عالی ادریس الحمودی اپنے ملک سے مالقہ آئے، اور قاضی فقیہہ ابو علی بن حسون سے ملے، تو انہوں نے کہا کہ تم نے میرے دشمن کو میرے بعد کس طرح اپنی صحبت میں رکھا" اُنہوں نے پوچھا کہ "تم نے اپنا ملک دشمنوں کے واسطے کیوں چھوڑ دیا؟" اُنہوں نے کہا کہ "قضا و قدر نے چھوڑوا دیا"۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ بس یہی سمجھ لو کہ اُنہی کارکنوں نے تمہارے دشمن کو میری صحبت میں دیدیا"۔

ابوالفضل بن شرف بن برجہ، لباس بدوی میں بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے، اور اپنا قصیدہ قافیہ پڑھا۔ تو بڑے بڑے شعراء کو اُن پر رشک ہوا۔ یہانتک کہ ابن اخت غانم نے کچھ الفاظ کہکر دنداں شکن جواب پایا۔ یہ ابن شرف حکیم فیلسوف ابوالفضل جعفر ابن ادیب افریقیہ ابو عبداللہ محمد بن شرف الجذامی) برجہ میں پیدا ہوئے سات برس کی عمر تھی کہ وہ اپنے والد کے ساتھ اندلس میں آئے۔ اسی زمانہ میں یہ خوب شعر کہتے تھے۔ ایک شعر تو اُن کا ایسا تھا

کہ جس سے وہ تمام شعرا عصر پر فوقیت لے گئے تھے۔ ہمیشہ معتصم کی مدح میں قصائد کہتے تھے۔ عیدوں، فتوحات اور اوقات خوشی میں اکثر حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے آکر نافشہ کے عامل کی شکایت کی کہ اس نے اس موضع کو جس میں وہ خود کاشتکاری کرتے تھے۔ اپنی سخت گیری سے تباہ کر دیا۔ اور چند اشعار پڑھے۔ جس میں سے ایک شعر کا یہ مضمون تھا کہ اب کوئی گھر ایسا باقی نہیں رہ گیا جس پر وہ اپنے ظلم کی مشق کرے۔ معتصم نے پوچھا کہ اس موضع میں کتنے گھر ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ قریب پچاس کے۔ معتصم نے کہا کہ ہم ان تمام گھروں کو بھی تمہیں ہی عطا کرتے ہیں اور اس عامل کو معزول کرتے ہیں انکا ایک بیٹا تھا۔ کہ فلسفہ اور شاعری میں مشہور تھا۔ ابن اخت غانم، یعنی ابو عبداللہ محمد بن معمر، مالقہ کے اعیان میں سے تھے، یوں تو بہت سے علوم جانتے تھے، مگر علم لغت میں ان کی زیادہ شہرت ہے۔ مالقہ سے مریہ چلے آئے تھے۔ اور یہیں معتصم بن صمادح کے دربار تک ان کی رسائی ہوگئی تھی۔ ابن یسع نے اپنی کتاب مغرب میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اسی ذیل میں لکھا ہے کہ سو برس کی عمر تک وہ مالقہ میں درس حدیث شریف دیتے رہے۔ سنہ ۴۲۰ھ میں انہوں نے انتقال کیا۔ بہت سی تالیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں منجملہ ان کے ایک کتاب النبات مصنفہ ابو حنیفہ دینوری کی شرح ساٹھ جلدوں میں ہے۔ ان کے ماموں غانم المخزومی چونکہ بڑے درجہ کے عالم تھے اس لیئے انہوں نے اپنے آپ کو ان سے منسوب کیا۔

کہتے ہیں کہ وزیر الکاتب ابو الفضل بن حسدائی الاسلامی سرقسطی ذخیرہ کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک عورت پر عاشق ہوگئے، اور اپنے دل کے ساتھ دین بھی اس کو دے بیٹھے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ آخر وہ ان کی ہو رہی۔ عام طور پر معلوم تھا کہ ان کے اسلام لانے کے باعث وہی عورت ہوئی تھی۔ ایک روز وہ مقتدر بن ہود کے سامنے بیٹھے ہوئے ایک کتاب دیکھ رہے کہ وہاں وزیر الکاتب ابو الفضل بن الدباغ بھی پہنچ گئے۔ اور ان کو شرمندہ

کرنے کے لیے کہنے لگے "کہ یہ کتاب جو آپ دیکھ رہے ہیں، شاید توریت ہے"۔ انہوں نے کہا کہ "جی ہاں۔ اور اسکی جلد ایسے دبّاغ نے بنائی ہے جو اس کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے"۔ یہ سنکر معتمد ہنس پڑے۔ ابوالفضل بن الدباغ سخت شرمندہ ہوئے۔

اہل اندلس کے رقت طبع کے متعلق تمثیلاً یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ابو عمرو بن سالم المالقی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز مالقہ میں اپنے مکان پر بیٹھا تھا۔ جی چاہا کہ ذرا باہر چلوں۔ مگر گرمی اس قدر تھی کہ نکلتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ مگر کچھ ایسا جی گھبرایا کہ نکل پڑا اور مسجد، معروف بہ رابطۃ الغبار میں پہنچا۔ اس مسجد کے خطیب ابو محمد عبدالوہاب بن علی المالقی نے مجھے دیکھکر کہا کہ اس وقت آپ سے ملنے کو بہت ہی چاہتا تھا، الحمدللہ کہ آپ آگئے۔ پھر انہوں نے اشعار سنانے کی فرمائش کی۔ میں نے ایک اندلسی شاعر کے کچھ اشعار سنائے۔ جن کو سنکر خطیب مذکور پر اسقدر رقت طاری ہوئی کہ قریب تھا کہ وہ بیہوش ہو جائیں۔ جب اُن کو کچھ افاقہ ہوا تو کہنے لگے کہ آپ مجھے معاف کیجیے گا۔ "دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے میں اپنے دل کو قابو میں نہیں رہ سکتا، ایک کوئی خوبصورت چہرہ اور دوسری اچھی نظم"۔

یحییٰ قصائی بھیڑی کا گوشت بیچا کرتے تھے۔ ایک ادیب نے مزاحاً کہا کہ "لحم اناث الکباش ہزول" (مادہ بھیڑ کا گوشت دبلا پتلا اور فضول ہوتا ہے)، قصائی نے اپنے گاہکوں سے کہا کہ "مہ ازولو" (جانے دو انہیں معاف کرو)

ایک شخص نے کچھ اشعار کہے۔ جکے مطلع کا ماحصل یہ تھا کہ میرا ہر طرف مارا مارا پھرتا ہے اور کچھ ایسا دیوانہ ہو گیا ہے کہ ہر حسین کے قدموں پر جھک جاتا ہے۔ اُن کی بیوی نے، جو خود حسین اور ظریف تھی، قاضی کے سامنے نالش کر دی کہ میرے شوہر کا دل الٹ گیا ہے۔ وہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے۔ اور ثبوت میں اُس کا شعر پیش کر دیا۔

اہل اندلس شعر و شعرا کے بہت ہی قدرداں تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔

کہ ابواسحاق بن خفاجہ مرسیہ میں ایک مجلس میں پہونچے وہاں فقیہ ابو محمد جعفر بن العنق الفضہ سالمی بیٹھے تھے۔ باتیں شروع ہوگئیں۔ ابن العنق الفضہ نے اشعار پڑھنے کا جو سلسلہ شروع کیا تو کسی کو بولنے کا موقع نہ دیا۔ ابن خفاجہ اُن کو جانتے نہ تھے۔ اُنہوں نے ابن العنق کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ "آپنے تو اساتذہ کا کلام سناتے سناتے لوگوں کا ناطقہ بند کردیا۔ آپ ذرا اپنی تعریف تو کیجیے"۔ ابن العنق نے اسکے جواب میں کہا کہ لیجیے اب میرے اشعار سنئے یہ کہکر اُنہوں نے اپنے اشعار آبدار سُنائے تو ابن خفاجہ حیران ہوکر رہ گئے اور کہنے لگے کہ "جس شخص کا کلام ایسا زوردار ہے اوس کو پوشیدہ نہ رہنا چاہیئے۔ آپ نے اپنی تعریف پہلے نہیں کی اس میں آپ معذور ہیں کیونکہ ہم نے اپنے آپ کو بھی نہیں جتلایا"۔ ابن العنق نے اپنا نام بتلایا تو ابن خفاجہ کھڑے ہوکر اُن سے لپٹ گئے۔ اور اُن کو صدر میں جگہ دی اور ہمیشہ اُن کا ادب کرتے رہے۔

ایک روز بادشاہ سہلہ، یعنی ابومروان بن زرین ذوالریاستین کے دربار میں محمد بن ہانی کا دیوان پڑھا جاتا تھا۔ اتفاق کی بات کہ پڑھنے والے حضرات ایک بھولے بھالے آدمی تھے۔ پڑھتے پڑھتے وہ اس مصرع پر پہنچے کہ "حرام حرام زمان الفقیر"۔ اتفاق سے بادشاہ کسی اور کام میں مشغول ہوگئے۔ اور جب اُس سے فارغ ہوئے تو پڑھنے والے سے کہا کہ ہاں! تم کہاں ٹھیرے تھے۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ حرام میں (یعنی مضمون حرام کے موقع پر) بادشاہ یہ سُنکر فوراً کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ یہاں میں تمہارے ساتھ نہ ٹھہرونگا! اب تم اکیلے ہی اندر جاؤ"۔ یہ کہکر حرم سرا میں چلے گئے، اور یہاں تمام مجلس ہنسی کے مارے لوٹ گئی۔

معتصم کو خبر پہنچی کہ خلف بن فرج السمیسر نے اُن کی ہجو کی ہے، تو اُنہوں نے اُس کی گرفتاری کی تدبیر کی، اور جب وہ اُن کے قبضہ میں آگئے تو اُن سے کہا کہ "میرے حق میں جو کچھ تونے کہا ہے وہ مجھے سُنا"۔ اُنہوں نے قسم کھاکر کہا کہ "میں نے ہرگز کوئی بات ایکی

خلاف نہیں کہی، میں نے تو صرف یہ کہا ہے کہ (ترجمہ اشعار) "میں نے آدم (علیہ السلام) سے خواب میں پوچھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ اہل بربر آپ کی نسل سے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ اگر ایسا ہو تو حوا کو طلاق ہے"۔ یہ اشعار سن کر بادشاہ غرناطہ نے میرا خون معاف کر دیا۔ میں آپ کے ملک میں شاہ غرناطہ کے خوف سے آگیا تو میرے دشمنوں نے آپ کی ہجو میں شعر کہہ کر مجھ سے منسوب کر دیئے۔ تاکہ آپ مجھے قتل کر ڈالیں، جس سے بادشاہ غرناطہ کا بھی بدلہ اتر جائے۔" معتصم نے کہا کہ جو اشعار تو نے پڑھے ہیں وہ اُس کی تمام قوم پر حاوی ہیں۔ خاص اُس کے حق میں جو کچھ کہا ہو وہ سُناؤ۔ اُس نے کہا جب وہ قلعہ بنا رہا تھا تو میں نے یہ کہا تھا کہ (ترجمہ) "ایک توف اپنے لیے ایک عمارت بنا رہا ہے جیسے ریشم کا کیڑا اپنا گھر بناتا ہے" معتصم یہ سُنکر بہت ہنسے اور کہا کہ "تو شیطان ہے تجھے میں امن و امان دیتا ہوں۔

وزیر ابو الولید اسمٰعیل بن حبیب، ایک عجیب انسان تھے۔ سترہ برس کی عمر میں وہ ایسی نظم و نثر لکھتے تھے کہ بڑے بڑے کہنہ مشق لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ اُنھوں نے ایک کتاب البدیع فی فصل الربیع یادگار چھوڑی ہے جس میں اُنھوں نے اہل اندلس کے چیدہ چیدہ اشعار جمع کئے تھے۔ بائیس برس کی عمر میں اُن کا انتقال ہوا، اور اُس زمانہ میں وہ وزارت کے عہدہ پر پہونچ چکے تھے۔ اپنے آقا و رعایا و برایا کو اپنی کارکردگی و حسن لیاقت سے خوش رکھا۔ نظم و نثر اون کی اکثر زبان زد ہو گئی تھیں۔

مغرب، مسہب اور مطرب میں لکھا ہے کہ محمد بن مروان بن زہر شروع دولت عبادیہ میں اُن کی سلطنت سے نکل کر، شرقی اندلس میں آکر آباد ہو گئے تھے، اور یہیں اپنی عمر ختم کر دی۔ یہیں اُن کے بیٹے، وزیر ابو مروان عبد الملک بن محمد پیدا ہوئے۔ جوان ہو کر انھوں نے انواع علوم، مثلاً طب وغیرہ کی تحصیل کئے۔ اور پھر ادائے فریضہ حج کے لیے ممالک مشرق میں گئے۔ جہاں ٹھہرے اپنے جلالت قدر کا سکہ بٹھلاتے گئے ان کے بیٹے زہر بن عبد الملک نے علم و فضل میں وہ شہرت پائی کہ جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ یہ شرق اندلس میں اگرچہ ہے دنیا کو اُنھوں نے متحیر کر دیا۔ اور شام و عراق تک کو اپنے بدائع و

غرایب سے مملو کر دیا۔ اُن کو طب کی طرف رجحان ہوا، تو اُس میں اپنا کمال دکھلایا۔ امیر المومنین یوسف بن تاشفین کے ساتھ ہو کر لڑے۔ معتمد بن عباد نے بخوشامد تمام آنکو پھر اُن کے وطن میں بلا لیا۔ معتمد کے ضلع کے بعد وہ اشبیلیہ میں رہنے لگے۔ امیر المومنین یوسف بن تاشفین اُن کو چھوڑ کر ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہے۔ ۴۹۵ھ ہجری میں اُن کا انتقال ہو گیا۔

فقیہہ ابوایوب سلیمان بن محمد بن بطال البطلیوسی مذہب امام مالک برہ کے بڑے عالم تھے۔ اُنہوں نے بخاری شریف کی شرح لکھی ہے جس سے ابن حجر نے فتح الباری میں بڑی مدد لی ہے۔ اُن کی ایک اور کتاب کتاب الاحکام ہے۔ ادیب، نحوی، مورخ ابواسحق ابراہیم کہتے ہیں کہ بطلیوسی پچاس کتابوں کے مصنف تھے۔

ادیب وطبیب ابوالاصبغ عبدالعزیز البطلیوسی، الملقب بقلندر۔ شراب پر بہت خوب شعر کہتے تھے، اور خوب پیتے تھے۔ ایک مرتبہ میں وہ نشہ میں باہر نکل آئے۔ ایک شخص نے جو نہایت بدصورت تھا اُن کو دیکھ پایا۔ اور شور مچایا کہ یہ شخص نشہ میں ہے، اس کو گرفتار کر لو۔ ابوالاصبغ نے اُس سے کہا کہ "تجھے اُس خدا کی قسم ہے جس نے تجھے اس بدصورتی کے ساتھ مسلمانوں پر مسلط کیا ہے کہ میرے اوپر احسان کر کے مجھے چھوڑ دے"۔ مگر قاضی نے ایک نہ سُنی اور اُن پر حد شرع لگا دی۔ ابن جاخ الصباغ البطلیوسی کہتے ہیں کہ یہ شخص بھی دنیا کی عجائب چیزوں میں سے تھے۔ کیونکہ وہ نہ لکھتے تھے نہ پڑھتے تھے، اور شاعر اس بلا کے تھے کہ بڑے بڑے شعرا، حیران رہ جاتے تھے۔

وزیر ابوالاصبغ عبدالعزیز بن الارقم، جو معتصم بن صمادح کے وزیر تھے۔ حسن وفا میں آیات الٰہی میں سے تھے۔ اُن کے آقا نے معتمد بن عباد کے پاس بطور سفیر بھیجا۔ معتمد کو اُن کی قابلیت بہت پسند آئی۔ اُنہوں نے وزیر کو ورغلا کر اپنے پاس رکھنا، اور اپنے آقا سے برگشتہ کرنا چاہا، اور باشارہ کہا کہ اگر میں اپنے کسی دوست سے کوئی ایسی بات

دیکھوں کہ جو مجھے ناگوار ہو تو میں فوراً میں کسی ایسے کے پاس چلا جاؤنگا کہ جو مجھسے محبت سی رکھے" وزیر ابو الاصبغ نے کہا کہ وفا کے یہ معنی ہیں کہ آدمی ناگوار بات پر بھی صبر کرے، خاص کر ایسی صورت میں کہ اُس پر اعتماد کیا جائے۔ اور ا ت امور اُس کے سپرد کئے جائیں" ابن عباد نے یہ جواب بہت ہی پسند کیا، اور اُن کو تاکید کی کہ تم اس واقعہ کو پوشیدہ رکھنا۔ جب ابو الاصبغ واپس آئے تو اُنھوں نے تمام باتیں اپنے آقا سے بیان کیں۔ اور آخر میں کہا کہ ایک بات ایسی بھی پیش آئی کہ اگر اُسکو میں بیان کردوں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں خوشامد نہ سمجھی جائے، یا یہ سمجھا جائے کہ میرے دل میں اُس کے اثر سے کوئی فساد پیدا ہو گیا ہے۔ اور میں مکر کرنا چاہتا ہوں۔

ابو محمد عبد المولےٰ اپنے اشعار میں شراب کے مضامین باندھتے تھے، اور اکثر اپنے آپ کو بہت شراب پینے والا ظاہر کرتے اور شراب کو جائز قرار دیتے تھے۔ ایک شخص نے اُن سے کہا کہ "یہ کیا اعتقاد فاسد ہے کہ تم اپنے اشعار میں ظاہر کرتے ہو؟ تم اس قابل نہیں ہو کہ کوئی شخص تمہارے پاس بیٹھے" عبد المولےٰ نے کہا کہ کیا تمھیں یاد نہیں کہ خدا ئے تعالےٰ نے شعرا کے حق میں کہا ہے کہ" انھم فی کل واد یھیمون وان ھم یقولون ما لا یفعلون" ایک عامی آدمی نے اُن سے ایک عامل کے نام سفارشی خط لکھ دینے کو کہا۔ اُنھوں نے نظم میں خط لکھا۔ اور اُس میں چند اشعار ایسے لکھے کہ جو بجائے سفارش کے ہجو تھی اور جن میں اور بھی سختی کرنے کی فرمائش تھی۔ اُس کو خبر لگا کر اُس شخص کے سپرد کر دیا کئی روز کا سفر اُٹھا کر وہ عامل کے پاس پہنچا۔ وہ خط کو پڑھ کر ہنس پڑا اور اپنے ایک اہلکا کو وہ خط دیدیا اُس نے اُس سفارشی شخص کو ایک ایسے کام پر بھیجدیا کہ جو سخت تکلیف دہ اور ناگوار تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اُس نے عامل سے کہا کہ آپ نے مجھے بدتر کام پر متعین کر دیا آخر اُس سفارش کا مجھے کیا فائدہ پہونچا" عامل نے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں اُس سفارش کے موافق عمل کروں؟" اُس شخص نے کہا کہ "میں تو یہی چاہتا ہوں" عامل نے وہ اشعار

جو اُس کے متعلق لکھے تھے پڑھ کر سُنا دیئے۔ اس شخص کو بہت ہی غصہ آیا، اور سیدھا غرناطہ پہنچا۔ عبدالمولےٰ نے یہاں ایک شادی کرلی تھی اور وہ اُس بیوی سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس شخص نے گنواروں کا سا بھیس بدلا، اور ایک خط عبدالمولیٰ کی اُس بیوی کی طرف سے لکھا جو دوسری جگہ تھی۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ "مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم نے ایک دوسری شادی کرلی ہے، اور تم مجھے طلاق دینا چاہتے ہو۔ اب جو تمہارا خط پہنچا ہے اُس سے یہ معلوم کرکے اطمینان ہوا کہ تمہاری نئی بیوی سے تمہاری موافقت نہیں ہوئی، اور تم سے طلاق دینا چاہتے ہو۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہو جلدی کرو۔ اگر تم ایسا نہ کروگے تو پھر میں تمہارے پاس کبھی نہ آؤنگی" یہ خط عبدالمولےٰ کی کنیز کو دے کر کہا کہ یہ خط اپنی مالکہ کو دیدو، اور اُن سے کہدو کہ میں عبدالمولےٰ کی بیوی کے پاس سے آیا ہوں۔ عبدالمولےٰ کی اس بیوی نے یہ خط پڑھا تو آگ ہوگئی۔ عبدالمولےٰ گھر آئے تو اُنھوں نے بیوی کو بدلا ہوا پایا۔ حال پوچھا تو بیوی برس پڑی اور کہنے لگی کہ تم مجھے طلاق دینا چاہتے ہو؟ عبدالمولےٰ نے کہا کہ یہ بالکل غلط ہے میں تمہیں کیونکر طلاق دے سکتا ہوں حالانکہ مجھے تم سے بہت محبت ہے۔ بیوی نے وہ خط میاں کے سامنے ڈال دیا جس کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ اور بہت سی قسمیں کھا کر کہا کہ یہ خط بالکل جھوٹا ہے، اور کسی دشمن کا کام ہے۔ لیکن بیوی نے ایک نہ سُنی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طلاق دینی پڑی۔ اس واقعہ کے ایک مدت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ تمام ترکیب اُس شخص کی تھی جس کو عبدالمولےٰ نے وہ سفارشی خط لکھ کر دیا تھا۔ وہ ملا تو اُس سے سخت شکایت کی اُس نے کہا کہ ایبادی اظلم۔ شکایت کرنے سے پہلے ذرا اپنی سفارش کا بھی خیال کرلو۔

جوان اور معمر لوگوں پر ہی منحصر نہیں ہے، یہاں کے بچوں کی طبیعت بھی نہایت موزوں ہوتی تھی، اور حاضر جوابی میں وہ بھی کچھ کم نہ تھے۔ چنانچہ ابن ابو الخصال، جو شقورہ اعقازیا کے رہنے والے تھے، چھوٹی سی عمر میں پڑھنے کے لیئے قاضی ابن مالک کے سپرد کیئے گئے قاضی صاحب ایک روز اُن کو لے کر ایک باغ میں گئے۔ اور ایک سیاہ انگور توڑ کر

کہاکہ (ع) انظرالیہ فی العصا - ابن ابوالخصال نے فوراً جواب دیا (ع) کراس زنجی عصی۔ قاضی صاحب نے اُسی وقت سمجھ لیا کہ اس بچے کی بڑی شان ہونے والی ہے۔

ابوعبداللہ ابن زرقون نے بیان کیا کہ ابوبکر بن منخل اور ابوبکر الملاح (دونوں شلبہ کے رہنے والے تھے) کے درمیان میں دوستی مواخات کے حد تک پہونچی ہوئی تھی۔ ان دونوں کے چھوٹے چھوٹے لڑکے تھے، اور دونوں ایک ہی مدرسہ میں پڑھتے تھے۔ دونوں لڑکوں نے آپس میں ایک دوسرے کی ہجو نہایت سخت الفاظ میں کی ایک روز صبح کے وقت ابن منخل اپنے بیٹے پر ہجو کہنے پر سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ تمہاری اس حرکت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری دوستی میں فرق آجائیگا۔ لڑکے نے کہا کہ اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ تقدیم دوسری طرف سے ہوئی۔ البادی اظلم۔ اس پر وہ لڑکا معاف کر دیا گیا۔ اس کے بعد دونوں باپ بیٹے سیر کرتے ہوئے وادی تنق تک نکل گئے۔ یہاں مینڈک بول رہے تھے۔ ابوبکر نے اپنے بیٹے سے کہا لو اس پر مصرع لگاؤ

باپ۔ تنق ضفادع الوادی۔ بیٹا۔ بصوت غیر معتاد + باپ۔ کان نقیق مقولہا + بیٹا۔ بنوالملاح فی النادی۔ مینڈکوں نے جو ان دونوں کی آواز سنی تو وہ چپ ہو رہے باپ نے کہا کہ تصمت مثل صمتہم۔ بیٹا۔ اذا اجتمعوا علیٰ زاد۔ باپ۔ فلاغوث لملہوف + بیٹا۔ ولاغیث لمرتاد۔ ان مصرعوں کو دیکھ کر سب کو معلوم ہو جائیگا کہ اگر کوئی کہنہ مشق بھی اس طرح فی البدیہہ کہتا تو مقام تعجب تھا، چہ جائیکہ ایک کم سن بچہ۔

مسلمان تو مسلمان، اندلس کے نصاریٰ و یہود بھی بڑے موزوں طبع عربی شاعر ہو گزرے ہیں۔ ابن المرغوبی النصرانی الاشبیلی کی نظمیں مشہور ہیں۔ وہ اس پایہ کے شاعر تھے کہ صاحب کتاب مسہب نے اُن کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔

ابراہیم بن سہل الاسرائیلی بھی اشبیلیہ کے شاعر تھے، جو ابوعلی الشلوبی اور ابن الدجاج وغیرہ سے پڑھے تھے۔ عزفی کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا کرتے

تھے۔ مگر اتہام قدح سے خالی نہیں تھے۔ کسی مغربی سے کسی نے پوچھا کہ ابن سہل اشبیلی کی نظمیں ایسی لطیف کیوں ہوتی ہیں۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ اُس میں دو باتیں جمع تھیں۔ ایک عشق دوسری یہودیت۔ ابن سہل غرق ہو کر مرے۔ بعض اکابر نے اس واقعہ پر کہا کہ عاد الدُرُّ الی وطنہٖ۔ حافظ ابو عبد اللہ محمدؐ بن عمر بن رشید الفہری نے اپنے مبسوط اور قابل قدر سفرنامہ میں لکھا ہے کہ ابن سہل دل سے اسلام کے خلاف تھے۔ مگر خطیب العلامہ سیدی ابو عبد اللہ بن مرزوق نے لکھا ہے کہ ہم کو صحیح طور پر معلوم ہوا ہے کہ اُن کا خاتمہ دین اسلام پر ہوا ہے۔" میں نے بعض ادب کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ ایک مجلس میں چند لوگوں نے ابن سہل سے پوچھا کہ تم ظاہر و باطن میں مسلمان ہو یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ "للناس ما ظہر وللہ ما استتر"۔ بعض نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ واقعی مسلمان تھے۔ ان کا ایک بڑا دیوان ہے۔ راعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے شیخ ابو الحسن علی بن سمعہ اندلسی سے سنا ہے کہ دو باتوں کی صحت نہیں ہوئی، ایک ابراہیم بن سہل کا اسلام، اور دوسرا زمخشری کا اعتزال سے توبہ کرنا۔ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں کی بابت مجھ تک روایات پہونچی ہیں۔ میرا ظن غالب یہ ہے کہ ابراہیم بن سہل مسلمان تھے۔ یہ علم مجھے اُن ہی کی روایت سے ہوا۔ باقی رہا زمخشری کی توبہ، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اُنھوں نے بلاد مشرقیہ میں ایک تحریر دیکھی تھی جس کی اُس نے زمخشری کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اعتزال سے توبہ کریں۔ اس بیان سے اُس روایت کو تقویت پہنچتی ہے جو زمخشری کی توبۂ اعتزال کے متعلق مشہور ہے۔ (بہرحال ماحصل یہ ہے کہ اندلس کے یہودی بھی علوم عربیہ میں مشغول تھے) ابوحیان نے قاضی القضاۃ ابو بکر بن ابی النصر الفتح بن علی النصاری الاشبیلی سے روایت کی ہے کہ ابراہیم بن سہل شاعر اشبیلی ابتدا میں یہودی تھے، پھر مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں اُنھوں نے نہایت فصیح و بدیع قصیدہ لکھا ہے، جس کو میں نے دیکھا ہے۔ ابن سہل جس وقت غرق ہوئے ہیں اُس وقت اُن کی عمر چالیس

سال کی تھی۔ یہ واقعہ ۴۶۹ھ ہجری کا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اُن کی عمر چالیس سال سے متجاوز تھی۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ پڑھتے اور اُن سے مخالطت رکھتے تھے۔

ابراہیم بن الفخار یہودی۔ ادفونش نصرانی بادشاہ طلیطلہ کے پاس رہتے تھے۔ ملوک مغرب کے دیار میں اُس کی طرف سے سفیر ہو کر گئے تھے۔ علم منطق اور شعر میں دستگاہ رکھتے تھے۔ ابن سعید کہتے ہیں کہ مجھے ابراہیم بن الفخار یہودی نے اپنے اشعار سنائے تھے۔ وہ بے شک مسلم ادیب تھے۔ میں اُن کو قبل اُن کے ترقی مدارج یعنی اُس زمانہ کے پہلے سے جانتا ہوں کہ جب وہ بادشاہوں کے درمیان میں سفیر بنا کر بھیجے جاتے تھے ابن سعید نے اُن کے بہت سے اشعار سنائے تھے جو محفوظ ہیں۔

ابراہیم بن الفخار کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں خلیفہ المستنصر کی باغ کی سیر کو گیا۔ میں نے دیکھا کہ باغ کیا ہے جنت ہے۔ لیکن باغ کے دروازہ پر جو باغبان تھا وہ نہایت بدصورت تھا۔ وزیر نے مجھ سے پوچھا کہ میں اپنی سیر سے خوش ہوا یا نہیں۔ میں نے کہا کہ میں نے اُسے جنت پایا۔ لیکن میں نے تو سنا ہے کہ جنت کے دروازہ پر رضوان ہوگا، مگر اس جنت کے دروازہ پر مالک تھا۔ وزیر یہ سن کر ہنس پڑے۔ اور بادشاہ کو اس گفتگو کی اطلاع کی۔ المستنصر نے اُس سے کہا کہ ابراہیم ابن الفخار سے کہہ دینا کہ ہم نے قصداً کیا ہے اگر دروازہ پر رضوان ہوتا تو ہم کو یہ ڈر تھا کہ وہ (ابراہیم کو) اندر نہ جانے دیتا۔ اور کہتا کہ وہ جگہ تمہارے لیے نہیں ہے۔ چونکہ مالک دروازے پر تھا اُس نے دیا۔ کیونکہ اس کو معلوم نہ تھا کہ باغ میں کیا ہے۔ وہ یہی سمجھتا ہا کہ جہنم ہی ہوگا۔ ابراہیم بن الفخار کہتے ہیں کہ جب وزیر نے مجھ سے یہ آکر کہا تو میں نے کہا کہ "اللہ اعلم حیث یجعل رسالاتہ"۔

الیاس بن المدور یہودی طبیب رندی کے زمانہ میں ایک اور طبیب تھا ان دونوں کے درمیان میں بوجہ ہم پیشگی عداوت چلی آتی تھی۔ لوگوں نے کئی مرتبہ اُنکے درمیان میں صلح کرا دی۔ لیکن الیاس کے ساتھ اُس دوسرے طبیب کا ایسا سلوک

رہا کہ لوگوں کو اُس سے نفرت ہوگئی۔ الیاس نے اوس طبیب کو لکھا کہ:۔

لا تخل عن فانکون مودۃ   ما بین مشترکین امراً واحدا

انظر الی القمرین حین تشارکا   بسناھما کان التلاقی واحدا

یعنی چاند اور سورج کے درمیان میں چونکہ نور کا اشتراک ہے۔ اس لیے وہ ایک دوسرے سے بڑھجانا چاہتے ہیں۔ ایک رات کو نکل کر روشنی پہنچاتا ہے تو دوسرا دن کو لیکن جب وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل و معارض ہوتے ہیں تو کسوف ہوجاتا ہے۔

اندلس میں ایک یہودیہ بھی شاعرہ تھی۔ اس کا نام قسمونہ بنت اسمٰعیل یہودی ہے اسمٰعیل خود شاعر تھا۔ اُس نے اپنی بیٹی کو خوب پڑھایا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ باپ اشعار لکھتا تو اُن کو قسمونہ اتمام کو پہنچاتی۔ ایک مرتبہ اسمٰعیل نے کہا کہ:۔

لی صاحب ذو بھجۃ قد قابلت   منھا نظہر و استحلت جرمھا

قسمونہ نے تھوڑی دیر تامل کرکے کہا کہ

کالشمس منھا البدر یقبس نورہ   ابداً و یکسف بعد ذالک جرمھا

باپ یہ سُنکر حیران رہ گیا اور اُس کا سر چوم کر کہنے لگا کوئی شک نہیں کہ تو فن شعر میں مجھ سے زیادہ باشعور ہے۔ قسمونہ جوان ہوگئی تھی۔ شادی میں دیر ہوئی۔ اُس نے آئینہ میں اپنا جمال دیکھکر کہا کہ

اریٰ روضۃ قد حان منھا قطافھا   ولست اریٰ جان یمد لھا یدا

فوا اسفا یمضی الشباب مضیعا   ویبقی الذی ما ان اسمیہ مفردا

باپ نے سُنا تو اُس نے اُس کی شادی کی فکر کردی۔

ابو عمران بن سعید کہتے ہیں کہ جب ابو عبد اللہ محمد بن رشیق الثعلبی ثم الغرناطی، اشبیلیہ کے دار الاشراف میں اس علت میں قید تھے کہ اُنھوں نے بارہ ہزار دینار

(ع) سیوفظہا قد لا نیام۔

یہ وزیر نہایت خوش خط، خوش بیان، ادیب، عام علوم کے ماہر، فقیہہ، حاضر جواب کتابوں کے جمع کرنے والے تھے۔ چار لاکھ جلدیں ان کے کتب خانہ میں جمع تھیں۔ غیر مشہور پھٹی پُرانی کتابیں اتنی تھیں کہ اُنکا شمار ہی نہو سکا۔ مال کی یہ کیفیت تھی کہ پانچ لاکھ مثقال طلا جعفریہ ـــــ سے زیادہ اُن کے پاس تھا۔ بادیس بن حیون بادشاہ غرناطہ نے اُن کو قتل کر ڈالا۔

التطیلی نابینا شاعر بہت مشہور ہیں۔ بچے اُن کو یہ کہکر چھیڑا کرتے تھے کہ اُستاد! تمہیں سرمہ کی ضرورت ہے۔ بچوں نے اُن کو اس قدر تنگ کیا کہ اُن کو مرسیہ چھوڑ دینا پڑا۔ المسہب میں لکھا ہے کہ "میں قاضی ابن حمدین کی مجلس میں تھا" قرطبہ وغیرہ کے شعرا اُن کے سامنے اشعار پڑھ رہے تھے ان ہی میں سے ہلال شاعر غرناطہ، اور محمد ابن الاستجی شاعر استجہ، الملقب بزحکون، بھی تھے۔ استجی نے قصیدہ پڑھا تو اُس میں یہ شعر بھی تھے۔

الیک ابن حمدین انتحلت قصائداً ۔۔۔ بہا رقصت فی القضب ورق الحمائم

انا العبد لا کن بالمودۃ اشتری ۔۔۔ اذا کان غیری یشتری بالدراہم

(ترجمہ) اے ابن حمدین میں تیرے پاس چیدہ چیدہ قصائد لکھکر لایا ہوں جن کو لیکر عمدہ اونٹ چابکوں سے پویہ دوڑتے ہیں۔

میں غلام ہوں مگر میں اُنکو محبت کے مقابلہ میں خریدتا ہوں۔ جب کہ دوسرا آدمی اون درہموں کے بدلے خریدتا ابن حمدین نے اُن کا شکریہ ادا کیا، اور اُن کی بہت قدر افزائی کی۔ ہلال البیانی کو اس پر رشک ہوا۔ اور استجی سے کہا کہ وہ شعر پھر پڑھئے جس میں ورق الحمائم آیا ہے۔ جب استجی نے پھر وہ شعر سُنایا تو ہلال نے کہا کہ اگر تم (انتحلت) کی ح کا نقطہ اُڑا دیتے تو تمہاری بات صحیح ہو جاتی۔ انتخال = بہتر را گزیدن۔ انتحال = شعر دیگر را بر خود بستن) استجی نے فوراً کہا کہ اگر تم عین پر سے نقطہ اُٹھا دو (عین چشم) تو بہت

شاہی غبن کر لئے تھے تو میں اُن سے ملا مجھے دیکھکر بہت ہنسے اور فوراً ہی نودرو حکایات ظریفہ بیان کرنے لگے۔ میں نے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ آپنے بادشاہ کے بارہ ہزار دینار اپنے لذات نفسانی میں اُڑا دیئے۔ کاش اس سے زیادہ رقم پر آپ ہاتھ مارتے کہ جسکی وجہ سے ہم آپ کو اچھی حالت میں دیکھتے"۔ یہ سُنکر وہ اور بھی زیادہ ہنسے اور کہنے لگے کہ جب فکر وغم آ کر پڑتے ہیں تو تھوڑی یا بہت رقم سب برابر ہے۔

اہل مریہ نے عبدالمؤمن کی اطاعت سے روگردانی کر کے، اُن کے نائب ابن مخلوف کو قتل کر دیا، اور ابو یحیٰی ابن الرمیمی کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ ابو یحیٰی عیسائیوں کے ہاتھ سے جو کچھ افتاد پڑی وہ سب کو معلوم ہے۔ آخر وہ شہر فاس بھاگ گئے، اور یہاں گمنامی کی حالت میں بسر کرنے لگے۔ ایک حجرے میں بیٹھے ہوئے اشعار لکھا کرتے تھے۔ ایک روز رات کو وہ حسب معمول بیٹھے ہوئے چراغ کی روشنی میں کچھ لکھ رہے تھے کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک بدصورت شخص جس کو وہ نہ جانتے تھے، دروازہ پر کھڑا ہے۔ اُس نے ایک ہمیانی دیناروں سے بھری ہوئی اُن کے ہاتھ میں دیدی، اور کہا کہ یہ تحفہ اپنے ایسے بھائی کی طرف سے قبول کیجئے جس کو آپ نہیں جانتے، اور نہ وہ آپ کو جانتا ہے۔ اس رقم سے اُنہوں نے اپنی حیثیت کچھ درست کر لی۔

بنو رمیمی فی الحقیقت بادشاہان بنو امیہ کی اولاد سے تھے۔ قرطبہ کے علاقہ میں ایک قصبہ رمیمہ نامی ہے۔ اُسی سے یہ خاندان منسوب ہے۔ وزیر الکاتب ابو جعفر احمد بن عباس، جو زہیر الصقلی، بادشاہ مریہ کے وزیر تھے چار باتوں میں سخت مطعون تھے یعنی۔ مال۔ بخل۔ غرور۔ کتابت۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ قبل اس کے کہ اس وزیر پر مصائب پڑیں، ایک مرتبہ اُنہوں نے شطرنج کھیلتے ہوئے یہ شعر کہا:۔

عیون الحوادث عنی نیام   وھضمی علی الدھر شیٌ حرام

یہ شعر تمام جگہ مشہور ہو گیا ایک ادیب نے مصرعہ آخری کو یوں بنا دیا۔

اچھا ہو۔ اتفاق عجیب یہ ہے کہ ہلال کی آنکھ میں چھوٹا سا ناخونہ تھا۔ اس واسطے یہ جواب بھی نہایت موزوں تھا۔

مقدم بن المعافی نے سعید بن جودی کا مرثیہ لکھا تو لوگوں نے اُن سے کہا کہ "تم اُن کا مرثیہ لکھتے ہو، حالانکہ اُنہوں نے تمہیں مارا تھا" اُنہوں نے کہا کہ واللہ اُنہوں نے مجھے نفع پہنچایا ہے، یہاں تک کہ اُن کے گناہ سے بھی مجھے نفع پہنچا ہے۔ پھر میں اُنکی رعایت کیوں نہ ملحوظ رکھوں جس وقت اُنہوں نے مجھے مارا تھا تو میری زیادتی پر۔ اب کیا میں اُن کے مرنے کے بعد بھی اپنی زیادتی پر قائم رہوں"۔ کسی نے اُن سے کہا کہ تم مومن بن سعید کی ہجو کیوں نہیں لکھتے؟ اُنہوں نے کہا کہ "کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں ایسے شخص کی ہجو کروں کہ اگر وہ ستاروں کی ہجو کرتا تو اُن کو اتنا بدنام کر دیتا کہ کوئی شخص ان کو دیکھکر سمت قائم رکھنے میں مدد نہ لیتا"۔

ہلال البیانی نے ایک قصیدہ قاضی ابن حمدین کی مدح میں لکھا، اس کے دوسرے ہی شعر میں ابن حمدین کا نام لے آئے۔ قاضی نے کہا کہ "آپنے تو دفعتاً مدح شروع کر دی جس طرح طول معیوب ہے اوسی طرح شروع میں مدح لے آنا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے" ہلال نے کہا کہ "آپ مجھے معاف کیجئے" آپ کا اجلال ومحبت جو میرے دل میں ہے اُسکی وجہسے میں مجبور ہو گیا۔ مجھسے یہ نہو سکا کہ میں مدح میں ذرا بھی دیر لگاتا۔ اور آپ کا نام شروع ہی میں نہ لے آتا"۔ اس جواب سے قاضی بہت خوش ہوئے۔

ہلال البیانی کو ایک مرتبہ شرارت سوجھی، اُنہوں نے ایک لڑکے کو مخاطب کر کے فی البدیہہ ایک شعر پڑھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جب تم میرے سامنے آئے تو گویا میری آنکھ نے اندھیرے میں ایک ستارہ دیکھ لیا۔ لڑکے نے کہا کہ "دن ہو یا رات تمہاری ایک آنکھ میں تو ہر وقت ستارہ موجود ہی رہتا ہے"۔ چونکہ ہلال البیانی کی آنکھ میں ایک چھوٹا ناخونہ تھا۔ وہ سخت شرمندہ ہو کر رہ گئے۔

امیر عبدالرحمٰن کے بیٹے حامد کا ایک یہ لطیفہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ اُن کے پیش نماز بجائے قول خدا تعالیٰ - الزانیة والزانی فاجلدو ھم" کے" الزانیة والزانی فانکحو ہما" پڑھ گئے حامد نے اپنے برابر کھڑے ہوئے شخص سے کہا کہ آپ نے سنا کہ ہمارے پیش امام صاحب حدود اللہ کو تبدیل فرماتے ہیں - اس پر قہقہہ پڑا - حامد نے فی البدیہہ کہا کہ -

ابدع القاری معنیٰ لم یکن فی الثقلین

امر الناس جمیعا بنکاح الزانیین

ابو الحلی الکنانی نہایت شگفتہ مزاج فقیہہ تھے - اکثر مسائل شرعیہ اُن سے رجوع کیے جاتے تھے - اُن کے زبان پر اکثر لطائف وظرائف جاری رہتے تھے - اُن کے بعض شاگردوں نے ان کو قلمبند کر کے اُس کتاب کا نام السالک والحلی فی اخبار ابی الحلی رکھا تھا - ایک مرتبہ اُنھوں نے ایک عجیب بات بیان کی کہ اُن کے یہاں ایک بلی پلی ہوئی تھی - ایک مرتبہ جو وہ گھر گئے تو دیکھا کہ بلی نے پیشاب کر کے اُس سے اپنا ایک ہاتھ بھگویا ہے - اور اُسکو آٹے میں سان کر چوہے کے بل کے سامنے کر رکھا ہے اور دوسرے ہاتھ سے شکار کرنے کے انتظار میں بیٹھی ہے اُنھوں نے اُس کا نام لیکر پکارا تو اُس نے اپنا وہ ہاتھ جو شکار کے لئے تیار تھا اس طرح اپنے مُنہ پر رکھا کہ گویا یہ کہہ رہی ہے کہ چپ رہو - ابو الحلی نے ۴۶۱ھ میں انتقال کیا -

نزار عبیدی بادشاہ مصر نے ایک مروانی بادشاہ اندلس کو خط لکھا - جس میں اُس نے مروانی کی سخت ہجو کی تھی - مروانی نے اُسکو صرف یہ جواب دیا کہ "تم ہم کو جانتے تھے اس لیئے تم نے ہماری ہجو کی، نہ ہم تم کو جانیں نہ تماری ہجو کر سکیں" (مطلب یہ ہے کہ تم بالکل گمنام ہو) یہ جواب دیکھکر نزار نے بہت پیچ وتاب کھایا - مگر کچھ جواب نہ بن پڑا سُنا ہے کہ ایک مرتبہ ان ہی نے عبیدی بادشاہ مصر کو دو شعر لکھ کر بھیجے تھے جن کا مطلب یہ ہے کہ ہم بنو مروان وہ لوگ ہیں کہ جب ہمارے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو تمام

روئے زمین کانپنے لگتی ہے اور تمام منبر ہل اُٹھتے ہیں۔

ابن مسرہ ایک صوفی عابد وزاہد تھے۔ اُن کے بعض مصنفات میں ایسے اشارات غامضہ ملتے ہیں کہ جو الحاد کی حد تک پہنچتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی تمام مصنفات جلا دی گئیں۔

فقیہہ ابو عبداللہ الحسینی ایک فصیح اللسان، جزیل البیان، علم نسب، لغت، ادب، روایت حدیث میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ مامون وثقہ سمجھے جاتے۔ لوگ عام طور پر اون سے محبت اور اُنکی عظمت کرتے تھے۔ دوران سیاحت میں عراق تک کا ملک دیکھ آئے تھے، اور پھر واپس یہیں آ گئے تھے۔ شعر خوب کہتے تھے۔ دربار شاہی سے ہمیشہ بچتے رہتے تھے۔ دنیا کی زیادہ پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امیر محمدؒ نے اُن کو عہدۂ قضا دینا چاہا۔ اور اپنے وزرار کو حکم دیا کہ اگر وہ اُسکو منظور نکریں تو اُنکو بجبر راضی کیا جائے۔ اور اُنکے اصرار کا جواب تلوار سے دیا جائے۔ مگر اُنھوں نے ایک لطافت کے ساتھ جواب دیا کہ میں اس دیانت کا بار امانت اُٹھانے سے اُسی طرح انکار کرتا ہوں جس طرح زمین و آسمان نے خدا تعالےٰ کے سامنے انکار کیا تھا۔ مگر میرا یہ انکار انکار اشفاق ہے نہ کہ انکار عصیان و نفاق۔ یہ جواب کچھ ایسا لطیف واقع ہوا تھا کہ اُن پر کوئی جبر نہیں کیا گیا۔

(قوت وشجاعت اہل اندلس) جب اذفونش بادشاہ روم کی حدود سلطنت امیر حریز بن عکاشہ (جو حضرت عکاشہؓ بن محصن صحابی کی اولاد تھے) میں پہنچا تو اُس نے تمام زراعت کو خراب کرنا، اور درختوں کو کاٹنا شروع کیا۔ حریز نے اذفونش کو لکھا کہ "ایک چیز پر قابو پا کر اُسکو خراب کرنا صاحب قدرت کے شان سے بعید ہے۔ اگر کبھی میں نے تمہاری حدود پر قبضہ پا لیا تو ملک بھر کو تباہ کر کے رکھدونگا، تم سے دس گُنا بدلہ لونگا۔ اور تم چین و آرام نہ پاسکو گے۔" جب اذفونش پاس یہ خط پہونچا تو وہ جو کچھ کر رہا تھا اُس سے رُک گیا۔ اور اپنی سپاہ کو دست برداری کا حکم دیدیا۔ بادشاہ اذفونش نے حریز کو مقابلہ کے لیے بلا بھیجا۔

اُدہراور بادشاہان روم کو اپنی مدد کو بُلایا۔ چنانچہ سب بادشاہوں نے مدد کی۔ جب یہ متفقہ فوج شہر بیضا پر پہنچی (شہر بیضا ایک قلعہ ہی جو طلیطلہ کے غرب کی طرف واقع ہی) تو حریز اپنے ہتیار رکھ کر تنِ تنہا نکل آئے۔ اہالی روم نے دیکھا کہ وہ اُن سے تن و توش، جرأت و لبالت میں بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ تو اُن کے آلات حرب اور شجاعت قلب سے تعجب کرنے لگے۔ غرض جب حریز بادشاہ کے کیمپ تک پہنچے، تو اور بادشاہان روم اُن سے نہایت خندہ پیشانی سے ملے۔ گھوڑے سے اُترتے ہوئے حریز نے اپنا نیزہ گاڑ دیا۔ اذفونش بھی حریز کی صورت دیکھ کر اُن کی شجاعت سے ڈر گیا۔ اور اپنے یہاں کے ایک بہت بڑے پہلوان کو بلا کر حریز سے کہا کہ حریز! میں تمہاری اور اس پہلوان کی لڑائی کو دیکھنا چاہتا ہوں" حریز نے کہا کہ "آدمی اپنے مدمقابل سے لڑا کرتا ہے۔ اور اس شخص کو تو میں اس قابل نہیں دیکھتا۔ پہلے میں ایک شخص کی آزمائش کرتا ہوں۔ وہی میرے صدق قول کی کافی شہادت ہو گی۔ تمہارے آدمیوں میں مجھے کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ جو نیزہ میں نے گاڑا ہے اُسکو اُکھاڑ بھی سکے۔ جو شخص کہ سوار ہو کر اس نیزہ کو اُکھاڑ لے میں اُس سے لڑنے کو تیار ہوں خواہ وہ ایک آدمی ہو یا دس" یہ سُنکر ایک سب سے بڑا پہلوان نکلا۔ اور اُس نے سوار ہو کر کئی مرتبہ اُس نیزہ کو اُکھاڑنے کی کوشش کی۔ مگر نیزہ ہلا تک نہیں۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے حریز سے کہا کہ لو اب تم خود نیزہ اُکھاڑ کر دکھلاؤ۔ حریز سوار ہو کر بہونچے اور ایک ذرا سے اشارے سے نیزہ اُکھاڑ کر دکھلایا۔ یہ دیکھکر تمام آدمی حیران ہو کر رہ گئے۔ اور بادشاہ نے بھی حریز کا بڑا اکرام کیا۔

یہ حریز شاعر بھی تھے، اور خوب شعر کہتے تھے۔ اُن کے ایک کاتب عبدالحمید بن لاطون تھے، جو تحریرات میں اکثر سہو کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حریز نے عبدالحمید کو حکم دیا کہ فلاں قلعہ پر جو عیسائیوں نے قبضہ کر لیا ہے اُس کے متعلق مامون بن ذوالنون کو لکھو۔ عبدالحمید نے لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ فلاں قلعہ میں نصاریٰ داخل ہو گئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ"

یہ وہ واقعہ ہے جس کا ذکر خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے - بلکہ یہ وہ حادثہ ہے کہ جو قیامت کے آثار میں سے ہے - اس مصیبت پر ہم انا للہ وانا الیہ راجعون - پڑھتے ہیں یہ مصیبت ہے کہ مسلمانوں کا ستون ٹوٹ گیا - اور مسلمانوں کے دلوں میں قیامت تک کے واسطے حسرت رہ گئی "!

یہ عجیب و غریب خط جب ماموں بن ذالنون نے سنا تو وہ ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئے اور حریز کو لکھا کہ - ہمنے تو یہ سمجھا تھا کہ تم جزوی و کلی تمام باتوں کی خبر رکھتے ہو - مگر تم نے یہ کیسے جایز رکھا کہ اپنے بیوقوف، تھی از عقل کاتب کو کتابت کے لیئے مقرر کر رکھا ہے - وہ تمہاری طرف سے خطوط لکھتا ہے اور تمہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ کیا لکھتا ہے - ذرا اس خط کے عنوان اور مضمون کو دیکھو، اور اس شخص کی عقل کی داد دو - سمجھ میں نہیں آتا کہ اُسکی کس بات پر تعجب کیا جائے - آیا لفظ انشاء اللہ تعالےٰ، کے باموقعہ استعمال پر، یا قرآن شریف کے خوبی تفسیر پر، یا اُس کے لطف تاویل پر - نمعلوم اُس نے کسی امام سے اس کو سنا ہے یا خود اُس کی ایجاد ہے - یا تعجب کیا جائے اس شخص کی اُن معلومات پر جو اُس کو اس خاص قلعہ کے متعلق حاصل ہیں - یا تو وہ اس قلعہ کو ایسا بڑا سمجھتا ہے کہ اگر اُس کو قسطنطنیہ کہا جائے تو اُسکی عظمت اُس سے نہ بڑھیگی، یا اتنا حقیر سمجھتا ہے کہ معاذ اللہ خدا تعالےٰ کو بھی بوجہ اُسکی حقارت کے اُس کا علم نہیں ہے - ایک پتھر ہے کہ نہ اُس میں پانی کا نام ہے نہ سبزی کا کام - بلاد اسلام سے الگ ہے - اور سلک نظام سے خارج - اُس تک اگر کوئی پہنچ سکتا ہے تو صرف چوری پیشہ یا کوئی پوشیدہ ڈاکو بجز پچاس آدمیوں سے زیادہ اُس کی محافظت نہیں کرتے - اور ان چوکیداروں کی بھی یہ حالت ہے کہ اُن کو روٹی کا ٹکڑا برسوں کے بعد نظر آتا ہے - وہ بھی اس طرح کہ ایک شخص نے ایک روٹی بیس دینار میں خریدی اور بہت واہی داموں پر خریدی - غرض یہ کاتب جاہل طرفہ معجون ہے "حریز نے یہ پڑھ کر ذوالنون سے معذرت کی - لطف یہ ہے کہ یہ کاتب شاعر بھی تھے - مگر اُن کے اشعار سے اُن کا بھولا پن ثابت نہو

تھا۔ بلکہ اُن کو سُنکر اذکیا ر حیران ہوتے تھے۔ ایک سفر کے موقعہ پر یہ کاتب اپنے آقا کے ساتھ تھے۔ ان کا گھوڑا وزیر کے گھوڑے کے پیچھے تھا۔ اتفاق سے بارش ہونے لگی اور کیچڑ ہو گئی۔ گھوڑے کے اگلے پاؤں سے کیچڑ اُڑ کر حریز کے گردن پر جا کر پڑی تو اُنہوں نے کاتب سے کہا کہ تم اپنا گھوڑا مجھسے آگے کر لو۔" اُنہوں نے کہا کہ مجھسے یہ گستاخی ہرگز نہو گی کہ اپنے آقا سے آگے چلوں۔ حریز نے کہا کہ پھر بہتر یہ ہے کہ تم سب سے پیچھے ہو جاؤ۔" اُنہوں نے جواب دیا کہ ایسے موقعوں پر میرا آپ کے ہمرکاب نہونا غیر موزوں ہے۔" حریز نے کہا کہ اگر یہ صورت ہے تو تمہارے گھوڑے کے اگلے پیروں کی کیچڑ میری گردن پر پڑ پڑ کر مجھے ہلاک کر دے گی۔" یہ سُنکر کاتب بہت حیران ہو کر کہنے لگے کہ خدا تعالےٰ ہمارے امیر کی عزت دوبالا کرے! واللہ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میرے گھوڑے کے اگلے پیر حضور کے گردن تک پہو نچتے ہیں"۔ یہ سُنکر حریز اتنے ہنسے کہ قریب تھا کہ اپنے گھوڑے سے گر پڑیں۔

امیر ابو عبداللہ بن مردنیش ملک شرق اندلس، اپنے زمانہ کے بہت بڑے بہادروں میں سے تھے۔ بڑے بڑے معرکوں میں اپنے آپ کو وہ دشمنوں کی صفوں میں ڈال دیتے، اور چپ و راست اُن کو چیرتے چلے جاتے۔ ایک مرتبہ اسی طرح وہ عیسائیوں پر جا پڑے۔ کہ تمام فوج میں گھبراہٹ ڈال دی، اور اتنے آدمی قتل کئے کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ ختم معرکہ کے بعد اُنہوں نے ایک خواص سے، جو خود جنگ آزمودہ شخص تھا، کہا کہ "آج تمنے کیا دیکھا؟" اُنہوں نے کہا کہ اگر سلطان آپ کو اس حال میں دیکھتا تو اپنے بیت المال کے برابر آپ کو مال دیتا، اور آپ کو سپہ سالار بناتا۔ مگر آپ کو اپنے نفس اور اپنے ساتھیوں کی جان کو اس طرح ہلاکت میں نہ ڈالنے دیتا۔" ابن مردنیش نے کہا کہ ان باتوں کو تو جانے دو۔ میں دو مرتبہ تو مر نہیں سکتا، اور جب ایک دفعہ مر جاؤنگا تو پھر واپس نہیں آؤنگا۔

(اہل اندلس کی بلاغت) کہتے ہیں کہ وزیر ابو لولید بن زیدون کی بیٹی مر گئی۔ جب لوگ اُسکے دفن سے فارغ ہو کر آئے تو وزیر موصوف نے ہر ایک شخص کا شکریہ الگ الگ ادا کیا۔

اور اس میں ایک شخص سے جس عبارت میں شکریہ آدا کیا وہی عبارت دوسرے کا شکریہ ادا کرنے میں نہیں ہوتی۔ صفدی کہتے ہیں کہ یہ دلیل ہی اس امر کی کہ اُن کو وسعت عبارت پر قابو، اور مختلف اسلوب کلام پر قدرت حاصل تھی۔ اور یہ امر نہایت مشکل ہی۔ واصل ابن عطا کی زبان سے کبھی ایسا لفظ نہیں سُنا گیا جس میں حرف را رہو کیونکہ وہ توتلے تھے۔ اور را کو ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ ہمیشہ اُس لفظ کا مرادف بولا کرتے تھے کہ جس میں صرف را رہو تا تھا (زبان عربی میں مرادف الفاظ بہت سے ہیں) مثلاً جب اُنکو لفظ فرس استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ بجائے اُس کے جواد، یا ساع، یا صافن بولتے تھے۔ اگر لفظ رمح کہنا پڑتا تھا تو قناۃ، یا صعدہ، یا یزنی، یا کوئی اور لفظ کہتے تھے۔ اگر لفظ صارم بولنا ہوتا تو بجائے اُس کے، حسام یا لہذم وغیرہ کہہ جاتے تھے۔ مگر ابن زیدون نے جو کچھ کیا وہ واصل ابن عطا سے بہت زیادہ مشکل ہے۔ ظاہر ہے کہ بعض الفاظ کا بدل دینا آسان ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ عبارت کی عبارت تبدیل کر دیجائے۔ اور ہر شخص سے جنکی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی، الگ ہی تقریر کرے۔ جس کے لیئے ہزار قسم کی عبارت کی ضرورت ہے۔ اور جب یہ خیال کیا جائے کہ اس وقت وہ اپنے لخت جگر کی موت کی وجہہ سے سخت رنج کی حالت میں تھے تو اُن کی بلاغت سخت حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔

ولکنہ صوب العقول اذا انبرت مصایب منہ اعقبت بسحائب

حریری نے بھی اپنے مقامات میں طلوع فجر کو ہر جگہ الگ عبارت میں لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کلام پر قدرت حاصل تھی۔ ہم خطیب ابن نباتہ کو اس باب میں پیش نہیں کر سکتے، اگرچہ اُنہوں نے بھی اپنی جگہ کمال کیا ہے کہ ایک جلد ضخیم میں اول سے آخر تک اس آیت کے معنی طرح طرح پر بیان کئے ہیں کہ "یا ایہا الناس اتقوا اللہ واسئل روہ فانکم الیہ راجعون"۔ مگر ابن زیدون نے جو کچھ کیا وہ معجز ہے۔ مگر لوگ اس نکتہ کو نہ سمجھیں گے۔ انتہی کلام الصفدی ملخصاً ابن زیدون فن بلاغت میں کامل شخص تھے۔ اور بحتری المغرب

کہلاتے تھے۔ کیونکہ اُنہوں نے اپنی نظم کا دیباچہ نہایت فصیح، اور باوجود اس کے نہایت سہل لکھا ہے۔

پانچویں صدی میں جب ایوب بن مطروح نے بادشاہ غرناطہ، عبداللہ بن بلقین بن حبوس، پر لشکر کشی کی اور دریا، فتنہ کی موجوں نے بہت سے آدمیوں کو ساحل پر پھینک دیا، تو ان میں سے اکثر یوسف ابن تاشفین کے ہاتھ پڑ گئے۔ ایوب نے خلع کر کے اپنے آپ کو بھی یوسف کے سپرد کر دیا۔ ایوب کے ساتھی اس انتظار میں رہے کہ وہ یوسف کے سامنے کچھ بولیں گے یا سر اُٹھائیں گے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں وہ گر گئے۔ اور جان بحق ہو گئے خدا، تعالےٰ اُن پر رحمت کرے۔

اہل اندلس کا جود و فضل و مکارم اخلاق

ابو العرب الصقلی ایک مرتبہ معتمد بن عباد کے دربار میں حاضر تھے کہ اُن کے سامنے بہت سے دینار پیش کئے گئے۔

معتمد نے دو تھیلیاں ابو العرب کو عطا فرمائیں۔ اس وقت معتمد کے سامنے عنبر کے بنے ہوئے کچھ کھلونے تھے منجملہ ان کے ایک اونٹ تھا جو جواہرات سے مرصع تھا۔ ابو العرب نے کہا کہ ان تھیلیوں کا بوجھ سوا اونٹ کے اور کون اُٹھا سکتا ہے۔ معتمد مُسکرا دئے اور وہ اونٹ بھی اُن ہی کو دیدیا۔

حافظ الحجاری نے مسہب میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے چچا ابو محمد عبداللہ بن ابراہیم سے دریافت کیا کہ آپ نے سب سے بڑا صاحب جود کس کو دیکھا ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ جب اُن لوگوں کا عروج تھا، اور سخاوت کی رغبت کا شباب تھا تو مجھے اُن لوگوں کی صحبت نصیب نہیں ہوئی۔ مجھے جب اون سے ملنے کا اتفاق ہوا تو اُن کے انحطاط کا زمانہ تھا اور اُن کے حالات میں تغیر آ گیا تھا۔ کسی کے ساتھ مروت کرنے کی ہمت نہ رہی تھی، اور افکار او رفتنوں نے اُن کو مشغول کر رکھا تھا۔ اُن میں اتنا حال ہی باقی نہ رہا تھا کہ وہ کسی پر احسان کرتے۔

اس وقت اُن کے پاس جانا ایسا تھا کہ گویا کوئی ماتم پرسی کے لیئے جاتا ہے۔ لیکن باوجود اسکے میں نے وزیرا ابوبکر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ وہ نہایت بردبار تھے۔ کسی ناگوار بات پر بھی وہ مسکرایا کرتے تھے۔ اور غصہ کی حالت میں بھی پیشانی پر بل نہ ڈالتے تھے۔ وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے۔ کوئی شخص اُن سے ناراض نہ جائے۔ اگر وہ اور کچھ نہ کرسکتے تھے۔ تو زبانی ہی اُس کو خوش رکھتے تھے۔" میں نے دریافت کیا کہ "آپنے معتدین عباد کو کیسا پایا۔؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ "جب وہ امیرالمومنین یوسف بن تاشفین کے ساتھ نصاریٰ کی جنگ میں تھے تو میں اُن سے ملا تھا۔ میں اُن کی شان میں ایک قصیدہ لکھ کرکے گیا تھا۔ جب میں نے یہ شعر پڑھا کہ

یالیت شعری ماذا یرتضیہ ملن　　　　نادا کہ یا موئلی فی جحفل الناد ی

تو کہنے لگے کہ اس وقت میرے پاس اتنا تو نہیں ہے کہ تم کو راضی کرسکوں۔ لیکن جیسا کچھ بھی ہے اُسی کو لے لو۔ یہ کہکر اُنھوں نے اپنے خادم کو اشارہ کیا اور مجھے اتنا کچھ دلادیا کہ جس سے میں اس وقت تک عیش کر رہا ہوں۔ میں اُن کے عطیات لیکر مریہ چلا آیا۔ یہاں کے لوگ میرے تبدیل احوال کو دیکھکر سخت متعجب ہوئے، خصوصاً تجار کیونکہ یہ مقام کفار و مسلمان تاجروں کے لیئے بندرگاہ تھا۔ میں نے بھی یہاں تجارت شروع کردی۔ حقیقت یہ ہے کہ میری آبرو کا باعث تمامتر تھے۔ خدا تعالےٰ اُن پر رحم کرے۔ غرض اُنھوں نے مجھے حکم خزانہ دے کر قصیدہ میرے ہاتھ سے لے لیا اور اُس کو بغور دیکھنا شروع کیا۔ چونکہ وہ شعر کو ایسا پرکھتے تھے کہ بڑے بڑے شعراء اُن سے ڈرتے تھے، میں بھی خائف رہا۔ یہانتک کہ وہ میرے اُس شعر تک پہنچے جس کا یہ مطلب تھا کہ سوا ابن عباد کے ہاتھوں کی تری کے کسی نے اُس کو پیاس بھر کر پانی نہیں پلایا۔ تو ابن عباس مُسکرا کر کہنے لگے کہ "ان لوگوں نے اُن سے اتنا بخل کیوں کیا؟" میں نے کہا کہ "یہ لوگ وہ تھے جنکی پیاس کو طوفان نوح بھی نہیں بجھا سکتا تھا۔" یہ سُنکر ابن عباد بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر زمانہ موافق ہوتا

اور مجھے اس کا بدلہ نہ دیتا تو مجھ پر افسوس تھا"۔ ابن عباد جب قید ہوئے ہیں تو جو لوگ بحالت
قید اُن سے ملنے جاتے تھے اُن میں سے ایک میں بھی تھا۔ ایک روز اُن کی حالت پر مجھے بہت
رنج ہوا۔ میں نے قید خانہ کے دروازہ پر یہ شعر لکھ دیا۔

فان تسجنوا القسری لا تسجنوا اسمہ ولا تسجنوا معروفہ فی القبائل

چند روز کے بعد میں نے دیکھا کہ کسی شخص نے اُس کے نیچے یہ شعر لکھ دیا ہے۔

ومن یجعل الضرغام فی الصید بازہ تصید ہ الضرغام فیما تصیدا

پھر میں نے دیکھا کہ کسی نے اوسکو مٹا دیا۔ میں نے اس کا ذکر ابن عباد سے کیا تو انھوں
نے کہا کہ "اُس شخص نے بہت صحیح کہا تھا"۔ اس حالت میں بھی جب میں اُن کے پاس سے
واپس آیا تو میرے ساتھ انھوں نے احسان کیا۔ جتنا کچھ بھی اُن سے ہو سکا۔ (اب ہم بنو
مروان کا کچھ ذکر کرتے ہیں۔ جو اندلس میں تھے۔ محمد ابن ہشام المروانی، جو الناصر الدین اللہ
کے زمانہ میں تھے ایک کتاب، اخبار الشعراء کے مصنف تھے۔ ایک مرتبہ وہ الناصر لدین اللہ
کے پاس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ الناصر نے اُن سے کہا کہ اُن کے بیٹے کو پڑھا دیا
کریں، اور اپنے اخلاق کی تعلیم دیں۔ محمد بن ہشام نے کہا کہ لڑکے بغیر مار پیٹ اور قید
اور سختی کے نہیں پڑھا کرتے، اور مجھے یہ امر پسند نہیں ہے کہ بادشاہ کی اولاد کے ساتھ
ایسا کروں، کیونکہ وہ مجھ سے ناخوش رہیں گے۔ ان میں سے بعض نفع و ضرر پہنچانے کے
قابل ہو جائیں گے، میں اُن سے مخوف رہونگا۔ (کہتے ہیں کہ محمد ابن ہشام المستنصر باللہ
ولیعہد الناصر الدین اللہ پر عاشق تھے۔ اور اُن کے اکثر اشعار اُن ہی کے متعلق ہیں۔

بنو مروان کے علو ہمت کے تذکرہ میں متذکرہ بالا محمد بن ہشام کے بھائی احمد بن
ہشام کی علو ہمت قابل ذکر ہے۔ یہ بڑے شاعر ہو گزرے ہیں۔ ان کی قرارت و اجتہاد
کا سبب یہ ہوا کہ وہ ایک مجلس میں گئے۔ جہاں احمد بن ابی عبدہ بھی موجود تھے (یہ ایک
غلام اور فوجی افسر تھے) انھوں نے دیکھا کہ احمد بن ہشام ادب و ظرف سے بالکل خالی

تھے، مگر اُن کا ذہن صلاحیت تعلیم و تعلم رکھتا تھا۔ اُن کو دیکھکر کہنے لگے کہ وہ تلوار ہی کیا جو مرصع نہو۔ یہ سنتے ہی احمدؒ بن ہشام کی ہمت ملوکیہ میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا، وہ کھڑے ہو گئے اور جاتے ہی علم و ادب کے حصول پر مائل ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز میں جو حیثیت احمد بن عبدہ کی نگاہ میں اُن کی تھی وہ حیثیت احمدؒ بن ہشام کی نگاہ میں اُن کی ہو گئی۔ ایک مرتبہ پھر ان دونوں صاحبوں کی یکجائی ہوئی۔ اور مذاکرۂ علمیہ درمیان میں آیا تو احمدؒ بن عبدہ کو معلوم ہوا کہ وہ خود اس میدان میں احمد بن ہشام کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے احمدؒ بن عبدہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ "یہ آپ نے کیا کیا؟" احمدؒ بن ہشام نے کہا کہ "یہ نتیجہ اسکا ہے کہ آپنے کہا اور میں نے عمل کیا۔" اُنہوں نے کہا کہ "واللہ یہ جواہرات اس تلوار ہی کے قابل ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کی ہمت میں جزائے خیر دے"۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ یہ یاد رکھیئے کہ میرا آپ کے اوپر ایک حق ہے۔ کیونکہ آپ کو میں نے ہی ادب و تمیز کی طرف مائل کیا ہے آپ یہ وعدہ کیجئے کہ اگر کسی جلسہ میں میرا اور آپ کا سابقہ ہو جاوے تو آپ میری تقصیرات سے چشم پوشی کرینگے، تاکہ میں دوسروں کی نگاہ میں سبک نہ ہو جاؤں۔" اُنہوں نے اطمینان دلایا کہ ایسا ہی ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔

منذر ابن امیر عبدالرحمٰن الاوسط شروع شروع میں بدخلق، خوشامدیوں کی بات سننے، جلد بھڑک اُٹھنے، فوراً بدلہ لینے اور بہت رشک کرنے والے تھے۔ اُن کے والد کو یہ باتیں ناگوار تھیں۔ اُنہوں نے اپنے وکیل خاص کو حکم دیا کہ فلاں پہاڑ اور فلاں موقعہ پر آبادی سے دور، ایک مکان منذر کے لیے تیار کرا دے۔ جب وکیل نے اس حکم کی تعمیل کر کے امیر کو اطلاع دی تو اُنہوں نے حکم دیا کہ منذر سے جا کر کہدو کہ ہم نے حکم دیا ہے کہ وہ تنہا اس مکان میں جا کر رہیں، اُن کو اپنے یا کسی دوسرے کے دوستوں سے ملنے یا بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر وہ تمہیں دھمکا دیں، یا اسکی وجہ پوچھیں تو تم کہدو کہ تمہارے والد نے ایسا ہی حکم دیا ہے"۔ اس وکیل نے ایک دارو غہ کو اس حکم کی تعمیل کرنے کے لیئے تعینات کر دیا۔ غرض جب منذر

اُس مقام پر پہنچکر تنہا رہ گئے، اور وہ لوگ نہ ملے جن سے اُن کو راحت پہنچتی تھی، اور اُن چیزوں کی طرف خیال کیا جو اُن سے چھین لی گئیں تھیں، تو اُنہوں نے داروغہ سے کہا کہ اگر میرے غلام اور دوست میرے پاس پہنچا دیئے جاتے تو میرا دل لگا رہتا۔" داروغہ نے جواب دیا کہ "امیر کا یہ حکم ہے کہ کوئی شخص آپ تک نہ پہونچے، اور آپ تن تنہا رہیں، تاکہ آپ اپنے اُن خوشامدی دوستوں سے بچے رہیں جو اِدھر اُدھر کی باتیں بنایا کرتے ہیں۔"

منذر کو اب معلوم ہوا کہ اُن کے والد نے یہ سزا دی ہے، اور تادیب کے لئے یہاں بھیجا ہے اُنہوں نے دوات قلم منگا کر اپنے والد کو لکھا کہ مجھے اس جگہ آکر ایسی سخت وحشت ہوتی ہے۔ کہ اس سے زیادہ ہونی ناممکن ہے۔ جن لوگوں سے کہ میرا دل لگا رہتا تھا وہ بھی یہاں نہیں ہیں۔ میری عزت سلب کرلی گئی، اور امرونہی کا مجھے اختیار نہ رہا۔ اگر یہ سزا ہے کسی ایسے گناہ کی، جس کا میں نے ارتکاب کیا ہے، خواہ وہ حضور کو معلوم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ تو میں اس تادیب پر راضی ہوں، اور اُن سے عفو کی درخواست کرتا ہوں۔ کیونکہ امیر المؤمنین اور اُن کا فعل زمانہ کی طرح ہے کہ جو کچھ وہ کرے اُس میں کوئی عار نہیں ہوسکتا۔" جب امیر کے پاس یہ رقعہ پہنچا تو اُنہوں نے منذر کو بلا بھیجا۔ اور اُن سے کہا کہ "تمہارا رقعہ پہنچا۔ اس میں تم نے اس مقام میں پہنچکر بوجہ تنہائی اپنی وحشت کی شکایت کی ہے۔ اور یہ درخواست کی ہے کہ تمہارے دوست اور غلام تمہارے پاس بھیجدیئے جائیں۔ اگر تمہارا کوئی گناہ ہے۔ تو تمہارا وہاں زیادہ عرصہ تک رہنا اور بھی ضروری ہے۔ مگر ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ بطور سزا کے نہیں کیا۔ بلکہ ہم نے دیکھا کہ تم اِدھر اُدھر کی باتیں سُنکر جو اُکتا جاتے اور شکایتیں کرتے ہو اُس سے راحت پہنچنے کی یہ سبیل ہے کہ چغل خور اور خوشامدیوں کی باتیں تم تک نہ پہنچیں۔ جو باتیں کہ تمہارے سننے کے قابل نہیں ہیں، اُن کا کان میں پڑنا، اور جو اختیارات امرونہی تمہیں حاصل ہیں اُن کا چھن جانا مجھے اس تنہائی اور وحشت سے آسان معلوم ہوتا ہے۔ جب تم اس بات کو سمجھ جاؤ گے اور ادب حاصل کرلو گے تم اپنی اصلی عادت پر لوٹ

آؤ گے۔ اس وقت تو تم میری مدد اس امر میں کرو کہ جو کچھ تم سنو یہ سمجھو کہ گویا کچھ نہیں سنا اور جو کچھ تم دیکھو یہ سمجھو کہ کچھ نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کاش تم جو کچھ آپس میں پوشیدہ رکھتے ہو اُس کو ظاہر کرتے، جان لو کہ تم میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ قرب رکھتے ہو اور مجھے سب سے زیادہ تم سے محبت ہے۔ اگر کسی وقت میں بھی تمہارے دل میں میری طرف سے کسی طرح کی نفرت، یا تمہارے یا کسی اور کے معاملات میں ناراضی کی وجہ پیدا ہو۔ اور مجھے اس کا علم ہو جائے تو مجھے اس سے رنج ہوگا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اُس نے دلوں کو اُن پردوں سے محفوظ کر رکھا ہے۔ جو ایک دوسرے کے درمیان میں حائل ہیں اور ایک شخص کو دوسرے کی دلی کیفیات سے مطلع ہونے نہیں دیتے۔ تم تو باہمت آدمی ہو اور ایک چیز کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے ہو۔ اور جس شخص میں کہ یہ صفت ہو وہ صبر کرتا ہے، چشم پوشی کرتا ہے اور تحمل کرتا ہے اور سزا کے بدلے بھلائی کرتا ہے۔ اور دشمنوں کو دوست بنا لیتا ہے۔ اگر کسی شخص کی کوئی بات اُس کو رنج پہنچاتی ہے تو وہ اُس پر صبر کرتا ہے جس کا انجام اپنے حق میں، آخر میں، خوشگوار دیکھتا ہے۔ جن لوگوں کے قول و فعل سے مجھے تکلیف پہنچی ہے آج وہ مجھے ہلکی معلوم ہوتی ہے حالانکہ اُن کے اُس فعل کی یاد اس میں اگر میں اُنکا ایک ایک عضو کٹوا ڈالتا۔ تو بھی میرا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ چشم پوشی اور تحمل، اور وہ بھی بحالت اختیارات بہتر ہے۔ میں نے اپنے گردو پیش کے اُن لوگوں پر نظر ڈالی جو نیکی و بدی کر سکتے تھے، تو میں نے دیکھا کہ دل ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اور میں نے پایا کہ بُرا آدمی نیک ہو جاتا ہے۔ اور نیک بد بن جاتا ہے۔ جن لوگوں کو میں نے سزائیں دی تھیں، اُن سے میں شرمندہ ہوا۔ لیکن جن کے ساتھ میں نے بھلائی کی تھی، اُن سے مجھے کوئی شرمندگی نہیں۔ بیٹا! معالی امور حیارت سے چشم پوشی سے۔ اسی کو اختیار کرو۔ جس میں یہ خوبی نہیں، اُس کا کوئی دوست نہیں۔ اور نہ کوئی پرایا اپنا بنتا ہے۔ نہ کبھی وہ اپنی زندگی میں ترقی کرتا ہے۔ نہ اپنی امیدوں میں کامیاب ہوتا ہے

اور نہ بوقت ضرورت اُس کو کوئی مددگار بنتا ہے"۔ منذر نے یہ بات سُنکر باپ کا ہاتھ چوم لیا، اور واپس چلے گئے۔ اور ہمیشہ اپنے والد کی نصیحت پر عمل پیرا رہے، یہانتک کہ اُنہوں نے اخلاق جمیلہ حاصل کر لیئے، اور اس درجہ پر پہنچے جس پر اُن کے والد اُنھیں پہنچانا چاہتے تھے، اس سے اُن کی قدر و منزلت بھی بڑھ گئی۔ چنانچہ ان کی کریم النفسی کی ایک مثال ہے کہ ایک سوداگر نے اُن کے سامنے ایک نہایت حسین لونڈی پیش کی، جس کا نام طرب تھا، اور جو علم موسیقی خوب جانتی تھی۔ جیسے ہی اُن کی نظر اس لونڈی دوچار ہوئی، اور اُس کا گانا سُنا۔ وہ اُس پر عاشق ہو گئے اُنہوں نے اپنے خادم سے پوچھا کہ "تمہارے نزدیک اس سوداگر کو اس لونڈی کے بدلے میں کیا دیا جائے؟" اُس نے کہا کہ جو کچھ اسکی قیمت بازار میں پڑے وہ دلائی جائے۔ چنانچہ پانچسو دینار قیمت قرار پائی۔ خادم سے پھر اُنہوں نے مشورہ لیا تو اُس نے وہی پانچسو دینار دینے کو کہا۔ منذر نے کہا کہ "آخر اس شخص نے یہ لونڈی ہمارے سامنے پیش کر کے کچھ زیادہ کی امید رکھی ہے۔ اگر وہ اس کو کسی یہودی کے ہاتھ بیچتا تو بھی اتنا ہی پاتا"۔ خادم نے کہا کہ سوداگر ذلیل اور بخیل ہوتے ہیں، جو کچھ یہ پا جاتے ہیں۔ اُس پر قناعت کرتے ہیں"۔ منذر نے کہا کہ "ہم لوگ کریم اور سخی ہیں، ہم تھوڑا دیکر خوش نہیں ہوتے۔ اس لیئے تم اسکو ایک ہزار دینار دیدو اور ہماری طرف سے اُس کا شکریہ ادا کرو کہ اُس نے ہمکو اس قابل سمجھا کہ یہ تحفہ ہمارے سامنے پیش کیا، اور ہماری خوشنودی مزاج اُس سے ظاہر کر دو۔

منذر کے بعض اشعار اس لونڈی کے متعلق ابتک محفوظ ہیں۔

ایک مرتبہ اُن کے والد نے اُن سے کہا کہ تم بہت مغرور ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ "جسکی بیخ تم جیسا آدمی ہو اُس کی شاخیں ضرور ہے کہ سربلند ہوں"۔ امیر عبدالرحمٰن نے کہا کہ "مغرور شخص آنکھوں کو بُرا معلوم ہوتا ہے، اور دلوں کو اُس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ منذر نے جواب دیا کہ مجھے عزت و نسب و علو مکان اور صولت حاصل ہے۔ میں دیکھتا ہوں

کہ تمام آنکھیں میرے حکم کی منتظر رہتی ہیں، اور تمام کام میرے احکام کی تعمیل کے لئے آمادہ رہتے ہیں۔ دبدبہ سلطانی کی رونق داد دہش سے ہے۔ حلم انبساط پیدا کرتا ہے۔ اور ان سب کا شرف غرور، اور عوام سے اپنے آپ کو دور رکھنا ہے۔ عوام الناس کے پاس ایک ترازو رہتی ہے۔ جس سے وہ ہم لوگوں کو تولتے رہتے ہیں۔ اگر پلہ بھاری ہوتا ہے۔ تو اسکی قدر کرتے ہیں، اور اگر ہلکا دیکھتے ہیں تو اسمیں نقص نکالنے لگتے ہیں۔ اور اُسکی تواضع کے یہ معنی لیتے ہیں کہ وہ ذلیل ہے اور اُسکی فروتنی کو خست پر محمول کرتے ہیں"۔

باپ نے یہ سُنکر کہا کہ "واللہ تم خوب سمجھتے ہو" منذر کے ایک اور بھائی مطرف بن عبدالرحمن الاوسط بھی بڑے ادیب تھے۔ یہی حالت اُن کے تیسرے بھائی ہشام بن عبدالرحمن اور چوتھے بھائی یعقوب بن عبدالرحمن کی تھی۔ ان سب کے اشعار بلیغ اب بھی محفوظ ہیں۔

ایک شاعر نے یعقوب بن عبدالرحمن کی تعریف کی۔ انہوں نے اُس کو بہت انعام دیا۔ اُس کو جب پھر ویسا ہی موقع ملا تو وہ ایک اور قصیدہ مدحیہ لیکر پہنچا۔ یعقوب کے خادم نے کہا کہ کیا ہم کو اس کمبخت کا کچھ قرض دینا آتا ہے کہ وہ روز آموجود ہوتا ہے؟"

یعقوب نے کہا کہ یہ شخص پہلے ہمارے پاس آیا تھا، اُس وقت جو کچھ ہم نے دیا وہ ایسا تھا کہ گویا وہ ایک ہی گھونٹ میں پی گیا۔ اور ساتھ ہی ہمارے نسبت اچھا خیال لے گیا اُس کے گمان کو باطل نہیں کرنا چاہیئے۔ نئی چیز پُرانی کو یاد دلاتی ہے۔ یہ شخص ہمارے لیئے درازی عمر کی دُعا لیکر آیا ہے۔ ہم خود خدا تعالےٰ سے دُعا مانگتے ہیں کہ ہماری عمر اتنی بڑی ہو کہ وہ اکثر ہمارے پاس آئے، ہماری نعمتوں میں دوام عطا فرمائے۔ کہ ہم اس کو بھی نعمتوں میں سے حصہ دیتے رہیں، ہماری مروت قائم رہے تاکہ ہم اوس جیسے شخص کو اپنا جلیس بناکر اپنا محل بڑھائیں۔ اور خدا تعالےٰ تیرے جیسے جلیس کی بلا سے ہمکو بچائے جو ہمارے ہاتھوں کو روکتا ہے"۔ یہ کہکر حکم دیا کہ اس شاعر کو اوتنا ہی دیدیا جائے

جتنا کہ وہ پہلے پا چکا ہے۔ اور اُس سے کہا کہ جب تک وہ زندہ ہے ایسے موقعوں پر ضرور حاضر ہوا کرے۔

ان کے پانچویں بھائی امیر محمد بن امیر عبدالرحمٰن نے اپنے چھٹے بھائی ایاں سے خلوت میں کہا کہ اگر تمہاری کوئی ایسی آرزو باقی ہو، جو پوری نہوئی ہو، تو مجھ سے بیان کرو میں اُس کو پورا کردوں۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ "میری کوئی آرزو باقی نہیں ہے۔ مگر یہ کہ خدا تعالےٰ آپ کی عمر دراز فرمائے اور آپ ملک پائندہ رہے۔ یہ جواب امیر کو بہت ہی پسند آیا۔ اور اُنھوں نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ میرے دل کو جو تمہاری طرف کشش ہے۔ وہ بے وجہ نہیں ہے" حقیقت یہ ہے کہ ان میں ہر ایک بھائی ایک دوسرے بہت ہی محبت رکھتا تھا۔

امیر محمد بن امیر عبدالرحمٰن کے تین بیٹے تھے۔ قاسم[۱]. مطرف[۲] مسلمہ[۳]۔ ایک چوتھا عثمان بھی تھا۔ یہ سب بھائی بہت لایق ادیب وشاعر تھے۔ مطرف کی والدہ کا نام غزلان تھا. وہ خود شاعرہ، ادیبہ، مغنیہ، بدیعہ تھیں۔

مسلمہ کہا کرتے تھے کہ میں نے کبھی کسی سے مفارقت اختیار نہیں کی تا وقتیکہ دوسرے شخص نے خود مجھ سے مفارقت نہ کرلی۔ جو شخص مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے، میں دانستہ دھوکے میں آجاتا ہوں۔ اور یہ ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے خبر نہیں ہوئی۔ تاکہ اُس کو اپنی چالاکی میں مزہ آئے۔ اور اپنی رائے اور نفس پر خوش ہو۔

محمد ابن امیر منذر ابن امیر محمد کی ایک مختصر نظم جو اُنھوں نے اپنی جاریہ ارا کہ کے متعلق کہی تھی مشہور ہے۔

سعید بن فرج نے عبداللہ ابن الناصر لدین اللہ کی خدمت میں سفید اور زرد چنبیلی کے پھول اور اُس کے ساتھ ایک رُباعی لکھ کر بھیجی۔ عبداللہ نے اُس کے جواب میں ایک رُباعی اُن کو لکھی اور ساتھ ہی ایک طبق درہم و دینار دونوں کو ملا کر بھیجدیا۔

(بالکل ایسی ہی حکایت افریقیہ کے ایک بادشاہ کی ہے کہ اُسکو ایک شخص نے قادس

میں سفید اور سرخ گلاب کے پھول بھیجے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ جس طبق میں وہ پھول لایا تھا وہ درہموں سے بھر کر واپس کر دیا جائے۔ بادشاہ کی چھوکریوں میں سے ایک نے کہا کہ اگر امیر کی رعایا ہو تو تحفہ کے رنگ کے ساتھ رنگ ملا دیا جائے۔ بادشاہ کو اُس کی یہ رائے بہت پسند آئی۔ اور اُس نے حکم دیا کہ طبق میں درہم و دینار دونوں ملا کر بھر دیئے جائیں۔

عبداللہ بن الناصر لدین اللہ ممدوح ایک مرتبہ ایک روز ایک ظریف فقیہ چلے جاتے تھے۔ اتفاق سے اُن کو ایک حسینہ نظر پڑی۔ عبداللہ اسکو کن انکھیوں سے دیکھنے لگے۔ اُن کے ہمراہی نے بھی دیکھ پایا اور مسکرانے لگے۔ عبداللہ بھی اُن کے تبسم سے پہچان گئے۔ اور کہنے لگے کہ "یہ حسین چہرے سخت دہوکا دینے والے ہیں۔ لیکن ہمکو چاہیئے کہ ہم اوسی میں مشغول نہو جائیں اور ایسی غفلت بھی اختیار نکریں کہ اُس کو ایک نظر دیکھیں بھی نہیں، کیونکہ یہ اُن حوروں کو یاد دلاتی ہیں جنکا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے۔" فقیہ نے کہا کہ اپنی روح کو جو جحت چاہو بنا کر بہلا لو۔" عبداللہ نے کہا کہ "اور جو کچھ حجت ہو وہ بیان فرمائیے، تاکہ میں اُسے قبول کر لوں"۔ فقیہ نے کہا کہ جس شخص کا دل ہاتھ سے نکلا جاتا ہو وہ اُس کا بوسہ لے لے۔

عبداللہ نے کہا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اس میں میرے شریک ہونا چاہتے ہو۔" فقیہ نے کہا کہ "اگر ایسا نہوتا تو میں تمکو ملامت نہ کرتا۔" عبداللہ یہ سنکر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ "تمہارے جیسے فقہا معدوم ہیں۔" اُنہوں نے جواب دیا کہ "میں صرف ادیب تھا، مگر جب میں نے دیکھا کہ قرطبہ میں بازار فقہ گرم ہے تو میں علم فقہ میں مشغول ہو گیا۔ عقل کی بات یہ ہے کہ انسان اپنی عمر ایسی چیز میں ضایع نکرے جسکی قدر اُس کے زمانہ میں نہو۔" ان عبداللہ کو زاہد کہتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے اُن کے ہاتھ پر اس ارادے سے بیعت کر لی کہ اُنکے والد الناصر لدین اللہ، اور اُن کے بھائی الحکم المستنصر ولیعہد قتل کر ڈالے جائیں۔ لیکن عید الضحی ۳۳۹ھ ہجری کو وہ خود گرفتار ہوئے اور باپ بھائی کے سامنے قتل کر ڈالے گئے۔ خدا تعالے اُن پر رحم فرمائے۔ اُن کے بھائی ابوالاصبغ عبدالعزیز بن الناصر لدین اللہ

بھی اچھے شاعر تھے۔ اُن کے اکثر کلام اب بھی محفوظ ہیں۔ یہ ابوالاصبغ شراب اور گانے کے بڑے شوقین تھے۔ آخر میں شراب سے تائب ہو گئے تھے۔ جب مستنصر کو یہ بات معلوم ہوئی تو اُنھوں نے کہا کہ خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ابوالاصبغ کو وہ ہدایت فرمائی جس کے ہم خواہشمند تھے۔ کاش وہ گانا بھی چھوڑ دیتے تو نہایت نیک آدمی ہو جاتے ابوالاصبغ کو جب یہ معلوم تو اُنھوں نے کہا کہ" واللہ گانا تو میں جب چھوڑونگا کہ چڑیاں اپنا گانا چھوڑ دیں۔

المستنصر کے بھائی محمد بن الناصر لدین اللہ بھی شاعر تھے۔

محمد بن عبدالملک بن ناصر کے باب میں حجاری لکھتے ہیں کہ الناصر لدین اللہ کی اولاد میں وہی ایک شخص تھے کہ جنکا مقابلہ شاہزادوں میں بلحاظ شاعری کوئی نہ کر سکتا تھا۔ یہی کیفیت اُن کے بھتیجے کی تھی۔ ایک مرتبہ محمد بن عبدالملک نے عزیز بادشاہ مصر کو لکھا کہ

السنا بنی مروان کیف تبدلت ۔۔۔ بنا الحال او دارت علینا الدوائر

اذا والد المولود منا تہللت ۔۔۔ له الارض واهتزت الیه المنابر

عزیز مصر نے کیا خوب جواب دیا کہ تم ہمکو جانتے تھے اس لیے تم نے ہماری ہجو کر دی اگر ہم بھی تمہیں جانتے تو تمہاری ہجو کر سکتے۔

محمد بن عبدالملک کے بھتیجے، مروان بن عبدالرحمن بن عبدالملک بن الناصر، بنو مروان میں ملاحت شعر اور حسن تشبیہ میں وہی درجہ رکھتے ہیں جو بنو عباس میں عبداللہ بن معتز کا ہے۔ اُن کے قصائد کے بعض بعض اشعار ایسے ہیں کہ جنکی نسبت نقاد یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے ہمعصر شعراء سے بہت بڑھ گئے ہیں۔ کسی کے ایسے شریں اشعار نہیں ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اُن کے اشعار دل گھر کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ بنو مروان کے ایک رئیس کے یہاں شب باش ہوئے اس رئیس نے اُن کو سونے کے پیالے میں زرد رنگ کی شراب بھر کر دی اور کہا کہ آپ پر آپ کے چچا کا بیٹا قربان ہو اسکو پی جائیے اور اس کی صفت میں کچھ فرمائیے۔ وہ ادبا

کھڑے ہو گئے اور پی کر فرمایا کہ قلم دوات کاغذ لاؤ۔ اور بیٹھتے ہی چند اشعار فی البدیہہ لیے
لکھے جو اب تک محفوظ ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب ان کے والد قتل ہوئے تو وہ اپنی اُس جاریہ
کے پاس بیٹھے ہوئے ملے جس سے اُن کو بہت محبت تھی۔ منصور ابن ابی عامر نے وہیں سے
اُن کو قید خانہ بھیج دیا۔ مدتوں اُنہوں نے مشقت قید برداشت کی، یہانتک کہ منصور نے ایک
مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو رہا کردینے
کا حکم دے رہے ہیں۔ چنانچہ اُسی وقت اُن کو چھوڑ دیا گیا۔ اُس روز سے یہ "طلیق" کہلانے لگے۔

احمد بن سلیمان بن احمد بن عبید اللہ بن عبد الرحمن الناصر لدین اللہ بھی شاعر تھے۔
اُن کی مختصر سی نظمیں ابن حزم ابو عامر ابن المظفر بن ابی عامر کے متعلق محفوظ ہیں۔

ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن الناصر لدین اللہ نے ابو مروان بن سراج کا مرثیہ لکھا ہے۔

عبید اللہ بن محمد المہدی، جو بنی مروان میں بہت خوبی کے آدمی تھے۔ اور الاقرع کر
کے مشہور تھے، بہت اچھے شاعر تھے۔ اُن کی نظمیں بھی محفوظ ہیں۔

وزیر ابن عطاف سے کسی نے کچھ طلب کیا۔ وزیر نے جواب تک سے بخل کیا۔ اس شخص
نے بطور یادِ دہانی نے ایک مختصر سا قصیدہ لکھ کر بھیجا، لیکن وزیر نے پھر بھی اُسے کچھ نہ دیا۔
اس وزیر کا ایک کاتب تھا۔ اُس نے کچھ حیلہ کر کے پچاس درم اُس کو دیدیئے۔ وزیر نے
یہ سُنکر اُس کو نکال دیا، اور کہا کہ تو کون ہوتا ہے کہ عطا یا تقسیم کرے۔ خدا کی قدرت!
چند ہی روز کے بعد وزیر مر گیا اور کاتب نے اُس کی بیوی سے شادی کر لی، وزیر کے مکان
میں اُس نے سکونت اختیار کی اور اُس کے مال و منال پر قابض ہو گیا۔ عبید اللہ بن محمد المہدی
نے جب یہ سُنا تو اُنہوں نے کوئلہ سے وزیر کی دیوار پر ایک عبرت انگیز نظم لکھدی۔

سلیمان بن المرتضی بن محمد بن عبد الملک بن الناصر لدین اللہ نہایت خوبصورت آدمی
تھے اسی وجہ سے لوگ اُن کو غزال کہا کرتے تھے۔ یہ بھی اچھے شاعر تھے بڑے خوش
خلق، خوش مذاق، بذلہ سنج، ظرفا کے قدرداں مشہور مضحک ظرافہ نامی اکثر اُن کی صحبت

میں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ بہت سے آدمی اُن کے یہاں جمع تھے۔ سب ایک کھیل کھیلنے لگے جس میں جوڑی جوڑی بننے کی ضرورت تھی۔ سلیمان کا کوئی ساتھی نہ ملا۔ اُنہوں نے کہا کہ میرا ساتھی کون بنے گا۔ زرفہ نے کہا کہ حضور بھلا غزال کا ساتھی سوا زرافہ (اشترگاؤپلنگ) کے اور کون ہو سکتا ہے"۔ یہ سُنکر سلیمان اپنی عادت کے موافق ہنس پڑے۔

ایک روز سلیمان اپنے قصر کے چبوترے پر کھڑے تھے۔ اون دنوں اُن کی مسین بھیگ رہی تھیں۔ زرافہ بھی وہاں آنکلا۔ سلیمان نے کہا کہ زرافہ کیا چاہتا ہے۔ زرافہ نے اُن کے گالوں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ نرم نرم گھاس۔ اُنہوں نے ہنس کر کہا کہ خدا تجھکو کھوئے! تجھسے تو بات کرنا بھی بے عزتی کرانی ہے"!

سعید بن محمد المروانی کے متعلق منصور ابن ابی عامر کو کوئی خبر پہنچی تھی جسکی وجہ سے منصور اُن سے ناراض ہوگئے۔ ایک روز بہت سے آدمی منصور کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ سعید بھی پہنچے۔ اور اُنہوں نے یہ دو شعر پڑھے۔

مولای مولای اما آن ان ۔۔۔ تزیحنی باللہ من ہجرکا
وکیف بالہجر وانی بہ ۔۔۔ ولم ازل اسبح فی بحرکا

منصور یہ سُنکر باوجود اپنے وقار کے ہنس پڑے، اور کھڑے ہوکر سعید سے بغل گیر ہوئے اور اُن کا قصور معاف کر دیا۔ سعید کے اور بھی اشعار مشہور ہیں۔

قاسم بن محمد المروانی کچھ کہہ بیٹھے تھے۔ منصور ابن ابی عامر نے اُن کو قید کر دیا۔ اُنہوں نے تین اشعار لکھ کر بھیجدیئے۔ جنکو سُنکر منصور نے اُن کو رہا کر دیا۔

اصم المروانی نے امیر المومنین عبد المومن بن علی کی مدح میں جبل الفتح پر ایک قصیدہ، ابو تمام کے قصیدہ بائیہ کی زمین میں لکھ کر بھیجا یہ قصیدہ ادب کا ایک نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ اُن کے اور اشعار بھی محفوظ ہیں۔

سلیمان بن عبد الملک الاموی بھی اچھے شاعر تھے۔

بنو مروان رحمہم اللہ تعالےٰ کے حالات ہم یہاں ختم کرتے ہیں۔ اور عوام اہل اندلس کے حالات لکھنا شروع کرتے ہیں۔ ابوالحجاج المنصفی نے وصیت کی تھی کہ اُن کی قبر پر یہ دو شعر لکھے جائیں

قالت لی النفس اتاک الردی وانت فی بحر الخطایا مقیم

ھلا ادخرت الزاد قلت اقصری لا یحمل الزاد لدار الکریم

اگر اہل اندلس کی تصنیف سے کوئی کتاب بھی سوا کتاب مشنزورالذہب کے نہ ہوتی تو یہی ایک کتاب اُن کی بلاغت کی کافی دلیل تھی۔ اس کے مصنف علی بن موسیٰ بن علی بن محمد بن خلف ابوالحسن الانصاری الجیانی تھے۔ انہوں نے فاس میں سکونت اختیار کی تھی۔ اور وہاں کے خطیب مقرر ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی شخص نے از روئے بلاغت معانی و فصاحت الفاظ و شیرینی تراکیب ایسی کوئی نظم نہیں لکھی جیسی علی بن موسیٰ کی ہیں۔ اُن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ شاعر الحکما ہیں، اور حکیم الشعرا ۵۹۳ھ ہجری میں اُنکا انتقال ہوا۔

ابو عبداللہ الجزیری اپنے بادشاہ کے خوف سے بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ ایک روز وہ قلعہ تولیہ میں، جو علاقہ شہر لبطہ میں واقع ہے، پہنچے۔ قلعہ کی مسجد میں گئے تو اُن کے ساتھیوں نے خربوزہ کھانا شروع کیا۔ اور اُس کے چھلکے صحن مسجد میں پھینک دیئے عوام الناس میں سے ایک شخص کو یہ بات بہت ناپسند ہوئی۔ اور اُس نے ان سب سے کہا کہ تم لوگوں کو خدا کا خوف نہیں آتا کہ اُس کے گھروں میں سے ایک کو اس طرح گندہ کر رہے ہو۔ یہ سنکر وہ سب ہنس پڑے اور اُنہیں پر مذاق اُڑانے لگے۔ اس نواح کے لوگ مسجد کی ذراسی بھی بے حرمتی نہ دیکھ سکتے تھے۔ وہ شخص ذرا آواز بلند سے بولا تو بہت سے آدمی جمع ہو گئے۔ اور اُن سب کو پکڑ کر وہاں کے والی کے پاس لے گئے۔ اتفاق سے والی کے پاس ایک ایسا شخص بیٹھا تھا جو اُن سب کو پہچان گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب قتل کر ڈالے گئے۔ اور الناصر نے حکم دیا کہ اس ضلع میں اُس علاقہ کے تمام محاصل سلطانی معاف کر دیئے جائیں۔

لسان الدین ابن خطیب رحمہ اللہ تعالےٰ نے لکھا ہے کہ میں سنہ ۷۶۱ ہجری معتمد بن عباد کی قبر پر پہنچا جو شہر اغمات میں ہے۔ میں نے دیکھا کہ اُن کی قبر ایک بلند جگہ پر واقع ہے۔ تمام قبر پر ایک بیری کا درخت چھایا ہوا تھا۔ اُن کے پہلو میں اعتماد کی قبر ہے۔ دونوں قبروں پر ایک عجیب اداسی اور غربت وطن برستی تھی۔ صاحب قبر کی علو شان وصولت سلطنت کا خیال کر کے میرے آنسو نکل پڑے۔ (مقری کہتے ہیں کہ) میں نے سنہ ۱۰۱۰ ہجری میں معتمد بن عباد کی قبر اُسی ہیئت کے ساتھ دیکھی تھی جو وزیر لسان الدین نے لکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک وہی ذات پاک ایسی ہے کہ جس کے ملک کو کبھی زوال نہیں ہوتا۔ بے شک سوا اُس کے اور کوئی خدا نہیں ہے۔

حافظ الاندلس، امام الادباء، رئیس المولفین جسنتہ الزماں، نادرۃ الاحسان، ابو محمد عبداللہ بن ابراہیم الصنہاجی الحجاری، صاحب کتاب المسہب، کی عبدالملک بن سعید، جد علی بن موسیٰ صاحب المغرب سے ملنے کی تقریب یوں بیان کی جاتی ہے کہ عبدالملک اپنے قلعہ میں تھے کہ الحجاری دیہاتی لباس میں دروازہ پر پہنچے، اور دربانوں سے کہا کہ سپہ سالار سے میری اطلاع کر دو۔ اُنھوں نے اُن پر مذاق اُڑایا اور کہنے لگے کہ بھلا سپہ سالار کو اسوقت سوا تمھارے کوئی ایسا آدمی مل سکتا ہے کہ جو اُن کے پاس جائے؟" الحجاری نے اپنی خورجی میں سے دوات قلم نکال کر لکھا کہ "سپہ سالار کے دروازے پر ایک شخص شلب سے آیا ہوا کھڑا ہے اُس کے پاس ایک قصیدہ ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

هلیك احالنی الذکر الجمیل

اگر آپ چاہیں کہ اپنے شہر شلب سے چھپے رہیں، اور یہ قصیدہ بھی نہ سنیں تو میں واپس جاتا ہوں۔" سپہ سالار نے یہ رقعہ پڑھ کر کہا کہ یہ شخص ہمارے شہر شلب کا رہنے والا ہے، اور قصیدہ لیکر آیا ہے۔ یقیناً اس میں کوئی بات ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ وزیر ابن

عماری ہوں۔ یہ کہکر اُنہوں نے دربان سے کہا کہ فوراً اُن کو اندر آنے دو۔ عجاری گئے تو نہ کسی کو سلام کیا نہ کسی سے بولے، کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ یہ بات حاضرین کو ناگوار ہوئی اور کہنے لگے کہ یہ شخص جاہل اور بے ادب ہے۔ آخر ایک شخص نے کہا کہ "تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے سپہ سالار کو سلام نہیں کیا؟ حالانکہ تم شعرا، اور ادبا کے جلسہ میں کھڑے ہو"
عجاری نے کہا کہ "یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ جتنا تم نے مجھے دروازہ پر کھڑا رکھ کر کمینوں کے ہاتھوں شرمندہ کیا ہے۔ اتنا ہی تم لوگ شرمندہ ہو جاؤ۔ نیز جس فضول حاشیہ نشین کو سپہ سالار کے مزاج میں درخور ہے اُس کا پتہ بھی بتلا دو۔ ایسا ہو کہ مجھے اُسکی بھی خوشامد کرنی پڑ جائے
سپہ سالار عبدالملک نے کہا کہ کیا تم ہم کو سفیہوں کے فعل کے بدلے میں ماخوذ کرتے ہو"
عجاری نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ میں تو تمام دنیا کا قصور معاف کرتا ہوں۔ میں تو صرف آپ جیسے شخص سے باتیں کرنے کی تقریب ڈھونڈھتا تھا تاکہ کچھ مجھے آپ سے اُنس ہو۔ اور آپ کا رعب اُٹھ جائے۔ یہ کہکر اُنہوں نے اپنا طویل قصیدہ فی البدیہہ پڑھنا شروع کیا جسکو سُنکر سپہ سالار نے اُنکا نہایت اکرام کیا۔ خداء تعالےٰ اُن سب پر رحم کرے۔

ادیب النحوی، ہذیل الاشبیلی ایک روز اپنے مکان سے نکلے تو اُنہوں نے دیکھا کہ ایک فقیر ننگے بدن کھڑا ہوا چیخ رہا ہے کہ میں سردی اور بھوک سے مرا جاتا ہوں۔ ہذیل نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر دھوپ میں کھڑا کر دیا اور کہا کہ "لے! خداء تعالےٰ نے تجھے سردی سے تو محفوظ کر دیا۔ اب بھوک کی شکایت کر۔

ایک روز معتمد بن عباد رات کو اپنے وزیر ابن عمار کے ساتھ باہر نکلے۔ ایک بوڑھے آدمی کے دروازے پر پہنچے جسکی نسبت مشہور تھا کہ وہ ایسا خوش مذاق ہے کہ روتوں کو ہنساتا ہے۔ معتمد نے وزیر سے کہا کہ آؤ اس بڈھے سے ذرا ہنسیں بولیں۔ چنانچہ دونوں نے اُسکے دروازے پر دستک دی۔ بڈھے نے کہا کہ کون ہے۔ معتمد نے کہا کہ میں بھی آدمی ہوں۔ ذرا مہربانی کر کے میرا چراغ جلا دو۔ اُس نے کہا کہ "اگر اسوقت بادشاہ وقت معتمد بن عباد بھی آکر میرا

دروازہ کھٹکھٹائے تو بھی میں کبھی نہ کھولوں" معتمد نے کہا کہ میں معتمد بن عباد ہی ہوں۔ بڈھے نے کہا کہ" لگاؤ اس کے ایک ہزار جوتیاں" ابن عباد یہ سنکر اتنا ہنسا کہ قریب تھا کہ زمین پر گر پڑے اور وزیر سے کہا کہ لو یہاں سے چل دو ایسا نہو کہ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے کر دکھلائے۔ اور ہمیں جوتیاں کھانے پڑیں۔

دوسرے روز صبح کو معتمد نے ایک ہزار درم اُس بڈھے کے پاس بھیج دیئے، اور کہلا بھیجا کہ اُن ہزار جوتیوں کا بدلہ ہے جن کا رات ذکر تھا۔

معتمد کے زمانہ میں ایک مشہور چور تھا، جس کو باز شہب کہتے تھے۔ اُس کو چوری کرنے میں بڑا کمال حاصل تھا۔ یہ شخص ہمیشہ اہل بادیہ کی چوری کیا کرتا تھا۔ مشہور ہے کہ اُس نے ایسی حالت میں بھی چوری نہ چھوڑی جبکہ وہ مصلوب تھا۔ کیونکہ معتمد نے حکم دیا تھا کہ اہل بادیہ کی گزرگاہ پر اس کو صلیب پر چڑھا دیا جائے۔ تاکہ سب کو اُس کو مصلوب ہونا معلوم ہو جائے۔ وہ ٹنگا ہوا تھا کہ اُس کی بیوی اور لڑکیاں آکر اُس کے گرد بیٹھ گئیں اور رونے، اور بین کرنے لگیں کہ ہم کو کس پر چھوڑے جاتے ہو۔ اتفاق سے ایک بدوی ایک خچر پر سوار وہاں سے گزرا۔ بہت سے کپڑے اور اسباب بھی اُس خچر پر لدا ہوا تھا۔ اُس کو دیکھکر باز شہب چیخ اُٹھا کہ میاں جانے والے! ذرا دیکھنا کہ میں کس حال میں ہوں۔ مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ جس میں میرا اور تمہارا دونوں کا فائدہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب مجھے پولیس والوں نے پکڑا ہے تو میرے پاس سو دینار تھے۔ وہ میں نے اس کوئے میں ڈال دیئے ہیں۔ یہ نکال لو تو آدھے تمہارے آدھے میرے بال بچوں کے۔ جب تک تم نکالو گے تب تک تمہارے خچر کی حفاظت میری بیوی کرے گی"۔ بدوی ایک رسی کے سہارے سے کوئے میں اُترنے لگا تو اوپر سے اُسکی بیوی نے رسی کاٹ دی۔ بیچاری بدوی سخت حیران ہو کر چیخنے لگا۔ اُدہر اُس کی بیوی اور لڑکیاں خچر لے کر چلدیں۔ اگرچہ گرمی کا موسم تھا مگر اتفاق سے کسی شخص نے بدوی کی چیخ پکار سن لی۔ ورنہ وہ غائب ہی ہو جاتیں۔ بدوی کو کوئے سے نکالا تو اُس نے تمام قصہ بیان

کیا اسکی اطلاع معتمد تک پہنچی تو اُس نے باز شہب کو حاضر کرایا۔ اور پوچھا کہ آخر یہ کیا کیا؟
باز شہب نے کہا کہ "جتنی لذت مجھے چوری میں آتی ہے اگر حضور کو آئے تو سلطنت پر لات مار کر چوری پیشہ ہی اختیار فرما لیتے"۔ معتمد یہ سُنکر ہنس پڑے۔ اور اُس کو لعنت ملامت کر کے کہا کہ "اگر ہم تمہاری کچھ تنخواہ مقرر کر دیں، اور پچھلے قصور معاف کر دیں تو تم اس پیشۂ ذمیمہ سے توبہ کر لوگے"۔ باز شہب نے کہا کہ "ضرور توبہ کر لونگا کیونکہ اس سے میری جان بچتی ہے"۔ معتمد نے اُس کو چوکیداروں کا جمعدار مقرر کر دیا اور اُس نے چوری چھوڑ دی۔
محمد بن احمد بن ابی بکر القرموطی المرسی اندلس کے مشہور ترین لوگوں میں سے تھے۔ اُن کو علوم قدیمہ، منطق، ہندسہ، ریاضی، موسیقی، اور طب میں دستگاہ کامل حاصل تھی۔ علم کے لحاظ سے وہ اپنے زمانہ میں اندلس میں خدائے تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تھے۔ مختلف ممالک کے لوگ اُن کے پاس مختلف فنون پڑھنے آتے تھے۔ وہ اُن کو اُنھی کی زبان میں تعلیم دیتے تھے جب عیسائیوں نے مرسیہ پر غلبہ پایا تو اُن کے بادشاہ نے اُنکا حال معلوم کر کے اُن کی بڑی قدر کی اور اُن کے لئے ایک مدرسہ بنوادیا، جس میں وہ مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے اُن سے کہا کہ اگر تم عیسائی ہو جاؤ، اور اس دین میں کمال حاصل کر لو تو میں تمہیں فلاں فلاں عطیات دونگا۔ اور تمہاری قدر و منزلت اور بڑھا دونگا۔ اُسوقت تو اُنھوں نے کچھ کہہ کر ٹال دیا۔ لیکن بادشاہ کے پاس سے نکل کر اپنے دوستوں سے کہا کہ "میں تمام عمر ایک خدا کی پرستش کرتا رہا۔ اور اُس کا حق عبادت نہ ادا کر سکا۔ اب اگر میں تین خداؤں کو پوجنے لگوں تو میرا کیا حال ہوگا"؟

اہل اندلس کے دوران میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن عورتوں کے حالات بھی بیان کر دیئے جائیں جنکو بلاغت میں یدطولٰے حاصل تھا۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ انتہا درجہ قابلیت اہل اندلس کی سرشت میں داخل تھی۔ یہانتک کہ وہاں کی عورتیں اور بچے بھی لایق ہی ہوتے ہیں۔
ام السعد بنت عصام الحمیری۔ قرطبہ کی رہنے والی تھیں، اور سعدونہ کہلاتی تھیں۔

ابن الابار نے اپنی کتاب میں اُن کے حالات کے ذیل میں لکھا ہے کہ اُنھوں نے اپنے والد اور دادا سے حدیث کی روایت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کے متعلق ان کی ایک نظم نہایت اچھی اور بہت مشہور ہے۔ اس کے علاوہ اُن کی اور نظمیں بھی شہرت رکھتی ہیں۔

حسانۃ التمیمہ بنت ابی الحسین شاعر، علم ادب و شعر میں مشہور رہیں جب اُن کے والد نے انتقال کیا ہے تو اُن کی شادی نہوئی تھی۔ الحکم کو اُنھوں نے اپنے والد کے انتقال کی خبر اور استدعا امداد میں ایک نظم میں کی تھی۔ الحکم نے اُن کو پڑھکر بہت داد دی، اُن کا وظیفہ مقرر کردیا اور بیرہ کے عامل کو لکھا کہ اُن کو اچھا سا جہیز دیا جائے۔ کہتے ہیں کہ حسانہ نے حکم کے جانشین۔ عبدالرحمن کے پاس شکیہ میں ایک وفد اس غرض سے بھیجا کہ وہ اُن کے عامل جابر بن لبید، والی بیرہ، کی شکایت کرے۔ مگر اس وفد کو بار نہ ملا۔ آخر وہ خود گئیں، اور اپنے ساتھ وہ وثیقہ لیتی گئیں جو حکم نے اپنے دست خاص سے اُن کو جاگیرات عطا کرتے وقت لکھ کر دیا تھا وہ کسی مقام پر جا ٹھہریں، اور کسی طرح حرم شاہی میں دخل حاصل کیا۔ اور جب بادشاہ کو حالت طرب و سرور میں دیکھا تو خود حاضر ہوئیں، اپنے آپ کو جتلایا۔ اور اپنے باپ کا ذکر کر کے ایک نہایت لطیف نظم، اپنی ہی تصنیف کردہ، پڑھی۔ اور پھر اُن کے سامنے اُن کے والد حکم کا وثیقہ پیش کیا؛ اور اپنی شکایات بیان کیں جنکو سنکر بادشاہ کو اُن پر رحم آگیا۔ باپ کی تحریر لیکر چوما اور سر پر رکھا اور کہا کہ "افسوس ہے کہ ابن لبید نے تم پر اس طرح سختی کی کہ اُس نے میرے باپ حکم کے احکام توڑ ڈالا۔ حالانکہ اُن کے انتقال کے بعد ہمیں اُن کے عہود و مواثیق کی پابندی کرنی چاہیئے تھی حسانہ! تم واپس جاؤ۔ ہم تمہاری خاطر سے اُس کو معزول کیئے دیتے ہیں"۔ یہ کہکر اُن کو کچھ عطیات دیئے۔ اور باپ کی طرح ایک توقیع لکھ کر اُن کو دیدی۔ حسانہ اُن کی دست بوسی کر کے چلی گئیں، اور اپنے مقام سے جا کر ایک زوردار قصیدہ لکھ کر بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔

ام العلاء بنت یوسف الحجاریہ۔ کو صاحب المغرب نے شاعرات کی ذیل میں لکھا ہے اور اُن کے بعض اشعار بھی لکھے ہیں۔ اُن کے قول کے موافق یہ پانچویں صدی میں گزری ہیں۔ حجاریہ نسبت ہے وادی الحجارہ کی طرف۔

امۃ العزیز۔ حافظ ابو الخطاب ابن وحیہ نے اپنی کتاب المطرب من اشعار العرب میں انکے اشعار نقل کئے ہیں۔ ام الکرام بنت المعتصم بن صمادح بادشاہ مریہ۔ ابن سعید نے مغرب میں لکھا ہے کہ یہ شعر کہا کرتی تھیں۔ ایک صاحب جمال شخص پر، جو سمار کہلاتا تھا، عاشق ہوئی تھیں، اُن ہی کے متعلق اُن کے بہت سے اشعار مشہور ہیں۔

شاعرۃ الغسانیہ البجانیۃ۔ بجانہ کی طرف منسوب ہیں جو اقلیم مریہ میں مشہور جگہ ہے۔ یہ چوتھی صدی کی ہیں۔ ان کے بہت سے اشعار مشہور ہیں۔

العروضیۃ، مولاۃ ابو المطرف عبدالرحمٰن بن غلبون الکلب بلنسیہ کی رہنے والی، ابو المطرف کی کنیز تھیں۔ اپنے آقا سے نحو و لغت حاصل کیا، اور اُستاد سے بڑھ گئیں عروض میں خاص کر بہت فائق ہوئیں۔ مبرد کی کامل اور قالی کی نوادر حفظ یاد تھیں، اور دونوں کی شرح کرتی تھیں۔ ابو داؤد سلیمان بن نجاح کہتے ہیں کہ میں نے یہ دونوں کتابیں اُن سے پڑھی ہیں اور عروض بھی اُن ہی سے حاصل کیا ہے۔ اپنے آقا کے بعد دانیہ میں ۴۵۰ھ ہجری میں انتقال کیا۔ خدا تعالےٰ اُن پر رحم کرے۔

حفصہ بنت الحاج الرکونیہ۔ شاعرہ وادیہ تھیں۔ جمال، حسب اور مال میں مشہور تھیں ملاحی نے اپنی تاریخ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ امیر المومنین عبدالمومن ابن علی کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا جس کا آخری شعر یہ ہے۔

تخط یمناک فیہ الحمد للہ وحدہ

آخری مصرعہ میں اشارہ ہے علامت سلطانیہ کی طرف یعنی سلاطین موحدین کا یہ قاعدہ تھا کہ اگر سلطان کوئی منشور اپنے قلم سے لکھتا تو موٹے قلم سے پیشانی پر الحمد اللہ وحدہٗ لکھا کرتا تھا۔

سید ابو سعید عبد المومن بادشاہ غرناطہ کو ان سے تعلق خاطر تھا۔ اُدھر ابو جعفر بن سعید کی اُن پر جان جاتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قتل کئے گئے۔ ان دونوں کی خط و کتابت منظوم قابل دید ہے، اور اب تک محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ اُن کی اکثر نظمیں اور بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس پایہ کے شاعرہ تھیں۔ ابو جعفر خود بہت بڑے شاعر تھے۔ چنانچہ المغرب میں اُن کی نسبت لکھا ہے کہ بنی سعد میں اُن سے بڑھ کر کوئی شاعر نہیں ہوا۔ بلکہ اُس شہر بھر میں ویسا شاعر نہ تھا۔ حفصہ شاعرہ اندلس اون پر عاشق تھیں۔ صولت بنی عبد المومن کی وجہ سے جب اہل اندلس نے ملثمین پر چڑھائی کی تو اُن کو بجبر وزیر بنا دیا۔ اُنہوں نے استعفا دیا تو وہ منظور نہ کیا گیا۔ جب عبد الملک بن سعید نے عبد المومن سے بیعت کر لی تو سید ابو سعید بن عبد المومن کو غرناطہ کا حاکم مقرر کیا۔ ایک لائق کاتب کی ضرورت ہوئی تو لوگوں نے ابو جعفر کی فضیلت و حسب و ادب کی تعریفیں کیں جس پر یہی کاتب مقرر ہوئے۔ مگر اُنہوں نے استعفا دیدیا۔ مگر منظور نہوا۔ ایک روز ابو جعفر نے اپنے بعض خواص کے ساتھ شراب پی۔ اور دوسرے روز شکار کو گئے اُس روز ابر تھا اور سردی تھی۔ جب سردی زیادہ ہوئی تو سب لوگ خیموں میں چلے گئے اور وہاں شکار کھایا۔ ابو جعفر نے پھر شراب پی۔ اور حسب حال ایک نظم کہی جس میں اپنی کتابت کے تقرر اور اپنی آزادی کی خواہش کا بھی ذکر تھا۔ اُنکے دوستوں میں سے ایک نے یہ نظم یاد کر لی اور سید ابو سعید کے سامنے جا کر اُسکو پڑھا۔ جس پر سید نے اُن کو معزول کر دیا۔ اس کے بعد ابو جعفر کو معلوم ہوا کہ سید نے حفصہ شاعرہ سے کہا کہ تم اس حبشی پر کیوں مرتے ہو (ابو جعفر کا رنگ کالا تھا۔) میں تم کو اُس سے بہتر دس غلام بازار سے خرید کر کے دے سکتا ہوں۔ یہ بات ابو جعفر نے اپنے دل میں رکھی۔ یہانتک کہ عبد الرحمن بن عبد الملک ابن سعید بھاگ کر محمد بن مردنیش بادشاہ شرق اندلس کے پاس گئے۔ وہاں مالقہ میں وہ قتل کر دیئے گئے۔ عبد الملک بن سعید اپنے بیٹے ابو جعفر کا ذکر عبد المومن سے کیا کرتے تھے۔ اور اُن کے اشعار پڑھا کرتے تھے۔ تاکہ عبد المومن

تو ان سے سرف کا خیال پیدا ہو، اور وہ اُن کو طلب کرلیں۔ آخر ایک روز وہ طلب کئے گئے
ابو جعفر نے حاضر ہو کر اُن کی دست بوسی کی اور ایک لطیف نظم پڑھی۔

ابو جعفر کے حالات بہت طویل ہیں جنکو ہم چھوڑتے ہیں۔

ولادہ بنت المستکفی باللہ محمد بن عبدالرحمن ابن عبیداللہ بن الناصر لدین اللہ اندلس کی نہایت مشہور عورتوں میں سے ہیں۔ اپنے زمانہ میں یکتا، اور قابلیت کے لحاظ سے مشارٌ الیہا تھیں۔ اگرچہ اُن کے اشعار بہت واشگافانہ ہوتے تھے۔ مگر باوجود اس کے صیانت و عفاف میں مشہور تھیں۔ ان کے متعلق ابن زیدون نے بہت سے قصائد و قطعات لکھے ہیں۔ ان ہی کے سبب سے ابن عبدوس نے وہ مشہور رسالہ لکھا ہے جسکی جمال بن نباتہ اور صفدی وغیرہ جیسے علماء مشرق نے شرحیں لکھی ہیں۔ اس رسالہ میں ایسی ایسی تلمیحات و نوادر ہیں کہ ان سے بڑھکر اور نہیں ہو سکتیں۔ ابن بشکوال نے اپنی کتاب صلہ میں اُن کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ "وہ ادیبہ تھیں۔ شاعرہ تھیں پرگو۔ بہت خوب شعر کہتی تھیں۔ شعراء سے علم شعر و سخن میں بحث کرتی تھیں اور بازی لیجاتی تھیں۔ ادباء سے مفاخرت کرتی تھیں اور گوئے سبقت لے جاتی تھیں۔ اُنہوں نے طویل عمر پائی۔ تمام عمر شادی نہیں کی ۲ صفر سنہ ۴۸۰ھ بقولے سنہ ۴۸۴ھ ہجری میں وفات پائی۔ خدا تعالے اُن پر رحم کرے۔" جب اہل قرطبہ نے المستظہر سے خلع کیا تو اُن کے والد المستکفی سے بیعت کی تھی۔ جیسا کہ ہم نے کسی اور مقام پر ذکر کیا ہے۔ ان کے والد گوشہ نشین اور خاموش آدمی تھے۔ مگر اُن کی صاحبزادی ادب و ظرف میں آفتاب تھیں، کہ جسکی شعاعیں ہر طرف پہونچتی تھیں۔ ان کی مجلس قرطبہ اور دیگر شہروں کے اہل علم و شعراء کا ملجا و ماویٰ تھی۔ اہل ادب کی آنکھیں اُن کے علم و ادب سے چوندھیا جاتی تھیں۔ شعراء اور کتاب اُن کی حلاوت اشعار کے قائل تھے۔

المغرب میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ ممالک مغربیہ میں اُن کا وہی درجہ ہے۔ جو علیہ کا ممالک شرقیہ میں۔ بلکہ ان میں یہ زیادتی تھی کہ یہ حسن فائق رکھتی تھیں، اور ادب و شعر و نوادر میں علیہ

سے کچھ بھی کم نہیں تھیں۔ موسیقی بھی جانتی تھیں۔ قرطبہ کے ادبا، وظرفا، اُن کی مجلس میں آکر عش عش کرنے لگتے تھے۔

اعتماد۔ معتمد بن عباد کی جاریہ اور اُن کی اولاد کی والدہ، المشہور بہ رمیکیہ۔ مسہب مغرب میں ہے کہ ایک مرتبہ معتمد بن عباد اپنے وزیر ابن عمار کے ساتھ کشتی میں سیر کر رہے تھے۔ ہوا دریا کے پانی کو حلقہ در حلقہ بنا رہی تھی۔ اسکو دیکھ کر معتمد کی زبان سے یہ مصرعہ فی البدیہہ نکلا۔ صنع الریح من الماء زرد" اور اُنہوں نے اپنے وزیر سے اس پر مصرعہ لگانے کو کہا۔ وزیر بہت دیر تک غور کرتے رہے۔ اتفاق سے وہیں کشتی پر اُن کی ایک کنیز تھی وہ بول اُٹھی "ای درع لقتال لو جمد" معتمد اس کنیزک کی حاضر جوابی پر سخت متعجب ہوئے، خصوصاً اس لئے کہ وزیر ابن عمار مصرعہ لگانے سے عاجز رہے۔ کنیز کو دیکھا تو وہ خوبصورت تھی، پوچھا کہ اُس کی شادی ہو چکی ہے یا نہیں۔ جب معلوم ہوا کہ نہیں ہوئی۔ تو اُس سے نکاح کر لیا۔ اس سے کئی اولادیں ہوئیں جو بڑے ہو کر بادشاہ ہوئے۔ خدا تعالےٰ ان سب پر رحم فرمائے۔

رمیکیہ کے فقرات جوادب کی جان ہیں اکثر مشہور ہیں۔ چند مثالیں ذیل میں درج ہیں۔

جب معتمد نے خلع کیا، اور اغمات میں قید کئے گئے تو رمیکیہ نے اُن سے کہا کہ "یا سیدی منا ہنا دہنا ہنا" (یہاں بلا ہے) کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ معتمد بیمار ہوئے تو رمیکیہ نے کہا کہ "یا سیدی مالنا قدرۃ علی مرضاتک فی مرضاتک" (آپ کی بیماری میں ہم آپ کو خوش نہیں رکھ سکتے)۔

وزیر ابن عمار نے جب اپنا مشہور قصیدۂ لامیہ معتمد اور رمیکیہ کے متعلق کہا تو معتمد کو رمیکیہ نے غیرت دلائی جس پر اُنہوں ایک تبر سے اُسکو قتل کرا دیا۔ اُس کا سر پھٹ گیا تو تبر اُس کے سر ہی میں چھوڑ دیا گیا۔ رمیکیہ نے اُسکو دیکھکر کہا کہ "لو! ابن عمار ہُدہُد بن گیا"۔

معتمد کے متعلق فتح میں بعد از کلام طویل لکھا ہے کہ اس تو لع میں بچھو پھیلتے رہی۔ سخت ہوائیں چلتی رہیں، آگ جلتی رہی، دار و گیر قائم رہی، عذر بڑھتا رہا، یہانتک کہ دشمن جنگل کی راہ

سے شہر میں داخل ہوگیا۔ اور اپنے مکروہات سے شہر کو تنگ بنا دیا۔ زمانہ اپنے تمام مکاید لیکر سامنے آگیا۔ معتمد اپنی لذات میں مصروف اپنی کنیزکوں میں مشغول، اور ملک پر جو کچھ مصیبت پڑنے والی تھی اُس سے غافل تھے۔ دشمن جب شہر میں پھیل گئے، اور انہوں نے تمام قومی آدمیوں اور شمشیر زنوں کو سست کردیا۔ موت اپنے گوشۂ چشم سے آتش حرب کو بھڑکا رہی تھی۔
جس کا سماں الفاظ نہیں بیان کر سکتے۔ معتمد اُس وقت اپنے قصر سے نکلے کہ جب دشمنوں سے قصر کا چوک بھرا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے ایک قیامت برپا کی ہوئی تھی، نہر تک پہنچ چکے تھے۔ معتمد نے یہ حال دیکھکر یقین کرلیا کہ میرا وقت اخیر ہے، اور ملک میرے ہاتھوں میں نہیں رہ سکتا وہ فوراً قصر میں واپس چلے گئے۔ ایک دن اور ایک رات وہیں رہے۔ اور دشمنوں کو اپنے تک پہنچنے سے روکتے رہے۔ اور اپنی عزت کو ذلت سے نہ تبدیل ہونے دیا لیکن آخر بدترین وقت کے لیے تیار ہوگئے۔ بجبر قصر کو چھوڑا، اور فوراً پابجولاں کیے گئے۔ پھر اُن کے اہل وعیال اور کنیزکوں کے ساتھ مردہ بدست زندہ کی صورت ایک جگہ جمع کیے گئے۔ قصر گویا اُن کے لیے تنگ ہوچکا تھا اور زمانہ اُن کا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ عوام الناس وادی میں جمع ہوگئے، اور اپنے نوحوں سے میدان حشر کا نمونہ بنا دیا۔ آخر انہی نالہ و بکا میں لٹا ہوا قافلہ وہاں سے روانہ ہوگیا۔

ابن اللبانہ نے اپنی کتاب نظم السلوک فی مواعظ الملوک میں اخبار دولت عبادیہ کی ذیل میں لکھا ہے کہ معتمد کے آدمیوں میں سے ایک گروہ نے اُن کے حرم کی ہتک کرنی، اور اُن کی جان لینی چاہی۔ لیکن خدا تعالے نے جو اُن کو صحت دین اور حسن یقین عطا فرمایا تھا۔ اُس کی برکت سے اُن کو محفوظ رکھا۔ وہ شمشیر بکف قصر سے نکل آئے۔ شہر کے ایک دروازہ پر اُن کو ایک سوار ملا، جو اپنی بہادری میں مشہور تھا۔ اُس نے اُن پر حملہ کیا۔ خدا تعالے نے اُن کو اُس کے ہاتھ سے بھی بچایا۔ انہوں نے اُس کے تلوار کا ایک ایسا ہاتھ دیا کہ وہ وہیں چکر کھا کر زمین پر آرہا۔ جو لوگ کہ فصیل پر کھڑے تھے وہ یہ حال دیکھ کر نیچے کود گئے۔ اور دروازۂ شہر بند کرکے کسی دوسرے راستے سے چلتے بنے؛ اور خوف نے اون کو کسی اور

مقام پر پہنچا دیا۔ ہمنے سمجھا کہ شہر اُن کی گندگیوں سے پاک ہوگیا۔ اور جامۂ امن داماں میں ہم پھر چھپ سکئے۔ مگر یکشنبہ ۲۱ رجب کو واقعات سے نئے اور ہی صورت اختیار کی۔ پیوند لگانے والے کپڑا اور بھی پھٹ گیا۔ دشمن وادی کی طرف سے شہر میں گھس آیا۔ اور وہاں کے باشندوں کو بیاباں کا مزہ چکھا دیا۔ معتمد نے دشمن کے اندفاع میں پوری داد بسالت دی، اور گویا خود کو موت کے منہ میں دیدیا۔ مگر دشمن نے بھی چھوٹے بڑے کسیکو نہیں دیکھا اور قتل عام برپا کر دیا۔ مرد اپنے مکانوں سے اس طرح نکلے کہ اپنے شرمگاہوں کو اپنے ہاتھوں سے چھپائے ہوئے تھے، عورتیں کھلے منہ تھیں۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ لوگ نشہ میں ہیں۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ تھے۔ معتمد اور اُن کی آل و اولاد کا تمام اسباب لوٹ لیا گیا، حتےٰ کہ زادراہ بھی نہ چھوڑا گیا اور وہ اغمات کی طرف روانہ کر دیئے گئے۔ اور وہاں ۴۸۸ھ ہجری تک قید رہے۔

جب بعد از خلع معتمد اغمات میں پہنچے ہیں تو اُنہوں نے حوا، بنت تاشفین سے عاریتًا ایک خمار مانگا تو اُنہوں نے یہ عذر کر بھیجا کہ میرے پاس خمار نہیں ہے!

مالقہ میں ایک بڑا آدمی ابن خلف نامی پکڑا گیا اور اپنے رفیقوں سمیت قید کر دیا گیا۔ ان لوگوں نے قیدخانہ میں نقب لگائی۔ وہاں سے نکل کر راتوں رات قلعہ منت میور میں پہنچ گئے، اور قلعہ دار کو نکال باہر کر دیا۔ مگر اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ ابھی وہ اسی میں مشغول تھے کہ وہاں ایک شخص ظاہر ہوا۔ دریافت کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ وہ عبدالجبار بن معتمد ہے، تو اُسکو اپنے اوپر حاکم بنا لیا۔ مگر لوگوں نے یہ خیال کیا کہ وہ الراضی ہے۔ غرض یہ قلعہ ہی میں تھے کہ غرب سے ایک جہاز مرکب ابن الزرقا نامی بندرشجرہ پر آکر ٹھیرا جو قلعہ کے قریب واقع تھا۔ اس جہاز میں جو طبل و علم اور سامان اسلحہ وغیرہ تھا وہ سب قلعہ میں منتقل کر لیا گیا۔ جس سے اہل قلعہ کی حالت بہتر ہوگئی۔ عبدالجبار کی والدہ بھی وہیں آگئیں۔ اور اہل جزیرہ اور اہل ارکش کے نام خطوط بھیجے گئے۔ قلعہ کا یہ داخلہ ۴۸۸ھ ہجری میں واقع ہوا۔ جب عبدالجبار کی خبر ابن تاشفین کو پہنچی تو اُس کے حکم سے معتمد کے پیروں میں لوہے کی بیڑیاں ڈالدی گئیں۔ وہ اسی حالت

میں رہے یہانتک کہ ۴۸۵ہجری میں واصل برحمت حق ہوگئے۔

فتح نے عبدالجبار کے حالات مسجع عبارت میں لکھے ہیں۔ بعض کا خلاصہ یہ ہے۔ وہ ایک عرصہ وہیں رہے۔ اور گو پوری طرح امن میں نہ تھے، مگر چنداں خوف بھی نہ تھا۔ یہانتک کہ عبدالجبار نے ارکش میں پوری طرح بغاوت کردی اور اپنا انتقام لینا چاہا۔ اور لوگوں کو تنگ کیا۔ جب اس کی خبر امیر سیدبن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو وہ فوراً اپنی فوج لیکر وہاں آموجود ہوئے اور قبل اس کے کہ یہ لوگ کچھ ہوش میں آئیں اُنہوں نے حملہ کردیا چند ماہ تک یہ مقابل رہے۔ آخر ایک تیر نے اُن کا کام تمام کردیا۔ وہ وہیں دفن کردیئے گئے۔ اُن کے رفقا، اور وزرا چند روز سیر بن ابوبکر کا مقابلہ کرتے رہے۔ مگر محاصرہ سخت ہوا۔ اور کمک کہیں سے نہ پہنچی۔ بھوک نے بہت تنگ کیا تو اُنہوں نے مقابلہ چھوڑ دیا۔ اور سب تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ ایک ثقہ شخص نے مجھسے بیان کیا کہ عبدالجبار نے جو کچھ بھی کیا، اور امیر المسلمین ابن تاشفین نے جو اُس کا بدلہ لیا اُس سے معتمد کو بہت صدمہ ہوا۔ وہ بہت روتے تھے۔ اور بیٹے کے اس فعل سے شاکی تھے۔ بار بار کہتے تھے کہ میں محسن میں پھنس گیا، اور امتحان میں پڑگیا۔ مجھے یہ بات اور بھی خون رُلاتی ہے کہ میرے پیچھے کوئی خلف نہیں رہیگا؟

شہر فاس میں ایک فرقہ نے سخت فساد برپا کیا۔ یہاں تک کہ ماں باپ کی گودوں سے اُن کی اولاد کو زبردستی چھین لیا، اور اپنے نفوس امارہ کے غلام بنکر پورا پورا طغیان اختیار کیا۔ اُن کی اس تعدی کو دیکھکر امیر المسلمین ابن تاشفین نے اُن کے تدارک کا حکم دیا۔ جس سے اُن کے نائرہ فساد کا خاتمہ ہوا۔ بہت سے قتل ہوئے اور بہت سے اغمات میں لاکر قید کردیئے گئے۔ ان میں بہت شہری تھے، بہت سے دیہاتی، بہت سے شاعر تھے بہت سے عامی۔ یہ لوگ معتمد کے پاس قیدخانہ میں جاتے رہتے تھے، معتمد کی ان سے دلبستگی تھی۔ چند روز کے بعد کسی نے اُن لوگوں کی سفارش کی، اور سب رہا کر دیئے گئے۔

معتمد پھر تنہا رہ گئے۔ اس سے اُن کو اور بھی رنج پہنچا۔ جو لوگ اُن سے رخصت ہونے کو آتے تھے اُن سے مخاطب ہو کر اُنہوں نے ایک نہایت دردناک نظم کہی۔ جو ابتک محفوظ ہے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ پرندوں کو بآزادی اُڑتے ہوئے دیکھتے تو اُن کے آنسو نکل پڑتے، اور اپنا دردِ دل نظم میں کہتے جو محفوظ ہیں۔

اس حالت میں ادیب ابوبکر بن اللبانہ اُن کے پاس پہنچے۔ یہ معتمد کے نمک پروردہ تھے، اور اُن کے احسانات اکثر اُن پر مبذول ہوتے تھے۔ ان کو اس حالت میں دیکھ کر بہت روئے اور ایک نظم کہی جو نہایت دردناک ہے۔ اور ابتک محفوظ ہے۔

غرض اسی طرح وہ مدتوں سینہ چاک رہے، اور خارِ نکبات اُن کے دل میں کھٹکتا رہا۔ حسرتیں تڑپتی رہیں۔ یہانتک کہ موت نے آکر ان سب مصائب کا خاتمہ کر دیا، اور اُن کو امن کامل مل گیا۔ آخر اغمات میں دفن کر دیئے گئے، مگر اُن کے مکارم اخلاق اور نفائس اعلاق کا چراغ ابتک روشن ہے۔ اور اُن کے حالات ابتک باعث عبرت زمانہ ہیں۔

ایک مدت کے بعد عید کے روز جب لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو ابوبحر بن عبدالصمد، جو معتمد کے دست پروردہ شاعر تھے، اُن کی قبر پر پہنچے اور اُنہوں نے اُن کی شان میں قصیدہ پڑھنا شروع کیا، جس کو سنکر جتنے آدمی وہاں جمع تھے تمام روتے رہے۔ یہ نالۂ و بکا کا مجمع دن کے بیشتر حصہ تک قائم رہا۔ اور جب سب کے آنسو بالکل خشک ہو گئے تو سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ یہ ہے تمام عیش کی نہایت، اور تمام ملک و حشم کی غایت! آہ زمانہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ معتمد کے حالات اگر لکھے جائیں تو کئی مجلدات درکار ہونگی۔ اُن کے آثار ملک مغرب میں ہمیشہ باقی رہینگے۔ نہایت عجیب بات یہ ہے کہ اُن کی نماز جنازہ کے لیے ان الفاظ سے لوگوں کو بلایا گیا کہ "ایک غریب مسافر کی نماز جنازہ آکر پڑھو۔ حالانکہ یہ وہ شخص تھے کہ جن کا ملک بہت وسیع تھا، اور وہ اشبیلیہ اور قرطبہ وغیرہ پر حکمران رہ چکے تھے! ہاں دنیا کی یہی شان ہے۔ اور اس کا یہی مآل ہے!۔ وزیر لسان الدین ابن خطیب، معتمد رحمہ اللہ تعالے

کی قبر کی زیارت کے لیئے گئے تھے۔ اور وہاں اُنہوں نے اپنا وہ مشہور قصیدہ پڑھا تھا۔ جو اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ سنہ ۱۳۶۰ء میں جب میں مراکش میں تھا تو میں بھی معتمد اور رمیکیہ کی قبروں کی زیارت کے لیے گیا تھا۔ ایک شخص سے میں نے ان قبروں کا پتہ پوچھا، وہ نہ بتلا سکا۔ آخر ایک معمر شخص نے مجھے اُن قبروں تک پہنچا کر کہا کہ یہ قبر ہے شاہنشاہ اندلس کی، اور یہ قبر ہے اُس کی جس کی محبت میں یہ شاہنشاہ بے چین رہتا تھا" یہ قبریں واقعی ایک بلند مقام پر ہیں جیسا کہ وزیر ابن خطیب نے اپنے قصیدہ میں کہا ہے۔ ان کی زیارت سے مجھ پر نہایت خشیت پیدا ہوئی، اور دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنا ملک جسکو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ سوا اُسکے زمین اور اہل زمین کا کوئی وارث نہیں ہے اور وہی خیر الوارثین ہے!

خاندان بنو عباد کی تعریفیں نہ صرف شعراء نے بلکہ مورخین نے کی ہیں۔ ہم اُن کو قلم انداز کرتے ہیں (مطمح میں ہے کہ معتمد نے ۲۳ سال سلطنت کی ہے۔

ابن اللبانہ نے لکھا ہے کہ معتمد بخیر و خوبی سلطنت کرتے رہے، یہانتک کہ سنہ ۴۷۵ ہجری میں ابن شالیب یہودی مع رؤسا نصاریٰ کے جزیہ معلومہ لینے کے لیئے آئے (یہ جزیہ الفانسو بادشاہ عیسائی کو ادا کیا جاتا تھا) اور اشبیلیہ کے ایک دروازے پر ٹھہرے۔ معتمد نے اپنے ارکان دولت کے ہاتھ مال مطلوبہ بھیجا۔ مگر یہودی نے کہا کہ "واللہ! میں یہ نہ لونگا۔ بلکہ زر خالص لونگا، اور سال آیندہ ملک بھر کا سونا لونگا" یہ کہکر اُس نے حکم دیا کہ مال واپس کر دو۔ چنانچہ معتمد کو واپس کر دیا گیا اور یہ تمام قصہ بیان کیا گیا۔ معتمد نے اُسی وقت اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ یہودی اور اُسکے رفیقوں کو ہمارے سامنے پکڑ لاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ معتمد نے حکم دیا کہ اس یہودی ملعون کو پھانسی دیدو، اور عیسائیوں کو قید کر دو۔ یہودی نے کہا کہ "میری جان بخشی کیجیے، میں اپنے وزن کی برابر فدیہ ادا کرونگا" معتمد نے کہا کہ "اگر تم تمام ملک اندلس بھی دو تو میں قبول نہ کرونگا" غرض وہ پھانسی چڑھا دیا گیا۔ جب یہ خبر عیسائی (الفانسو) کو پہنچی تو وہ عیسائیوں کی رہائی کا طلبگار ہوا۔ یہ درخواست معتمد نے منظور کر لی۔ الفانسو نے قسم کھائی کہ میں ایک فوج اپنے سپاہیوں کی تعداد کی برابر

لیجاؤں گا، جو بحر زقاق تک پہنچیگی"- اُس زمانہ میں امیرالمسلمین یوسف بن تاشفین سبتہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے معتمد اُنکے پاس گئے- اور اُنہوں نے معتمد کو مدد دینے کا وعدہ کیا- وہاں سے واپس آکر معتمد نے بادشاہان اندلس کو جہاد پر آمادہ کیا- پھر وہ ابن تاشفین کے پاس گئے، اور زلاقہ کا مشہور معرکہ ہوا اسکے بعد ابن تاشفین مغرب کو چلے گئے- مگر پھر اندلس آئے معتمد نے خیال کیا کہ جب وہ شہروں پر قبضہ کرلینگے تو وہاں کا مال لیکر شہروں کو چھوڑ جاوینگے- اور ابن تاشفین کا یہ عزم تھا کہ تمام شاہان اندلس سے خلع کرالیں- غرض ابن تاشفین سبتہ سے معتمد کی طرف متوجہ ہوئے، اور یہ مطالبہ کیا کہ جزیرۂ خضرا اُن کے لئے چھوڑ دیں- اس جزیرہ پر معتمد کا بیٹا یزید حاکم تھا- اُس نے اپنی معذوری بیان کی- مگر فی الفور ایک سنو کشتیوں کے بادبان جزیرہ پر نظر آنے لگے- یزید نے فوراً اپنے باپ کی طرف کبوتر اُڑائے- اُنہوں نے جزیرہ کے خالی کردینے کا حکم دیا- کہتے ہیں کہ یہ پہلا ہی موقعہ نہ تھا کہ یوسف ابن تاشفین نے معتمد سے یہ جزیرہ مانگا تھا- اس کا باعث بعض اہل اندلس کی دراندازی تھی جو اُنہوں نے یوسف کی خیرخواہی میں کی تھی- غرض ابن تاشفین نے شاہان اندلس سے لڑنے اور خلع کرانے کی کارروائی شروع کرادی- تمام مملکت میں اپنے اہل دولت کی ایک جماعت اور فوج بھیجدی، جس نے جاکر ہر جگہ محاصرہ کرلیا- چنانچہ اشبیلیہ پر بھی معتمد کے خلاف فوج گئی- اور قتال شروع ہوگیا- لوگ دولت عبادیہ سے ملول ہوچکے تھے، اور اُسکو بُرا سمجھتے تھے- کچھ تو اسوجہ سے کہ عام طور پر ہر نئی چیز پسند کیجاتی ہے، اور کچھ اسوجہ سے کہ ابن عباد نے شرب ملاہی سے ہتک شرع کر رکھا تھا جو کسی سے پوشیدہ نہ تھا- اسلئے اکثر لوگ متمنی تھے کہ اُن کی دولت سے راحت ملے جب معتمد نے اپنی حالت ردی دیکھی تو اُس نے عیسائیوں سے مدد مانگی- ابن تاشفین نے انکو راستہ میں آلیا، اور اُن کو ہزیمت دی- ابن تاشفین نے اشبیلیہ کے لیے اوبجہازہ تیار کرائے اور اُسکے محاصرہ میں سخت کوشش کی- ادہر تو یہ ہورہا تھا، اور اُدھر معتمد اپنے لذات میں ڈوبا ہوا تھا- اور تمام امور سلطنت اپنے بیٹے رشید کے ہاتھ میں چھوڑے ہوئے تھے- معتمد کو ہوش آگئے تو اُسوقت کہ جب دشمن کی فوج شہر میں پہنچ گئی- ہاتھ میں تلوار لیکر گھوڑے پر سوار ہوئے-

اُن کے بدن پر اُس وقت صرف ایک کپڑا تھا۔ کچھ سپاہی ساتھ تھے۔ دشمن کی فوج باب الفرج سے داخل ہو رہی تھی۔ معتمد نے فوج کے طبل دار پر حملہ کیا اور اُس کو ایک ہی وار میں دو ٹکڑے کر دیا۔ یہ دیکھکر لوگ اُن کے سامنے سے بھاگے اور جو فصیل شہر پر چڑھ چکے تھے وہ وہیں سے نیچے کود گئے تاوقتیکہ دروازۂ شہر صاف نہو گیا۔ معتمد وہیں کھڑے رہے۔ آخر جب وہ باب الصباغین پر پہنچے تو اُنہوں نے وہاں اپنے بیٹے مالک کو مقتول پایا۔ اُس کے لیئے وہ دعا مغفرت کر کے اپنے قصر میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد حالت اور بھی ردی ہوتی چلی گئی۔ شہر میں ہر طرف سے فوج اُمڈ آئی۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ معتمد نے اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے اماں مانگی۔ یہ درخواست منظور ہوئی۔ اُن کے لیئے بہت سے جہاز تیار تھے۔ سب لوگ طنجہ کی طرف روانہ کر دیئے گئے۔ یہاں ان سے حصری شاعر ملے۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے اُنکی فرمایش پر کتاب المستحسن لکھی تھی، جس میں بہت سی نظمیں جمع کی تھیں۔ یہ کتاب اس سے پہلے مکمل نہو سکی۔ معتمد نے حصری سے کہا کہ فرش اُٹھا کر دیکھو۔ جو کچھ وہاں پاؤ سب لیجاؤ۔ واللہ کہ اس سے زیادہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ اغمات پہنچائے گئے۔ اور وہیں اُنہوں نے انتقال کیا۔ رحمۃ اللہ تعالےٰ۔

مطمح میں معز عباد کے متعلق لکھا ہے کہ وزیر ابوالقاسم محمد بن عباد فضیلت و کرامت کے ایک دریا تھے۔ اُن کے دادا کا نام المنذر بن ماء السماء تھا جو اس خاندان کے فلک کے تارے تھے بنو عباد وہ لوگ ہیں کہ جن سے زمانہ نے اُنس کیا، اور ربع ملک اندلس پر قابض رہے۔ اور رعایا کی موت و حیات ان کے ہاتھ رہی۔ ان میں سے ایک معتضد وہ شخص تھے کہ اُن جیسا بادشاہ ہونا مشکل ہے اور معتمد تو مستغنی عن الصفات۔ اور اس خاندان کے آفتاب ہیں۔ قاضی ابوالقاسم سے سلطنت اُنکے بیٹے معتضد کو پہنچی، اور معتضد سے معتمد کو، جنھوں نے ۲۳ سال سلطنت کی۔

فتح نے انکے بیٹے الراضی باللہ (ابو خالد یزید بن معتمد) کی بھی بہت تعریف کی ہے۔

علی الجملہ دولت بنو عباد اندلس میں بلحاظ کرم و فضل بہترین سلطنت تھی چنانچہ ابن اللبانہ نے لکھا ہے

کہ اندلس میں دولت عباد ایسی ہی تھی جیسی کہ بغداد میں دولت عباسیہ اس خاندان کے متعلق ایک مستقل کتاب "الاعتماد فی اخبار بنی عباد" نامی تصنیف ہوئی ہے۔ ایسے گنتے شاعروں کی طرف التفات نہ کرنا چاہیے جس نے یوں بھونکا ہے کہ :-

مما یزھدنی فی ارض اندلس　　اسماء معتضد فیھا و معتمد

القاب مملکت فی غیر موضعھا　　کالھر یحکی انتفاخا صورۃ الاسد

کیونکہ ایسے شعراء کافر نعمت ہوتے ہیں، اور جو کچھ چاہتے ہیں بک جاتے ہیں۔ خداوندان نعمت کی ہر زمانہ میں مدح یا ہجو ہوتی ہی چلی آئی ہے۔

معتمد کے بیٹوں کے یہ نام ہیں۔ قاموں۔ رشید۔ راضی۔ اور معتمد۔ ان کے علاوہ اور بھی تھے۔

(تتمہ حال رمیکیہ)

ابن سعید نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ معتمد رمیکیہ سے بہت مانوس تھے اور اُن کے نوادر سے وہ لطف حاصل کیا کرتے تھے۔ رمیکیہ موسیقی نہیں جانتی تھیں۔ وہ رنگ کی بھی ملیح تھیں۔ لطائف و نوادر خوب کہتی تھیں۔ اُنکے ظرائف ابتک بیان ہوتے چلے آئے ہیں۔ رمیکیہ ہی کی ہمعصر ولادہ بنت محمد بن عبدالرحمٰن تھی۔ وہ رمیکہ سے حسن و جمال نیز منصب میں بڑی ہوئی تھیں۔ اُن کے والد امیر قرطبہ۔ لمستکفی باللہ کے لقب سے ملقب تھے۔ ابو الولید بن زیدون کے قصے اور نظمیں ولادہ کے متعلق مشہور ہیں۔ رمیکیہ کے مشہور قصوں میں سے "ولا یوم الطین" ؟ (نہ کیچڑ کا دن ؟) کا قصہ بہت مشہور ہے۔ اور وہ مختصراً یہ ہے کہ ایک روز رمیکیہ نے لوگوں کو کیچڑ میں چلتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے بھی کیچڑ میں چلنا چاہا۔ چنانچہ معتمد کے حکم سے بہت سی خوشبوئیں پیسی گئیں، اور قصر کے صحن میں پھیلادی گئیں۔ اُن پر عرق گلاب ڈالکر اور ہاتھوں سے گوندہ گوندہ کر کیچڑ بنائی گئی۔ اس پر رمیکیہ چلیں۔ ایک مرتبہ وہ اپنے شوہر معتمد سے ناراض ہوئیں۔ تو قسم کھا کر کہنے لگیں کہ "میں نے تجھ سے کبھی نیکی نہیں دیکھی" معتمد نے کہا کہ "ولا یوم الطین" یہ سنکر رمیکیہ شرمندہ ہوئیں اور معذرت کی۔ رمیکیہ کا یہ قول رسول اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف کا مصداق ہے جو حضور نے عورتوں کے متعلق فرمائی ہے کہ "اگر تم ایکس

سے کسی کے ساتھ تمام عمر نیکی کرتے رہو۔ اور وہ تم سے کچھ (برائی) دیکھ لیں تو وہ یہ کہتی ہیں کہ میں نے
تجھ سے کبھی نیکی نہیں دیکھی۔ اندلس کی مشہور عورات میں سے ایک عبادیہ ہیں۔

عبادیہ معتضد عبادی یعنی معتمد کے والد کی کنیزک تھیں۔ مجاہد العامری نے دانیہ سے اُن کو ہدیہ میں
بھیجا تھا۔ یہ ادیبہ، ظریفہ، کاتبہ، شاعرہ تھیں، اور بہت سی زبانیں جانتی تھیں۔ ابن علیم نے ابن قتیبہ کی
کی کتاب ادب الکاتب کی شرح میں بعض باتیں ایسی لکھی ہیں جن سے انکا تبحر فن لغات میں ظاہر ہوتا ہے
فی البدیہہ شعر خوب کہتی تھیں۔

بثینہ بنت معتمد بن العباد۔ رُمیکیہ کے بطن سے تھیں۔ جمال دونو اور نظم الشعر میں بالکل اپنی ماں
جیسی تھیں۔ جب اُن کے والد کا محاصرہ کیا گیا، اور قصر شاہی میں لوٹ پڑی، تو منجملہ اور قیدیوں کے
ایک بثینہ بھی تھیں۔ اشبیلیہ کے ایک تاجر نے انکو بطور جاریہ سریہ خریدا، اور اپنے بیٹے کو دیدیا۔ جب اس نے
بثینہ سے خلوۃ کا ارادہ کیا تو اُنہوں نے قطعی انکار کیا اور اپنا نسب ظاہر کر کے کہا کہ تاوقتیکہ عقد نکاح
نہو جائے تم مجھے ہاتھ نہیں لگا سکتے اور نکاح بھی اس شرط سے ہوگا کہ میرے والدین راضی ہو جائیں۔
چنانچہ بثینہ نے ایک خط نظم میں لکھکر اپنے والد کے پاس بھیجا جس میں اُنہوں نے مختصراً اپنا حال اور اس
تاجر کے بیٹے کا قصہ لکھا۔ یہ نظم جو ملک مغرب میں بہت متداول ہی، معتمد کے پاس اغمات میں پہنچی
چونکہ والدین دونوں سخت پریشان تھے اس نے اس خط کو دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ اور دونوں
کی یہ رائے قرار پائی کہ جو صورت واقع ہوئی ہی اُس میں بہت ہی کم ضرر ہی۔ گو اس واقعہ نے اُن کے دل
کو بہت ہی مجروح کیا، مگر آخر اُس سوداگر زادہ سے نکاح کر لینے کی اجازت دیدی۔ نظم کا جواب نظم میں دیا
جس میں اپنی بیٹی کو صبر کی تلقین کی اور ساتھ ہی اجازت نکاح بھی دیدی۔

معتمد کے حالات ایسے ہیں کہ انسان کے دل کو پانی کر دیتے ہیں۔

حفصہ بنت حمدون۔ وادی الحجارہ کی رہنے والی تھیں۔ المغرب میں انکے تذکرہ کے ذیل میں لکھا
ہی کہ وہ چوتھی صدی کی تھیں۔ ابن الابار نے لکھا ہی کہ وہ ادیبہ، عالمہ اور شاعرہ تھیں۔ اُن کے اکثر اشعار
اب بھی محفوظ ہیں۔ ابن فرج، صاحب الحدائق نے انکے تذکرہ کے ساتھ انکے بعض اشعار بھی نقل کئے ہیں

زینب المریہ - ادیبہ اور شاعرہ تھیں - اُن کے اشعار بھی محفوظ ہیں -

غایت المنیٰ - اندلسیہ کنیزک تھیں - ادب خوب جانتی تھیں - خاصکر بدیہہ خوب کہتی تھیں - چنانچہ جب معتصم بن صمادح کے پاس آئیں تو اُنہوں نے اُن کا نام پوچھا - اور جب اُنہوں نے نام بتلایا تو معتصم کے زبان سے یہ مصرعہ نکلا کہ "اسئلوا اغایۃ المنیٰ" معتصم نے کہا کہ اس پر مصرعے لگاؤ - غایۃ المنیٰ نے فی البدیہہ کئی مصرعے لگائے سالمی نے اپنی تاریخ میں اسی طرح لکھا ہے - مگر ابن الابار نے لکھا ہے کہ میں نے ایک ثقہ کے ہاتھ کا لکھا دیکھا ہے کہ قاضی ابوالقاسم بن حبیش نے روایت کی ہے کہ ایک جاریہ لبیب ابن صمادح کے پاس بھیجی گئی اور یہ ظاہر کیا گیا کہ یہ خوب شعر کہتی ہے اور علم مجلسی رکھتی ہے - ابن صمادح نے حکم دیا کہ اُسکو اُستاذ ابن الفراء الخطیب کے پاس بھیجا جائے کہ وہ اُس کا امتحان لیں - اُنہوں نے اُنکا نام دریافت کیا - اور یہ مصرعہ دیا کہ سل ھو اغایۃ المنیٰ" اس پر اُنہوں نے کئی مصرعے لگائے - ابن صمادح کو اسکی اطلاع دی اور اُنہوں نے فوراً غایۃ المنیٰ کو خرید لیا -

حمدہ - یہ حمدونہ بھی کہلاتی ہیں - زیاد کی بیٹی تھیں جو وادی آش میں مؤدب تھیں یہ خنسا مغرب اور شاعرۃ الاندلس ہیں - ان کی نظمیں محفوظ ہیں - بعض لوگوں نے اُنکے تین شعروں کو مہجہ بنت عبدالرزاق الغرناطیہ سے منسوب کیا ہے - لیکن عام طور پر یہ وہ اشعار حمدہ ہی کے مشہور ہیں - واللہ اعلم - رعینی - نے حمدہ کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں کہ "وہ ذوی الارباب اور فحول اہل آداب میں سے تھیں - اس خصوص میں سب سے سبقت لے گئی تھیں - لیکن ان کے بعض اشعار کو لوگوں نے المنازی المشرقی سے منسوب کیا ہے لیکن یہ محض تعصب ہے - حقیقت یہ ہے کہ جو شیرینی ان اشعار میں ہے وہ سوا حمدہ کے دوسرے کی زبان میں پیدا نہیں ہو سکتی - ہمارے ملک یعنی اندلس کے اہل نظر مورخین نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ شعر المنازی کے پردۂ عدم سے وجود میں آنے سے پیشتر کے ہیں - واللہ اعلم -

ابن سعید نے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ غرناطہ کی عورتوں میں جو از روئے حسب و جلالت المعرفی و محافظت علی المعانی العربیہ میں سب سے زیادہ جو مشہور ہیں وہ زینب بنت زیاد الوادی آشی اور انکی بہن حمدہ ہیں۔

عائشہ بنت احمد القرطبیہ - ابن حیان نے مقتبس میں لکھا ہے یہ اپنے زمانہ میں از روئے علم و فہم و ادب

وشعر و فصاحت اندلس بھر میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ شاہان اندلس کی تعریفیں کیا کرتی تھیں اور اپنی تمام ضروریات اُن ہی سے پاتی تھیں۔ بہت خوشخط تھیں اور قرآن شریف لکھا کرتی تھیں۔ مرتے دم تک شادی نہیں کی۔ سنہ ہجری میں انتقال کیا۔ مغرب میں لکھا ہے کہ وہ عجائب زمان و غرائب اوان تھیں۔

ابو عبد اللہ طبیب اُن کے چچا تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شاعری کے لحاظ سے بڑھی ہوئی تھیں تو جائز ہے۔

مریم بنت ابو یعقوب الانصاری اشبیلیہ میں سکونت رکھتی تھیں۔ اُن کی اصلیت شاید شلب سے ہے۔ ابن دحیہ نے مطرب میں ان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ ادیبہ و شاعرۂ مشہورہ ہیں۔ عورتوں کو علم ادب پڑھایا کرتی تھیں۔ از روئے دین فضیلت بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ عمر طویل پائی۔ اشبیلیہ ہی میں رہیں سنہ ہجری کے بعد اُن کی شہرت ہوئی حمیدی نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے اکثر اشعار محفوظ ہیں۔

اسماء العامریہ اہل اشبیلیہ میں سے تھیں۔ اُنہوں نے عبد المومن بن علی کو ایک خط لکھا جس میں پہلے اُنہوں نے اپنا عامری ہونا ثابت کیا ہے اُس کے بعد اُن سے اپنے متعلق کچھ درخواستیں کی ہیں۔ اور سب سے آخر میں ایک قصیدہ لکھا ہے جو قابل دید ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے اشعار بھی انکے متداول ہیں۔

ام الہنا بنت القاضی ابو محمد عبد الحق بن عطیہ نے اپنے والد سے علم حاصل کیا اور اُن ہی سے حدیث شریف سنی۔ حاضر جواب، نوادر گو، سریعۃ التمثل، اہل علم و فہم و عقل تھیں۔ اُن کی تالیف سے ایک کتاب قبور کے متعلق ہے۔ اُن کے اکثر اشعار محفوظ ہیں

مہجۃ القرطبیہ۔ ولادہ کی سہیلی تھیں۔ خدا تعالےٰ دونوں پر رحم فرمائے۔ اپنے زمانہ کی سب سے زیادہ خوبصورت عورتوں میں سے تھیں۔ ولادہ سے ایسے تعلقات بڑھے کہ اُن کو خود لکھایا پڑھایا۔ نہایت ذہین و فطین تھیں۔ اُن کے دو شعروں کی نسبت بعض اکابر نے لکھا ہے کہ اگر ابن الرومی ان کو سنتے تو اُن کے تقدم کے مقر ہو جاتے اکثر اشعار اُن کے محفوظ ہیں۔

ہند جاریہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلمۃ الشاطبی ادیبہ اور شاعرہ تھیں۔

شلبیہ۔ ابن الابار کہتے ہیں کہ مجھے ان کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ اُنہوں نے سلطان یعقوب المنصور کو ایک نظم میں اپنے شہر کے والی کی شکایت لکھی تھی بعضوں نے کہا ہے کہ جمعہ کے روز وہ جامع مسجد میں

پہنچیں، اور جب سلطان نماز پڑھ چکے تو وہ نظم سلطان کو دیدی سلطان نے وہیں اُن سے کچھ حالات پوچھکر اُن کی دادرسی کی۔

کہتے ہیں کہ لوشہ کے ایک قاضی کی بیوی احکام و نوازل میں علماء دھر سے فائق تھیں۔ مجلس قضا میں وہ بس پردہ بیٹھتی تھیں۔ اور قاضی صاحب اکثر اپنی بیوی سے احکام میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ قاضی صاحب کے ایک دوست نے مذاقاً یہ اشعار اُن کو لکھ کر بھیجے۔

بلوشه قاضٍ لهٗ زوجة — واحكامها في الورىٰ ماضيه

فياليتهٗ لم يكن قاضيه — وياليتها كانت القاضيه

جب قاضی کی بیوی نے یہ اشعار دیکھے تو اُنھوں نے قلم دوات لیکر فی البدیہہ یہ جواب لکھا۔

هو شيخ سوءٍ مزدرى — لهٗ شلاب عاصيه

كلا لئن لم ينته — لنسفعًا بالناصيه

نزہون الغرناطیہ۔ مغرب میں لکھا ہے کہ وہ پانچویں صدی میں تھیں۔ الحجاری نے اُنکا ذکر مسہب میں کیا ہے۔ اور اُن کی ذہانت وطباعی، حلاوت، حفظ اشعار، معرفت ضرب الامثال کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ بہت ہی حسینہ وجمیلہ تھیں۔ وزیر ابوبکر بن سعید اُن کی حاضر جوابی، مذاکرہ و مراسلہ کے بہت سے شایق رہتے تھے۔ اُن کے لطائف وظرائف اور اشعار محفوظ ہیں۔

وهذا آخر ما اردنا من تلخيص الباب السادس ونحمد الله على ذالك

باب ہفتم

دشمن کافر کا مکر و فریب پھیلا کر جزیرۃ الخضرا پر تغلب حاصل کرنا اپنے کید سے وہاں کے بادشاہوں اور رؤسا میں تفرقہ ڈالنا۔ اس امر میں حیلوں کا استعمال کرنا آخر اُس پر قابض ہو جانا (خدا تعالےٰ اُس کو غارت کرے) وہاں سے توحید کا نام تک مٹا دینا۔ وہاں کے مشاہد و معاہد پر اپنا نام نقش کر دینا۔ اور وہاں مذہب تثلیث اور رائے خبیث کا برقرار ہونا۔ وہاں کے رہنے والوں کا نظم و نثر میں اُس زمانہ کے تمام ممالک سے مدد مانگنا۔ سب کی طرف سے یہ عذر ہونا کہ دشمن نے ہر طرف سے راستے بند کر رکھے ہیں۔ کسی مددگار و ناصر کے نہ پہونچنے سے محصورین کے ہاتھوں سے تنگ ہو جانا۔ دشمن کا آگے اور پیچھے سے آ جانا خدائے تعالیٰ اُس ملک میں پھر کلمۂ اسلام پہونچائے اور شریعت سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کو پھر قایم کرے۔ کفر کا قبضہ وہاں سے اور قرب جوار سے ہٹا دے۔ آمین۔ یا معین

یک سے زائد مورخین نے یہ لکھا ہے کہ سب سے پہلے غلبۂ اسلام کے بعد اندلس میں جس شخص نے

مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کی وہ ایک بے دین بلائے (Plio) نامی باشندہ اشتوریش (Asturias) واقعہ جلیقیہ (Galicia) تھا۔ یہ شخص اپنے وطن والوں کی طرف سے بطور یرغمال مسلمانوں کے پاس تھا۔ اندلس کے امیر ثانی، یعنی حُر بن عبدالرحمن الثقفی، کے زمانہ میں قرطبہ سے ۹۸ھ بعد از فتح اندلس مطابق ۹۸ھ میں بھاگا نصاریٰ اُس کے ساتھ ہوگئے، حُر بن عبدالرحمن کے نائب نے اُس کو وہاں سے نکال دیا اور اُن شہروں پر قابض ہوگئے، اور اب تک چلے آتے ہیں۔ آخر ایام الناصر لدین اللہ تک وہاں بائیس بادشاہ ہوئے۔ انتہیٰ

عیسیٰ ابن احمد الرازی نے لکھا ہے کہ عنبسہ بن سحیم الکلبی کے زمانہ میں ملک جلیقیہ میں ایک بے دین، خبیث، بلای نے علم بغاوت بلند کیا۔ اندلس کے مسلمانوں کے قبضہ میں آنے کے بعد یہ سب سے پہلا موقعہ تھا کہ کسی عیسائی نے بغاوت کی اُس نے عیسائیوں کو اس امر پر برانگیختہ کیا کہ جو کچھ اُس وقت تک اُن کے قبضے میں تھا اُس پر سے مسلمانوں کی مدافعت کی جائے، حالاں کہ مسلمانوں کو اُس کی طمع نہ تھی، کیوں کہ مسلمان تمام اندلس پر مستولی ہو چکے تھے، اور نصرانیت مغلوب ہو چکی تھی، اور اُن کے تمام شہروں کو مسلمان فتح کر چکے تھے۔ حتیٰ کہ وہ اربولہ (Narbonne) تک پہنچ چکے تھے، جو ملک افرنج میں واقع تھا۔ اور بنبلونہ (Pamplona) بھی مفتوح ہو چکا تھا، جو جلیقیہ میں واقع تھا سوائے پہاڑ کے عیسائیوں کے قبضے میں کچھ باقی نہ تھا۔ ان ہی پہاڑوں میں ایک بادشاہ نے، جس کا نام بلائے تھا، تین سو آدمیوں کے ساتھ پناہ لی تھی۔ مسلمان اُن سے برابر لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ اُن میں سے بہت سے آدمی بھوک سے مر گئے۔ صرف تیس مرد اور دس عورتیں باقی رہ گئی تھیں۔ اُن کی خوراک سوائے شہد کے اور کچھ نہ تھی، جس کو وہ پتھروں کے شگافوں سے نکالا کرتے تھے۔ اُسی سے اپنی شکم پُری کرتے تھے۔ مسلمانوں نے حقارتاً اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اور خیال کیا کہ یہ تیس ذلیل آدمی کیا بنا سکتے ہیں

رفتہ رفتہ اُن کی حالتِ قوۃ و کثرت یہاں تک پہونچی جو پوشیدہ نہیں ہی۔ ۳۳۱ھ میں خدا نے بلائے کو ہلاک کیا۔ اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا فافلہ (Fafila) بادشاہ ہوا۔ بلائے ۱۹ برس، اور اُس کا بیٹا فافلہ، دو برس بادشاہ رہے۔ اُس کے بعد اذفونش بن بیطر (جو بنو اذفونش کا دادا تھا) بادشاہ ہوا۔ یہی خاندان اب تک حکمراں ہی۔ اور ان لوگوں نے وہ ملک مسلمانوں سے لے لیا۔ جو انھوں نے اُن سے لیا تھا۔ انتہیٰ باختصار

مسعودی نے بعد از ذکر کرنے غزوہ سمورہ کے، جو ایام دولت الناصر لدین اللہ میں ہوا یہ لکھا ہے کہ اندلس کے بعض حصّے جو مسلمانوں کے ہاتھ میں تھے، اور فرنجہ (فرانس) اور مدینہ اربونہ سے متصل تھے، مسلمانوں کے ہاتھ سے ۳۳۰ھ میں نکل گئے۔ اس وقت (۳۳۶ھ میں) مسلمانوں کے قبضے میں وہ حصّہ ملک تھے جو شرق میں طرطوسہ اور تمام بحر روم (جو طرطوشہ کے قریب ہی) سے لے کر شمال کی طرف افراغہ (جو بڑے دریا پر واقع ہے) اور لاردہ تک چلا جاتا ہی۔ انتہیٰ

سب سے پہلے جو ملک افرنجہ نے اندلس سے واپس لیا وہ شہر طُلیطُلہ تھا، جو ابن ذوالنون نے ۴۰۰ھ میں لیا۔ بعض مؤرخین نے یہ لکھا ہی کہ اذفونش نے طُلیطُلہ کو القادر باللہ بن المامون یحییٰ بن ذوالنون سے سات برس کے محاصرہ کے بعد، نصف محرم ۴۷۸ھ میں واپس لیا۔ انتہیٰ

اس قول اور پہلے قول میں وقت کے متعلق اختلاف ہی۔ عنقریب ہم اس کی تائید میں کچھ بیان کریں گے۔ یہ قلعہ بند شہر قدیم ازلی ہے جس کو عمالقہ نے بڑے دریا کے کنارہ پر آباد کیا تھا۔ اس کا قلعہ دُشوار گزار رہے۔ اور اُس میں ایک عجیب البُنیان پُل ہے جس کی ایک ہی محراب ہی۔ اس میں پانی بڑی شدّت سے داخل ہوتا اور جاری ہوتا ہے۔ ایک اور دریا کے پاس ایک رہٹ ہی جس کی بلندی نوّے گز ہی؛ پُل کے اعلیٰ کی طرف سے اُس پر پانی چڑھتا ہی اور دوسری طرف سے گرتا ہی، اور شہر طُلیطُلہ میں پہنچتا ہے۔ یہ شہر

مملکت رُوم کا دارالسلطنت تھا۔ اسی میں وہ مکان تھا جس میں بہت سے قفل پڑے ہوئے تھے، اور جن کو بہت سے بادشاہ کھولنا چاہتے تھے اور آخر لذریق نے اُس کو کھولا۔ اور اُس میں عربوں کی تصویروں کو دیکھا۔ انتہیٰ ہم اس کا ذکر پہلے کر چکے ہیں۔

ابن بدرون نے شرح عبدونیہ میں لکھا ہی کہ المامون یحیٰ بن ذوالنون، صاحب طُلیطُلہ، نے وہاں ایک قصر باشان و شوکت بنایا تھا اور اُس پر بہت مال صرف کیا تھا اور اُس کے اندر ایک بڑا حوض بنایا تھا جس کے درمیان میں ایک قُبہ صنعت گری سے تھا اور بہت سے انجنیروں نے اپنے پانی کو اُس قُبہ کے اوپر چڑھایا۔ پانی تمام قُبہ کو محیط کر کے اوپر سے ایک چادر بن کر اُترتا تھا جس سے مشام قُبہ بالکل پانی ہی پانی معلوم ہوتا تھا۔ مامون بن ذوالنون اُس کے اندر بیٹھے ہوتے تھے، اور اگر چاہتے تو اُس کے اندر شمع بھی جلا سکتے تھے۔ پانی وہاں کچھ اثر نہیں کرتا تھا۔ ایک روز مامون اُس کے اندر بیٹھے ہوئے تھے کہ اُنھوں نے سُنا کہ کوئی شخص یہ گاتا چلا جاتا ہی۔

اتبنی بناء الخالدین وانما ... بقاءك فیها لو علمت قلیل
لقد کان فی ظل الاراك کفایةٌ ... لمن کل یوم یعتریه رحیل

اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُن کا کام تمام کر دیا گیا۔ انتہیٰ

ابن خلکان نے لکھا ہی کہ طُلیطُلہ، پر بروز چہارشنبہ مستہل صفر ۴۷۸ھ کو قبضہ کیا گیا۔ اور زلاقہ کا واقعہ جس کا نتیجہ تھا طُلیطُلہ کا ہاتھ سے جانا وہ ایک سال بعد ہوا۔ انتہیٰ

مناسب معلوم ہوتا ہی ہم یہاں واقعہ زلاقہ کا ذکر کریں جو طُلیطُلہ کے ہاتھ سے نکلنے کا نتیجہ تھا ہم یہاں بیان کر دیں۔ ہم اس میں صاحب الروض المعطار وغیرہ کا تتبع کریں گے۔

جب کہ یوسف ابن تاشفین اللمتونی ملک مغرب کے تخت پر بیٹھے، اور مراکش اور تلمسان الجدیدہ کی بنیاد ڈالی، اور اہل بربر نے اُن کی اطاعت کی، اور اور علاقے بھی وہ اپنے زیرنگیں لے آئے، تو اُن کو یہ ہوس ہوئی کہ جزیرہ اندلس کو عبور کرنا چاہیئے۔ چنانچہ

اس کی اُنھوں نے تیاری شروع کی اور کشتیاں اور جہاز تیار کرائے۔ جب اس کی خبر بادشاہان اندلس کو ہوئی تو اُنھوں نے اُن کا اندلس میں آنا بہت ہی بُرا سمجھا۔ اور اُن کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ اُن کو یہ بہت ہی بُرا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دو دشمنوں کے درمیان میں ہوں۔ یعنی شمال کی طرف سے عیسائی اور جنوب کی طرف سے مسلمان۔ عیسائیوں نے پہلے ہی اُن کو تنگ کیا ہوا تھا اور بازار قتل و غارت گرم کر رکھا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کسی خاص شرط پر صلح ہو جاتی، جس کو مسلمان ایفا کرتے۔ عیسائی مغرب کے بادشاہ یوسف ابن تاشفین سے عیسائی بہت ڈرتے تھے، کیوں کہ اُن کا نام بہت بڑا تھا، اور اُن کی شہرت بہت بڑھی ہوئی تھی دُور دُور تک اُن کا حکم چلتا تھا اور بہت جلد اُنھوں نے بلاد مغرب کو لے لیا تھا، اور وہاں کے تمام رتق و فتق کے وہ بہت ہی جلد مالک ہو گئے تھے۔ نیز یہ کہ وہ ملثمین مشایخ صنہاجہ سے بھی ڈرتے تھے وہ اُن تلواروں اور نیزوں سے بھی خوف زدہ تھے جو ایک وار میں سوار اور گھوڑے دونوں کا فیصلہ کر دیتے تھے اُن کی تلوار کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ شاہان اندلس گویا اُن کے سایہ کے نیچے بیٹھے تھے۔ اور اپنے ملک کے ڈر کے مارے اُن سے بچتے تھے، کہ ایسا نہو کہ وہ اندلس میں آکر اُن کے ممالک پر ہاتھ ڈالیں۔ جب ان لوگوں کو قراین سے معلوم ہوا کہ وہ اندلس آنے کی تیاریاں کر رہے ہیں، تو سب بادشاہوں نے ایک دوسرے کی رائیں اُن کے متعلق دریافت کرنے کے لیے خط و کتابت کی۔ چوں کہ معتمد ابن عباد ان سب میں زیادہ شجاع اور ازادر ملک بھی سب میں بڑے تھے، اس لیے اُن سب نے ان ہی کو اپنا سرگروہ بنایا، اور ان ہی سے کہا کہ وہ سب کی طرف سے یوسف ابن تاشفین سے خط و کتابت کریں، اور اُن کو لکھدیں کہ وہ ہماری طرف سے اعراض کریں کیوں کہ ہم سب اُن کی اطاعت میں آتے ہیں۔ اندلس کے ایک کاتب نے یوسف ابن تاشفین کے نام یہ خط لکھا۔

"اما بعد۔ اگر آپ ہم سے اعراض کریں گے تو آپ کرم کی طرف منسوب ہوں گے
نہ کہ عجز کی طرف۔ اگر ہم آپ کے داعی کو مان لیں گے تو ہم عقل کی طرف
منسوب ہوں گے، نہ کہ سستی اور حماقت کی طرف۔ ہم نے اپنے واسطے بہترین
نسبت اختیار کر لی ہے۔ آپ بھی اپنے لئے اکرم نسبت اختیار کیجئے۔ آپ مجت
کے ایسے مقام پر پہنچے ہوئے ہیں کہ اس سے آگے کوئی رفیع مقام نہیں
کہ جہاں آپ بڑھ سکیں۔ جو لوگ خیموں میں رہتے ہیں ان کے باقی رکھنے
میں آپ ہی کا دوام بقا ہے۔" والسلام

یوسف ابن تاشفین عربی نہیں جانتے تھے، مگر وہ ایسے ذکی الطبع تھے کہ عربی کا مطلب
سمجھ لیتے تھے۔ جب یہ خط معہ تحفوں اور ہدیوں کے پہنچا تو انھوں نے اپنے کاتب کو پڑھنے
کو دیا۔ جو عربی اور مرابطی دونوں زبانیں جانتا تھا۔ اس نے کہا کہ "اے بادشاہ! یہ خط ہے
شاہان اندلس کی طرف سے، جو اپنے اوپر آپ کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں، اور یہ جتلاتے
ہیں کہ ہم آپ کے دعوے کو مانتے، اور آپ کی طاعت میں آتے ہیں۔ وہ یہ التماس
کرتے ہیں کہ آپ ان کو بمنزلہ دشمن کے نہ سمجھیں۔ کیوں کہ وہ مسلمان ہیں اور خیموں کے
رہنے والے ہیں۔ ان کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ کفار دشمنوں سے لڑتے رہتے ہیں
اور ان کے شہر ایسے تنگ ہیں کہ وہ افواج کے متحمل نہ ہو سکیں گے۔ اس لئے آپ ان سے
اسی طرح اعراض کیجئے جس طرح آپ نے ان اہل مغرب سے اعراض کیا ہے جو آپ کے
تحت و تصرف میں آ گئے ہیں"۔ یوسف ابن تاشفین نے اپنے کاتب سے پوچھا کہ "تمہاری
کیا رائے ہے؟" اس نے کہا کہ "اے بادشاہ! بادشاہ کا تاج اس کا مقتضی ہے کہ جو چیز اس کو
از قسم ملک و مال کے حاصل ہو جائے، اس کو رد نہ کرے۔ اور جب کوئی معافی مانگے تو
اس کو معافی دیدے اور جو کوئی کچھ مانگے اس کو عطا فرمادے۔ جو کوئی ایسا کرے گا اس کی
قدر بڑھ جائے گی۔ اور جب قدر بڑھے گی تو ملک کی بنیاد مستحکم ہو گی۔ اور جب یہ ہو گا

تو لوگ اُس کی اطاعت کو اپنا شرف سمجھیں گے۔ اور لوگ ہر طرف سے اُس کی طرف بڑھیں گے، اور وہ بادشاہ ایسا وارث ملک ہوگا کہ جس کو زوال نہیں ہے۔ ایک بادشاہ نے، جو حکیم بھی تھا، یہ کہا ہے کہ جس نے کوشش کی اُس نے عظمت پائی اور جس نے عظمت پائی وہی قابل سلطنت ہے۔" جب کاتب نے سلطان سے یہ بات اُس کی زبان میں کہی اور وہ سمجھا تو اُس نے کاتب سے کہا کہ تم نے سچ کہا۔ اور حکم دیا کہ "تم مناسب جواب لکھو اور مجھے سُنا دو۔" چنانچہ کاتب نے یہ جواب لکھا:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ از طرف یوسف ابن تاشفین السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ دُعا ہی اُن پر جنھوں نے سلام کیا، اور جن پر سلام کیا گیا۔ جو ملک تمہارے ہاتھ میں ہے وہ ہماری طرف سے باکرم ایثار بحال رہیگا۔ تم اُس پر قائم رہو۔ ہم تمہارے ساتھ وفا کریں اور تم ہمارے ساتھ۔ اور ہماری ساتھ تم اُس طرح سلوک رکھو جیسا کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ۔ والیہ ولی التوفیق لنا ولکم۔ والسّلام"

جب وہ یہ خط لکھ چکا تو کاتب نے یوسف ابن تاشفین کی زبان میں اُس کو سُنایا۔ اُنھوں نے بھی اُس کو پسند کر لیا۔ پھر مناسب حال تحفے تیار کئے گئے، جن میں ملط کے چمڑے کی ڈھالیں تھیں، جو سوائے یوسف ابن تاشفین کے ملک کے اور کہیں نہیں مل سکتیں تھیں سفیروں کو تحائف دے کر واپس روانہ کر دیا۔ جب یہ خط اندلس میں پہنچا، اور پڑھا گیا تو وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور یوسف ابن تاشفین سے بہت خوش ہوئے، اُن کی عظمت بھی بڑھ گئی، اور عیسائیوں کو دفع کرنے میں اُن کے دلوں کو تقویت ہوگئی اُنھوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ اگر عیسائیوں کی طرف سے کچھ بھی بدعنوانی دیکھیں گے تو یوسف ابن تاشفین کو مدد کے لئے بلا بھیجیں گے۔ اور ہر عیسائیوں کے بادشاہ اذفونش نے جیسا دیکھا کہ اندلس میں فتنہ برپا ہے، آپس میں اختلاف ہے، ہر شخص اپنی اپنی جگہ بادشاہ بنا بیٹھا ہے اور

طوایف الملوکی پھیلی ہوئی ہے، تو اذفونش کو اور بھی طمع ہوئی اور بہت سے علاقے اُس نے مسلمانوں سے لے لئے۔ اُس کی قوت بڑھ گئی، سلطنت پھیل گئی اور اور تعداد میں ترقی ہوئی طُلیطلہ کو قادر باللہ بن مامون یحیٰ بن ذوالنون سے، سات برس کے محاصرہ کے بعد نصف محرم ۴۷۸ھ میں لے لیا۔ اس طرح اُس کے ملک میں اور بھی بیشی ہو گئی۔ اور صولت میں اور بھی ترقی ہو گئی۔ وہ اب اور بھی ملک گیری کے فکر میں ہوا۔ اور علاقوں پر علاقے اور قلعوں پر قلعے، لینے لگا۔ خدا تعالےٰ اُس پر لعنت کرے۔

ابن اثیر نے کامل میں لکھا ہے کہ اپنے زمانہ میں معتمد ابن عباد اندلس کے سب سے بڑے بادشاہ تھے اور اکثر بلاد، مثل قرطبہ اور اشبیلیہ کے، اُن کے قبضہ میں تھے۔ باوجود اس کے وہ کچھ خراج ہر سال اذفونش کو ادا کرتے تھے۔ اذفونش کے طلیطلہ پر قبضہ کر لینے کے بعد معتمد نے مقررہ خراج اُس کے پاس بھیجا تو وہ اُس نے قبول نہ کیا، بلکہ معتمد کو دھمکایا کہ اگر تم تمام مضبوط قلعے مجھے حوالہ کر کے مسلمانوں کے پاس صرف میدانی علاقہ نہ رکھلوگے تو قرطبہ کے فتح کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہوں۔ یہ پیغام جس سفیر کے ہاتھ بھیجا اُس کے ساتھ قریب پانچ سو سواروں کے تھے۔ معتمد نے اُن کو اپنے یہاں اُتارا اور اپنے ارکان سلطنت اور سپہ سالاروں سے مشورہ کیا، اور پھر حکم دے دیا کہ تمام کفار کو قتل کر دیا جائے۔ سفیر کو اپنے سامنے بلا کر اُس کو اتنے تھپڑ لگوائے کہ اُس کی آنکھیں نکل پڑیں۔ ان لوگوں میں سے صرف تین آدمی بچے اُنھوں نے جا کر اذفونش سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ اُس وقت قرطبہ کے محاصرے کے لئے جا رہا تھا۔ یہ سن کر وہ طُلیطُلہ کی طرف لوٹا کہ آلات محاصرہ جمع کرے، اور فوج زیادہ جمع کرے۔ انتہیٰ

فقیہہ ابو عبداللہ عبداللہ بن عبدالمنعم الحمیری نے اپنی کتاب "الروض المعطار فی ذکر المدن و الاقطار" میں یہ لکھا ہے کہ معتمد چوں کہ ابن صمادح صاحب مریہ کے ساتھ

لڑنے میں مصروف رہی اس لئے اُن کو اذفونش کے پاس خراج مقررہ بھیجنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ جب اُنھوں نے خراج بھیجا تو اذفونش کو بہت غصہ آیا اور اُس نے معتمد سے علاوہ خراج کے بعض قلعے بھی طلب کئے۔ نیز یہ خواہش کی اُس کی بیوی قمجیطہ کو جو حاملہ تھی، اجازت دی جائے کہ وہ اپنا وضع حمل قرطبہ کی جامع مسجد میں کرے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جامع مسجد کے غرب کی طرف جو مقام تھا اور جو مسجد میں شامل کرلیا گیا تھا، عیسائیوں کے نزدیک بہت متبرک تھا۔ اس لئے قیسوں اور اسقفوں نے اذفونش کو یہ رائے دی تھی کہ اُس کی بیوی کا وہیں وضع حمل ہو۔ علاوہ ازیں اذفونش نے یہ بھی خواہش کی تھی کہ اُس کی بیوی کو مدینۃ الزہرا میں اُتارا جائے، جو قرطبہ سے غرب کی طرف واقع تھا۔ یہ وہی شہر ہے جس کو الناصرلدین اللہ نے شوق سے بنایا تھا، اور اُس کے بنانے میں اُنھوں نے سخت محنت کی تھی۔ اور اُس کو عجیب و غریب اور خوبصورت بنانے میں پورا زور ختم کرلیا تھا۔ اُس کے واسطے سنگ رخام و مرمر وابری اور مشہور حوض ممالک دوردست سے منگوائے تھے، اور لانے والوں کو علاوہ قیمت و اجرت ڈھلائی وغیرہ بہت کچھ انعام دیا تھا۔ اس میں اُنھوں نے بہت سا مال خرچ کیا تھا۔ یہاں تک کہ خود بنفس نفیس کاریگروں کے ساتھ شامل رہتے تھے۔ اُن کو اس میں اس قدر مشغولیت تھی کہ متواترتین جمعوں کی جماعت میں شریک نہ ہوئے تھے۔ چوتھے جمعہ میں گئے تو اُس زمانہ کے فقیہ زاہد منذر بن سعید البلوطی نے اثنائے خطبہ میں اُن کو بہت بھلا بُرا کہا۔ چنانچہ اس کا قصہ مشہور ہے۔ زاہرہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی عمارت تھی جو شخص کہ اس کے متعلق زیادہ واقفیت پیدا کرنا چاہے اُسے چاہیئے کہ تاریخ ابن حیان کو ملاحظہ کرے۔

غرض اطبا اور پادریوں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ اذفونش کی بیوی زہرا میں رہے تاکہ وہاں کی بہترین آب وہوا سے فائدہ اُٹھائے، اور پھر جامع مسجد جاکر وضع حمل کرے۔

تاکہ اُس کنیسہ کی برکت و فضیلت حاصل کرے جو جامع مسجد کے اندر آگیا ہے۔ جو سفیر کہ یہ پیغامات لے کر آیا تھا وہ اذفونش کا وزیر اور مذہباً یہودی تھا۔ ابن عباد نے اُس کی خواہشات کو رد کر دیا۔ اذفونش نے یہودی کو پھر بھیجا۔ اُس نے ابن عباد سے اس طرح گفتگو کی کہ وہ اُس کے متحمل نہ ہو سکے۔ اُن کے سامنے دوات رکھی ہوئی تھی اُسی کو اُٹھا کر اُنھوں نے یہودی کے ایسے زور سے ماری کہ اُس کا دماغ حلق میں آ رہا۔ پھر اُنھوں نے حکم دیا کہ اُس کو قرطبہ میں اُلٹا ٹانگ دیا جائے۔ جب اُن کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اُنھوں نے فقہائے سے اس کے متعلق فتویٰ لیا۔ فقیہ محمدؒ بن الطلاع نے اس کو جائز قرار دیا۔ کیوں کہ ایلچی اپنے حدود ایلچی گری سے متجاوز ہو گیا تھا، اس لئے وہ مستوجب قتل تھا، لہٰذا اُن پر کوئی گرفت نہیں ہو سکتی۔ فقیہ محمدؒ نے اور فقہائے سے کہا کہ میں نے یہ فتویٰ دینے میں اس لئے جلدی کی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ معتمد اپنے ارادے سے باز آجائیں اور دشمن سے نہ لڑیں۔ ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ کو اُن کی لڑائی میں مسلمانوں کی بہتری منظور ہو۔ جب اذفونش کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو اُس نے اپنے خدا کی قسم کھائی کہ میں معتمد سے اشبیلیہ میں جا کر لڑوں گا، اور اُس کا محاصرہ اُسی کے قصر میں کروں گا۔ چنانچہ اُس نے دو فوجیں تیار کیں۔ ایک پر اُس نے اپنے کتوں میں سے ایک کتے (سپہ سالار) کو جو بڑا بہادر تھا افسر مقرر کیا، اور اُس کو حکم دیا کہ علاقہ باجہ جو غربی اندلس میں واقعہ تھا روانہ ہو۔ اور اُس علاقہ کو تہ و بالا کرتا ہوا اشبیلیہ پہونچ جائے۔ وہاں وہ خود (اذفونش) طریانہ کے سامنے اُس سے مل جائیگا۔ دوسری بہت بڑی فوج کی سرکردگی خود اذفونش نے اپنے ہاتھ میں لی اور اُس نے پہلی فوج کے خلاف ایک راستہ اختیار کیا۔ دونوں فوجیں اپنے اپنے راستہ میں تمام شہروں کو تباہ و خراب کرتی ہوئیں اپنے مقرر کردہ موقعہ پر نہر اعظم (وادی الکبیر) کے کنارے ابن عباد کے اُس قصر کے سامنے جہاں وہ اُن دنوں مقیم تھے، خیمہ زن ہوئیں اور ابن عباد کو

لکھا کہ "مجھے یہاں پڑے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا۔ مکھیاں یہاں بہت ہیں اور گرمی بہت سخت۔
تم مجھکو اپنا قصر تحفہ میں دیدو۔ تاکہ تمہارے پنکھے سے میں راحت پاؤں اور اپنے منہ پر سے
مکھیاں اُڑا سکوں"! جب یہ خط ابن عباد کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے اُس خط کی پشت ہی پر جواب
لکھا کہ "میں نے تیرا خط پڑھا اور جو باتیں بطور چھیڑ اور مذاق کے تونے لکھی ہیں اُن سے مجھے آگاہی
ہوئی۔ تجھکو بہت جلد گینڈے کی کھال کے بنتے ہوئے پنکھے دکھلائے جائیں گے، جو تیری
مکھیاں اُڑائیں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ!" جب یہ خط اذفونش کے پاس پہنچا۔ اُس کو پڑھکر سنا اور
اُس کا مطلب معلوم ہوا تو اُس کو ایسا فکر پڑ گیا کہ پہلے نہ پڑا ہوگا۔ اُس نے ابن عباد کے
ارادوں کو تمام اندلس میں مشتہر کرا دیا یعنی یہ کہ معتمد کا ارادہ ہے کہ وہ یوسف ابن تاشفین کو
اندلس میں بلائے اور اُن سے اپنے دشمن کے خلاف مدد لے۔ اس سے لوگ بہت ہی خوش
ہوئے۔ کیوں کہ اس سے اُن کے لیے دروازہائے اُمید کھل گیا۔ لیکن اندلس کے ملوک الطوائف
کو جب معتمد کا ارادہ اور اُن کی خود رائی معلوم ہوئی تو اُنھوں نے معتمد کو متہم گردانا۔ ان میں سے
بعض نے تحریراً بالمواجہ اُن کو افہام و تفہیم کی انجام کار سے ڈرایا اور کہا کہ ملک عقیم ہو رہا
ہے اور دو تلواریں ایک میان میں نہیں جا سکتیں۔ ابن عباد نے یہ جواب دیا (جو بعد میں
ضرب المثل بن گیا) کہ اونٹوں کا چرواہا سُوروں کے چرواہے بہتر ہے۔ یعنی اگر میں یوسف
ابن تاشفین کا لقمہ میں جاؤں اور اُن کا قیدی بن کر اُن کے اُونٹوں کو صحرا میں چراؤں تو یہ
اس سے بہتر ہی کہ مجھے اذفونش پہاڑ ڈالے اور مجھے قیدی بنا کر قشتالہ میں سُور چروائے۔
نیز معتمد نے اپنے ناصحین اور ملامت کرنے والوں سے یہ بھی کہا کہ صاحبو! میری اس وقت
دو حالتیں ہیں۔ ایک حالت یقین اور دوسری حالت شک۔ مجھے ان دو حالتوں سے چارہ
نہیں ہیں۔ حالت شک کا اقتضا یہ ہی کہ یا تو میں ابن تاشفین کے پاس التجا لے جاؤں یا اذفونش
کے ان دونوں میں سے ممکن ہی کہ کوئی میری التجا کو منظور کرے یا نہ کرے۔ حالت یقین کی
صورت یہ ہی کہ اگر میں ابن تاشفین سے مدد لیتا ہوں تو میں خدائے تعالیٰ خوش کرتا ہوں

اور اگر اذ فونش سے مدد مانگتا ہوں اور اگر اذ فونش سے مدد مانگتا ہوں تو خدا کو ناخوش کرتا ہوں پس جب حالت شک عارض ہی تو پھر کیوں اُس امر کو چھوڑ دوں جو جس سے خدائے تعالےٰ راضی ہو، اور کیوں اُس بات کو اختیار کروں جس سے خدائے تعالیٰ کی ناخوشی ہو۔" یہ سُن کر وہ لوگ خاموش ہو گئے کہ جو معتمد کو ملامت کرتے تھے۔

غرض جب معتمد نے اپنا عزم مستقل کر لیا تو اُنھوں نے بطلیوس کے بادشاہ المتوکل عمر بن محمدؒ اور غرناطہ کے بادشاہ، عبداللہ بن حبوس الصنہاجی کو لکھا کہ ہر ایک اپنے قاضیوں کو اُن کے پاس بھیجیں۔ نیز اُنھوں نے قرطبہ کے قاضی جماعہ ابو بکر عبید اللہ ابن ادہم کو بلا بھیجا جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے عقلمند آدمیوں میں سے تھے۔ جب یہ تمام قاضی اُن کے پاس اشبیلیہ میں جمع ہو گئے تو اُنھوں نے اپنے وزیر ابوبکر بن زیدون کو بھی اُن کے ساتھ شامل کیا اور ان چاروں سے کہا کہ "میں تم سب کو یوسف ابن تاشفین کے پاس اپنا ایلچی بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں تاکہ تم سب جا کر اُن کو جہاد کی ترغیب دو۔ اپنے وزیر کو اُنھوں نے سفارت کے لئے تمام ضروری چیزیں مہیا کیں اور اُنھیں معاہدہ کر لینے کا بھی اختیار دیا۔

اس وقت یوسف ابن تاشفین کے پاس متواتر مسلمانان اندلس کے وفد آرہے تھے جو رو رو کر خدا اور اسلام کے واسطے دے کر اُن سے اور اُن کے فقہا اور اُمرا ر دولت سے امداد مانگتے تھے۔ یوسف ابن تاشفین اُن کی گریہ وزاری بغور سنتے تھے اُن کی حالتوں کو سُن کر اُن کا دل پانی ہو جاتا تھا۔ ابھی معتمد ابن عباد کے سفیر دربار کو بھی عبور نہ کر سکے تھے کہ یوسف ابن تاشفین کے ایلچی اندلس کی حالت دریافت کرنے کے لئے بندر پر پہنچ گئے تھے غرض جب معتمد کے سفیر یوسف ابن تاشفین کے پاس پہنچے تو وہ اُن کے ساتھ تپاک سے پیش آئے اور اُن کو اچھے مکان میں اُتارا۔ یہاں سے معتمد کو اس کی اطلاع دی گئی۔ اُنھوں نے اشبیلیہ سے ایک جہاز والیِ سبتہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ یوسف ابن تاشفین کے انتظامات کے ساتھ اپنے آپ کو منسلک کر دیں۔ اُدھر سفیروں سے اُن کی خط و کتابت رہی۔ آخر یہ

سفیر وہاں سے معتمد کے پاس واپس آ گئے۔ اس کے بعد یوسف نہایت آسانی کے ساتھ ساتھ سمندر کو عبور کر کے جزیرۃ الخضراء میں پہنچ گئے۔ یہاں کے لوگوں نے ان کے واسطے اپنے دروازے کھول دیئے اور ضیافت و رسد کا سامان لے کر حاضر ہوئے۔ اُن کے لئے ایک بازار کھول دیا اور اُس میں تمام چیزیں اپنے پاس سے مہیا کیں۔ اور چوں کہ تمام جگہ یہ شہرت کر دی گئی تھی کہ یوسف ابن تاشفین جہاد کے لئے آ رہے ہیں اس لئے لوگ جوق جوق شوق جہاد میں اتنے پہونچے کہ تمام مسجدیں اور چوک اُن لوگوں سے بھر گئے۔ یہاں تک ہم نے صاحب الروض المعطار کو نقل کیا ہے۔ مگر ابن اثیر نے واقعہ زلاقہ اذفونش کے سفیر کے قتل کر دیئے اور اکابر اندلس کے اذفونش سے خوف زدہ ہونے کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ وہاں کے رؤسا جمع ہو کر قاضی عبداللہ بن محمد کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مسلمان کتنے ذلیل ہو گئے ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ عیسائیوں سے خراج لیں، اب اُن کو خراج دیتے ہیں۔ تمام بلاد پر عیسائی غالب ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس ملک کا بہت تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اگر یہی حالت قائم رہی تو نصرانیت اُسی حالت پر آ جائے گی جس پر کہ پہلے تھی۔ ہم نے ایک بات سوچی ہے جو ہم آپ سے عرض کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کے پوچھنے پر لوگوں نے کہا کہ عرب افریقیہ کو لکھا جائے کہ وہ ہماری مدد کے لئے آئیں۔ ہم اُن کو بہت سا مال اس کے بدلہ میں دیں گے اور اُن کے ساتھ ہو کر جہاد کریں گے۔ قاضی عبداللہ نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر وہ یہاں آئے تو ہمارے شہروں کو خراب کریں گے جیسا کہ وہ افریقیہ میں کر چکے ہیں۔ عیسائیوں کو چھوڑ دیں گے اور ہمیں ستائیں گے۔ مرابطین اُن سے اچھے اور ہمارے قریب ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ پھر آپ امیر المسلمین کو لکھئے کہ وہ خود آئیں، جتنی بھی فوج بھیج سکیں اُس سے ہماری مدد کریں ابھی یہ مشورت ہو ہی رہی تھی کہ معتمد ابن عباد قرطبہ میں پہنچے۔ قاضی ابن ادہم نے اُن سے یہ تمام ماجرا بیان کیا۔ معتمد ابن عباد نے کہا کہ پھر آپ ہی ہماری طرف سے سفیر ہو کر یوسف

ابن تاشفین کے پاس جائیے۔ مگر قاضی ابن ادہم نے اس سے انکار کیا اور اپنے آپ کو اس سے علیحدہ رکھنا چاہا۔ مگر معتمد کے اصرار پر وہ امیر المسلمین ابن تاشفین کے پاس گئے (اس زمانہ میں وہ سبتہ میں تھے) اور اُن سے مسلمانوں کی حالت بیان کی کہ وہ اذفونش سے سخت خوفزدہ ہیں۔ اُنھوں نے اُسی وقت حکم دیا کہ جو فوجیں اُن کے پاس تھیں وہ فوراً اندلس کی طرف روانہ ہوں، اور باقی فوجوں کو اُنھوں نے مراکش سے طلب کیا۔ اور جب یہ سب جمع ہوگئیں تو وہ دریا سے عبور کرکے معتمد بن عباد کے پاس اشبیلیہ میں پہنچ گئیں اُدہر معتمد نے بھی اپنی افواج جمع کر رکھی تھیں۔ قرطبہ سے بھی بہت سی فوجیں نکل آئیں اور تمام بلاد اندلس سے بھی لوگ از خود جمع ہو گئے۔ اذفونش کو جب خبر پہونچی تو اُس نے بھی اپنی فوجیں جمع کیں اور طلیطلہ سے روانہ ہوا۔ اور امیر المسلمین یوسف ابن تاشفین کو ایک خط لکھا جو کسی باغی ادیب مسلمان کا لکھا ہوا تھا۔ جس میں اُس نے اپنی قوت اور تعداد فوج کو بہت مبالغہ سے بیان کیا تھا۔ جب یہ خط امیر المسلمین کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے اُس کو پڑھکر اپنے کاتب ابو بکر ابن القصیرہ کو اُس کا جواب لکھنے کا حکم دیا۔ یہ بہت لایق کاتب تھے۔ جب یہ خط امیر المسلمین کو سنایا گیا تو اُنھوں نے کہا کہ یہ جواب بہت لمبا ہے۔ یہ کہکر اُنھوں نے اذفونش کا خط مانگا اور اُس کے پشت پر صرف یہ لکھکر کہ "الذی یکون ستراہ" (جو کچھ ہونیوالا ہی اُسے تو عنقریب دیکھے گا) خط روانہ کر دیا۔ جب اذفونش نے یہ الفاظ پڑھے تو وہ کانپ اُٹھا اور اُس نے سوچا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس سے لڑنے کی اُس کو طاقت نہیں ہی۔

ابن خلکان نے لکھا ہی کہ یوسف ابن تاشفین نے حکم دیا کہ پہلے اونٹوں کو عبور کرایا جائے اونٹ اتنی تعداد میں وہاں پہنچائے گئے کہ تمام جزیرہ بھر گیا اور اُن کی آواز آسمان تک پہنچی۔ اہل جزیرہ یا اُن کے گھوڑوں نے اس سے پہلے اونٹ نہیں دیکھے تھے۔ گھوڑے اونٹوں کی صورت دیکھکر اور اُن کی آواز سُن کر سرکشی کرتے تھے۔ اصل یہ ہی کہ اونٹوں کو وہاں پہنچانے

میں یوسف ابن تاشفین نے بہت ہی عقل سے کام لیا۔ یہ اونٹ اُن کے لشکر کے گرد رہتے تھے اور لڑائی میں آگے رکھے جاتے تھے۔ عیسائیوں کے گھوڑے اُن کو ڈرتے تھے اور اُن کی فوج کو تہ و بالا کر دیتے تھے۔

یوسف ابن تاشفین نے اذفونش کو ایک خط لکھا جس میں سُنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق اُس پر تین باتیں پیش کیں۔ اسلام، جزیہ یا جنگ منجملہ اور باتوں کے اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ "اے اذفونش! ہم کو معلوم ہوا ہے کہ تو ہمارے مقابلہ کا طالب تھا اور تیری یہ تمنا تھی کہ تیرے پاس اگر جہاز ہوتا تو تو دریا سے عبور کر کے ہم سے آ ملتا۔ لے! اب ہم خود یہاں آ گئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے یہ میدان ہمارے اور تیرے اجتماع کے لئے قرار دیا تھا عنقریب تو اپنے دعا کا انجام دیکھے گا۔ وَمَا دُعَاءُ الظَّالِمِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ (انتہیٰ طبعناہ واکثرہ بلفظہ)

اب ہم پھر صاحب الروض المعطار کے کلام کی طرف رجوع کرتے ہیں، وہ اندلس کی تاریخ سے زیادہ واقف ہیں، کیوں کہ وہ ہیں کے رہنے والے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ گھر والا اپنے گھر کی چیزوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ کہتے ہیں (خدا اُن پر رحمت کرے) کہ جب یوسف اپنی فوج کے ساتھ جزیرۃ الخضراء میں پہنچ گئے تو وہاں سے وہ نہایت خوبصورتی کے ساتھ ایک لشکر کے بعد دوسرا اور ایک سپہ سالار کے بعد دوسرا سپہ سالار اور ایک قبیلہ کے بعد دوسرے قبیلہ کو لے کر اشبیلیہ پہنچے۔ معتمد نے اپنے بیٹے کو یوسف سے ملنے کے لئے بھیجا۔ اور اپنے بلاد کے عمال کو حکم بھیجا کہ رسد و ضیافات کا سامان لے کر چھاؤنی میں پہنچیں۔ یوسف نے جو کچھ بھی دیکھا اُس سے وہ بہت ہی خوش ہوا۔ اور فوج سپہ سالاروں سمیت اشبیلیہ پہنچ گئی۔ معتمد سو سوار اور اپنے ارکان سلطنت کو لے کر اشبیلیہ سے یوسف کے ملنے کے لئے نکلے، اور جب یوسف کے قیام گاہ کے قریب پہنچے تو ان لوگوں نے اُن کی طرف اور اُنھوں نے ان کی طرف گھوڑے دوڑائے۔ یوسف تنہا معتمد کی طرف آئے اور دونوں تنہا ہی آپس میں

ملے، مصافحہ کیا اور بغلگیر ہوئے۔ غرض دونوں نے ایک دوسرے سے اظہار محبت وخلوص
کیا، دونوں نے خدائے تعالےٰ کی نعمتوں کا شکریہ کیا۔ آپس میں صبر ورحمت کی تلقین کی
اور ایک دوسرے کو کفار سے جہاد کرنے کی مبارکباد دی۔ دونوں نے خدائے تعالیٰ
سے دُعا کی کہ اس جہاد کو وہ خالص طور پر اپنے واسطے کرے، اور اُس کے ذریعہ سے اپنا
تقرب عطا فرمائے۔ اس کے بعد وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے اور اپنے اپنے
قیام گاہ کی طرف چلے گئے۔ ابن عباد نے ہدایا، وتحف وضیافات یوسف ابن تاشفین کے
پاس بھیجے۔ اُس رات کو وہ اپنے اپنے قیامگاہ میں سوئے۔ دوسرے روز صبح کی نماز
پڑھ کر سب سوار ہوئے۔ ابن عباد نے یوسف ابن تاشفین کو اشبیلیہ کی طرف جانے کی
رائے دی، چنانچہ اُنھوں نے یہی کیا۔ رعایا اپنے اپنے بادشاہ کی عزت دیکھکر بہت خوش
ہوئے۔ ملوک طوائف اندلس میں سے کوئی بھی ایسا باقی نہیں رہا کہ جو خود نہ آیا ہو۔ یا اُس نے
مدد نہ کی ہو اور لوگوں کو نہ نکالا ہو۔ صحرا کے لوگوں نے بھی یہی کیا اور ہر گوشہ کے آدمیوں کو
یوسف کے پاس بھیجا۔

اذفونش کو جب حرکت فوج وجنگ کا یقین ہوگیا تو اُس نے اپنے ملک اور قرب وجوار
نیز دُور دست لوگوں کو بُلایا۔ قسیس، رہبان اور اسقفون نے صلیبیں بلند کیں اور انجیلیں کھولیں
اس ترکیب سے جلیقیہ اور فرانس کے رہنے والے اتنے جمع ہوگئے کہ شمار میں نہیں آسکتے۔
ہر فریق کے جاسوس اپنی اپنی جمعیت میں پھرتے تھے۔

اذفونش نے ابن عباد کو لکھا کہ تمہارا دوست یوسف اپنے بلاد سے تنگ آکر دریا عبور
کرکے یہاں پہنچا ہے۔ اب جو کچھ اُس کی زندگی باقی ہے اُسے آرام سے گزارنے کے لئے
میں کافی ہوں۔ میں تمھیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ میں خود تم سے آکر تمہارے ملک میں ملتا ہوں
کہ تم پر اور بھی سہولت اور نرمی۔ اس کے بعد اُس نے اپنے خاص لوگوں اور مشیروں سے
کہا کہ اگر میں دشمنوں کو اپنے ملک میں داخل ہو کر لڑنے کا موقعہ دوں تو میرے اور اُن کے

درمیان میں پہاڑوں کی دیوار ہوگی۔ اگر مقدر نے اُن کے موافق فیصلہ کیا تو وہ میرے ملک پر قبضہ کرکے بیٹھ جائیں گے اور یہاں کے باشندوں کو پیس ڈالیں گے۔ لیکن اگر میں اُن کے ملک میں جاکر اُن سے لڑا اور بامسۂ تقدیر میرے خلاف پڑا تو جو کچھ اُن کو ملے گا اُس پر وہ قناعت کرکے بیٹھ جائیں گے اور آگے بڑھنے کی ضرورت نہ دیکھیں گے۔ اس سے میرے ملک کی حفاظت رہیگی اور اس صورت میں اگر مجھے کامیابی ہوئی تو میں اُن کے ملک میں وہ کرسکونگا جس کا مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میرے ملک میں آکر کریں گے۔ اس تدبیر کو اختیار کرنے کے بعد وہ اپنی فوج اور بہترین لشکر لے کر دزدوں کی طرف بڑھا اور باقی افواج اپنے پیچھے چھوڑی جب اُس نے اپنی فوج کو دیکھا تو کہنے لگا کہ اس فوج سے تو میں جن وانس و ملائکہ تک سے لڑ سکتا ہوں۔ اندازہ کرنے والے کہتے ہیں کہ کم ازکم چالیس ہزار زرہ پوش آدمی اس فوج میں تھے اور ان میں سے ہر ایک کے تحت میں اور لوگ تھے۔ لیکن عیسائی اُن لوگوں کے تخمینہ پر تعجب کرتے تھے جو فوج کو چالیس ہزار بتلاتے تھے۔ کیونکہ اُن کے اندازہ میں فوج اس سے بدرجہا زیادہ تھی۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں کی فوج کفار سے بہت ہی کم تھی۔

اذفونش نے خواب میں دیکھا کہ گویا وہ ہاتھی پر سوار ہے جو اپنی سونڈ سے ایک ڈھول بجاتا ہے۔ اس خواب سے وہ ڈر گیا۔ اپنے قسیس ورہبان سے اس کی تعبیر پوچھی مگر کوئی نہ بتلا سکا۔ اُس نے ایک یہودی کو خفیہ طور پر مقرر کیا کہ کسی مسلمان سے تعبیر پوچھے۔ لوگوں نے اس یہودی کو ایک معبر کا پتہ دیا۔ یہودی نے جاکر اُس سے یہ خواب اپنی طرف منسوب کرکے بیان کیا۔ معبر نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو یہ خواب تمہارا نہیں ہے۔ تاوقتیکہ تم اُس شخص کا نام نہ بتلاؤ گے کہ جس کا یہ خواب ہے میں تعبیر نہ بتلاؤں گا۔ جب اُس نے یہ بتلایا کہ خواب اذفونش کا ہے تو معبر نے کہا کہ اب تم نے صحیح کہا ہے۔ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ کوئی بلاءِ عظیم اور مصیبت سخت اس کی فوج پر پڑنے والی ہے، اور تفسیر ہے خدا تعالےٰ

سے اس قول کی کہ الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل اُس کا اپنی سونڈ سے ڈھول بجانا دلالت کرتا ہے، فاذا نقر فی الناقور فذالک یومئذ یوم عسیر یہودی نے جا کر اذفونش سے ایسی تعبیر بتلائی جو اذفونش کی طبیعت کے موافق تھی۔

غرض اذفونش سلطان یوسف ابن تاشفین کی طرف بڑھا اور وہ اس کی طرف۔ معتمد کسی کام کے لئے پیچھے رہ گئے۔ مگر بہت جلد ایک فوج لے کر سلطان سے جا ملے جس میں رؤسائے اندلس اور عماید مضافات شامل تھے۔ معتمد نے اس فوج کا مقدمۃ الجیش اپنے بیٹے عبداللہ کو بنایا وہ بطریق تفاول مندرجۂ ذیل مشہور ابیات کو پڑھتے جاتے تھے۔

لابد من فرج قریب ۔۔۔ یاتیک بالعجب العجیب

غزو علیک مبارک ۔۔۔ سیعود بالفتح القریب

للہ سعدک انہ ۔۔۔ نکس علی دین الصلیب

لابد من یوم یکو ۔۔۔ ن لہ اخا یوم القلیب

تمام افواج بطلیوس پہنچ گئیں اور اُس کے باہر خیمہ زن ہوگئیں۔ وہاں کے بادشاہ المتوکل عمر بن محمد الافطس، یوسف بن تاشفین اور معتمد سے ملنے کے لئے ضیافات اور رسد کا سامان لے کر آئے۔ اذفونش کے نقل و حرکت کی بھی خبر پہنچ گئی۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو معتمد کو صحرا نشین لوگوں کی فوج کا خیال آیا اور یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں اذفونش ان لوگوں کو اپنے مکر و فریب میں نہ پھنسا لے۔ کیوں کہ یہ لوگ اجنبی تھے اور شہروں کا اُن کو علم نہ تھا۔ اس لئے معتمد نے اُن کی نگرانی اپنے ذمہ رکھی۔ یہاں تک کہ یہ کہا جاتا ہے کہ صحرائی فوج میں سے کوئی شخص اپنے قیام گاہ سے کسی طرف کسی ضرورت سے اگر کہیں جاتا تو اُس کو معتمد ابن عباد ضرور ملتے تھے۔ وہ پیادوں اور سواروں کی ترتیب خود کرتے تھے اور اُن کو موقعہ آمد و رفت پر خود مقرر کرتے تھے۔

سلطان یوسف ابن تاشفین نے اذفونش کو ایک خط لکھا جس میں اُنھوں نے اُس پر

تین شرائط شرعی پیش کیں (اسلام جزیہ یا جنگ) اس خط کو دیکھکر اُسے بہت غصہ آیا جو اُسکی شقاوت پر دال تھا۔ اہبان اور اسقفون نے اپنی صلیبیں بلند کیں اور انجیلیں کھول کر لئے پھرے اور موت پر بیعت لی۔ ادھر یوسف اور معتمد نے اپنے آدمیوں کو وعظ کیا، فقہاء اور صالحین نے اثناء وعظ میں لوگوں کو صبر و ثبات کی تحریص کی اور ضعف و فرار سے ڈرایا۔

چہارشنبہ کے روز طلائعیہ نے علی الصباح آکر اطلاع دی کہ دشمن اُن کے سامنے موجود ہے۔ مسلمان اپنی اپنی جگہ صف میں کھڑے ہو گئے۔ ان کو دیکھکر اذفونش ڈر گیا اور مکر و فریب شروع کیا۔ لوگ اپنے اپنے مقام پر واپس آ گئے، اور رات کو آرام کیا دوسرے روز پنجشنبہ کو اُٹھے تو اذفونش نے معتمد سے کہلا کر بھیجا کہ کل جمعہ ہی جو تم لوگوں کی عید ہے، اور اتوار کو ہماری عید ہی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہمارا تمہارا مقابلہ شنبہ کے روز ہو۔ یہ سُن کر معتمد نے یوسف سے کہا کہ یہ اُس کی طرف سے حیلہ اور فریب ہی۔ مقصود اُس کا یہ ہی کہ وہ جمعہ ہی کو ہمارے اوپر ٹوٹ پڑے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ لوگ جمعہ کے روز تمام دن تیار رہیں۔ رات کو لوگ احتیاط کے سوئے اور حفاظت کرتے رہے۔ جب رات کا ایک حصہ گزر گیا تو فقیہہ و عابد ابوالعباس احمد بن رمیلۃ القرطبی، جو معتمد ابن عباد کے خیمہ میں سو رہے تھے، نہایت خوش اور مسرور جاگے اور کہنے لگے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی خواب میں دیکھا ہے۔ حضورؐ نے مجھے فتح اور نیز صبح کو میری موت کی بشارت دی ہے۔" یہ کہکر اُنھوں نے بتضرع وزاری دُعائیں مانگیں اور اپنے سر میں تیل اور کپڑوں میں عطر لگایا۔ معتمد ابن عباد کو بھی اس کی خبر پہونچی تو اُنھوں نے یوسف ابن تاشفین کو اطلاع کی تاکہ اُن کو یہ تحقیق ہو جائے کہ دشمن کا فریب کرنے والا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد معتمد کے طلایعہ کے دو سواروں نے آکر اطلاع دی کہ ہم اذفونش کے قیام گاہ تک گئے تھے۔ وہاں ہم نے فوج اور اسلحہ کی آواز سُنی ہی۔ پھر باقی طلایعہ

سے بھی آکر اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد جاسوسوں نے آکر اطلاع دی کہ ہم نے اذفونش کو اپنے دوستوں سے یہ کہتے سُنا ہے کہ "ابن عباد تو ان جنگوں کا عادی ہے، مگر یہ صحرائی لوگ خواہ کیسے ہی صاحب بصیرت و حافظہ ہوں، لیکن ان بلاد سے بالکل ناواقف ہیں ابن عباد ہی کی ہدایتوں پر وہ کام کر رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم پہلے ابن عباد ہی پر ہجوم کرو۔ اور صبر سے کام لو اگر تم نے ابن عباد کو زیر کر لیا تو صحرائیوں پر غالب آنا تم کو آسان ہوگا۔ اگر تم نے دل پر رکھا اور زور سے حملہ کیا تو ابن عباد تمہاری تاب نہ لاسکے گا" یہ سُن کر ابن عباد نے اپنا کاتب ابوبکر بن القصیرہ، سلطان یوسف کے پاس بھیجا، اُن کو اذفونش کے آگے بڑھنے کی اطلاع دی، اور اُن سے مدد مانگی۔ ابن القصیرہ چھاؤنیوں کو عبور کرتے ہوئے سلطان یوسف کے پاس پہنچے اور اُن سے یہ سارا قصہ بیان کیا سلطان نے کہا کہ تم اپنے آقا سے جا کر کہدو کہ مَیں اُن سے بہت ہی قریب ہوں، انشاءاللہ تعالیٰ" یہ کہکر سلطان نے اپنے ایک سپہ سالار کو حکم دیا کہ "ایک رسالہ جو میں خاص اسی غرض سے بنایا ہے، لے کر عیسائیوں کی چھاؤنی میں داخل ہو جائے اور جب اذفونش معتمد سے لڑائی میں مصروف ہو تو وہاں آگ لگا دے"۔ ابن قصیرہ معتمد کے پاس پاس واپس چلے گئے۔ ابھی وہ پہنچنے بھی نہیں پائے تھے کہ دشمن کا لشکر اُن پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ ابن عباد کو اس سے ایسا صدمہ ہوا کہ اُن کی تمام اُمیدیں ٹوٹ گئیں اذفونش اپنی تمام فوج سے معتمد پر ٹوٹ پڑا، اور اُن کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ لڑائی گھمسان کی شروع ہوئی اور ابن عباد کی فوج میں سخت خوں ریزی اور قتال ہوا۔ لیکن ابن عباد بھی ایسے پیر جما کر لڑے کہ کوئی اُس سے پہلے نہ لڑا ہوگا۔

معتمد کی آنکھیں سلطان یوسف کی طرف لگی ہوئی تھیں اور لڑائی معتمد اور اُن کے ساتھیوں پر شرف پکڑتی جاتی تھی۔ آنکھیں برابر صحرائی فوج کی طرف اُٹھتی تھیں اور بدگمانی بڑھتی جاتی تھی۔ ابن عباد کے بعض ساتھی جی چھوڑ چکے تھے۔ ان ہی میں ان کے بیٹے

عبداللہ بھی تھے۔ ابن عباد کو زخم آئے اور ایک ضرب اُن کے سر پر ایسی پڑی کہ جو پیشانی تک پہنچ گئی۔ ایک زخم اُن کے داہنے ہاتھ میں لگا، اور ایک تیر ران میں تین گھوڑے یکے بعد دیگرے اُن کے نیچے ہلاک ہوئے۔ لیکن معتمد تھے کہ موت کے منہ میں جاتے تھے، اور دائیں بائیں تلوار چلا رہے تھے۔ آخر سب سے پہلا شخص جو ابن عباد کی مدد کے واسطے ابن تاشفین کی طرف سے آیا وہ اُن کا سپہ سالار داؤد بن عایشہ تھا، جو نہایت شجاع اور تجربہ کار سپاہی تھا۔ جس سے کہ ابن عباد کو بڑی تقویت ہوئی۔ اُس کے بعد یوسف خود آئے۔ جن کے طبل کی آواز آسمان تک پہنچتی تھی۔ اذفونش نے اُن کو دیکھکر اپنے حملے کا رُخ اُن کی طرف کیا۔ اور تمام فوج کو اُن کی طرف ریل دیا۔ سلطان یوسف بھی اُس کی طرف بڑھے اور اپنی تمام فوج کو اذفونش کے مرکز کی طرف بڑھا دیا جس سے ابن عباد کی فوج بھی آکر شامل ہوئی۔ فتح کی ہوا نے چل کر نصرت کی بشارت دی۔ پھر تو ساری فوج نے اتفاق کرکے حملہ کیا۔ جس کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین میں زلزلہ آگیا اور گرد وغبار سے اندھیرا ہوگیا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ دونوں فریق نے بہت بڑی ثابت قدمی دکھائی۔ پھر ابن عباد نے یوسف کے ساتھ مل کر ایسا سخت حملہ کیا کہ گویا اپنے ساتھ نصرت لے کر آیا تھا۔ ابن عباد کے جو ساتھی ہزیمت خوردہ تھے، جب اُنھوں نے لڑائی کی یہ صورت دیکھی تو وہ بھی پلٹ پڑے اور حملہ آوروں کے ساتھ شامل ہوگئے۔ آخر کافر دشمن نے جی چھوڑ دیا۔ اور شکست کھا کر بھاگا۔ اُس کے ایک گھٹنے میں ایسا تیر لگا کہ جس کا اثر عمر بھر باقی رہا۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ابن تاشفین چہارشنبہ کے روز دشمن کی فوج سے ایک فرسخ سے بھی کم فاصلے پر خیمہ زن تھے۔ لڑائی شنبہ کے روز ہونے والی تھی۔ لیکن اذفونش نے مکر اور بے ایمانی سے کام لیا۔ جمعہ ۱۵ رجب کو ابن عباد کے طلایع نے آکر یہ اطلاع دی کہ دشمن پیچھے آ رہا ہے۔ لوگ اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ابن عباد

فوراً سوار ہوئے تمام لشکر میں یہ خبر پھیل گئی، لوگ اضطراب میں پڑ گئے اور زمین میں زلزلہ آگیا دشمن کی فوج نے ابن عباد کو آکر گھیر لیا، اور اُن کے زخم آئے۔ روساء اندلس بھاگ گئے اُنھوں نے اپنے مقامات کو چھوڑ دیا، اور یہ خیال کیا کہ کام تمام ہو چکا۔ اُدھر اذفونش نے یہ گمان کیا کہ شکست خوردہ لوگوں میں سلطان یوسف بھی ہیں اُس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان العاقبۃ للمتقین۔ امیر المسلمین اپنے صنہاجی پیدل اور سواروں اور روساء قبائل کو لے کر اذفونش کے قیام گاہ کی طرف بڑھے اور اُس کو گھیر کر اُس کے اندر داخل ہو گئے، اور قتل و غارت شروع کر دیا۔ طبل بجائے گئے، اور بوق بھونکے گئے جس سے کہ زمین ہل گئی اور پہاڑوں نے جواب دیا۔ عیسائیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ امیر المسلمین حملہ آور فوج میں ہیں تو وہ اپنی چھاؤنی کی طرف لوٹے اور حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے اور اُن کو پسپا کیا۔ فریقین کی یہ پس پائی متواتر رہی حتیٰ کہ امیر المسلمین نے اپنی افریقی فوج کے چار ہزار سوار بلائے، جن کے پاس گینڈے کے چمڑے کی ڈھالیں ہندی تلواریں اور زاب کے نیزے تھے۔ اُن کو گھوڑوں سے اُتار کر اذفونش پر حملہ کرنے کے لئے کہا گیا جو خود شمشیر بکف لڑ رہا تھا۔ ایک حبشی پر اذفونش نے حملہ کیا اُس نے اُس کے گھوڑے کے نیچے گھس کر اُس کی باگ پکڑ لی اور اپنا خنجر نکال کر اذفونش کی ران پر وار کیا، جس نے زرہ کو کاٹا، ران کو چیرا، چارجامہ کو پھاڑا اور گھوڑے کے گوشت میں جا بیٹھا۔ اس وقت زوال آفتاب کا وقت تھا، اور نصرت کی ہوا چلنے لگی تھی مسلمانوں کے لئے خدائے تعالیٰ نے تسکین نازل فرمائی اور اپنے دین قویم کی مدد فرمائی۔ اذفونش اور اُس کے ساتھیوں پر اور بھی سخت حملہ ہوا اور اُن کو اُن کی چھاؤنیوں سے نکال کر بھگا دیا۔ دشمنوں کی گردنیں تھیں اور مسلمانوں کی تلواریں، عیسائیوں کے جسم تھے اور افریقیوں کے نیزے، حتیٰ کہ وہ امن کی جگہ میں پہنچ گئے۔ اذفونش راتوں رات اپنے آدمیوں کو لے کر بھاگ گیا اور مسلمان اُن کی چھاؤنی میں جا کر اُن کے آلات و اسلحہ

دیر تن وغیرہ پر قابض ہوگئے۔ ابن عباد نے حکم دیا کہ کفار کے مقتولین کے سروں کو
ایک جگہ جمع کیا جائے، جن سے ایک بہت بڑا تودہ بن گیا (انتہیٰ وبعضہ بالمعنیٰ)

صاحب الروض المعطار لکھتے ہیں کہ اذفونش معہ بقیۃ السیف سوا اُن کے، جو قریباً
پانچ سو ہوں گے، ایک پہاڑی کے پاس جاکر پناہ گزیں ہوا۔ یہ تمام سوار زخمی اور خستہ
تھے۔ جو لوگ کہ قتل یا قید ہوئے وہ الگ تھے۔ مسلمانوں نے ان کے سروں سے
ماذنہ بنایا جس پر کھڑے ہوکر اذان دی جاتی تھی۔ میدان میں جہاں تک نظر جاتی تھی سوا
وبال ونکال کے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ابن عباد سلطان یوسف کے پاس آئے، اُن سے
مصافحہ کیا، مبارکباد دی شکریہ ادا کیا اور اُن کی تعریف۔ سلطان نے بھی ابن عباد کی
ثابت قدمی وغیرہ کی تعریف کی اور پوچھا کہ جب میرے آدمی ہزیمت کے پاس پہنچے
ہیں تو آپ کا کیا حال تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ آپ کے سامنے موجود ہیں۔
یہ خود بتلائیں گے۔

اس روز بہت سے فضلاء، علماء اور اعیان، مثل ابن رمیلہ (جن کا خواب ہم اوپر
بیان کرچکے ہیں) اور قاضی مراکش، ابومروان عبدالملک المصمودی وغیرہ، شہید ہوئے
خدائے تعالیٰ سب پر رحمت فرمائے۔

کہتے ہیں کہ میدان جنگ میں خون اور مردوں کی وجہ سے قدم رکھنے کو بھی جگہ نہ تھی
فوج چار روز تک وہیں مقیم رہی۔ پہلے سلطان یوسف نے لوٹ کی اجازت دے دی تھی
مگر بعد میں منع کر دیا۔ اس کا اثر ملوک اندلس پر اچھا پڑا۔ اور انھوں نے سمجھ لیا کہ سلطان
کا ارادہ محض جہاد اور اجر عظیم حاصل کرنے کا تھا چنانچہ اس سے اُن کے دل میں سلطان
کی محبت اور عظمت اور بھی بڑھ گئی، اور اُن کے ممنون ہوئے۔

جب اذفونش اپنے علاقہ میں پہونچا تو اُس نے اپنے شجاع وجری دوستوں کو
دریافت کیا تو ایک بھی نہ ملا۔ اور سوا رونے دُھونے کے اور کچھ نہ سُنا۔ اُس نے کھانا پینا چھوڑ دیا

اور اسی غم وہم کی حالت میں جہنم واصل ہوگیا۔ اُس نے اپنے پیچھے صرف ایک بیٹی چھوڑی وہی اُس کے بعد تخت نشین ہوئی اور طلیطلہ میں قلعہ بند ہوکر بیٹھ گئی۔

معتمد اشبیلیہ گئے۔ سلطان یوسف بن تاشفین بھی اُن کے ساتھ تھے تین روز اشبیلیہ کے باہر قیام کر سکے تھے کہ مغرب سے اُن کے پاس ایسی اطلاعیں پہنچیں کہ اُن کو واپس جانا پڑا۔ معتمد ایک رات اور ایک دن اُن کے ساتھ رہکر واپس آگئے۔ کیوں کہ اُن کے تمام زخم ورم کر آئے تھے۔ البتہ اپنے بیٹے عبداللہ کو اُنھوں نے ساحل بحر تک سلطان کے ساتھ متابعت کے لئے بھیجا۔

جب ابن عباد اشبیلیہ پہنچے تو لوگوں نے اُن کو مبارکباد دی اور شعراء نے قصائد پیش کئے۔ عبدالجلیل بن وہبون کہتے ہیں کہ میں اُس روز موجود تھا۔ اور میں نے جتنے قصیدے پڑھے گئے ہیں سب کو گنا ہے۔ ایک قاری نے جب یہ آیت پڑھی کہ "الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ" تو میں نے کہا کہ اس آیت سے زیادہ میں کیا شعر کہہ سکتا ہوں۔

سلطان یوسف ابن تاشفین اپنے ملک واپس جاتے ہوئے اپنے مشہور سپہ سالار امیر سیری بن ابوبکر کو معہ کچھ فوج کے عیسائیوں سے جہاد کرنے کے لئے چھوڑ گئے۔ امیر مذکور چند روز آرام کرنے کے بعد اذونش کے بلاد میں داخل ہو گئے۔ اور وہاں قتل اور غارت اور قید کا سلسلہ جاری کر دیا۔

بڑے مضبوط قلعوں کو فتح کیا اور دشوار گزار علاقوں پر قبضہ کرلیا، شہروں کو جاکر لوٹا۔ اور بہت سا مال اور بڑے بڑے خزیرے حاصل کئے اور سوار اور پیدل بھرتی کر لئے۔ اور تمام چیزیں جو کچھ حاصل ہوئیں تھیں سلطان یوسف کو بھیجدی اور اُن کو لکھا کہ "فوجیں دشمن کے دل وجگر پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔ اور جنگ اور قتال سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ اور بادشاہان اندلس اپنے اپنے ملک میں عیش اُڑا رہے ہیں۔ میرے لئے جیسا حکم ہو وہ کروں"۔ سلطان یوسف نے حکم دیا کہ "عیسائیوں کے

ملک سے اپنی فوج ہٹا کر اندلس کے چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کی طرف لے جائیں جو اُس کی اطاعت قبول نہ کریں اُن کے علاقوں پر قبضہ کر لو، اور جو انکار کریں اُن کا محاصرہ اور اُن سے جنگ کرو۔ سب سے پہلے چھوٹے چھوٹے والیانِ ملک سے شروع کرو۔ معتمد بن عباد سے تعرض نہ کرو۔ جب اور علاقوں پر قبضہ کر لو تو معتمد کی خبر لو۔ مفتوحہ ممالک پر اپنی فوج کا ایک ایک امیر چھوڑ دو۔

امیر سیری نے سب سے پہلے جس پر حملہ کیا وہ بنو ہود کا خاندان تھا۔ اور سب سے پہلے جس قلعہ پر حملہ کیا وہ بروطہ تھا جو بڑا مضبوط قلعہ ہے۔ اس میں پانی اور خوراک اور مختلف ذخائر عرصہ مدید کے لئے کافی تھے۔ امیر سیری نے اس کا محاصرہ کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ وہ اُسے فتح نہ کر سکیں گے تو وہاں سے کوچ کر گئے، اور اُس کے بعد فوج کو عیسائیوں کے طریقہ پر مرتب کر کے حکم دیا کہ قلعہ پر حملہ کریں۔ وہ خود اپنے ساتھیوں کو لے کر قریب ہی ایک کمین گاہ میں بیٹھ گئے۔ جب اہل قلعہ نے اپنا ضعف دیکھا تو قلعہ دار کو لے کر باہر نکل آئے سیری نے قلعہ دار کا ہاتھ پکڑ لیا اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر امیر سیری بنو طاہر کی طرف بڑھے، جن کی سلطنت مشرق اندلس میں تھی۔ اس خاندان نے بھی عام بلاد سیری کے سپرد کر دیئے اور خود وہاں سے چلے گئے۔ پھر مریہ میں بنو صمادح پر حملہ کیا۔ ان کے پاس ایک مضبوط قلعہ تھا۔ یہ اُس میں قلعہ بند ہوئے۔ سیری نے اُس کا محاصرہ کر کے اُن کو سخت تنگ کیا۔ جب ابن صمادح نے دیکھا کہ دشمن کو غلبہ ہو چکا ہے تو وہ اسی رنج میں مر گئے۔ اس کے بعد قلعہ پر امیر سیری کا قبضہ ہو گیا اور مریہ کا تمام علاقہ اُن کے قبضہ میں آگیا۔ پھر بطلیوس پہنچے۔ یہاں المتوکل عمر بن محمدؒ بن الافطس حکمران تھے۔ ان کا بھی محاصرہ کیا، اُن کو پکڑ لیا اور اُن کے تمام علاقوں اور مال پر قبضہ کر لیا۔

اب سوا معتمد ابن عباد کے اور کوئی باقی نہ تھا۔ امیر سیری نے سلطان کو تمام حالات سے اطلاع دی۔ اور ابن عباد کے متعلق حکم مانگا۔ یوسف نے اُن کو لکھا کہ "اُن سے کہو کہ وہ اپنے

اہل وعیال کو لے کر صحرائی کی طرف چلے جائیں۔ اگر اس کو وہ مان لیں تو بہتر ورنہ
اُن کا محاصرہ کرلیں۔ اور اُن کو پکڑ کر اوروں کی طرح بھیجدیں۔" امیر سیری معتمد سے ملے
اور سلطان کا حکم اُن کو سُنایا۔ معتمد نے نفی یا اثبات میں کوئی جواب نہیں دیا۔ امیر سیری نے
اشبیلیہ پر چڑھائی کردی اور محاصرہ کرکے سختی کی۔ اور ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد شہر میں
داخل ہوئے اور معتمد کو اُن کے قصر سے نکال کر معہ اُن کے اہل اور بیٹے کے اغمات
بھیجدیا۔ جہاں وہ مرتے وقت تک قید رہے۔ خدائے تعالیٰ اُن کی مغفرت کرے اور
اُن رحم کرے۔

(ابن اثیر نے جو کچھ لکھا ہے اُس میں تقدیم تاخیر ہے۔ اور بعض باتیں اس کے خلاف ہیں
جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں)

جب امیر المسلمین یوسف ابن تاشفین عیسائیوں کے بعد قلعوں کا محاصرہ کرکے اور
اُن پر غلبہ نہ پاکر غرناطہ آئے۔ تو وہاں کا بادشاہ عبداللہ بن بلکین اُن سے ملنے کے لئے
آیا۔ اور ان نے اُن کو سلام کیا۔ مگر جب وہ واپس شہر میں گئے تو اُس سے عذر کیا گیا، اُس کو
نکال کر شہر پر قبضہ کرلیا اور اُس کے قصر میں داخل ہوگئے۔ وہاں بے تعداد مال و ذخائر
پائے گئے۔ اس کے بعد امیر المسلمین مراکش واپس چلے گئے۔ مگر وہ بلاد اندلس کی خوبصورتی
اور بہجت، وہاں کی عالیشان عمارتیں اور باغات، خوراک اور ہر قسم کی چیزیں جو اُن کے
ممالک میں (جو بربریوں اور اجلاف عرب کا علاقہ تھا) نہیں مل سکتی تھیں، نہیں بھولے
تھے۔ سب چیزیں اُن کو بہت ہی پسند آئیں۔ اُن کے خواص نے بلاد اندلس کی ہر چیز کو
بڑھا چڑھا کر بتلایا، اور اُس پر قبضہ کرلینے کی رائے دی۔ نیز معتمد کی نقلیں کچھ اس طرح
بیان کیں کہ اُن کے دل میں معتمد کی طرف سے تغیر آگیا۔ اور اُنھوں نے ایک مرتبہ پھر
اندلس جانے کا قصد کرلیا۔

ابن خلدون کہتے ہیں کہ علمائے اندلس نے فتویٰ دیدیا تھا کہ معتمد اور دیگر ملوک طوائف سے

خلع کرالینا۔ اور اگر وہ نہ مانیں تو اُن سے لڑنا جائز ہے۔ اسی بنا پر یوسف نے اپنی فوجیں اندلس میں بھیجی تھیں، اور اُن کے ایک سپہ سالار سیری بن ابو بکر نے اشبیلیہ کا محاصرہ کیا تھا یہاں معتمد بادشاہ تھے۔ اُن کی مدافعت اور ثابت قدمی معلوم ہی ہے۔ آخر وہ قید ہوئے اور جلاوطن کیے گئے۔ صاحب قلاید تمام قصہ بیان کر کے لکھتے ہیں کہ وہ اور اُن کے اہل وعیال جمع کیے گئے۔ قصر اُن کے لئے تنگ ہوگیا اور شہر نے اُن کا ساتھ نہ دیا۔ وہ اور اُن کے خدم مردہ بدست زندہ کے مانند تھے۔ لوگ اُن کی مشایعت کے لئے دامن صحرا تک گئے۔ اور اتنے روئے کہ تمام صحرا اُن کے واویلا سے بھر گیا۔ وہ گئے تو نوحہ و بکا نے دُور تک اُن کا ساتھ دیا۔ انتھٰی

جب امیر المسلمین یوسف ابن تاشفین معرکہ زلاقہ سے فارغ ہوئے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں تو واپسی پر ابن عباد نے اُن کی بڑی مدارات کی۔ اور اُن سے اپنے مکان پر چلنے کے لئے کہا۔ چنانچہ اُنھوں نے اُن کی درخواست کی۔ اور جب ابن تاشفین اشبیلیہ پہنچے جو معتمد کا شہر تھا اور از روئے حسن منظر بہترین مقام تھا تو یوسف نے اس شہر اور معتمد کے محل کو نہایت غور سے دیکھا۔ یہ محل دریا پر بنا ہوا تھا، اُس میں کشتیاں چلتی تھیں، اور ملک مغرب کے مال لے کر آتی تھیں۔ سب سے زیادہ عجیب چیز سواد شہر تھا جو بیس فرسخ میں پھیلا ہوا تھا۔ اور اُس میں ہزاروں قسم کے میوے، مثلاً شہتوت، انگور اور زیتون وغیرہ پیدا ہوتے تھے۔ اس کو شرف اشبیلیہ کہتے تھے۔ یہاں سے بلاد مغرب کو تمام چیزیں جاتی تھیں۔ شہر کے ایک جانب معتمد اور اُن کے باپ معتضد کے محلات تھے۔ جو بجائے خود نہایت خوبصورت تھی۔ اُن میں انواع انواع قسم مایحتاج اور کھانے پینے، پہننے اور فرش وفروش اور نیز دیگر قسم کی چیزیں تھیں۔ معتمد نے یوسف کو ان ہی میں سے ایک محل میں اُتارا تھا اور اُن اتنا اکرام کیا اور خدمت کی کہ وہ بہت ہی ممنون ہوئے ابن تاشفین کے ساتھ جو لوگ تھے وہ اُن پر اس حالت کو جتلاتے اور اُن سے کہتے رہتے

تھے کہ "اُن نعمتوں کو بغور دیکھئے اور اپنے یہاں بھی یہ باتیں پیدا کیجئے"۔ اور کہتے تھے کہ "ملک کا فائدہ یہ عیش و تنعم و لذت ہی جس کو معتمد اور اُن کے دوست اُڑا رہے ہیں"۔ ابن تاشفین ایک عاقل آدمی تھے۔ وہ اپنے معاملات میں میانہ رو تھے، کسی بات میں زیادتی نہ کرتے تھے، فضول خرچ نہ تھے، لذت و نعیم کے پاس بھی نہ پھٹکتے تھے؛ کیوں کہ اُن کی عمر کا زیادہ حصّہ اپنے ملک کے صحرا اور وہاں کی سختیوں میں گزرا تھا۔ جن لوگوں نے کہ اُن کو اس اسراف کی رائے دی تھی اُن سے اتفاق نہ کیا اور یہ کہا کہ "مجھے اس شخص (یعنی معتمد) کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ملک اُس کے ہاتھ میں ہے وہ بہت جلد ضائع ہونے والا ہے، کیوں کہ جو مال وہ اس کثرت سے صرف کر رہا ہی اُس کے ارباب دولت کو ہرگز اس قدر از راہ عدل حاصل نہیں ہو سکتا۔ ضرور ہے کہ یہ ظلم و ستم سے حاصل کیا جاتا ہو۔ یہ دولت اس لغویت اور بدترین مصرف میں لگتا ہے۔ جس شخص کی تمام ہمت ایسے کاموں میں صرف ہوتی ہو وہ ضبط و حفظ ملک و آسایش رعایا اور مصالح ملکی ہرگز نہیں کر سکتا"۔ حقیقت یہ ہی کہ یوسف کی یہ رائے بالکل صحیح تھی۔ پھر یوسف ابن تاشفین نے معتمد کے حالات کی تفتیش کی کہ آیا معتمد ہمیشہ اسی طرح اپنے لذات میں غرق رہتے ہیں، یا کسی وقت اس میں کمی بھی آجاتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہر وقت وہ اسی حال میں رہتے ہیں۔ پھر دریافت کیا کہ اُن کے تمام دوست اور مددگار بھی اس لذت و نعیم میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا معتمد اُن کی رضامندی سے یہ سب کچھ کرتے ہیں؟ جواب پایا کہ نہیں۔ یہ سُن کر وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے اور چپ ہو گئے۔ غرض اس صورت سے چند روز وہ معتمد کے یہاں مہمان رہے۔ اس اثنا میں ایک شخص نے جو پہلے حاضر ہوا تھا معتمد سے اجازت حاضری مانگی۔ یہ شخص صاحب بصیرت لوگوں میں سے تھا۔ جب یہ معتمد کے سامنے حاضر ہوا تو اُس نے کہا کہ "اے سلطان! واجبات میں سے بہترین واجب شکر نعمت ہے۔ اور شکر نعمت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے محسن کی خیر خواہی

کرے۔ میں آپ کی رعایا میں سے ہوں۔ آپ کے زمانہ میں میرا حال مختل ہو رہا ہے
مگر باوجود اس کے میں آپ کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ میرے کان میں یہ بات پہنچی
ہے کہ آپ کے اس مہمان (یوسف ابن تاشفین) کے بعض ساتھی یہ سمجھتے ہیں کہ بہ نسبت
آپ کے وہ خود اور اُن کا بادشاہ ان نعمتوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ میں نے اس کے متعلق
ایک رائے قرار دی ہے۔ اگر آپ سُننا چاہیں تو میں کہوں"۔ معتمد نے کہا کہ کہو۔ تو اُس نے
کہا کہ "یہ شخص جو آپ کے ملک میں آیا ہے تمام بادشاہوں پر رُعب بٹھانا چاہتا ہے
اور اس نے تمام علاقوں کو اپنے رفقاء میں حکم بن کر تقسیم کر دیا ہے۔ ملک کو اُس کے
اصلی بادشاہوں کے ہاتھ سے چھین لیا ہے اور کسی پر رحم نہیں کرتا۔ اس پر بھی امن
نہیں ہے۔ وہ آپ کے ملک کے ہر ایک حصّہ کو نظر طمع سے دیکھتا ہے بلکہ وہ تمام
جزیرہ اندلس پر نگاہ رکھتا ہے، کیوں کہ اُس نے آپ کا عیش و آرام دیکھا ہے حقیقت
یہ ہے کہ مجھے تو تمام بادشاہان کے متعلق یہی اندیشہ ہے۔ اُس کے بعض اقارب وغیرہ
آپ کے اس لطف و آرام سے خود لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں۔ یوسف نے اذفونش
اور اُس کی فوج کو تباہ کر ڈالا ہے۔ اور اُس کے طمطراق کو خاک میں ملا ہی دیا ہے۔
آپ کے اس زبردست مددگار نے آپ کو بھی گویا معدوم کر دیا ہے۔ حالاں کہ اگر
آپ کو اُس کی ضرورت ہوتی تو وہ آپ کے لئے نہایت قوی بازو بہترین سپر ہوتا لیکن
اب چوں کہ اذفونش کا معاملہ ختم ہو گیا ہے تو اب جو کچھ ہو سکتا ہے اُس ہوشیاری
سے کام لیجئے"۔ معتمد نے پوچھا کہ "اچھا اب کیا ہوشیاری ہو سکتی ہے؟" تو اُس نے
جواب دیا کہ "آپ اپنے مہمان کو پکڑ کر اپنے قصر میں قید کر لیجئے۔ اور آپ یہ قصد کر لیجئے
کہ آپ اُس کو اُس وقت تک نہ چھوڑیں گے کہ جب تک وہ اپنی تمام فوج کو جو جزیرہ
اندلس میں ہے، یہ حکم نہ دیدے کہ وہ جہاں سے آئے تھے وہیں چلے جائیں۔ اُن
آدمیوں میں بچہ سے بوڑھے تک کوئی یہاں نہ رہے۔ پھر آپ اور تمام ملوک اندلس

اس پر اتفاق کر لیں کہ اُس کے جتنے جہاز سمندر میں چلتے ہیں اُن سب کو حراست میں لے لیں۔ اس کے بعد اُس سے سخت ترین قسم لے لیں کہ وہ اپنے دل میں یہاں واپس آنے کا خیال بھی نہ لائے گا۔ مگر اس صورت میں کہ آپ کے اور اُس کے درمیان میں اس امر پر اتفاق ہو جائے، اس معاہدہ کے پورا کرنے کے لئے آپ اُس سے کچھ یرغمال لے لیجئے۔ جب آپ یہ کریں گے تو آپ جو کچھ چاہیں گے وہ آپ کو دیدے گا۔ چوں کہ اُس کو اپنا وجود اور سب مطلوب چیزوں سے زیادہ عزیز ہے، اس لئے وہ اپنے ہی ملک پر جو صرف اُسی کے مناسب حال ہے قناعت کرے گا۔ اس طرح آپ کو اذفونش اور یوسف ابن تاشفین دونوں سے اطمینان ہو جائے گا۔ اور آپ اپنی جگہ خیر و خوبی سے رہیں گے آپ نام بھی پالیں گے اور آپ کا ملک بھی وسیع ہو جائے گا۔ اور آپ کا یہ فعل نیکی اور ہوشیاری کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ اور تمام بادشاہ بھی آپ سے مرعوب رہیں گے۔ اس کے بعد آپ اپنے ہمسایہ بادشاہوں سے حسب اقتضاء حزم سلوک کیجئے۔ اور خوب سمجھ لیجئے کہ یوسف ابن تاشفین نے اپنی حرکتوں سے آپ کے لئے ایک آفت سماوی تیار کی ہے جو قبائل کو تباہ کر دے گی۔ خون کے دریا بہا دے گی" معتمد نے یہ بات سن کر اُس کے رائے کی تعریف کی اور اس پر عمل کرنے کے لئے فرصت ڈھونڈھنے لگا۔ معتمد کے بہت سے ندیم ایسے تھے کہ جو اُن کے ساتھ ہی عیش و عشرت میں منہمک رہتے تھے۔ ان میں سے ایک نے اس شخص (ناصح) سے کہا کہ "معتمد کی شان سے یہ بعید بات ہے کہ بدمعاملگی کرے اور مہمان کے ساتھ عذر کرے۔" اس شخص نے جواب دیا کہ عذر تو یہ ہے کہ حقدار سے حق چھین لیا جائے، نہ یہ کہ تنگی کے وقت میں اپنے خوفزدہ نفس سے خطرہ کو دُور کیا جائے۔" ندیم نے کہا کہ "سات دن کے اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ حزم ہو معہ جفا کے۔" اس کے بعد نہ ناصح اصل بات پا گیا، اور اُس کی تلافی کر دی۔ معتمد نے اس شخص کا شکریہ ادا کیا اور اُس کو بہت سا صلہ عطا فرمایا۔ یہ خبر یوسف کو بھی پہنچ گئی۔ انھوں نے دوسری

ہی صبح کو روانگی کا قصد کر دیا۔ معتمد نے اُن کے سامنے قیمتی ہدایا اور فاخرہ تحفے پیش کئے جو یوسف نے قبول کئے اور وہاں سے روانہ ہوگئے۔ انتہیٰ خبر واقعہ زلاقہ ملخصاً من کتب التاریخ۔

جب اندلس میں بنی عباد، بنی ذوالنون، بنو الافطس، بنی صمادح وغیرہ کی طوایف الملوکی ختم ہوگئی تو تمام ملک لمتونی خاندان کی سلک میں منسلک ہوگیا۔ اس خاندان کے واقعات دشمنوں کے ساتھ مشہور ہیں اور کتب تواریخ میں مندرج ہیں۔

جب یوسف ابن تاشفین کا ۵۰۰ھ ہجری میں انتقال ہوگیا تو اُن کے بعد اُن کا بیٹا امیر المسلمین علی بن یوسف تخت پر بیٹھا اور اپنے باپ کے قدم بقدم چلتا رہا، گو بعض امور میں اُن کی سنتوں پر پورا عمل نہ کیا ہو۔ ایک مدت دشمن کو اندلس پر سے دفع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے اُن پر محمد بن تومرت الملقب بہ مہدی کو مسلط کر دیا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے دولت مرابطون کو خراب کیا۔ مہدی اپنے مرتے وقت خاندان لمتونہ کے اُکھاڑنے کی کوشش کرتا رہا، مگر اُن کے دارالسلطنت مراکش پر قبضہ نہ پا سکا۔ لیکن بہت سے شہروں کا وہ مالک ہوگیا۔ مہدی کے بعد اُن کا بیٹا عبدالمومن بادشاہ ہوا خاندان لمتونیہ پر جو استیلا اس نے حاصل کیا وہ مشہور رہے۔ پھر یہ اندلس کی طرف آیا۔ اور اس ملک کا بہت سا حصہ فتح کر لیا۔ پھر عیسائیوں کو افریقیہ سے نکالا اور یہاں کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ ان کی سلطنت بہت بڑھی اور یہ امیر المومنین کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔

۵۴۵ھ ہجری میں اذفونش صاحب طلیطلہ و جلالقہ، چالیس ہزار سوار لے کر قرطبہ پر چڑھ آیا۔ اس وقت اس شہر کے لوگ سخت قحط میں مبتلا تھے۔ عبدالمومن کو خبر پہونچی تو اُنھوں نے اُس کے اندفاع کے لئے بارہ ہزار سوار کی ایک فوج جمع کی۔ جب وہ اذفونش کے مقابلہ میں آئے تو یہ وہاں سے چل دیا۔ قرطبہ میں ابوالغمر السائب سپہ سالار تھے۔ اُنھوں نے شہر کو عبدالمومن کے سپہ سالار یحیٰ بن میمون کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ وہ رات کو

شہر ہی میں سوئے۔ جب صبح کو اُٹھے تو اُنھوں نے دیکھا کہ عیسائی وہاں واپس جا کر ٹھہر رہے ہیں کہ جہاں پہلے تھے۔ یحیٰ نے یہ دیکھکر بہت سے آدمیوں کو وہاں مقرر کیا اور خود عبدالمومن کے پاس واپس چلے گئے۔ پھر عیسائی بھی اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔

دوسرے سال عبدالمومن کی بیس ہزار فوج اندلس میں داخل ہوئی۔ اس فوج کے سپہ سالار الهنتاتی تھے۔ صاحب غرناطہ میمون اور ابن ہمشک وغیرہ نے اُن کا استقبال کیا، اور الموحدین کی اطاعت اختیار کر لی۔ ان سب نے الهنتاتی کو اس پر برانگیختہ کیا کہ وہ ابن مردنیش، بادشاہ شرق اندلس پر حملہ کریں۔ ابن مردنیش کو جب اس کی خبر پہونچی تو وہ ڈر گئے۔ اور اُنھوں نے عیسائی بادشاہ برشلونہ سے مدد مانگی۔ چنانچہ اُس نے دس ہزار عیسائی فوج بھیجی۔ یہ فوج ایک سپہ سالار کی سرکردگی میں تھی۔ عبدالمومن کے سپہ سالار جب ابن مردنیش کے قریب پہنچے اور اُن کو عیسائی برشلونی کا قصّہ معلوم ہوا تو وہ واپس ہوئے اور شہر مریہ کا محاصرہ کر لیا، جو عیسائیوں کے قبضے میں تھا۔ مگر اُن کی فوج میں گرانی شدید ہو گئی۔ اس لئے وہ اشبیلیہ کی طرف جا کر قیام پذیر ہوئے۔ عبدالمومن سبتہ کی طرف گئے۔ وہاں جہاز بنائے اور لشکر جمع کیا۔ پھر ۵۴۸ھ ہجری میں مہدیہ گئے، اور اُس پر قبضہ کر لیا۔ ملک افریقیہ کو بھی اپنے قبضے میں لے آئے۔ اُن کا ملک بہت بڑھ گیا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

جب ان کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اُن کے بیٹے یوسف بن عبدالمومن سے بیعت کر لی۔ جب امور سلطنت درست ہو گئے اور قواعد ملک کا استقرار ہو گیا تو ۵۶۶ھ ہجری میں وہ ایک لاکھ موحدین اور عرب کی فوج لے کر وہ جزیرہ اندلس میں مصالح دولت اور درستگی احوال کے لئے گئے، اور اشبیلیہ کے سامنے ٹھیرے۔ بادشاہ مشرق اندلس، ابوعبداللہ محمدؒ بن سعد، المعروف با بن مردنیش کچھ ایسے ڈرے کہ سخت بیمار ہو گئے اور اُسی میں مر گئے۔ بعض کہتے کہ اُن کو زہر دیا گیا۔ ان کے مرنے کے بعد ان کی اہل و اولاد امیرالمومنین

یوسف بن عبدالمومن کے پاس اشبیلیہ میں آگئی اور اپنے آپ کو اُن کا تابع فرمان کے ملک کو اُن کے حوالہ کردیا۔ امیرالمومنین نے اُن سے رشتہ خویشی کرلیا۔ اُن سے نہایت نیکی کے پیش آئے اور نہایت عزت سے رکھا۔ اس کے بعد اُنھوں نے اُن شہروں کے واپس لینے کا فکر کیا جن پر عیسائی مستولی ہوگئے تھے۔ چنانچہ اندلس میں اُن کے ممالک کو بہت وسعت ہوگئی۔ حتیٰ کہ طلیطلہ کے دروازے تک سے انھوں نے قیدی گرفتار کئے کہتے ہیں کہ طلیطلہ کا اُنھوں نے محاصرہ بھی کیا تھا۔ اس پر تمام عیسائی اُن کے برخلاف جمع ہوگئے، مگر اُن کی چھاؤنی میں رسد کا قحط ہوگیا۔ اس لئے وہ اپنے دارالسلطنت مراکش کو واپس چلے گئے اور وہاں سے افریقیہ۔ وہاں کے انتظامات درست کرکے پھر مراکش میں واپس آگئے۔ اور یہاں سے ۵۸۰ھ ہجری میں بہت سی جمعیت لے کر اندلس گئے۔ بلاد غربی کا رُخ کیا اور شہر شنترین کا محاصرہ کرلیا۔ یہ شہر دشمن کے بہت بڑے شہروں میں تھا۔ ایک مہینہ محاصرہ کو گزرا تھا کہ وہ بیمار ہوئے اور اُسی سال میں انتقال کیا۔ اور اُن کا تابوت اشبیلیہ میں لایا گیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کا ایک تیر اُن کے لگا تھا۔ حقیقتِ حال خدائے تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

یوسف کے انتقال کے بعد اُن کا مشہور بیٹا یعقوب المنصور بن یوسف بن عبدالمومن سریر آرائے ہوئے۔ اُنھوں نے نہایت خوبی کے ساتھ سلطنت کی۔ یہی وہ یعقوب المنصور ہیں کہ جن کی وجہ سے خاندان موحدین کی سلطنت کو بڑا فروغ ہوا۔ انھوں نے امر معروف و نہی منکر کو خوب ظاہر کیا اور قریب و بعید پر حدود جاری کیں ان کے اخبار اکثر تواریخ میں مذکور ہیں۔ ان کی فتوحات بہت بڑھ گئیں۔ سب سے پہلے مصلحت امور سے انھوں نے بلاد اندلس کی طرف نظر ڈالی؛ اُس کی حالت کو دیکھا، وہاں کے مصالح کو مرتب کیا اور وہاں کے مرکزوں میں فوجیں مقرر کیں پھر اپنے دارالسلطنت مراکش میں چلے آئے۔ ۵۸۶ھ ہجری میں اُن کو خبر پہنچی کہ عیسائیوں نے شہر شلب پر قبضہ

کرلیا ہے۔ یہ شہر غرب اندلس میں واقع ہے۔ یہ سُن کر وہ بنفس نفیس اُدھر متوجہ ہوئے اُس کا
محاصرہ کرکے اُس کو عیسائیوں سے چھین لیا۔ اس کے ساتھ ہی موحدین اور عرب کی فوج
بھیجکر چار شہر اور فتح کرلئے، جو عیسائیوں نے چالیس برس پہلے مسلمانوں سے لے لئے تھے
صاحب طلیطلہ اُن سے ڈر گیا اور اُن سے عارضی صلح کا طالب ہوا۔ چنانچہ اُسی کو پانچ برس
کی مہلت دیکے کر مراکش چلے آئے۔ یہ مہلت قریب الاختتام تھی کہ عیسائیوں کا ایک
گروہ بہت سی فوج لے کر مسلمانوں پر چڑھ آیا۔ لوٹ مار مچا دی اور سخت نقصان پہونچایا
جب اس کی خبر یعقوب المنصور کو پہونچی تو وہ ایک بہت ہی بڑی فوج لے کر ۵۹۱ھ ہجری
میں اندلس کی طرف روانہ ہوئے۔ عیسائیوں نے یہ معلوم کرکے تمام چھوٹے بڑے شہروں
سے فوج جمع کی اور اُن کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ جب سلطان یعقوب المنصور
نے شہر سلا سے چلنے کا قصد کیا تو وہ ایسے سخت بیمار ہوئے کہ اطبا مایوس ہو گئے۔ اذفونش
نے یہ سُن کر مسلمانوں پر اور بھی تباہیاں ڈالیں۔ سلطان کی بیماری کی وجہ سے مسلمانوں
کی فوجیں متفرق ہو گئیں۔ اذفونش نے سلطان کو سخت تہدید آمیز گویا کہ رعد و برق پیغامات
بھیجے اور بہت مطالبات کئے۔ اور بہت سے مضبوط قلعے مسلمانوں سے طلب کئے۔ خلاصہ
امر یہ ہے کہ یعقوب المنصور اس کے بعد نصاریٰ کی طرف بڑھے۔ فریقین ایک دوسرے
کے مقابل ہوئے۔ قرطبہ کے شمال میں قلعہ رباح کے قریب میدان جنگ قرار پایا۔
پنجشنبہ ۹ شعبان ۵۹۱ھ کو سخت لڑائی شروع ہوئی، جس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے
کہتے ہیں کہ یعقوب المنصور نے اپنی جگہ علم شاہی کے نیچے شیخ ابو یحیٰ ابن حفص کو جو سلطان
ابوذکریا الحفصی کے چچا تھے، کھڑا کر دیا تھا (سلطان ابوذکریا اس کے بعد افریقیہ کے
بادشاہ ہوئے اور اندلس کے بعض حصوں میں بھی اُن کا خطبہ پڑھا گیا) عیسائیوں نے
یہ سمجھکر کہ سلطان یعقوب المنصور علم کے نیچے ہیں مسلمانوں پر سخت حملہ کیا۔ مگر اس سے
ان کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کیوں کہ سلطان یعقوب اُن پر دوسری طرف سے آپڑے اور

اُن کو سخت ہزیمت دی۔ اذ فونش بہت تھوڑے سے آدمی لے کر بھاگ گیا۔ یہی وہ واقعہ ارک ہی جس کا ذکر اکثر تواریخ میں آتا ہی کہتے ہیں کہ اس لڑائی کے بعد بیت المال میں عیسائیوں کی ساٹھ ہزار زرہیں داخل ہوئیں۔ مختلف قسم کے چوپائے جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے، وہ اتنے تھے کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ واقعہ زلاقہ کے بعد ارک جیسا واقعہ کوئی نہیں ہوا۔ بلکہ بعض مؤرخین کی تو یہ رائے ہی کہ واقعہ ارک واقعہ زلاقہ سی کہیں بڑھکر تھا۔

کہتے ہیں کہ ہزیمت خوردہ عیسائی بھاگ کر قلعہ رباح میں قلعہ بند ہو گئے۔ سلطان یعقوب المنصور نے اُس کا محاصرہ کرکے اُس کو فتح کر لیا۔ یہ قلعہ پہلے مسلمانوں کے پاس تھا۔ پھر اس کو دشمنوں نے لے لیا تھا۔ آخر اس مرتبہ پھر مسلمانوں کے پاس آگیا۔ قلعہ رباح کے بعد سلطان نے طلیطلہ کا محاصرہ کیا۔ وہاں سخت لڑائی ہوئی، وہاں کے درخت کاٹ ڈالے اور سخت قتل و غارت کیا۔ طلیطلہ کے علاقے کے قلعے لے لئے۔ وہاں کے آدمیوں کو قتل، عورتوں کو قید، مکانوں کو خراب، دیواروں کو گرا دیا۔ اور عیسائیوں کو ایسا بدترین حال میں چھوڑا کہ کوئی شخص بھی جنگ کے لئے نہیں نکلتا تھا۔ اس کے بعد سلطان اشبیلیہ کی طرف لوٹ آئے اور ۵۹۳ھ ہجری تک وہیں رہے۔ پھر عیسائیوں کے بلاد کی طرف گئے اور اُن کے ساتھ وہی کیا جو پہلے کر چکے تھے۔ دشمن کو اُن کے مقابلے کی طاقت نہیں رہی عیسائیوں پر زمین تنگ ہو گئی۔ اس لئے اُنھوں نے صلح کرنی چاہی جو سلطان نے منظور کر لی۔ کیوں کہ اُن کو یہ خبر ملی تھی کہ افریقیہ میں میرقی نے قراقوش، مملوک بنو ایوب سلاطین مصر و شام پر فوج کشی کی ہے۔ اس کے بعد ۵۹۵ھ ہجری میں سلطان یعقوب المنصور نے انتقال کیا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے ملک سے ملک شام میں چلے گئے تھے، اور بقاع میں دفن ہوئے۔ اس کی کوئی اصلیت نہیں ہی۔ گو اس قسم کی باتیں ابن خلکان نے بیان کی ہیں۔ جن لوگوں نے اس اقوال کا بطلان کیا ہے اُن میں شریف الغرناطی ہیں۔ چنانچہ

انھوں نے شرح مقصورہ حازم میں لکھا ہے کہ یہ عوام الناس کا ہذیان ہے۔ کیوں کہ لوگ اس سلطان کے متعلق بہت ہی ہرزہ درائیاں کیا کرتے تھے۔

سلطان یعقوب المنصور کے بعد اُن کا بیٹا محمد الناصر بادشاہ ہوا۔ جو مسلمانوں کے لئے علی العموم اور جزیرۂ اندلس کے لئے علی الخصوص نہایت منحوس ثابت ہوا۔ اس نے بقول صاحب ذخیرۃ السنیہ فی تاریخ دولت المرینیہ چھ لاکھ آدمیوں کی جمعیت بہم پہنچائی اتنی بڑی فوج کو دیکھکر اُس کے دل میں غرور پیدا ہوگیا۔ عیسائیوں نے اُس کا مقابلہ کیا یہ جنگ واقعہ عقاب کے نام سے مشہور ہے۔ جس کے سبب سے اکثر مغرب مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کے بعد عیسائی اندلس کے زیادہ حصّہ پر مستولی ہوگئے۔ چھ لاکھ آدمیوں میں سے بہت ہی تھوڑے آدمی بچے۔ جن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہیں بتلائی جاتی۔ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اندلس کے لئے بلکہ تمام ملک مغرب کے لئے قیامت تھا۔ اور اس کی وجہ صرف بد تدبیری تھی۔ کیوں کہ اندلس کے لوگ عیسائیوں سے لڑنے کا ڈھنگ خوب جانتے تھے۔ اور ان کو خبر نہ تھی۔ چنانچہ الناصر اور اُن کے وزیر اُن سے ڈر گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی ذرا رک دی گئی نیتوں میں فساد پڑگیا۔ اصل یہ ہے کہ عیسائیوں کی قسمت ہی درست تھی۔ واللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ۔

یہ منحوس واقعہ عقاب ۶۰۹ھ میں ہوا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو وہاں قیام نہ ہوا۔

جب الناصر نے ۶۱۰ھ ہجری میں انتقال کیا تو اُن کے بعد اُن کا بیٹا یوسف المستنصر تخت پر بیٹھا۔ یہ شخص راحت طلب تھا۔ اُس کے زمانہ میں سلطنت کو سخت ضعف پہونچا یہ بھی ۶۲۰ھ میں مرگیا اور اس کی جگہ اُس کے چچا کا بیٹا، عبد الواحد بن یوسف بن عبد المومن تخت پر بیٹھا۔ اس سے بھی تدبیر ملک اچھی نہ ہوسکی۔ اس وقت العادل بن المنصور اندلس میں تھا۔ اُس نے یہ دیکھکر کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں، مسلمانوں کے ہاتھ میں اندلس کا جتنا حصّہ باقی تھا اُس پر بغیر کسی تکلیف کے مستولی ہوگیا۔ جب عبد الواحد نے خلع کیا اور

مراکش میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا، تو عیسائیوں نے العادل سے اندلس میں کینہ کشی کر کے لڑائی چھیڑ دی۔ العادل اور اُس کے ساتھی مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور اندلس کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑ گئے۔ العادل بھاگ گیا اور دریا کے راستہ سے ہوتا ہوا اشبیلیہ چلا گیا، اور اپنے بھائی ابوالعلاء ادریس کو چھوڑ گیا۔ العادل سخت تکلیفیں اُٹھا کر مراکش پہونچا تو اُس کو موحدین نے پکڑ لیا۔ اور یحییٰ بن الناصر کو جو چھوٹی عمر کا ناتجربہ کار تھا تخت پر بیٹھا دیا۔ اس موقعہ پر ابوالعلاء ادریس نے اشبیلیہ میں خلافت کا دعویٰ کیا اہل اندلس نے اس سے بیعت کر لی اور اس کے بعد اہل مراکش نے بھی۔ حالاں کہ ابوالعلاء اندلس ہی میں مقیم تھا۔ ان (ابوالعلاء) پر اندلس میں المتوکل محمد بن یوسف الجذامی نے فوج کشی کی۔ اور لوگوں کو بنوعباس کی طرف مائل کیا۔ چنانچہ ابوالعلاء سے برگشتہ ہو کر اُس طرف مایل ہو گئے۔ ابوالعلاء اندلس سے نکل کھڑا ہوا۔ اور ماوراالبحر ابن ہود کے لئے چھوڑ گیا۔ ابوالعلاء یحییٰ بن الناصر سے برابر لڑتا رہا یہاں تک کہ یحییٰ قتل ہو گیا اور ابوالعلاء کے لئے ملک مغرب میں میدان صاف ہو گیا۔ اندلس پر اُس کا کچھ عمل دخل نہیں ہوا۔ آخر اُس نے بھی ۶۳۰ھ ہجری میں انتقال کیا۔

ابوالعلاء کے بعد اُن کے بیٹے رشید سے بیعت کی گئی۔ بعض اہل اندلس نے بھی اُس سے بیعت کر لی۔ اس نے ۶۴۰ھ ہجری میں انتقال کیا۔

رشید کے بعد اُس کا بھائی سعید تخت پر بیٹھا۔ یہ ایک قلعہ پر جو اُس کی دارالسلطنت اور تلمسان کے درمیان میں واقع تھا، ۶۴۶ھ میں مارا گیا۔

سعید کے بعد مرتضیٰ عمر بن ابراہیم بن یوسف بن عبدالمومن تخت نشین ہوا۔ ۶۶۵ھ میں واثق، المعروف بہ ابودبوس نے اُس پر حملہ کیا۔ مرتضیٰ بھاگا۔ مگر پکڑ کر واثق کے پاس پہنچایا گیا اور اُس کے حکم سے قتل ہوا۔ پھر واثق کو ۶۶۸ھ ہجری میں بنو مرین نے مار ڈالا۔ اس شخص سے دولت بنوعبدالمومن کی دولت کا خاتمہ ہو گیا۔ جو دول اسلامیہ

میں بہت بڑی دولت تھی۔ اور بنو مرین مغرب پر مستولی ہو گئے۔

متوکل بن ہود اندلس کے بہت بڑے حصے پر قابض ہو گئے۔ لیکن بہت سے لوگوں نے اُن کی موت کے قریب اُن پر خروج کیا۔ اور آخر اُن کے وزیر ابن الرمیمی نے اُن کو مریہ میں از رو ءِ غدر قتل کر ڈالا۔ عیسائیوں نے آپس کی پھوٹ کی اس فرصت کو غنیمت جان کر جتنے شہر اور قلعے مسلمانوں کے قبضے میں باقی تھے اُن کے اکثر حصہ پر قابض ہو گئے۔

آخر بنو الاحمر کی طرف سلطنت کا میلان ہوا۔ اور اس خاندان کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ اندلس کے بعض حصوں میں ابو ذکریا الحفصی، صاحب افریقیہ کا خطبہ پڑھا گیا۔ ہم اس کا ذکر اوپر کر آئے۔ سلسلۂ کلام قایم رکھنے کے لئے ہم اُس کا اعادہ کریں گے جو خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ باب سوم میں ہم بنو ہود اور بنو احمر کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان سب پر رحم کرے۔

یعقوب بن عبد الحق، صاحب مغرب کا (جن کا دار السلطنت فاس تھا) ملک وسیع ہوتا گیا۔ اہل اندلس نے عیسائیوں کے برخلاف، جو کتوں کی طرح اُن پر آپڑے تھے اُن سے مدد مانگی۔ چنانچہ وہ اندلس گئے اور عیسائیوں کو سخت ہزیمت دی۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ واقعہ عقاب کا بدلہ مسلمانوں نے لے لیا۔ یعقوب المرینی بھی وہاں پہنچ گئے۔ اور نصاریٰ کے بادشاہ، ذونند نامی سے لڑنے لگے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے نصاریٰ کے لشکر کے چالیس ہزار آدمی قتل کئے۔ اور اُس کو سخت ترین ہزیمت دی۔ اس کے بعد بھی جہاد برابر جاری رکھا۔ حالاں کہ ان کے پاس اندلس میں رندہ، جزیرہ الخضراء طریف، جبل طارق وغیرہ ہی تھا۔ بعد اس کے کہ عیسائیوں کا تمرد بہت ہی بڑھ گیا تھا خدائے تعالیٰ نے اپنے دین کو ان کی وجہ سے تقویت دی۔

یعقوب بن عبد الحق کے انتقال کے بعد اُن کا بیٹا یوسف تخت نشین ہوا۔ اذفونش

بادشاہ نصاریٰ تنگ ہو کر اُن کے پاس بھاگ گیا، اُن کا ہاتھ چوما، اپنا تاج اُن کے پاس رہن کیا۔ اور اپنے ملک کے واپس پانے کے لئے اُن سے مدد مانگی۔ بنو مرین مال اور آدمیوں سے برابر اہل اندلس کو مدد دیتے رہے۔ اور یہاں قریبا سلطان کا حصّہ معتبرہ قایم رہا غرض دشمنوں کے ساتھ بہت بڑے بڑے وقائع ہوئے جو تواریخ میں مذکور ہیں۔

ابن احمر کی ایک بڑی جمعیت غرناطہ میں تھی۔ اُن پر بنو مرین کا ایک رئیس تھا جو "شیخ الغزاۃ" کہلاتا تھا۔

جب نوبت سلطنت سلطان الکبیر الشہیر ابو الحسن المرینی تک پہنچی اور ملک مغرب اور بعض بلاد اندلس خالصاً اُن کے ہاتھ میں آ گئے تو اُنھوں نے اندلس میں جہاد کرنے کے لئے بہت سے جہاز بنوائے اور اس میں بہت بڑا اہتمام کیا۔ مگر قضاء الٰہی یہ تھی کہ جزیرۂ خضراء کے لے لینے کے بعد ان جہازوں کی بہت سی تعداد عیسائیوں کے ہاتھ میں آ جائے جنھوں نے اُن بلاد پر جو اب تک مسلمانوں کے قبضے تھے قبضہ حاصل کرنے کے لئے بہت بڑی جمعیت جمع کی تھی۔ اہل اندلس نے سلطان ابو الحسن سے مدد مانگی۔ یہ بنفس نفیس سبتہ آئے، جو بندر تھا، اور مسلمانوں کے جہاز وہاں ٹھیرا کرتے تھے۔ یکایک لاتعداد کشتیاں عیسائیوں کی آ گئیں جو سلطان کو عبور سے مانع آئیں۔ اہل اندلس نے اُن کی مدد کی، یہاں تک کہ وہ جزیرۂ خضراء پر قابض ہو گئے۔ مگر سلطان کے بیڑے پر سخت آفتیں توڑیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عاقبت امر خدائے تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ زیادہ تفصیل اُس خط میں ہے، جو سلطان ابو الحسن نے ملک الصالح ابن الملک الناصر محمد بن الملک المنصور قلاوون الصالحی الالفی رحمہ اللہ تعالیٰ، بادشاہ مصر و شام و حجاز کے نام لکھا تھا۔ ہم اُس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ یہ خط نصف اور بقول اواخر عشر شعبان ۷۴۵ھ ہجری کو مصر میں پہنچا۔ بسملہ اور حمد و صلاۃ کے بعد۔ از جانب امیر المسلمین مجاہد فی سبیل اللہ رب العالمین

سلطان البرّین، حامی العدوتین، ناصر الاسلام، ابن مولانا امیر المسلمین مجاہد فی سبیل رب العلمین، ابو سعید ابن مولانا امیر المسلمین، ابو یوسف یعقوب بن عبد الحق۔ بنام السلطان الجلیل، الرفیع الاصیل العادل الفاضل الکامل المؤید المظفر الملک الصالح ابوالولید اسمٰعیل ابن السلطان الاجل الہمام الفاضل العادل ناصر الدنیا والدین ابوالمعالی محمد بن الملک الامام المؤید المنصور سیف الدنیا والدین قلاوون۔ اما بعد (حمد خدا و نعت رسول) ہم شہر فاس سے آپ کو یہ خط لکھتے ہیں۔ خدا آپ کی سلطنت کی تمکین و عزت کو زیادہ کرے۔ آپ کے مقام عالی کو اور زیادہ مضبوط اور عمدہ کرے اور آپ کو اُن لوگوں کے راستوں پر چلائے جن کے آپ خلیفہ ہیں۔ ہمارے اور آپ کے والد مرحوم، نعم اللہ روحہٗ کے مابین برادرانہ تعلقات تھے، جو کہ بعد دیگرے خطوط کی آمد و رفت سے اور بھی زیادہ مستحکم ہو گئے تھے۔ اور محبت اور نیت خالص کی وجہ سے یہ دوستی اور اتحاد اس قدر بڑھ گیا تھا کہ گویا ہم دونوں کا نسب ایک ہی ہے لیکن اب سے بالکل قریب ہی زمانے میں جو کچھ کہ مقدر میں لکھا تھا ظہور پذیر ہوا۔ اور اُن مقامات میں بیت اللہ شریف جانے والے لوگوں پر فتنہ و فساد شروع ہو گیا اور ہمارے بادشاہ کریم اور دوست خالص کے ملک پر بھی دشمن کے حملے شروع ہو گئے۔

اُس کے بعد تمام خبریں منقطع ہو گئیں اور خط و کتابت بند ہو گئی۔ اس لئے نہ تو کوئی صحیح خبر لانے والا دستیاب ہوا اور نہ کوئی ایسا شخص ملا جو ہمارے دوست کے متعلق حقیقی واقعات بیان کرتا۔ اسی اثناء میں ہمارے پاس اہل اندلس کی فریادیں پہونچنے لگیں اور متواتر یہ خبریں آنے لگیں کہ نصاریٰ اُن کے وطنوں کو تباہ کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ اس درمیان میں جو لوگ آپ کے ممالک سے آتے تھے ہم اُن سے آپ کے ہاں کے حالات بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ دیکھیں کہ اُس جگہ فتنہ و فساد کا کیا حال ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ہمیں اُس کے متعلق بھی ایک مخبر ملا۔ اور وہ

ہماری پاس یہ خبر لایا کہ حرم شریف آپ کی وجہ سے بالکل محفوظ و مصئون ہی اور یہ بھی بتایا کہ اب ملک میں اپلی وجہ سی بالکل امن وقرار ہی اور خداء تعالےٰ نے آپ کو اُس پر فتح کیا ہی اور اس طرح فتنہ وفساد کی آگ کو بجھا دیا ہی اور نفاق کے فساد و مرض کو دُور کر دیا ہی۔ اور یہ کہ اب حج کا راستہ پھر حسب دستور کھل گیا ہی اور بیت اللہ شریف کے ہر قاصد و قافل کے لئے راستہ صاف ہوگیا ہی۔ جب اس خبر سے تمام قراین پختہ ہوگئے اور متواتر یہی خبریں وصول ہوتی رہیں تو اُس حفاظتِ اعتقاد نے جو ہم کو آپ پر ہی اور اُس صحیح دوستی نے جو ہم میں اور آپ میں ہے ہم کو اس پر آمادہ کیا کہ ہم یہ خط آپ کو لکھیں۔ جس سے آپ کو مختلف کی باتیں معلوم ہوں گی۔ اس کا منشار یہ ہی کہ آپ کو کچھ خبریں دیں اور آپ سے بھی کچھ اخبار نیں۔ جس میں تعزیت اور مبارکباد دونوں شامل ہیں۔ اور اسی طرح آپ کے اُس بادشاہ کے متعلق بھی کہ جس کے فقدان سے یہ بڑی بڑی مصیبتیں آپڑی ہیں۔ اور جس کی موت کی وجہ سے صبر ہاتھ سے جاتا رہا لیکن ایک عقلمند شخص کے لئے صبر سب سے عمدہ چادر ہی اور ایک صاحب دین متین کے لئے اجر بہترین اشیاء سے ہی۔ لیکن آپ ہی آپ ایسے آدمیوں کا وقار کم نہیں ہوا کرتا اور نہ کسی حادثہ کے وقوع سے اُن کے صبر پر کسی طرح کا اثر ہوتا ہی۔ آپ میں سے جو گزر گیا حقیقت یہ ہی کہ اُس کا ذکر نہیں مرا اور جس کے امور کی آپ نگہبانی کر رہے ہیں اُس کا فخر زائل نہیں ہوا بلکہ بڑھ گیا۔ اُن کے بعد خدا نے آپ کو اپنی ارض مقدس کی حفاظت اور اُس کے زائرین کی حمایت کے لئے منتخب کیا ہی۔ ہم اس تعزیت کے بعد آپ کو بہترین مبارکباد دیتے ہیں۔ ایراد و اصدار خدائے تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہے اور امور کا اضمار و اظہار اُس کی مرضی کے مطابق ہوتا ہی۔ ہم آپ کی اُس سلطنت کی حکومت کے لئے خیر مقدم کرتے ہیں جس پر عزت نے اپنا رداء ڈال دیا ہی جس کو طاقت و غلبہ نے مضبوط کر دیا ہے۔ اور جس سے زمانہ نے امن و امان کا عہد و پیمان کر لیا ہی۔ ہم اب تک اپنے اُس معاہدہ پر قایم ہیں جو ہم نے الملک الناصر رضوان اللہ

علیہ سے کیا تھا۔ آپ پر یہ بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ ہم نے آپ کے پاس چند مصحفین کو بھیجا
تھا اور آپ والد الملک الناصر مرحوم نے اپنی شان کے مطابق اُن سے احسان اور
خوشنودی سے سلوک کیا تھا۔ اُن کے فضل و احسان کی خصوصیات ایسی تھیں کہ جو
کبھی ختم نہ ہوں گی۔ اُنھوں نے تمام دُنیا کو گھیر لیا ہے اور وہ واردین اور قاصدین
کی گردنوں کی طوق ہو گئی ہیں۔ اور بہترین تحفہ جو انھوں نے مجھے دیا وہ یہ تھا کہ جو لوگ
کہ اُن کے پاس گئے تھے اُن کو کچھ زمین خریدنے کا حکم دیا تاکہ وہ اراضی مصحفین
کے لئے وقف کردی جائیں۔ اور اس وقت کا اعلان و اطلاع ایک تحریر کے
ذریعے کر دیا۔ وہ قرّاء اس خراج پر اپنا گزارہ کرتے رہے جیسا کہ الملک الناصر مرحوم
تحریر کر گئے تھے۔ ہم نے اپنے کاتب ابو المجد ابن ابی عبد اللہ ابن ابی مدین کو حکم دیا
کہ اُن اوقاف کے حالات کی تفتیش کرے اور ہمیں اطلاع دے کہ اُن اوقاف کے
ناظر نے اُن میں کیا کیا انتظام یا اسراف کئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ ایسے شخص کو اُس کام
کے لئے منتخب کرے کہ جو اس کے کرنے پر رضامند ہو، اور اُن اوقاف کے اُمور پر
اچھی طرح تصرّف کرے۔ ہم نے آپ سے جو اس بارے میں خط و کتابت کی ہے وہ
اس لئے ہے کہ ہم اپنی قدیمی مضبوط دوستی کو جاری رکھیں اور آپ کو اطلاع دی کہ آپ
کے والد بزرگوار نے اس امر کے متعلق کیا کیا عمدہ کام کئے ہیں۔ آپ کے کمال کا اقتضاء
یہی ہے کہ آپ اپنے اس نیک فعل کو ابدالآباد تک قایم رکھیں بادشاہ مرحوم کے
عمل کی تجدید کریں۔ اور اس طرح اس نیک کام کے اجر جزیل کو پختہ کر دیں۔ اور اس
قاصد کی اعانت کے لئے حکم صادر کر دیں۔ ہم آپ کے لئے اُن زیادتیوں کی تشریح
کرتے ہیں جو ان اطراف میں ہوئیں اور اس سے بھی اطلاع دیتے ہیں کہ اس رقعہ کے
انفاذ میں اتنی دیر کیوں ہوئی اور وہ یہ ہے کہ جب ہمارے پاس اندلس کی جنگ پیکار
کی خبر ہو پہنچی، اور ہمیں خبر ملی کہ کفار نے ہر طرف سے اپنے لشکر جمع کر لئے ہیں اور اُن کی

جماعتیں بلادِ اندلس پر حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہی ہیں اور ملک اندلس کو ہر طرف سے
گھیر کر اُسے نقصان پہنچانا چاہتی ہیں تاکہ کلمہ اسلام کو مٹا دیں اور ایمان کے سایہ
تک کو اس سرزمین سے اُکھاڑ کے پھینک دیں لہٰذا ہم نے اُن پہ سالاروں کو پہلے ہی
روانہ کر دیا کہ جو کشتیوں اور جہازوں میں کام کر سکتے تھے۔ اور ہم اُن کے پیچھے پیچھے
سبتہ تک گئے جو مغرب اقصیٰ کا آخری کنارہ اور باب جہاد ہے۔ مگر ہمارے یہاں پہنچنے
تک دشمن کا فراپنی مرضی کے مطابق سب کچھ لے چکا تھا۔ پھر وہ تمام بلاد میں سے نکل کر
ایک جگہ جمع ہوئے اور جزیرہ خضرا کی طرف گئے۔ مگر باوجودیکہ وہ راستہ بند تھا
ہم نے ارادہ کر لیا کہ جہاں تک ہم میں دم ہوگا ہم اُن مقامات میں آپ کی ضرور
مدد کریں گے۔ چنانچہ ہم نے اُن کو ایک لشکر کے ذریعے سے مدد پہنچائی اور ہم نے ایک
تعداد شمشیر بر داروں کی اُس طرف جس قدر جلد ہم سے ہو سکا روانہ کر دی۔ اور ہم نے
صاحب اندلس کو اتنا مال دیدیا کہ جس سے وہ اس لشکر گمراہ کے مقامات کی طرف
روانگی کی تیاری کر سکے۔ اور اُس کے اور اُس کے لشکر کے لئے ایک بھاری رقم بطور
مشاہدہ کے مقرر کر دی۔ اور اُن پر اس قدر داد و دہش کی جس سے ہمیں ثواب آخرۃ
کی اُمید ہے۔ غرض ہمارے لشکر کی آمد و رفت سواحل کی طرف شروع ہوگئی۔ وہ بہت بڑی
تعداد میں تھے۔ اُن میں بڑے بڑے بہادر لوگ شامل تھے۔ اُن کے گھوڑے مشہور
اور اُن کی خوراکیں بکثرت تھیں۔ اُن کی یہ آمد و رفت اور مشقت اسی طرح جاری رہی
حتیٰ کہ اُن میں سے ۷۰ بہادر شہید ہوئے۔ لیکن ہم نے صرف اتنی ہی امداد پر قناعت
نہیں کی۔ اور ہم نے اپنے بیٹوں میں سے ایک کو جنگ پر روانہ کیا۔ چنانچہ اُس کی دلیری
ضرب المثل ہوگئی ہے۔ اور اُس کے متعلق عموماً لوگ آپس میں گفتگو کرتے رہتے ہیں
علاوہ اس کے وہیں ہماری ایک اور کمکی فوج موجود تھی، جو نہایت بے جگری سے
لڑتی تھی اور دشمن کی پرواہ نہیں کرتی تھی مختصر یہ کہ سمندر کے محاصرہ کا کل زمانہ

ساڑھے تین سال اور خشکی کی جنگ کا تمام عرصہ تقریباً دو سال تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر کی خوراک ختم ہوگئی۔ یہاں تک کہ اُن کے پاس ایک دن کی خوراک بھی نہیں رہی۔ شہر کی آبادی علاوہ عورتوں اور بچوں کے دس ہزار تھی۔ اس کے بعد سلطان اندلس نے کفار سے صلح کرنے کے لئے ہم سے اجازت طلب کی چنانچہ ہم نے صلح کرنے کی اجازت دے دی۔ اور اُس نے نصاریٰ کو صلح کی دعوت دی نصاریٰ نے اس کو قبول کیا اور وہ خوب جانتے تھے کہ شہر میں اب خوراک بالکل نہیں ہے۔ یہ صلح کامل تین سال کے عرصہ تک قایم رہی۔ اُس شہر سے سوار اور مرد اور عورت اور بچے سب کے سب نکل گئے۔ نہ تو اُن کا مال و اسباب کسی طرح کم ہوا اور نہ اُنھیں نکلتے وقت سوائے اس کے اور کوئی تکلیف ہوئی کہ وہ اپنے پیارے وطن کو چھوڑ رہے تھے۔ وہ وہاں سے نکل کے ہمارے پاس آئے۔ ہم نے اُنھیں بہت سا مال و دولت عطا کیا۔ اور جو کچھ اُنھوں نے ہمارے ساتھ کیا تھا ہم نے اُسے عطا و اموال سے بالکل بھلا دیا۔ چنانچہ ہم نے اُنھیں ایک ہزار سے زیادہ شریف گھوڑے، دس ہزار طوق کے ساتھ خلعت دیئے اور اس قدر مال دیا جس سے اُن کے امیر و غریب سب کے سب مالا مال ہوگئے، اور اُن سے بہت رعایت کی۔ اس طرح خدائے تعالیٰ نے اس سرکش کفار کے ضرر سے ہم کو محفوظ کر دیا۔ یہ خدا کا بہت بڑا احسان تھا کہ اُس نے ہمیں اتنی طاقت دی کہ ہم نے جبل طارق کو کفار کے ہاتھ سے چھڑوا لیا۔ اب انشاء اللہ ہم کو اس قدر فرصت میسر آئے گی کہ ہم کفار کی جمعیت کو بالکل منتشر کر دیں۔ اصل یہ ہے کہ اگر وہ ہر طرف سے جمع ہو کر اپنے لشکروں اور جہازوں سے راستے کو روک نہ لیتے تو ہم کبھی ان کی تاخت کی پرواہ نہ کرتے۔ مگر ز کاد لوں کے بھی احکام و اسباب ہوتے ہیں اور جو کچھ کہ قلم قضا و قدر لکھ چکا ہے اُس کو روکنے والا کوئی نہیں ہم نے اب اُس سرحد کے

لئے اور زیادہ ملک کا حکم دے دیا ہے۔ اور اُس کے بلکہ اُس تمام حصّہ ملک کے لئے سامان
اور اسباب جمع کرلیا ہے۔ اور اب ہم پھر اپنے دارالخلافت شہر فاس میں واپس آگئے ہیں
تاکہ لشکروں کو سفر کی تکلیف اور تکان سے آرام ملے، گھوڑوں کو پھر باندھ دیا جائے
اور آیندہ وقت کے لئے سامان وغیرہ کا انتخاب کیا جائے تاکہ سب جہاد کے لئے
تیار رہیں۔ وہاں سے واپس آکر ہم نے آپ کو یہ خط لکھا ہے جس سے خالص دوستی اور
محبت کا اظہار مقصود ہے۔ والسّلام۔ یہ خط ۲۶ ر صفر المبارک سنہ ۷۴۵ ہجری بروز جمعرات
لکھا گیا۔

اس خط کا جواب جو خلیل صفدی، شارح لامیۃ العجم نے ۶ ر رمضان سنہ ۷۴۵ کو لکھا
اُس کا خلاصہ یہ ہے:۔

منجانب امیر المومنین ابوالفداء اسمٰعیل ابن السلطان ابی الفتح محمد ابن السلطان
قلاودن۔ حمد خدا و نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ آپ کا فصیح و بلیغ
مسجع عالی نامہ وارد ہوا۔ جس کے لئے ہم آپ کے بہت مشکور رہیں۔ ہم کو اُس سے بخوبی
معلوم ہوگیا ہے کہ آپ کو ہم سے بالکل خالص برادرانہ محبت ہے۔ آپ نے ذکر کیا ہے
کہ آپ کو دو نسخے مصحف شریف کے حرمین شریفین میں دستیاب ہوئے ہیں اور
اُن کے حال کی تحقیق و تفتیش کے لئے آپ نے اپنے مشہور کاتب "ابوالمجد ابن ابی عبد اللہ
ابن ابی مدین" کو روانہ کیا ہے۔ وہ سب ہمارے ہاں صحیح و سلامت پہونچ گئے، اور
ہم نے اُن کی خاطر و تواضع کی۔ کاتب مذکور ہمارے پاس آیا۔ ہم نے اُس کا کلام سُنا
اور اُسے مخاطب کیا۔ اور آپ کے ایما کے مطابق ہم نے مصحف شریف کے نسخوں
کے متعلق احکام جاری کر دیئے۔ آپ نے جزیرۂ خضرا اور اُس پر غلبۂ کفار کا جو ذکر
کیا ہے وہ ہم پر شاق گزرا۔ مگر بمصداق الحرب سجالٌ اکثر اوقات آپ بھی تو
اُن پر غلبہ حاصل کرتے ہیں۔ اگر ہمارے لئے یہ ممکن ہوتا کہ ہم کسی طرح آپ کی مدد

کرسکیں تو ہمارے نشان مند گھوڑے بازبن کر اُڑ کے وہاں پہنچتے۔ ہماری خمیدہ
کمانوں اور سیدھے نیزوں کے دریا اُن پر بہ جاتے۔ ہم تاروں کی آنکھوں میں نیزوں
کی سلائیوں سے سُرمہ لگا دیتے، اور گرد وغبار کے اندھیرے کو تلواروں کی بجلیوں
سے چاک کرڈالتے۔ دشمنوں کے سروں کو اپنے گھوڑوں کی ٹانگوں کے چوگان
کے لئے گیندیں بنا دیتے اور متواتر حملے کر کرکے جنگ کی شدتوں کو آسان کردیتے۔
ہم نیزوں کو اُن ہی پر اُلٹ دیتے اور تلواروں کے دریاؤں میں گھس جاتے۔ ہم
بھالوں کے کانٹوں کو توڑ ڈالتے۔ اپنے شور وغل سے چٹانوں کو پھاڑ ڈالتے۔ اور
اپنے تیروں کی نوکوں سے اُن کے آنسو بہاتے۔ لیکن اب سوائے اس کے ہم اور
کیا کرسکتے ہیں کہ ہم اپنی اور اپنی رعایا کی دُعا کے لشکر سے آپ کی امداد کریں۔ آپ کے
لشکروں کا جو نقصان ان لڑائیوں میں ہوا ہے اُس کی خبر ہی سے اسلام کا دل کانپ
اُٹھا ہی۔ اور ہر طرف سے غم واندوہ کا نشانہ ہو گیا ہی۔ حق یہ ہے کہ یہ دُنیا ایسی ہے
کہ وہ قضا کی آلودگی سے کبھی بھی صاف نہیں ہوئی۔ لیکن آپ کی حیات وبقا
کی اُمید تمام حادثات و واقعات کے اندیشہ کو دُور کر دیتی ہے۔ صلح کے متعلق آپ کی
جو رائے ہی وہ بہت مبارک اور بڑا عزم ہے۔ خدائے تعالیٰ دشمنوں پر تباہی ڈالے
اور آپ کو اُن پر فتح عطا کرے۔ اور آپ کا فاس کو مراجعت کرنا ضروری تدبیر ہے
اور یہ خوشی اور سرور کا پھل لائیگا۔ آپ کو جبل طارق پر جو فتح نصیب ہوئی ہے اس سے
ہم یہ فال لیتے ہیں کہ یہ گویا خدائے تعالیٰ کی جانب سے خوشخبری لانے والا ہی اور ایک
پہاڑ ہے جو دشمنوں کے تیروں سے آپ کو محفوظ رکھے گا۔ آپ نے مال ومتاع،
نجیب گھوڑے اور طوق و زیور اُن کو عطا فرمایا ہی اُس کا اجر خدائے عزوجل کے
پاس ہی۔ اور دُنیا میں اُس کا وجد سرور اور آخرت میں شرف کا باعث ہی۔ والسّلام۔
اب ہم پھر اپنے اُس مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ قواعد اندلس کس طرح

نصاریٰ کے ہاتھوں میں پہنچ گئے۔ ہم اس باب کے شروع ہی میں یہ کہہ چکے ہیں کہ اندلس کے بڑے بڑے شہروں میں سے کفار نے سب سے پہلے طلیطلہ کو (خدا اُسے دوبارہ ہمیں عطا کرے) فتح کیا۔

ابن بسام کا قول ہے کہ جب اہل طلیطلہ پر فتنہ و حوادث آپڑے اور اہل فرنگ نے اُن پر مصیبت و بلا، جلاوطنی اور قتل و خون کی یکبارگی بوچھاڑ کر دی تو ایک نہایت عجیب واقعہ جو تباہی اور رُسوائی پر دلالت کرتا ہے، یہ ہوا کہ عموماً اُن کے پاس گیہوں پچاس سال تک کھتوں میں جمع پڑا رہا کرتا تھا۔ نہ اُس میں کسی قسم کا کوئی ہوتا تھا اور نہ موسم اُس پر کچھ ایسا اثر کرتا تھا کہ وہ کھانے کے قابل نہ رہیں۔ مگر جس سال کہ دشمن نے اُس شہر پر غلبہ کیا اُس وقعہ یہ ہوا کہ جب کبھی گیہوں کے خرمن میں سے گیہوں لئے جاتے تھے تو وہ بہت جلد خراب ہو جاتے۔ اس سے لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ بھی کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور شاید وہ ہم سب پر ایک بلا عام ڈالنا چاہتا ہے چنانچہ اُسی سال دشمن نے طلیطلہ پر غلبہ پایا اور جو لوگ وہاں حکمراں تھے اُن کو نکال باہر کیا۔ ابن ذی النون شہر سے بہت بڑی وضع اور بدحیثیتی سے نکلے۔ مگر تب بھی اُن کے ہاتھ میں ایک اصطرلاب تھا۔ ہر مسلمانوں کو یہ دیکھکر بہت تعجب ہوا۔ مگر کافر لوگ اُن پر ہنس رہے تھے۔ پھر کفار نے اہل شہر پر اپنا عدل شروع کیا۔ اور وہاں کے کمینہ فرومایہ لوگوں کو نصاریٰ بنا لینا چاہا۔ یہ ایسی بات تھی کہ جسے مسلمان ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر ماہ ربیع الاول ۴۹۶ھ ہجری میں کفار نے جامع مسجد کو بدل کر کلیسیہ بنانا شروع کیا۔ اُس دن ایک واقعہ یہ ہوا کہ شیخ استاذ المغامی رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد کی طرف گئے اور اُس میں نماز پڑھی۔ اور اپنے ایک مُرید کو قرأت کا حکم دیا۔ اتنے میں اہل فرنگ (لعنہم اللہ تعالےٰ) آگئے اور قبلہ کو بدلنے کے لئے زبردستی کرنے لگے۔ لیکن اُن میں سے کسی کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ شیخ کو

اُن کی جگہ سے ہلا سکتے یا اُن سے مقابلہ کرتے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے اُن کو کفار کے ہاتھ سے بچائے رکھا۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے قراۃ کو پورا کیا اور پھر ایک سجدہ کرکے اپنا سر اُٹھایا اور جامع مسجد کے حال زار پر بہت روئے۔ اس کے بعد وہ باہر آگئے۔ مگر کسی نے اُن سے تعرض نہیں کیا اور نہ کوئی بدسلوکی کی۔ نصاریٰ نے اپنے بادشاہ سے کہا کہ جس طرح آپ سے پہلے یہاں کے بادشاہ تاج پہنتے تھے ویسے ہی آپ بھی پہنئے۔ اُس نے کہا کہ میں ایسا نہ کروں گا جب تک کہ میں اُن کے قرطبہ کو بھی فتح نہ کرلوں اور اُس میں اور اُس کی مُرصّع کار مسجدوں میں دوبارہ ناقوس نہ بجاؤں۔ مگر خدائے تعالےٰ نے اُسے جھوٹا بنا دیا اور اُسے اس حرکت سے باز رکھا۔ اور امیر المسلمین ناصر دین یوسف ابن تاشفین آپہنچے۔ اور اُنھوں نے مشرکین کو ذلیل، کفار کو خوار اور مسلمانوں کی مدد کرنے میں کوتاہی نہ کی یہ مختصر بیان ختم ہوا۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

اس سے پہلے ۵۶ھ ہجری میں واقعہ بطر ہوا تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ سال مذکور میں اُن کی ایک جماعتِ کثیف اپنے مقامات سے یکبارگی نکل کے شہر بنبیہ پر آپڑے وہاں کے باشندے جنگ سے بالکل ناواقف تھے۔ طعن و ضرب سے کبھی کسی طرح کا سروکار نہیں رکھتے تھے۔ اور خور و نوش کی لذتوں میں غرق رہتے تھے۔ اہل فرنگ نے (اُن کی یہ حالت دیکھکر) یہ ظاہر کیا کہ وہ اہل شہر سے برسرِ پیکار ہونے پر شرمندہ ہیں اور یہ کہ وہ اُن سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ کفار نے اس طرح اُن کو دھوکہ دیا اور وہ دھوکے میں آگئے۔ کفار نے اُن کو لالچ دیا اور وہ اُس میں مبتلا ہوگئے اور (کفار میں سے) شہسواروں کی ایک جماعت مختلف مقامات میں چھپ گئی۔ اور جب اہل شہر مع اپنے امیر عبدالعزیز ابن ابی عامر کے اپنے لباس فاخرہ میں باہر نکلے تو کفار نے اُن کو آہستہ آہستہ آگے بڑھنے دیا اور پھر اُن پر پلٹ پڑے اور قتل و

قید کے ذریعہ سے اُن سب کو برباد کر دیا۔ اُن میں سے سوائے ایسے شخص کے کہ جیسے خود موت ہی نے بچا لیا ہو، کوئی بھی نہیں بچا۔ امیر نے خود کو بچائے رکھا۔ اُس وقت جب وہ بالکل بے بس ہو گیا تو کہتے ہیں کہ اُس نے یہ شعر پڑھا:۔

خلیلیّ لیس الرای فی صدر واحد
اُشیرا علیّ الیوم ما تریان

(ترجمہ:۔ اے میرے دو دوستو۔ رائے ایک ہی شخص کے سینے میں نہیں ہوا کرتی۔ ذرا آج مجھے مشورہ تو دو کہ تمہاری کیا رائے ہے)

اہل بلنسیہ کے ایسے بھڑک دار لباس پہن کر نکلنے کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے کہ:

لبسوا الحدید الی الوغیٰ ولبستم حلل الحریر علیکم الوانا
ما کان اقبحھم واحسنکم بھا لو لم یکن ببطرنۃ ما کانا

(ترجمہ:۔ اُنھوں نے تو جنگ میں جانے کے لئے لوہے کے کپڑے پہنے۔ مگر تم نے رنگ برنگ کے ریشمی لباس زیب تن کئے۔ اگر جو کچھ کہ بطرنہ میں ہوا وہ نہ ہوتا تو اُن کے بدتر سے بدتر اور تمہارے اچھے سے اچھے لوگ وہاں نہ ہوتے۔)

ابن بسام کا قول ہے کہ اہل طلیطلہ کا بھی یہی حال ہوا۔ کیوں کہ وہاں بھی دشمن نے اُن پر غلبہ پا لیا اور اُن کے بڑے بڑے آدمیوں کو قتل کر دیا اور جب اہل شہر عمدہ عمدہ لباس پہن کر اُن کی طرف گئے تو علاوہ اور چیزوں کے ایک ہزار خودیں اہل فرنگ کے ہاتھ آئیں۔

ابن حیان کا قول ہے کہ دشمن نے بَربُشتَر پر جو سرقسطہ کے قریب شہر برلطانیہ کا ایک قصبہ ہے ۴۵۶ھ ہجری میں غلبہ کر لیا۔ اور وہ یوں ہوا کہ اردملیش کے لشکر نے اُس پر دھاوا کیا اور اُس کو گھیر لیا۔ اور یوسف بن سلیمان ابن ہود نے اُس کی حفاظت میں کوتاہی کی اور وہاں کے لوگوں کو اُن ہی کی حالت پر چھوڑ دیا۔ اس لئے دشمن

چالیس دن تک وہاں ٹھیرا رہا۔ اہل شہر کے آپس کی خوراک کی کمی کی وجہ سے جھگڑے پڑ گئے۔ جب یہ خبر دشمن کو پہونچی تو اُس نے نہایت سختی کے ساتھ جنگ شروع کی اور محاصرہ کو اور بھی زیادہ سخت کر دیا حتیٰ کہ وہ پانچ ہزار زرہ پوش جوانوں کو لے کر شہر میں داخل ہو گیا۔ شہر باشندوں پر اس سے دہشت طاری ہو گئی اور وہ شہر کے بالکل اندرونی حصے میں قلعہ گزیں ہو گئے۔ پھر اُن میں سخت لڑائیاں ہوئیں جن میں پانچسو اہل فرنگ مارے گئے۔ اس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ وہ زمین دوز نہر جس کے ذریعے دریا سے شہر میں پانی آتا تھا ٹوٹ گئی اور اُس میں ایک بڑا سا پتھر گر پڑا جس نے اُس کے راستے کو بالکل بند کر دیا۔ اس لئے شہر میں پانی پہنچنا منقطع ہو گیا۔ اور شہر والے زندگی سے مایوس ہو گئے۔ لہٰذا اُنھوں نے اپنے مال وعیال تک کی پروا نہ کی اور اماں طلب کرنے لگے۔ چنانچہ دشمن نے اُن کو اماں دے دی۔ لیکن جب وہ لوگ اپنے گھروں سے باہر نکلے تو اُس نے اپنے عہد کو توڑ دیا اور سب کو قتل کر دیا صرف اُن کا سپہ سالار ابن الطویل اور قاضی عیسیٰ معہ چند نفر آدمیوں کے سلامت بچے۔ دشمن کو اس قدر مال و متاع ہاتھ آیا کہ جس کا شمار نہیں۔ یہاں تک کہ اُن کے بعض افسروں نے اپنے اپنے قلعوں کے لئے ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار کنواری لونڈیاں مخصوص کر دیں۔ مال و متاع اور زیور و لباس کے پانچسو اونٹ اُن کے ہاتھ آئے۔ جو لوگ اس جنگ میں شہید ہوئے یا قید ہوئے اُن کی تعداد ایک لاکھ (اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پچاس ہزار) نفوس کی تھی۔

جب اس شہر کی زمین دوز نہر ٹوٹ کے خراب ہو گئی اور شہر میں پانی آنا بند ہو گیا اُس وقت جو عجیب و غریب واقعات پیش آئے اُن میں ایک یہ بھی تھا۔ جب کوئی عورت فصیل شہر پر کھڑی ہو کر اپنے قریب کے کسی شخص (غنیم) کو پکار کر اپنے یا اپنے بچے کے لئے پانی مانگتی تو وہ اُس سے یہ کہتا تھا کہ جو کچھ تیرے پاس ہے وہ مجھے دیدے

اس پر جو کچھ اُس بچاری کے پاس کپڑا یا زیور ہوتا وہ دیدیتی ۔ مؤرخ کہتا ہے کہ غنیم کے اُن سب کو قتل کرنے کا سبب یہ تھا کہ اُسے یہ خوف تھا کہ کوئی شخص اُن کی مدد کو آپہنچے گا ۔ علاوہ بریں جب غنیم نے اُن کی کثرت تعداد کو دیکھا تو وہ اور بھی ہول زدہ ہوگیا تو قتل شروع کردیا اور قریب چھ ہزار آدمیوں کے قتل کر ڈالے ۔ پھر جو لوگ بچ گئے تھے بادشاہ نے اُن کے اماں کی منادی کرادی ۔ اور حکم دیا کہ وہ سب باہر نکل آئیں وہ سب کے سب دروازے پر آکر جمع ہوگئے جس کی وجہ سے اُن میں سے بہت سے مر گئے اور اکثر دروازے کے ہجوم کے خوف سے رسّیوں کے ذریعے فصیل سے نیچے اُترے اور جلدی جلدی پانی کی طرف دوڑے ۔ شہر کے وسط میں تقریباً سات سو آدمی جمع ہوئے اور حیران و پریشان اس کے منتظر تھے کہ دیکھیں اب اور کیا مصیبت نازل ہوتی ہے ۔ لیکن جب شہر مقتولوں اور قیدیوں سے خالی ہوگیا اور جب وہ دروازوں اور فصیلوں سے باہر نکالے جا چکے اور اُن میں سے کچھ ہلاک بھی ہوگئے، تب یہ منادی کی گئی کہ اب جو بچ گئے ہیں وہ اپنے اپنے اہل و عیال کو لے کر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں اُن کے لئے اماں ہے ۔ وہ سب سراسیمہ بھاگ کر اپنے گھروں کو آئے جب اُن میں سے ہر ایک شخص اپنے اہل و عیال کے ساتھ اپنے گھر میں پہنچ گیا تو اہل فرنگ نے اپنے بادشاہ کے حکم سے ہر گھر کو معہ اہل و عیال کے اپنے آپس میں تقسیم کرلیا ۔ نعوذ باللہ اہلِ شہر میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جنھوں نے پہاڑوں کی چوٹیوں میں پناہ لی اور اونچی اونچی جگہوں میں جا کر قلعہ گزیں ہوگئے ۔ اور قریب تھا کہ پانی کی قلت کی وجہ سے وہ مارے پیاس کے ہلاک ہوجائیں ۔ مگر بادشاہ نے اُن کو جان کی اماں دی اور وہ پیاس کی وجہ سے بالکل مُردہ صورتیں لئے ہوئے باہر آئے ۔ اُنھیں جانے دیا گیا ۔ مگر جب وہ راستے میں پہنچے تو اُنھیں چند کافر سوار ملے ۔ اور اُن سب کو قتل کردیا ۔ صرف ایسے چند آدمی بچ گئے جن کی موت ہی نے اُن کو محفوظ رکھا ۔ اور جب اہل فرنگ (لعنہم اللہ تعالیٰ) نے اہل شہر پر

غلبہ پالیا۔ اُنھوں نے کنواری لڑکیوں کو اُن کے والدین کے سامنے اور بیاہی ہوئی عورتوں کو اُن کے شوہروں اور اہل وعیال کے سامنے بے آبرو کیا۔ غرض ایسے ایسے حالات پیش آئے کہ جو مسلمانوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اور اگر خود اُن میں سے کوئی شخص معمولی یا ذلیل درجہ کی عورت سے ایسا کرنا نہ چاہتا تو بادشاہ اُن عورتوں کو اپنے نوکروں اور غلاموں کے حوالے کر دیتا تھا جو اُن پر طرح طرح کی سختیاں کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ کفار اُن دنوں میں ایسی حرکتیں کرتے تھے جس کا بیان ممکن نہیں۔

جب اُن کے بادشاہ نے اپنے شہر کو واپس جانے کا ارادہ کر لیا تو اُس نے مسلمانوں سے کنواری لڑکیاں۔ خوبصورت بیاہی ہوئی عورتیں اور خوبصورت لڑکے منتخب کر کے اپنے ساتھ لے گیا تا کہ اپنے سے بالا دست آدمیوں کو تحفہ میں دے۔ اُس نے بربشتر میں ایک ہزار پانچسو سوار اور دو ہزار پیادہ فوج چھوڑی۔

اس کے بعد ابن حیان اُس وقت کے مسلمانوں کی مذمت میں کچھ لکھتا ہے۔ اُس کا قول ہے کہ اُس زمانہ کے اہل اندلس باطل باتوں سے اپنے نفس کو بہلاتے تھے۔ اُن کی جہالت کی سب سے بڑی دلیل تو یہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ سے بالکل دھوکے میں مبتلا رہے اپنے خالق کی طاعت وبندگی سے دُور جا پڑے۔ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو بالکل چھوڑ دیا اپنے ملک کی حدود کی مضبوطی سے غفلت میں رہے حتیٰ کہ دشمن بالکل اُن کے سروں پر آپہنچا۔ اُن کے شہروں میں گُھس گیا۔ اُن کے بقاع ارض کے درپے ہوا۔ ہر روز ایک نہ ایک حصّہ ملک فتح کرنے لگا۔ اور آبادی کو تباہ و برباد کرنا شروع کر دیا۔ اور خود ہمارے ہم کلمہ لوگوں میں سے جو ہمارے آس پاس تھے یا قریب تھے سب بالکل خاموش تھے اور دشمن کے ہر روز زیادہ پھیلنے سے بالکل غافل۔ ہماری کسی مسجد یا محفل میں اُن کا کبھی ذکر تک نہیں سنا گیا۔ نہ کوئی اُن کے لئے دُعا کرتا تھا۔

اور نہ اُن تک چل کر جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بچارے ہم میں سے ہیں ہی نہیں یا یہ کہ اُن کی مصیبت و بلا کبھی ہم تک پہنچنے والی ہی نہیں۔ ہم نے اُن کے لئے دعا تک سے توبخل کیا۔ وللہ عاقبۃ الامور والیہ المصیر۔ انتہیٰ

ابن حیان کا قول بالکل صحیح ہے۔ کیوں کہ یہ مصیبت اُن تک بھی پہنچ گئی جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

اُسی مؤرخ کا قول ہے کہ یہ شہر بربشتر جزیرہ نمائے اندلس کی فتوح اسلامیہ کے زمانہ سے اب تک ان تمام ۳۴۲ سالوں میں بالکل بدل گیا تھا۔ ایمان اُس میں بالکل راسخ ہوگیا تھا۔ اور قرآن کی درس و تدریس ہر جگہ عام ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ اس سال وسط رمضان میں خبر مرگ لانے والا ہمارے قرطبہ تک خبر مرگ لایا جس نے کانوں کو پھاڑ دیا، دلوں کو اُڑا دیا اور اندلس کی تمام زمین میں ایک زلزلہ برپا کر دیا۔ اور اس طرح ہر ایک کے لئے ایک مشغلہ پیدا کر دیا۔ لوگ ہر وقت اسی کا تذکرہ رکھتے تھے اور اسی کے متعلق سوالات کرتے تھے۔ اور ایسے ہی دنوں کے آجانے کا تصور باندھتے تھے اور یہ بھی اُن دنوں کا حال ہے کہ جب تک وہ اپنی پُرانی عادت کو نہیں بھولے تھے اور برابر ویسے ہی موت کو بعید سمجھتے تھے۔ خالی اُمیدوں پر بھولے ہوئے تھے اور ہر امر کو فرقہ کے اُن اُمراء پر چھوڑ دیتے تھے جو اُن کے درمیان میں بالکل سستی اور بیکاری میں مبتلا تھے۔ اپنے فرقوں کو سیدھے راستے سے منحرف کر رہے تھے۔ اور صاف صاف باتوں کے متعلق بھی اُن لوگوں کو شبہ میں ڈالتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ جس دن سے انسان پیدا کئے گئے ہیں اُن کی دو صنفوں میں ہمیشہ آفت رہی ہے۔ ایک امراء اور دوسرے فقہاء۔ جو لوگوں میں بمنزلہ نمک کے ہیں۔ اُن ہی کی دُرستی سے وہ سب درست ہوتے ہیں، اور اُن ہی کے بگاڑ سے وہ بگڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس صدی کو جس میں ہم ہیں ان ہی دونوں صنفوں کے اعوجاج سے محفوظ کر دیا ہے۔ جس سے بچاؤ اور خلاصی کی

کوئی صورت نہیں۔ بنصف مزاج اُمراء کی یہ حالت ہے کہ وہ سیدھے راستے سے ہٹ گئے ہیں، جماعت سے الگ ہوگئے ہیں اور علیحدہ فرقے قایم کرکے بیٹھ گئے ہیں۔ رہے فقہائے سو اُن کے ائمہ اُن کے متعلق بالکل خاموش ہیں۔ جس چیز کی بتین وتشریح کی خدای تعالے نے اُن کو تاکید کی ہے اُس سے روگرداں ہو گئے ہیں۔ اُن میں سے بعض تو مٹھائیاں اور حلوے اُڑاتے ہیں اور بعض اپنی خواہشوں کے پیچھے بھٹک رہے ہیں۔ اُن میں سے بعض البتہ ایسے ہیں کہ جو اس خوف کے موقعہ کو خوب سمجھتے ہیں اور اپنے صدق کے ذریعے حفاظت چاہتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ اُن میں بہت ہی کم ہیں۔ پس ایسی سرزمین کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے کہ جس کا نمک ہی بگڑ گیا ہے جو حقیقت میں تمام غذاؤں کا مصلح ہے اور جو ہلاکت سے شفا دینے والا ہے۔ ان اُمراء کے افعال سے غرور اور خود پسندی اُڈی پڑتی ہے۔ اس حادثہ کے سلئے اُن سے اس کے سوائے اور کچھ نہ ہو سکا کہ گھبراہٹ کے ساتھ خندقیں کھودنا، فصیلیں اُٹھانا ستونوں اور مکانوں کو مضبوط کرنا شروع کر چکا۔

پھر ابن حیان کہتا ہے کہ جب ۵ھ ہجری میں جمادی الاولی کا آخری حصّہ آپہونچا تو قرطبہ میں مسلمانوں کے رجوع کی خبر پھیلی۔ اور وہ یہ تھی کہ احمدؔ المقتدر بن ہود (جس نے اس امر میں زیادتی کی تھی اور اپنے خاندان پر یہ گمان کرتا تھا کہ وہ سب اُس کے بھائی سے مل گئے ہیں) نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بربشتر پر لشکر کشی کی تیاری کی۔ چنانچہ کفار کے ساتھ مسلمان نہایت دلاوری سے لڑے جس سے ڈرپوک لوگوں کو شک ہوگیا اور خدائے تعالیٰ نے خود داروں اور دلیروں ہی کو غالب کیا۔ لڑائی اور بھی زیادہ چمک اُٹھی۔ حتیٰ کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو فتح دی اور اپنے دشمنوں کو شکست۔ وہ لوگ پشت پھیر کر بھاگے اور شہر کے دروازوں میں گھس گئے اُن کے پیچھے پیچھے مسلمان بھی اندر گھس آئے اور اُن سب پر قبضہ کر لیا البتہ وہ

لوگ بچ گئے جو موقعہ جنگ ہی سے بھاگ گئے تھے۔ جب وہ شہر میں داخل ہو گئے تب کافروں پر تلواروں سے حملہ کیا گیا۔ اور سوا اُن کے کم ذات لوگوں کے جن کو غلام بنا لیا گیا، یا اُن کے بڑے بڑے آدمیوں کے جن کا فدیہ لیا گیا، باقی سب کے سب قتل کئے گئے۔ اور اُن کے جس قدر اہل وعیال اور اولاد وہاں تھی سب کو قید کر لیا گیا۔ اور خدائے خالق و باری کی قدرت سے اُس شہر پر پھر قبضہ کر لیا گیا۔ اس فتح میں بہادر اور دین کے مددگار مسلمانوں میں سے قریب پچاس کے کام آئے اور خدائے تعالیٰ نے اُن کو درجۂ شہادت عطا کیا۔ اور خدائے تعالیٰ کے دشمنوں میں سے تقریباً ایک ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادے قتل ہوئے۔ اور مسلمانوں نے اُن کے شرک کی پلیدگی کو دھو دیا اور افک و بہتان کے زنگ کو صاف کر کے مُجلّا کر دیا انتہیٰ

اے کاش کہ طلیطلہ بھی اسی طرح واپس مل جاتا۔ لیکن باوجود اس کے بعد میں غنیم ہر جگہ غالب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے ہی اُمید ہے کہ وہ دن پھر ٹے گا۔

ابن الیسع کا قول ہے کہ جب غنیم نے ۴۷۸ھ ہجری میں شہر تُطیلہ اور طرسونہ فتح کر لئے اور بلنسیہ کا انتظام قاضی ابو احمد بن جحاف کے ہاتھ میں چلا گیا۔ تو قاضی ابو احمد نے یہ اختیار یوسف ابن تاشفین کو دے دیا۔ جس نے القادر بن ذی النون کو (جس نے اذفونش کو شہر طلیطلہ پر غلبہ دیا تھا) وہیں محصور کر دیا۔ قاضی ابو احمد مرابطین کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر اُس پر چڑھ آیا۔ اور اُسے قتل کر دیا۔ ابن جحاف نے وہاں کچھ ایسے کام کئے کہ جو تدبیر شاہی کے لئے شایاں نہ تھے۔ اس سے الملثمین کی ایک جماعت جس پر بہت کچھ دار و مدار تھا وہاں سے واپس آ گئی۔ اور اُنھوں نے امیر المومنین کے پاس آکر فریاد کرنی شروع کی۔ اسی اثناء میں یوسف بن احمد شاہ سرقسطہ نے لذاریق طاغیہ کو شہر بلنسیہ پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے آمادہ کیا چنانچہ وہ اُس میں داخل ہو گیا اور قاضی ابن جحاف نے اُس سے معاہدہ کر لیا اُس نے

اس سے یہ شرط لینا چاہی کہ وہ القادر بن ذی النون کا تمام ذخیرہ اُس کے سامنے پیش کر دے گا۔ مگر اُس نے قسم کھا کر کہا کہ وہ اُس کے پاس نہیں ہے۔ اُس نے کہا کہ میں شرط کرتا ہوں کہ اگر وہ تیرے پاس ہوا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اتفاق سے اُس کے پاس سے وہ سب کچھ مل گیا۔ اس لئے اُس نے قاضی کو آگ میں جلا دیا اور بلنسیہ کو تباہ کر دیا۔

القنبطور نے اُس پر ۴۸۸ھ ہجری میں قبضہ کیا (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ اس سے ایک سال قبل کا ہی) ابن الابار کا قول ہے کہ القنبطور نے پورے بیس ماہ تک اُس کا محاصرہ کیا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ وہ بالکل امن کے ساتھ داخل ہوا مگر اوروں کا بیان ہے کہ جب وہ داخل ہوا تو اُس نے شہر کو جلا دیا اور اُسے بالکل تباہ کر دیا۔ جو لوگ کہ جلائے گئے اُن میں سے ایک مشہور شاعر اور ادیب ابو جعفر بن البناء بھی تھا (خدا اُس پر رحم کرے اور اُس کے گناہ معاف کرے) پھر امیر المسلمین یوسف بن تاشفین نے امیر ابو محمد مرزلی کو وہاں بھیجا۔ چنانچہ ۴۹۵ھ ہجری میں وہ شہر اُس کے ہاتھ سے فتح ہو گیا۔ اس کے بعد اُس پر الملثمین کے کئی اُمراء یکے بعد دیگرے فرماں روا رہے۔ لیکن جب اُس کا حاکم یحییٰ بن غانیہ الملثم تمام شرق اندلس کا حاکم ہو گیا تو اُس کا بھائی عبداللہ بن غانیہ اُس شہر پر آ پڑا۔ اور جب چھٹی صدی میں فتنہ برپا ہوا تو مروان بن عبدالعزیز نے اُسے وہاں سے خارج کر دیا۔ حتیٰ کہ بلنسیہ کا لشکر خود مروان کے سر پر آ پہونچا۔ یہ ۵۳۹ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ اُس لشکر نے شرق اندلس کا تمام ملک ابن عیاض کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اور مروان مُریہ کی طرف بھاگ گیا۔ ابن عیاض کے بعد بلنسیہ پھر شرق اندلس کے بادشاہ ابوعبداللہ ابن مردنیش کے ہاتھ آگیا۔ اور اُس کے پاس اُس کا بھائی ابوالحجاج یوسف بن سعد بن مردنیش آیا اور وہاں سے عبدالمؤمن کی طرف لوٹ گیا۔ یہاں تک کہ بالآخر اُس پر سید ابو زید

عبدالرحمن ابن سید ابو عبداللہ بن ابی حفص ابن امیر المسلمین عبدالمومن بن علی حاکم ہو گیا۔
جب العادل نے مرسیہ پر فوج کشی کی تو اُس نے اعتزاز اور تمتع اختیار کیا اور خفیہ
طور پر نافرمانی کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری کا اظہار کیا۔ وہ اسی طرح عرصۂ دراز
تک ابو العلاء المامون کے ساتھ رہا۔ اُس وقت بلنسیہ پر جو شخص غالب تھا اور وہاں سے
حملوں کو روک رہا تھا، وہ امیر زیان ابن الحلات بن ابی الحجاج بن مردنیش تھا
العادل نے اُسے بلنسیہ سے نکالا۔ اور سید نصاریٰ کی طرف بھاگ گیا۔ بلنسیہ
اسی طرح غنیم کے اُس کے مختلف حصص پر غلبہ پا لینے کی وجہ سے ضعیف الحال رہا
یہاں تک کہ برشلونہ کے نصرانی بادشاہ نے اُس کا محاصرہ کر لیا۔ زیان نے
ابو ذکریا بن ابی حفص صاحب افریقیہ سے استغاثہ کیا۔ اور اُسے اس غرض سے
ایک خط لکھا۔

"سلطان نے اُن کی اعانت کرنے میں جلدی کی۔ اور مال اور خوراک اور لباس
سے لدی ہوئی کشتیاں اُن کی مدد کے لئے بھیجیں۔ یہاں پہونچکر اُن لوگوں
کو معلوم ہوا کہ وہ محاصرہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ طاغیہ نے
بلنسیہ کو فتح کر لیا اور ابن الآبار اپنے اہل و عیال کو لے کر تونس چلا گیا۔
غنیم نے بلنسیہ پر ۶۳۶ھ ہجری میں ۱۷ صفر روز سہ شنبہ کو صلح کے ساتھ فتح کیا"۔

اس واقعہ سے کچھ عرصہ قبل مسلمانوں پر کتندہ (یا بقول بعض قتندہ) کا واقعہ ہوا۔ جو
سرقسطہ کے اعمال میں سے ہے اور دورقہ کے گرد و نواح میں واقع ہے۔ اس میں شکست
مسلمانوں ہی کے حصہ میں آئی۔ اس جنگ میں تقریباً بیس ہزار مطوعہ مارے گئے
مگر لشکر میں سے کوئی بھی قتل نہیں ہوا۔ مسلمانوں کا سردار امیر ابراہیم بن یوسف
بن تاشفین تھا جس کے نام سے فتح بن خاقان نے کتاب قلائد العقیان لکھی ہے۔
یہ سال ۵۱۴ھ ہجری تھا۔

غنیم ۱۰۲۲ھ ہجری میں لوشہ میں داخل ہوا۔ اُس کے ہمراہ سید ابو محمد البیاسی بھی تھا کیوں کہ اُس میں اور العادل میں جھگڑا تھا۔ انھوں نے شہر کو خوب جی بھر کے برباد کیا۔ پھر مسلمانوں نے اُسے واپس لے لیا۔ مگر اس کے بعد پھر (جیسا کہ آگے بیان ہوگا) یہ شہر فتح ہو گیا۔

غنیم بروز جمعہ ۲۱ جمادی الاولی ۱۰۲۴ھ ہجری شہر مریہ میں داخل ہوا۔ اور بہت سختی کے ساتھ اُسے فتح کیا۔

مریہ کی اس جنگ میں مشہور و معروف بزرگ امام ابو محمد عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن علی بن خلف بن احمد بن عمر اللخمی الرشاطی (معروف بہ الرشاطی) شہید ہو گئے وہ علم حدیث، علم الرجال، علم الرواۃ، اور علم تاریخ کے بڑے عالم تھے۔ اور کتاب اقتباس الانوار والتماس الازہار کے مصنف تھے۔ یہ کتاب صحابہ اور احادیث کے رواۃ کے انساب کے متعلق ہے۔ اُن کے بعد اکثر مصنفین نے اس کتاب سے اقتباس کیا ہے۔ یہ کتاب نہایت عمدہ ہے اس میں کسی طرح کی کمی نہیں۔ اُس کا اسلوب وہی ہے جو حافظ ابو سعید بن السمعانی کی کتاب الانساب کا ہے۔ الرشاطی ۱۰۶۶ھ ہجری میں مرسیہ کے ایک گاؤں اَوْرِیُوَالَہ میں پیدا ہوئے اور مُریہ کی جنگ میں جمعہ کی صبح کو بتاریخ ۲۰ جمادی الاولی ۱۰۴۲ھ ہجری میں شہید ہوئے۔ خود اُن ہی کا بیان ہے کہ اُن کے اجداد میں سے کسی کے جسم میں ایک بڑا سا داغ تھا۔ اُن کی انّا ایک عجمی عورت تھی۔ جب وہ اُن کو کھلایا کرتی تھی تو اُن کو رُشاطہ کہا کرتی تھی۔ اُس نے اس لفظ کا استعمال اس کثرت سے کیا کہ اُن کو رُشاطی ہی کہنے لگے۔ انتہیٰ

یہ خلاصہ ہے وفیات الاعیان کا۔ جب اس وقت نصاریٰ مریہ کو فتح کر چکے تو اس کے بعد پھر مسلمانوں کے بادشاہ نے اُسے واپس لے لیا۔ یہ خلاصی الموحدین کے ہاتھ سے وقوع میں آئی۔ اسی طرح کئی سال تک یہ شہر مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں

رہا۔ جب امیر المسلمین عبد المومن بن علی نے اُس پر قبضہ کر لیا۔ اُس وقت اس کا پہلا والی یوسف ابن مخلوف نامی ایک شخص تھا۔ لیکن اہل مریہ نے اُس پر حملہ کیا۔ اور اُسے قتل کر کے رُمیمی کو اپنا حکمراں بنا لیا۔ مگر نصاریٰ نے اُس سے نہایت سختی کے ساتھ یہ شہر واپس لے لیا جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اس شہر کی باکرہ لڑکیاں جو گرفتار ہو گئی تھیں اُن کی تعداد ۱۴ ہزار تھی۔ ابن جلیش جو اندلس کے آخری حفاظ میں سے ایک تھے بیان کرتے ہیں کہ جس وقت دشمن نے مریہ پر قبضہ کیا ہے اُس وقت میں قلعہ میں تھا۔ میں روم کے بادشاہ کیل ابن سلیطین سے ملا (جو اذفونش کا نواسا تھا) اور میں نے اُس سے کہا کہ مجھے تیرا نسب نامہ تجھ سے لے کے ہرقل تک سب یاد ہے۔ اس نے کہا کہ اچھا بیان کرو۔ میں نے سب بیان کر دیا۔ تو اُس نے مجھ سے کہا کہ اچھا تم مع اپنے اہل وعیال کے اپنی جان چھڑا کے بغیر اور کچھ چیز ہمراہ لئے یہاں سے چلے جاؤ۔ جب مریہ فتح ہو گیا تو اُس میں دو سید آئے یعنی ابو حفص اور ابو سعید جو امیر المومنین عبد المومن کے بیٹے تھے، نصاریٰ نے اُن کو محصور کر لیا۔ اور ابو عبد اللہ بن مرنیش مشرق اندلس کے بادشاہ نے اُن دونوں کی جانب کوچ کیا اور اُن سے جنگ کی اس طرح وہ دونوں بھائی نصاریٰ اور مسلمانوں سے اندر اور باہر دونوں طرف لڑ رہے تھے۔ پھر ابن مردنیش کو اپنے اوپر شرم آئی کہ باوجودیکہ وہ نصاریٰ سے لڑ رہے تھے پھر بھی وہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ اس خیال سے وہ واپس ہو گیا۔ اس پر نصاریٰ نے یہ بات بنائی کہ ابن مردنیش تو اس لئے چلا گیا ہے کہ اُس کے پاس اور کمک پہونچ گئی ہے۔ اس پر اُنھوں نے صلح کر لی اور الموحدین شہر میں داخل ہوئے جب کہ وہ بالکل تباہ اور کمزور ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ اُس کی رمق جان کو رئیس ابو العباس احمد بن کمال نے بچا لیا۔ اور یہ اس وجہ سے تھا کہ اُس کی بہن عبد المومن کے داخلہ میں قید ہو گئی تھی اور وہ اپنے محل میں تنہا رہ گئی تھی اور اپنے بھائی کے

لئے اُس نے تکلیف برداشت کی اور آخر اُسے والی بنا ہی دیا۔ یہ رئیس سخی اور مہربان شخص تھا۔ عبدالمومن کے دوران حکومت میں ساتویں صدی میں اُس کا سب سے مشہور والی امیر ابو عمران بن ابی حفص تھا جو افریقیہ کے بادشاہ ابو ذکریا کا چچا تھا۔

جب ۶۲۵ھ ہجری آیا اور اندلس نے ماموں بن عبدالمومن پر حملہ کیا تو ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی یحییٰ (وہ ابو یحییٰ جس کے ہاتھوں سے نصاریٰ نے مُریہ لیا تھا) ابن الازمیمی ابو ہود کے جلانے سے اُس کے پاس مُریہ گیا۔ اور اُس کا وزیر ہو گیا اور اُس کی سیاست کا اختیار اُس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اور اُس نے ابن ہود کو دھوکا دیا کہ قلعۂ مُریہ کو مضبوط کرنا چاہیئے اور اُس میں سامان مہیا کرنا چاہیئے۔ حالاں کہ وہ سب کچھ اپنے ہی لئے کر رہا تھا۔

ابن رمیمی نے مُریہ کے ملک میں استبداد کیا۔ پھر اُس کے بیٹے نے اس پر حملہ کیا۔ اسی طرح مختلف حالات واقع ہوتے رہے اور آخر کار ابن الاحمر صاحب غرناطہ اُس پر قابض ہو گیا۔ اور شہر اُس کی اولاد کے ہاتھ میں رہا حتیٰ کہ اُسے غنیم کافر نے اُس وقت آدبایا جب کہ ملک اندلس کی بساط لپیٹی جا رہی تھی جیسا کہ ہم عنقریب بیان کر دیں گے واللہ غالب علیٰ امرہٖ۔

جب تمام اندلس عبدالمومن کی جماعت پر حملہ آور ہوئی ہے اُس وقت جزیرہ میورقہ کا والی ابو یحییٰ بن ابی عمران التینملی تھا۔ اور اہل فرنگ نے اُس جزیرہ کو اُس سے فتح کر لیا۔ یہ ابن سعید کا قول ہے۔ مگر ابن الآبار کا قول ہے کہ وہ جزیرہ یوم دوشنبہ بتاریخ ۱۴ر صفر ۶۲۶ھ ہجری میں فتح ہوا ہے۔ اور ابن خزومی میورقہ کی تاریخ میں بیان کرتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے اس جزیرہ کے نکل جانے کا یہ سبب تھا کہ اُس کا اُس وقت کا امیر یعنی محمد بن علی بن موسیٰ، سلطنت ماضیہ میں ایک سردار رہا تھا پھر ۶۰۶ھ میں وہ اُس کا والی ہو گیا۔ اور اُسے کچھ لکڑی کی ضرورت ہوئی جیسے یابسہ سے

لاتے تھے۔ چنانچہ اُس نے ایک قافلۂ بحری اور ایک دستۂ جنگی اس غرض سے روانہ کر دیا۔ اس بات کا علم والی طرطوشہ کو ہوگیا اور اُس نے اُن لوگوں کو گرفتار کر لینے کے لئے چند آدمیوں کو بھیج دیا۔ یہ بات والی میورقہ کو ناگوار ہوئی۔ اور اُس نے بلاد روم پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا (اور یہ بہت ہی بُرا ارادہ تھا) اور اُس کے اور اہل روم کے مابین یہ واقعہ ہوگیا۔ اور آخر ذی الحج ۶۲۳؁ھ ہجری میں یابسہ کے والی یہ اطلاع ملی کہ یابسہ پر برشلونہ کا ایک جہاز نمودار ہوا ہے۔ اور ایک اور جہاز طرطوشہ سے اُس کے ساتھ شامل ہوگیا ہے۔ اس لئے اُس نے اپنے بیٹے کو ایک دستہ کے ہمراہ روانہ کیا۔ جب وہ یابسہ کے بندرگاہ پر پہونچا تو اُس نے اہل جنوا کا ایک بہت بڑا جہاز وہاں پایا، اُسے گرفتار کر لیا اور آگے بڑھا یہاں تک کہ اُسے میورقہ کا جہاز دکھائی دیا۔ اس سے جنگ کی اور گرفتار کر لیا۔ اُس نے یہ خیال کیا کہ گویا وہی ایک تمام بادشاہوں پر غالب آنے والا شخص ہے۔ اُس کو یہ نہ سُوجھا کہ وہ عاقر ناقہ سے بھی زیادہ بدبخت ہے۔ جب اس بات کی خبر اہل روم کو ملی تو اُنھوں نے اپنے بادشاہ سے (جو اذفونش کی اولاد سے تھا) کہا کہ بادشاہ کو یہ امر کیوں گوارا ہوا۔ حالاں کہ ہم اپنے جان و مال سے لڑ رہے ہیں۔ اس پر بادشاہ نے اُن سے لڑنے کے لئے عہد لے لیا۔ اور اہل بلاد میں سے بیس ہزار آدمی جمع کئے۔ اور بحر کے لئے سولہ ہزار آدمی کو تیار کیا اور اُن سب کے ہتیار بند ہونے کی شرط لگا دی ۶۲۶؁ھ ہجری میں اس جنگ کی خبر مشتہر ہو گئی۔ اور والی میورقہ نے بھی تیاری شروع کی۔ اور تقریباً ایک ہزار سوار منتخب کئے۔ اہل حضر اور رعیت میں سے بھی اسی قدر جمع کئے۔ اور علاوہ ان کے بارہ ہزار پیادے بھی فراہم کئے یہ اس سنہ کے ماہ ربیع الثانی کا ذکر ہے۔ اس اثنار میں سوء اتفاق یہ ہوا کہ والی نے صاحب شرطہ کو یہ حکم دیا کہ کبرائے شہر میں چار آدمی پیش کرو۔ چنانچہ اس نے اُن کو

ہانکا اور اُن کی گردنیں ماردیں۔ اُن ہی میں اُس کے ماموں کے دو بیٹے بھی تھے۔ اُس کا ماموں ابوحفص ابن سیری بڑے مرتبہ کا شخص تھا۔ لوگ جمع ہو کر اُس کے پاس آئے اور واقعہ سے خبر دی اور اُس کے بیٹوں کی تعزیت کی۔ اور اُس سے معاہدہ کیا کہ وہ بدلہ لینے میں اُس کی مدد کریں گے۔ جب شوال کے درمیانی زمانہ میں جمعہ کے دن والی صبح کو سو کے اُٹھا (جب کہ لوگ اُس سے خوفزدہ ہو رہے تھے اور اُس کی دشمنی سے ڈرے ہوئے تھے) اُس نے صاحب شرطہ کو شہر کے وجیہ اور نعمت پروردہ لوگوں کے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اُس نے اُن کو لا حاضر کیا۔ اسی اثنار میں ایک سوار (جس کی صورت ایک ڈرانے والے کی سی تھی) داخل ہوا اور والی کو اطلاع دی کہ اہلِ رُوم آپہنچے ہیں اور یہ کہ اُس نے خود چالیس سے زیادہ جہازوں کے بادبان گنے ہیں۔ ابھی وہ یہ اطلاع دے ہی رہا تھا کہ ایک اور جانب سے ایک اور شخص آیا اور اُس نے کہا کہ غنیم کا بیڑا آن پہونچا ہے اور یہ کہ خود اُس نے ستر بادبان شمار کیے ہیں اب والی کو اس امر کی صحت کا یقین ہو گیا۔ اس نے اُن لوگوں سے درگزر کیا۔ اُن کے قصور معاف کر دیئے۔ اور اُن کو غنیم کی خبر دی اور تیاری کا حکم دیا۔ وہ سب اپنے گھروں کی طرف اس طرح گئے جیسے قبر سے نکلے چلے آتے ہیں۔ اس کے بعد پھر خبر آئی کہ غنیم شہر کے قریب آگیا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے ایک سو پچاس بادبان شمار کئے اور جب غنیم راستے کو عبور کر کے عین بندرگاہ میں پہونچ گیا تو والی نے ایک جماعت کو باہر بھیجا تاکہ وہ غنیم کے آدمیوں کو اُترنے سے روک دیں۔ چنانچہ وہ اور اُن کے گھوڑے وہیں بندرگاہ ہی پر شب باش رہے۔ اور ۱۰۔ شوال بروز دوشنبہ جنگ واقع ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور نصاریٰ کوچ کرتے ہوئے شہر میں باب الکحل کے راستے جا داخل ہوئے۔ حالات کی یہی شدت رہی حتیٰ کہ وہ شہر کی فتح پر بھی قادر ہو گئے۔ جب ابن سیری نے دیکھا کہ غنیم شہر پر غالب ہو گیا ہے تو وہ جنگل کی طرف

نکل گیا۔ پھر ۱۱ صفر بروز جمعہ شہر میں سخت جنگ ہوئی۔ اور یکشنبہ کو شہر فتح ہو گیا۔ اور اُس کے ساتھ ہی ۴۲ ہزار آدمی ایک ایک کر کے قتل ہوئے۔ والی بھی گرفتار ہو گیا اور اُسے عذاب پہنچائے گئے۔ اس کے بعد وہ پینتالیس یوم زندہ رہا اور ان ہی عذابوں میں فوت ہو گیا۔ لیکن ابن سیری پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔ جو اس قدر بلند تھا کہ جو شخص اُس پر قلعہ گزیں ہو جاتا وہ کبھی نہ پکڑا جاتا تھا۔ اُس کے پاس سولہ ہزار جنگجو جوان جمع ہو گئے اور وہ بھی برابر لڑتا ہی رہا حتیٰ کہ یوم جمعہ بتاریخ ۱۰ اربیع الاول ۶۲۸ھ ہجری وہ بھی قتل ہو گیا۔ اُس کے آبا و اجداد جبلہ بن الایہم بادشاہ غسانی کی اولاد میں سے تھے غرض سب قلعے ماہ رجب ۶۲۸ھ ہجری کے آخر میں فتح ہو گئے، اور شعبان کے مہینے میں جتنے مسلمان اس مصیبت سے بچ رہے تھے۔ بلاد اسلام کی طرف چلے گئے۔ یہ ہے خلاصہ ابن عمیرۃ المخذومی کے بیان کا۔

جب غنیم نے تاریخ مذکورۂ بالا میں جزیرہ میورقہ پر غلبہ پا لیا تو اُس نے جزیرہ مینورقہ پر (جو اُس کے قریب ہی ہے) حملہ کیا۔ اُس وقت ابو عثمان سعید بن حکم اُس کا والی تھا۔ اور اُس سے پہلے ابو یحییٰ مقبول و مرحوم اُس کا والی تھا۔ ابو عثمان نے نصاریٰ سے ایک مقررہ ٹیکس کے بدلے صلح کر لی اور شرط کروالی کہ اُس کے جزیرے میں کوئی نصاری شخص قدم بھی نہیں رکھے گا۔ اُس نے اپنے جزیرہ کا نہایت عمدگی سے انتظام کیا۔ ابو الحسن علی بن سعید کہتا ہے کہ جن لوگوں نے اُس جزیرے میں پناہ لی تھی اُن میں سے ایک نے مجھ سے کہا وہ والی اُن سے اس قدر نیکی سے پیش آتا تھا کہ اُس نے اُسی الگ تھلگ جزیرہ میں اقامت اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا۔

ابو عثمان کی پیدائش اور خاندان غرب اندلس کے ایک شہر طلیبرہ نامی میں تھی۔ غنیم میں مینورقہ کچھ عرصہ کے بعد فتح کر لیا۔ اسی طرح غنیم نے جزیرہ تنقرا از روئے صلح ۶۳۲ھ ہجری میں اور شہر سرقسطہ روز چہارشنبہ ۱۴ رمضان ۶۳۶ھ ہجری میں فتح کیا

اہل فرنگ کا شرق اندلس، شاطبہ وغیرہ پر غلبہ اور وہاں سے تمام مسلمانوں کا اخراج ماہ رمضان ۶۴۵ھ ہجری میں اور شہر قرطبہ روز یکشنبہ ۲۳، شوال ۶۳۳ھ ہجری میں اور مُرسیہ پر از روئے صلح قبضہ بوقت ظہر بروز پنجشنبہ ۱۰ ، شوال کو واقع ہوا۔ والی مُرسیہ احمد بن محمد بن ہود ایک جماعت کو ساتھ لے کر نکلا اور نصاریٰ کے اُمراء سے صلح کر کے شہر مُرسیہ کو اُن کے حوالہ کر دیا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ غنیم نے اشبیلیہ کا محاصرہ ۶۴۵ھ ہجری میں کیا۔ اور اس کے بعد کے سال میں طاغیہ صاحب قشتالہ نے کامل ایک سال اور پانچ (یا کچھ اتنے ہی) مہینے کی جنگ کے بعد دوشنبہ ۵ شعبان کو از روئے صلح اُس شہر کا مالک ہو گیا۔

ابن الابار ابو علی الشلوبین کے حالات کے ماتحت بطور تکملہ کے بیان کرتا ہے کہ اُس کا انتقال میرے سلسلہ اُس وقت ہوا جب کہ وہ ماہ صفر ۶۴۵ھ ہجری کے عین درمیانی حصّہ میں رومی اشبیلیہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اور سال آیندہ میں رومیوں نے اُس کو فتح کر لیا۔

واقعۂ انیجہ، جس میں حافظ ابو الربیع الکلاعی شہید ہوئے ۲۰ ، ذی الحجہ ۶۳۴ھ کو اس سے قبل واقع ہوا۔ مرحوم مذکور برابر کفار کے مقابلے میں جنگ کرتے اور اوروں کو اُبھارتے رہے حتیٰ کہ لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔۔۔۔۔ وہ حدیث کے حافظ اور ناقد تھے۔ ادب میں اعلیٰ لیاقت رکھتے تھے۔ بلنسیہ میں خطیب اور قاضی کے عہدوں پر رہ چکے تھے۔ صاحب حزم و بسالت تھے۔ اور جنگ کے لئے ہمیشہ مستعد اور سب سے آگے رہتے تھے۔ اُن کی تصنیفات میں سے کتاب "مصباح الظلم"، حدیث میں "حلیتہ الامالی فی المواقفات والعوالی"، "المسلسلات"، "الانشادات"، "الاکتفا" مغازی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تین خلفاء کے مغازی کی تاریخ میں وغیرہ وغیرہ متعدد کتابیں ہیں۔

جب اندلس عبد المؤمن اور اُس کی اولاد کے لئے خالی ہو گیا۔ تو اُن کو اُس میں

دشمن دین سے کئی واقعات پیش آئے۔ پھر جب اُس کے بعد اُس کا بیٹا یوسف اُس کا
جانشین ہوا تو وہ ۵۶۶ھ ہجری میں المغرب اور الموحدین کے ایک لاکھ شہسواروں کو
ہمراہ لئے ہوئے اندلس میں داخل ہوا۔ اور اشبیلیہ میں آکر اترا۔ امیر ابو عبداللہ محمد بن
سعد بن مردنیش صاحب شرق الاندلس و مُرسیہ وغیرہ کو اُس سے بہت خوف ہوا چنانچہ
اس کی وجہ سے اُسے دل کا عارضہ ہوگیا اور اُسی میں مرگیا۔ سلطان یوسف نے بلاد
مسلمین کو کفار کے ہاتھوں سے واپس لینا شروع کیا۔ اُس کا ملک اندلس میں پھیلتا
چلا گیا۔ اور اُس کی افواج نے کفار کے پایۂ تخت طلیطلہ پر بھی حملہ کیا۔ یوسف نے اُس کا
محاصرہ کرلیا۔ اہل فرنگ کی ایک جماعت اُن کے پاس آئی۔ اور اُس کی فوج میں
ہر چیز بیحد گراں ہوگئی۔ اس لئے وہ وہاں سے اپنے ملک مراکش کو واپس چلا گیا۔

جب اندلس کے بڑے بڑے شہر مثلاً قرطبہ، اشبیلیہ، طلیطلہ، مرسیہ وغیرہ فتح ہوگئے
تو اہل اسلام، غرناطہ، مُریہ، مالقہ وغیرہ شہروں میں جمع ہوگئے۔ ملک وسیع ہونے کے
بعد پھر تنگ ہوگیا۔ غنیم کا اژدہا ہر وقت کوئی نہ کوئی شہر یا قلعہ نگلنے لگا۔ اور اُن بلاد
کے تنے میں سے ایک ایک شاخ ٹوٹنے لگی۔ جو کچھ تھوڑا بہت ملک اب باقی رہ گیا تھا
اُس پر بنی احمر کے بادشاہ قابض ہوگئے۔ مگر جیسا کہ ابن عاصم نے بیان کیا ہے وہ ہمیشہ
غنیم کے ہاتھوں تکلیف میں مبتلا رہے۔ اور کبھی کبھی وہ کفار کے ملک پر فوج کشی کرتے
اور بنو مُرین۔ یعنی ملوک فاس، سے بعض اوقات اُن کے خلاف مدد طلب کرتے اور
جب سات فرنگی بادشاہوں نے آٹھویں صدی میں غرناطہ کو فتح کرنے کی غرض سے
چڑھائی کی تو اُس شہر کے باشندوں نے اس امر پر اتفاق کرلیا کہ صاحب مغرب (جو
بنی مرین میں سے تھا) کے پاس قاصد بھیج کر اُن سے مدد طلب کریں۔ اور اس کام
کے لئے شیخ ابو اسحٰق بن ابی العاصی، شیخ ابو عبداللہ الطنجالی اور شیخ ابن الزیات البلشی
کو مقرر کیا مگر اُن کے سفر کر جانے کے بعد اہل فرنگ ۵۰ ہزار سوار اور ایک لاکھ

پیادہ فوج لے کر غرناطہ پر چڑھ آئے۔ اور مغرب کے بادشاہ نے اُن کی موافقت نہیں کی۔ مگر خدائے تعالیٰ کے حکم اور اُن تین شیوخ کی برکت سے ایسا ہوا کہ نصاریٰ کو اُسی وقت شکست فاش ہوئی جس وقت سلطان مغرب نے اُن شیوخ کے دل توڑ دیئے تھے۔ اور اس امر میں سیدی ابوعبداللہ الطنجالی کی کرامت ظاہر ہوئی۔ جب کفار نے تمام اندلس پر قبضہ کر لیا تو بنی احمر جو باقی کے ذرا سے حصے پر قابض تھے اُس وقت اکثر اوقات جہاد و جلاد میں مصروف رہتے تھے۔ اُن کی یہی حالت رہی حتیٰ کہ اُن کی دولت و سلطنت کو بھی اُسی بوسیدگی نے آ دبایا جو تمام سلطنتوں کا حصّہ ہوتی ہے۔

جب سلطان ابوالحسن علی بن سعد النصری الغالبی الاحمری کا زمانہ آیا تو حالات و کوائف پھر مجتمع و مطمئن ہو گئے۔ اس سے قبل لوگوں نے اُس کے بھائی ابوعبد محمد بن سعد (جسے زغل کہا کرتے تھے) کے ہاتھ پر مالقہ میں بیعت کر لی تھی بعد اس کے کہ اُس کے پاس نصاریٰ کے پاس سے چند سپہ سالار آئے تھے۔ وہ کچھ عرصہ تک تو مالقہ میں رہا اور پھر اپنے بھائی کے پاس چلا گیا۔ اور جو سپہ سالار اور رئیس مالقہ میں رہ گئے تھے۔ اُن پر کوئی افسر اعلیٰ نہ تھا بلکہ سب درجہ میں برابر ہی رہ گئے۔ پھر حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ سلطان ابوالحسن کی دعوت پر مالقہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور تمام فتنہ و فساد ختم ہو گیا۔ جو کچھ ملک اب باقی رہ گیا تھا اُس پر سلطان ابوالحسن مستقل طور پر قابض ہو گیا۔ اُس نے مشرکین سے جہاد کیا۔ متعدد مقامات کو فتح کیا اور اُس کے حملہ کی بجلیاں دشمن پر چمکنے لگیں۔ وہ اُس سے ڈر گئے اور صلح کے طلبگار ہوئے۔ مگر اس سے لشکر اور بھی زیادہ ہو گئے۔ آخر اُس نے اس امر پر اتفاق کیا کہ اُن سب کو اُس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس غرض سے اُس نے غرناطہ کے قلعہ الحمراء کے باہر میدان میں ایک مجلس قایم کی۔ اس عرض کی ابتداء سہ شنبہ ۱۰ ذی الحجہ ۸۸۲ھ ہجری کو ہوئی۔ اور سال آیندہ کے ماہ محرم کی ۲۲ تاریخ تک متواتر ہر روز لشکر کے آدمی اُس کے سامنے پیش ہوتے رہے۔ ۲۲ محرم کو یہ

کام ختم ہوا۔ اور سیر و تفریح کرنے والوں کا ایک بڑا حصّہ بیگہ اور اُس کے قرب و جوار میں تھا
خدائے تعالیٰ نے ایک زبردست طوفان بھیجا جس کے اثر سے پانی چٹان کو توڑ کے نیچے کی
جانب بہنا شروع ہوا۔ اُس میں اس کثرت سے پانی تھا کہ گویا مشکوں کے منہ کھول دیئے
گئے ہیں۔ یہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے ایک عذاب تھا اور اُن کے فسق و فجور کے لئے
ایک تادیب تھی۔ اس وادی کے کنارے شہر کے جس قدر قہوہ خانے، محل، معاصر، سرائیں
بازار، پُل، باغات تھے سب تباہ ہوگئے۔ اور ہوتے ہوتے آخر یہ سیلاب جامع مسجد کے
میدان تک پہنچ گیا۔ اس طرح کا سیلاب اُن بلاد میں کبھی سُنا تک نہیں گیا۔ اُس وقت روساء
فرنگ کے آپس میں اختلاف ہو رہا تھا۔ اُن میں سے بعض تو قرطبہ میں مستقل حکومت جا بیٹھے
تھے بعض اشبیلیہ میں اور بعض شریش میں۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے صاحب غرناطہ یعنی
سلطان ابوالحسن برابر لذات میں مشغول اور آرام و راحت کی طرف مائل رہا۔ لشکروں کو
ضائع کیا۔ امور سلطنت کو اپنے وزراء پر چھوڑ دیا۔ لوگوں سے محتجب ہوگیا۔ جہاد اور انتظام
مملکت سے قطعی تعلق چھوڑ دیا۔ تاکہ خدائے تعالیٰ جو کچھ چاہے کرے۔ ظلم اور شکایتیں اور
تاوان کثرت سے ہوگئے۔ اس لئے سب خاص و عام اُس کی ان حرکتوں کو ناپسند کرنے گئے
علیٰ ہذا القیاس اُس نے بعض بڑے بڑے سپہ سالاروں کو بھی قتل کر ڈالا۔ کیوں کہ اُس کو یہ
گمان تھا کہ نصاریٰ اس قدر دور کے ملک پر کبھی حملہ نہ کریں گے اور ان کے آپس کا
فتنہ و فساد کبھی ختم نہ ہوگا۔ اتفاق یہ ہوا کہ صاحب قشتالہ نے اُن کے ملک پر غلبہ کرلیا اور
بہت سی جنگ و جدال کے بعد بڑے بڑے مشرکین جو پہلے اُس کے مخالف تھے اُس کے
مطیع ہوگئے اس طرح نصاریٰ کو فتنہ و فساد اور بلاد پر قبضہ کرنے کا ایک طریقہ ہاتھ آگیا۔ اس کی
وجہ یہ ہوئی کہ سلطان ابوالحسن کے دو بیٹے تھے محمدؐ اور یوسف یہ دونوں اس کے چچا ابو
عبداللہ الایسر کے نواسے تھے۔ لیکن سلطان ابوالحسن نے اپنی اس چچازاد بہن پر (جو محمد اور
یوسف کی ماں تھی) ایک رومیہ عورت کو ترجیح دی۔ اور اُس سے نکاح کرلیا۔ چنانچہ

اُس سے بھی اُس کی کچھ اولاد تھی۔ اِس رومیہ بیوی کو تمام امور میں بہت اقتدار حاصل تھا اور تمام مقدمات اُسی کے سامنے پیش ہوا کرتے تھے اس لئے لوگوں کو یہ خوف ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رومیہ بیوی کی اولاد کو مسلمان بیوی کی اولاد پر ترجیح دی جائے۔ اس بنا پر خدام دولت میں تعصب اور تنافر پیدا ہو گیا کیوں کہ اُن میں سے بعض تو مسلمان بیوی کی اولاد کے طرفدار تھے اور بعض رومیہ کی اولاد کے۔ جس زمانہ میں کہ نصاریٰ کو آپس میں فتنہ و فساد برپا تھا اُنھوں نے سلطان سے صلح کر لی تھی۔ لیکن وہ صرف ایک معینہ وقت تک کے لئے تھی جب وہ صلح کا عرصہ تمام ہو گیا تو اُس وقت سلطان ابوالحسن کے خدام میں اُس کی اولاد کی بنا پر جو کچھ ناسازگاری پھیلی ہوئی تھی وہ نصاریٰ کے لئے بہت موافق ہوئی۔ لوگوں کی یہ حالت تھی کہ وہ وزراء اور عمال کی بدسلوکیوں اور ظلم و ستم کی شکایتیں سلطان سے کرتے تھے۔ لیکن وہ ایک کی بھی نہیں سنتا تھا۔ آخر یہ اختلاف بہت بڑھ گیا اور ہوتے ہوتے یہ معاملہ یہاں تک بڑھا کہ لوگوں نے وزیر کو تبدیل کرنے کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا۔ یہ باتیں یہاں تک بڑھیں کہ نصاریٰ کو مسلمانوں کے ضعف سلطنت اور اختلاف باہمی کا یقین ہو گیا۔ اس لئے اُنھوں نے جلدی سے شہر حامہ پر حملہ کیا اور ابھی صلح کے زمانہ کے آخری دن تھے کہ صاحب قادس کی مدد سے اُس پر محض دھوکے سے قبضہ کر لیا۔ یہ ۸۸۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد وہ قلعہ کی طرف گئے اور اُس میں قلعہ گزین ہو کے بیٹھ گئے۔ پھر شہر کو فتح کرنا شروع کیا۔ تمام راستوں میں اپنے سوار اور پیادے پھیلا دیئے۔ اور جو مسلمان دکھائی دیا اُسے تہ تیغ کیا اور حرموں کو لوٹا۔ مگر لوگ اُس وقت بالکل غفلت میں سو رہے تھے اور ایک مخمور آدمی کی طرح اُن میں کوئی استعداد نہ تھی کہ کچھ بھی کر سکتے۔ غرض جن جن کی عمریں خدائے تعالیٰ نے پوری کر دی تھیں وہ تو قتل ہو گئے اور بعض اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ کے بھاگ گئے۔ غنیم نے شہر اور اُس کی تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا جس وقت اہلِ غرناطہ کو اُس کا علم ہوا تو اُن کے عام و خاص سب باہر نکلے۔ نصاریٰ کی تعداد دس ہزار

تھی جن میں پیادے اور سوار دونوں شامل تھے۔ اور ابھی وہ لوٹ مار کا مال و اسباب لے کر
واپس جانے کا ارادہ ہی کر رہے تھے اتنے میں اہلِ غرناطہ کے کچھ آدمی نہایت تیزی کے
ساتھ اُن پر آپڑے۔ غنیم واپس ہو گیا اور مسلمانوں نے شدت سے اُس کا محاصرہ کر لیا
پھر اندلس کے تمام بلاد سے پیادے اور سوار مسلمان آ آ کر حامہ جمع ہونے شروع
ہوئے۔ اور اُنھوں نے چاہا کہ غنیم کے لئے پانی بالکل منقطع کر دیں۔ اور جب عوام الناس
نے دیکھا کہ لشکری لوگ نصیحت ہی نہیں پکڑتے تو اُنھوں نے اُن کو اور وزیر کو قبیح ترین
باتیں سُنانی شروع کیں۔ ابھی وہ اسی میں مصروف تھے کہ ایک شخص نے آکر خبر دی
کہ نصاریٰ کی ایک جماعت عظیم حامہ کے نصاریٰ کی فریاد رسی کے لئے آ رہے ہیں
اس پر مسلمانوں کا لشکر حامہ کو چھوڑ کر آنے والے نصاریٰ سے مقابلہ کرنے
کے لئے چل دیا۔ جب غنیم کو اُن کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ بغیر آگے بڑھے ہی وہیں سے
بھاگ اُٹھے اور اس فرار کے لئے اُنھوں نے اپنی قلیل تعداد کو ایک بہانہ بنا لیا۔ اس
حملہ میں صاحب قرطبہ اُن کا سردار تھا۔

پھر صاحب اشبیلیہ نے نصاریٰ کا ایک بڑا سا لشکر تیار کیا اور حامہ کے نصاریٰ
کی مدد کرنے کے لئے اس تمام پیادہ اور سوار فوج کو لے کر حامہ پر حملہ آور ہوا۔ جب
عسکرِ اسلام کو یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ جمع ہوئے اور لوگوں میں یہ بات شائع کر دی کہ چونکہ
وہ بلا زاد و استعداد وہاں سے آئے تھے اس لئے یہی بہتر ہے کہ غرناطہ کو واپس چلے
جائیں تاکہ اس عرصہ میں لوگ پھر مستعد ہو جائیں اور اُن کو دوبارہ محاصرہ کرنے کے
لئے جس جس چیز کی ضرورت ہو وہ مہیا کر لیں۔ جب مسلمانوں نے شہر کو چھوڑ دیا تو اشبیلیہ
کے نصاریٰ اُس میں داخل ہو گئے اور مشورہ کرنے لگے کہ اُسے چھوڑ کے چلے جائیں
یا وہیں اقامت اختیار کریں۔ آخر اس امر پر اتفاق ہوا کہ اقامت کی جائے۔ اس لئے
اُنھوں نے اُسے پھر مضبوط و محصون کیا اور جس جس چیز کی ضرورت تھی اُس میں مہیا کر

صاحب اشبیلیہ تو واپس چلا گیا مگر اپنے لشکر کو وہیں چھوڑ گیا اور اُن کو کچھ زر و مال تقسیم کر دیا۔ اب مسلمان پھر واپس وائے اور اُس کا محاصرہ کر کے اور بہت تنگ کیا۔ اُنھوں نے شہر میں ایک ایسے مقام کی جانب سے داخل ہونے کا ارادہ کیا جس سے نصاریٰ اُس وقت تک بالکل غافل تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نصاریٰ پر جا پڑی لیکن یہ خوشی مایوسی سے بدل گئی کیوں کہ نصاریٰ کو اس کا علم ہو گیا اور وہ اُسی لئے اُن پر ٹوٹ پڑے۔ اس میں بعض تو پہاڑ کے اوپر سے گر کر ہلاک ہو گئے اور اکثر قتل ہوئے۔ وہ لوگ بسطہ اور وادیٔ آش کے باشندے تھے۔ غرض اس طرح حامہ کے متعلق لوگوں کی تمام اُمیدیں منقطع ہو گئیں۔ اور پھر یاس اُن پر طاری ہو گئی۔

اسی سال کے جمادی الاولیٰ میں یہ خبریں اُڑنی شروع ہوئیں کہ صاحب قشتالہ اتنی بڑی فوج سے حملہ آور ہونے والا ہے کہ جس کا کوئی شمار و حساب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے لوگ غرناطہ میں جمع ہوئے اور اُس کے متعلق آپس میں باتیں کرنے لگے۔ مگر صاحب قشتالہ نے لوشہ پر حملہ کر دیا۔ جس سے اُس کی غرض یہ تھی کہ اُسے بھی فتح کر کے حامہ کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ مسلمانوں کی کچھ تعداد تمام ساز و سامان لے کر نصاریٰ پر حملہ آور ہوئی۔ جو جو اُنھیں ملا اُسے قتل کیا اور مدافعت کے جتنے بڑے بڑے مقامات تھے سب لے لئے۔ اتنے میں غرناطہ سے ایک اور جماعت آ پہونچی۔ جو نصاریٰ میں گھس گئے اور لڑتے لڑتے اُن کو مجبور کیا کہ اپنے خیمے چھوڑ چھوڑ کے بھاگ جائیں۔ اور اُن کے خیموں وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ نصاریٰ بہت سا آذوقہ اور وزنی آلات وہیں چھوڑ کے بھاگ گئے۔

یہ واقعہ اُسی سال میں ۲۷ رجمادی الاولیٰ کو پیش آیا۔ اور بعینہ اسی سال میں امیر ابو عبداللہ اور امیر ابوالحجاج یوسف فرار کر گئے کیوں کہ اُن کو اپنے باپ سے یہ خوف تھا کہ وہ اپنی رومیہ بیوی ثریا کے اشارے سے اُن کو قتل کر دے گا۔ وہاں سے نکل کر اُنھوں نے وادیٔ آش میں قرار پکڑا۔ پھر مُریہ، بسطہ اور غرناطہ اُن دونوں کی دعوت پر اُٹھ کھڑے

ہوئے اور اُن سے بیعت کرلی۔ اس اثنا میں اُن کا باپ ابو الحسن مالقہ کی طرف بھاگ گیا۔
ماہ صفر ۸۸۸ھ میں نصاریٰ کے تمام رؤسا جمع ہوئے اور آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مالقہ
اور بلش کے قریوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اُن کے ساتھ صاحب اشبیلیہ، صاحب شریش،
صاحب استجہ اور صاحب نقیرہ وغیرہ بھی شریک تھے۔ لیکن وہ کسی قلعے کو فتح نہ کر سکے
اور سخت و تنگ مقاموں، خندقوں اور پہاڑوں میں مبتلا ہوگئے۔ اور اہل بلش اور اہل مالقہ
اُن کے مقابلے کے لئے جمع ہوگئے۔ اور مسلمان ہر جگہ اُن پر غلبہ پاتے تھے۔ یہاں تک
کہ وہ مالقہ پہنچ گئے اور اُن میں سے سب سے بڑا رئیس بھاگ کھڑا ہوا۔ اور جو باقی رہ گئے
تھے اُن میں سے یا تو قتل ہوگئے یا مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگئے۔ اُس وقت
سلطان ابو الحسن المنکب کے گرد و نواح کی طرف چلا گیا۔ اور اُس کا بھائی ابو عبد اللہ
مالقہ میں رہا۔ اُس کے ساتھ لشکر کا حصّہ بھی تھا۔ اس واقعہ میں تقریباً تین ہزار نصاریٰ
قتل ہوئے اور دو ہزار کے قریب قید۔ اُن ہی میں سے سلطان کا ماموں، صاحب اشبیلیہ،
صاحب شریش، صاحب نقیرہ وغیرہ سب مل کے تقریباً تیس رئیس تھے۔ اور مسلمانوں کو
جان و مال۔ اسباب اور سونے چاندی کی ایک بہت بڑی غنیمت ہاتھ آئی۔ اس کے بعد
اہل مالقہ بلاد نصاریٰ کی طرف گئے جہاں اُنھوں نے نصاریٰ پر بہت سختی سے زد و کوب
کی۔ جس میں مغرب اندلس کے اکثر سپہ سالار قتل ہوئے۔ اور جب سلطان ابو عبد اللہ ابن
سلطان ابو الحسن نے غرناطہ میں اپنا مستقر بنا لیا اور سوائے مالقہ اور الغربیہ کے باقی تمام
بلاد نے اُس کی اطاعت قبول کرلی تو سلطان ابو الحسن المنکب اور اُس کے گرد و نواح
کی طرف چلا گیا اور اُس کا بیٹا سلطان ابو عبد اللہ غرناطہ کے لشکر کے ساتھ آیا اور جہت
مشرق کی طرف روانہ ہوکر وہ دب نامی ایک موضع میں اپنے باپ سے ملاقی ہوا
سلطان ابو عبد اللہ کو شکست ہوئی۔ اور جب سلطان عبد اللہ صاحب غرناطہ نے یہ سنا
کہ اُس کے چچا نے مالقہ میں نصاریٰ کو لوٹا ہی تو اُس نے غرناطہ اور شرقیہ کے شہروں سے

جنگ کرنے کے لئے سفر کی تیاری کی۔ یہ واقعہ اس سال کے ماہ ربیع الاول کا ہے غرض کہ وہ لشانہ کے نواح میں پہونچ گیا۔ اور قتل و اسیر و غنیمت شروع کردی۔ یہ حالت دیکھکر نصاریٰ ہر طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے اور مسلمان کے درمیان حائل ہوگئے اُن کے شہر پہاڑوں اور تنگ و سخت راستوں میں واقع ہیں۔ لشکر نے شکست کھائی اور بہت سے آدمی قتل اور اسیر ہوگئے۔ اُن ہی میں سلطان ابوعبداللہ بھی قید ہوگیا۔ مگر اُسے کسی نے نہیں پہچانا۔ پھر صاحب لشانہ کو اُس کے وجود سے واقفیت اور صاحب قبرہ (جو مقدم الذکر کے ہمراہ تھا) نے اُسے اپنے قبضہ میں کرنا چاہا۔ اور ابوعبداللہ کو ایک رات اپنے ساتھ لے اُڑا اور صاحب قشتالہ کے پاس پہونچا دیا۔ جس کی وجہ سے اُسے صاحب قشتالہ کی نگاہ میں بہت وقعت حاصل ہوگئی۔ اور دیگر سپہ سالاروں پر اُسے اتنی فوقیت حاصل ہوگئی کہ جب کبھی صاحب قشتالہ کہیں جاتا، یا کسی مقام پر حملے کی تیاری کرتا، تو اُسے ضرور روانہ کرتا۔ جب سلطان ابوعبداللہ اس طرح قید ہوگیا تو کبرائے غرناطہ اور اعیان اندلس جمع ہوئے اور سلطان ابوالحسن کے پاس مالقہ گئے اور اُسے وہاں سے غرناطہ لے گئے اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ حالاں کہ اُس زمانے میں اُسے صرع کا مرض لاحق تھا اور اُس نے اس بنا پر عذر خواہی بھی کی۔ چنانچہ اُس کا بھائی ابوعبداللہ آپہنچا اور اُس نے اپنے حق میں خلع کرالیا۔ ابوالحسن المنکب چلا گیا اور اُس کے بعد اُس کا بھائی ابوعبداللہ سلطنت میں مستقل طور پر جم گیا۔ لیکن سلطان ابوالحسن کا بیٹا ابوعبداللہ اُس وقت تک برابر غنیم کی قید ہی میں تھا۔

ماہ ربیع الآخر سنہ ۸۹۰ھ میں دشمن نے ایک بڑی جماعت کے ساتھ نواحی مالقہ پر حملہ کیا اس سے قبل وہ متعدد قلعوں پر غلبہ حاصل کرچکا تھا۔ اس سال اور قلعوں پر بھی حاصل کرلیا پھر خکوان کا قصد کیا اور اُس کی فصیلوں کو منہدم کردیا۔ اُس وقت اہل غرنیہ اور اہل رندہ میں سے کچھ لوگ اُس میں موجود تھے۔ ایک ہزار زرہ پوش نوجوان سختی کے ساتھ

ذکو ان میں داخل ہو گئے اور خدائے تعالےٰ نے اہل ذکوان کو اُن کی بدولت فتح دی۔ اُنھوں نے اُن سب کو قتل کر دیا۔ پھر اُنھوں نے اماں طلب کر لی اور شہر سے نکل گئے۔ پھر جمادی الاولیٰ میں وہ رندہ کی طرف گیا اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ اُس وقت اہل رندہ ذکوان وغیرہ کی مدد کے لئے گئے ہوئے تھے۔ غرض اُس نے رندہ کا محاصرہ کیا اور اُس کی فصیلوں کو منہدم کر دیا۔ شہر کے باشندوں نے امان طلب کی اور اس تمام قطعۂ ملک نے اُس کی اطاعت اختیار کر لی۔ اور غرب مالقہ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو کافر کی اطاعت میں داخل نہ ہو گیا۔ اور اُس کے ذمہ میں نہ آ گیا ہو۔ اُس نے مالقہ پر بہت تشدد کیا۔ اور اُس کے حصّوں کو مختلف قلعوں میں تقسیم کر دیا۔ تاکہ مالقہ کا محاصرہ کر سکے۔ یہ کرکے وہ اپنے بلاد کی طرف واپس چلا گیا۔

اسی سال ۱۹ر شعبان کو بادشاہ غرناطہ بعض بلاد کی تحصین کی غرض سے روانہ ہوا۔ اسی اثناء میں اُسے یہ خبر ملی کہ غنیم کا مقام اُس قلعہ کے باہر ہی واقع ہے اور ۲۲ر شعبان کی صبح کو نصاریٰ کا لشکر قلعہ پر آ پہونچا۔ وہ رات بھر برابر چلتے رہے تھے اور صبح ہوتے ہوتے قلعہ پر آ پڑے تھے۔ اور اُسی وقت مسلمانوں کا لشکر بھی پہونچا۔ لشکر اسلام نے بلا کسی ترتیب کے نصاریٰ سے قتال شروع کیا۔ اس لئے اُن کا نظام خلل پذیر ہو گیا اور نصاریٰ سلطان کے خیموں تک پہونچ گئے۔ اس کے بعد جنگ پھر سخت و شدید ہونے لگی۔ خدائے تعالےٰ نے مسلمانوں کو تقویت دی۔ کفار کو سخت ہزیمت ہوئی اور اُن میں سے اکثر قتل ہوئے اور وہ پس پا ہوتے ہوئے بھاگ ہی گئے۔ مسلمان کو بہت سا مالِ غنیمت اور آلات حرب حاصل ہوئے، ان سب کو قلعہ میں رکھدیا۔ اس واقعہ کے بعد رمضان تک کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ پھر غنیم کافر نے حصن قبیل کا رُخ کیا۔ اور اُس پر حملہ کرکے اُس کی فصیلوں کو گرا دیا جب مسلمانوں نے دیکھا کہ کفار قلعہ میں داخل ہو چکے ہیں، تو اُنھوں نے اماں طلب کی اور اپنے اموال و اولاد کو لے کر باہر نکل گئے۔ اُن مواضع کے لوگ وہاں سے بھاگ گئے۔ غنیم نے

حصن مشاقر، حصن آلکوز وغیرہ چند قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اور بلاد مسلمین پر سختی کرنے لگے۔
وہ غنیم جدھر جاتا تھا تباہی پھیلاتا وہاں کے باشندوں سے اطاعت طلب کرتا تھا۔ اس کے
بعد دشمن نے اپنی قوت کو ایک حیلہ سے اور بھی قوی کرنا چاہا۔ اس لئے اپنے قیدی سلطان
ابو عبد اللہ کے پاس ایک خلعت بھیجا اور وعدہ کیا کہ جو کچھ وہ چاہے گا اُسے دیا جائے گا۔
اس وعدے کے ساتھ اُس کو بسطہ کے مشرق کی طرف بھیج دیا۔ اس کے علاوہ اُسے
مال واسباب اور آدمی دیئے اور یہ بھی وعدہ کیا جو مسلمان اُس کے حکم کے تحت میں آجائیں گے
اور اُس بلاد کے باشندے اُس کے ہاتھ بیعت بھی کرلیں تو وہ پورے اماں اور صلح کے عہدو پیمان
میں ہوں گے اور اُن سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ یہ مواعد وغیرہ دے کر وہ بلش کو گیا۔ جہاں
کے لوگوں نے اُس کی اطاعت قبول کرلی۔ تمام بازاروں میں صلح کی منادی گئی اور کفار کے
اُن بلاد میں اس امر کا زور سے اعلان کر دیا گیا۔ غرناطہ کی یہ بات پھیلتے پھیلتے ارض بیازین
تک پہونچ گئی۔ جن کا تعصب اور حمیۃ جاہلیۃ اور جہالت مشہور تھی۔ بعض لوگ جو مسلمانوں کا
اختلاف و تفرقہ چاہتے تھے اُن کے پیرو ہوگئے۔ اسی طرح جو لوگ ضعف سلطنت کی وجہ سے
صلح کے خواہشمند تھے وہ بھی اُن کے ساتھ ہوگئے۔ اور شیاطین فتنہ نے لوگوں کو وسوسے
دینے شروع کئے۔ آخر یہ نتیجہ ہوا کہ بیازین کا ایک حصہ اُس سلطان ابو عبد کی دعوت پر
باغی ہوگیا جو اب تک مشرکین کے ہاں قید تھا۔ اس سے خود غرناطہ کے مسلمانوں میں ایک
فتنۂ عظیم برپا ہوگیا۔ خدائے تعالےٰ کا ارادہ یہی تھا کہ دشمن اُن اقطار و جوانب پر مستولی
ہوجائے۔ مسلمانوں نے بیازین پر قلعہ سے پتھر برسائے۔ یہ غلبہ ۸۹۱ھ ہجری میں
۳ ربیع الاول کو شروع ہوا اور جمادی الاولیٰ کے درمیان تک جاری رہا۔ اس کے بعد
یہ خبر پہونچی کہ جس سلطان کی دعوت پر انھوں نے بغاوت کی تھی وہ اس اُمید پر لوشہ
آیا ہی اُس کے اور اُس کے چچا صاحب غرناطہ کے مابین صلح ہوجائے۔ اس طرح کہ ملک
تو چچا کے قبضے میں رہے اور بھتیجا اُس کی ریاست میں لوشہ میں رہے۔ یا وہ جس مقام کو

زیادہ پسند کرے وہاں قیام رکھے اور دونوں چچا بھتیجے مل کر دشمن دین کے لیے مستعد یکجا ہو جائیں۔ ابھی اُن میں اس کے متعلق گفت و شنید ہو ہی رہی تھی کہ صاحب قشتالہ ایک زبردست لشکر اور بکثرت اسباب و سامان ہمراہ لے کر لوشہ پر حملہ آور ہوا۔ جہاں سلطان ابو عبد اللہ قید تھا۔ غنیم نے محاصرہ میں بہت سختی کی۔ اُس وقت بیازین کی ایک جماعت جہاد اور اپنے دوست کی مدد کی غرض سے لوشہ میں داخل ہوئی۔ اہل غرناطہ کو اس سے یہ خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیازین نے یہ سب دھوکے کے لئے کیا ہو۔ غرض کہ سوا بیازین کے اور کوئی اُن کی مدد کے لئے نہیں پہنچا۔ محاصرہ نہایت شدت کے ساتھ شروع ہوا۔ طرح طرح کی باتیں مشتہر ہونے لگیں اور ہر طرف سے یہی آواز آنے لگی کہ یہ سب کچھ قیدی سلطان اور صاحب قشتالہ کی سازش باہمی سے ہوا ہے۔ اہل لوشہ پر عین اُن کے مکانات اور آرام گاہوں میں حملہ کیا گیا۔ انھوں نے استئصال کے خوف سے اماں طلب کی۔ چنانچہ صاحب قشتالہ نے اُن کی جان و مال اور اہل و عیال کو اماں دی۔ اور ۲۶ ر جمادی الاولیٰ ۸۹۱ھ میں شہر فتح ہو گیا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہیں ذکر کیا ہے شہر لوشہ وزیر لسان الدین ابن الخطیب کے زمانے کا شہر تھا۔ الغرض اہل لوشہ نے غرناطہ کی طرف مہاجرت اختیار کی اور قیدی سلطان ابو عبد اللہ نصرانیوں کے ساتھ وہیں رہ گیا۔ تب تو اہل غرناطہ نے غل مچایا کہ وہ لوشہ میں صرف اس غرض سے داخل ہوا تھا کہ عدو کا فر اُسے فتح کر سکے، اور اس سے اُن کے ہاتھوں اُس کی جان بچ جائے اور شہر کو اپنے اوپر قربان کر دیا جائے۔ کہتے ہیں کہ اُس وقت اُس کے بیٹے نے جو فدا، شہر میں مرہون تھا اس بات کو صاف طور پر بیان بھی کر دیا۔ اس پر اُن کے اور اہل بیازین کے آپس میں قیل و قال بڑھ گیا اور جو کچھ قلوب میں پوشیدہ تھا آخر عیاں ہو گیا۔ پھر صاحب قشتالہ سلطان مذکور کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے اپنے مستقر کو واپس چلا گیا۔ اور جمادی الثانی کے نصف میں بلیرہ پر حملہ آور ہوا۔ اُس کی فصیل کے

کچھ حصے کو منہدم کر دیا اور اُس کے باشندوں کو تشدد کی دھمکی دی۔ اس لئے اُنھوں نے اپنی جان کی امان کے بدلے میں قلعہ اُن کے حوالے کر دیا۔ پھر غنیم نے حصن التلین کے کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ اور جب شدید جنگ و قتال کے بعد وہاں کے لوگ سخت تنگ ہو گئے تو اُنھوں نے بھی امان طلب کی اور شہر کو چھوڑ کر غرناطہ چلے گئے۔ اسی طرح اہل قلنبیرہ نے بلا جنگ و خصومت اپنا شہر غنیم کے حوالے کر دیا اور خود غرناطہ کی راہ لی پھر دشمن منتن فریلہ پہونچا اور وہاں کے باشندگان پر آلات آتشیں سے آگ برسائی اور اُن کے دارالعُدۃ کو جلا دیا۔ باشندوں نے اماں چاہی اور اُس مقام کو خیرباد کہکر غرناطہ کو سدھارے۔ اس کے بعد غنیم الصخرہ کو گیا اور اُسے بھی فتح کر لیا۔ پھر ان تمام قلعوں کو محصون کر کے اُن کو اور زیادہ آدمیوں اور سامان وغیرہ کے ذریعے سے مضبوط کیا اور غرناطہ کے محاصرے کے لئے وہیں اپنے گھوڑوں کو مرتب کر کے اپنے بلاد کو واپس ہو گیا۔ اور اپنے قیدی سلطان ابوعبداللہ سے یہ معاہدہ کیا کہ جو شخص اُس کے حکم داخل کے ماتحت ہو جائے گا اُسے کامل امان دے دوں گا۔ یہ مشہور کیا گیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس میں اور صاحب افرنسیہ میں کچھ فتنہ واقع ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ بلش گیا اور وہاں کے لوگوں نے اُس کی اطاعت قبول کی۔ پھر اُس نے تمام بلاد کے پاس پیغام بھیجے کہ جو جو میری موالاۃ اختیار کرنا چاہیں کریں۔ کیوں کہ اب میں صلح صحیح اور عہد وثیق کرتا ہوں کہ جو شخص میری امان میں داخل ہو جائے گا وہ نصاریٰ کی حرکتوں سے بالکل امن میں رہیگا۔ اور میرے پاس سلاطین کے خطوط موجود ہیں جو اس کے لئے کافی وثایق ہیں۔ مگر سوائے اس کے کہ اہل بیازین وغیرہ چند لوگ اس پیغام صلح کو قبول کریں اور کسی نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ اس قسم کے لوگ اس صلح کے عادی ہو گئے اور اُس کی صحت کے لئے دلیلیں پیش کرنے لگے۔ اور باوجودیکہ اُن کے قلوب میں بھی نصاریٰ کی عداوت جاگزیں تھی وہ اہل غرناطہ کے لئے کلام قبیح استعمال کرنے لگے۔ اہل بیازین نے یہاں تک

کیا اُس کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر وہ ان تمام دلائل کے ساتھ اُن اطراف میں داخل ہو
تو وہاں کے لوگ ضرور اُس کی پیروی کریں گے۔ چنانچہ وہ اس کی دعوت پر بغاوت کے
لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور وہ عین غفلت کے عالم میں جب کہ وہ شاید خود بھی ایسا
گمان تک نہ کرتا ہوگا یکبارگی بیازین پر ٹوٹ پڑا اور اُس کے بازاروں میں داخل ہوکر
کامل وصحیح صلح کی منادی کی۔ لیکن اہل غرناطہ نے اسے قبول نہیں کیا اور کہا کہ لوشہ کا واقعہ
ابھی کچھ پرانا نہیں ہوا ہے۔ اس کے بعد غنیم بیازین کے مکانات وغیرہ تک اپنے
آدمیوں کے ہمراہ داخل ہوگیا۔ یہ ۱۷ رشوال ۸۹۱ھ کا واقعہ ہے جب کہ اُس کا چچا
الحمراء میں تھا۔ پھر اُس نے قلعہ میں انتقال مکانی کیا۔ اور فتنہ وفساد بہت زیادہ ہوگیا
بادشاہ قشتالہ نے اہل بیازین کو آدمی، مال واسباب، سامان جنگ، اناج اور ہر چیز
سے مدد دی۔ جس سے اُسے بہت اہمیت حاصل ہوگئی۔ اسباب فتنہ اور بھی زبردست
ہوگئے اور لوگوں میں قتل ونہب شروع ہوگیا۔ ۲۷ محرم ۸۹۲ھ تک یہی عالم رہا۔
اہل غرناطہ نے ارادہ کیا کہ اپنے سلطان ہمراہی میں سختی کے ساتھ بیازین میں داخل
ہوں۔ اہل علم نے نصاریٰ کو شکست دینے اور اُن کی مدافعت کے وجوب کے متعلق تکلم
شروع کیا اور فیصلہ کیا کہ جس نے کافر کی اطاعت کی اُس نے خدا اور اُس کے رسول
(صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کی۔ پھر صاحب غرناطہ نے بسطہ، وادی آش،
المریہ، المنکب، بلش، مالقہ اور تمام اقطار وجوانب کے باشندگان سے
لشکر اور رسد سالار طلب کئے۔ چنانچہ وہ سب غرناطہ میں جمع ہوگئے، آپس میں معاہدہ
کیا اور حلف اُٹھایا کہ اعداء دین کے خلاف وہ سب یک جان کر جنگ کریں گے۔
اور مسلمانوں میں سے جس کسی پر کافر حملہ آور ہوگا اُس کی مدد کریں گے۔ صاحب بیازین
اس سے خوف زدہ ہوگیا اور اس کے متعلق صاحب قشتالہ کو طلب کیا۔ چنانچہ وہ اپنے
مستقر سے نواحی بلش کا قصد کرکے نکلا۔ اس اثناء میں صاحب بیازین نے اپنے

وزیر کو مالقہ اور حصن المنشاۃ کی جانب بھیجا اور اُس کے ذریعے اُن کو تذکیر و تخویف کی اور صلح کے عہد ناموں کا ایک نسخہ بھی اُس کے ہمراہ کر دیا۔ اس سے یہ ہوا کہ مالقہ اور حصن المنشاۃ اُس کی اس دعوت سے بغاوت پر کمربستہ ہو کر اُس کی ایالت میں داخل ہو گئے۔ کیوں کہ اُن کو صاحب قشتالہ اور اُس کی صولت سے خوف بھی تھا اور صلح کا لالچ بھی۔ پھر مالقہ کے بڑے بڑے آدمی اہل بلش کے ساتھ جمع ہوئے اور اُنھیں اس دعوت میں داخل ہونے اور ایسا کرنے کا سبب بتایا۔ چنانچہ اہل بلش نے اُن معاہدات و مواثیق سے سرتابی نہیں کی جو اہل غرناطہ اور کُل اہل اندلس نے کئے تھے۔ صاحب قشتالہ، جو بلش اور مالقہ کے قصد سے نکلا تھا، ربیع الثانی ۸۹۲ھ میں بلش کی طرف آیا اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ جب صاحب غرناطہ کو یہ اطلاع ملی تو اُس نے سب لوگوں کو جمع کیا۔ اور سب کی رائے یہ قرار پائی کہ اپنے عہد کے مطابق اہل بلش کی فریاد رسی کے لئے روانہ ہو جانا چاہیئے۔ اہل وادی آش وغیرہ بھی آکر شامل ہو گئے اور صاحب غرناطہ ان سب کے ہمراہ ۲۴ ربیع الثانی کو غرناطہ سے روانہ ہو کر بلش پہنچا وہاں اسے یہ معلوم ہوا کہ دشمن بر و بحر دونوں طرف سے اُس کی طرف بڑھ چکا ہے۔ اس لئے وہ خود وہیں پہاڑ پر ٹھہر گیا۔ لوگوں نے کثرت سے غل شور برپا کرنا شروع کیا اور اُنھوں نے بلا ترتیب و انتظام نصاریٰ پر حملہ کر دیا۔ مگر جس وقت کہ وہ حملے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے۔ سلطان الزغل کو معلوم ہوا کہ غرناطہ نے صاحب البیازین سے بیعت کر لی ہے۔ اس لئے وہ بھی نصاریٰ سے مقابلہ کرنے میں سست و کمزور ہو گئے۔ اور قبل اس کے گھمسان کی لڑائی شروع ہو وہ منہزم ہو چکے تھے۔ اور اُن کی جماعت پریشان ہو چکی تھی۔ حالاں کہ نصاریٰ اُن سے خوف زدہ تھے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ الغرض وہ شکست کھا کر واپس ہوئے اور خواص شہر میں یہ بات شائع ہو گئی کہ غرناطہ سلطان پر غالب آگیا ہے۔ یہ لوگ تو عازم وادی آش ہوئے اور نصاریٰ سلطان اور اہل غرناطہ

کے مقابلے کی تیاری کرکے بلش کی طرف مُراجع ہوئے۔ بلش پہنچ کر وہ بڑی سختی کے ساتھ اُس کی فصیل کے اندر داخل ہو گئے اور شہر پر بہت کچھ ظلم و شدت کئے۔ غرناطہ پر یہ غلبہ و فتح ۵ رجمادی الاولیٰ کا واقعہ ہے۔ جب اہل بلش نے دیکھا کہ دشمن کُتّے کی طرح اُن کے پیچھے لگ گیا ہے اور مسلمانوں کی فوجیں شکست کھاکر پیچھے ہٹ چکی ہیں تو اُنھوں نے اماں طلب کی اور ۱۰رجمادی الاولیٰ کو جمعہ کے دن شہر سے باہر نکل آئے۔ اور مالقہ کے مشرق کی طرف کے تمام شہروں اور حصن قمارش نے نصاریٰ کی اطاعت قبول کی۔ غنیم یہاں سے مالقہ کے حصار کی طرف گیا۔ مگر اُس وقت تک اہل مالقہ صلح میں داخل ہو چکے تھے اور صاحب البیازین کی اطاعت قبول کر چکے تھے۔ نصاریٰ وہاں مع اجناس و خوراک کے پہنچے اور اپنے سپہ سالار وزیر صاحب البیازین اور شریش کے سپہ سالار کے ہاتھ جو اُس وقت اُسی کے ہاتھ میں مقید تھا صاحب قشتالہ کے پاس تحفہ بھیجا۔ مگر صاحب قشتالہ نے اُس کی جانب التفات نہ کیا، کیوں کہ اُس وقت وہ صاحب وادی آش کی دعوت پر جبل فارہ (مالقہ کا قلعہ) پر مقیم تھا۔ بلکہ وہ فوراً مالقہ کی طرف چل پڑا اور بر و بحر ہر طرف سے اُس پر حملہ کرکے اپنے مدافع اور سامان اور اپنے سواروں اور پیادوں کے ذریعے سے مالقہ کے لوگوں سے خوب برسر پیکار رہا۔ محاصرے نے اس قدر طول پکڑا کہ ہوتے ہوتے خشکی کی طرف سے خندقوں اور فصیلوں سے اور تری کی جانب سے کشتیوں پر سے شہر پر حملے ہونے لگے۔ شہر میں ہر طرف سے داخلہ بالکل بند کر دیا۔ البتہ محاصرے کے دوران میں المرابطین کی ایک جماعت اندر داخل ہو گئی۔ اُنھوں نے فصیلوں کے اندر گھس کر لوگوں پر سختیاں شروع کیں اور اس شدت کا محاصرہ کیا کہ اُن کا تمام اذوقہ ختم ہو گیا اور بالآخر اُنھوں نے اپنے مویشی، گھوڑوں اور گدھوں کو کھانا شروع کیا۔ اُنھوں نے مددگین کے نام خطوط ارسال کئے جو اغاثہ کے خواہشمند تھے۔ لیکن کوئی اُن کی مدد کے لئے نہ پہنچا۔ فاقہ کشی نے اُن پر اپنا اثر کرنا شروع کیا اور اُن کی بہادری

میں قتل و خون جاری ہو گیا۔ مگر باوجود ان تمام باتوں کے اُنھوں نے کسی طرح کی بے چینی یا کمزوری کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ حتیٰ کہ اُن کی حالت میں پورا ضعف ہو گیا۔ اور جب وہ خشکی و تری ہر طرف سے ہر مددگار سے مایوس ہو گئے۔ تو اوروں کی طرح اُنھوں نے بھی نصاریٰ سے اماں کے متعلق گفتگو شروع کی۔ لیکن اُن کے ایسا کرنے کے باوجود اُن پر عتاب کیا گیا اور جب دشمن کو اُن کی التجا کا حال معلوم ہوا تو اُن سے کہا گیا کہ اگر تم قلعہ اور حصن کی کنجی ہمارے حوالے کر دو گے تب تم کو موت سے اماں ملے گی۔ اور تم کو یقین ہونا چاہیئے کہ بادشاہ تم سے ضرور خوش معاملگی سے پیش آئے گا۔ مگر یہ سب کچھ کفار کا مکر و فریب تھا۔ چنانچہ جب کفار نے اُن پر پورا قابو پا لیا۔ تو اُن سب کو گرفتار کر لیا یہ اواخر شعبان ۸۹۲ھ کا واقعہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ اُس نواح میں کوئی مقام ایسا نہیں رہ گیا تھا جسے نصاریٰ نے فتح نہ کر لیا ہو۔

۸۹۳ھ میں عدو کا فر الشرقیہ اور بلش کی طرف گیا۔ حالاں کہ اس سے پہلے اُن سے صلح کی جا چکی تھی۔ مگر پھر بھی دشمن نے اُن پر غلبہ حاصل کیا۔ اہل شہر نے صلح کے لئے احتجاج کیا۔ مگر اُن کی درخواست پر التفات نہ کی گئی۔ اور امن کے ساتھ وہ تمام بلاد فتح ہو گئے۔ اس کے بعد غنیم اپنے بلاد کو واپس چلا گیا۔

۸۹۴ھ میں غنیم بسطہ کے بعض شہروں کی طرف گیا۔ اور لڑ کر اُن سب پر قابض ہو گیا پھر بسطہ پر جا پڑا۔ جب دشمن نے اپنے مقام کو متعین کر لیا تو صاحب وادی آش نے اپنے کل لشکر اور سپہ سالاروں کو اُدھر روانہ کیا اور وادی آش، مریہ، المنکب البشرات کے بہادروں کو جمع کر لیا اور جس وقت دشمن بسطہ پر نازل ہوا۔ یہ تمام جماعتیں بھی ایک دم سے آ پہونچیں اور شہر میں داخل ہو گئیں۔ مسلمانوں اور نصاریٰ میں سخت جنگ ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن بسطہ کے قرب و جوار سے رجعت قہقری پر مجبور ہوا اور شہر کے آنے جانے والوں میں سے کسی کو نہ روک سکا۔ رجب شعبان اور رمضان

میں یہی کیفیت رہی۔ ادھر شہر کے باہر مسلمانوں کا نزول برابر جاری رہا۔ دشمن نے محاصرہ میں پھر شدت کی اور جنگ کرنے کی غرض سے مدافع اور آلات کو فصیلوں کے قریب لے آئے۔ جس سے یہ ہوا کہ انھوں نے شہر کے آنے جانے والوں کو کسی قدر روک دیا۔ ذی القعدہ اور ذی الحجہ کے مہینوں میں اور بھی زیادہ شدت ہوئی اور اذوقہ کم ہوگیا۔ ذی الحجہ کے آخر میں انھوں نے خفیہ طور پر رسد کی پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ نہایت قلیل ہے۔ حالانکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ موسم سرما کے آنے تک دشمن کا قلع قمع کر دیا جائے۔ لیکن دشمن نے ٹھہرنے کا عزم کر لیا۔ مسلمان حد درجہ مایوس ہو گئے۔ اس لئے دیگر مقامات کے باشندوں کی طرح انھوں نے بھی صلح کے متعلق گفتگو کرنا شروع کی۔ دشمن نے خیال کیا کہ ان کے پاس خوراک مطلق نہیں رہی ہے اور اسی لئے وہ صلح کے ملتجی ہوئے ہیں اُن کو اپنے اس خیال پر کامل یقین تھا۔ ادھر مسلمانوں نے الحرب خدعة کے مطابق اُن کو یہ دھوکا دیا کہ ابھی ہمارے بازاروں میں ہر قسم کا سامان خوراک موجود ہے اور اپنے آپ کو باوجود نہ ہونے کے قوی ظاہر کیا۔ پھر چند نصاری اس غرض سے شہر میں داخل ہوئے کہ اُن سے اس کے متعلق گفتگو کریں۔ لیکن اصلی مقصد یہ دیکھنا تھا کہ شہر اور اس کے باشندوں کی اب کیا حالت ہے۔ اور جب اُنھوں نے بقار طعام و قوت کا حال معلوم کر لیا تو سوا، اُن معاونین کے جو وادی آش، المنکب، المریہ، البشرات سے آئے تھے باقی سب کو اماں دی، اور یہ شرط لگا دی کہ اگر اہل شہر ان سب لوگوں کو اپنے ہاں سے نکال دیں تب تو صلح تسلیم کی جائے گی ورنہ نہیں۔ اہل شہر نے ان شرائط سے موافقت نہ کی اور کلام نے اور بھی طول پکڑا۔ پھر اہل شہر کو اصلی حال کے کھل جانے کا اندیشہ ہوا اور اس بات پر متفق ہوئے کہ یہ عہد بسطہ، وادی آش، المنکب، المریہ اور البشرات پر بھی حاوی ہو چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا اور وہ سب لوگ بھی ان ہی کی شرائط پر دشمن کی اطاعت میں داخل ہو گئے۔ پھر بھی بعض امور ایسے تھے جن کا اظہار کیا گیا اور بعض کو خفیہ ہی

رکھا گیا۔ خاص خاص لوگوں کو خوب مال ہاتھ آیا اور بہت سے فوائد حاصل ہوئے

۱۰ محرم ۸۹۵ھ کو جمعہ کے دن نصاریٰ قلعہ بسطہ میں داخل ہوئے اور اس پر قبضہ کرلیا۔ حالانکہ عوام کو شرائط اور التزامات کی مطلق خبر نہ تھی۔ نصاریٰ نے ان سے کہا کہ تم میں جو کوئی یہاں رہ جائے گا وہ اماں میں ہوگا، اور جو کوئی اپنا مال وسلاح لے کر نکل جائے گا وہ بچ جائے گا۔ اس کے بعد انھوں نے مسلمانوں کو شہر بدر کردیا اور ان کے حملے کے خوف سے ان کو شہر کے باہر ہی ٹھیرایا۔ بعد ازاں دشمن نے المریہ کی طرف کوچ کیا اور وہاں کے تمام بلاد نے اُن کی اطاعت قبول۔ چنانچہ صاحب وادی آش بھی المریہ آکر اس سے ملا۔ دشمن نے تمام حصنوں اور بروج فتح کرلئے اور سلطان ابوعبداللہ نے اس کے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کی کہ وہ اس کی اطاعت میں رہیگا اور ان بلاد میں قیام کرے گا جو اس کے حکم کے ماتحت ہوں۔ دشمن نے اس امر کا وعدہ کیا اور اس کے ساتھ وادی آش تک آکر اسی سال میں ماہ صفر کے اوائل میں اس کا قلعہ اس کے حوالے کیا۔ اور تمام بلاد نے اس کی اطاعت قبول کی۔

اب سوائے غرناطہ اور اس کے دیہات کے کوئی مقام ایسا نہ تھا جو فتح نہ ہوچکا ہو صاحب وادی آش کے پاس جس قدر ملک تھا وہ طرفۃ العین میں نصاریٰ کے ہاتھ میں پہونچ گیا۔ جنھوں نے ہر ہر قلعے میں نصرانی سپہ سالار مقرر کئے۔ ان کی عقلوں پر افسوس ہے کہ خود ان ہی میں سے ایک مسلمان سپہ سالار نے کفار کی طرف سے ان کو مال ومتاع لاکر دیا۔ اور یہ ظاہر کیا کہ صاحب قشتالہ نے ان کو انعام دیا ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ دشمن کے پاس سامان اور آدمی بکثرت تھے۔ اس نے ان کے ساتھ ظاہرا اچھا سلوک کیا اور پھر الملاحۃ وغیرہ کا برج فتح کرلیا۔ اس کو از سر نو بنایا اور مضبوط کیا۔ اور اس میں آدمی اور ذخیرہ بھر دیا۔ اس نے صاحب وادی آش کے ساتھ دوستی اور صلح کا اظہار کیا مگر صاحب غرناطہ کے حق میں بدکلامی جائز رکھی۔ پھر اسی سال کے اندر اندر

اس نے صاحب غرناطہ کے پاس پیغام بھیجا کہ جس طرح تمہارے چچا نے اپنے قلعے ہمارے حوالے کر دیئے ہیں تم بھی الحمرا کو ہمارے حوالے کر دو اور اگر تم ایسا کرو اور ہماری حکومت میں داخل ہو جاؤ تو ہم تم کو بہت سا مال دیں گے، اور اندلس میں سے جو جو بلاد تم چاہو گے تم کو مل جائیں گے۔ دشمن صاحب غرناطہ کو ہر قسم کا لالچ دے کر الحمرا پر قبضہ کرنے اور غرناطہ پر غلبہ پانے کے لئے چلا۔ صاحب غرناطہ اپنے اعیان، کبرار لشکر فقہا، اور ہر خاص و عام کو جمع کیا اور اُن کے دشمن کے مطالبہ سے مطلع کیا۔ اور یہ بتایا کہ میرے چچا نے دشمن کی اطاعت میں داخل ہو کر میری اور صاحب قشتالہ کی صلح کو بگاڑ دیا ہے۔ اس لئے اب ہمارے لئے صرف دو صورتیں ہیں۔ یا تو ہم اس کی اطاعت قبول کر لیں اور یا جنگ کریں۔ آخر اتفاق رائے اس پر ہوا کہ ضرور جہاد کیا جائے اور صلح کے عہد کو پورا کیا جائے۔ اتنے میں معلوم ہوا کہ صاحب قشتالہ برج غرناطہ میں آپہونچا ہے اور اہل غرناطہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی اطاعت قبول کریں ورنہ ان کی مزروعہ زمین خراب کر دی جائے گی۔ مگر چوں کہ اہل غرناطہ نے اس سے مخالفت کا اظہار کیا اس لئے اس نے اُن کے تمام کھیتوں کو برباد کر دیا۔ یہ ماہ رجب ۸۹۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں اور ان کے دشمنوں میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ دشمن نے اس وقت مایوسی کے عالم میں وہاں سے کوچ کیا۔ اور چند قلعوں کو توڑ دیا۔

اس کے بعد دشمن نے برج ہمدان اور الملاحہ کی اور ان کو قرار واقعی طور پر مضبوط کر کے اپنے بلاد کی طرف واپس چلا گیا۔ دشمن کی واپسی کے بعد صاحب غرناطہ اپنے تمام آدمیوں کے ساتھ ان قلعوں کی طرف چلا جو اس وقت نصاریٰ کے قبضے میں تھے اور ان کو نہایت سختی سے فتح کر کے جتنے نصاریٰ وہاں تھے ان کو قتل کیا اور مسلمانوں کو ان کی جگہ آباد کر کے غرناطہ کو واپس آ گیا۔ پھر ماہ رجب سنہ مذکور میں اس نے البشرات کی طرف کوچ کیا اور وہاں کے چند دیہات فتح کر لئے وہاں کے تمام نصاریٰ

اور مرتدین بھاگ گئے۔ اس کے بعد صاحب غرناطہ حصن اندرش پہونچا اور اس پر قبضہ کرلیا۔ البشرات نے اس کی اطاعت قبول کی۔ دعوت اسلام وہاں قایم ہوگئی اور وہاں کے باشندے نصاری کے عہد سے خارج ہوگئے۔ وہیں اس کا چچا ابوعبد اللہ محمد ابن سعد ایک بڑی جماعت کے ساتھ موجود تھا۔ صاحب غرناطہ شعبان میں غرناطہ سے ان کی طرف گیا اس کے چچا نے المریہ کو اپنا مستقر بنا لیا۔ اور البشرات سے لے کر برجہ تک تمام علاقے نے صاحب غرناطہ کی اطاعت قبول کی اس عرصے میں اس کے چچا نے نصاریٰ کے ساتھ اندرش کی طرف کوچ کیا اور اسے رمضان میں فتح کرلیا ادھر صاحب غرناطہ قریۂ ہمدان کی طرف چلا۔ جس کا زبردست برج آدمیوں، سازو سامان اور آزوقہ سے پُر تھا۔ اہل غرناطہ نے اُس کا محاصرہ کیا اور کئی لڑائیاں لڑیں جن میں خلق کثیر کام آئی۔ اُنھوں نے اُس کے پہلے، دوسرے اور تیسرے برج میں شگاف کر دیا اور محصورین کو مجبور کیا کہ اُس کے سب سے برج یعنی قلعے میں پناہ گزیں ہوں۔ مگر اُنھوں نے اُس میں بھی شگاف کر دیا۔ اور وہاں کے سب لوگوں کو گرفتار کرلیا، جن کی تعداد ایک سو اسی تھی۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے وہاں کے تمام سامان اور آلات حرب پر بھی قبضہ کرلیا۔

ماہ رمضان کے آخری حصے میں صاحب غرناطہ المنکب کے قصد سے نکلا۔ اور حصن شلوبانیہ پہونچ کر اُس کا محاصرہ کرلیا۔ اور اُس کو سختی کے ساتھ فتح کیا۔ چوں کہ اُس نے قلعے کی آمد و رفت بالکل روک دی تھی اس لئے اُن کے پاس تمام امداد مالقہ سے براہ دریا آتی تھی۔ پھر بھی وہ کسی چیز پر قادر نہ ہو سکے اور تنگی میں رہے استنے میں خبر پہونچی کہ صاحب قشتالہ نے اپنے مستقر سے مرج غرناطہ کی طرف خروج کیا اس لئے صاحب غرناطہ قلعہ شلوبانیہ کو چھوڑ کر تیسری شوال کو غرناطہ پہنچا۔ اس کے وہاں پہونچنے کے بعد دشمن مرتدین کے ساتھ مرج میں وارد ہوا۔ لیکن آٹھ دن کے بعد

اسے اپنے بلاد کی طرف واپس جانا پڑا۔ اور جاتے جاتے الملاحۃ کے بُرج کو منہدم اور خالی کر گیا۔ اور سیدھا وادی آش پہونچکر وہاں سے تمام مسلمانوں کو خارج کر دیا چنانچہ اس شہر اور اس کے گرد و نواح میں کوئی مسلمان باقی نہ رہا۔ اس کے بعد دشمن نے قلعہ اندرش کو بھی منہدم کر دیا۔ اور ان بلاد پر ظلم و ستم برپا کیا جب سلطان زغل یعنی ابوعبداللہ محمد ابن سعد سلطان غرناطہ کے چچا نے یہ دیکھا تو اس نے برالعدوۃ پہنچنے میں مبادرت کی اور دہران تک گیا اور وہاں سے تلمسان پہونچا اور اسے اپنا مستقر بنا لیا۔ چنانچہ آج اسی کی نسل وہاں موجود ہے اور بنو سلطان الاندلس کے نام سے مشہور ہے۔ اس عرصے میں چوں کہ صاحب قشتالہ اور اہل فرنگ میں بگاڑ ہو گیا اس لئے وہ اپنی مملکت کے دور دراز حصّے میں چلا گیا۔ ادھر صاحب غرناطہ نے برشانہ پر حملہ کیا۔ اور محاصرہ کے بعد اس کو فتح کر لیا۔ اور جس قدر نصاریٰ وہاں موجود تھے سب کو گرفتار کر لیا۔ اس کے جوانوں نے نصاریٰ کا پھر مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ صاحب وادی آش آپہونچا اور ان کو خوب قتل و غارت کیا۔

اسی سال ذی القعدۃ میں صاحب غرناطہ سند سے اُٹھا اور وہ تمام اوطان انسان کی آبادی سے بالکل خالی ہو گئے۔

۱۲ رجادی الاُخریٰ ۸۹۶ھ میں دشمن اپنے مقامات سے نکل کر مرج غرناطہ کی جانب گیا۔ اُس نے تمام کھیتوں کو تباہ اور تمام زمین کو پامال کر دیا اور دیہات کو منہدم کر کے ایک اور موضع مع ایک فصیل اور ایک خندق کے بنانے کا حکم دیا۔ لوگوں میں یہ ذکر اذکار رہتے تھے کہ اُس نے وہاں سے واپس ہو جانے کا عزم کر لیا ہے حالاں کہ اُس نے اس کے برعکس کیا اور اپنی تمام تر ہمت محاصرہ اور قیام میں صرف کر دی۔ اور غرناطہ پر روز بروز زیادہ سختی کرتا گیا۔ چنانچہ سات ماہ تک جنگ و قتال برابر جاری رہا۔ مسلمانوں پر محاصرہ نہایت سخت گزرا۔ مگر نصاریٰ اس سے

بچے رہے۔ غرناطہ اور البشرات کے درمیان جبل شلیر کی طرف سے پانی اور خوراک کی آمدورفت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ آخر موسم سرما یہ آپہونچا۔ کڑاکے کی سردی ہونے لگی۔ اور برف باری شروع ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانی اور خوراک کی درآمد منقطع ہوگئی اذوقہ کم ہوگیا، گرانی بڑھ گئی، مصیبت دوبالا ہوگئی۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ دشمن نے شہر کے باہر اکثر مقامات پر غلبہ پاکر کے مسلمانوں کو کھیتی باڑی کرنے سے روک دیا۔ اور سامان خوراک سے بالکل محروم کردیا اس سے مسلمان بہت تنگ حال ہوئے اور مقابلہ بدتر سے بدترین ہوگیا۔ یہ تمام واقعات ۸۹۶ھ کے اوائل تک کے ہیں۔ اس کے بعد دشمن نے لڑنے بھڑنے کا فکر چھوڑ دیا اور مسلمانوں کی فاقہ کشی اور گرانی اجناس سے فائدہ اٹھا کر غرناطہ پر غلبہ حاصل کرنا چاہا۔ اس وجہ سے بہت سے لوگ فاقوں سے تنگ آکر البشرات کی طرف بھاگ گئے۔ ماہ صفر میں ان سختیوں میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ خوراک بالکل کم ہوگئی، مصیبت بے اندازہ بڑھ گئی شہر کے باشندے سب مل کر وہاں کے مشہور اہل علم کے پاس گئے۔ اور ان سے اس معاملہ میں غور وخوض کرنے اور اس باب میں سلطان سے گفتگو کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ ان (اہل علم) کی معروض پر سلطان نے اہل دولت اور ارباب مشورہ کو جمع کیا اور اس معاملہ میں گفتگو شروع کی کہ دشمن روز بروز زیادہ ملک حاصل کر رہا ہے لیکن ہمارے پاس مدد کا کوئی سامان نہیں ہے۔ حالاں کہ ہمارا خیال تھا کہ وہ موسم سرما میں یہاں سے دفع ہوجائے گا۔ لیکن ہم کو مایوسی ہوئی اور اس نے اُلٹا یہاں قیام کرلیا اور عمارات اور دیہات کی بنیاد ڈالنے لگا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ ہم قریب ہوگیا۔ لہذا اب تم اپنی جان ومال اور اولاد کی حفاظت کرو۔ آخر اس پر اتفاق ہوا کہ دو تکلیفوں میں سے جو زیادہ آسان ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ اسی اثنا میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ نصاریٰ اور رؤسا لشکر میں شہر حوالے کردینے کے متعلق گفتگو

ہو چکی ہے۔ اور یہ کہ لشکریوں نے اپنے اور اہل شہر کی جان و مال کے ضائع ہونے کے خوف سے یہ گفتگو کی تھی۔ پھر دشمن نے اپنی من مانی شرطیں، اور اپنے مطلب گنوانے شروع کئے۔ اُدھر وادی آش کی صلح میں جو شرائط پیش ہوئی تھیں اس سے بھی زیادہ سخت شرطیں پیش کی گئیں۔ مثلاً ان شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ صاحب رومہ ان شرائط کی پابندی اس صورت میں کرے گا کہ مسلمان حمرا، غرناطہ اور تمام معاقل اور حصون اس کے حوالے کر دیں۔ اور یہ کہ صاحب رومہ نصاریٰ کی عادت کے موافق ان عہد و شرائط کے ایفاء کی قسم کھانے کو تیار رہے۔ لوگوں نے اس کے متعلق آپس میں گفتگو شروع کی۔ بیان کرتے ہیں کہ جب لشکر اسلام کے روساء اس باب میں نصاریٰ سے گفتگو کے لئے نکلے تو نصاریٰ یکبارگی ان کے اموال و ذخائر پر آپڑے پھر ان کے آپس میں عہد و پیمان ہوئے اور تمام شرطیں اہلِ غرناطہ کے سامنے پیش کی گئیں جنھوں نے چپ چاپ ان کو تسلیم کر لیا اور ان سے اتفاق ظاہر کیا۔ اور صاحب قشتالہ کے ہاتھ پر بیعت کا تحریری عہد دیدیا۔ چنانچہ اس نے اس بیعت کو قبول کیا اور سلطان غرناطہ الحمراء سے نکل آیا۔

اسی سال یعنی ۸۹۷ھ کی دوسری ربیع الاوّل کو کفار نے الحمراء پر غلبہ حاصل کر لیا اور غدر سے بے خوف ہونے کے لئے غرناطہ کے اعیان میں سے تقریباً پانچ سو آدمی بطور یرغمال کے اپنے پاس رکھے۔ صلح نامہ کی کل شرائط کی تعداد ۶۷ تھی جن میں یہ بھی شامل تھا کہ ہر صغیر و کبیر کی جان و مال اور اہل و عیال کو امان ملے گی۔ لوگوں کو حسب دستور اپنے اپنے مکانات اور حویلیوں میں رہنے کی اجازت رہیگی، اور وہ برابر اپنی جائدادوں اور زمینوں کے مالک رہیں گے۔ مسلمانوں کی شریعت بدستور جاری رہے اور کسی شخص پر کسی طرح کا تحکم نہ کیا جائے گا۔ مساجد و اوقاف کی حفاظت کی جائے گی اور اُن کو ان کی اصلی حالت پر قایم رکھا جائے گا۔ کوئی نصاریٰ کسی مسلمان کے مکان میں داخل

نہیں ہوگا۔ کسی کا مال غصب نہیں کیا جائے گا۔ کوئی نصرانی یا یہودی مسلمانوں پر حاکم
نہیں بنایا جائے گا۔ جو لوگ غرناطہ میں قید ہوئے ہیں وہ جہاں ہوں اُن کو وہیں
رہا کر دیا جائے گا۔ مگر مسلمان قیدیوں میں سے جو بھاگ کر غرناطہ میں داخل ہوگا وہ
نہ تو اپنے مالک کے پاس واپس جاسکے گا اور نہ کسی اور کی ملکیت میں ہوگا۔ بلکہ سلطان
اس کی قیمت مالک کو دیدیگا۔ جو کوئی دریا پار جانے کا قصد کرے گا اس کو روکا
نہ جائے گا اور ایک مقررہ مدت کے اندر اندر ان کو اختیار ہوگا کہ کرایہ دے کر
سلطانی کشتیوں کے ذریعے سے آمدورفت کرسکیں۔ پھر اس مقررہ مدت کے بعد
ان کو ان کے مال کا دسواں حصّہ اور کرایہ واپس مل جائے گا۔ کوئی شخص کسی اور کے
قصور پر ماخوذ نہیں ہوگا۔ جو شخص نصاریٰ کے پاس سے واپس آکر مسلمان ہوجائیگا
اس پر کسی طرح کا جبر نہیں کیا جائے گا۔ اور مسلمانوں میں سے جو نصرانی ہو جائے گا
اس کو چند دن کی مہلت دی جائے گی تاکہ اسکا اصلی حال ظاہر ہوسکے۔ اس کے بعد
اس کو ایک مسلمان اور ایک نصرانی حاکم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اگر وہ اسلام
کی طرف رجوع کرنے سے انکار کرے تو اس کو مہلت دی جائے گی کہ وہ جو کچھ
چاہے کرے۔ زمانۂ جنگ میں اگر کوئی مسلمان کسی نصرانی کو قتل کردے تو اس کو
سزا نہیں دی جائے گی۔ اور اگر اس نے لڑائی کے زمانہ میں نصاریٰ سے کچھ مال
چھین لیا ہے تو وہ واپس نہیں لیا جائے گا۔ کسی مسلمان کو یہ تکلیف نہیں دی جائیگی
کہ وہ نصاریٰ کے لشکر کو مہمان رکھے اور کسی خاص سمت میں سفر کرے۔ محاصل معمول
سے زیادہ نہیں بڑھایا جائے گا۔ اور جس قدر نئے تاوان اور قرض ان پر ہوئے
ہیں وہ سب اُٹھا دیئے جائیں۔ کوئی نصرانی فصیل پر نہیں چڑھے گا اور نہ مسلمانوں
کے گھروں میں جھانکے گا اور نہ کسی مسجد میں داخل ہوگا۔ ہر مسلمان جو نصاریٰ کے
بلاد میں ہوگا اپنی جان و مال سے امان میں رہیگا۔ مسلمانوں کے لئے کوئی ایسی

خاص علامت مقرر نہیں کی جائے گی جیسی یہود اور حبشیوں کے لئے بھی کسی موذن یا نمازی یا روزہ دار وغیرہ کو امور دین سے روکا نہ جائے گا۔ اور جو ان پر ہنسے گا اس کو سزا دی جائے گی۔ چند مقررہ سالوں تک مسلمانوں سے کسی قسم کا تاوان وغیرہ نہیں لیا جائیگا۔ اور یہ کہ صاحب رومتہ ان تمام شرائط پر کاربند ہوگا۔ ان پر اپنے دستخط کرے گا غرض اسی قسم کی اور بھی شرائط ہیں جن کا ذکر ہم نے ترک کر دیا ہے۔ اس عہدنامہ کے دستخط ہونے اور نصاریٰ کے الحمرا، اور شہر میں دخول کے بعد اُنھوں نے الحمرا پر ایک سپہ سالار اور شہر کے لئے حکام وغیرہ مقرر کئے۔ جب اہل البشرات کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی اس صلح میں داخل ہوگئے اور ان ہی شرائط پر دشمن اُن پر بھی حاکم ہوگیا۔ پھر عدوِ کافر نے حکم دیا کہ الحمرا میں جس جس چیز کی ضرورت ہو اُس کی بنیا ڈالی جائے۔ اُس کی درستی اور مضبوطی کی جائے اس کے محلات و قصور از سرِ نو بنائے جائیں۔ اور اُس کی فصیل کی اصلاح کی جائے۔ طاغیہ نے دن کو الحمرا میں رہنا اور رات کے اپنے مقام میں بسر کرنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ وہ غدر کے خوف بالکل مامون ہوگیا۔ اس کے بعد وہ شہر میں داخل ہوا اور اُس کا ہر طرف چکر لگا کر حالات کا پتہ لگایا۔ پھر اُس نے مسلمانوں کے سلطان کو حکم دیا کہ وہ البشرات کو چلا جائے۔ اُس کے اُدھر جاتے ہی اس نے شہر سے تمام لشکروں کو نکال باہر کیا۔ اور برالعدوۃ کی جانب کوچ کرنے کا حیلہ کیا اور ظاہر کیا کہ سلطان مذکور نے اُسے طلب کیا ہے۔ اس غرض سے اُس نے صاحب المریہ کو لکھا کہ جس وقت میرا یہ خط وہاں پہنچے اُس وقت سے کسی شخص کو اجازت نہیں ہے کہ مولائی ابوعبداللہ کو برالعدوۃ سے کسی طرح سفر کرنے سے روکے اور جو شخص اس خط سے واقف ہو جائے اُسے چاہیئے کہ اُس کے عہد کے مطابق اُس کے ساتھ وفاداری سے پیش آئے۔ چنانچہ وہ اُسی وقت اس خط کو لے کر دریا کے راستے سے مَلیلہ پہونچا اور فاس کو اپنا وطن بنا لیا۔ اس سے پہلے اُس نے مراکش کی طرف خاتگی

اجارت حسب کی تھی۔ اور اس پر کسی طرح کا تشدّد نہیں کیا گیا تھا۔ مگر بر العدوۃ جاتے ہوئے اُسے شدّت اور گرانی اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر نصاریٰ نے اپنا عہد توڑ دیا۔ اور ایک ایک شرط کی خلاف ورزی کی۔ یہاں تک کہ اُن کی سختی اس حد کو پہنچ گئی کہ وہ سنہ ۹۰۴ھ مسلمانوں کو نصرانی ہو جانے پر مجبور کرنے لگے۔ اس کے علاوہ اور کئی امور واسباب بھی تھے جن میں سے سب سے بڑا اور قوی یہ تھا کہ اُنھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ پادریوں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ہر وہ شخص جو نصاریٰ سے مسلمان ہوا ہے دوبارہ جبراً و قہراً نصرانی کیا جائے۔ چنانچہ اُن لوگوں کو ایسا ہی کرنا پڑا۔ لوگوں نے اس کے متعلق بات چیت شروع کی۔ مگر اُن میں بل بوتا ہی کتنا تھا کہ کچھ فائدہ ہوتا۔ اس کے بعد اُن بیچاروں پر ایک اور ظلم ڈھایا گیا۔ اور وہ یہ کہ وہ ہر مسلمان شخص سے یہ کہتے تھے کہ تیرا دادا نصرانی سے مسلمان ہوگیا تھا اس لئے تو بھی دوبارہ نصرانی ہوجا۔ جب یہ واقعہ سب کو معلوم ہوگیا تو اہل البیازین حکام کے خلاف ہوگئے اور ان کو قتل کیا لوگوں کے نصرانیت اختیار کرنے کا یہ سبب بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا تھا کہ جو کوئی کسی حاکم کی مخالفت کرے گا۔ اس کی سزا موت ہی۔ لیکن اگر وہ نصرانی ہو جائے تو اس سے بچ سکتا ہی۔ مختصر یہ کہ تمام بادیہ او رحاضرہ لوگ نصرانی ہوگئے۔ البتہ دن میں چند آدمیوں نے نصرانیت کے قبول نہیں کیا اور نصاریٰ سے کنارہ کش ہوگئے۔ لیکن اس عمل سے ان کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اسی طرح مختلف دیہات و مقامات، مثلاً بلفیق اور اندرش وغیرہ نے بھی نصرانیت سے انکار کیا۔ اس کے جواب میں دشمن نے ان کے خلاف ایک بہت بڑی جمعیت جمع کی اور ان کو ایک ایک کر کے قتل و قید کر دیا۔ اس قتل و غارت سے صرف وہ لوگ بچے جو جبل بلنقہ میں مقیم تھے۔ خدائے تعالیٰ نے دشمن کے خلاف ان کی مدد کی۔ مگر بالآخر ان میں سے بھی بہت سے مارے گئے۔ چنانچہ صاحب قرطبہ بھی کام آگیا۔ اور ان سب کو امان کے

ساتھ مع ان کے اہل وعیال کے فاس کی طرف نکال دیا گیا۔ اور علاوہ اہل وعیال کے ان کو ذخائر کے سوا اثاث البیت کی ہلکی ہلکی اشیا بھی لے جانے کی اجازت مل گئی۔ اس کے بعد مسلمانوں کا یہ حال ہو گیا کہ جن لوگوں نے جبراً اپنی نصرانیت کا اظہار کر دیا تھا وہ خفیہ طور پر اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے تھے اور نمازیں پڑھتے تھے لیکن نصاریٰ نے اس امر میں بھی ان پر سختیاں کیں اور اسی سبب سے اکثر مسلمانوں کو زندہ جلا دیا۔ ان کو چھوٹی سی چھری بھی اپنے پاس رکھنے سے منع کیا۔ مسلمانوں نے بارہا نصاریٰ کے خلاف بعض پہاڑوں میں سرکشی اختیار کی لیکن خدائے تعالیٰ نے ان کے لئے کوئی ناصر و مددگار پیدا نہ کیا۔ حتیٰ کہ ابھی زمانہ قریب، یعنی ۱۰۱۸ھ میں نصاریٰ نے سب کو خارج کر دیا۔ چنانچہ ہزاروں مسلمان فاس کی طرف چلے گئے اور ہزاروں دہران سے تلمسان کی طرف نکل گئے اور ان میں سے اکثر تعداد تونس کو چلی گئی جہاں اعراب ان پر مسلط ہو گئے اور انھوں نے خوف خوف خدا کو بالائے طاق رکھ کر ان کے راستے بند کر دیئے اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا یہ حال بالخصوص تلمسان اور فاس میں ہوا صرف ایک قلیل تعداد ایسی تھی جو ان مصیبتوں سے بچی۔ لیکن جو لوگ نواحی تونس کی طرف چلے گئے تھے ان میں سے اکثر بچ گئے۔ چنانچہ انھوں نے آج تک وہاں کے کئی غیر آباد دیہات و بلاد کو آباد کر دیا جن کی مثال تطاون، اسلا اور جزائر فیجہ ہیں۔ جب مغرب اقصیٰ کے سلطان نے ان کا ایک لشکر جرار تیار کر کے ان کو سلا میں آباد کیا تو انھوں نے سمندر میں جہاد کیا اور وہ وہ کارہائے نمایاں کئے کہ آج تک مشہور ہیں۔ انھوں نے قلعہ سلا کی تحصین کی۔ اور اس میں قصر اور حمام اور محل بنائے جو آج تک اسی حالت میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت قسطنطنیہ، مصر، شام وغیرہ بلاد اسلام کی طرف بھی گئی جو ان بلاد میں آج تک موجود ہیں۔ واللہ وارث الارض ومن علیہا و ھو خیر الوارثین (حق یہ ہے کہ زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کا وارث اللہ ہی اور وہ بہترین وارث ہے) سلطان مذکور جس سے غرناطہ چھن گیا۔ وہ ابو عبد اللہ محمد

ابن السلطان ابی الحسن ابن السلطان سعد ابن الامیر علی۔ ابن السلطان یوسف ابن السلطان محمد الغنی باللہ ہے۔ اسی کے عہد میں اندلس کی مملکت میں اسلام کا خاتمہ ہوگیا اور اس کے نشان تک مٹ گئے۔ ملیلہ سے نزول کے بعد سلطان مذکور نے مع اپنے اہل و عیال کے شہر فاس کا رُخ کیا جہاں اس نے اندلس کی وضع پر کئی قصر تعمیر کئے، جن کو میں نے دیکھا ہے اور ان میں داخل ہوا ہوں۔ اُس نے ۹۴۰ھ میں بمقام فاس انتقال کیا اور باب الشریعت کے باہر مصلیٰ کے بالمقابل دفن کیا گیا۔ اس نے دو بیٹے چھوڑے جن میں سے ایک کا نام یوسف اور دوسرے کا احمد تھا۔ اس سلطان کی اولاد آج تک فاس میں موجود ہے چنانچہ اب یعنی ۱۰۳۷ھ تک میں ان کی اولاد و ذریات کو فاس میں دیکھتا ہوں۔ ان کو فقراء اور مساکین کے اوقاف سے مدد دی جاتی ہے اور شہر کے اور بھکاریوں میں ان کا بھی شمار ہے۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ؕ

قد تمت الکتاب فی شہر رمضان من السنۃ الہجریۃ الف وثلثمائۃ وست وثلثین المطابق بسبعۃ وعشرین من شہر یونیۃ من سنۃ ۱۹۱۸ المیلادی ؕ

البیرونی۔ دسویں صدی کا فاضل ہے مگر تبحر علمی اور دقیق النظری میں بیسویں صدی کا فرد معلوم ہوتا ہے۔ البیرونی اس کے حالاتِ زندگی اور کمالاتِ علمی پر مشتمل ہے قیمت مجلد عہ

فلسفۂ اجتماع۔ تالیف ہے اور اس کا موضوع نفس اجتماعی یعنی جماعت کے اعمال و قوائے دماغی کی تحلیل و تشریح ہے موجودہ انقلاب میں اس کا مطالعہ دلچسپی اور فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ قیمت عہ

قاعدہ و کلید قاعدہ۔ مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے۔ ان کی تشریح کے لئے ایک کلید بھی تیار کی ہے۔ قیمت قاعدہ ۲ ر کلید قاعدہ ۴ ر

دریائے لطافت۔ ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاء اللہ خاں کی تصنیف ہے اردو صرف و نحو اور محاورات والفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب غریب نکات درج ہیں۔ قیمت عہ

طبقات الارض۔ اس فن کی پہلی کتاب تقریباً جملہ مسائل قلمبند ہیں انگریزی اور اردو ان دونوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ قیمت عہ

مشاہیر یونان و روما۔ پلوٹارک لاوز کا ترجمہ ہے سیرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے وطن پرستی و بے نفسی، عزم جوانمردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ لبریز ہے۔

جلد اوّل غیر مجلد قیمت عہ جلد دوم مجلد قیمت عہ

اسباق نحو۔ دو حصے ملک کے ادیب کامل مولانا مولوی حمید الدین صاحب بی اے کی تالیف سے ہیں۔ اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے عربی خواں طلبہ کے لئے نادر تحفے ہیں قیمت فی رسالہ ۴ ر ان سب کتابوں کے ملنے کا پتہ:۔

معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)